مرآۃ المناجیح

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

6

ترتیب و تدوین

علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

قادری پبلشرز

اردو بازار۔ لاہور

صلی اللہ علیہ وآلہ

مرآۃ المناجیح
شرح
مشکوٰۃ المصابیح
ترتیب وتدوین
علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
قادری پبلشرز
اردو بازار - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	...------...	مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (جلد ششم)
ترتیب وتدوین	...------...	امام شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح	...------...	حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام	...------...	غلام عبدالقادر خان
کمپوزنگ	...------...	ورڈز میکر
مطبع	...------...	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم
بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام
کلام شیخ سعدیؒ
کتبہ گوہر قلم

فہرست مراۃ المناجیح

(جلد ششم)

بَابُ الْعَقِيْقَةِ
عقیقہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عقیقہ بنا ہے عقّ سے بمعنی کاٹنا، الگ کرنا، اس لیے ماں باپ کی نافرمانی کو عقوق کہتے ہیں اور نافرمان اولاد کو عاق کیونکہ وہ نافرمان بھی اپنے ماں باپ بلکہ خدا تعالٰی کی رحمت سے کٹ جاتا ہے، الگ ہوجاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں عقیقہ، بچے کے سر سے اتارے ہوئے بال بھی عقیقہ ہیں اور اس حجامت کے وقت ذبح کیا ہوا جانور بھی عقیقہ ہے یعنی الگ کئے ہوئے بال اور سر کاٹا ہوا جانور۔ امام احمد کے ہاں عقیقہ واجب ہے۔ باقی اماموں کے ہاں سنت۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ قربانی کے واجب ہونے سے تمام ذبیحہ منسوخ ہوگئے۔ جیسے روزہ رمضان واجب ہونے سے تمام دوسرے روزے منسوخ ہوگئے غسل جنابت واجب ہونے سے اور دوسرے دنوں کے غسل منسوخ ہوئے (اشعۃ اللمعات) امام اعظم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیقہ کے وجوب کا انکار فرماتے ہیں، سنت کا نہیں۔ کیونکہ غسل جنابت سے جمعہ وعیدین کے غسل کی سنت باقی ہے وجوب ختم ہوا۔ یوں ہی زکوٰۃ کی فرضیت سے صدقہ فطرہ باقی ہے۔ لہٰذا قول یہ ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔

عقیقہ کے احکام قربانی کی طرح ہیں کہ عقیقہ کی بکری ایک سال سے کم نہ ہو، گائے دو سال سے اور اونٹ پانچ سال سے نیز بکری صرف ایک کی طرف سے ہوسکتی ہے، گائے اونٹ میں سات عقیقہ ہوسکتے ہیں، اس طرح کہ لڑکے کے دو حصے، لڑکی کے لیے گائے وغیرہ کا ایک حصہ۔ عقیقہ کا گوشت بھی قربانی کی طرح تین حصے کیا جائے، ایک حصہ خیرات، ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم اور ایک حصہ اپنے گھر کھایا جائے۔ سری نائی کو، ران دائی کو دی جائے اگر وہ دونوں مسلمان ہوں۔ بقیہ احکام کتب فقہ میں دیکھو۔

عَنْ سَلْمٰنَ بْنِ عَامِرِ نِ الضَّبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّاَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۳۹۶۹) روایت ہے حضرت سلمان ابن عامر ضبی سے [۱] فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے [۲] تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی [۳] دور کرو۔ (بخاری)

(۳۹۶۹) [۱] آپ صحابی ہیں، بصری ہیں، آپ کے سوا کوئی بصری راوی حدیث نہیں۔ (مرقاۃ) [۲] یعنی ہر بچہ کے ساتھ عقیقہ سنت ہے جو اس کی ولادت کے ساتویں روز کیا جائے کہ بچہ کے بال مونڈ دیئے جائیں۔ بکری ذبح کردی جائے۔ لڑکی کی طرف سے ایک لڑکے کی طرف سے دو۔ اسی دن اس کا نام رکھا جائے۔ بالوں کے برابر چاندی وزن کرکے خیرات کردی جائے۔ [۳] گندگی سے مراد سر کے بال ہیں، کیونکہ وہ بال ماں کے پیٹ سے ساتھ آتے ہیں، آلائش میں لتھڑے ہوتے ہیں اگرچہ دائی غسل دیتے وقت انہیں دھودیتی ہے مگر ان کا سر سے دور کردینا اچھا ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ گندگی دور کردینے سے مراد بچہ کا ختنہ کردینا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۷۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ انہیں دعائے برکت دیتے اور ان کی تحنیک کرتے تھے [۱] (مسلم)

(۳۹۷۰)۵ تحنیک یہ ہے کہ کوئی بزرگ چھوہارا یا کوئی میٹھی چیز اپنے منہ میں چبا کر بچے کے تالو سے لگا دے۔تا کہ سب سے پہلے بچہ کے منہ میں مقبول الٰہی کالعاب اور شیرینی پہنچے پہلی غذا کا بچہ پر بڑا اثر پڑتا ہے۔بزرگان دین پہلا پھبا بزرگوں سے دلواتے ہیں۔اہل مدینہ خوش نصیب تھے کہ ان کے نومولود بچوں کو پہلے حضور انور کی گود،حضور کی دعا،حضور کا لعاب نصیب ہوتا تھا۔ہم تو مدینہ کی گلیوں کو ترستے ہیں۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ بِمَکَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُّ بِقُبَاءٍ ثُمَّ اَتَیْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِیْ حَجْرِهٖ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِیْ فِیْهِ ثُمَّ حَنَّکَهٗ ثُمَّ دَعَا لَهٗ وَبَرَّکَ عَلَیْهِ وَکَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِی الْاِسْلَامِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۳۹۷۱) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق سے کہ وہ مکہ معظمہ میں عبداللہ ابن زبیر کی حاملہ ہوئیں۔فرماتی ہیں کہ قباء میں میرے ہاں ولادت ہوئی۱ پھر میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی اور حضور کی گود میں رکھا۔آپ نے چھوہارا منگایا اسے چبایا،پھر ان کے منہ میں تھوک دیا پھر ان کی تحنیک کی۲ پھر ان کے لیے برکت کی دعا مانگی اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو پیدا ہوا۔۳ (مسلم بخاری)

(۳۹۷۱)۱ حضرت اسماء جناب صدیق اکبر کی صاحب زادی اور ام المومنین عائشہ صدیقہ کی بہن ہیں حضرت زبیر ابن عوام کے نکاح میں تھیں۔عبداللہ بن زبیر جو مشہور صحابی ہیں ان کی والدہ ماجدہ ہیں فرماتی ہیں کہ میں عبداللہ بن زبیر کی حاملہ تو ہو چکی تھی قبل ہجرت،مگر ان کی ولادت بعد ہجرت مقام قباء میں ہوئی۔قباء ایک بستی تھی مدینہ منورہ سے متصل اب وہاں مسجد قباء تو ہے مگر وہ محلہ آباد نہیں،عبداللہ ابن زبیر اسلام میں پہلے وہ بچہ ہیں جو مہاجرین کے گھر پیدا ہوئے۔۲ یعنی اولاً لعاب دہن سے مخلوط چھوہارا ان کے منہ میں ڈالا پھر اسے ان کے تالو سے مل دیا۔لہٰذا عبارات میں تکرار نہیں۔۳ یعنی مہاجر گھرانوں میں پہلے آپ پیدا ہوئے،ورنہ ان سے پہلے انصار کے گھر نعمان ابن بشیر پیدا ہوئے۔مدینہ میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہود مدینہ نے مسلمان مہاجروں پر جادو کر دیا ہے،کسی مہاجر کے اولاد نہ ہوگی۔آپ کی پیدائش سے مسلمانوں کو بہت ہی خوشی ہوئی کہ لوگوں کا یہ خیال باطل ہو گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اُمِّ کُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّیْرَ عَلٰی مَکِنَاتِهَا قَالَتْ وَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَةِ شَاةٌ وَّلَا یَضُرُّکُمْ ذُکْرَانًا کُنَّ اَوْ اِنَاثًا ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ مِنْ قَوْلِهٖ یَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ ۔

(۳۹۷۲) روایت ہے حضرت ام کرز سے۱ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رکھو۲ فرماتی ہیں میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۳ تمہیں مضر نہیں کہ نر ہوں یا مادہ۴ (ابوداؤد،ترمذی) اور نسائی نے یہاں سے روایت کی عن الغلام الخ۔اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳۹۷۲)۱ آپ قبیلہ بنی خزاعہ کے خاندان کعب سے ہیں۔مکہ معظمہ کی رہنے والی ہیں۲ مکنہ چڑیوں کا وہ مکان جو وہ تنکوں وغیرہ سے بنا لیتی ہیں وہاں ہی رہتی بستی ہیں۔وہاں ہی انڈے دیتی ہیں۔اہل عرب پرندوں کو فال لینے کے لیے ان کے گھونسلوں سے اڑا دیتے تھے کہ اسے ششکاری دی اگر وہ داہنی طرف اڑ گیا تو سمجھے ہم کامیاب ہوں گے اگر بائیں طرف اڑا تو سمجھے ہم ناکام ہوں گے۔یہاں اس سے منع فرمایا

جارہا ہے۳؎ غالب یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل دوسری حدیث ہے۔پہلی حدیث کا تتمہ نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ لڑکے کے عقیقہ کے۔لیے نر بکرے چاہئیں اورلڑکی کے عقیقہ کے لیے مادہ بکری ضروری ہے بلکہ لڑکے کے لیے مادہ مونث بکری اورلڑکی کے عقیقہ کے لیے نر بکرے بھی ذبح کیے جاسکتے ہیں۔یہ بھی درست ہے کہ لڑکے کے لیے ایک نر بکرا اور دوسری مادہ بکری ذبح کی جائے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ شاۃ نر اور مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔لہذا یہ عبارت ذکر انا کن او انا ثا بالکل درست ہے۔

وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَاْسُهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ لٰكِنْ فِيْ رِوَايَتِهِمَا رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهَنٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِيْ دَاوٗدَ يُدَمّٰى مَكَانَ وَيُسَمّٰى وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَيُسَمّٰى اَصَحُّ)

(۳۹۷۳) روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہوتا ہے۔۲؎ ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اس کا سر مونڈا جائے۳؎ احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ لیکن ان دونوں کی روایت میں بجائے مرتہن کے رہینہ۴؎ ہے۔اور احمد وداؤد کی روایت میں نام رکھنے کی بجائے ہے کہ خون سے لتھیڑ دیا جائے ۵؎ ابوداؤد نے کہا یسمّٰی زیادہ صحیح ہے۔۶؎

(۳۹۷۳)۱؎ خواجہ حسن بصری تابعی اور حضرت سمرہ ابن جندب صحابی ہیں۔ان صحابی کا آخری زمانہ میں قیام بصرہ میں رہا۔آپ سے خواجہ حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ جلیل القدر تابعین نے روایات لیں۔آپ کے حالات بارہا بیان کیے جاچکے ہیں۲؎ یعنی بچہ دنیاوی آفات ومصیبتوں کے ہاتھوں میں ایسا گرفتار ہوتا ہے جیسے گروی چیز قرض خواہ کے قبضہ میں قید ہوتی ہے کہ اس سے مالک نفع حاصل نہیں کرسکتا یا یہ مطلب ہے کہ بچہ کی شفاعت اپنے باپ وغیرہم کے لیے عقیقہ پر موقوف ہے کہ اگر بغیر عقیقہ فوت ہوگیا تو ممکن ہے کہ ماں باپ کی شفاعت نہ کرے(مرقات) خیال رہے کہ یہاں مرتہن بمعنی رہین یا مرہون ہے۳؎ یعنی بچہ کی ولادت کے ساتویں دن یہ تین کام کیے جائیں اس کا نام رکھنا۔سرمنڈوانا استرے سے اور جانور ذبح کرنا سنت یہ ہی ہے اور اگر ساتویں دن نہ ہوسکے تو پندرہویں دن یا جب کبھی بھی عقیقہ ہوسکے تو ساتویں دن کا حساب لگایا جائے کہ جب بھی عقیقہ کیا جائے اس کی پیدائش سے ایک دن پہلے کیا جائے۔مثلًا اگر بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعرات کو کیا جائے۔۴؎ مرتہن اور رہینہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں صرف لفظ کا فرق ہے۔۵؎ یعنی بچہ کے سر پر ذبیحہ کا خون مل دیا جائے۔۶؎ لہذا سنت یہ ہے کہ بچہ کے سر پر بجائے خون کے زعفران ملا جائے کیونکہ خون نجس ہے اور بدبودار بھی اور زعفران پاک اور خوشبودار بھی۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَافَاطِمَةُ احْلِقِيْ رَاْسَهٗ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا اَوْبَعْضَ دِرْهَمٍ۔(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ

(۳۹۷۴) روایت ہے محمد ابن علی ابن حسین سے۱؎ وہ حضرت علی ابن ابی طالب سے راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جناب حسن کی طرف سے ایک بکری سے عقیقہ کیا۲؎ اور فرمایا فاطمہ اس کا سر منڈا دو اور ان کے بالوں کے وزن کی چاندی خیرات کردو۔تو ہم نے بال تولے تو ایک درہم یا دو درہم وزن ہوا۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ محمد ابن علی ابن حسین

مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ) نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔

(۳۹۷۴)۱؎ آپ کا نام شریف محمد ہے،لقب امام باقر،اور آپ کے والد ماجد کا نام علی ہے،لقب امام زین العابدین۔ان کے والد ماجد کا نام اقدس حضرت امام حسین لقب شہید کربلا واقع کرب وبلا رضی اللہ عنہم اجمعین۔امام زین العابدین ہر شب ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے،امام باقر کی کنیت ابوجعفر ہے،آپ تابعین میں سے ہیں۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے،آپ کے بیٹے امام جعفر صادق ہیں۔ امام باقر کی ولادت ۵۶ چھپن ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی۔اس گنہگار نے بارہا قبر انور کی زیارت کی ہے۔۲؎ حضرات حسنین کریمین کے عقیقوں کے متعلق تین روایات آئی ہیں،ایک ایک بکری سے عقیقہ فرمایا،دو دو بکریوں سے عقیقہ فرمایا۔بکری سے عقیقہ فرمایا،یعنی اس میں ایک یا دو کا ذکر نہیں۔یہ تیسری روایت ہے۔اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ایک ایک بکری کی روایت صحیح ہے اور دو دو کی روایت زیادہ صحیح ہے۔علماء کرام فرماتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ ایک بکری سے یا بکرا ہے،دو سے بہتر ہے،کیونکہ ایک بکری کی حدیث فعلی ہے اور دو کی حدیث قولی۔یعنی حکم دیا دو کا اور جب قول وفعل میں تعارض معلوم ہو تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے۔نیز دو بکریوں کی حدیث بہت صحابہ کرام سے مروی ہے۔نیز ایک بکری میں جواز کا ذکر دو کی روایت میں استحباب کا۔۳؎ یہ شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے۔یا کسی نیچے کے راوی کی طرف سے ہے۔۴؎ کیونکہ امام محمد باقر کی ولادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ بعد ہوئی لہذا درمیان میں کوئی راوی رہ گیا ہے اور حدیث منقطع ہے۔یا بعض محدثین کی اصطلاح میں مرسل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ كَبْشَيْنِ

(۳۹۷۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کی طرف سے ایک ایک بھیڑ کا عقیقہ کیا۔(ابوداؤد) نسائی کے نزدیک دو دو بھیڑیں ہیں۔۱؎

(۳۹۷۵)۱؎ یعنی اس روایت میں تعارض ہے،ہم ابھی پچھلی حدیث میں دو بکریوں کی روایت کی چند وجوہ ترجیح عرض کر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ كَاَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۳۹۷۶) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے،وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا۱؎ تو فرمایا اللہ عقوق کو پسند نہیں کرتا۔ شاید حضور نے یہ نام ناپسند کیا۲؎ اور فرمایا جس کے بچہ پیدا ہو پھر وہ چاہے کہ اس کی طرف سے جانور دے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں دے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۳؎(ابوداؤد ونسائی)

(۳۹۷۶)۱؎ یا تو یہ پوچھا کہ عقیقہ کرنا واجب ہے یا سنت یا مستحب یا یہ پوچھا کہ اسے عقیقہ کہنا کیسا ہے،یعنی اسم یا مسمی کے متعلق دریافت کیا۔۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں لفظ عقیقہ آیا ہے وہ ممانعت سے پہلے کی ہیں،اور یہ حدیث ان کی ناسخ ہے،بعض نے اس کے برعکس کہا ہے کہ یہ حدیث ممانعت منسوخ ہے اور وہ احادیث ناسخ ہیں۔فقیر کے نزدیک دوسرا قول زیادہ قوی ہے اور لفظ عقیقہ بولنا بلا کراہت جائز ہے۔اس جملہ پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقیقہ میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ عقوق سے بنا ہو،جس کے معنی ہیں والدین کی نافرمانی اور

ناحق شناسی، لہٰذا اس کا نام عقیقہ مت رکھو۔ ۳؎ یعنی اس عمل کو عقیقہ نہ کہو بلکہ نسیکہ کہو کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال نہیں۔ یہاں تصریح ہوگئی کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں چاہئیں اور لڑکی کی طرف سے ایک۔

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

(۳۹۷۷) روایت ہے حضرت ابورافع سے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن ابن علی کے کان میں نماز کی اذان کہی جبکہ انہیں جناب فاطمہ نے جنا۱؎ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳۹۷۷) ۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی ولادت کے وقت ان کے کان میں بعینہٖ وہی اذان کہی جو اذان نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔ حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ جس بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے، تو اسے انشاء اللہ ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوتی۔ (مسند ابویعلی موصلی ومرقاۃ) حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ ہی عمل کرتے تھے، یہ سنت ہے۔ (مرقاۃ) اس سے بچہ کے کان میں پہلی آواز اللہ کے نام کی پہنچتی ہے، نیز اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے، (اشعۃ اللمعات) اس سے معلوم ہوا کہ اذان صرف نماز کے لیے نہیں ہے اور موقع پر بھی سنت ہے، اس لیے بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے، اذان کے مواقع ہم باب الاذان میں بیان کرچکے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاۃً وَّلَطَخَ رَاْسَہٗ بِدَمِھَا فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاۃَ یَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلِقُ رَاْسَہٗ وَنَلْطَخُہٗ بِزَعْفَرَانٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ رَزِیْنٌ وَّنُسَمِّیْہِ)

(۳۹۷۸) روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم تھے دور جاہلیت میں کہ جب ہم میں سے کسی کے بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو بکری کے خون سے لتھیڑ دیتا۔ پھر جب اسلام آیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈاتے اسے زعفران سے لتھیڑتے ۲؎ (ابوداؤد) اور رزین نے زیادہ کیا کہ نام رکھتے۔

(۳۹۷۸) ۱؎ آپ بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں، غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے، مشہور صحابی ہیں، آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ۲؎ یعنی کہ اسلام میں بچہ کے سر پر بکری کا خون نہیں لیپتے کہ وہ نجس ہے اس کے بجائے زعفران سے بچہ کا سر لیپ دیتے ہیں مگر سر مونڈنے کے بعد۔ یوں ہی بعض صوفیاء مرغ کے خون سے بعض تعویذ لکھتے ہیں مگر چاہیے کہ ایسے تعویذ مرغ کے دل کو زعفران وگلاب میں پیس کر لکھے جائیں۔ یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت اپنا عقیقہ خود کیا، واللہ اعلم۔ عقیقہ کا گوشت اگر کچا تقسیم کردیں تو بھی درست ہے۔ اگر پکا کر تقسیم کریں یا کھلادیں تب بھی درست ہے، واللہ ورسولہ اعلم۔

کِتَابُ الْاَطْعِمَةِ
کھانوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

جو چیز کھائی جائے وہ طعام ہے، اس کی جمع اطعمہ ہے، "خواہ غذاءً کھائی جائے یا دواءً" یا لذت کے لیے یہاں طعام سے مراد مطلقاً کھانے پینے کی چیزیں ہیں یعنی اس میں دودھ، پانی شربت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس بیان میں کھانوں کی تفصیل اور کھانا کھانے کے آداب ان کے احکام سب ہی بیان ہوں گے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ کُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَتْ یَدِیْ تَطِیْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِیْنِكَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۳۹۷۹) روایت ہے حضرت عمر ابن ابی سلمہ سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا[۲] تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لو۔ اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ[۳] (مسلم بخاری)

(۳۹۷۹) [۱] آپ عمر ابن عبداللہ ابن عبدالاسد ہیں، قرشی مخزومی ہیں۔ جناب ام سلمہ کے فرزند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ ۲ ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے، حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی، ۸۳ھ میں عبدالملک ابن مروان کے زمانہ حکومت میں وفات پائی، جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے۔ جب حضور انور نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا تو آپ کو اور آپ کی بہن زینب کو اپنی پرورش میں لیا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [۲] یعنی کبھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالہ میں کھانا کھاتا تھا تو میں کھانے کے آداب سے واقف نہ تھا اس لیے ہر طرف سے کھانا کھاتا تھا، جدھر سے دل چاہا ادھر سے بوٹی لے لی، ادھر ہی لقمہ شوربے میں بھگولیا [۳] یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، ہر طرف سے نہ کھاؤ۔ یہ تینوں حکم جمہور علماء کے نزدیک استحبابی ہیں۔ بعض ائمہ کے ہاں داہنے ہاتھ سے کھانا واجب ہے خیال رہے کہ ہر چیز پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے اور داہنے ہاتھ سے پیئے یہ ہی سنت ہے۔ یہ تینوں امور سنت علی العین ہیں۔ یعنی اگر جماعت میں سے صرف ایک آدمی کرلے تو کافی نہیں، ہر شخص داہنے ہاتھ سے کھائے، ہر شخص بسم اللہ پڑھے، ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے اگر اکیلا بھی کھائے تب بھی اپنے سامنے سے کھائے، ہاں اگر طباق میں مختلف مٹھائیاں یا مختلف قسم کی کھجوریں ہیں تو جہاں سے چاہے کھالے، جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ (مرقاۃ)

وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا یُذْکَرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ۔

(۳۹۸۰) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کھانے کو اپنے لیے حلال بنالیتا ہے اس بناء پر کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے (مسلم)[۱]

(۳۹۸۰) [۱] یہاں حلال بمعنی کھل جانا اور استحلال بمعنی کھول لینا ہے۔ یعنی کھانے کے اول بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کے لیے

رکاوٹ ہوجاتی ہے اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ کھانا پینا شیطان کے لیے کھل جاتا ہے۔شیطان سے مراد قرین ہے جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے،یعنی بسم اللہ نہ پڑھنے والے کے ساتھ کھانا کھانے پر یہ شیطان قادر ہوجاتا ہے۔

2

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ لَامَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَآءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَآءَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۸۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں گھسے تو داخلہ کے وقت اور اپنے کھانے کے وقت اللہ کا ذکر کرلے تو شیطان کہتا ہے کہ نہ تمہارے لیے شب باشی ہے نہ کھانا[۱] اور جب داخل ہو تو اللہ کا ذکر اپنے داخلہ پر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے شب باشی پالی اور جب اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے تم نے شب باشی اور کھانا پالیا[۲] (مسلم)

(۳۹۸۱)[۱] اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص گھر میں داخل ہوتے وقت پوری بسم اللہ پڑھ کر داہنا قدم پہلے دروازہ میں داخل کرے،پھر گھر والوں کو سلام کرتا ہوا گھر میں آئے اگر کوئی نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہہ دے۔بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ اول دن میں جب پہلی بار گھر میں داخل ہوتے ہیں تو بسم اللہ اور قل ہو اللہ پڑھ لیتے ہیں کہ اس سے گھر میں اتفاق بھی رہتا ہے،اور رزق میں برکت بھی۔[۲] شیطان کا یہ خطاب اپنی ذریت سے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس خطاب میں قرین بھی داخل ہو کہ وہ بھی اس بسم اللہ کی برکت سے نہ کھائے اور ہمارے گھر میں رہنے سہنے سے محروم ہوجائے اور اس کے شر سے محفوظ ہوجائے اور اللہ کے ذکر سے غافل اس نعمت سے محروم رہے۔دوپہر کے پہلے کھانے کو غداء کہتے ہیں اور بعد دوپہر سے رات تک کے کھانے کو عشاء کہا جاتا ہے،یہاں مراد مطلقًا کھانا ہے،جو شخص صبح کو یہ عمل کرے تو ناشتہ اور دوپہر کے کھانے سے شیطان محروم ہوگا جو بعد دوپہر یہ عمل کرے تو رات کے کھانے سے وہ محروم رہے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۸۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پئے تو اپنے داہنے ہاتھ سے پئے[۱] (مسلم)

(۳۹۸۲)[۱] دودھ یا پانی یا کوئی اور چیز ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے،جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور داہنے ہاتھ سے کھانا پینا مستحب سنت،بعض اماموں کے ہاں امر وجوب کے لیے ہے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا داہنے ہاتھ سے کھا،وہ بولا کہ میں اس ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔فرمایا اب نہ کھا سکے گا۔چنانچہ اس کے بعد اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ تک نہ اٹھ سکا۔رواہ مسلم عن سلمہ ابن اکوع (مرقات) طبرانی نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیعہ اسلمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو اسے بددعا فرمائی،وہ طاعون سے مری (مرقاۃ) اگر یہ حکم وجوبی نہ ہوتا تو آپ اتنی سختی کیوں فرماتے، مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعات زجر و تنبیہ کے لیے ہوئے،کبھی مکروہ عمل پر بھی تنبیہ کردی جاتی ہے (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَاْكُلَنَّ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَاِنَّ

(۳۹۸۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ

الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِهٖ وَیَشْرَبُ بِهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس سے پئے۔کیونکہ شیطان اپنے بائیں سے کھاتا پیتا ہے۔۱(مسلم)

(۳۹۸۳)۱بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنے دوست انسانوں کو بائیں ہاتھ سے کھانے کی رغبت دیتا ہے،مگر حق یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہی ہے،یعنی شیطان خود بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بروں کی مشابہت بھی بری ہے۔

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ بِثَلٰثَةِ اَصَابِعَ وَیَلْعَقُ یَدَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّمْسَحَهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۸۴) روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھاتے تھے۱ اور پونچھنے سے پہلے اپنا ہاتھ چاٹ لیتے تھے۲(مسلم)

(۳۹۸۴)۱یعنی روٹی کا لقمہ تین انگلیوں سے کھاتے تھے،انگوٹھا،کلمہ کی انگلی،بیچ کی انگلی۔سنت یہ ہی ہے کہ روٹی ان تینوں انگلیوں سے ہی کھائے،بلاضرورت زیادہ انگلیاں استعمال نہ کرے،چاول تو بغیر پانچ انگلیوں کے کھائے جاسکتے ہی نہیں،اس لیے پانچوں انگلیوں سے ان کا لقمہ بنایا جائے،عموماً اہل عرب فرنی چاولوں کا سلیقہ چار انگلیوں سے کھاتے ہیں۲یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انگلیاں چاٹتے تھے پھر رومال سے پونچھتے تھے،پھر دھوتے تھے،اب بھی ایسا کرنا سنت ہے سنی ہوئی انگلیاں صرف دھوڈالنا طریقہ منکرین ہے۔جن روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا برا ہے وہاں یا پتلی چیز کا کھانا مراد ہے،یا وہ عمل کبھی کبھی تھا،یہاں جواز کے لیے بہرحال سنت یہ ہے جو یہاں بیان ہوا(مرقات)

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیَّةِ الْبَرَکَةُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۸۵) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پیالے کو چاٹنے کا حکم دیا۱اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے۲(مسلم)

(۳۹۸۵)۱منکرین انگلیاں اور رکابی چاٹنے سے نفرت کرتے ہیں،تعلیم تواضع کے لیے یہ حکم صادر ہوا عیسائی اور ان کی دیکھا دیکھی بعض مغرب زدہ لوگ تو انگلیوں سے کھانا بھی ناپسند کرتے ہیں،وہ چھری کانٹے اور چمچہ وغیرہ سے ہی کھاتے ہیں،عیسائی تو اس عمل پر مجبور ہیں کیونکہ وہ ناخن کٹواتے نہیں اور ہاتھ دھوتے نہیں۔پانی سے استنجا کرتے نہیں،کاغذ سے ہی پونچھتے ہیں،ان وجوہ سے ان کے ناخن زہریلے بھی ہوتے ہیں اور ان میں میل بھی بھرا رہتا ہے۔وہ انگلیوں سے کیسے کھائیں،ان کے ناخنوں میں تو نجاست گندگی میل سب کچھ بھرا ہے۔مسلمان یہ عمل کیوں کریں وہ ناخن کٹواتے ہیں،ہر وقت وضو وغیرہ میں ہاتھ دھوتے ہیں،استنجا ڈھیلے پھر پانی سے کرتے ہیں لمبے ناخن ہوتے ہی نہیں،پورے زہریلے نہیں،بڑے بڑے ناخنوں کے اندر کا میل کھانے کے ساتھ معدے میں جاکر مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ہمارے اسلاف ہمیشہ انگلیوں سے کھاتے رہے،نہ مرے نہ بیمار پڑے،ہم سے زیادہ قوی وتوانا تھے اور زیادہ عمر پاتے تھے۔اولاً آنکھیں کھانا ٹیسٹ کرتی ہیں کہ اس میں کوڑا کچرا تو نہیں ہے،پھر انگلیاں اس کی سردی گرمی کا پتا لگاتی ہیں۔پھر ناک اس کی خوشبو بدبو محسوس کرتی ہے،پھر زبان اس کا ذائقہ تازہ،باسی ہونا،اچھا برا گلا سڑا ہونا محسوس کرتی ہے،پھر دانت اس کا صاف یا کرکرا ہونے کا پتا لگاتے ہیں،اتنی جگہ کھانا ٹیسٹ ہوکر گلے سے اترتا ہے۔چھری کانٹے چمچے سے کھانے سے دوسرا ٹیسٹ ختم ہوجاتا ہے،لہذا ضرر کا اندیشہ ہے،اس لیے حتی الامکان انگلیوں سے ہی کھانا چاہیے۔۲لہذا ہوسکتا ہے کہ اس کھانے میں برکت ہو۔جو انگلیوں یا پیالے میں لگا رہ گیا ہے،اگر انگلیاں ویسے ہی دھودی گئیں تو ہم برکت سے محروم رہ گئے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمْسَحْ یَدَهٗ حَتّٰی یَلْعَقَهَا اَوْ یُلْعِقَهَا .مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

(۳۹۸۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے حتیٰ کہ اسے چاٹ لے یا چٹا دے[۱] (مسلم بخاری)

(۳۹۸۶) [۱] اپنی بیوی کو یا خاوند کو یا چھوٹے بچوں کو یا خاص خادم کو یا شاگرد کو یا مرید کو چٹائے جو اس سے نفرت نہ کرے، بلکہ تبرک سمجھ کر چاٹ لیں، کتوں، بلوں کو نہ چٹائیں، بعض مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کو دیکھا گیا کہ کتے پالتے ہیں اور کتے ان کے ہاتھ پاؤں گردن بلکہ پیار میں منہ تک چاٹتے ہیں اور یہ خوش ہوتے ہیں، نعوذ باللہ۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَانِهٖ حَتّٰی یَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِکُمُ اللُّقْمَةُ فَلْیُمِطْ مَا کَانَ بِهَا مِنْ اَذًی ثُمَّ لِیَاْکُلْهَا وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْیَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ فِیْ اَیِّ طَعَامِهٖ یَکُوْنُ الْبَرَکَةُ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۸۷) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس اس حالت میں موجود رہتا ہے[۱] حتیٰ کہ اس کے کھانے کے وقت بھی آ موجود ہوتا ہے۔ تو جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو جو اس میں گندگی ہو وہ دور کردے[۲] پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے مت چھوڑے[۳] پھر جب فارغ ہوجائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہوگی[۴] (مسلم)

(۳۹۸۷) [۱] کھاتے پیتے وقت پیشاب، پاخانہ نماز و دعا، حتیٰ کہ اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت بھی قرینی شیطان انسان کے ساتھ رہتا ہے، ساتھ ہی کھاتا پیتا حتیٰ کہ ساتھ ہی صحبت کرتا ہے، جس سے کھانے میں بہت بے برکتی ہوتی ہے اور اولاد بے ادب سرکش ہوتی ہے، اگر ان اوقات میں بسم اللہ پڑھ لی جائے تو کھانوں میں برکت ہوتی ہے، اولاد نیک و صالح اور باادب پیدا ہوتی ہے۔ اگر پاخانہ جاتے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھ سکتا[۲] اگر گرے ہوئے لقمہ میں مٹی وغیرہ پاک چیز لگ گئی ہے تو اسے صاف کرکے لقمہ کھائے اور اگر نجاست لگ گئی ہے تو دھوکر کھالے۔ اگر دھل نہ سکے تو کتے بلی کو کھلا دے یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ اس میں مال ضائع کرنا ہے اور رب تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے۔[۳] کہ اس چھوڑے ہوئے لقمہ کو یا تو شیطان کھا ہی لے گا یا اس کے ضائع ہونے پر خوش ہوگا، شیطان کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔[۴] لہذا کچھ بھی نہ چھوڑے، سب ہی چاٹ لے، اگر فی آدمی ایک ماشہ کھانا بھی برتن میں لگا رہا جو برتن دھوتے ہوئے نالیوں میں گیا تو حساب لگالو کہ جس شہر میں آٹھ دس لاکھ آدمی رہتے ہوں تو دو دفعہ کتنا کھانا نالیوں میں جاتا ہے، یہ فضول خرچی بھی ہے، مال ضائع کرنا بھی، کھانے کی بے ادبی بھی، اس لیے کچھ بھی نہ چھوڑو، برتن کو اچھی طرح صاف کرو، کھانے کا احترام و ادب یہ ہی ہے، یا اتنا چھوڑو کہ دوسرا آدمی کھا سکے۔

وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا . (رواه البخاری)

(۳۹۸۸) روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تکیہ لگا کر نہ کھاؤں گا[۲] (بخاری)

(۳۹۸۸) [۱] آپ کا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے، یعنی سواء ابن عامہ سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ نابالغ تھے مگر حضور سے روایات لی ہیں، آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وزیر خزانہ بنایا تھا۔ آپ حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے،

آپ کوفہ میں ۴۷ھ میں فوت ہوئے۔آپ سے آپ کے بیٹے عوذ نے اور بہت سے تابعین بلکہ حضرت علی نے بھی روایات لیں،(اشعۃ ومرقات)۲؎ کھاتے وقت تکیہ لگانے کی چار صورتیں ہیں،ایک یہ کہ ایک پہلوز مین سے قریب کرکے بیٹھے،دوسرے یہ کہ چارزانو بیٹھے،تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کراس پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔چوتھے یہ کہ دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے،یہ چاروں تکیے مناسب نہیں،دوزانو یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا اچھا ہے،طبی لحاظ سے بھی مفید ہے،کھڑے ہوکر کھانا اچھا نہیں،(اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا فِي سُكُرَّجَةٍ وَّلَا خُبِزَلَهٗ مُرَقَّقٌ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۳۹۸۹) روایت ہے حضرت قتادہ سے۱؎ وہ حضرت انس سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا نہ چھوٹی پیالی میں۲؎ اور نہ آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔۳؎ قتادہ سے کہا گیا کہ کس چیز پر وہ حضرات کھاتے تھے تو فرمایا دسترخوانوں پر۴؎ (بخاری)

(۳۹۸۹)۱؎ قتادہ تابعی ہیں،بصری ہیں،نابینا تھے،ان کی ولادت ۶۰ھ میں ہے اور وفات ۱۱۷ ہجری میں ہے حضرت انس اور ابوطفیل سے روایات لیتے ہیں۔۲؎ کیونکہ میز پر کھانا طریقہ متکبرین ہے،تاکہ کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے اور بہت چھوٹی پیالی میں کھانا طریقہ بخیلوں کا ہے،تاکہ دوسرا آدمی ساتھ نہ کھا سکے،ساری بوٹیاں اور سالن ہم اکیلے ہی کھائیں،سنت یہ ہے کہ کھانے کے آگے قدرے جھک کر بیٹھے،(مرقات واشعۃ اللمعات)۳؎ بہت باریک روٹی اب بھی عرب شریف میں نہیں ہوتی،روٹی قدرے موٹی ہوتی ہے،وہ صحت کے لیے بھی مفید ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور کے لیے چپاتی نہیں پکائی گئی۔لیکن اگر کوئی شخص چپاتی پیش کرتا تو حضور انور قبول فرماتے اور کھاتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)۴؎ دسترخوان کپڑے کا،چمڑے کا اور کھجور کے پتوں کا ہوتا تھا۔ان تینوں قسم کے دسترخوانوں پر کھانا حضور نے کھایا ہے،دسترخوان بھی نیچے زمین پر بچھتا تھا اور خود سرکار بھی زمین پر تشریف فرما ہوتے تھے۔صحابہ کرام کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے تھے،یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ میز پر کھانا بدعت جائزہ ہے اور دسترخوان پر کھانا سنت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَغِيْفًا مُرَقَّقًا حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَلَا رَاٰى شَاةً سَمِيْطًا بِعَيْنِهٖ قَطُّ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۳۹۹۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی چپاتی دیکھی حتی کہ اللہ سے مل گئے۱؎ اور نہ بھنی ہوئی بکری آنکھ سے کبھی دیکھی۲؎ (بخاری)

(۳۹۹۰)۱؎ نہ تو اپنے گھر میں دیکھی،نہ کسی دوسرے گھر میں۔حضرت انس اپنے علم کی نفی فرمارہے ہیں ممکن ہے کہ کبھی ملاحظہ فرمائی ہو،حضرت انس کو خبر نہ ہوئی ہو۔۲؎ سمیط وہ بکری کہلاتی ہے جو کھال میں بھونی جائے،کہ اولاً کھال کے بال اتارے جائیں پھر اسے گرم پانی سے دھوکر اس کے اندر گوشت بھر دیا جائے اور اسی میں بھون لیا جائے۔امراء وسلاطین ایسا گوشت کھاتے ہیں۔سمیط کے یہ معنی خیال میں رہیں شاۃ مشوی اور چیز ہے سمیط کچھ اور حضور انور نے ویسے بھنا گوشت ملاحظہ فرمایا ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخَلًا مِنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ

(۳۹۹۱) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ نہ دیکھا۱؎ جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا۲؎ حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی نہ دیکھی جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا حتی

اللّٰہُ قِیْلَ کَیْفَ کُنْتُمْ تَاْکُلُوْنَ الشَّعِیْرَ قَالَ کُنَّا نَطْحُنُہٗ وَنَنْفُخُہٗ فَیَطِیْرُ مَاطَارَوَمَابَقِیَ ثَرَّیْنَاہُ فَاَکَلْنَاہُ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

کہ اللہ نے آپ کو وفات دی۔۳؎ کہا گیا کہ آپ حضرات جو کیسے کھاتے تھے فرمایا ہم انہیں پیس لیتے تھے اور اسے پھونکتے تھے جواڑتا اڑ جاتا جو باقی بچتا ہم گوندھ لیتے پھر کھالیتے۔۴؎ (بخاری)

(۳۹۹۱)۱؎ یعنی میدہ کھانا تو بہت دور کبھی ملاحظہ بھی نہ فرمایا، اللہ کی شان ہے کہ اب مدینہ منورہ میں میدہ کی روٹی عام ہے۔آٹے کی روٹی بہت قسم کی ہوتی ہے، مغربی، شامی وغیرہ۔۲؎ یعنی ظہور نبوت کے بعد میدہ کی روٹی ملاحظہ نہ فرمائی، اس سے پہلے حضور انور نے شام کا سفر کیا ہے اور بحیرہ راہب کی دعوت میں میدہ کی روٹی ملاحظہ فرمائی ہے۔اس زمانہ میں شام و روم میں میدہ کی روٹی بہت مروج تھی، بعد اعلان نبوت حضور حجاز میں رہے اور مال سے بے رغبتی بھی بہت رہی۔(مرقات)۳؎ سبحان اللہ یہ ہے حضور کی سادہ اور بے تکلف زندگی۔۴؎ بعض روایات میں ہے کہ کسی صاحب نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے تمنا کی کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھاؤں، آپ فرمانے لگیں تم نہ کھا سکو گے۔یہ تو ان کی ہی شان تھی جو کھا گئے اور واقعہ ہے کہ ہم گندم کی روٹی بے چھنے آٹے کی نہیں کھا سکتے چہ جائیکہ جو کی روٹی وہ بھی بے چھنے آٹے کی۔شعر:۔

کھانا جو دیکھو جو کی روٹی، بے چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی تمنا روزانہ کھانا اک دن ناغہ اک دن کھانا
جس دن کھانا، شکر کا کرنا صلی اللہ علیہ وسلم

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی
نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ مَاعَابَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامًاقَطُّ اِنِ اشْتَھَاہُ اَکَلَہٗ وَاِنْ کَرِھَہٗ تَرَکَہٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۳۹۹۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا اگر پسند فرمایا تو اسے کھالیا اگر نا پسند فرمایا تو چھوڑ دیا۔۱؎ (مسلم، بخاری)

(۳۹۹۲)۱؎ یعنی کھانے پکانے میں کبھی عیب نہ نکالا کہ نمک کم ہے یا زیادہ جیسا بعض لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ بغیر عیب نکالے کھانا کھاتے ہی نہیں۔گوہ کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ ہماری زمین میں نہیں ہوتی اس لیے ہم اس سے گھن کرتے ہیں۔یہ کراہت طبع کا بیان تھا۔پکانے میں عیب نہ نکالا گیا تھا۔لہذا وہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

وَعَنْہُ اَنَّ رَجُلاً کَانَ یَاْکُلُ اَکْلاً کَثِیْرًا فَاَسْلَمَ فَکَانَ یَاْکُلُ قَلِیْلاً فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَاْکُلُ فِیْ مِعًا وَّاحِدٍ وَّالْکَافِرُ یَاْکُلُ فِیْ سَبْعَۃِ اَمْعَاءٍ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَرَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْہُ فَقَطْ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَافَہٗ ضَیْفٌ وَّھُوَ کَافِرٌ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(۳۹۹۳) روایت ہے ان ہی سے کہ ایک شخص بہت کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو کھانا کم کھانے لگا۔۱؎ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔۲؎ (بخاری) اور مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اور ابن عمر سے صرف مسند کی روایت کی۳؎ اور ان کی دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا۔تو دوہی گئی۔تو اس نے اس کا دودھ پیا۔پھر دوسری، اس نے

بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهُ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهُ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اَنَّهُ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَبِاُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ وَّالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ ۔

وہ بھی پی لیا۔ پھر اور، وہ اسے بھی پی گیا حتیٰ کہ سات بکریوں کا ۵ دودھ پی گیا۔ صبح کے وقت مسلمان ہوگیا ۶ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا وہ دوہی گئی اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر دوسری کا حکم دیا تو اسے نہ پی سکا ۷ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔ ۸

(۳۹۹۳) ۱ یعنی بمقابلہ زمانہ کفر کے، اب اسلام کے بعد اس کی خوراک کم ہوگئی یہ کمی قدرتی طور پر ہوئی یا اس کے زہد وتقویٰ کی وجہ سے ۲ اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کے پیٹ میں سات آنتیں اور مومن کے پیٹ میں ایک آنت ہوتی ہے۔ ہر انسان کے پیٹ میں آنتیں سات ہی ہوتی ہیں۔ مومن ہو یا کافر (اشعہ) یہ فرمان عالی بطور تمثیل ہے کہ کافر کھانے پینے کا حریص ہے۔ مومن قانع ہوتا ہے۔ کافر کی نظر ہر وقت کھانے پینے میں رہتی ہے جانوروں کی طرح۔ مومن کی نگاہ ذکر وفکر میں رہتی ہے۔ کافر کے ساتھ شیطان بھی کھاتا ہے۔ مومن چونکہ بسم اللہ سے کھانا شروع کرتا ہے الحمد للہ پر ختم اس لیے کافر کھانا زیادہ سمیٹتا ہے۔ مومن کے کھانے میں برکت ہوتی ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ قوت دیتا ہے۔ کافر کے کھانے میں بے برکتی یا یہ مطلب ہے کہ ایک کافر کو سات مومنوں کی سی بھوک اور کھانے کی رغبت ہوتی ہے۔ مومن تہائی پیٹ کھانے سے پر کرتا ہے، تہائی پانی سے اور تہائی سانس وذکر کے لیے خالی رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ قانون ایک شخص کے لحاظ سے ہوگا۔ یعنی ایک کافر جب مسلمان ہوجائے تو انشاء اللہ اس کی خوراک کم ہوجائے گی۔ ورنہ بعض مسلمان کافر سے زیادہ کھاتے ہیں۔ قوی جوان مومن کی خوراک ضیف بڈھے کافر سے یقیناً زیادہ ہوگی۔ لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے جس کا تجربہ اب بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ زیادہ خوراک انسان کے لیے عیب ہے۔ بڑھ ٹپا آدمی نفرت سے دیکھا جاتا ہے اور زیادہ قوت مردمی انسان کا کمال ہے۔ جنتی آدمیوں کی خوراک زیادہ نہ ہوگی۔ البتہ قوت مردمی زیادہ ہوگی۔ حضرات انبیاء کرام کو قوت مردمی بہت زیادہ دی جاتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں ۳ یعنی مسلم نے یہ واقعہ بیان نہ کیا کہ ایک مسلمان ہوکر کم کھانے لگا۔ بلکہ ان کی روایت میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے: اِنَّ الْمُؤْمِنَ الخ ۴ یا تو ایمان لانے کے لیے آیا یا صرف زیارت وملاقات کے لیے دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ خیال رہے کہ ماں باپ، پردیسی مہمان اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کا حق مسلمان پر ہے جو ضرور ادا کریں۔ مہمان کی خاطر کرو اگرچہ کافر ہو ۵ یہ بکریاں یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھیں یا مختلف حضرات کی تھیں یا ان بکریوں کا دودھ خرید فرما کر اسے پلایا گیا تھا۔ عرب کی بکری دودھ بہت دیتی ہے۔ بعض بکریاں تین چار سیر تک دودھ دیتی ہیں۔ یہ شخص بہت دودھ پی گیا۔ ۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ شان بندہ نوازی دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ شعر:۔

از فرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل کشد کہ جا اینجا است

۷ اللہ اکبر، پینے والا وہ ہی ہے، دودھ وہی ہے مگر حالت وہ نہیں۔ ایمان کے ساتھ خوراک بھی قناعت والی ہوگئی۔ پارس لوہے کو سونا کردیتا ہے۔ کلمہ، حریص کو قانع کافر کو مومن فاجر کو متقی خدا کے دشمن کو اس کا دوست بنا دیتا ہے۔ ۸ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔ وہاں

کھانے کا ذکر تھا یہاں پینے کا ذکر ہے۔مطلب ایک ہی ہے۔پینے سے مراد دودھ وغیرہ کا پینا،جس مشروب میں غذائیت ہے صرف پانی مراد نہیں یعنی کافر ہوس میں ساتوں آنتیں غذا سے بھر لیتا ہے۔مومن ایک آنت بھرتا ہے باقی آنتیں خالی رکھتا ہے۔مومن قانع ہے،طبعًا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ المومن میں الف لام عہدی ہے اور اس سے متقی زاہد قانع مومن ہے۔مگر صحیح یہ ہی ہے کہ لام جنسی ہے بمقابلہ کافر مطلق مومن قانع ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلٰثَةِ وَطَعَامُ الثَّلٰثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۳۹۹۴) روایت ان ہی سے،فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو کا کھانا تین کو کافی ہے اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے[۱] (مسلم،بخاری)

(۳۹۹۴)[۱] یعنی اگر کھانا تھوڑا ہو کھانے والے زیادہ تو انہیں چاہیے کہ دو آدمیوں کے کھانے پر تین آدمی اور تین آدمیوں کے کھانے پر چار آدمی گزارہ کریں۔اگرچہ پیٹ تو نہ بھرے گا مگر اتنا کھا لینے سے ضعف نہ ہوگا۔عبادات بخوبی ادا ہوسکیں گی۔اس فرمان عالی میں قناعت، مروت کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ دنیا میں بہت سیر ہو کر کھانے والا آخرت میں زیادہ بھوکا ہوگا۔جب کھانے میں کمی ہو تو چاہیے کہ امیر لوگ تھوڑا کھائیں تھوڑا بچائیں۔بچا ہوا ان غربا و مساکین پر خرچ کریں جن کے پاس کھانا نہیں (مرقات)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۳۹۹۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک کا کھانا دو کو کافی ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہے[۱] (مسلم)

(۳۹۹۵)[۱] یہ زیادہ نازک حالات کے لیے ہے جب کہ کھانے میں بہت ہی کمی ہوجائے ان ہنگامی حالات میں آدھ پیٹ کھانا چاہیے اتنے کھانے سے بھی انسان مرتا نہیں کام چل جاتا ہے بلکہ ارزانی کے زمانہ میں بھی مسلمان کو چاہیے کہ کبھی روزہ رکھے کبھی کم کھائے۔تاکہ مصیبت پڑنے پر بھوک برداشت کرسکے۔ہر ماہ میں تین روزے سنت ہیں۔اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ کھانا الگ نہ کھاؤ مجتمع ہو کر کھاؤ جماعت میں برکت ہے (مرقات)۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جماعت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔جیسا کہ روایات میں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ التَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۳۹۹۶) روایت ہے جناب عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لپٹا بیمار کے دل کو تسلی بخش ہے[۱] یہ بعض رنج کو دور کرتا ہے[۲] (مسلم،بخاری)

(۳۹۹۵)[۱] تلبینہ بنا ہے لبن بمعنی دودھ سے عرب میں آٹا یا بھوسی کو پتلا پتلا پکاتے ہیں۔اس میں کچھ دودھ کچھ شہد ڈالتے ہیں۔اسے اردو میں لپٹا اور پنجاب میں سیرہ کہتے ہیں۔یہ چونکہ دودھ کی طرح سفید اور پتلا ہوتا ہے اس لیے تلبینہ کہا جاتا ہے یہ بہت ہلکی غذا ہے۔زود ہضم ہے۔اکثر بیماروں کو دیا جاتا ہے۔یہ پیٹ میں بوجھ نہیں کرتا دل کو قوت بخشتا ہے۔مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے دل کی گھبراہٹ بھی دور ہوجاتی ہے۔بہت اعلیٰ چیز ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکمت بھی بخشی ہے مجمہ بنا ہے جمام سے بمعنی راحت۔[۲] بعض رنج سے مراد وہ رنج ہے

جو بیماری کی کمزوری کی وجہ سے ہو۔جورنج بیرونی فکر کی وجہ سے ہو۔اس کے لیے بھی اسے مفید فرمایا گیا ہے۔مگر بیماری کے رنج کے لیے بہت مفید ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَیَّاطاً دَعَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَہٗ فَذَھَبْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِیْرٍ اَوْ مَرَقًا فِیْہِ دُبَّاءٌ وَّقَدِیْدٌ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِی الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ یَوْمَئِذٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۳۹۹۷) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جسے اس نے تیار کیا تھا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا[۱] تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا[۲] تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے آس پاس سے کدو تلاش کرتے تھے[۳] اس دن کے بعد سے میں کدو سے محبت کرتا رہا[۴] (مسلم، بخاری)

(۳۹۹۷)[۱] یا تو اس درزی نے حضرت انس کی بھی دعوت کی تھی یا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور مخدوم کے ساتھ عموماً خاص خدام جایا ہی کرتے ہیں۔گھر والے ان کی آمد سے راضی ہوتے ہیں۔عرفاً یہ بات مروج ہے۔اس لیے آپ بھی حضور انور کے ساتھ گئے۔ جس حدیث میں آتا ہے کہ پانچ صاحبوں کی دعوت پر چھٹا آدمی ساتھ گیا تو حضور انور نے اس کے لیے علیحدہ اجازت مانگی۔صاحب خانہ نے اجازت دے دی۔تب اسے کھانے میں شریک کیا۔وہ چھٹا آدمی خادم خاص نہ تھا۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں[۲] قدید بنا ہے قد سے بمعنی کاٹنا عرب میں گوشت کے بڑے بڑے پارچے نمک لگا کر سکھا لیے جاتے ہیں جو عرصہ تک کھائے جاتے ہیں انہیں قدید کہتے ہیں۔ہم نے بھی منیٰ شریف میں بدویوں کو قربانی کا گوشت سکھاتے دیکھا ہے[۳] حوال جمع ہے حول کی،بمعنی گھومنا۔کناروں کو حوال کہا جاتا ہے کہ اس طرف گھومنا ہوتا ہے۔قصعہ یا صفحہ وہ بڑا پیالہ جس سے پانچ چھ آدمی کھا سکیں،یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ہر طرف سے کدو کے ٹکڑے اٹھا کر کھانے لگے۔معلوم ہوا کہ کدو مرغوب تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ جب مخدوم وخادم ایک پیالے سے کھائیں تو مخدوم ہر طرف سے کھا سکتا ہے۔وہ جو ارشاد ہے۔ کل مما یلیك اپنے سامنے سے کھاؤ۔وہاں چھوٹوں یا برابر والوں سے خطاب ہے۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ جب ایک ساتھی کے ہر طرف ہاتھ ڈالنے سے دوسرے ساتھی نفرت کریں تب یہ حکم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے چیز لگ کر تبرک بن جاتی ہے۔لہذا حضور کا حکم دوسرا ہے(مرقات) بہرحال یہ حدیث بہت واضح ہے بعض روایات میں ہے کہ حضرت انس بھی کدو کے ٹکڑے تلاش کرکے حضور انور کے سامنے رکھنے لگے[۴] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اپنے خدام وغلاموں کی دعوت قبول کرنا چاہیے۔اگرچہ وہ اپنے سے درجہ میں کم ہو۔دوسرے یہ کہ خادم کو اپنے ساتھ ایک پیالے میں کھلانا بہت اچھا ہے۔تیسرے یہ کہ کدو پسند کرنا سنت ہے۔چوتھے یہ کہ ہر سنت سے محبت کرنا خواہ سنت زاید ہو یا سنت ابدی طریقہ صحابہ کرام ہے۔شعر:۔

فقط اتنی حقیقت ہے ہمارے دین وایماں کی ‏ ‏ ‏ کہ اس جان جہاں کے حسن پر دیوانہ ہو جانا

پانچویں یہ کہ مخدوم اپنے خادم کے ساتھ کھائے تو پیالے میں سے ہر طرف سے کھا سکتا ہے خادم کو یہ حق نہیں۔چھٹے یہ کہ خادم پیالہ سے بوٹیاں یا کدو وغیرہ چن کر مخدوم کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْتَزُّ مِنْ کَتِفِ شَاةٍ فِیْ یَدِہٖ فَدُعِیَ

(۳۹۹۸) روایت ہے حضرت عمرو ابن امیہ سے[۱] انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کی دستی سے کاٹ کر کھاتے تھے جو

اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَلْقَاهَا وَالسِّکِّیْنَ الَّتِیْ یَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

آپ کے ہاتھ میں تھی۲ پھر آپ کو نماز کی طرف بلایا گیا تو اسے اور چھری کو جس سے کاٹ رہے تھے ڈال دیا۔ پھر کھڑے ہوئے پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۳ (مسلم، بخاری)

(۳۹۹۸)۱ آپ بڑے بہادر پہلوان تھے۔ جنگ بدر واحد میں مشرکین کی طرف سے لڑنے آئے۔ جنگ احد سے واپسی کے موقع پر مسلمان ہوگئے۔ پھر موتہ میں مجاہد ہوکر گئے ۶ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حبشہ نجاشی کی طرف پیغام دے کر بھیجا۔ ۶۰ ساٹھ ہجری میں وفات پائی (اشعہ ومرقات) ۲ اس طرح کہ پوری دستی بھنی ہوئی تھی۔ حضور انور چھری سے بوٹیاں کاٹتے اور کھاتے تھے یا دانت سے نوچ کر کھاتے تھے احتراز بنا ہے حزٌ سے بمعنی قطع ۳ یعنی نہ تو شرعی وضو کیا، نہ عرفی وضو کیا۔ یعنی نہ ہاتھ دھوئے، نہ کلی کی۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے مگر واجب نہیں۔ یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے۔ خیال رہے کہ پختہ گوشت کے بڑے بڑے پارچے چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ مگر ضرورت کی وجہ سے مگر بلاضرورت چھری کاٹنے سے کھانا مکروہ ممنوع ہے کہ کفار عجم کا طریقہ ہے (اشعہ) ہاتھ سے کھانا نوچنا سنت ہے۔ یہاں ضرورۃً یہ عمل کیا گیا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۳۹۹۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۱ (بخاری)

(۳۹۹۹)۱ عموماً بزرگان دین میٹھی چیز سے محبت کرتے رہے۔ اس لے عموماً فاتحہ و نیاز میٹھی چیز پر ہوتی ہے۔ اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مومن میٹھا ہوتا ہے۔ مٹھائی پسند کرتا ہے۔ حلوے میں ہر میٹھی چیز داخل ہے۔ حتیٰ کہ شربت اور میٹھے پھل اور عام مٹھائیاں اور عرفی حلوہ (مرقات) مروجہ حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے بنایا حضور انور کی خدمت میں پیش کیا جس میں آٹا، گھی اور شہد تھا۔ حضور انور نے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ فارسی لوگ اسے خبیص کہتے ہیں۔ (مرقات)۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَ اَهْلَهُ الْاُدُمَ فَقَالُوْا مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ فَدَعَابِهٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ بِهٖ وَیَقُوْلُ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاِ دَامُ الْخَلُّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۰۰) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا۔ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس سرکہ کے سوا کچھ نہیں۔ تو حضور نے وہ ہی منگایا اسے کھانے لگے اور فرماتے تھے سرکہ اچھا سالن ہے سرکہ اچھا سالن ہے۱ (مسلم)

(۴۰۰۰)۱ سرکہ طبی رو سے بہت مفید ہے سادہ، ارزاں غذا ہے۔ حضرات انبیاء کرام نے عموماً سرکہ کھایا ہے۔ اس کے بہت فضائل حدیث شریف میں آئے ہیں عرب میں عموماً کھجور کا سرکہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں رس انگور کا سرکہ ہوتا ہے۔ گنے کے رس کا سرکہ بہت مروج ہے۔ اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ سرکہ بھی سالن ہے جو کوئی سالن نہ کھانے کی قسم کھالے وہ سرکہ کھانے سے حانث ہوجائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ مگر خیال رہے کہ قسم کا مدار عرف پر بھی ہوتا ہے۔

وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْکَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَآؤُهَا شِفَآءٌ لِلْعَیْنِ۔

(۴۰۰۱) روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے۱ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۲ (مسلم، بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ اس من

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ مِنَ الْمَنِّ) سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا۔[۱]

(۴۰۰۱)[۱] برسات میں گلی لکڑی کے بھیگنے سے چھتری کی طرح ایک گھاس اگ جاتی ہے۔اسے عربی میں کماۃ،شحم الارض،فارسی میں سماروق اور کلاہ دبو۔اردو میں کھمبی اور چتر مار کہتے ہیں۔بعض لوگ اس کی جڑیں پکا کر کھاتے ہیں۔برسات میں عموماً مل جاتی ہے۔من بمعنی منت اور نعمت ہے یا مطلب یہ ہے کہ من کی مثل بغیر قیمت مل جانے والی چیز ہے[۲] اس کی تحقیق انشاء اللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی۔اس کے پانی کا آنکھ کے لیے شفا ہونا برحق ہے۔مگر کسی مرض میں کیسے استعمال کیا جائے اس کی تفصیل کتاب الطب میں ہے[۳] یعنی یا تو بنی اسرائیل پر جو من اترتا تھا وہ ہی تھا۔جو کچھ فرق کے ساتھ اب اس شکل میں ہے یا جیسے بنی اسرائیل پر من اعلیٰ درجہ کی چیز اتری مگر بغیر محنت مشقت انہیں دی گئی ایسے ہی یہ بھی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۰۰۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ کھجور کھاتے دیکھا[۲] (مسلم وبخاری)

(۴۰۰۲)[۱] آپ عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ہیں۔یعنی حضرت علی کے بھتیجے۔آپ کی والدہ،اسماء بنت عمیس ہیں۔حبشہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔وہاں اسلام میں پہلے آپ ہی پیدا ہوئے۔مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔نوے سال عمر شریف ہوئی۔آپ بڑے ہی سخی تھے۔اس سے آپ کا لقب بحر الجود پڑ گیا تھا۔آپ سے بہت حضرات نے احادیث کی روایت کی۔(اکمال)[۲] کھجور طبعاً گرم وخشک ہے اور ککڑی سرد وتر۔ان دونوں کے ملنے سے اعتدال ہوکر فائدہ بڑھ جاتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ککڑی اور کھجور کو کبھی تو معدہ میں جمع فرمایا کہ کھجور منہ شریف میں رکھ لی اور ککڑی بھی کتر لی اور دونوں ملا کر چبائیں۔کبھی کھجور اور تربوز بھی ملا کر کھائے ہیں۔کھجور ککڑی ملا کر کھانا صحت کے لیے بہت ہی مفید ہے۔حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی حضور انور کے پاس ہونے والی تھی مگر میں بہت کمزور تھی۔میری ماں نے مجھے کھجور ککڑی ملا کر کھلائیں۔میں چند روز میں موٹی ہوگئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت چند کھانے کھانا جائز ہیں۔جس روایت میں اس سے ممانعت آئی ہے وہاں اس کی عادت ڈالنا مراد ہے یعنی عادت رکھے ایک کھانے کی مگر کبھی کبھی چند کھانے بھی کھالے تو حرج نہیں۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جمع کرنا ممنوع نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور تو مرغوب تھی ہی ککڑی بھی بہت مرغوب تھی۔(مرقات واشعہ)بعض بزرگان دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ میں دوسرے کھانوں کے ساتھ کھجوریں اور ککڑیاں اور تربوز بھی رکھتے ہیں۔ان کے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَ انِ نَجْنِی الْکِبَاثَ فَقَالَ عَلَیْکُمْ بِالْاَسْوَدِ مِنْهُ فَاِنَّهٗ اَطْیَبُ فَقِیْلَ اَکُنْتَ تَرْعَی الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا رَعَاهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۰۰۳) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم مقام مر الظهران میں[۱] حضور کے ساتھ تھے۔پیلو کے پھل چن رہے تھے[۲] تو فرمایا کہ ان میں سے کالے کالے اٹھاؤ کہ وہ اچھے ہوتے ہیں[۳] تو عرض کیا گیا کہ آپ بکریاں چراتے رہے ہیں[۴] فرمایا ہاں اور نہیں ہے کوئی نبی مگر انہوں نے بکریاں چرائیں[۵] (مسلم،بخاری)

(۴۰۰۳)[۱] مر الظهران مکہ معظمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے۔اب اس کا نام وادہ فاطمہ ہے۔پہلے مدینہ منورہ کی راہ یہ منزل آتی

تھی۔اب نہیں آتی (اشعہ) ۲؎عرب کے جنگلوں میں یہ پیلو عام پایا جاتا ہے۔اس کی مسواکیں عام استعمال ہوتی ہیں۔اسے عربی میں اراک اُردو میں پیلو، پنجابی میں وان کہتے ہیں۔اس کے پھل کو عربی میں کباث کہتے ہیں۔ضلع ملتان میں یہ کباث عام طور پر فروخت ہوتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ جنگلی درخت شکار کے جانور کسی کی ملک نہیں جو چاہے استعمال کرے۔اس لیے یہ حضرات یہ پھل توڑ رہے تھے ۳؎یعنی سرخ پھل نہ اٹھاؤ نہ کھاؤ وہ کچا اور بدمزہ ہوتا ہے۔سیاہ رنگ کے پھل پختہ،مزیدار اور مفید ہوتے ہیں۔وہ کھاؤ ۴؎یعنی پیلو کے پھلوں کے یہ راز عموماً بکریاں چرانے والے کو معلوم ہوتے ہیں کہ وہ ہی عام طور پر جنگلوں میں پھرتے گھومتے ہیں۔کیا حضور بھی یہ عمل فرماتے رہے ہیں۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ کا یہ سوال طریقہ علم کے متعلق ہے۔یعنی حضور نے یہ راز وحی الٰہی سے جانا ہے یا تجربہ سے بھی۔لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہ تھے ۵؎یعنی حضرات انبیاء کرام عموماً بادشاہ، امراء نہیں ہوتے مساکین ہوتے ہیں۔عام طور پر انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ایوب علیہ السلام نے درزی اور زکریا علیہ السلام نے بڑھئی کے پیشے کیے۔بکریاں چرانے سے دل میں مسکینی،لوگوں سے علیحدگی،غریبوں سے محبت،ملکی سیاست خلوت میں لذت نصیب ہوتی ہے۔بکریوں کے سنبھالنے سے انسانوں کے سنبھالنے کا طریقہ آجاتا ہے۔

حکایت:۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے ربّ تعالٰی نے فرمایا کہ اے موسیٰ کیا تمہیں خبر ہے کہ تم کو نبوت کیوں دی گئی۔عرض کیا مولیٰ تو علیم وخبیر ہے۔فرمایا کہ ایک دن تم بکریاں چرا رہے تھے کہ ایک بکری بھاگ گئی۔تم اس کے پیچھے بہت دور بھاگے بڑی مشقت سے اسے پکڑا۔ تم نے اس پر غصہ نہ کیا بلکہ اسے کندھے پر اٹھا کر لائے۔اس شفقت خلق کو دیکھ کر تم کو نبوت عطا کی گئی۔(مرقات واشعہ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِيًا يَاْكُلُ تَمْرًا وَّفِي رِوَايَةٍ يَّاْكُلُ مِنْهُ اَكْلاً ذَرِيعًا . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۰۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے دیکھا کہ چھوہارے کھاتے تھے اور ایک روایت ہے کہ تیزی سے چھوہارے کھاتے تھے ۱؎ (مسلم)

(۴۰۰۴) ۱؎اقعاع اس بیٹھک کو کہتے ہیں کہ چوتڑ زمین پر لگے ہوں دونوں پنڈلیاں کھڑی ہو۔یعنی اکڑوں۔یہ بیٹھک نماز میں مکروہ ہے۔کھاتے وقت بہتر۔کیونکہ یہ بیٹھک جلدی کے اظہار کی ہوتی ہے۔نماز میں سکون کا اظہار چاہیے۔نہ کہ جلدی اور تیزی کا۔کھانے میں جلدی اور تیزی تاکہ اس سے جلد فارغ ہوکر عبادت یا اور کسی دینی کام میں مشغول ہوجائیں۔مطیع فرمانبردار غلام اکڑوں بیٹھ کر کھاتے ہیں کہ منہ میں نوالہ ہے،کان لگے ہیں آقا کی آواز کی طرف کہ کب وہ بلائے اور کب یہ فوراً اٹھ کر جائے۔نیز اکڑوں بیٹھ کر کھانے سے زیادہ کھانا نہیں کھایا جاتا۔غرضیکہ کھانے کی اس نشست میں بہت حکمتیں ہیں ۲؎کھانے میں یہ تیزی اور جلدی یا تو سخت بھوک کی وجہ سے تھی یا کسی کام کی جلدی تھی یا وہ ہی حکمت تھی کہ جلد کھا کر دوسرے کام میں مشغول ہوجائیں کھانا مقصود للغیر ہے۔عبادت مقصود بالذات (مرقات واشعہ) غرضیکہ اس جلدی میں بھی حکمتیں تھیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقْرِنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتّٰى يَسْتَاْذِنَ اَصْحَبَهٗ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۰۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دو چھوہارے ملا کر کھائے حتی کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے لے ۱؎ (مسلم،بخاری)

(۴۰۰۵) ۱؎یہ حکم قحط سالی کے زمانے میں ہے یا جب ہے جبکہ چھوہارے تھوڑے ہوں کھانے والے زیادہ ہوں۔اگر یہ دو دو چھوارے

کھائے تو دوسرے ساتھی بھوکے رہ جائیں گے اگر اکیلا کھا رہا ہے یا کھانے میں وسعت ہے تو چاہے چار چار کھائے یہ بھی خیال رہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کہ کھانا مشترکہ ہو یا کسی کے گھر سب کی دعوت ہو اور اگر کھانا اس کا اپنا ہے جیسے چاہے کھائے۔اس حدیث سے ساتھ کھانے سے بہت حکم نکل سکتے ہیں اگر چند شخصوں نے مل کر ہانڈی پکائی ہے اور ساتھ ہی کھا رہے ہیں تو ہر شخص دوسروں کا خیال رکھ کر بوٹیاں کھائے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَجُوْعُ اَهْلُ بَیْتٍ عِنْدَ هُمُ التَّمَرُوَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ یَاعَآئِشَةُ بَیْتٌ لَا تَمَرَفِیْهِ جِیَاعٌ اَهْلُهٗ قَالَهَا مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۰۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھر والے بھوکے نہیں رہے جن کے پاس چھوہارے ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اے عائشہ وہ گھر جس میں چھوہارے نہیں اس کے باشندے بھوکے ہیں۔دو یا تین بار فرمایا (مسلم)

(۴۰۰۶) ۱؎ یہ فرمان عالی مدینہ منورہ اور دوسرے ان شہر والوں کے لیے ہے۔جہاں عموماً چھوہارے کھائے جاتے ہوں۔اب بھی اہل مدینہ اپنے گھروں میں چھوہارے کھجوریں رکھتے ہیں۔مہمان و ملاقاتیوں کی خاطر اس سے ہی کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کا ذخیرہ رکھنا اچھا ہے بلکہ سنت ہے۔اس سے گھر میں برکت رہتی ہے اور گھر والوں کو بے فکری۔ممکن ہے کہ ہر جگہ کے لیے یہ فرمان عالی ہو۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ یَضُرَّهٗ ذٰلِكَ الْیَوْمَ سَمٌّ وَّلَا سِحْرٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۰۰۷) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ چھوہارے کھائے ۱؎ تو اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے گا ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۰۰۷) ۱؎ عجوہ مدینہ منورہ کے اعلیٰ قسم کے چھوہارے ہیں۔ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے ان پر کچھ دھاریاں قدرتی ہوتی ہیں۔عوالی مدینہ میں ایک باغ ہے۔جس میں عجوہ کے دو درخت ایسے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لگایا۔اب کچھ کم پھل دیتے ہیں فقیر نے ان درختوں کو بوسہ دیا ہے اور ان کے پھل کے ۱۱ دانے اپنے ساتھ لایا تھا۔اس کا ایک دانہ ایک ریال کا ملتا ہے ۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔واقعی عجوہ کھجور میں یہ تاثیر ہے۔کسی تاویل کی ضرورت نہیں مگر عجوہ مدینہ منورہ کا ہو۔(مرقات)

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِیْ عَجْوَةِ الْعَالِیَةِ شِفَآءً وَّاِنَّهَا تِرْیَاقٌ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۰۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام عالیہ کے عجوہ ۱؎ میں شفا ہے اور وہ تریاق ہیں شروع صبح کے وقت ۲؎ (مسلم)

(۴۰۰۸) ۱؎ عالیہ اطراف مدینہ منورہ کا وہ حصہ ہے جو مسجد قبا شریف کی طرف ہے۔چونکہ یہ زمین کس قدر اونچی ہے اس لیے اسے عالیہ کہا جاتا ہے۔اس کی حد کم از کم تین میل تک ہے۔زیادہ سے زیادہ آٹھ میل تک لمبی کہیں یہ تین میل دور ہے،کہیں یہ آٹھ میل۔اس کے مقابل اطراف کو سانہہ کہتے ہیں (اشعہ،مرقات ولمعات) اس کی جمع عوالی ہے۔وہاں لفظ عوالی عام بولا جاتا ہے ۲؎ یعنی مقام عالیہ کی عجوہ کھجوریں خصوصی طور پر دافع زہر ہیں۔اگرچہ اور طرف کی کھجوریں بھی تریاق ہیں مگر چاہیے یہ کہ سویرے تڑکے میں کھائی جائیں۔یہ فرمان بالکل برحق ہے۔جڑی بوٹیوں میں اللہ تعالٰی نے مختلف اثرات رکھے ہیں ایسے ہی ان کھجوروں میں یہ اثر ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَأْتِيْ عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَالتَّمْرُ وَالْمَآءُ اِلَّا اَنْ يُّؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۰۹) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ ہم پر بعض مہینہ ایسا آتا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے وہ غذا کھجوریں اور پانی ہی ہوتی مگر یہ کہ تھوڑا گوشت لایا جاتا[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۰۰۹)[۱] یعنی بعض مہینے ایسے گزرتے تھے کہ ہم پورا پورا مہینہ کچھ نہ پکاتے تھے۔صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ کرتے تھے۔ہاں اگر کوئی شخص کچھ تھوڑا گوشت بھیج دیتا تو اس کے پکانے کو آگ جلاتے تھے یہ ہے غذا اس شہنشاہ کونین کی جو کل جہان کے مالک و مختار ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور کبھی تھوڑے چھوہارے کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گذارہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْهَا قَالَتْ مَاشَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِبُرٍّ اِلَّا وَاَحَدُ هُمَا تَمْرٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۱۰) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوتے مگر ان میں سے ایک دن چھوہارے ہوتے[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۰۱۰)[۱] یعنی ہمارے تو گھروں کا یہ حال تھا کہ کسی گھر میں مسلسل دو دو دن تک گیہوں کی روٹی کافی نہیں پکی کہ ہم لوگ شکم سیر ہو کر کھالیتے۔ایک دن روٹی،ایک دن چھوہارے گندم کی قید اس لیے لگائی کہ جو کی روٹی مسلسل پک جاتی تھی۔خصوصاً فتح خیبر کے بعد کہ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج پاک کو ایک ایک سال کے جو اور چھوہارے عطا فرمادیتے تھے۔جیسا کہ احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۱۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔حالانکہ ہم دو کالی چیزوں سے سیر نہ ہوئے[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۰۱۱)[۱] دو کالی چیزوں سے مراد چھوہارے اور پانی ہے کہ چھوہارے تو کالے ہوتے ہیں پانی کو تغلیبًا کالا فرمایا گیا۔جیسے چاند و سورج کو قمرین اور امام حسن و حسین کو حسنین اور حضرت ابوبکر و عمر کو عمرین کہا جاتا ہے۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف تک ہم نے کھجوریں و پانی بھی خوب سیر ہو کر نہ کھائیں۔فتح خیبر سے پہلے تو اس لیے کہ گھر میں یہ سامان زیادہ نہ ہوتا تھا اور فتح خیبر کے بعد اس لیے کہ حضور انور کو بہت سیر ہو کر کھانا پسند نہ تھا۔اگرچہ ہر گھر میں سال بھر کے جو اور چھوہارے موجود ہوتے تھے۔لہٰذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَايَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَايَمْلَأُ بَطْنَهٗ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۱۲) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ کیا تم جس قدر چاہو کھانے پینے میں مشغول نہیں[۱] میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ردی خرمے بھی اس قدر نہ پاتے تھے کہ اپنا پیٹ بھر لیں[۲] (مسلم)

(۴۰۱۲)[۱] یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام و تابعین سے ہے جب کہ مسلمانوں کو اللہ تعالٰی نے بڑی فراخی عطا فرمادی تھی۔خصوصاً عہد فاروقی و عثمانی میں مقصد یہ ہے کہ اس فراخی رزق پر اللہ تعالٰی کا شکر کرو یا اعتراضاً فرمایا کہ تم لوگوں نے دنیا کی فراوانی

پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد تقویٰ اور ترک دنیا کا طریقہ چھوڑ دیا۔(مرقات) ۲؎ دقل کا لفظی ترجمہ گذ ہے۔یعنی ایسے معمولی خرمے،جس میں ہر قسم کے خرمے موجود ہوں۔ان کا کوئی خاص نام نہ ہو،بکھرے پھرتے ہوں یعنی اعلیٰ کھانوں اعلیٰ کھجوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ردی معمولی گذ خرمے بھی افراط سے نہ پاتے تھے غالبًا یہ ذکر ہے فتح خیبر سے پہلے کا۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ اَکَلَ مِنْهُ وَبَعَثَ بِفَضْلِهٖ اِلَیَّ وَاِنَّهٗ بَعَثَ اِلَیَّ یَوْمًا بِقَصْعَةٍ لَّمْ یَاْکُلْ مِنْهَا لِاَنَّ فِیْهَا ثُوْمًا فَسَاَلْتُهٗ اَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اَکْرَهُهٗ مِنْ اَجْلِ رِیْحِهٖ قَالَ فَاِنِّیْ اَکْرَهُ مَا کَرِهْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۱۳) روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کھانے سے بچا ہوا مجھے بھیج دیتے تھے۱؎ آپ نے ایک دن ایک پیالہ بھیجا جس میں سے کچھ نہ کھایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا۲؎ میں نے حضور سے پوچھا کہ کیا وہ حرام ہے ۳؎ فرمایا نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں،اس کی بو کی وجہ سے۴؎ عرض کیا جسے آپ ناپسند کرتے ہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں۵؎

(۴۰۱۳) ۱؎ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے۔ہر مدینہ والے کی تمنا تھی کہ حضور میرے گھر قیام فرمائیں میرے مہمان بنیں مگر یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاری کے نصیب میں تھی۔حضور انور آپ کے گھر مہمان رہے پہلے گھر کے اوپر حصے میں قیام فرما رہے،پھر نیچے حصہ میں جلوہ افروز رہے۔اوپر حضرت ابو ایوب کو رکھا۔اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدام بارگاہ کے لیے کھانا لاتے تھے۔اہل مدینہ میں سب سے زیادہ غریب ابو ایوب ہی ہیں۔یہ حضور کے پہلے میزبان ہیں۔سورج طلوع ہوکر پہلے اونچے مقامات کو لچھاتا ہے مگر مدینہ منورہ کا سورج پہلے چھوٹوں کو،نیچوں کو لچھاتا ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم(از مرقات) حضرت ابو ایوب جب اوپر رہتے تھے تو اس جگہ قدم نہ رکھتے تھے جو جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے مقابل تھی۲؎ کچا لہسن ہوگا جس کی بو نہ ماری گئی ہوگی۳؎ یعنی حضور انور کا اس میں سے کچھ نہ کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ حرام ہے اگر حرام ہے تو حضور انور نے میرے لیے کیوں بھیجا سبحان اللہ کیا پیارا سوال ہے؟ یا وہ کھانا ہے یا لہسن جو اس کھانے میں تھا۴؎ یعنی کچا لہسن کھانے سے منہ میں بو آتی رہتی ہے اور ہمارے پاس فرشتے خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوتے رہتے ہیں جن سے ہم کلامی رہتی ہے۔تم کھاؤ۵؎ یہ ہے درجہ فنا فی الرسول۔یعنی اگرچہ میرے اندر وہ وجہ نہیں جس وجہ سے آپ لہسن نہیں ملاحظہ فرماتے،یعنی فرشتوں سے ہم کلامی مگر میرے لیے تو آپ کا پسند فرمانا وجہ پسندیدگی ہے۔مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی اس سے طبعًا نفرت ہوگئی۔اب میری طبیعت لہسن سے نفرت کرنے لگی اس لیے کراہت فرمایا لا اکل نہ کہا۔ان کی طبیعت حضور کے تابع ہوگئی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْیَعْتَزِلْنَا اَوْ قَالَ فَلْیَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا اَوْ لِیَقْعُدْ فِیْ بَیْتِهٖ وَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِقِدْرٍ فِیْهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِیْحًا فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَقَالَ کُلْ فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّا تُنَاجِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۰۱۴) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا فرمایا کہ وہ ہماری مسجد۱؎ سے الگ رہے یا اپنے گھر میں بیٹھے۲؎ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی لائی گئی۳؎ جس میں ساگ پات کی سبزیاں تھیں تو حضور نے اس میں بو محسوس کی تو فرمایا کہ اسے بعض صحابہ کی طرف بڑھا دو اور فرمایا تم کھاؤ۴؎ میں ان سے کلام کرتا ہوں جن سے تم کلام نہیں کرتے۵؎ (مسلم،بخاری)

(۴۰۱۴)۱؎ مسجد سے مراد صرف مسجد نبوی شریف نہیں بلکہ تمام مسجدیں ہیں دنیا بھر کی مسجدیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی گاہیں۔بعض روایات میں مساجدنا بھی ہے۔وجہ ظاہر ہے کہ مسجدوں میں رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں۔ہمیں اس کی بو ناپسند ہے۔بلکہ مسلمانوں کے مجمعوں،درس قرآن کی مجلسوں،علماء دین و اولیاء کاملین کی بارگاہوں میں بدبودار منہ لے کر نہ جاؤ۲؎ یعنی جب تک منہ میں بدبو رہے گھر میں ہی رہو۔مسلمانوں کے جلسوں،مجمعوں میں نہ جاؤ۔حقہ پینے والے،تمباکو والا پان کھا کر کلی نہ کرنے والوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے گندہ دہنی کی بیماری ہو اسے مسجدوں کی حاضری معاف ہے۳؎ قدر کا ترجمہ ہے ہانڈی۔بعض روایتوں میں بدر ہے۔بدر چودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں پھر گول طباق کو بدر کہا جاتا ہے۔خیر،خواہ طبق لایا گیا ہو یا ہانڈی اس میں پیاز تھی پکی،جس کی بو ظاہر ہو رہی تھی۴؎ یہ اخلاق کریمانہ ہے کہ لانے والے کا ہدیہ واپس نہیں فرمایا۔مسئلہ بھی بتا دیا،ہدیہ قبول بھی فرما لیا اور اس لانے والے کے سامنے ہی حضرات صحابہ کرام کو کھلا بھی دیا۔تاکہ لانے والے کو رنج نہ ہو۔خیال رہے کہ جیسے بعض انسان بہت نازک ہوتے ہیں جو ادنیٰ بو بھی برداشت نہیں کرتے اور بعض قوی جو کسی بو کی پرواہ نہیں کرتے۔یوں ہی ملائکہ رحمت بہت ہی نازک ہیں جو ادنیٰ بو بھی برداشت نہیں کرتے۔عذاب کے فرشتے،یوں ہی انسانوں کے ساتھ رہنے والے فرشتے بہت قوت والے ہیں جو کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔دیکھو حضرت جبرائیل اور رحمت والے فرشتے کتے والے گھر میں نہیں جاتے مگر ملک الموت کتے کی پرواہ نہیں کرتے۵؎ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی فرشتے جن سے ہم ہمکلام ہوتے رہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ اپنے مصاحب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۰۱۵) روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اپنا کھانا ناپ لیا کرو۱؎ تم کو اس میں برکت دی جائے گی۲؎(بخاری)

(۴۰۱۵)۱؎ یعنی دانہ بیچتے اور خریدتے قرض لیتے دیتے وقت ناپ تول کرلیا کرو۔تاکہ کمی بیشی نہ ہو اور تمہارے ذمے دوسرے کا اور دوسرے کے ذمہ تمہارا حق نہ رہے یا جب بال بچوں کے لیے کھانا پکانے لگو تو وزن کرکے پکاؤ تاکہ کم نہ پڑے اور نہ کھانا فالتو بچے۔یہ حکم استحبابی ہے۲؎ یہ عمل بہت مجرب ہے کہ جب بازار سے کچھ چیز آوے تو ناپ تول کرکے رکھی جائے۔ان شاءاللہ بہت ہی برکت ہوگی۔ہاں خیرات کرتے وقت یا توکل کے موقع پر ناپ تول نہ کرے۔لہذا جن احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو حضور انور نے کچھ جو عطا فرمائے جس سے وہ برسوں کھاتے رہے۔جب اتفاقًا تول لیے تو ختم ہوگئے۔وہ حدیث اس کے خلاف نہیں وہاں توکل کی تعلیم تھی۔یوں ہی فطرہ تول کر خیرات کرے کہ وہاں اداء واجب وزن سے متعلق ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهٗ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۰۱۶) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دسترخوان جب اٹھایا جاتا۱؎ تو آپ فرماتے اللہ کا شکر ہے بہت شکر پاکیزہ۲؎ جس میں برکت دی جائے۔نہ کفایت کیا ہوا اور نہ وداع کیا ہوا اور نہ اس میں بے پروائی کی ہوئی اے ہمارے رب۳؎(بخاری)

(۴۰۱۶)۱؎ حق یہ ہے کہ یہاں مائدہ سے مراد کپڑے کا دسترخوان ہے یا کھجور کے پتوں کا نہ کہ لکڑی کا خوان۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے خوان اور میز پر کھانا نہ کھاتے تھے۲؎ یعنی ایسی حمد جو ریا وغیرہ سے پاک ہو اخلاص سے شامل ہو۔تینوں کلمے یعنی کثیر،طیب

اور مبارک حمداً کی صفات ہیں اور حمداً مفعول ہے حمدہ فعل پوشیدہ کا۳ظاہر یہ ہے کہ غیر پیش سے ہے۔ھو پوشیدہ کی خبر اور یہ کلام دعائیہ ہے ہو کا مرجع بچا ہوا وہ کھانا ہے جو سامنے سے اٹھایا جارہا ہے۔یعنی ابھی یہ کام ہم کو کافی نہ ہو چکا ہو ہم سے وداع نہ ہو گیا ہو، ہم اس سے بے نیاز نہ ہو گئے ہوں۔ہم کو پھر بھی عطا ہو۔یہ تینوں لفظ اسم مفعول ہیں مکفی۔مودع اور مستغنی اور ہوسکتا ہے کہ غیر کو فتح ہو اور یہ حمداً کی صفت یا حال ہو۔ یعنی ہم ربّ کی ایسی حمد کرتے ہیں جو نہ تو کفایت کی جا چکی ہے اور بس ہو چکی اور نہ آخری حمد ہے اور نہ ہم آئندہ کے لیے اس حمد سے بے نیاز ہو چکے ہم پھر بھی اپنے ربّ کی حمد کرتے رہیں۔اس کی نعمتوں کے گن گاتے رہیں اور ہوسکتا ہے کہ مکفی ،مودع اور مستغنی تینوں اسم فاعل ہوں اور یہ عبارت حمدہ کے فاعل سے حال ہو تب معنی ہوں گے کہ ہم اتنی حمد پر کفایت ہی نہ کریں آئندہ بھی حمد کریں نہ حمد کی وداع کریں نہ آئندہ حمد الٰہی سے مستغنی و بے نیاز ہو جائیں مگر پہلی توجیہ ظاہر بھی ہے قوی بھی اور موقع کے مناسب بھی کہ کھانا کھا چکنے پر یہ دعا ہے تو کھانے کے متعلق ہونی چاہیے۔ربنا مرفوع بھی ہوسکتا ہے۔منصوب بھی، مجرور بھی۔انت ربنا، یار بنا یا اللہ کا بدل ہے تو مجرور ہے (مرقات وغیرہ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاُكْلَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَآئِشَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ وَّخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

(۴۰۱۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندے سے خوش ہوتا ہے کہ وہ لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کا شکر کرے۱ایا گھونٹ پیئے تو اس پر اللہ کا شکر کرے۲(مسلم) اور ہم حضرت عائشہ اور ابو ہریرہ کی دونوں حدیثیں ایک، ماشبع الخ دوسری، خرج النبی الخ صلی اللہ علیہ وسلم انشاء اللہ باب فضل فقراء میں بیان کریں گے۳

(۴۰۱۷)۱اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر کسی وقت تھوڑا سا کھانا بھی کھائے ، ایک آدھ لقمہ، تب بھی خدا کی حمد کرے۔دوسرے یہ کہ کھاتے وقت ہر لقمہ پر اللہ کی حمد کرے، ہم نے بعض بزرگوں کو کھانے کے ہر لقمے اور پانی کے ہر گھونٹ پر حمد کرتے دیکھا ہے۲اس جملہ کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی ہم نے لقمہ کے متعلق عرض کیے۳یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ کر کے انہیں باب فضل فقراء میں بیان کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُرِّبَ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا كَانَ اَعْظَمَ بَرَكَةً مِّنْهُ اَوَّلَ مَا اَكَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَكَةً فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ حِيْنَ اَكَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ فَاَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ ۔

(۴۰۱۸) روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ کوئی کھانا پیش کیا گیا۱تو میں نے ایسا کھانا نہ دیکھا جو ہمارے اول کھاتے وقت بہت برکت والا ہو اور آخر میں کم برکت والا ہو۲ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگیا فرمایا ہم نے کھانے کے وقت اس پر اللہ کے نام کو ذکر کیا تھا۳پھر وہ بیٹھ گیا جس نے کھایا اور اللہ کا نام نہ لیا تو اس کے ساتھ

(رَوَاهُ فِی شَرْحِ السُّنَّةِ) شیطان نے کھایا۴(شرح سنہ)

(۴۰۱۸)۱؎ یہ واقعہ یا تو اس زمانہ کا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں رونق افروز تھے یا اس کے بعد اور کسی وقت کا،حضرت ابوایوب حضور کے پہلے میزبان ہیں۲؎ یعنی جب ہم نے کھانا شروع کیا تو اس میں بڑی برکت دیکھی اور جب فارغ ہونے لگے تو اس کھانے میں بہت ہی بے برکتی محسوس کی۔ برکت اور کثرت کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے۔کثرت کمال نہیں برکت کمال ہے۔اللہ تعالٰی ہر دینی و دنیاوی کاموں چیزوں میں برکت دے۳؎ یعنی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ صرف بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔باقی الرحمٰن الرحیم کہہ لینا بھی بہتر ہے مگر صحیح یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور ہر کھانے پر ہر شخص پڑھے۔حتی کہ حیض و نفاس والی عورتیں بھی پڑھیں حرام اور مکروہ کھانے پر نہ پڑھے۔بھنگ،چرس،حقہ پر بسم اللہ نہ پڑھے۔شراب نوشی پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے(مرقات وغیرہ)اس کے پورے مسائل کتب فقہ میں مطالعہ کرو۴؎ یعنی کھانا شروع کرتے وقت ہم میں سے ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی دوران کھانے میں ایک شخص کھانے میں ایسا شریک ہوگیا جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اور کھانا شروع کردیا تو اس کے ساتھ جو شیطان قرین تھا وہ اس کے ہمراہ ہمارے کھانے سے کھانے لگا۔اس لیے بے برکتی آخر میں ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ساتھ رہنے والا شیطان ہے جسے قرین کہتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت ہر شخص کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے اگر پچاس آدمی کی جماعت کھانے بیٹھے تو ہر شخص علیحدہ بسم اللہ پڑھے۔لہذا بسم اللہ پڑھنا سنت عین ہے،سنت کفایہ نہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت ایک ساتھ کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھنا سنت کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص نے پڑھ لی تو سب کے لیے کافی ہوگئی اور جو شخص بعد میں کھانے میں شریک ہوا اسے علیحدہ بسم اللہ پڑھنی پڑے گی۔وہ حضرات لفظ ثم سے دلیل پکڑتے ہیں مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے جیسا کہ ذکر نا جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۱۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر بھول گیا۱؎ تو کہہ لے،بسم اللہ اس کے اول میں اور اس کے آخر میں۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

(۴۰۱۹)۱؎ اللہ کے ذکر سے مراد بسم اللہ شریف پڑھنا ہے کہ کھانے کے وقت یہ ہی ذکر اللہ سنت ہے۔ہر وقت کا ذکر علیحدہ ہے۔خوشی کی خبر سننے کے وقت کا ذکر ہے الحمدللہ غم کی خبر کا ذکر ہے اناللّٰہ بری بات سننے کے وقت کا ذکر ہے لاحول الخ تو کھانے کے وقت کا ذکر ہے بسم اللہ بلکہ وضو کرتے وقت،سوتے وقت،مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔اس جگہ بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے مراد یہ ذکر ہے حتی کہ اگر کھاتے وقت کلمہ طیبہ بھی پڑھ لے تو بھی یہ فائدہ حاصل ہوجائے گا شاید یہ حضرات کھاتے وقت **انا للّٰہ یا لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ** پڑھنے کو بھی مفید کہتے ہوں۔بہرحال قوی یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد بسم اللہ شریف ہے۲؎ اصل میں **فی اولہ و آخرہ** تھا فی کو دور کردیا گیا اور اول آخر کو فتحہ دیا گیا۔اول آخر سے مراد کھانے کی سارے حالات ہیں اول آخر درمیانی حالت جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے **ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا** یہاں صبح شام سے مراد تمام اوقات ہیں یعنی جو شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں جب یاد آجائے،تب یہ کہہ لے بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ کھانا کھاچکنے،ہاتھ دھولینے،کلی کرلینے کے بعد یاد آوے تب بھی یہ ہی کہہ دے مگر صحیح یہ ہے کہ دوران کھانے میں یاد آتے وقت ہی کہے تاکہ شیطان کھایا ہوا کھانا قے کردے۔بعد فراغ یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

وَعَنْ اُمَیَّةَ بْنِ مَخْشِیٍّ قَالَ کَانَ رَجُلٌ یَاْکُلُ فَلَمْ یُسَمِّ حَتّٰی لَمْ یَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰی فِیْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَازَالَ الشَّیْطَانُ یَاْکُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا ذَکَرَ اسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَآءَ مَافِیْ بَطْنِهٖ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۲۰) روایت ہے حضرت امیہ ابن مخشی سے[۱] فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھاتا تھا تو اس نے بسم اللہ نہ پڑھی حتی کہ نہ باقی رہا اس کے کھانے سے مگر ایک لقمہ پھر جب اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو اس کے اول وآخر بسم اللہ[۲] کہا حضور ہنس پڑے پھر فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا پھر جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا سب قے کردیا[۳] (ابوداؤد)

(۴۰۲۰)[۱] آپ کی کنیت ابوعبید ہے۔امیہ تصغیر سے ہے اور مخشی میم کے فتح شین کے کسرہ ی کی شد سے ہے آپ صحابی ہیں خزاعی اسدی ہیں بصرہ میں قیام رہا۔آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے(مرقات واشعہ)[۲] اس سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرتے وقت پوری بسم اللہ پڑھےلیکن اگر بیچ میں یاد آوے تو صرف بسم اللہ کہےاور ساتھ ہی اولہ وآخرہ کہہ لے۔یہ اصل میں فی اولہ وآخرہ تھافی کو پوشیدہ کرکے اول آخر کو فتح دے دیا گیا[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں حقیقت میں چھپی مخلوق کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں اور حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں جیسے ہمارا معدہ مکھی والا کھانا ہضم نہیں کرسکتا ایسے شیطان کا معدہ بسم اللہ والا کھانا ہضم نہیں کرتا۔اگرچہ اس کا قے کیا ہوا کھانا ہمارے کام نہیں آتا مگر مردود تو بیمار بھی پڑجاتا ہےاور بھوکا بھی رہ جاتا ہےاور ہمارے کھانے کی فوت شدہ برکت لوٹ آتی ہے۔غرضیکہ اس میں ہمارا فائدہ ہے اس کے دو نقصان اور ممکن ہے کہ وہ مردود آئندہ ہمارے ساتھ بغیر بسم اللہ والا کھانا بھی ڈر کے سبب نہ کھائے کہ شاید بیچ میں بسم اللہ پڑھ لےاور مجھے قے کرنی پڑے غالبًا یہ شخص اکیلا کھارہا تھا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتا ہوتا تو بسم اللہ نہ بھولتا وہاں تو حاضرین بسم اللہ بلند آواز سے کہتے تھےاور ساتھیوں کو بسم اللہ کہنے کا حکم کرتے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ۔

(۴۰۲۱) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تھے[۱] تو فرماتے تھے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو کھلایا ہم کو پلایا مسلمان بنایا[۲] (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)[۳]

(۴۰۲۱)[۱] خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خواہ مہمانوں کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر یا کسی اور کے گھر مہمان بن کر ہر کھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے[۲] کھانے پانی سے جسم کی پرورش ہے اسلام وایمان سے جان ودل کی پرورش۔ان دونوں نعمتوں پر شکر کرتے تھے۔کیونکہ شکر سے نعمت بڑھتی ہے' قرآن مجید کا وعدہ ہے۔فقط پانی پی کر یہ دعا نہ پڑھتے تھے۔وہاں صرف الحمدللہ کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نئی نعمت پاکر نیا شکر کرے چونکہ کھانا اصل مقصود ہے اور پانی اس کے تابع اس لیے نعمت ظاہری کا ذکر پہلے فرماتے تھے۔باطنی کا بعد میں نیز دعا کو اسلام کے ذکر پر ختم فرمانا اس لیے تھا کہ خاتمہ ایمان پر میسر ہو(مرقات)[۳] یہ حدیث احمد اور نسائی نے بھی روایت کی۔ابن سنی نے اپنی کتاب اَلْیَوْمَ وَاللَّیْلَةَ میں نقل فرمائی۔غرضیکہ بہت محدثین نے نقل فرمائی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ کَالصَّآئِمِ الصَّابِرِ

(۴۰۲۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شکر گزار کھانے والا[۱] صابر روزہ دار کی طرح ہے[۲]

(رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ رَوَاهُ ابنُ مَاجَةَ وَلِلدَّارِمِیُّ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَنَّةَ عَنْ اَبِیْهِ)

(ترمذی) ابن ماجہ دارمی بروایت سنان ابن سنہ وہ اپنے والد سے[۳]

(۴۰۲۲)[۱] شکر کا اوّل درجہ یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے الحمدللہ سے ختم کرے عملی شکر یہ ہے کہ کھا پی کر ربّ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اللہ توفیق دے[۲] روزہ دار کا کم سے کم صبر یہ ہے کہ اپنے روزہ کو روزہ توڑنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور درمیانی شکر یہ ہے کہ مکروہات سے بچائے۔ اعلیٰ شکر یہ ہے کہ ان چیزوں سے روزہ کو محفوظ رکھے، جن سے روزہ غیر مقبول ہوتا ہے۔ یعنی سر سے پاؤں تک ہر عضو کا روزہ ہو۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے دو رکن ہیں شکر اور صبر تو گویا نصف ایمان شکر ہے نصف ایمان صبر، نصف ہونے میں تشبیہ ہے ورنہ روزہ کا خصوصی درجہ وہ ہے جو کسی عبادت کو حاصل نہیں فرماتا ہے: **الصوم لی وانا اجزی به** روزہ میرا ہے اور اس کا ثواب میں خود ہی دوں گا صوفیا فرماتے ہیں کہ صابر روزہ دار تو کھانا پینا چھوڑ کر صبر کرتا ہے اور شاکر کھانے والا اس کھانے سے پیدا شدہ قوتوں کو ناجائز جگہ خرچ کرنے سے روک کر صبر کرتا ہے تو شاکر بھی بالواسطہ صابر ہی ہے۔ بہر حال شکر کو صبر سے بہت مناسبت ہے[۳] سنان سین کے کسرہ اور نون کے فتحہ سے ہے۔ سنہ سین کے فتحہ اور نون کے شد سے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ سنان اور سنہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں بعض نے فرمایا سنان تابعی ہیں اور سنہ صحابی ہیں۔ سنہ اسلمی ہیں ۳۲ بتیس ہجری میں خلافت عثمانیہ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے (اشعہ)

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَوْشَرِبَ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۲۳) روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے کھلایا پلایا اور اسے بہ آسانی اتارا[۱] اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا[۲] (ابوداؤد)

(۴۰۲۳)[۱] اس طرح کہ کھانا چبانے کو منہ میں دانت دیئے۔ کھانا تر کرنے کو منہ میں لعاب دیا اسے گھمانے کے لیے منہ میں زبان بخشی۔ پھر اسے پیٹ میں پہنچانے کے لیے حلق کی فراخ نالی عطا فرمائی۔ خیال رہے کہ تسویغ کھانے اور پانی کے لیے بولا جاتا ہے[۲] کہ ایک منہ سے کھانے پینے کی چیزیں اندر جاتی ہیں مگر دو راستوں سے نکلتی ہیں۔ کھانا اور راستہ سے پانی دوسرے راستہ سے پھر معدہ کھانے کا خزانہ بنایا اور مثانہ پانی کا خزانہ بنایا پھر ان دونوں کے بعض اجزاء پر رونگٹے سے پسینہ بنا کر نکالا۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِی التَّوْرٰتِهِ اِنَّ بَرَکَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَکَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرَکَةُ الطَّعَامِ اَلْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۲۴) روایت ہے حضرت سلمان سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں نے توراۃ میں پڑھا کہ[۲] کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے کے بعد[۳] تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے کے بعد[۵] (ترمذی ابوداؤد)

(۴۰۲۴)[۱] آپ سلمان فارسی ہیں۔ آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے[۲] یعنی مسلمان ہونے سے پہلے میں نے توریت میں پڑھا تھا[۳] یہاں وضو لغوی معنی میں ہے جو بنا ہے وضۃٌ سے بمعنی صفائی اور اچھائی۔ لہٰذا اس کے معنی ہیں ہاتھ، منہ کی صفائی کرنا کہ ہاتھ دھونا کلی کر لینا[۴] یا تو توریت کے اس فرمان کی تصدیق و تائید کے لیے یا یہ پوچھنے کے لیے کہ اب اسلام میں بھی یہ حکم ہے یا دیگر احکام کی طرح منسوخ ہو گیا[۵]

یعنی توریت شریف میں دوبار ہاتھ دھونے کلی کرنے کا حکم تھا۔کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد مگر یہود نے صرف بعد رکھا پہلے کا ذکر مٹا دیا۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کلی کرنے کی ترغیب اس لیے ہے کہ عموماً کام کاج کی وجہ سے ہاتھ میلے دانت میلے ہوجاتے ہیں اور کھانے میں ہاتھ ومنہ چکنے ہوجاتے ہیں۔لہذا دونوں وقت یہ صفائی کرلو کھانا کھا کر کلی کرلینے والا شخص انشاءاللہ پائیوریا سے محفوظ رہتا ہے۔وضو میں مسواک کرنے کا عادی دانتوں اور معدے کے امراض سے بچا رہتا ہے۔کھانا کھانے کے فوراً بعد پیشاب کرلینے کی عادت ڈالو۔اس سے گردہ ومثانہ کے امراض سے حفاظت ہے بہت مجرب ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُدِّمَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَاتِيْكَ بِوُضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلٰوةِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(۴۰۲۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم وضو کا پانی حاضر نہ کریں[۱] فرمایا کہ وضو کا حکم دیا گیا صرف جبکہ نماز کی طرف کھڑا ہوں[۲] (ترمذی،ابوداؤد) نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

(۴۰۲۵)[۱] وہ حضرات سمجھے تھے کہ کھانے سے پہلے شرعی وضو کرنا واجب ہے۔اس لیے وضو کے لیے پانی لانے کی اجازت مانگی[۲] یہ حصر غالب حالت کے لحاظ سے ہے ورنہ سجدہ تلاوت،قرآن پاک چھونے،طواف کعبہ کرنے کے لیے بھی وضو کرنے کا حکم ہے۔سجدہ تلاوت کے لیے وضو شرط ہے۔مقصد یہ ہے کہ ہمارے اس فرمان میں کہ کھانا وضو کرکے کھاؤ وضو سے مراد عرفی وضو اور حکم استحبابی ہے۔شرعی وضو کھانے کے لیے نہ فرض ہے نہ سنت۔اس میں امت پر آسانی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِّنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسَطِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَّفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَاْكُلُ مِنْ اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَّاْكُلُ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا .

(۴۰۲۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ کے پاس ثرید کا پیالہ لایا گیا[۱] تو فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ اور اس کے بیچ سے نہ کھاؤ[۲] کیونکہ برکت برتن کے بیچ میں اترتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو پیالے کے اوپر سے نہ کھائے لیکن اس کے نیچے سے کھائے[۳] کیونکہ برکت اس کے اوپر سے اترتی ہے[۴]

(۴۰۲۶)[۱] ثرید بنا ہے ثرد سے بمعنی بھگونا اور تر کرنا اصطلاح میں ثرید یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگوئے جائیں۔ثرید حضور انور کو پسند تھا۔طبی لحاظ سے بھی ثرید زود ہضم اور مفید ہے حضور کی یہ ادا حکمت سے پر ہے قصعہ وہ بڑا پیالہ ہے جس سے چند آدمی بیک وقت کھا سکیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے کھانا نہ کھاتے تھے جماعت کے ساتھ کھاتے تھے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

خوردہ ہماں بہ کہ بہ سبہا خوری حیف براں خوردہ کہ شبہا خوری

[۲] یعنی ہر شخص اپنے سامنے والے کنارہ سے کھائے بیچ پیالے سے نہ کھائے درمیان پیالہ نزول رحمت کی جگہ ہے۔درمیان پر اللہ کی

رحمت نازل ہوتی ہے۳؎ یہاں بھی نیچے سے مراد اپنے سامنے والا کنارہ ہے اور اوپر سے مراد پیالہ کا درمیانی حصہ ہے۔مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔درمیانی پیالہ حد مشترک ہے اور پیالہ کے کنارے ہر کھانے والے کا حق ہے۔بیچ سے کھانا حرص کی علامت ہے حریص رحمت الٰہی سے محروم ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کھانے کے وقت بھی رحمت باری کا نزول ہوتا ہے خاص کر جب کہ سنت کی نیت سے کھایا جائے۴؎ نیچے سے مراد برتن کے کنارے ہیں جہاں سے کھانے والے کھائیں گے اور اوپر سے مراد درمیان برتن ہے چونکہ یہ درمیانی جگہ قدر مشترک ہے۔اس لیے برکت کا وہاں ہی نزول مناسب ہے۔اس فرمان عالی میں برکت اور رحمت کو اس پانی سے تشبیہ دی گئی جو اوپر یعنی اونچی جگہ میں اترے اور وہاں سے چوطرفہ کناروں میں پہنچ جائے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَارُءِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۲۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ لگا کر کھاتے کبھی نہ دیکھا گیا۱؎ اور نہ دو شخص آپ کی ایڑیوں کو روندتے۲؎ (ابوداؤد)

(۴۰۲۷)۱؎ یعنی نہ تو کسی چیز کی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے نہ اپنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر کھاتے کہ یہ طریقہ متکبرین کا ہے۔اکثر اکڑوں بیٹھ کر کھاتے کہ یہ طریقہ متواضعین کا ہے۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں دو آدمیوں سے بھی آگے نہ چلتے تھے تاکہ آپ اپنی بڑائی ظاہر کریں بلکہ آپ سب کے ہمراہ چلتے تھے۔یہ تو تھی حضور انور کی اپنی عادت کریمہ مگر قدرتی کرشمہ تھا کہ حضور بہت آہستہ چلتے اور ساتھی تیز چلتے۔تب بھی آپ کے ہمراہ نہ چل سکتے تھے۔پیچھے ہی رہ جاتے تھے گویا زمین حضور کے لیے لپیٹی جاتی تھی۔جیسا کہ انشاءاللہ باب المعجزات میں آوے گا۔اسی طرح بہت لمبے قد والے حضرات آپ کے ساتھ ہوتے مگر سب سے اونچے آپ ہی معلوم ہوتے تھے۔یہ معجزہ اب بھی گنبد خضراء شریف سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ دنیا میں پیشوا بن کر رہنا بھی کبھی خدا کا عذاب ہوتا ہے۔مرقات میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو یہ دعا دی تو فرمایا کہ الٰہی اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے لوگوں کا پیشوا بنادے کہ لوگ اس کے پیچھے چلا کریں جو سرداری کا اہل نہ ہو اور کوشش سے سرداری حاصل کرے اس کے لیے سرداری عذاب ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ جَزْءٍ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَّلَحْمٍ وَّهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاَكَلَ وَاَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۲۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جز سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا حالانکہ آپ مسجد میں تھے۲؎ تو حضور نے کھایا اور آپ کیساتھ ہم نے کھایا پھر آپ اٹھے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ پڑھی اور اس پر زیادتی نہ کی ہم نے اپنے ہاتھ بجری سے پوچھ لیے۳؎ (ابن ماجہ)

(۴۰۲۸)۱؎ آپ صحابی ہیں جنگ بدر میں حاضر ہوئے۔پھر عہد فاروقی میں جہاد مصر میں شرکت کی۔وہاں ہی وفات پائی اٹھاسی ہجری میں وفات ہے(اشعہ ومرقات)۲؎ غالبًا حضور انور معتکف تھے یا مہمان مسافر آئے تھے جنہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا یا یہ کھانا پینا بیان جواز کے لیے تھا۔خیال رہے کہ معتکف اور مسافر کو مسجد میں کھانا پینا بلا کراہت جائز ہے۔ان دونوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے چھوارے وغیرہ خشک چیزیں کھانا جس سے مسجد کا فرش خراب نہ ہو جائز ہے۔روٹی سالن وغیرہ تر چیزیں جس سے مسجد کے تلوث کا اندیشہ ہو نہ کھانا چاہیے اور کھانا اس

طرح کہ فرش مسجد خراب ہو ہر شخص کو حرام ہے خواہ معتکف و مسافر ہو یا ان کے غیر۔احناف کے نزدیک غیر معتکف و مسافر کو مسجد میں کھانا پینا سونا مکروہ ہے۔دیکھو کتب فقہ۳؎ زمانہ رسالت شریف میں حرم نبوی میں بجری بچھی تھی۔اب بھی وہاں صحن میں بجری ہی ہے۔بجری سے ہاتھ مل دینے سے بجری خراب نہیں ہوتی اور ہاتھ بھی صاف ہو جاتے ہیں۔وہاں کھانے وغیرہ میں تکلف کوئی نہ تھا۔خیال رہے کہ یا تو نماز کی جلدی تھی یا بیان جواز کے لیے یہ عمل فرمایا۔ورنہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا،کلی کرنا سنت ہے۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کھانے کے بعد ہاتھ دھونے،کلی کرنے کا حکم ہے کہ وہ بیان سنت کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۲۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی آپ اسے پسند کرتے تھے۱؎ تو آپ نے اسے دانت سے نوچ کر کھایا۲؎-ترمذی،ابن ماجہ)

(۴۰۲۹)۱؎ دستی کا گوشت جلد گل جاتا ہے اس میں چھترے نہیں ہوتے۔نہایت لذیذ ہوتا ہے اس کی مثل دوسرے گوشت ہی نہیں۔گندگی یعنی پیشاب و گوبر سے بہت دور رہتا ہے۔جلد ہضم ہوتا ہے۔دانتوں میں اس کے چھترے نہیں بھنستے۔کیونکہ چھترے ہوتے ہی نہیں۔۲؎ بوٹی دانت سے نوچ کر کھانا بھی سنت ہے۔اس میں بے تکلفی بھی ہے،لذت بھی تواضع اور انکسار بھی۔حضور کی ہر ادا پر لاکھوں سلام۔ان کی ہر ادا رب تعالٰی کی طرف سے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّیْنِ فَاِنَّهٗ مِنْ صُنْعِ الْاَعَاجِمِ وَانْهَسُوْهُ فَاِنَّهٗ اَهْنَا وَاَمْرَأُ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَا لَیْسَ هُوَ بِالْقَوِیِّ)

(۴۰۳۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کے معمولات سے ہے۱؎ اور اسے نوچ کر کھاؤ کہ مزیدار اور جلد اترنے والا ہے۲؎ ابوداؤد،بیہقی،شعب الایمان اور ان دونوں نے کہا یہ قوی نہیں۳؎

(۴۰۳۰)۱؎ یعنی کھانے کو ہاتھ نہ لگانا چھری کانٹے سے کھانا،گوشت کی اگرچہ چھوٹی بوٹیاں ہوں خوب گلی ہوں پھر بھی چھری سے کھانا طریقہ یہودیوں،عیسائیوں کا ہے۔اس سے بچو۔تم ہاتھ سے کھاؤ ہاں اگر بڑے بڑے پارچے پکائے گئے ہوں تو کھاتے وقت چھری سے کاٹنے کا ذکر ہے کہ وہاں پارچے بڑے بڑے تھے خیال رہے کہ عیسائیوں کے ناخن بڑے بڑے ہوتے ہیں۔جن میں میل بھرا رہتا ہے۔پھر وہ پانی سے استنجا کرتے نہیں ہاتھ کبھی دھوتے نہیں اس لیے وہ ہاتھ سے کھاتے نہیں۔ہم مسلمان حضور کے کرم سے سر سے پاؤں تک بالکل پاک وصاف رہتے ہیں۔ہم ہاتھ سے کیوں نہ کھائیں۲؎ یعنی دانت سے نوچی ہوئی بوٹیاں مزیدار زود ہضم اور جلد کھائی جانے والی ہوتی ہیں۔اس لیے اسی طرح کھایا کرو۳؎ اگرچہ یہ حدیث قوی نہ ہو تو وہ حدیث تو قوی ہے من تشبہ بقوم فھو منھم جو کسی قوم سے مشابہت،ان کی نقالی کرے وہ اس قوم سے ہوتا ہے حدیث کی اسناد کیسی ہی ہوں حکم بالکل درست ہے حدیث اس صحیح سے قوت یافتہ ہے قرآن کریم کی آیت سے بھی قوت پاتی ہے لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳:۲۸) مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا(کنز الایمان) کفار سے دلی یا عملی محبت حرام ہے۔آپ نو مسلم عیسائیوں کی نقالی میں کھڑے کھڑے کھاتے ہیں ہاں ابھی ہاتھ سے کھاتے

ہیں برتن میں منہ نہیں ڈال دیتے۔

وَعَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ عَلِیٌّ وَّلَنَادَ وَالٍ مَعَلَّقَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ وَعَلِیٌّ مَعَهٗ یَاْکُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ مَهْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَّشَعِیْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَكَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۳۱) روایت ہے حضرت ام منذر سے[1] فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے ساتھ جناب علی تھے اور ہمارے ہاں خوشے لٹکے ہوئے تھے[2] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے لگے اور علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے[3] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا اے علی ٹھہرو![4] کیونکہ تم کمزور ہو[5] فرماتی ہیں پھر میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو تیار کئے[6] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اس سے لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہت موافق ہے[7] (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۰۳۱)[1] آپ کا نام لیلیٰ بنت قیس ہے۔انصاریہ عدویہ ہیں۔کنیت ام المنذر صحابیہ ہیں۔قدیم الاسلام ہیں۔چنانچہ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے[2] دوالی جمع ہے دالیہ کی دالیہ کچی کھجوروں کے خوشوں کو کہتے ہیں۔اس زمانہ میں باغ والے لوگ اپنے باغوں اور گھروں میں کھجوروں کے خوشے لٹکا دیتے تھے تاکہ جو بیلی، ملاقاتی آئے۔پہلے ان میں سے کھائے گویا یہ بھی خاطر تواضع کا ایک طریقہ تھا[3] ظاہر یہ ہے کہ دونوں حضرات نے کھڑے کھڑے کھائے۔مگر یہ کھڑے کھڑے کھانا فیشن کے طور پر نہ تھا۔بلکہ اس خوشے سے توڑ توڑ کر کھانا کھڑے ہوکر ہی ممکن تھا اور ہوسکتا ہے کہ بیٹھ کر کھاتے ہوں مگر بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد جناب علی بیٹھ گئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا کھڑے ہوکر تھا۔مرقات نے اس کو ترجیح دی[4] یعنی تم نہ کھاؤ کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لو وجہ آگے آرہی ہے[5] ناقہ بنا ہے نقاہت سے۔نقاہت وہ کمزوری ہے جو بیماری سے اٹھنے کے بعد بیمار میں رہتی ہے غالبًا آپ بیمار رہ چکے ہوں گے[6] یعنی میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کا لپٹا (سیرا) تیار کیا۔لہم کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ضمیر کا جمع لانا تعظیمًا ہے یا اس کا مرجع حضرت علی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔عرب والے کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ کچھ اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ تھے۔واللہ اعلم[7] یہاں اوفق بمعنی موافق ہے۔مقابل ضرر کا،یعنی تمہارے لیے کھجوریں مضر ہیں۔یہ لپٹا (سیرا) موافق ومفید ہے۔کیونکہ جو بہت ہی زود ہضم ہے۔اطباء بیماروں کو آش جو بتاتے ہیں۔چقندر بھی ہلکی غذا ہے اور معتدل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم جسمانی بھی ہیں۔دوائیں پرہیز، مضر ومفید غذائیں سب کچھ جانتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار بلکہ بیماری سے اٹھنے والے کمزور کو پرہیز لازم ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ دوا سے زیادہ پرہیز ضروری ہے۔دوا بغیر پرہیز ایسی جیسے نماز بغیر وضو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ الثُّفْلُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۰۳۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچنی پسند تھی[1] (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۰۳۲)[1] ثُفل کے بہت معانی ہیں۔تل چھٹ، ستو اور کھجور، کھرچن یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ہانڈی کی کھرچن لذیذ بھی ہوتی ہے، زود ہضم بھی۔تمام ہانڈی کی طاقت ایک طرف اور کھرچن کی طاقت ایک طرف۔غرضیکہ چاول وغیرہ کی کھرچن میں بہت خوبیاں ہیں اس

جملہ کے اور بہت معنی کیے گئے ہیں۔بعض شارحین نے یہ معنی کیے کہ حضور انور تمام اہل وعیال،مہمانوں،زائرین،مساکین کو شوربا وغیرہ پہلے کھلا دیتے تھے خود آخر میں شوربے کا تلچھٹ ملاحظہ فرماتے تھے مگر میرے نزدیک یہ معنی درست نہیں۔حضور انور مہمانوں،زائرین،مساکین کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے۔پھر آخر میں اکیلے کھانے کے کیا معنی۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحَسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ .(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۰۳۳) روایت ہے حضرت نبیشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو کسی پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے[۱] تو اس کے لیے پیالہ دعا مغفرت کرتا ہے[۲] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۰۳۳)[۱] پیالہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اکیلا آدمی اکثر پیالے میں کھاتا ہے۔بڑے برتن تھالی میں جماعت کھاتی ہے۔اکیلا کھانے والا اگر چھوڑے تو اتنا چھوڑے کہ دوسرا کھاسکے۔ورنہ پیالہ خوب صاف کردے۔یہ ہی حکم چاول وغیرہ کا ہے[۲] حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔تاویل،ہیر پھیر کی کوئی ضرورت نہیں۔واقعی پیالہ ایسے کھانے والے کے لیے دعا کرتا ہے۔کیونکہ اس میں برتن کی صفائی ہے۔کھانے کا ادب ہے۔کھانے کو بربادی سے بچانا ہے؟ برتن میں چھوڑنے سے اس پر مکھیاں بھنکتی ہیں۔وہ کھانا نالیوں،گندگیوں میں دھو کر پھینک دیا جاتا ہے۔جس سے اس کی سخت بے ادبی ہوتی ہے۔اگر دو تین اشرفی فی برتن کھانا برباد ہو تو ایک شہر میں کئی من کھانا برباد ہوگا غرضیکہ برتن چاٹنے میں بہت حکمتیں ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِيْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَّمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَيْءٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ .(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۳۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات اس حال میں گزرے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی ہے جسے دھویا نہیں[۱] پھر اسے کچھ مصیبت پہنچے[۲] تو اپنے ہی کو ملامت کرے[۳] (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۴۰۳۴)[۱] یعنی جو کوئی کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے۔یوں کھانے کی چکنائی اس کے ہاتھ میں لگی رہے اور دوپہری میں یا رات میں اسی طرح سو جائے[۲] یہاں مصیبت سے مراد چوہے یا سانپ کا کاٹ جانا ہے کہ یہ دونوں جانور کھانے کی خوشبو پر دوڑتے ہیں یا اس سے مراد برص کی بیماری ہے کہ کھانے کے سنے ہوئے ہاتھ جسم کے پسینہ سے لگ کر جہاں چھو جائیں وہاں کوڑھ کے سفید داغ پیدا ہونیکا خطرہ ہوتا ہے۔(مرقات واشعہ)[۳] نہ کسی شخص کو برا کہے نہ اپنی تقدیر پر اعتراض کرے کہ قصور خود اس کا اپنا ہے مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کھانے کے بھرے ہوئے ہاتھ لے کر نہ سویا کرے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ .(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۳۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید تھا[۱] اور کھجور و مکھن کا ثرید تھا[۲] (ابوداؤد)

(۴۰۳۵)[۱] روٹی کا ثرید یہ ہے کہ شوربے میں روٹی کے ٹکڑے گلالیے جائیں حتی کہ بوٹیاں بھی اس میں حل کرلی جائیں یہ نہایت لذیذ زود ہضم کھانا ہے[۲] حیس کے لغوی معنی ہیں مخلوط چیز اصطلاح میں کھجوریں اور مکھن کے مخلوط کھانے کو حیس کہتے ہیں۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ہمیشہ پسند تھا یہ بھی نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ چھوہارا اور کھجور ویسے بھی مقوی چیز ہے مکھن سے مل کر اس کی خشکی کم ہوجاتی ہے لذت بھی زیادہ ہوجاتی ہے نقصان بھی جاتا رہتا ہے۔ مدینہ منورہ میں فقیر نے کھجور وگھی ملا کر کھائی بہت لذیذ تھی۔

وَعَنْ اَبِی اُسَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۴۰۳۶) روایت ہے حضرت ابواسید انصاری سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روغن زیتون کھاؤ بھی، لگاؤ بھی[2] کہ یہ برکت والے درخت سے ہے[3] (ترمذی ابن ماجہ، دارمی)

(۴۰۳۶)[1] ابواسید الف کے پیش سین کے فتحہ سے حضرت مالک ابن ربیعہ کی کنیت ہے جو مشہور صحابی ہیں۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ صحابہ بدر میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی ۶۰ ھ میں وفات پائی۔ اٹھتر سال عمر ہوئی۔ آخر میں نابینا ہوگئے تھے اور ابو اسید الف کے فتحہ سین کے کسرہ سے ان کا نام عبداللہ ابن ثابت ہے۔ مدنی ہیں انصاری ہیں یہاں پہلے ابو اسید مراد ہیں واللہ ورسولہ اعلم۔ (مرقات) [3] کیونکہ درخت زیتون برکت والی زمین فلسطین میں ہوتا ہے جو حضرات انبیاء کرام کا مسکن ہے۔ نیز اسے ربّ تعالٰی نے شجرۂ مبارکہ فرمایا۔ اس کے فوائد بہت ہیں۔ بہت سے امراض میں زیتون کے پھل اس کا تیل کام میں آتا ہے۔ یہ سالن بھی ہے جسم اور سر کی مالش کا تیل بھی۔ چراغ میں روشنی بھی دیتا ہے۔ بہت مرضوں کا علاج بھی ہے۔ بواسیر میں بہت مفید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ روغن زیتون میں ستر مرضوں کا علاج ہے۔ جن میں جذام بھی ہے (ابونعیم ومرقات)

وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْءٌ قُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَّخَلٌّ فَقَالَ هَاتِي مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِّنْ اُدْمٍ فِيْهِ خَلٌّ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۰۳۷) روایت ہے حضرت ام ہانی سے[1] فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے کہا نہیں سوا خشک روٹی اور سرکہ کے[2] تو فرمایا لاؤ[3] وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو[4] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

(۴۰۳۷)[1] آپ کا نام فاختہ یا ہند ہے۔ ابوطالب کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نکاح ھبیرہ ابن وہب سے ہوا۔ آپ مسلمان ہوگئیں۔ ہبیرہ نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس لیے علیحدگی کردی گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا مگر آپ نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں بہت بچوں والی بی بی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کماحقہ نہ کرسکوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بجائے آرام کے تکلیف ہوگی۔ آپ بہت احادیث کی راویہ ہیں[2] یعنی یہ دو حقیری چیزیں میرے پاس ہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق نہیں یابس سے مراد ہے سوکھی ہوئی روٹی چندروز کی ہو۔ جس کا چبانا مشکل ہو[3] ہمراہ ہی کھائیں گے۔

بوریا ممنون خواب راحتش　　　تاج کسرٰی زیر پائے امتش

[4] قفر کے معنی ہیں خالی ہونا۔ اس لیے چٹیل میدان کو قفار کہتے ہیں جو سبزہ سے خالی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی معمولی غذاؤں سے نفرت نہ کرے۔ اپنی عادت سیدھی سادھی رکھے۔ سادہ زندگی گزارنے کا عادی رہے۔

وَعَنْ يُوْسُفَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ

(۴۰۳۸) روایت ہے حضرت یوسف ابن عبداللہ ابن سلام سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے جو

خُبزِ الشَّعِیرِ فَوَضَعَ عَلَیْھَا تَمْرَۃً فَقَالَ ھٰذِہٖ اِدَامُ ھٰذِہٖ وَاَکَلَ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا پھر اس پر چھوہارا رکھا فرمایا یہ اس کا سالن ہے اور کھالیا۲ (ابوداؤد)

(۴۰۳۸)۱؎ سیدنا عبداللہ ابن سلام مشہور صحابی ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں ان کے یہ صاحبزادہ بھی صحابی ہیں۔ آپ کا نام حضورانور نے یوسف رکھا۔کنیت ابویعقوب ہے۱۰۰ سو ہجری میں آپ کی وفات ہے آپ سے تین احادیث مروی ہیں۲؎ کھجور کو سالن فرمانا مجازاً ہے یعنی روٹی اس سے کھائی جاسکتی ہے اور یہ مثل سالن کے ہے۔ خیال رہے کہ جو سرد خشک ہیں اور کھجور گرم تر۔لہذا جو کی روٹی کی اصلاح بھی کھجور سے ہوجاتی ہے۔اس حدیث میں صبروقناعت کی بے مثال تعلیم ہے (مرقات)

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُّ بَرْدَھَا عَلٰی فُؤَادِیْ وَقَالَ اِنَّكَ رَجُلٌ مَفْؤُدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلْدَۃَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَجَأْھُنَّ بِنَوَاھُنَّ ثُمَّ لِیَلُدَّكَ بِھِنَّ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۳۹) روایت ہے حضرت سعد سے۱؎ فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۲؎ اپنا ہاتھ میرے پستانوں کے بیچ رکھا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر پائی۳؎ اور فرمایا کہ تم دل کے بیمار ہو حارث ابن کلدہ ثقفی کے پاس جاؤ وہ طبابت کرتے ہیں۴؎ وہ مدینہ کی عجوہ میں سے ساتھ عجوہ کھجوریں لیں انہیں مع گٹھلیوں کے کوٹ لیں پھر ان سے تم کو پلادیں۵؎ (ابوداؤد)

(۴۰۳۹)۱؎ یہاں سعد سے مراد حضرت ابن ابی وقاص ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال کا ہے۔اس وقت آپ مکہ معظمہ میں تھے آپ سخت بیمار ہوگئے تھے (مرقات)۲؎ حضورانور اپنی جائے قیام سے میری جائے قیام پر صرف میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے معلوم ہوا کہ اپنے خدام کی مزاج پرسی،بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر جانا سنت ہے۳؎ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک قدرتی طور پر قدرے ٹھنڈے تھے جن سے دوسرے کو نہایت خوشگوار ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی چونکہ حضرت سعد کو دل کی بیماری تھی۔اس لیے حضورانور نے بیماری کی جگہ ہاتھ رکھا۔معلوم ہوا کہ مرض کی جگہ ہاتھ رکھنا عیادت کے لیے سنت ہے۔فواد دل کو بھی کہتے ہیں دل کے پردے کو بھی اور سینہ کو بھی جو دل کا مقام ہے۔یہاں غالبًا بمعنی سینہ ہے۔

دل کرو ٹھنڈا مرا، وہ کف پا چاند سا سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

مبارک ہے وہ بیماری جس میں ایسے تیماردار امت کے غمخوار چل کر مریض کے پاس آئیں۔

حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے

اب بھی بعض بزرگوں نے اپنی بیماری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے ہوئے زیارت کی ہے کہ حضور نے ان کی تیمارداری وعیادت فرمائی،سبحان اللہ۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ کافر طبیب سے علاج کرانا جائز ہے کیونکہ حارث ابن کلدہ مکہ معظمہ میں مشہور طبیب تھا مگر کافر تھا۔اس کا اسلام ثابت نہیں (اشعۃ اللمعات) مگر حیرت یہ ہے کہ مرقات نے فرمایا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال ہوا اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حارث ابن کلدہ شروع اسلام میں فوت ہوا۔کافر مرا مسلمان نہ ہوا اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماہر طبیب سے علاج کرانا چاہیے جو فن طبابت میں مہارت رکھتا ہو۔ورنہ نیم حکیم خطرہ جان اور تجربہ بھی نہ رکھتا ہو یہ کام کرتا بھی ہو۔یَتَطَبَّبُ سے بہت مسائل حل ہوگئے۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ احادیث شریفہ کی تجویز فرمائی ہوئی دوائیں کسی طبیب کی

رائے سے استعمال کرنا چاہئیں جو ہمارے مزاج موسم، دوا کی تاثیر ہمارے مرض کی کیفیت سے خبردار ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض دوائیں طبیب ہی کے ہاتھ سے استعمال کرنی چاہئیں آج ڈاکٹر ہی ٹیکہ تجویز کرتے ہیں وہ ہی لگاتے ہیں۔ دیکھو حضور انور نے دوا تجویز فرما دی مگر استعمال کے لیے طبیب کے پاس بھیجا۔ تیسرے یہ کہ عجوہ کھجور اور اس کی گٹھلی میں بہت فوائد ہیں۔ ان سے دل کی دھڑکن دل کی کمزوری بھی دور ہوتی ہے اور چند فوائد پہلے بیان ہو چکے کہ یہ زہر اور سحر کے لیے مفید ہے لیلد ک بنا ہے لد سے جس کے معنی ہیں بیمار کے منہ میں قطرہ ٹپکانا یا اس کے تالو میں کوئی چیز لیپ دینا جس سے وہ بہ آسانی اسے نگل لے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَيَقُوْلُ يَكْسِرُ حَرُّهٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

(۴۰۴۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کھجور کے ساتھ کھاتے تھے (ترمذی) اور ابوداؤد نے یہ زیادہ فرمایا کہ فرماتے تھے اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے ٹوٹ جائے گی اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۰۴۰)۱؎ جس سے تربوز تو کھجور سے میٹھا ہو جاتا اور کھجور تربوز سے تر ہو جاتی تھی نیز تربوز ٹھنڈا ہے، کھجور گرم۔ دونوں مل کر معتدل ہو جاتے تھے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ بطیخ اصفر خربوزہ کو کہتے ہیں اور بطیخ اخضر تربوز کو یہاں بطیخ اخضر یعنی تربوز مراد ہے۔ کیونکہ تربوز ہی ٹھنڈا ہوتا ہے خربوزہ تو خود گرم ہے۔ بعض شارحین نے اس کے معنی خربوزہ کیے مگر قوی وہ ہی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ عَتِيْقٍ فَجَعَلَ يُفَتِّشُهٗ وَيُخْرِجُ السُّوْسَ مِنْهُ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۴۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرانے چھوہارے لائے گئے تو آپ انہیں کریدتے تھے اور اس سے کیڑے نکالتے تھے ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۰۴۱)۱؎ سوکھے اور گھنے ہوئے چھواروں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اگر وہ نہ نکالے جائیں تو حلال ہیں اور جب نکال دیئے جائیں تو حرام پھران کا حکم مکھی کا سا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پھل میں کیڑے پڑ جائیں تو پھل حرام نہیں ہوتا۔ اکثر گولر میں کیڑے بھنگے کی شکل میں پڑ جاتے ہیں (اشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ فِيْ تَبُوْكَ فَدَعَا بِالسِّكِّيْنِ فَسَمّٰى فَقَطَعَ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۴۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں ۱؎ پنیر لایا گیا تو آپ نے چھری منگائی پھر بسم اللہ پڑھی اور کاٹا ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۰۴۲)۱؎ مدینہ منورہ سے خیبر قریبًا ایک سو ساٹھ میل ہے۔ خیبر سے تبوک پانچ سو میل یہ شام کے ملک میں واقع ہے، یہ فقیر تبوک کے اوپر سے ہوائی جہاز سے اڑتا ہوا گزرا ہے۔ خیبر میں حاضری دی ہے۔ اب بھی تبوک آباد ہے۔ غزوہ تبوک مشہور غزوہ ہے۔ اس میں یہ واقعہ پیش آیا۔ تبوک منصرف بھی پڑھا جاتا ہے غیر منصرف بھی (مرقات) ۲؎ پنیر کے ٹکڑے اب بھی چھری سے کاٹ کر کھائے جاتے ہیں۔ یہ دہی کی طرح ڈھیلا نہیں ہوتا۔ یعنی حضور انور نے چھری سے کاٹا اور کھایا۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۰۴۳) روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں رسول

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى عَنْهُ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّمَوْقُوْفٌ عَلَى الْاَصَحِّ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی اور پنیر اور حمار وحشی کے متعلق پوچھا گیا[1] تو فرمایا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا[2] اور جس سے خاموشی فرمائی تو وہ اس میں سے ہے جس سے معافی دی[3] (ابن ماجہ، ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور صحیح تر قول پر یہ حدیث موقوف ہے[4]

(۴۰۴۳) [1] افراء ف کے کسرہ ر کے مد سے بمعنی حمار وحشی ان تین کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ ان کا کھانا کیسا ہے ہماری اردو میں حمار وحشی کو نیل گائے کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے فرا کے معنی کیے ہیں پوستین کہ اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں تب یہ فرد سے بنے گا[2] کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور احل وحرم سے مراد عام ہے۔ خواہ صراحۃً حلال وحرام کیا ہو یا اجمالاً۔ لہذا رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کا حلال ہونا اور سور کے گوشت کا حرام ہونا صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ہزارہا حلال وحرام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام کیے جیسے کتا گدھا وغیرہ۔ یہ قرآن مجید میں اجمالاً موجود ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹:۷) اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (کنزالایمان) یا فرماتا ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷:۱۵۷) اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ ان آیات نے بتادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دیں وہ لو جس سے منع فرمادیں ان سے باز رہو یا ہمارے نبی مسلمانوں پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ لہذا حدیث کے تمام حلال وحرام قرآن مجید میں اجمالاً مذکور ہیں (از مرقات مع الزیادۃ) [3] یعنی جن چیزوں کو نہ قرآن کریم نے حلال یا حرام کہا نہ حدیث پاک نے یعنی ان کا ذکر ہی کہیں نہیں وہ حلال ہیں۔ یہاں مرقات اور اشعۃ اللمعات اور لمعات نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے قرآن وحدیث میں خاموشی ہو وہ حلال ہے آم، مالٹا یوں ہی پلاؤ، زردہ، فرنی یوں ہی لٹھا، ململ یوں ہی میلاد شریف وفاتحہ کی شیرینی سب حلال ہیں۔ کیوں اس لیے کہ انہیں قرآن وحدیث نے حرام نہیں کیا۔ یہ اسلام کا کلی قانون ہے[4] اس حدیث کے الفاظ اسناد کے لحاظ سے صحیح ہوں یا ضعیف مگر اس کا مضمون بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی تائید بہت سی آیات قرآنیہ سے ہورہی ہے ربّ تعالٰی فرماتا ہے:

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (۵:۱۰۱) ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ (کنزالایمان) دیکھو۔ یہاں حدیث میں عفی ہے اور قرآن کریم میں عفا اللہ عنہا ہے اور فرماتا ہے: قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (۶:۱۴۵) تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون (کنزالایمان) دیکھو اس آیت میں کسی چیز کی حرمت نہ ملنے کو حلال ہونے کی دلیل ٹھہرایا اور فرماتا ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (۴:۲۴) اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔ (کنزالایمان) ان مذکورہ حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ دیکھو حرام عورتوں کا ذکر کیا حرام کی تفصیل نہ کی حرام چیزیں تو کچھ گنتی کی ہیں۔ باقی کروڑوں چیزیں حلال ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں اور راہ جنت میں دیکھو جہاں اس مسئلہ کی چند آیتیں اور چند حدیثیں اور فقہاء کے اقوال جمع کردیئے گئے ہیں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بغیر دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ حلال کے لیے ثبوت مانگتے ہیں۔ حرام بغیر ثبوت کہہ دیتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۰۴۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُّ اَنَّ عِنْدِيْ خُبْزَةٍ بَيْضَاءَ مِنْ بُرَّةٍ سَمْرَاءُ مُلَبَّقَةَ بِسَمْنٍ وَلَبَنٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّخَذَهُ فَجَآءَ بِهٖ فَقَالَ فِيْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَ هٰذَا قَالَ فِيْ عُكَّةِ ضَبٍّ قَالَ ارْفَعْهُ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّنْكَرٌ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس شربتی گندم کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ سے چوپڑی ہوتی اتو قوم میں سے ایک صاحب اٹھے انہوں نے یہ تیار کی پھر لائے تو فرمایا یہ گھی کس چیز میں تھا عرض کیا گوہ کے ڈبہ میں ۲ فرمایا اسے اٹھا لو ۳ (ابوداؤد) ابن ماجہ۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے ۴

(۴۰۴۴) ۱ یعنی ہمارا دل چاہتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی گندم کی روٹی ہو گھی میں چپڑ کر دودھ میں بھگودی گئی ہو وہ ہم کھائیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی اعلیٰ نعمتیں کھانا یا کھانے کی خواہش کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں نہ معلوم کیا وقت تھا اور کیا رنگ تھا کہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش فرمائی۔ بعض مسلمان اس حدیث کو دیکھ کر یہ ہی کھانا تیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کر کے مساکین کو کھلاتے ہیں۔ عشق کے رنگ نیارے ۲ یعنی جو گھی ان روٹیوں میں چپڑا گیا ہے وہ گوہ کی کھال کے مشکیزہ میں تھا غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھی میں ہلکی سی بو محسوس فرمائی۔ اس لیے پوچھا ۳ یعنی تم کھالو یا کسی اور کو کھلاؤ۔ ہم ملاحظہ نہ فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ حرام نہ تھا۔ حضور انور کو ناپسند تھا قدرے مہک کی وجہ سے ۴ یعنی ضعیف اور نامقبول ہے۔ اشعۃ اللمعات اور مرقات نے فرمایا کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو اس لیے منکر فرمادیا کہ یہ حدیث عادت کریمہ کے خلاف ہے حضور اعلیٰ کھانوں کی آرزو کیسے کرسکتے ہیں۔ آپ تو تابعین ومتوکلین کے سردار ہیں ہم نے ابھی اس کی وجہ بیان کردی کہ یہ عمل شریف یہاں جواز کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کھایا ہے۔ بٹیریں ملاحظہ فرمائی ہیں۔ جب اعلیٰ نعمتوں کا کھانا تقویٰ کے خلاف نہیں تو ان کی خواہش کرنا خلاف تقویٰ کیونکر ہوگا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الثُّوْمِ اِلَّا مُطْبُوْخًا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۴۵) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پکائے ہوئے لہسن کھانے سے منع فرمایا ۱ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۰۴۵) ۱ مسجد میں آنے والے کو کچا پیاز کچا لہسن کھانا سخت منع ہے۔ ویسے عام حالت میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہی کہ اس کی بو مار کر کھائے۔ جب تک حقہ کی بو منہ سے آتی رہے مسجد میں نہ آئے کہ یہ بولہسن پیاز کی بو سے زیادہ سخت ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ زِيَادٍ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ عَنِ الْبَصَلِ فَقَالَتْ اِنَّ اٰخِرَ طَعَامٍ اَكَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ فِيْهِ بَصَلٌ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۴۶) روایت ہے ابوزیاد سے فرماتے ہیں کہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے پیاز کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا وہ تھا جس میں پیاز تھی ۱ (ابوداؤد)

(۴۰۴۶) ۱ پکی ہوئی پیاز ہوگی لہذا یہ حدیث ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں۔

وَعَنِ ابْنَيْ بُسْرٍ السُّلَمِيَّيْنِ قَالَا دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَّتَمْرًا وَّكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۴۷) روایت ہے بسر کے دو سلمی بیٹوں سے ۱ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوہارے پیش کیے حضور مکھن اور چھوہارے پسند فرماتے تھے ۲ (ابوداؤد)

(۴۰۴۷)۱؎ ان میں سے ایک کا نام عطیہ دوسرے کا نام عبداللہ ہے بسراز کے بیٹے ہیں چونکہ یہ دونوں صحابی ہیں۔لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔تمام صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)۲؎ اس لئے ہم نے یہ ہی چیزیں بارگاہِ عالی میں پیش کیں۔اس کی حکمت پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ چھوہارے اور مکھن ملانے میں کیا مصلحت تھی۔

وَعَنْ عِكْرَاشِ بْنِ ذُوَيْبٍ قَالَ اُتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ فَخَبَطْتُّ بِيَدِيْ فِيْ نَوَاحِيْهَا وَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى يَدِي الْيُمْنٰى ثُمَّ قَالَ يَاعِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَّاحِدٍ فَاِنَّهٗ طَعَامٌ وَّاحِدٌ ثُمَّ اُوْتِيْنَا بِطَبَقٍ فِيْهِ اَلْوَانُ التَّمَرِ فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ فَقَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّهٗ غَيْرُ لَوْنٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ اُتِيْنَا بِمَآءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَرَاْسَهٗ وَقَالَ يَا عِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۰۴۸)روایت ہے حضرت عکراش ابن ذویب سے۱؎ فرماتے ہیں ہمارے پاس بہت ثرید اور گوشت والا پیالہ لایا گیا۲؎ تو میں نے اس کے کناروں میں ہاتھ مارا۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے کھایا۴؎ پھر حضور نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا۵؎ فرمایا:اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ۔کیونکہ یہ ایک ہی کھانا ہے۶؎ پھر ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں قسم قسم کے چھوہارے تھے تو میں اپنے سامنے سے کھانے لگا۷؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ طباق میں گھومنے لگا۸؎ پھر فرمایا:اے عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ کہ یہ ایک قسم سے زیادہ ہے۹؎ پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے اور کہنیوں اور سر پر مل لی۱۰؎ اور فرمایا:اے عکراش یہ وضو ہے اس سے جسے آگ پکائے۱۱؎(ترمذی)

(۴۰۴۸)۱؎ آپ تمیمی ہیں بصرہ میں قیام رہا آپ ہی اپنی قوم کے صدقات لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے۲؎ ثرید کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ گوشت میں بھیگی ہوئی گلائی ہوئی روٹی جس میں بوٹی(شوربا)روٹی یک جان کرلی جائیں وذر جمع وذرۃ کی بمعنی گوشت کے ٹکڑے بغیر ہڈی والے یعنی چھوٹی بوٹیاں(مرقات،لمعات)۳؎ یعنی ہر طرف سے کھانا شروع کیا۔خبطت بنا ہے خبط سے بمعنی اونٹ کا چارہ چرنا۔چونکہ اونٹ ہر طرف سے کھاتا ہے اس لیے ہر طرف سے کھانے کو خبط کہا جاتا ہے۴؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سامنے سے کھانا حضرت عکراش کی تعلیم کے لیے کہ انہیں کھانے کا طریقہ آجائے۔ورنہ حضور ہر طرف سے کھاسکتے تھے کیونکہ آپ اپنے خادم کے ساتھ کھارہے تھے۔لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور کے ساتھ حضرت انس کھارہے تھے تو آپ پیالہ میں ہر طرف کدو تلاش کرکے کھاتے رہے۔وہ عمل بھی تعلیم کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ عالم قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کرے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال عملی تبلیغ فرماکر پھر ظہور نبوت کے بعد قولی تبلیغ کی۵؎ کیونکہ حضور انور کا بایاں ہاتھ صاف تھا داہنے ہاتھ میں سالن کا اثر تھا۔حضرت عکراش کے داہنے کا اوپر کا حصہ صاف تھا۶؎ اور جب کھانا ایک ہو تو ہر طرف سے کھانا حریص ہونے کی علامت ہے کہ دوسرے کے سامنے بوٹی یا روغن لے کر کھایا جائے۔لہذا صرف اپنے سامنے سے کھاؤ(مرقات)۷؎ یہ ہے حضور انور کے فرمان پر عمل کہ اب اس طباق میں بھی حضرت عکراش کا ہاتھ گردش نہیں کرتا۔ان ہاتھوں پر قربان۸؎ اب ہاتھ شریف کی گردش بھی تعلیم کے لیے تھی کہ اے عکراش ہم کو دیکھو ہم ہر طرف سے کھارہے ہیں تم بھی ہر طرف سے کھاؤ۹؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اگر پھل،مٹھائی بھی ایک قسم ہو تو ہر شخص اپنے سامنے سے ہی کھائے اگر چند قسم کی

ہو تو جہاں سے جو چاہے اٹھالے مگر پھر بھی درمیان سے نہ کھائے بلکہ دوسرے کناروں سے کھا سکتا ہے (مرقات) خیال رہے کہ اگر برتن میں اکیلا آدمی ہی کھا رہا ہے تب بھی اپنے سامنے سے ہی کھائے کہ یہ ہی سنت ہے جب کہ ایک ہی کھانا ہو۔ ۶ یہ اس لیے کہ اس وقت رومال موجود نہ تھا یا بیان جواز کے لیے کہ اسی طرح اعضاء پر اپنے تر ہاتھ خشک کر لینا بھی جائز ہے خیال رہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے تو انہیں نہ پونچھے اور جب کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو پونچھ لے اس میں بڑی حکمت ہے۔ ۱۱ یعنی وہ جو ہم نے فرمایا ہے کہ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو کرے۔ وہاں وضو سے مراد یہ ہی ہاتھ دھونا کلی کرنا ہے نہ کہ نماز کا وضو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ اَهْلَهُ الْوَعْكُ اَمَرَ بِالْحَسَآءِ فَصُنِعَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْا عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْ اِحْدٰكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَآءِ عَنْ وَّجْهِهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

(۴۰۴۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو جب بخار آتا تو آپ سیرے (لپٹا) کا حکم دیتے وہ تیار کیا جاتا پھر انہیں حکم دیتے تو وہ اس سے پیتے ۱ اور فرماتے کہ یہ غمگین کے دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تنگی دور کرتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے سے پانی کے ذریعہ میل دور کرتی ہے ۲ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴۰۴۹) ۱ حسا جاننے کی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ آٹے، گھی، شکر سے تیار کیا جاتا ہے۔ اتنا پتلا کہ پیا جاسکتا ہے۔ جسے پنجابی میں سیرا کہتے ہیں۔ اردو میں لپٹا عربی میں حسا یہ نہایت لذیذ، نرم اور زود ہضم ہوتا ہے بہت طاقت کی چیز ہے۔ ۲ یعنی لپٹا، سیرا غمگین اور بیمار دونوں کے لیے مفید ہے کہ اس سے غم بھی غلط ہوتا ہے اور دل کی کمزوری گھبراہٹ و تنگی جو بیماری سے پیدا ہوتی ہے جاتی رہتی ہے۔ اب بھی اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَآءٌ مِّنَ السَّمِّ وَالْكَمَاةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَآؤُهَا شِفَآءٌ لِّلْعَيْنِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۰۵۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عجوہ جنت سے ہے اور اس میں شفاء ہے زہر سے ۱ اور کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی شفا ہے آنکھ کے لیے ہے ۲ (ترمذی) ۳

(۴۰۵۰) ۱ اس کی شرح ہو چکی ہے یہ تاثیر یا تو ہر عجوہ کھجور میں ہے یا مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور میں دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں حق یہ ہے کہ عجوہ کھجور جنت میں ملے گی اور اس میں جنت کے پھلوں کی سی برکت ہے اس سے تکالیف بیماری دور ہوتی ہیں اور تندرستی بحال رہتی ہے ۲ اس کی شرح بھی گزر گئی کہ کھمبی جسے سانپ کی چھتری یا بلی کا پاؤں بھی کہتے ہیں جو برسات کے موسم میں بھیگی لکڑی میں چھتری کی طرح نمودار ہوتی ہے یا تو بنی اسرائیل کا من یہ ہی تھی یا من کی طرح یہ بھی اعلیٰ نعمت ہے جو بغیر محنت ہم کو مل جاتی ہے۔ اس کا عرق آنکھ کی بعض بیماریوں میں مفید ہے لہذا کوئی بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے اس کا استعمال نہ کرے۔ یہ ہی حال تمام احادیث کی دواؤں کا ہے کہ تمام دوائیں برحق ہیں مگر ہم ان کا استعمال طبیب کی رائے سے کریں ۳ یہ حدیث احمد، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے اور احمد، نسائی، ابن ماجہ نے ابو سعید خدری اور حضرت جابر سے روایت کی بخاری نے بروایت ابن عباس یہ زیادتی کی کہ عربی مینڈھا سیاہ رنگ کا شفا ہے عرق النساء کو کہ اس کا گوشت مریض کو کھلایا جائے اور اس کا شوربا اسے پلایا جائے (مرقات)۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّلِيْ بِهَا مِنْهُ فَجَآءَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَاَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ وَفَاءً فَقَالَ لِيْ اَقُصُّهُ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ اَوْقُصَّهُ عَلٰى سِوَاكٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۰۵۱) روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہمان ہوا[۲] تو آپ نے دستی کا حکم دیا وہ بھونی گئی پھر چھری لی پھر اس میں سے میرے لیے چھری سے کاٹنے لگے[۳] پھر بلال حضور کو نماز کی اطلاع دینے آئے[۴] تو آپ نے چھری ڈال دی فرمایا اسے کیا ہوا اس کے ہاتھ گرد آلود ہوں[۵] فرمایا ان کی مونچھیں بڑی تھیں[۶] تو مجھ سے فرمایا میں انہیں مسواک پر کتر دوں یا تم مسواک پر کتر لو[۷] (ترمذی)

(۴۰۵۱)[۱] آپ مشہور صحابی ہیں آپ کے حالات بارہا بیان ہو چکے۔ آپ خندق کے سال ایمان لائے۔ صلح حدیبیہ میں حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے گورنر رہے۔ بڑے مدبر نہایت عقلمند صاحب الرائے صحابی ہیں[۲] یعنی ایک شب میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے گھر بطور مہمان تشریف لے گئے۔ یہ معنی نہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہمان اپنا بنایا۔ جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا۔ یہ پتا نہیں کہ میزبان کون صحابی تھے[۳] یا تو صاحب خانہ نے اپنے خادم کو یہ حکم دیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب خانہ کو حکم دیا اگر میزبان سے بے تکلفی ہو تو مہمان اپنے پسندیدہ کھانے کی فرمائش کرسکتا ہے کہ وہ گویا اس کا اپنا ہی گھر ہوتا ہے[۴] یہ حضور انور کی بندہ نوازی کی شان ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے خدام کے لیے گوشت کاٹتے ہیں۔ خیال رہے کہ سکین ہر چھری کو کہتے ہیں مگر شفرہ چوڑی اور پرانی چھری کو کہا جاتا ہے[۵] حضرت بلال ابن ابی رباح کی کنیت شریف ابو عبدالرحمٰن ہے۔ مزار پر انوار دمشق میں ہے۔ آپ نے اولاد کوئی نہ چھوڑی (مرقات) فقیر نے مزار مقدس پر حاضری دی ہے جس کا ذکر ہمارے سفرنامہ قبلتین میں ہے۔ یہ اطلاع دینا علاوہ اذان کے تھا۔ حضرت بلال اذان کے بعد خصوصی طور پر نماز کے لیے حضور کی خدمت میں عرض کرتے تھے[۶] یعنی وقت نماز ابھی کافی ہے اور بلال جلدی کررہے ہیں۔ کھانا کھایا جارہا تھا کہ حضرت بلال نے نماز کے لیے عرض کیا۔ عشاء کا وقت بڑا وسیع ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں جماعت کے لیے گھنٹہ، منٹ مقرر نہ تھے[۷] کہ مونچھوں کے بال ہونٹ کے کنارہ سے آگے تھے۔ یہاں ضمیر بجائے متکلم کے غائب ارشاد ہوئی جیسے ہم اپنے کو کہتے ہیں یہ گنہگار حاضر ہے اور ہوسکتا ہے کہ شاربہ کی ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹتی ہو۔ یعنی جناب بلال کی مونچھیں بڑی تھیں[۸] یعنی یا تو ہم تمہاری مونچھوں کے بڑے بال مسواک پر رکھ کر کاٹ دیں یا تم خود ہی اس طرح ابھی کاٹ لو معلوم ہوا کہ حضور انور کو لمبی مونچھیں سخت ناپسند ہیں۔ ان سے ایسی نفرت ہے کہ گھر جاکر قینچی سے کاٹنے کی اجازت نہ دی۔ بلکہ فرمایا ابھی کاٹ لو یا ہم خود کاٹ دیں۔ مسلمان اس سے عبرت پکڑیں۔ خیال رہے کہ مونچھیں منڈانا بھی منع ہے اور بہت پست کرنا بھی منع، بلکہ اتنی کاٹنا کہ ہونٹ کا کنارہ بخوبی کھل جائے سنت ہے۔ شارب کے یہ ہی معنی ہیں۔ اس سے مونچھیں پانی پیتے وقت پانی میں ڈوبتی نہیں (مرقات) اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتَّى يَبْدَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ يَدَهُ وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَامًا فَجَآءَتْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا ثُمَّ جَآءَ أَعْرَابِيٌّ كَأَنَّمَا يُدْفَعُ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ جَآءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَجَآءَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهٖ فَأَخَذْتُ بِيَدِهٖ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ إِنَّ يَدَهُ فِي يَدَيَّ مَعَ يَدِهَا زَادَ فِي رِوَايَةٍ ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ وَأَكَلَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۵۲) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں حاضر ہوتے تو اپنا ہاتھ نہ لگاتے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس رکھتے اپنے ہاتھ۱؎ ایک بار حضور کے ساتھ کسی کھانے پر حاضر ہوئے تو ایک لڑکی آئی گویا وہ دھکیلی جارہی ہے۲؎ وہ اپنا ہاتھ کھانے میں لگانے لگی۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک بدوی آیا گویا دھکیلا جارہا ہے۴؎ حضور نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لیے کھانا حلال کرتا ہے اس سے کہ کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۵؎ وہ اسے لایا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس بدوی کو لایا کہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۷؎ ایک روایت میں ہے کہ پھر بسم اللہ پڑھی اور کھایا۸؎ (مسلم)

(۴۰۵۲) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی بزرگ کے ساتھ دسترخوان پر حاضر ہوتو ان سے پہلے کھانا شروع نہ کرے کہ اس میں بے ادبی ہے یہ اس صورت میں ہے کہ سارے کھانے والے بالغ ہوں۔ ان میں ایک بزرگ باقی خدام لیکن اگر کھانے والوں میں کوئی ناسمجھ بچہ بھی ہو تو وہ پہلے کھانا شروع کرسکتا ہے۔ بلکہ اس کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں اور کھانا کھاچکنے پر اس کے ہاتھ پیچھے دھلائے جائیں۔ کیونکہ بچے آہستہ آہستہ کھاتے ہیں۔ دیر تک کھاتے ہیں اور کھانا سامنے آنے پر زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔ یہ تمام احکام عالمگیری وغیرہ میں مطالعہ کرو۲؎ جاریہ سے مراد لونڈی نہیں بلکہ چھوٹی بچی ہے جو اتنی تیز دوڑتی آرہی تھی جیسے کسی نے اسے اس طرف دھکا دیا ہو۔ دھکا کھا کر انسان بہت تیزی سے گرتا ہے۳؎ یعنی ابھی ہم نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے پہلے ہی ہاتھ ڈالنا چاہا۔ بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے درحقیقت اسے شیطان اسی طرح بھگائے ہوئے لارہا ہے۴؎ یہاں بھی یہ ہی حال تھا کہ وہ بدوی صاحب بھی ان حضرات سے پہلے ہی بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ یہاں بھی شیطان ہی کا دھکا تھا۵؎ یعنی اگر جماعت میں ایک آدمی بھی بغیر بسم اللہ کھانے لگے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ تم سب کو بسم اللہ پڑھ کر کھاتے شیطان کو ساتھ کھانے کی جرأت نہ ہوتی اس لیے وہ آگے پیچھے ان دونوں کو لایا کہ یہ بغیر بسم اللہ کھائیں اور ان کے ذریعہ شیطان بھی کھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بچے جو بسم اللہ پڑھ سکیں ضرور بسم اللہ پڑھ کر کھایا کریں۔ ورنہ شیطان کھانے میں شریک ہوگا ہاں بالکل بے سمجھ بچہ جو صحیح بول نہ سکے اس حکم سے علیحدہ ہے۶؎ تاکہ یوں دونوں میں سے کوئی بغیر بسم اللہ ہاتھ نہ ڈال سکے اور شیطان کو موقع نہ ملے اس کی کوشش بیکار جائے۷؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے بیدھما اس تثنیہ ضمیر کا مرجع وہ لڑکی اور یہ بدوی دونوں ہیں۔ یعنی ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نسخہ میں بیدھا ہے جس کا مرجع لڑکی ہے۔ چونکہ

پہلے وہ ہی آئی تھی اس لیے اس کا ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا جس کے ساتھ یا جس پر شیطان ہو اس کو پکڑ لینے سے وہ شیطان بھی پکڑا جاتا ہے۔بعض عاملین کو دیکھا گیا کہ وہ اس شخص کے بال یا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں جس پر شیطان سوار ہو۔اس سے خود شیطان قبضہ میں آ جاتا ہے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۸؎ ان دونوں نے بھی بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور دوسرے حضرات نے بھی حضرات صوفیاء چشتیہ فرماتے ہیں کہ قوالی اہل کے لیے حلال ہے نااہل کے لیے حرام اگر مجمع میں ایک بھی نااہل شریک ہوجائے تو سب کے لیے ممنوع۔کیونکہ نااہل کی شرکت سے شیطان شریک ہوجاتا ہے اور وہ کام شیطانی بن جاتا ہے اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے اگر کھانے والوں کی جماعت میں ایک شخص بھی بغیر بسم اللہ شریک ہوجائے تو شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَاَنْ يَّشْتَرِيَ غُلَامًا فَاَلْقٰى بَيْنَ يَدَيْهِ تَمْرًا فَاَكَلَ الْغُلَامُ فَاَكْثَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ كَثْرَةَ الْاَكْلِ شُؤْمٌ وَّاَمَرَ بِرَدِّهٖ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۰۵۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ کیا۔اس کے سامنے چھوہارے ڈالے اس نے کھائے تو بہت کھائے تب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت کھانا نحوست ہے اور اس کی واپسی کا حکم دیا۱؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۴۰۵۳)۱؎ یعنی بہت کھانا کفار کی علامت ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن میں کفر کی علامت ہونا نحوست ہے۔لہٰذا اسے واپس کردو۔اس سے معلوم ہوا کہ غلام کا بہت کھانا عیب ہے جس کی وجہ سے اسے واپس کیا جاسکتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ اَدَامِكُمُ الْمِلْحُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۵۴) روایت ہے حضرت انس بن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے سالن کا سردار۱؎ نمک ہے۲؎ (ابن ماجہ)

(۴۰۵۴)۱؎ یہاں سرداری سے مراد کم خرچ ہونا قناعت کا باعث ہونا ہے۲؎ بعض تارکین دنیا صرف نمک سے روٹی کھالیتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہی حدیث پاک ہے مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کھجور،شکر،گھی سے بھی روٹی کھائی جاسکتی ہے مگر نمک سے روٹی کھانا مفید بھی ہے آسان بھی کہ نمک آسانی سے میسر ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ بعض لحاظ سے گوشت سالنوں کا سردار ہے بعض لحاظ سے سرکہ اور بعض لحاظ سے نمک۔لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں گوشت یا سرکہ کو سالن کا سردار فرمایا گیا ہے۔جیسے بعض لحاظ سے حضرت فاطمہ تمام عورتوں کی سردار ہیں۔بعض لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہ چنانچہ طبرانی نے اوسط میں ابونعیم نے کتاب الطب میں کہا دنیا میں سالن کا سردار گوشت ہے۔پینے کی چیزوں میں سردار پانی ہے خوشبوؤں میں سردار فاغیہ ہے(مرقات) کھانوں کی لذت نمک سے وابستہ ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ زعفران مثقال سے فروخت ہوتا ہے اور نمک احمال (ڈھیروں) سے حالانکہ زعفران سے نمک اعلیٰ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهٗ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ ۔ (الدَّارِمِيُّ)

(۴۰۵۵) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتاردو کہ یہ تمہارے قدموں کی راحت کا باعث ہے۱؎ (دارمی)

(۴۰۵۵)؎ یعنی جب تمہارے سامنے کھانے کے لیے کھانا رکھا جائے تو جوتے اتار دو۔ جوتا پہن کر کھانا نہ کھاؤ۔ ننگے پاؤں کھانا کھانا مفید بھی ہے اور اس میں کھانے کا ادب بھی۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّیَ حَتّٰی تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ ۔

(۴۰۵۶) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو اس کے متعلق حکم دیتیں تو ڈھک دیا جاتا حتی کہ اس کے دھوئیں کا جوش جاتا رہتا؎ اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ عمل برکت بڑھانے والا ہے۔ (دارمی)

(۴۰۵۶)؎ ثرید کے معنی پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔شوربے میں گلائی ہوئی روٹی۔یعنی آپ بہت گرم کھانا نہ کھاتی تھیں اور کھانا کھول کر پھونکیں مار کر ٹھنڈا نہ کرتی تھیں۔ بلکہ پکنے کے بعد کچھ دیر ڈھکا رہنے دیتیں۔ جب خود ٹھنڈا ہو جاتا تو کھاتی تھیں۲؎ یعنی کھانے کا قدرے ٹھنڈا ہو جانا اور پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرنا برکت کا باعث ہے۔اس لیے کھانے میں تکلیف نہیں ہوتی۔ دیلمی شریف میں ہے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ فِیْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا تَقُوْلُ لَهُ الْقَصْعَةُ اَعْتَقَكَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ كَمَا اَعْتَقْتَنِیْ مِنَ الشَّيْطَانِ ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۴۰۵۷) روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے تو پیالہ اس سے کہتا ہے کہ تجھے اللہ آگ سے آزاد کرے جیسے تو نے مجھے شیطان سے آزاد کرایا۲؎ (رزین)

(۴۰۵۷)؎ یہ وہ ہی نبیشہ ہیں جن کا ذکر ابھی کچھ پہلے ہوا جنہیں نبیشہ الخیر کہتے ہیں۲؎ ظاہر یہ ہوا کہ پیالہ اپنی زبان میں یہ الفاظ رکھتا ہے۔ صرف زبان حال مراد نہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ سنا ہوا برتن بغیر صاف کیے ہوئے پڑا رہے تو اس سے شیطان چاٹتا ہے۔حدیث ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔بعض نے فرمایا کہ کہنے سے مراد ہے زبان حال سے کہنا اور شیطان کے چاٹنے سے مراد کتے بلوں کا چاٹنا کہ سنے ہوئے برتن کو کتے بلے چاٹتے ہیں۔اس سے برتن کی توہین ہوتی ہے۔

بَابُ الضِّيَافَةِ — دعوت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ضیافت بنا ہے ضیف سے بمعنی مائل ہونا۔اصطلاح میں دعوت کو بھی کہتے ہیں اور مہمان کو بھی۔اس لیے مہمان کو ضیف کہا جاتا ہے جمع اضیاف دعوت اور مہمان دونوں میں کچھ کھانے والے کے آداب ہیں کچھ کھلانے والے کے آداب بہتر یہ ہے کہ ہر ایک اپنے آداب و احکام کا خیال رکھیں۔یہ احکام و آداب اسی باب میں مذکور ہیں بعض وقت دعوت قبول کرنا سنت ہے بعض وقت مباح بعض حالات میں مکروہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(۴۰۵۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے؎ اور جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان

فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بَدَلَ الْجَارِ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے[۲] اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا چپ رہے[۳] ایک روایت میں پڑوسی کے بجائے یوں ہے کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے[۴] (مسلم، بخاری)

(۴۰۵۸) [۱] مہمان کا احترام یہ ہے کہ اس سے خندہ پیشانی سے ملے اس کے لیے کھانے اور دوسری خدمات کا انتظام کرے حتی الامکان اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرے بعض حضرات خود مہمان کے آگے دسترخوان بچھاتے اس کے ہاتھ دھلاتے ہیں یہ اسی حدیث پر عمل ہے بعض لوگ مہمان کے لیے بقدرِ طاقت اچھا کھانا پکاتے ہیں وہ بھی اس عمل پر ہے جسے کہتے ہیں مہمان کی خاطر تواضع۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جو مہمان کی خدمت نہ کرے وہ کافر ہے مطلب یہ ہے کہ مہمان کی خاطر تقاضا ایمان کا ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری خدمت کر۔مہمان کی خاطر مومن کی علامت ہے خیال رہے کہ پہلے دن مہمان کے لیے کھانے میں تکلف کرے پھر دو دن درمیانہ کھانا پیش کرے۔تین دن کی بھی مہمانی ہوتی ہے۔بعد میں صدقہ ہے (مرقات) [۲] یعنی اس کو تکلیف دینے کے لیے کوئی کام نہ کرے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے گیارہ حق ہیں (۱) جب اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو اس کی مدد کرو (۲) اگر معمولی قرض مانگے دے دو (۳) اگر وہ غریب ہو تو اس کا خیال رکھو (۴) وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی بلکہ ضرورت ہو تو تیمارداری کرو (۵) مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ (۶) اس کی خوشی میں خوشی کے ساتھ شرکت کرو (۷) اس کے غم و مصیبت میں ہمدردی کے ساتھ شریک رہو (۸) اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا روک دو مگر اس کی اجازت سے (۹) گھر میں پھل فروٹ آئے تو اسے ھدیۃ بھیجتے رہو۔نہ بھیج سکو تو خفیہ رکھو اس پر ظاہر نہ ہونے دو۔تمہارے بچے اس کے بچوں کے سامنے نہ کھائیں (۱۰) اپنے گھر کے دھوئیں سے اسے تکلیف نہ دو (۱۱) اپنے گھر کی چھت پر ایسے نہ چڑھو کہ اس کی بے پردگی ہو۔قسم اس کی جس کے قبضہ میری جان ہے پڑوسی کے حقوق وہ ہی ادا کرسکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے (مرقات) کہا جاتا ہے ہمسایہ اور ماں جایا برابر ہونے چاہئیں۔افسوس مسلمان یہ باتیں بھول گئے قرآن کریم میں پڑوسی کے حقوق کا ذکر فرمایا۔بہر حال پڑوسی کے حقوق بہت ہیں ان کے ادا کی توفیق ربّ تعالٰی سے مانگیں [۳] خیر سے مراد یا اچھی بات ہے خواہ واجب ہو یا فرض یا سنت یا مستحب یا ہر مباح بات ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مباح بات بھی زیادہ نہ کرے تاکہ ناجائز بات میں نہ پھنس جائیں۔تجربہ ہے کہ زیادہ بولنے سے اکثر ناجائز باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں۔مشہور مقولہ ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا جو سلامت رہا وہ نجات پا گیا۔فی صد پچانوے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور پانچ فی صدی گناہ دوسرے اعضاء سے۔مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو بھلی بات منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔خیال رہے کہ بات ہی ایمان ہے، بات ہی کفر، بات ہی مقبول ہے، بات ہی مردود [۴] یعنی اپنے ذی رحم قرابتداروں کے حقوق ادا کرے۔ذی رحم وہ عزیز ہے جس کا رشتہ ہم سے نسبی ہو۔محرم وہ ہے جس سے نکاح کرنا حرام ہو۔لہذا داماد محرم ہے ذی رحم نہیں اور چچازاد بھائی ذی رحم ہے محرم نہیں سگا بھائی بھتیجا ذی رحم بھی ہے اور محرم بھی یہاں ذی رحم عزیز مراد ہیں خواہ محرم ہوں یا نہ ہوں اگرچہ ساس، سسر، بیوی کے حقوق بھی ادا کرنا ضروری ہے مگر ان کو صلہ رحمی نہیں کہتے۔یہ حدیث، طبرانی، ترمذی جامع صغیر وغیرہ میں اور طریقوں سے وارد ہوئی ہے جس میں علامت ایمان اور بہت چیزیں ارشاد ہوئیں۔

وَعَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ نِ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۴۰۵۹) روایت ہے حضرت ابوشریح کعبی سے[۱] کہ رسول اللہ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحَرِّجَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخری دن ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے۲ اس کی مہمانی ایک دن رات ہے۳ اور دعوت تین دن ہے اس کے بعد وہ صدقہ ہے۔ مہمان کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگ کردے۴ (مسلم، بخاری)

(۴۰۵۹)۱ آپ کا نام خویلد ابن عمرو ہے عدوی ہیں قبیلہ بنی کعب سے ہیں۔ فتح مکہ کے دن بنی کعب کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۲ ہمارا مہمان وہ ہے جو ہم سے ملاقات کے لیے باہر سے آئے خواہ اس سے ہماری واقفیت پہلے ہو یا نہ ہو جو ہمارے اپنے ہی محلہ یا اپنے شہر میں سے ہم سے ملنے آئے دو چار منٹ کے لیے وہ ملاقاتی ہے مہمان نہیں۔ اس کی خاطر تو کرو مگر اس کی دعوت نہیں ہے اور جو ناواقف شخص اپنے کام کے لیے ہمارے پاس آئے وہ مہمان نہیں جیسے حاکم یا مفتی کے پاس مقدمہ والے یا فتویٰ والے آتے ہیں یہ حاکم کے مہمان نہیں۳ حضرت لیث اس کی بناء پر فرماتے ہیں کہ مہمان کو ایک شب کھانا کھلانا واجب ہے اگر نہ کھلائے گا تو گنہگار رہو گا۔ جائزہ کے معنی ہیں عطیہ ہدیہ اس کی جمع ہے جوائز جیسے فاضلہ کی جمع فواضل یعنی مہمان کا مضبوط و پختہ حق۴ اگر صاحب خانہ خود ہی بخوشی روکے تو رک جانے میں حرج نہیں لیکن اس پر تنگی ہو اور مہمان ڈٹا رہے یہ بے غیرتی بھی ہے اور مسلمان کو تنگ کرنا یہ بھی ممنوع ہے، یہ قوانین آج عیسائیوں نے اختیار کرلیے ہیں۔ ان کے مہمان پہلے ہی خط لکھ دیتا ہے کہ میں اتنے روز کے لیے آپ کے ہاں آرہا ہوں۔ پھر جب وہ دن گزر جاتے ہیں اور یہ مہمان کسی وجہ سے ٹھہرتا ہے تو صاحب خانہ کو ان زائد دنوں کا بل ادا کرتا ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰى فَقَالَ لَنَا اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۶۰) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ ہم کو بھیجتے ہیں۱ تو ہم ایسی قوم پر اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتی تو حضور کیا حکم دیتے ہیں۲ تب ہم سے فرمایا کہ اگر تم کسی قوم پر اترو پھر وہ تمہارے لیے وہ دیں جو مہمانوں کے لیے مناسب ہے تو قبول کرلو۳ اگر نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق لے لو جو مہمانوں کو مناسب ہے۴ (مسلم، بخاری)

(۴۰۶۰)۱ جہاد کے لیے یا کسی جگہ نمائندہ بنا کر نمائندگی کرنے کے لیے۲ یعنی راستے میں منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے جاتے ہیں۔ ہم کو کھانے پینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے وہاں کے باشندے بے مروتی کرتے ہوئے ہماری بات بھی نہیں پوچھتے۳ ضیف واحد و جمع دونوں کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ (۵۱:۲۴) اے محبوب! کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی (کنزالایمان)۴ یہ فرمان عالی تو اس کافر قوم کے متعلق ہے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوتا تھا کہ ہماری فو ج کو تمہیں راشن دینا ہوگا۔ اب اگر وہ یہ وعدہ پورا نہ کریں تو جبراً پورا کرایا جائے یا حالت مخمصہ کا ذکر ہے جب کہ مسافر بھوک سے مر رہا ہو تو جبراً دوسرے سے مال لے کر بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔ ورنہ دوسرے کا مال بغیر اس کی رضامندی استعمال کرنا جائز نہیں (مرقات) لہٰذا یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۴:۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

(کنزالایمان) نہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں ڈکیتی اور کسی کا مال چھین لینے سے منع فرمایا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا جبکہ امیروں پر فقیروں کی دستگیری واجب بعض شارحین نے فرمایا کہ ایک دن کی مہمانی میزبان پر واجب ہے۔ وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر جمہور کا یہ قول نہیں اور ان شارحین کا یہ استدلال کمزور ہے۔ اگر مہمانی واجب بھی ہو تو یہ جبراً اس سے وصول کرنا کیسے درست ہوا زکوۃ دینا مال داروں پر فرض ہے مگر فقراء کو حق نہیں کہ ان کا مال جبراً چھین لیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اَوْلَيْلَةٍ فَاِذَا هُوَبِاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَ الْجُوْعُ قَالَ وَاَنَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَخْرَجَنِی الَّذِیْ اَخْرَجَكُمَا قُوْمُوْا فَقَامُوْا مَعَهٗ فَاَتٰى رَجُلاً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا هُوَ لَيْسَ فِیْ بَيْتِهٖ فَلَمَّا رَاَتْهُ الْمَرْاَةُ قَالَتْ مَرْحَباً وَّاَهْلاً فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ فُلَانٌ قَالَتْ ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا مِنَ الْمَآءِ اِذْجَآءَ الْاَنْصَارِیُّ فَنَظَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ مَااَحَدٌ الْيَوْمَ اَكْرَمَ اَضْيَافاً مِّنِّیْ قَالَ فَانْطَلَقَ فَجَآءَهُمْ بِعِذْقٍ فِيْهِ بُسْرٌوَّ تَمْرٌوَ رُطَبٌ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ هٰذِهٖ وَاَخَذَ الْمُدْيَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَالْحَلُوْبَ فَذَبَحَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَمِنْ ذٰلِكَ الْعِذْقِ وَشَرِبُوْا فَلَمَّا اَنْ شَبِعُوْا وَرَوُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَتُسْاَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمُ الْجُوْعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰى اَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيْمُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِیْ بَابِ الْوَلِيْمَةِ ۔

(۴۰۶۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا ایک رات باہر تشریف لائے تو اچانک ابوبکر و عمر تھے۱؎ فرمایا اس گھڑی تم دونوں کو اپنے گھروں سے کس چیز نے نکالا عرض کیا بھوک نے۲؎ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے بھی اس نے نکالا جس نے تم کو نکالا۳؎ اٹھو! چنانچہ وہ حضور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۴؎ ایک انصاری صاحب کے ہاں گئے۵ تو وہ اپنے گھر میں نہ تھے۔ جب حضور کو ان کی بیوی نے دیکھا بولیں خوش آمدید اھلا۶؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں کہاں ہیں۷؎ بولیں ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۸؎ اتنے میں انصاری صاحب آ گئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا بولے اللہ کا شکر ہے۹؎ آج مجھ سے بہتر مہمانوں والا کوئی نہیں۱۰؎ پھر وہ چلے تو ان کی خدمت میں ایک بڑا خوشہ لائے جس میں کچی خشک و تر کھجوریں تھیں عرض کیا اسے کھایئے۱۱؎ اور چھری لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ والی سے الگ رہنا۱۲؎ پھر انہوں نے ان حضرات کے لیے بکری ذبح کی۔ ان صاحبوں نے بکری اور اس خوشہ سے کھایا پانی پیا۱۳؎ پھر جب سیر ہو گئے اور پانی سے سیراب ہوئے۱۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر و عمر سے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میری جان ہے تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا قیامت کے دن۱۵؎ کہ تم کو تمہارے گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تم واپس نہ ہوئے حتی کہ تم کو یہ نعمتیں مل گئیں۱۶؎ (مسلم)۱۷؎ اور حضرت ابومسعود کی حدیث کان رجل من الانصار باب الولیمہ میں ذکر کی گئی۱۸؎

(۴۰۶۱)۱؎ بعض روایات میں ہے کہ یہ وقت دوپہر کا تھا (اشعہ)۲؎ ان حضرات کا اس وقت اپنے گھروں سے نکل پڑنا نہ تو کسی سے کچھ مانگنے کے لیے تھا نہ کہیں دعوت میں جانے کے لیے بلکہ وہ وجہ یہ تھی کہ سخت بھوک میں کسی عبادت میں دل نہیں لگا کرتا ایسی حالت میں عبادت

کرنا ایسے ہی ممنوع ہے جیسے پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت میں عبادت مکروہ ہے۔اس لیے یہ حضرات اپنی عبادات،نوافل ترک کرکے دل بہلانے باہر آ گئے۔(مرقات)۳؎ یعنی ہم بھی اس وقت اس وجہ سے باہر تشریف لائے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنی تکلیف کو کسی پر ظاہر کرنا جب کہ ناشکری یا گھبراہٹ کے اظہار یا بے صبری کے لیے نہ ہو جائز ہے۔(مرقات) ان دونوں بزرگوں کا حضور کی خدمت میں بھوک کی شکایت کرنا ایسا ہے جیسے اولاد کا ماں باپ سے بھوک کی شکایت کرنا اور حضور انور کا یہ فرمان ان بزرگوں کی تسکین اور صبر کے لیے ہے یعنی دیکھو ہم کو بھی بھوک ہے مگر صبر بھی ہے۔خیال رہے کہ ان حضرات کا اس موقع پر کمانے کے لیے نہ جانا حتی کہ بھوک نے پریشان کردیا دینی کام میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے تھا جو کمائی سے زیادہ اہم تھا۔ورنہ وہ دونوں حضرات معاش کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ یہ حضرات حضور کا دیدار کرکے سیر ہوجاتے تھے ان کی بھوک جاتی رہتی تھی جیسے قحط کے زمانہ میں مصری لوگ جمال یوسفی دیکھ کر سیر ہوجاتے تھے(اشعۃ اللمعات)۴؎ دو کے لیے جمع فرمانا یا مجازاً ہے یا کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں۵؎ یہ خوش نصیب صحابی حضرت مالک ابن تیہان ہیں کنیت ابوالہیثم،انصاری ہیں جو بڑے وسیع باغ بہت بکریوں کے مالک تھے چونکہ اس مہمانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل تھے۔یہ دونوں حضرات حضور کے تابع تھے۔اس لیے اتی صیغہ واحد ارشاد ہوا۶؎ اہل عرب مہمان کو دیکھ کر یہ الفاظ کہتے ہیں جیسے انگریزی میں ویل کم فارسی میں خوش آمدید یعنی تمہارے خاوند کہاں ہیں معلوم ہوا کہ کبھی اپنے دوست یا خادم کے گھر خود مہمان بن جانا بھی جائز ہے۔مہمان کے لیے صاحب خانہ کا بلانا ضروری نہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مالک مکان گھر میں نہ ہو تو اس کے بال بچوں کے پاس انتظار کے لیے بات چیت کرنا درست ہے جبکہ ضرورۃً ہو بغیر ضرورت کے نہ ہو۸؎ یعنی ہمارے باغ میں پانی ہے مگر قدرے کھاری ہے باغ سے کچھ فاصلہ پر میٹھے پانی کا کنواں ہے۔وہاں سے پینے کے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۹؎ شمائل ترمذی میں ہے کہ یہ بات ہو رہی تھی کہ مالک ابن تیہان یعنی صاحب باغ بھی آ گئے۔پانی کا برتن زمین پر رکھ کر حضور سے لپٹ گئے میرے ماں باپ فدا۔شعر:۔

زشان وشوکت سلطان نہ گشت چیزے کم ۔۔۔ زالتفات بمہماں سرائے مسکینے

کلاہ گوشئہ مسکیں بہ آفتاب رسید! ۔۔۔ کہ سایہ برسرش افگند چوں تو سلطانے

اس میں حضرت مالک ابن تیہان کی اس عظمت کا ظہور ہے کہ سبحان اللہ حضور انور نے ان کے گھر کو اپنا تصور فرما کر وہاں تشریف ارزانی فرمائی خیال رہے کہ آپ بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے۔بارہ نقیبوں میں آپ بھی تھے بدر و احد اور تمام غزوات میں شریک رہے۱۰؎ یعنی آج معراج کا دولہا عرش اعظم کا مہمان میرے گھر کیسے کرم فرما ہوگیا۔میں اپنے مقدر پر جس قدر ناز کروں کم ہے آج میرا باغ رشک خلد بریں بلکہ رشک عرش بریں ہے۱۱؎ فوراً چادر بچھائی بڑا سا خوشہ کھجور کا حاضر لائے۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا صرف رطب کھجوریں ہی کیوں نہ لائے۔عرض کیا کہ میں ہر قسم کی کھجوریں حاضر لایا ہوں تاکہ جو پسند خاطر ہو وہ ملاحظہ کریں۱۲؎ یعنی دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔بعض بزرگ دودھ والی گائے بکری بھینس کی قربانی نہیں کرتے۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اگرچہ فرمان عالی بطور مشورہ تھا مگر حضور کے مشورہ پر عمل بھی بہت ہی اچھا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو پہلے کچھ پھل کھلانا پھر کھانا پیش کرنا سنت صحابی ہے بعد کھانے کے پھل پیش کرنا بھی سنت ہے جس کی روایات گزر چکیں۱۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور نے دوبارہ کھجوریں کھائیں،کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی۱۴؎ نووی نے فرمایا کہ شکم سیر کو کھانا پینا جائز ہے جن احادیث میں اس سے ممانعت آتی ہے وہاں ہمیشہ سیر ہوکر کھانا مراد ہے ۱۵؎ کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالٰی نے بھوک و پیاس کی حالت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائیں لتسئلن مخاطب کے صیغہ سے اشارۃً

معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حساب نہ لیا جائے گا کہ حضور کا ہر عمل تعلیم و تبلیغ کے لیے تھا آپ کا حساب نہیں بلکہ بلاحساب اجر وثواب بےحساب عطا ہوگا صلی اللہ صلی علیہ وسلم ۶؎ یعنی قیامت میں تم سے سوال یہ ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں اگر کیا تو وہ کیا تھا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے سوال یہ ہوگا کہ ہماری فلاں فلاں نعمتیں تم نے کھائیں یا نہیں غرضیکہ سوال توبیخ اور ہے سوال تعد دیچھ اور مرقات نے یہ دوسرے معنی اختیار فرمائے کہ یہ سوال سوال احترام ہوگا نہ کہ سوال توبیخ کہ سوال توبیخ یا کفار سے ہوگا یا غافلوں ناشکروں سے ۷؎ اس حدیث کا تتمہ بھی عنقریب آ رہا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم سے فرمایا کہ جب ہمارے پاس غلام آئیں تو تم آنا ہم تم کو ایک غلام عطا فرمائیں گے۔ کچھ روز بعد دو غلام حضور کی بارگاہ میں لائے گئے۔ تب ابوالہیثم حاضر بارگاہ ہوئے حضور انور نے فرمایا ان میں سے ایک لے لو۔ عرض کیا حضور آپ ہی انتخاب فرما کر ایک عطا فرمادیں۔ فرمایا لے جاؤ یہ نمازی ہے اس سے برتاؤ اچھا کرنا چنانچہ ابوالہیثم اس غلام کو گھر لائے اور اسے آزاد کردیا ۸؎ یعنی ابومسعود کی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی۔ ہم نے مناسبت کالحاظ رکھتے ہوئے اسے باب ولیمہ میں نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَیُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّیْفُ مَحْرُوْمًا کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ حَتّٰی یَاْخُذَلَهٗ بِقِرَاهُ مِنْ مَالِهٖ وَزَرْعِهٖ. (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْمًا فَلَمْ یَقْرُوْهُ کَانَ لَهٗ اَنْ یَّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ.

(۴۰۶۲) روایت ہے حضرت مقدام ابن معدی کرب سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی قوم کا مہمان ہو پھر مہمان محروم رہے تو ہر مسلمان پر اس کی مدد کرنا لازم ہے ۱؎ یہاں تک کہ وہ اپنی مہمانی اس کے مال اور کھیت سے حاصل کرے ۲؎ دارمی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے پھر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار لے لے۔

(۴۰۶۲) ۱؎ اس طرح کہ میزبان اسے مہمان نہ بنائے اسے کھانا نہ دے تو اس کے پڑوس کے مسلمان اس میزبان کو سمجھا بجھا کر یا برا بھلا کہہ کر اس سے کھانا دلوادیں ۲؎ یعنی اگر سمجھانے بجھانے پر بھی میزبان اس مہمان کا حق نہ دے تو دوسرے مسلمان اس مہمان کی مدد کریں کہ وہ میزبان کے مال وکھیت میں سے ایک دن کھانے کی بقدر وصول کرکے اس حدیث کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی کچھ پہلے حضرت عقبہ ابن عامر کی روایت کی شرح میں عرض کیے گئے۔ کہ یہ مہمان سے مراد مسلمان مہمان اور میزبان سے مراد ہے وہ کافر جماعت جس سے اس شرط پر صلح کی گئی تھی کہ ہمارے مسلمان مہمان کو کھانا دیا کریں یا وہ مہمان مراد ہے جو بھوک سے مر رہا ہو۔ دوسرے کے پاس کھانا ہو وہ اسے مرتے ہوئے دیکھے اور کھانا نہ دے ایسی مجبوری میں وہ جبراً اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔ ورنہ بغیر ان حالات کے کسی کا مال جبراً لینا جائز نہیں حضرت خضر وموسیٰ علیہما السلام انطا کیہ والوں پر گئے تو انہوں نے میزبانی نہ کی تو ان بزرگوں نے ان سے کچھ جبراً وصول نہ کیا جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ الْجُشَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اِنْ

(۴۰۶۳) روایت ہے حضرت ابوالاحوص جشمی سے ۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمائیے تو

مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ یُقْرِنِیْ وَلَمْ یُضِفْنِیْ ثُمَّ مَرَّبِیْ بَعْدَ ذٰلِکَ اَقْرِیْهِ اَمْ اَجْزِیْهِ قَالَ بَلِ اقْرِهٖ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

اگر میں کسی شخص پر گزروں تو نہ میری مہمانی کرے نہ مجھے دعوت دے پھر وہ مجھ پر اس کے بعد گزرے تو میں اسے مہمان بناؤں یا بدلہ لوں فرمایا بلکہ مہمان بناؤ۲ (ترمذی)

(۴۰۶۳)۱آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نفر ہے۔تابعی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں۔حضرت علی مرتضی کے ساتھ رہے اور قتال خوارج میں شہید ہوئے (اشعۃ،مرقات)۲یعنی اگر اس نے تمہارے ساتھ بے مروتی کی ہے تم تو اس سے بے مروتی نہ کرو۔برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو۔اس کو حق مہمانی دو۔رب تعالٰی فرماتا ہے۔ادفع بالتی ھی احسن ۔شعر

بدی رابدی سہل باشد جزا — اگر مردی احسن الی من اساء

وَعَنْ اَنَسٍ اَوْغَیْرِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاْذَنَ عَلٰی سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ وَّعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَلَمْ یُسْمِعِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی سَلَّمَ ثَلٰثاً وَّرَدَّعَلَیْهِ سَعْدٌ ثَلٰثاً وَّلَمْ یُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّبَعَهٗ سَعْدٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مَاسَلَّمْتَ تَسْلِیْمَةً اِلَّا هِیَ بِاُذُنِیْ وَلَقَدْ رَدَدْتُّ عَلَیْكَ وَلَمْ اُسْمِعْكَ اَحْبَبْتُ اَنْ اَسْتَكْثِرَ مِنْ سَلَامِكَ وَمِنَ الْبَرَكَةِ ثُمَّ دَخَلُوا الْبَیْتَ فَقَرَّبَ لَهٗ زَبِیْبًا فَاَكَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّآئِمُوْنَ ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۰۶۴) روایت ہے حضرت انس یا ان کے سوا سے۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاں اجازت چاہی تو فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو حضرت سعد نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سنایا حتی کہ حضور نے تین بار سلام کیا۲ اور حضور کو سعد نے جواب دیا سنایا نہیں۳ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے۴ تو جناب سعد حضور کے پیچھے گئے۔عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا۵ حضور نے کوئی سلام نہ کیا مگر وہ میرے کان میں پہنچا اور میں نے حضور کا جواب دیا آپ کو نہ سنایا میں نے چاہا کہ آپ کا سلام اور برکت زیادہ حاصل کرلوں۶ پھر وہ سب گھر میں آئے تو حضور کی خدمت میں کشمش پیش کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھالی۷ پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہارا کھانا نیکوں نے کھایا۸ تم پر فرشتوں نے دعاء رحمت کی۹ اور تمہارے پاس روزہ داروں نے افطاری کی۱۰

(شرح السنہ)

(۴۰۶۴)۱بعض روایات میں ہے عن انس بغیر شک وتردد کے۲ ملاقات کو جانے والا تین بار سلام کرے ایک سلام اجازت دوسرا سلام ملاقات تیسرا سلام رخصت۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلام اجازت کے دروازے کے باہر سے کہے تاکہ صاحب خانہ اندر آنے کی اجازت دیں حضرت سعد نے جواب دیا مگر آہستہ کہ حضور اقدس تک آواز نہ پہنچی جس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ انہوں نے اس بہانہ سے حضور کے سلام بار بار لینے کی کوشش کی۳ خیال رہے کہ یہاں حضرت سعد کے سنانے کی نفی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کی نفی نہیں یعنی حضرت سعد نے اتنی پست آواز سے جواب دیا جو سننے کے قابل نہ تھا ورنہ حواس انبیاء بہت قوی ہوتے ہیں وہ حضرات تو خطرات قلبی کو محسوس فرمالیتے ہیں۔حضرات سلیمان نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے تو کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سعد کی پست آواز نہ سن سکیں مگر شرعی احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں۔اس لیے سرکار واپس ہوگئے۴ کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ تین بار اجازت مانگنے پر جواب گھر میں سے نہ آئے تو واپس ہو جاؤ یہاں اس مسئلہ کا اظہار مقصود تھا۵ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ لفظ میرے ماں باپ آپ پر فدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے۔یعنی امتی صرف حضور سے ہی یہ عرض کرسکتا ہے یا اگر حضور اپنے کرم سے کسی امتی سے فرمادیں تو فرماسکتے ہیں جیسے حضور نے سعد ابن ابی وقاص سے فرمایا۔ارم یاسعد فداك ابی و امی اے سعد تیر چلاتے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔اب ہم حضور کے سوا کسی سے نہیں کہہ سکتے۔(مرقات) یہ کلمہ انتہائی محبت کا ہے۔مسلمان کو انتہائی محبت حضور سے چاہیے۶ خیال رہے کہ سلام کا جواب اتنی آواز سے دینا فرض ہے جسے سلام کرنے والا سن سکے۔لیکن یہاں تو وجہ ہی کچھ اور تھی کہ حضرت سعد نے جواب پست آواز میں دیا اگر ترک فرض سے ایسی برکت حاصل ہو جائے تو ایسے ترک فرض پر ہزار ہا فرض قربان حضرت ام ہانی نے حضور کا پیا ہوا پانی پایا تو روزہ توڑ دیا اور وہ متبرک پانی پی لیا وہ سمجھیں کہ روزہ کی قضا کرلوں گی مگر یہ پانی مجھے کہاں ملے گا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد پر اعتراض نہ فرمایا (از مرقات واشعۃ اللمعات) شعر:۔

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس لیے فرمایا: ومن البرکۃ ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام حضور کا سلام، حضور کی دعائیں لینے کے لیے بہانہ تلاش کرتے۔آج مسلمانوں کا یہ پڑھنا یا نبی سلام علیک بہانہ ہے جواب سلام حاصل کرنے کا حضور انور کا میلاد شریف پڑھنا حضور کے نام پر صدقہ وخیرات کرنا بہانہ ہے حضور کی دعائیں لینے کا۔قرآن کریم فرماتا ہے: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (۹،۹۹) اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔(کنزالایمان) یعنی دیہاتی اپنی خیراتوں کو ذریعہ بناتے ہیں اللہ سے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا۔یہ بہانہ بڑی مبارک چیز ہے۷ بعض روایات میں ہے کہ روٹی اور کش مش پیش کی حضور انور نے کش مش سے روٹی ملاحظہ فرمائی (مرقات)۸ یہ جملہ دعا ہے یا خبر یعنی تمہارا کھانا خدا کرے ہمیشہ ابرار کھائیں۔فساق،فجار نہ کھائیں یا خبر ہے چونکہ حضور انور سید الابرار ہیں اس لیے حضور انور کا کھانا گویا جہان بھر کے ابرار کا کھانا ہے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرماسکتے ہیں۔ہم اپنے کو کس منہ سے ابرار کہیں خدا تعالٰی ہم گنہگاروں نابکاروں کو ابرار کی غلامی نصیب فرمائے۹ یہ بھی دعا ہے یا خبر یعنی خدا کرے ہمیشہ تمہارے لیے فرشتے دعائیں کرتے رہیں یا ہمارے کھانے سے فرشتوں نے تمہارے لیے دعائیں کیں معلوم ہوا کہ حضور انور کا کسی کا کھانا ملاحظہ فرمانا فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے (مرقات) یہ جملہ دعائیہ ہے۔یعنی خدا کرے تمہارے کھانے سے روزہ دار افطار کیا کریں تمہارا کھانا اس راہ میں خرچ ہوا کرے کیونکہ اس وقت حضور انور کا نہ تو روزہ تھا نہ یہ وقت افطار کا تھا بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور کا روزہ تھا جو حضرت سعد کی خاطر توڑ دیا گیا مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ روزہ توڑنے کو افطار نہیں کہتے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِیْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِیْ اٰخِیَّتِهٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰى اٰخِیَّتِهٖ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْهُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَى الْاِیْمَانِ فَاَطْعِمُوْا طَعَامَكُمْ

(۴۰۶۵) روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مومن اور ایمان کی مثال گھوڑے کی سی ہے اپنی رسی میں جو گھومتا ہے پھر اپنی رسی کی طرف لوٹ آتا ہے۱ اور مومن بھول جاتا ہے پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے۲ تو تم اپنا کھانا پرہیز

الْاَتْقِيَآءَ وَاُوْلُوْ مَعْرُوْفَكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيْ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

گاروں کو کھلاؤ اور نیکو کار مومنوں کو ۳ (بیہقی شعب الایمان) ابونعیم فی الحلیہ

(۴۰۶۵) ۱؎ اخیہ اس لمبی رسی کو کہتے ہیں جس کا ایک کنارہ میخ میں بندھا ہو دوسرا گھوڑے کے پاؤں میں ہو۔درمیان رسی کو زمین میں دبا دیا ہو اگر گھوڑا کھل جائے تو گھوم پھر کر پھر اپنے تھان پر آ جاتا ہے۔اس رسی کو اردو میں تھان کہتے ہیں ۲؎ یعنی مومن بھی بھول چوک میں گناہ کے آس پاس گھوم آتا ہے۔پھر رحمت خداوندی دستگیری کرتی ہے اور اپنے ٹھکانہ پر آ جاتا ہے توبہ کرلیتا ہے۔شعر:۔

تال سوکھ پر بھٹ ہوا اور ہنسا کہیں نہ جائیں باندھیں پچھلی پربت کے اور کنکر چن چن کھائیں!

خیال رہے کہ جیسا بھاگا ہوا گھوڑا جب واپس آتا ہے تو مالک اسے نکالتا نہیں فوراً باندھ لیتا ہے یوں ہی ہم جیسے بھگوڑے گنہگار بندے جب بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تو وہ ربّ کریم ہم کو فوراً قبول فرمالیتا ہے نکالتا نہیں مگر شرط یہ ہی ہے کہ تعلق اس سے قائم رکھیں ۳؎ یعنی کوشش کرو کہ تمہارا کھانا اللہ کے نیک بندے کھائیں تاکہ تم کو نیکی کی طرف رجوع کرنے کی جلد توفیق ملتی رہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ يَّحْمِلُهَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا اَضْحَوْا وَسَجَدُوا الضُّحٰى اُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ وَقَدْ ثُرِدَ فِيْهَا فَالْتَفُّوْا عَلَيْهَا فَلَمَّا كَثَرُوْا جَثَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَّلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا ثُمَّ قَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَدَعُوْا ذُرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيْهَا ۔(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۶۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جسے چار آدمی اٹھاتے تھے جسے غراء کہا جاتا تھا ۲؎ تو جب چاشت پڑھ لیتے تو یہ پیالہ لایا جاتا تھا اس میں ثرید بنایا ہوا ہوتا تھا ۳؎ لوگ اس پر جمع ہوجاتے تھے پھر جب زیادہ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ گئے ۴؎ تو ایک بدوی نے کہا یہ بیٹھک کیسی ہے ۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے کرم والا بندہ بنایا ہے اور مجھے سرکش متکبر نہیں بنایا ۶؎ پھر فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ درمیان کو چھوڑ دو اس میں برکت دی جائے گی ۷؎ (ابوداؤد)

(۴۰۶۶) ۱؎ آپ سلمی مازنی ہیں۔آپ خود اور آپ کے والد بسر والدہ عطیہ اور بھائی،بہن سب صحابیہ وصحابی ہیں۔شام میں مقام حمص میں رہے۔وہاں وضو کرتے ہوئے اچانک فوت ہوئے ۱۸۸ اٹھاسی ہجری میں۔آپ شام کے آخری صحابی ہیں ۲؎ غراء مونث ہے۔اغرہ کا بمعنی روشن چمکدار ۳؎ اکثر یہ ثرید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تھا۔ان تمام نمازیوں کے لیے جو نماز اشراق یا چاشت پڑھتے پھر حاضر ہوتے مشائخ کرام کے درباروں کے لنگروں کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔یہ حضور کا لنگر تھا۔کبھی حضرات صحابہ کرام بھی اس پیالے میں اپنے کھانے شامل کردیا کرتے تھے۔جیسا کہ بعض احادیث میں ہے۔جیسے آج بعض اہل توفیق بزرگوں کے لنگر کے لیے کچھ نذرانہ پیش کردیتے ہیں۔اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے اب بھی ماہ رمضان میں بعض اہل مدینہ افطار،سحری کے وقت مسجد نبوی شریف میں لنگر لگاتے ہیں اور بعض اہل خیر اس لنگر میں کچھ چندہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔میں نے خود جناب الحاج غلام حسین مدنی کے لنگر میں سحریاں کھائی ہیں۔اللہ پھر نصیب کرے ۴؎ یعنی لوگ اتنے زیادہ ہونے لگے کہ جگہ تنگ ہوگئی حضور انور نے اس تنگی کی وجہ سے اکڑوں کھانا کھایا مگر الگ کھانا منظور نہ فرمایا سب کے ساتھ ہی کھایا یہ ہے کرم کریمانہ۔شعر:

عجز اللہ رے تمہارا کہ شہ کل ہو مگر زندگی تم نے غریبوں میں گزاری ساری

۵؎ ان بدوی صاحب نے متکبرین کے طور طریقے دیکھے تھے کہ وہ نشست و برخاست میں بڑی شان وشکوہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ حضور انور کی یہ سادگی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تعجب سے پوچھا کہ اللہ اکبر یہ شان اور یہ عجز وانکسار اور تواضع ۶؎ یعنی مجھے اللہ تعالٰی نے کریم سخی و بندہ بنایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری ہرادا سے میری بندگی ظاہر ہو اور یہ بیٹھک اظہار بندگی کے لیے بہت ہی مناسب ہے دوسری نشستیں بڑائی ظاہر کرتی ہیں ۷؎ یعنی اے میرے ساتھیو! پیالہ کے کناروں سے اپنے اپنے آگے سے کھاؤ بیچ پیالہ سے نہ کھاؤ کہ بیچ پیالہ میں برکت اترتی ہے۔ وہاں سے کناروں تک پہنچتی ہے اگر تم نے بیچ سے کھانا شروع کردیا تو وہاں برکت آنا بند ہوجائے غرضیکہ برکت اترنے کی جگہ اور ہے اور برکت لینے کی جگہ کچھ اور۔

وَعَنْ وَّحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۰۶۷) روایت ہے حضرت وحشی ابن حرب سے وہ اپنے والد سے راوی وہ اپنے دادا سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ۲؎ فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو عرض کیا ہاں ۳؎ فرمایا اپنے کھانے پر جمع ہوجایا کرو اور اللہ کا نام لو تم کو اس میں برکت دی جائے گی ۴؎ (ابوداؤد)

(۴۰۶۷) ۱؎ ان کا نام وحشی ابن حرب ابن وحشی ابن حرب ہے۔ یہ وحشی تابعین سے ہیں اور ان کے دادا وحشی ابن حرب وہ ہی ہیں جنہوں نے زمانہ کفر میں حضرت حمزہ کو شہید کیا پھر زمانہ اسلام میں خلافت صدیقی میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا۔ یعنی وحشی نے اپنے باپ حرب سے روایت کی اور حرب نے اپنے باپ وحشی سے روایت کی جو کہ ان راوی وحشی کے دادا ہیں۔ ان وحشی صحابی کے بہت سے بیٹے ہیں۔ یعنی حرب، اسحاق وغیرہم (مرقات واشعہ) ۲؎ یعنی ہم کھاتے زیادہ ہیں اور سیری کم ہوتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو قناعت اور قوۃ علی الطاعۃ نصیب، ہو وہ کم میسر ہوتی ہے ۳؎ یعنی گھر والے ایک ایک کرکے الگ الگ کھاتے ہیں۔ جمع ہوکر ایک ساتھ نہیں کھاتے سبحان اللہ یہ ہے مرض کا بیان اور یہ ہے حکیم مطلق کی تشخیص اور پہچان ۴؎ یہ ہے ان حکیم مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج فرمانا کہ جمع ہوکر ایک ساتھ کھانے میں برکت ہے خیال رہے کہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (۲۴،۶۱) تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کنزالایمان) یعنی تم پر گناہ نہیں مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ کیونکہ آیت کریمہ میں الگ الگ کھانے کے جواز کا ذکر ہے اور اس حدیث پاک میں مل کر کھانے کے استحباب کا تذکرہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِىْ عَسِيْبٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا فَمَرَّبِىْ فَدَعَانِىْ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ ثُمَّ مَرَّبِاَبِىْ بَكْرٍ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ ثُمَّ مَرَّ بِعُمَرَ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ فَانْطَلَقَ حَتّٰى دَخَلَ حَائِطًا لِبَعْضِ

(۴۰۶۸) روایت ہے حضرت ابوعسیب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے مجھ پر گزرے تو مجھے بلایا میں نکل آیا پھر جناب ابوبکر پر گزرے انہیں بلایا وہ بھی آپ کے پاس آگئے پھر حضرت عمر پر گزرے تو انہیں بلایا وہ بھی نکل آئے تب

الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ اَطْعِمْنَا بُسْرًا فَجَآءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَهٗ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ فَقَالَ لَتُسْاَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَاَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ فَضَرَبَ بِهِ الْاَرْضَ حَتّٰى تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَمَسْؤُلُوْنَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ خِرْقَةٍ لَفَّ بِهَا الرَّجُلُ عَوْرَتَهٗ اَوْ كِسْرَةٍ سَدَّبِهَا جُوْعَتَهٗ اَوْ حُجْرٍ يَتَدَخَّلُ فِيْهِ مِنَ الْحَرِّ وَالْقَرِّ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

چلے۲ حتیٰ کہ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۳ تو باغ والے سے فرمایا۴ ہم کو کچی کھجوریں کھلاؤ۵ وہ ایک خوشہ لائے اس کو رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کھایا پھر ٹھنڈا پانی منگایا وہ پیا۶ پھر فرمایا ان نعمتوں کے متعلق تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا۷ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے خوشہ لیا اسے زمین پر مارا حتیٰ کہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھڑ گئیں۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ ہم قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھے جائیں گے ۸ فرمایا ہاں بجز تین چیزوں کے ۹ وہ چیتھڑا جس سے انسان اپنا ستر لپیٹ لے وہ ٹکڑا روٹی کا جس سے اپنی بھوک دفع کرے، وہ سوراخ جس میں سردی گرمی سے بے تکلف داخل ہو جائے۱۰

(احمد، بیہقی شعب الایمان)

(۴۰۶۸)۱؎ آپ کا نام احمد، لقب احمر ہے۔ کنیت ابوعسیب مگر اپنی نسبت میں مشہور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔۲؎ یعنی چار حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھ ہی یہ تین خدام بارگاہ۔۳؎ یہ باغ ابوالہیثم کا تھا یا انصاری کا مگر یہ واقعہ دوسرا ہے اور جو پہلے مذکور ہوا وہ دوسرا تھا۔۴؎ پہلے جو واقعہ مذکور ہوا وہاں باغ والے صاحب خود کھجوروں کا خوشہ لائے تھے اور بکری ذبح کی تھی۔ یہاں طلب سرکار نے فرمائی۔ لہذا یہ واقعہ دوسرا ہے۔۵؎ یہ سوال وہ نہیں جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ یعنی ذات کا سوال یہ سوال ایسا ہے جیسے والد اپنی اولاد سے یا مولیٰ اپنے غلام سے یا دوست اپنے دوست سے کچھ طلب کرے اس سوال سے تو صاحب خانہ کو قیامت تک کے لیے فخر ہو گیا کہ مجھے سرکار، حضور نے اس لائق سمجھا کہ مجھ سے یہ طلب فرمایا۔ لہذا یہ احادیث شریف میں تعارض نہیں جس سوال سے ممانعت ہے وہ اور سوال ہے یہ کچھ اور سوال۔۶؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور ان حضرات صحابہ نے بھی، حضور کو ٹھنڈا بلکہ باسی پانی بہت مرغوب تھا۔۷؎ خیال رہے کہ یہاں لتسئلن صیغہ جمع متکلم نہیں بلکہ جمع مخاطب ہے یعنی ت سے ہے ن سے نہیں یعنی اے میری امت والو تم سے سوال ہوگا حساب ہوگا ان نعمتوں کا شکریہ تم نے ادا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حساب نہیں حضور سے سوال تو یہ ہوگا کہ آپ کی امت نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ حضرات انبیاء کرام سے نعمتوں کا سوال نہیں (مرقات)۸؎ یعنی یہ کھجوریں اگر چہ نعمتیں ہیں مگر نہایت معمولی جن کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ یوں ہی ماری ماری پھرتی ہیں۔ تعجب ہے کہ ان کا حساب بھی ہوگا حضرت عمر کا یہ عمل اور یہ سوال انتہائی خوف الٰہی کا باعث تھا کہ جب ان جیسی چیزوں کا بھی حساب ہے تو اعلیٰ چیزوں کا کیا بنے گا۔ ان کا حساب کس قدر سخت ہوگا تحقیر کے لیے یہ سوال نہیں۔۹؎ جو ضروریات زندگی سے ہیں ان کے متعلق حساب نہ ہوگا کہ تم نے انکا شکریہ کیا ادا کیا وہ چیزیں تو عبدیت و مربوبیت کا حق ہیں۔ حق کا حساب نہیں ہوتا۔۱۰؎ یعنی بقاء انسانی ان تین چیزوں پر موقوف ہے زندگی رکھنے کے لیے ستر چھپانے والا کپڑا اور پیٹ میں بوجھ ڈالنے کے لیے روٹی کا معمولی ٹکڑا اور چوہے کے سوراخ جیسا معمولی مکان جس میں مالک بے تکلیف جا سکے۔ سردی گرمی سے بچاؤ کے لیے یہ چیزیں زندگی کی موقوف علیہ ہیں قیامت کے حساب سے خارج ہیں مگر یہ کھجوریں اگر چہ معمولی سہی مگر ہیں ضروریات کے علاوہ یہ بھی وہ ہیں جن میں لذت ہے لہذا ان کا حساب ہوگا۔ حجرح کے پیش جیم کے سکون

سے بمعنی سوراخ یا بمعنی مجر یعنی پتھروں سے گھیری ہوئی زمین (مرقات) ۱؎ حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث نقل کرکے آخر میں فرمایا کہ حضور نے ارشاد کیا کہ اگر تم کو یہ گراں معلوم ہو تو ہر نعمت کھاتے وقت یہ پڑھ لیا کرو بسم اللہ علٰی برکت اللہ اور کھا چکنے پر پڑھا کرو الحمد لله الذی هو اشبعنا و ارا دانا و انعم علینا و افضل یہ کلمات ان نعمتوں کا شکریہ ہیں (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْمَآئِدَةُ فَلَا يَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰى يُرْفَعَ الْمَآئِدَةُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَهٗ وَاِنْ شَبِعَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْقَوْمُ وَلْيُعْذِرْ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُخْجِلُ جَلِيْسَهٗ فَيَقْبِضُ يَدَهٗ وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ فِي الطَّعَامِ حَاجَةٌ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۰۶۹) روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دسترخوان رکھا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے تاآنکہ دسترخوان اٹھالیا جائے اور نہ اپنا ہاتھ اٹھائے اگرچہ سیر ہوجائے ۱؎ حتی کہ قوم فارغ ہوجائے اور معذرت کردے ۲؎ کیونکہ یہ کام اپنے ساتھی کو شرمندہ کرے گا کہ وہ بھی اپنے ہاتھ سمیٹ لے گا ممکن ہے کہ ابھی اسے کھانے کی ضرورت ہو ۳؎ (ابن ماجہ بیہقی شعب الایمان)

(۴۰۶۹) ۱؎ یعنی اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ کھانا کھائے اور جلد کھا چکے اور لوگ ابھی کھا رہے ہوں تو نہ تو دسترخوان سے اٹھے نہ کھانے سے ہاتھ سمیٹے بلکہ لقمے کچھ وقفہ سے کھاتا رہے تاکہ دوسرے اپنا پیٹ بھرلیں ۲؎ یعنی اگر جانے کی جلدی ہو تو باقی کھانے والے ساتھیوں سے کہہ دے کہ مجھے جلدی ہے معذور ہوں۔ آپ حضرات کھاتے رہیں۔ میرے مرشد برحق صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔ حضرت اپنے خادم کے ساتھ کھاتے تھے مگر جلد کھا چکتے تو فرمادیتے کہ تم لوگ کھاتے رہو مجھے کچھ عذر ہے وہ عمل شریف اس حدیث کی تفسیر تھا ۳؎ اس جملہ میں اس حکم کی حکمت کا بیان ہے کہ اگر تم دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو تمہارے ساتھی شرم کی وجہ سے بغیر فراغت ہی کھڑے ہوں گے وہ بھوکے رہیں گے اس لیے ان کا لحاظ کرتے ہوئے ابھی ٹھہرو کچھ کھاتے جاؤ۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو شخص کم خوراک ہو جب وہ جماعت کے ساتھ کھائے تو کچھ دیر بعد کھانا شروع کرے اور چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے اور دیر دیر سے کھائے۔ مگر کھانا سب کے ساتھ ختم کرے (مرقات)

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ مَعَ قَوْمٍ كَانَ اٰخِرَهُمْ اَكْلًا . (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

(۴۰۷۰) روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی ۲؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے ساتھ کھاتے تو ان سب میں آخر تک کھاتے ۳؎ بیہقی شعب الایمان۔

(۴۰۷۰) ۱؎ حضرت جعفر وہ ہی امام جعفر صادق ہیں جن کا دنیا میں شہرہ ہے ان کے والد امام محمد باقر ہیں۔ جو تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین کو بھی پایا ہے اور حضرت جابر ابن عبداللہ کو بھی نسب شریف یہ ہے امام جعفر ابن محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ۲؎ امام محمد باقر تابعی ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت جابر سے ملاقات کی ہے اور امام جعفر صادق تبع تابعی ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔ حدیث مرسل امام اعظم کے ہاں حجت نہیں جیسا کہ کتب اصول میں ہے ۳؎ اگرچہ حضور انور کی خوراک شریف بہت کم تھی مگر کھانا آہستہ آہستہ ہوتا تھا تاکہ آخر تک ملاحظہ فرماتے رہیں تمام ساتھی کھالیں کوئی بھوکا نہ رہے دسترخوان پر اگر بزرگ ہستی کھاتی رہے تو کھانا جاری ہی مانا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۰۷۱) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎ فرماتی ہیں

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ فَعُرِضَ عَلَیْنَا فَقُلْنَا لَا نَشْتَهِیْهِ قَالَ لَا تَجْتَمِعْنَ جُوْعًا وَّكَذِبًا ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا تو حضور نے ہم پر پیش فرمایا ہم نے عرض کیا ہم کو خواہش نہیں۲ فرمایا بھوک اور جھوٹ جمع نہ کرو۳ (ابن ماجہ)

(۴۰۷۱) ۱آپ اسماء بنت یزید ابن سکن ہیں۔انصاریہ صحابیہ ہیں بہت عاقلہ بہادر تھیں۔جنگ یرموک میں حاضر ہوئیں۔خیمہ کی چوب سے نو کافر مارے (اشعہ) ۲یعنی رسم کے مطابق ہم نے کہہ دیا ہم کو بھوک نہیں،کھانے کی خواہش نہیں ۳یعنی اگر کھانے کی خواہش ہو تو کھالو ایسا نہ ہو کہ خواہش ہو تو مگر خلاف واقعہ کہہ دو ہم کو خواہش نہیں۔اس میں دنیاوی نقصان بھی ہے اور کھانے سے محرومی بھی اور دینی نقصان بھی ہے۔جھوٹ کا گناہ بھی۔بزرگان دین فرماتے ہیں کہ نہ تو کھانے والا جھوٹی تواضع کرے نہ آنے والا جھوٹا تکلف اگر کھانے والے کے پاس کافی ہو تو کہے کہ آؤ کھالو،ورنہ نہ کہے یہ ہی آنے والے کو چاہیے کہ اگر خواہش ہو تو بیٹھ جائے کھالے ورنہ معذرت کردے اسلام میں تکلف نہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۷۲) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے کہ اکٹھے ہو کر کھایا کرو الگ الگ نہ ہو کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۱ (ابن ماجہ)

(۴۰۷۲) ۱آزمائش بھی ہے کہ ساتھ کھانے میں تھوڑا کھانا بہت کو کافی ہو جاتا ہے۔آپس میں محبت بڑھتی ہے۔نماز،جہاد،حج کھانا غرضیکہ عبادات و عادات میں مسلمانوں کی جماعت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ یَّخْرُجَ الرَّجُلَ مَعَ ضَیْفِهٖ اِلٰی بَابِ الدَّارِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاَیْمَانِ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّقَالَ فِیْ اَسْنَادِهٖ ضُعْفٌ)

(۴۰۷۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت سے ہے انسان اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے۱ ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے اور ابن عباس سے روایت کی اور فرمایا اس کی اسناد میں ضعف ہے۲

(۴۰۷۳) ۱مہمان،ملاقاتی کو دروازے تک پہنچانے میں اس کا احترام ہے پڑوسیوں کا اطمینان کہ وہ جان لیں گے کہ ان کا دوست عزیز آیا ہے۔کوئی اجنبی نہ آیا تھا (مرقات) اس میں اور بہت حکمتیں ہیں آنے والے کی کبھی محبت میں کھڑا ہو جانا بھی سنت ہے۲ یہ ضعف مضر نہیں کہ فضائل اعمال میں اسی قسم کے احکام ہیں۔حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔ہاں حرام وواجب احکام میں ضعیف حدیث مضر ہے پھر اسناد حدیث کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَیْرُ اَسْرَعُ اِلَی الْبَیْتِ الَّذِیْ یُؤْكَلُ فِیْهِ مِنَ الشَّفْرَةِ اِلٰی سَنَامِ الْبَعِیْرِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۷۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس گھر میں کھایا جائے۱ اس میں خیر و برکت زیادہ تیزی سے آتی ہے بمقابلہ چھری کے جو اونٹ کی کوہان تک جائے۲ (ابن ماجہ)۳

(۴۰۷۴)؎ یعنی جس گھر میں مہمان، زائرین، ملاقاتی لوگ کھانا کھاتے رہیں وہاں برکت رہتی ہے۔ورنہ خود گھر والے تو ہر گھر میں ہی کھاتے ہیں

۲؎ اونٹ کی کوہان میں ہڈی نہیں ہوتی چربی ہی ہوتی ہے اسے چھری بہت جلد کاٹتی ہے اور اس کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے اس۔لیے اس سے تشبیہ دی گئی۔یعنی ایسے گھر میں خیر و برکت بہت جلد پہنچتی ہے ۳؎ بعض نسخوں میں ہے باب فی اکل المضطر یعنی مجبور و معذور کے کھانے کا ذکر ہمارے نسخے میں صرف باب ہے بغیر ترجمہ کے باب جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کھانے کے متعلق مختلف روایات آئیں گی جہاں ترجمہ باب نہیں ہوتا وہاں متفرقات کا بیان ہوتا ہے۔

بَابٌ فِیْ اَکْلِ الْمُضْطَرِ وَھٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ

اور یہ باب پہلی فصل سے خالی ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے وعن الفصل الثالث یعنی یہ باب پہلی اور تیسری فصل سے خالی ہے مگر صحیح تر نسخہ یہ ہے کہ پہلی فصل سے خالی ہے مگر مؤلف مصابیح کا حال بیان فرمار ہے ہیں کہ یہاں پہلی فصل نہیں رہی' تیسری فصل وہ تو مصنف کی اپنی ہوتی ہے۔لائیں یا نہ لائیں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں چنانچہ برتن ڈھکنے کے باب میں بھی تیسری فصل نہیں مگر اس کا ذکر نہ کیا (اشعہ)

وَعَنِ الْفُجَیْعِ الْعَامِرِیِّ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یَحِلُّ لَنَا مِنَ الْمَیْتَةِ قَالَ مَا طَعَامُکُمْ قُلْنَا نَغْتَبِقُ وَنَصْطَبِحُ قَالَ اَبُوْنُعَیمٍ فَسَّرَهٗ لِیْ عُقْبَةُ قَدَحٌ غُدْوَةً وَّقَدَحٌ عَشِیَّةً قَالَ ذَاکَ وَاَبِی الْجُوْعُ فَاَحَلَّ لَهُمُ الْمَیْتَةَ عَلٰی هٰذَا الْحَالِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۷۵) روایت ہے حضرت فجیع عامری سے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ ہمارے لیے مردار سے کیا حلال ہے ۲؎ فرمایا تمہارا کھانا پینا کیا ہے ۳؎ ہم نے عرض کیا ہم صبح وشام ایک ایک پیالہ پی لیتے ہیں ۴؎ ابونعیم کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ نے مجھ سے اس کی تفسیر کی کہ ایک پیالہ صبح اور ایک پیالہ شام فرمایا میرے والد کی قسم یہ تو بالکل بھوک ہے ۵؎ پھر ہمارے لیے اس حالت میں مردار حلال فرمایا ۶؎ (ابوداؤد)

(۴۰۷۵)؎ فجیع ف کے پیش اور جیم کے فتحہ سے صحابی ہیں۔اپنی قوم عامر کی طرف سے کچھ پیغام حضور کی بارگاہ میں لائے اور مسلمان ہوگئے آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے ۲؎ عام نسخوں میں یحل، ی کے فتحہ سے جس کے معنی ہیں کہ مردار کی کتنی مقدار ہمارے لیے حلال ہے مگر مقصد یہ ہے کہ کس حالت میں ہم کو مردار کھانے کی اجازت ہے جیسا کہ جواب شریف سے ظاہر ہے طبرانی کی روایت میں ہے مایحل المیتہ ی کے پیش ح کے کسرہ سے۔یعنی کونسی حالت کونسی مجبوری ہمارے لیے مردار کو حلال کرتی ہے۔یہ عبارت بالکل واضح ہے ۳؎ یعنی تم کو کس قدر کھانا میسر ہوتا ہے تاکہ پتا لگے کہ تمہیں حالت اضطرار ہے یا نہیں۔پھر جواب دیا جائے گا۔معلوم ہوا کہ کبھی فتویٰ حالت معین کر کے بھی دیا جاتا ہے۔مگر عموماً اگر مگر سے جواب دیا جاتا ہے کہ اگر یہ حالت ہو تو یہ حکم ہے وہ حالت ہو تو یہ حکم ۴؎ یعنی ہماری تنگدستی کا یہ حال ہے کہ ہم کئی دن

صاف فاقے سے گزر جاتے ہیں۔کبھی کبھار ایک پیالہ دودھ یا لسی صبح کو مل جاتی ہے اور کبھی کبھار ایک پیالہ شام کو اور اکثر کچھ بھی نہیں نہ صبح نہ شام یہ مطلب نہیں کہ روزانہ دو وقتہ صبح وشام ایک ایک پیالہ دودھ پیتے ہیں کہ اتنی غذا سے مخمصہ و مجبوری کی حالت نہیں پیدا ہوتی بہت لوگ خصوصاً اس زمانہ میں اہل عرب مہینوں صبح،شام ایک ایک پیالہ دودھ پر گزارا کر لیتے ہیں (مرقات) نہ یہ مطلب ہے کہ روزانہ صبح شام ایک ایک پیالہ گھر سے کھا لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم سے بعض کو ایک پیالہ دودھ صبح کو ملتا ہے بعض کو ایک پیالہ دودھ شام کو بعض دفعہ یہ بھی نہیں ۵؎ یہاں وابی یعنی میرے باپ کی قسم فرمانا شرعی قسم کے لیے نہیں تاکید کلام کے لیے ہے لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں اپنے باپ دادوں کی قسم نہ کھاؤ رب تعالٰی نے قرآن مجید میں انجیر،زیتون وغیرہ کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں یعنی اتنی غذا جان نہیں بچا سکتی تم لوگ مضطر و مجبور ہو چوبیس گھنٹہ میں آدھ پاؤ دودھ جان نہیں بچا سکتا ٦؎ اس حدیث کے ظاہری معنی کی بنا پر امام مالک و شافعی و احمد نے فرمایا کہ پیٹ بھرنے کے لیے مردار کھانا جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ صبح وشام ایک ایک پیالہ دودھ جان بچا سکتا ہے مگر حضور نے اس کے باوجود مردار کھانے کی اجازت دے دی۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ جان بچانے کے لیے بقدر سد رمق یعنی سانس کی بقا کے لیے مردار کھانا حلال ہے امام اعظم نے اس حدیث کے معنی وہ کیے جو ابھی ہم نے عرض کیے اگر پیٹ بھرنے کے لیے مردار کھانا حلال ہوتا تو **غیر باغ ولاعاد** قرآن مجید میں کیوں ارشاد ہوتا مردار کو کھائے مگر مزے کے لیے نہ کھائے۔ضرورت سے زیادہ نہ کھائے وہ حضرات،**غیر باغ ولاعاد** کے کچھ اور ہی معنی کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدِ نِ اللَّیْثِیِّ اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَکُوْنُ بِاَرْضٍ فَتُصِیْبُنَا بِھَا الْمَخْمَصَۃُ فَمَتٰی یَحِلُّ لَنَا الْمَیْتَۃُ قَالَ مَالَمْ تَصْطَبِحُوا اَوْتَغْتَبِقُوْا اَوْتَحْتَفِؤُا بِھَا بَقْلًا فَشَانُکُمْ بِھَا مَعْنَاہُ اِذَا لَمْ تَجِدُوْا صَبُوْحًا اَوْغَبُوْقًا وَّلَمْ تَجِدُوْا بَقْلَۃً تَاْکُلُوْنَھَا حَلَّتْ لَکُمُ الْمَیْتَۃُ۔(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

(٤٠٧٦) روایت ہے ابو واقد لیثی سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کسی زمین میں ہوتے ہیں تو ہم کو بھوک پہنچ جاتی ہے ١؎ تو ہمارے لیے مردار کب حلال ہے فرمایا جبکہ تم صبح کو یا شام کو پیالہ نہ پاؤ یا زمین کا ساگ پات بھی نہ پاؤ ٢؎ تو تم اس مردار کو اختیار کرلو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم صبح یا شام کو پیالہ نہ پاؤ اور نہ ساگ و پات پاؤ جسے تم کھاؤ تو تمہارے لیے مردار حلال ہے ٣؎ (دارمی)

(٤٠٧٦) ١؎ یہ سوال کرنے والے حضرت کوئی اور ہیں اور ممکن ہے کہ وہ ہی فجیع عامری ہوں اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہو ٢؎ اس عبارت میں او بمعنی واؤ ہے جیسے آیت کریمہ میں عذرا او نذرا اور بمعنی واؤ ہے (مرقات) ٣؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گھاس یا پتے چبا کر جان بچ سکتی ہو تو مردار نہ کھائے اگر یہ بھی میسر نہ ہو تب مردار کھا سکتا ہے حضرات صحابہ کرام نے بعض غزوات میں درختوں کے پتے چبا کر گزارہ کیا مگر مردار نہ کھایا۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ مردار کھانا جان بچانے کے لیے ہے پیٹ بھرنے کے لیے نہیں۔امام شافعی نے بھی آخر میں یہ قول فرمایا۔اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا دیکھو مرقات وغیرہ۔

بَابُ الْاَشْرِبَۃِ
پینے کی چیزوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

اشربہ جمع ہے شراب کی جیسے طعام کی جمع ہے اطعمہ۔شراب یا بنا ہے شربٌ سے بمعنی پینا یا شربۃٌ سے یعنی پانیوں کا بیان یا شربتوں کا بیان۔

یہاں پر پتلی پینے والی چیز مراد ہے پانی ہو یا اور چیز چونکہ پانی کھانا کا تتمہ ہے۔اس لیے اس کا بیان کھانے سے متصل فرمایا اور اس کا صرف باب باندھا۔لباس مستقل علیحدہ ہے اس لیے اس کے لیے باقاعدہ کتاب اللباس باندھی (اشعہ)۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ مُسْلِمٌ فِيْ رِوَايَةٍ وَّيَقُوْلُ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَاَبْرَءُ وَاَمْرَأُ ۔

(٤٠٧٧) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے میں تین سانس لیتے تھے۱(مسلم، بخاری) مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتے تھے یہ زیادہ سیر کرنے والا زیادہ صحت بخش اور زود ہضم ہے۲

(٤٠٧٧)۱یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں برتن سے علیحدہ منہ کر کے تین سانسیں لیتے تھے پہلی سانس پینا شروع کرتے وقت پھر کچھ پی کر سانس لیتے یہ دوسرا سانس شریف ہوا پھر کچھ پی کر تیسرا سانس لیتے۔یہ تیسرا سانس ہوا۔یعنی دوران پینے میں دو سانس لیتے تھے اور کل تین سانس یہ عمل شریف ہر پینے میں ہوتا تھا۔خواہ پانی ہو یا دودھ یا شربت یا کوئی اور چیز اور یہ ہی سنت ہے مگر خیال رہے کہ یہ سانسیں برتن سے منہ الگ کر کے ہیں۲اروٰی بنا ہے روی سے بمعنی سیرابی اس لیے مشکیزہ کو راویہ کہتے ہیں کہ یہ ذریعہ سیری ہے اور ابری بنا ہے برءٌ سے بمعنی دوری صحت کو برائت کہتے ہیں کہ اس میں مرض سے دوری ہو جاتی ہے۔ابرا کا معنی زیادہ صحت بخش ہے اور امراء بنا ہے مراء الطعام سے بمعنی کھانا ہضم ہو جانا یعنی تین سانسوں میں پینے سے یہ تین فائدے ہیں۔ان فوائد کا آج بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ایک سانس میں پانی پینے سے زیادہ پیا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ سرکار اول میں بسم اللہ پڑھتے اور تیسری بار پی کر الحمد للہ پڑھتے تھے۔یہی سنت ہے اور فرماتے تھے کہ ایک سانس میں پانی پینا شیطان کا طریقہ ہے اور اس سے مرض کباد یعنی جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے یہ حدیث بہت اسنادوں پر مروی ہے اس کی تفصیل یہاں مرقات میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(٤٠٧٨) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۱(مسلم، بخاری)

(٤٠٧٨)۱اس ممانعت میں بہت سی حکمتیں ہیں ممکن ہے کہ مشکیزے میں کوئی زہریلا کیڑا ہو جو اس طرح پینے سے منہ کے ذریعہ پیٹ میں چلا جائے۔ممکن ہے کہ مشکیزہ کا منہ چوڑا ہو۔پانی زیادہ گرے کپڑے بھیگ جائیں نیز پھر مشکیزہ کا پانی استنجے کے قابل نہ رہے۔کیونکہ پس خوردہ پانی سے استنجا کرنا منع ہے۔جن روایات میں ہے کہ حضور اقدس نے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا وہاں مشکیزہ چھوٹا تھا اور اس کا منہ چوڑا نہ تھا اور خبر تھی کہ پانی صاف ہے لہذا یہ حدیث اس سے متعارض نہیں یا وہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے۔مرقات میں اس جگہ ہے کہ ایک شخص نے بطور آزمائش مشکیزے کے منہ سے پانی پیا تو اس کے منہ میں سانپ چلا گیا یا مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہمیشہ پینا ممنوع ہے کبھی اتفاقًا پی لینا جائز ہے (اشعہ)

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَّاخْتِنَاثُهَا اَنْ يُّقْلَبَ رَاْسُهَا ثُمَّ يُشْرَبَ مِنْهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(٤٠٧٩) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزوں کے منہ الٹنے سے منع فرمایا ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اختناب یہ ہے کہ اس کا منہ الٹ دیا جائے پھر ان سے پیا جائے۱(مسلم، بخاری)

(۴۰۷۹)۱؎ یہ مشکیزے سے پینے کی دوسری صورت ہے کہ مشکیزے کا منہ الٹ کر اس سے پانی پیا جائے۔اس سے منع فرمایا۔اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۸۰)روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر پئے۱؎(مسلم)

(۴۰۸۰)۱؎ یعنی کوئی چیز کھڑے ہوکر پینا ممنوع ہے پانی ہو یا دودھ یا شربت یا اور کوئی چیز یہ حکم استحبابی ہے یعنی بیٹھ کر پینا مستحب ہے اس حکم سے تین پانی مستثنٰی ہیں آب زمزم،وضو کا بچا ہوا پانی اور بزرگوں کا پس خوردہ پانی کہ ان تینوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے ان کی احادیث بھی آتی ہیں۔حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضور کی پی ہوئی لسی کا بچا ہوا حصہ کھڑے ہوکر پیا،جیسا کہ آگے آئے گا۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِئْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۰۸۱)روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر ہرگز نہ پئے تو جو بھول جائے تو وہ قے کردے۱؎(مسلم)

(۴۰۸۱)۱؎ یہ حکم استحبابی ہے جو کھڑے ہوکر پانی یا کوئی چیز پی لے تو یہ بہتر ہے کہ قے کردے یہ حکم منسوخ نہیں(مرقات)یہ حکم اس لیے ہے کہ لوگ اس سے بچیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءِ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۸۲)روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آب زمزم کا ڈول لایا تو آپ نے کھڑے ہوکر پیا۱؎(مسلم،بخاری)

(۴۰۸۲)۱؎ یہ بھی سنت ہے کہ آب زمزم کھڑے ہوکر پئے تعظیم کے لیے۔اس پانی کی دو وجہ سے تعظیم ہے۔ایک یہ کہ یہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا۔دوسرے یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف ملا ہوا ہے کہ ان حضور سرکار نے ایک بار زمزم شریف پی کر باقی پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔بعض شارحین نے فرمایا اژدہام کی وجہ سے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے کھڑے ہوکر پیا' یہ غلط ہے کہ آب زمزم ہمیشہ کھڑے ہوکر پینا چاہیے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِيْ حَوَائِجِ النَّاسِ فِيْ رَحْبَةِ الْكُوْفَةِ حَتّٰى حَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ ثُمَّ اُتِيَ بِمَاءٍ فَشَرِبَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَذَكَرَ رَاْسَهٗ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنَّ نَاسًا يَّكْرَهُوْنَ الشُّرْبَ قَائِمًا وَّاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۰۸۳)روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے ظہر ادا کی پھر لوگوں کی حاجتوں کے لیے کوفہ کے صحن میں بیٹھے۱؎ حتی کہ نماز عصر آگئی۔پھر پانی لایا گیا تو آپ نے پیا۲؎ اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور پاؤں کا ذکر کیا۳؎ پھر کھڑے ہوئے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پیا پھر فرمایا کہ لوگ کھڑے ہوکر پینے کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسی طرح جیسا میں نے کیا۴؎ (بخاری)

(۴۰۸۳)۱؎ رحبہ رے کے فتح سے بمعنی فضا یا کھلی جگہ۔کوفہ کی جامع مسجد کے صحن میں ایک خاص چبوترہ تھا۔جہاں بیٹھ کر حضرت علی مرتضی

لوگوں کے مقدمات طے فرماتے اسے رَحْبَہ کہتے تھے وہ جگہ اب بھی موجود ہے اور اس پر ایک محراب بنادی گئی ہے جسے محراب علی کہتے ہیں۔ فقیر نے اس کی زیارت کی ہے یعنی حضرت علی نماز کے بعد اس عدالت کے چبوترہ پر تشریف فرما ہوئے۲؎ یہ پینا پیاس دفع کرنے کے لیے تھا۔ اس وقت آپ کو پیاس تھی مگر اس بار بیٹھ کر پیا۔ پھر وضو کیا تاکہ معلوم ہو کہ پس خوردہ پانی سے وضو جائز ہے۔ بعض شارحین نے اس کے معنی یہ کیے کہ وضو میں کلی کی کلی کا پانی بجائے اگلنے کے نگل لیا وہ یہاں مراد ہے مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ پینا علاوہ وضو کے تھا۔ وضو کے بعد ہوا۳؎ یعنی باقاعدہ وضو کیا۔ بعض اعضاء وضو کا ذکر ہے اور پورا وضو مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے۴؎ یعنی لوگ سمجھتے ہیں پانی کھڑے ہو کر مطلقاً ممنوع ہے۔ حالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ معلوم ہوا کہ وضو کا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے یا یہ مطلب ہے کہ کھڑے ہو کر پینا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے میں نے حضور انور کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا ہے مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں ابھی ہم نے عرض کردیا کہ پانی کھڑے ہو کر پینا حرام نہیں۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے اور چند پانیوں کا کھڑا ہو کر پینا مستحب ہے ایک آب زمزم دوسرے بعض وضو کا بچا ہوا پانی، تیسرے بزرگوں کا پس خوردہ پانی۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت علی، سعد ابن ابی وقاص، ابن عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کھڑے ہو کر پانی پینا درست فرماتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ تمام فقہاء وہی جائز کہتے ہیں صرف مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَهٗ صَاحِبٌ لَّهٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَهُوَ یُحَوِّلُ الْمَآءَ فِیْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ فِیْ شَنَّةٍ وَّاِلَّا کَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِیْ مَآءٌ بَاتَ فِیْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَی الْعَرِیْشِ فَسَکَبَ فِیْ قَدَحٍ مَآءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَیْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَصَابَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ جَآءَ مَعَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۰۸۴) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صاحب کے پاس گئے حضور کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے۱؎ آپ نے سلام کیا اس نے جواب دیا وہاں باغ میں پانی پھر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس پانی مشکیزہ میں ہو تو لاؤ ورنہ ہم منہ سے پی لیں۲؎ وہ بولا میرے پاس مشکیزہ میں باسی پانی ہے چنانچہ وہ چھپر کی طرف گیا۳؎ پیالہ میں پانی انڈیلا پھر اس پر پالی ہوئی بکری دوہی۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا پھر دوبارہ لایا پھر اس شخص نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا۵؎ (بخاری)

(۴۰۸۴) ۱؎ وہ صحابی حضرت ابو بکر صدیق تھے اور باغ والے ابو الہیثم تھے یا کوئی اور انصاری عربی میں کرع اس طرح پینے کو کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھ استعمال نہ ہو یعنی نالی یا نہر سے منہ لگا کر پی لینا۲؎ عریش بنا ہے عرش سے بمعنی بلندی اصطلاح میں عریش وہ جھونپڑا ہے جو باغ یا کھیت میں گھاس یا تنکوں سے بنایا جائے اس لیے انگور کی بیل پھیلانے کے لیے جو جگہ چھت دی جاتی ہے اسے عریش کہتے ہیں بمعنی معروشات۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ (۶:۱۴۱) وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ کچھ زمین پر چھئے (چھائے) ہوئے اور کچھ بے چھئے (پھیلے) (کنز الایمان)۳؎ عربی میں داجن وہ بکری کہلاتی ہے جسے گھر رکھ کر چارا دیا جائے باہر جنگل میں چرنے کے لیے نہ بھیجا جائے۴؎ اس کا مادہ دجن ہے بمعنی الفت و محبت وہ بکری جانور گھر سے الفت رکھتا ہے مالوف ہوتا ہے اس لیے اسے داجن کہتے ہیں۔ یہ باغ والے صاحب ایک بار پانی لائے تو حضور انور نے پیا پھر دوبارہ لائے تو دوسرے صاحب یعنی حضرت ابو بکر

صدیق نے پیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِىْ يَشْرَبُ فِىْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا يُجَرْجِرُفِىْ بَطْنِهٖ نَارَجَهَنَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اِنَّ الَّذِىْ يَاْكُلُ وَيَشْرَبُ فِىْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ ۔

(۴۰۸۵) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے[1] وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے[2] (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو چاندی سونے کے برتن میں کھاتا ہے[3]

(۴۰۸۵)[1] آنیہ جمع ہے اناء کی بمعنی برتن آنیہ کے معنی ہوئے برتنوں بروزن افعلۃ جمع قلت ہے[2] یجرجر بنا ہے جرجرۃ سے بمعنی شیر کی آواز، اب ہانڈی میں پانی کھولنے کی آواز کو جرجرہ کہتے ہیں یعنی چاندی کے برتنوں میں پینا آگ جہنم پیٹ میں بھرنے کا سبب ہے، اس لیے اس طرح فرمایا گیا خیال رہے کہ آگ خودنہیں کھولتی بلکہ پانی کو کھولاتی ہے۔ یہاں کھولنے ابلنے کی نسبت آگ کی طرف مجازاً ہے جیسے جــری النهــر[3] تمام علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ چاندی سونے کے برتن میں کھانا، پینا، اس کے چمچے استعمال کرنا اس کی انگیٹھی میں خوشبو سلگانا۔ اس کی عطردانی سے عطر لگانا، اس کے برتن سے وضو یا غسل کرنا اس کے برتنوں سے چھت یا گھر سجانا اس کی گھڑی میں وقت دیکھنا اس کے قلم سے لکھنا۔ مرد وعورت، چھوٹے بڑے سب کو حرام ہے۔ عورتوں کو چاندی سونے کے صرف زیور پہننے کی اجازت ہے باقی دیگر استعمال ان کو بھی ویسے ہی حرام ہیں جیسے مردوں کو حرام ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے داؤد ظاہری کا قول ہے سونے چاندی کے برتنوں میں کچھ پینا حرام ہے۔ ان میں کھانا یا اور طرح استعمال کرنا بالکل درست ہے مگر داؤد ظاہری کا یہ قول باطل ہے۔ اس مردود کے نزدیک سور کا صرف گوشت حرام ہے اور اس کے کلیجی گردے حلال ہیں۔ ضرورت میں پھنس جانے پر ان میں سے چیز نکال کر استعمال کرے۔ جیسے سونے کی تیل دانی سے تیل لگانا پڑ جائے تو اس سے ہتھیلی پر تیل لوٹ لے پھر اسے سر میں مل لے (مرقات واشعہ) یوں ہی سونے چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے۔ ہاں علاجاً سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال کہ یہ علاج ہے نہ کہ استعمال۔ یوں ہی سونے چاندی وغیرہ کا کشتہ کھانا حلال ہے کہ یہ غذا ہے یا دوا۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَلْبَسُو الْحَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوْا فِىْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَاتَاْكُلُوْا فِىْ صِحَافِهَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَهِىَ لَكُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۸۶) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ پہنو باریک ریشم نہ موٹا ریشم[1] اور نہ پیو سونے چاندی کے برتن میں اور نہ کھاؤ ان کے پیالوں میں کہ یہ کفار کے لیے ہیں دنیا میں اور وہ تمہارے لیے ہیں آخرت میں[2] (مسلم، بخاری)

(۴۰۸۶)[1] جس کپڑے کا تانابانا یا صرف بانا ریشم کا ہو وہ مرد کو پہننا حرام ہے، عورت کو حلال اور جس کا تانا ریشم کا ہو بانا سوت کا یا اون کا، اس کا پہننا مرد کو بھی حلال ہے ریشم سے مراد کیڑے کا ریشم ہے۔ دریائی ریشم یا سن کا ریشم سب کو حلال ہے کہ وہ حریر و دیباج نہیں[2] یعنی کفار اگر سونے چاندی کے برتنوں میں کھائیں تم انہیں نہ روکو نہ ان سے لڑو مگر ان کی دیکھا دیکھی تم نہ پہنو تمہارے واسطے سونا چاندی جنت میں تیار ہے ان شاء اللہ خوب استعمال کرنا، اس ممانعت میں لاکھوں حکمتیں ہیں اگر مسلمان مردوں نے سونے چاندی کے زیور پہننا شروع کردیے تو تلوار و بندوق سے جہاد کون کرے گا۔ مسلمان کا زیور علم اور ہتھیار ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ دَاجِنٌ وَّشِيْبَ لَبَنُهَا بِمَآءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِىْ فِىْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَّعَنْ يَّمِيْنِهٖ اَعْرَابِىٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَابَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَى الْاَعْرَابِىَّ الَّذِىْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَلْاَيْمَنُوْنَ الْاَيْمَنُوْنَ اَلَا فَيَمِّنُوْا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۰۸۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھریلو بکری دوہی گئی۱ اور اس کا دودھ اس کنویں کے پانی سے ملایا گیا جو حضرت انس کے گھر میں ہے۲ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالہ پیش کیا گیا آپ نے پیا اور آپ کے بائیں ابوبکر صدیق تھے آپ کے دائیں ایک بدو۳ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ ابوبکر کو دیجیے۴ حضور نے اس بدوی کو دیا جو آپ کے داہنے تھا پھر فرمایا داہنہ پھر داہنا اور ایک روایت میں ہے کہ داہنے پھر داہنے خبردار داہنے کا خیال رکھو۵ (مسلم، بخاری)

(۴۰۸۷) ۱ داجن کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کردیئے گئے جو بکری گھر پر چارہ سے پالی جائے وہ داجن ہے جو باہر چر کر آوے وہ شاۃ تو ہے مگر داجن نہیں ۲ یعنی کچی لسی تیار کی گئی۔اس کنویں کا نام اس لیے بتایا گیا تاکہ آئندہ مسلمان اس کنوئیں کا پانی برکت کے لیے پئیں زائرین مدینہ تمام ان کنوؤں کا پانی پیتے ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا یا غسل کیا ہے۔بیر عبن، بیر شمس، بیر بضاعہ وغیرہ ۳ ان خوش نصیب بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا بہرحال مدینہ کے چاند بیچ میں جلوہ گر تھے اور یہ تارے داہنے بائیں تھے۔رضی اللہ عنہم اجمعین ۴ حضرت عمر اس وقت حضور انور کے سامنے تھے۔آپ نے بطور مشورہ یہ عرض کیا۔کیونکہ جناب صدیق افضل،اعلم،اکمل،اقدم،اعلیٰ تھے۔آپ کا منشا تھا کہ سید المرسلین کی پس خوردہ لسی سید المسلمین نوش کریں ۵ یعنی کھانے پینے کی ترتیب میں قرب مرتبہ کا اعتبار نہیں۔قرب مکان کا لحاظ ہے اور داہنا شخص بائیں سے قریب تر ہوتا ہے۔نماز کی امامت میں اعلیٰ وافضل واعلم کو مقدم رکھا جاتا ہے۔یہ ترتیب عقل کے بھی مطابق اور قرین قیاس ہے دائرہ کی گردش داہنی طرف سے ہوتی ہے۔طواف کعبہ میں سنگ اسود چومنے کے بعد داہنے چلتے ہیں۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِىَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْاَشْيَاخُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَقَالَ يَاغُلَامُ اَتَاْذَنُ اَنْ اُعْطِيَهُ الْاَشْيَاخَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلٍ مِّنْكَ اَحَدًا يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَحَدِيْثُ اَبِىْ قَتَادَةَ سَنَذْكُرُ فِىْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

(۴۰۸۸) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس سے پیا اور آپ کے داہنے ایک لڑکا تھا قوم میں سب سے چھوٹا۱ اور بوڑھے لوگ حضور کی بائیں طرف تو فرمایا اے لڑکے کیا اجازت دیتا ہے کہ ہم یہ بوڑھوں کو دے دیں۲ وہ بولا میں آپ کے پس خوردہ کے لیے کسی کو ترجیح نہیں دوں گا یارسول اللہ۳ چنانچہ حضور نے وہ پیالہ اس کو عطا فرمایا۴ (مسلم، بخاری) اور ابوقتادہ کی حدیث انشاءاللہ ہم باب المعجزات میں بیان کریں گے۵

(۴۰۸۸) ۱ وہ لڑکا حضرت عبداللہ ابن عباس تھے جو بالکل نوعمر تھے رضی اللہ عنہ (مرقات) ۲ معلوم ہوا کہ یہ حق عبد ہے اگر بندہ خود اپنا حق دوسرے کو دینے پر راضی ہوجائے تو فبہا ورنہ اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دیا جائے ۳ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں ایثار کرنا سخاوت ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"(۵۹:۹) اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے

ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔(کنزالایمان) مگر اخروی امور میں ایثار نہ کرنا بخل کرنا محمود ہے۔ یہ بخل قابل ستائش ہے۔ یہاں پانی کم نہ تھا۔ جس کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہوتا بلکہ بلاواسطہ حضور کا پس خوردہ پینا مطلوب تھا جو کبھی کسی کو خوش نصیبی سے میسر ہوتا ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اسناد جتنی چھوٹی ہو اتنی اعلیٰ اور قوی ہے اور خرقہ نبویہ جس قدر زیادہ واسطوں سے پہنچے اتنا اشرف ہوتا ہے کہ اس میں بہت برکتیں شامل ہوتی ہیں۔ لہٰذا حضرت علی کا خلیفہ چہارم ہونا بہت ہی محبوب ہے کہ آپ کو حضور کی خلافت تین واسطوں سے پہنچی جس میں بہت برکتیں ان واسطوں کی بھی شامل ہوگئیں۔ بہر حال یہ عمل شریف بہت ہی اعلیٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم اور مشورہ میں فرق ہے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو حکم نہ دیا تھا بلکہ مشورہ فرمایا تھا کہ اگر تم اجازت دو تو ہم یہ تمہارا حق دوسرے کو دے دیں۔ حضرت ابن عباس نے مشورہ قبول نہ کیا بلکہ نہایت ادب و احترام اور اچھی معذرت سے اپنا حق خود لے لیا۔ اس سے بہت سے مسائل شریعت و طریقت کے حل ہوتے ہیں ۵؎ یعنی وہ حدیث، مصابیح میں یہاں ہی تھی مگر ہم نے وہاں بیان کی۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں ہے **ساقی القوم اخرھم شربا** پلانے والا پیچھے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا نَاْکُلُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِیْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِیَامٌ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ، وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ)

(۴۰۸۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے کھڑے پیتے تھے ۱؎ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی اور غریب بھی ۲؎

(۴۰۸۹) ۱؎ یعنی ہم بعض صحابہ زمانہ نبوی میں کبھی چلتے پھرتے کچھ کھالیا کرتے تھے۔ جیسے دانے چابنا یا کھجور کھانا اور کبھی کھڑے کھڑے کچھ پی لیا کرتے تھے ظاہر یہ ہے کہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اطلاع کے ہوگا اگر حضور انور ملاحظہ فرماتے تو منع فرمادیتے۔ کیونکہ چلتے پھرتے کھانا اور کھڑے کھڑے پینا ممنوع ہے یوں گھوڑے پر سوار کھانا پینا بہتر نہیں (مرقات) ہوسکتا ہے کہ یہ چلتے پھرتے کھانا کھڑے کھڑے پینا کسی مجبوری و معذوری سے ہو جیسے جہاد میں بارہا چلتے پھرتے کھانا پڑتا ہے یا ایسی چیز کھائی ہو جو عموماً چلتے پھرتے کھائی جاتی ہے۔ جیسے دانے یا کھجوریں۔ ورنہ کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے روٹی چاول وغیرہ کھانا ممنوع ہے خصوصاً جبکہ فیشن کے طور پر ہو۔ جیسے آج کل مغرب زدہ مسلمانوں کا حال ہے کہ جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے کھاتے ہیں محض عیسائیوں کی نقالی کرتے ہوئے ۲؎ یعنی یہ حدیث تین اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے غریب تیسری سے صحیح۔ متن ایک ہے، اسناد تین۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۰۹۰) روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیتے تھے ۱؎ (ترمذی)

(۴۰۹۰) ۱؎ کھڑے ہوکر پینا ضرورت کے موقع پر تھا یا زمزم یا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا۔ باقی پانی بیٹھ کر پیئے یا کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لیے تھا۔ بیٹھ کر پینا بیان استحباب کے لیے۔ لہٰذا دونوں عمل درست ہی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخُ فِيْهِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۰۹۱) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ برتن میں سانس لی جائے یا اس میں پھونکا جائے۱(ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۴۰۹۱)۱برتن میں سانس لینا جانوروں کا کام ہے، نیز سانس کبھی زہریلی ہوتی ہے، اس لیے برتن سے الگ منہ کر کے سانس لو۔ گرم دودھ یا چائے کو پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرو بلکہ کچھ ٹھہرو قدرے ٹھنڈی ہو جائے پھر پیو اگر پانی میں تنکا وغیرہ ہو تو کچھ گرا دو۔ پھونک سے الگ نہ کرو۔ بعض لوگوں کو گندہ دہنی کی بیماری ہوتی ہے ان کی پھونک سے پانی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر شخص ان دونوں سے پرہیز کرے برتن میں سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے، حضور کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۰۹۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اونٹ کے پینے کی طرح ایک سانس میں نہ پیو لیکن دو دو اور تین تین سانسوں میں پیو۱اور جب تم پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب تم اٹھاؤ تو الحمدللہ پڑھو۲(ترمذی)

(۴۰۹۲)۱یعنی بہتر تو یہ ہی ہے کہ تین سانسوں میں پیو۔ دو سانسیں درمیان میں لو ایک آخر میں یا دو سانسوں میں پیو کہ ایک سانس پینے کے بیچ میں لو۔ دوسری آخر میں مگر ہر سانس برتن کو منہ سے الگ کر کے لو۲یعنی جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو تو الحمدللہ کہو۔ احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھ کر پینا شروع کرے۔ پہلی سانس لینے پر کہے الحمدللہ۔ دوسری سانس لینے پر کہے الحمدللہ رب العالمین، تیسری سانس پر کہے الرحمن الرحیم (اشعۃ اللمعات) اس کے متعلق اور دعائیں بھی منقول ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلُ الْقَذَاةَ اَرَاهَا فِي الْاِنَاءِ قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ فَاِنِّيْ لَا اَرْوٰى مِنْ نَّفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَاَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۴۰۹۳) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۱تو ایک شخص نے عرض کیا کہ میں برتن میں کوڑا جو دیکھوں۲فرمایا اسے بہا دو۳وہ بولا میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا۴فرمایا کہ پیالہ اپنے منہ سے الگ کر لو پھر سانس لو۵(ترمذی، دارمی)

(۴۰۹۳)۱اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔ پھونک مارنا پانی میں ہو یا دودھ میں یا کسی اور پینے کی چیز میں۔ پھر خواہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہو یا تنکا وغیرہ دور کرنے کے لیے اور خواہ پانی میں پھونک مارے یا کھانے میں سب ممنوع ہے۔ چنانچہ طبرانی کی روایت میں ہے۔ عن النفخ فی الطعام والشراب ۲یعنی اگر برتن میں کوڑا تنکا نظر آئے تو میں کیا کروں وہ تو پھونک سے ہی دفع ہو سکتا ہے اور آپ حضور پھونک سے منع فرماتے ہیں۳اس طرح کے برتن سے تھوڑا پانی گرا دو جس سے وہ کوڑا بھی گر جائے یا چمچہ یا کسی تنکے سے الگ کر دو۔ بہر حال پھونک نہ مارو۴سائل کا مقصد یہ ہے کہ آپ برتن میں پھونک مارنے سے منع فرماتے ہیں اور میں ایک سانس میں پانی وغیرہ سے سیر نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری سانس ضرور لینا پڑتی ہے وہ سانس برتن ہی میں لی جائے گی تو پھر پھونکنا ہو گیا۵جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چند سانسوں میں ہو مگر سانس برتن میں نہ لو۔ برتن منہ سے ہٹا کر لو۔ خیال رہے کہ تین سانس سے پینا بہتر ہے ایک سانس سے پینا جائز (مرقات) حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک سانس سے نہ پیا۔

وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدْحِ وَاَنْ يُنْفَخَ فِي الشَّرَابِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۹۴) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے پینے سے منع فرمایا۱ اور اس سے کہ پانی میں پھونکا جائے۲ (ابوداؤد)

(۴۰۹۴)۱ خواہ پیالہ کا کنارہ کچھ ٹوٹا ہوا ہو یا پیالہ کے وسط میں سوراخ ہو اس سے پانی وغیرہ مطلقاً منع ہے کہ یہ جگہ منہ سے اچھی طرح نہیں لگتی جس سے پانی وغیرہ بہہ کر کپڑوں پر گرتا ہے۔ کچھ منہ میں جاتا ہے کچھ کپڑے تر کرتا ہے نیز یہ جگہ پھر اچھی طرح صاف بھی نہ ہو سکے گی اور ممکن ہے کہ ٹوٹا ہوا کنارہ ہونٹ کو زخمی کردے اور زخم کا خون پانی اور برتن کو ناپاک کردے بہرحال اس حکم میں بھی بہت حکمتیں ہیں۲ اس حدیث کو احمد اور حاکم نے بھی انہیں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (دیکھو مرقات)

وَعَنْ كَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ)

(۴۰۹۵) روایت ہے حضرت کبشہ سے۱ فرماتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا۲ میں اس کے دہانے کی طرف اٹھی اسے میں نے کاٹ لیا۳ (ترمذی ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، غریب صحیح ہے)۔

(۴۰۹۵)۱ کبشہ دو ہیں: ایک کبشہ بنت ثابت ابن منذر انصاریہ یہ ہیں جو حضرت حسان ابن ثابت کی بہن ہیں۔ انہیں کبیشہ بھی کہا جاتا ہے ان کا لقب برضاء ہے۔ دوسری کبشہ بنت کعب ابن مالک انصاریہ یعنی عبداللہ ابن قتادہ کی بیوی۔ نہ معلوم یہ کونسی کبشہ ہیں۔ بعض محدثین نے فرمایا پہلی کبشہ ہیں۔ بعض نے فرمایا دوسری چونکہ دونوں کبشہ صحابیہ ہیں۔ اس لیے یہ ناواقفیت مضر نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں (مرقات)۲ اس سے معلوم ہوا کہ مشکیزے سے منہ لگا کر پینا اور کھڑے کھڑے پینا دونوں جائز ہیں۔ جہاں ممانعت آئی وہاں ممانعت تنزیہی یا خلاف اولیٰ مراد ہے۳ یعنی مشکیزے کے منہ کا چمڑا جسے حضور انور کے لب لگے تھے میں نے کاٹ کر رکھ لیا۔ کیوں، اس کی تین وجہ ہیں۔ ایک شفاء کے لیے کہ مدینہ کے بیماروں کو اس چمڑہ کو ڈبو کر پانی پلایا کروں، تبرک کے لیے کہ اپنے پاس برکت کے لیے رکھوں اور اس لیے کہ کسی اور کا منہ اسے نہ لگے کہ یہ بے ادبی ہے۔ اسے حضور کا منہ شریف لگا ہے۔ (مرقات) ترمذی نے حضرت ام سلیم کا یہ ہی واقعہ نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو مقبول بندوں کا منہ لگ جائے۔ وہ شفا بن جاتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی شفا بن گئی۔ (دیکھو قرآن مجید) یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جسم شریف سے لگی ہوئی چیز سے برکت لینا جائز ہے وہ متبرک ہے۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ مَارُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

(۴۰۹۶) روایت ہے زہری سے وہ عروہ سے۱ وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین شربت ٹھنڈا میٹھا تھا۲ (ترمذی) اور فرمایا صحیح وہ ہے جو بروایت زہری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً مروی ہوا۳

(۴۰۹۶)۱؎امام زہری بھی تابعی ہیں اور عروہ ابن زبیر ابن عوام بھی تابعی ہیں۔ابن شہاب فرماتے ہیں کہ عروہ علم کے دریا ناپید کنار ہیں (مرقات)۲؎یعنی عموماً ٹھنڈا میٹھا پانی پسند فرماتے تھے۔دودھ کی لسی بھی پسند تھی مگر وہ کبھی کبھی ملاحظہ فرماتے تھے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی میں دودھ ملا ہوا پسند تھا یا شہد سے میٹھا کیا ہوا پانی مرغوب تھا کہ وہ خاص حالات کا ذکر ہے اور یہاں عام حالات کا۔۳؎اس لیے کہ سفیان ابن عیینہ کے سوا باقی تمام محدثین نے اسے عن الزہری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا۔صرف سفیان ابن عیینہ نے عن عروہ عن عائشہ کی زیادتی کی ہے مگر ثقہ کی زیادتی مقبول ہے نیز امام احمد نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے بروایت عائشہ صدیقہ روایت فرمایا (مرقات)۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَاماً فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَاِذَا سَقٰى لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ فَاِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُّجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلَّا اللَّبَنُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۹۷)روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے الٰہی ہم کو اس میں برکت دے اور اس سے بھی اچھا ہمیں کھلا۱؎اور جب دودھ پیئے تو کہے الٰہی ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بھی زیادہ دے۲؎کہ دودھ کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں جو کھانے اور پانی سے کفایت کرے۳؎(ترمذی،ابوداؤد)

(۴۰۹۷)۱؎یعنی خدایا ہم کو آئندہ ایسا کھانا کھلا جو اس سے بھی زیادہ پاکیزہ اور نفیس ولذیذ ہو۔کیونکہ کھانے بعض بعض سے اعلیٰ ہوتے ہیں تو ہمیشہ رب تعالٰی سے اعلیٰ مانگے۲؎یعنی دودھ پی کر یہ نہ کہے کہ ہم کو اس سے بھی اعلیٰ نعمت دے۔کیونکہ دودھ سے زیادہ اعلیٰ نعمت کوئی نہیں اور ناممکن کی دعا کرنا ممنوع ہے۳؎یعنی صرف دودھ ہی میں وہ نعمت ہے جو بھوک و پیاس دونوں کو رفع کرتا ہے۔لہذا یہ غذا بھی ہے اور پانی بھی۔نیز دودھ میں بچے کی پہلی غذا قدرت کی طرف سے مقرر کی گئی کہ بچہ دنیا میں آ کر پہلے کئی ماہ بلکہ دو سال تک ماں کا دودھ ہی پیتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ فَاِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ سے آخر تک مسدد کا قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان عالی ہے دوسری حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔جنت میں بھی دودھ کی نہریں ہوں گی۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَآءُ مِنَ السُّقْيَا قِيْلَ هِيَ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِيْنَةِ يَوْمَانِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۰۹۸)روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۱؎کہا گیا ہے کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کی راہ ہے۲؎(ابوداؤد)

(۴۰۹۸)۱؎کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے پانی میں ہلکی سی نمکینی تھی اب بھی اکثر مدینہ منورہ میں پانی باہر سے لایا جاتا ہے بعض گڑھے کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں پانی باہر سے لاکر بھرا جاتا ہے۔لوگ اسے پیتے ہیں مگر اب عموماً وہاں کا پانی بہت شیریں اور نہایت ہلکا زود ہضم ہے۔اب تو مدینہ کا سا پانی اور وہاں کا سا گوشت روئے زمین میں کہیں نہیں۲؎یہ جگہ جانب مکہ معظمہ واقع ہے مگر اب راستہ میں نہیں پڑتی۔حضرات صحابہ کرام حضور انور کے لیے اپنے دور دراز فاصلہ سے میٹھا پانی اس قدر لاتے تھے کہ حضور سرکار اکثر وہ ہی پانی پیتے تھے۔بعض مریدین اپنے پیروں کے لیے دور سے ان کی پسندیدہ سبزی لاکر حاضر کرتے ہیں اس خدمت کی اصل یہ ہی حدیث ہے کہ حضرات صحابہ دو دن کی راہ سے میٹھا پانی حضور کے لیے لاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ فِیْ اِنَاءِ ذَهَبٍ اَوْفِضَّةٍ اَوْ اِنَاءٍ فِیْهِ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ . (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ)

(۴۰۹۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے یا اس برتن میں جس میں ان میں سے کچھ ہو[۱] تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے یا بھرتا ہے[۲] (دارقطنی)

(۴۰۹۹)[۱] اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اگر تانبے یا پیتل کے برتن میں سونے یا چاندی کی قلعی ہو تو اس میں کھانا پینا حرام ہے وہ حضرات فیہ شی من ذالك سے سونے چاندی کی قلعی مراد لیتے ہیں مگر امام اعظم کے نزدیک اس سے قلعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد سونے چاندی کی زنجیریں یا کیلیں میخیں مراد ہیں اگر زیادہ ہوں ایک دو کیل جو باریک ہو اس کی اجازت ہے۔ یہ حکم عورتوں، مردوں سب کے لیے ہے، عورتوں کو سونے چاندی کا صرف زیور حلال ہے[۲] اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی۔

بُابُ النَّقِیْعِ وَالْاَنْبِذَةِ

کشمش وغیرہ کے شربتوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

نقیع اکثر کشمش کے شربت (زلال) کو کہا جاتا ہے اور نبیذ عموماً کھجور کے شربت (زلال) کو کہتے ہیں کہ رات کو کشمش یا کھجوریں پانی میں بھگو دی جاتی ہیں۔ صبح کو وہ پانی نتھار کر پیا جاتا ہے اسے نبیذ کہتے ہیں۔ یہ بہت ہی مقوی اور زود ہضم ہوتا ہے۔ یہ حلال ہے بشرطیکہ خدشہ کو نہ پہنچے اگر بہت روز تک رکھا رہے تو جھاگ چھوڑ دیتا ہے اور نشہ آور ہے۔ اب حرام ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا **کل مسکر حرام**

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِیْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِیْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۰۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ سے ہر قسم کے شربت پلائے شہد، نبیذ، پانی اور دودھ[۱] (مسلم)

(۴۱۰۰)[۱] ایک لکڑی کا پیالہ حضرت انس کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے لوگوں کو دکھا کر فرمایا کہ اس پیالہ سے میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی قسم کے شربت اور دودھ پلایا ہے۔ یعنی یہ پیالہ بڑا ہی متبرک ہے کہ اسے حضور انور کے ہاتھ اور لب بارہا لگے ہیں۔ آپ نے بصرہ میں لوگوں کو اس پیالہ کی زیارت کرا کے یہ فرمایا۔ یہ پیالہ حضرت انس کی اولاد کے پاس بطور تبرک رہا۔ پھر نضر ابن انس کی اولاد سے آٹھ لاکھ روپیہ کے عوض خریدا گیا (مرقات) یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ امام بخاری نے اس پیالہ کی بصرہ میں زیارت کی اور اس سے پانی پیا۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ حضور کے استعمالی برتنوں کو برکت کے لیے اپنے پاس رکھتے تھے اور لوگوں کو زیارت کراتے تھے۔ آنکھ والے ان چیزوں کی قدر جانتے ہیں۔ ابھی گزر گیا کہ حضرت کبشہ نے مشکیزے کا وہ چمڑا کاٹ کر رکھ لیا جس سے حضور نے پانی پیا تھا۔ مثنوی میں ہے کہ حضرت جابر کے گھر وہ کپڑے کا دسترخوان تھا جس سے حضور نے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھے۔ جب وہ میلا ہو جاتا تھا تو اسے آگ میں ڈال دیتے میل جل جاتا کپڑا محفوظ رہتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزید ومنقی گشت نیز

گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں بس بما لید اندریں دستار خواں

اے دل ترسندہ ازنار و عذاب باچنیں دست و دہاں کن انتساب

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكَأُ اَعْلَاهُ وَلَهُ عَزْلَاءُ نَنْبِذُهُ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهُ عِشَاءً وَّنَنْبِذُهُ عِشَآءً فَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۰۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بناتے تھے۱ جس کا دہانہ باندھ دیا تھا اور اس کا دہانہ تھا۲ صبح نبیذ بناتے تو وہ شام کو پیتے اور شام کو نبیذ بناتے وہ حضور صبح کو پیتے۳ (مسلم)

(۴۱۰۱) ۱ نبیذ بنا ہے نبذ سے بمعنی پھینکنا، ڈالنا پھر پھینکی ہوئی چیز کو نبیذ کہنے لگے۔ اس کے بعد اس پھینکنے کے نتیجہ کو نبیذ کہنے لگے۔ یہاں آخری تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجوروں یا کشمش کا نبیذ تیار کرتے تھے کہ شام کو کھجوریں بھگو دیتے۔ تھے۲ یعنی اس مشکیزہ کے دومنہ تھے۔ ایک اوپر والا جس سے پانی وغیرہ بھرا جاتا تھا۔ دوسرا نیچے والا جس سے پانی وغیرہ نکالا جاتا تھا۔ عزلاء ہر منہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں نیچے والا منہ مراد ہے کیونکہ اوپر والے منہ کا ذکر تو الگ ہو چکا۳ نماز فجر اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت کو غدوہ (غین کے پیش سے) کہا جاتا ہے اور سورج ڈھلے سے مغرب تک کے وقت کو عشا (عین کے کسرہ سے) کہا جاتا ہے۔ یعنی صبح کے بھگوئے ہوئے چھواروں کا پانی حضور انور دوپہر کے بعد سے شام تک پی لیتے تھے اور شام کے بھگوئے ہوئے چھوارے صبح کو پی لیتے تھے۔ زیادہ دیر نہ لگائی جاتی تھی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْبَذُ لَهُ اَوَّلَ اللَّيْلِ فَيَشْرَبُهُ اِذَا اَصْبَحَ يَوْمَهُ ذٰلِكَ وَاللَّيْلَةَ الَّتِيْ تَجِيْءُ وَالْغَدَ وَاللَّيْلَةَ الْاُخْرٰى وَالْغَدَ اِلَى الْعَصْرِ فَاِنْ بَقِيَ شَيْءٌ سَقَاهُ الْخَادِمَ اَوْاَمَرَبِهٖ فَصُبَّ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۰۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شروع رات میں نبیذ بنایا جاتا اسے حضور پیتے جب صبح ہوتی اسی دن اور رات جو آتی اور کل اور دوسری رات اور کل عصر تک۱ پھر اگر کچھ بچ رہتا اسے خادم کو پلا دیتے۲ یا حکم دیتے تو گرا دیا جاتا۳ (مسلم)

(۴۱۰۲) ۱ یعنی ایک دن کا بنایا ہوا نبیذ حضور دو روز تک پیتے رہتے تھے کہ اس قدر ٹھہرنے سے اس میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال نہ تھا۲ اس لیے کہ اس کے بعد تل چھٹ رہ جاتا تھا، صاف شربت نہ رہتا تھا نشہ ہرگز نہیں پیدا ہوتا تھا اگر نشہ پیدا ہوتا تو خادم کو ہرگز نہ پلاتے کہ نشہ پلانا بھی حرام ہے (مرقات، اشعہ) ۳ گرا دینا اس صورت میں ہوتا تھا جبکہ اس میں نشہ پیدا ہو جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ کھانا اگر آقا کھائے اور نیچے کا بچا ہوا کھانا خادم کو کھلائے تو جائز ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ خادم کو ساتھ کھلاؤ یہ بیان استحباب کے لیے ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نشہ آور یا سڑی بسی چیز کسی کو نہ کھلائی جائے، بلکہ پھینک دی جائے۔ خیال رہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی روایت کہ صبح کا نبیذ شام تک ختم فرما دیتے تھے۔ اخ گرمیوں کے موسم کے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث دو دن تک پینے کی سردی کے موسم کے متعلق ہے۔ گرمیوں میں نبیذ میں جلد جوش آ جاتا ہے اور جلد نشہ آور ہو جاتا ہے۔ سردی میں نہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ يُنْبَذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ فَاِذَا لَمْ يَجِدُوْا سِقَاءً يُنْبَذُ لَهُ

(۴۱۰۳) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بنایا جاتا پھر جب مشکیزہ

فِیْ تَوْرٍ مِّنْ حِجَارَۃٍ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

نہ پاتے تو آپ کے لیے پتھر کی ایک لگن میں نبیذ بنایا جاتا۱(مسلم)

(۴۱۰۳)۱یعنی نبیذ کے لیے کوشش کی جاتی تھی کہ مشکیزے میں بنایا جائے تا کہ شربت ٹھنڈا رہے اور ڈھکا رہے۔لیکن اگر مشکیزہ میسر نہ ہوتا تو پتھر کی لگن یا بڑے پیالہ میں بنایا جاتا۔پتھر میں شربت جلد گرم ہو جاتا ہے مگر اسے ڈھک دیا جاتا ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الدُّبَّآءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِیْرِ وَاَمَرَ اَنْ یُّنْبَذَ فِیْ اَسْقِیَۃِ الْاَدَمِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۰۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا،تونبی سے اور ٹھلیا سے اور پیالہ سے اور کھوکھلی جڑ سے۱اور حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنایا جائے۲(مسلم)

(۴۱۰۴)۱اہل عرب شراب کے بڑے عادی تھے جب اسلام میں شراب حرام کی گئی تو شراب بنانے،رکھنے،پینے کے برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیا۔تا کہ یہ برتن دیکھ کر لوگوں کو شراب یاد نہ آوے اور لوگ پھر سے شراب نہ پینے لگیں۔بعد میں برتنوں کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہوگئی۔اسی کی ناسخ،حدیث آگے آرہی ہے۔یہ شراب کے چار برتنوں کا ذکر ہے۔پختہ کدو جو لمبا ہوتا ہے اسے کھکھل کرلیا جاتا تھا۔اس سے جگ کی جگہ کام لیتے تھے کہ اسے دباء کہتے تھے۔چھوٹا گھڑا جس میں تھوڑی شراب رکھتے تھے اسے حنتم کہتے تھے۔اس پر اکثر سبز رنگ کردیتے تھے۔شراب پینے کا پیالہ جس میں تارکول لگا ہوتا اسے مزفت کہتے تھے یعنی زفت لگا ہوا روغنی پیالہ۔موٹے درخت کی جڑ کھکھل کرکے زمین میں گاڑ دیتے اس میں زیادہ شراب رکھتے تھے۔اسے نقیر کہتے۔غرضیکہ شراب رکھنے کے دو برتن تھے اور پلانے کے دو برتن۔ان چاروں برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ ان برتنوں میں دودھ،پانی،نبیذ اور کوئی شربت بھی نہ پیو،نہ رکھو تا کہ شراب کا تصور نہ آنے پائے۲یعنی چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناؤ کیونکہ اولاً چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ میں جلد نشہ نہیں پیدا ہوتا کہ چمڑہ ٹھنڈا ہوتا ہے اگر نبیذ میں جوش آجائے اور نشہ پیدا ہوجائے تو چمڑہ کا مشکیزہ پھٹ جاتا ہے۔ان مذکورہ برتنوں میں جلد نشہ پیدا ہوجاتا ہے اور پھر خبر نہیں ہوتی کہ نشہ ہوا ہے یا نہیں ممکن ہے کہ نشہ پیدا ہو چکا ہو اور تم بے خبری میں پی لو۔

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نَھَیْتُکُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَاِنَّ ظَرْفًا لَا یُحِلُّ شَیْئًا وَّلَا یُحَرِّمُہٗ وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَّفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ نَھَیْتُکُمْ عَنِ الْاَشْرِبَۃِ اِلَّا فِیْ ظُرُوْفِ الْاَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِیْ کُلِّ وِعَآءٍ غَیْرَ اَنْ لَّا تَشْرَبُوْا مُسْکِرًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۰۵) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو برتنوں سے منع کیا تھا مگر برتن نہ کسی چیز کو چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام۱ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تم کو شربتوں سے منع کیا تھا سوا چمڑے کے برتنوں میں تم ہر برتن میں پئیو سوا اس کے کہ نشہ آور چیز نہ ہو۔(مسلم)

(۴۱۰۵)۱یہ حدیث پچھلی حدیث کی ناسخ ہے یعنی حرمت وحلت برتن پر موقوف نہیں۔بلکہ نشہ پر موقوف ہے۔یہ حدیث اس وقت کی ہے جب لوگ ترک شراب کے عادی ہو چکے تھے اور نشہ آور غیر نشہ آور میں تمیز کرسکتے تھے۔حالات بدل گئے۔حکم بدل گیا۲خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر یعنی انگوری شراب تو حرام بعینہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے اس کے ماسوا دوسری نشہ آور چیزیں خواہ تپلی ہوں جیسے جوار وغیرہ کی شراب یا خشک جیسے افیون،بھنگ وغیرہ نشہ دیں تو حرام ہیں ورنہ حرام نہیں۔بشرطیکہ لہو ولعب کے لیے استعمال نہ کرے،دوسرے اماموں کے ہاں ہر تپلی نشہ آور چیز مطلقاً حرام ہے۔نشہ دے یا نہ دے خشک نشہ آور چیزیں حد نشہ سے کم حلال ہیں۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور انور نے حرمت کو نشہ پر موقوف فرمایا فتوی قول صاحبین پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ نِ الْاَشْعَرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِی الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۰۶) روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے[1] انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ دوسرا رکھ لیں گے[2] (ابوداؤد وابن ماجہ)[3]

(۴۱۰۶) [1] آپ کے حالات پہلے گزر چکے کہ آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے۔کنیت ابو مالک یا ابو عامر ہے۔ابو مالک زیادہ مشہور ہے۔ آپ صحابی ہیں۔خلافت فاروقی میں وفات پائی[2] یہ غیبی خبر ہے جو ہو بہو درست ہوئی۔یعنی آخر زمانہ میں لوگ شراب کے نام بدل دیں گے اور اسے حلال سمجھ کر پئیں گے۔حالانکہ وہ نشہ والی ہوگی۔مثلًا انگور کا پانی یا کھجور کا عرق کہیں گے یا اسے وسکی کہہ کر پئیں گے۔معلوم ہوا کہ نام کا اعتبار نہیں نشہ کا اعتبار ہے۔آج بعض لوگ شراب کو برانڈی یا وسکی کہہ کر پیتے ہیں حالانکہ حرام ہوتی ہے۔شراب کا نام قہوہ بھی ہے مگر مروجہ قہوہ یعنی بے دودھ کی چائے بالکل حلال ہے کہ اس میں نشہ نہیں۔لہذا حلال ہے غرضیکہ نام کا اعتبار نہیں کام کا اعتبار ہے (مرقات)[3] یہ حدیث احمد، ابن حبان، طبرانی، بیہقی نے بھی روایت فرمائی۔ان کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ان میں باجے رنڈیوں کے گانے بہت بڑھ جائیں گے۔ اللہ انہیں زمین میں دھنسادے گا اور ان کی صورتیں بندروں،سوروں میں تبدیل فرمادے گا یہ آخر زمانہ میں ہوگا (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ الْاَخْضَرِ قُلْتُ اَنَشْرَبُ فِی الْاَبْيَضِ قَالَ لَا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۱۰۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہری ٹھلیا کے نبیذ سے پینے سے منع فرمایا[1] میں نے عرض کیا کہ کیا ہم سفید میں پی لیا کریں فرمایا نہیں[2] (بخاری)

(۴۱۰۷) [1] مٹی کی ٹھلیا جس میں ہرا روغن کیا گیا ہو۔یہ شراب کا خاص برتن تھا یہ حدیث بھی منسوخ ہے اس کی ناسخ حدیث پہلے گزر گئی[2] یعنی اس میں بھی نبیذ نہ بناؤ اور اس کا بنایا ہوا نبیذ ہرگز مت پیو کہ یہ شراب کا برتن ہے،رنگ کا اعتبار نہیں برتن کا اعتبار ہے۔یہ حدیث بھی منسوخ ہے۔

بَابُ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِیْ وَغَيْرِهَا

برتن وغیرہ ڈھکنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

اس باب میں رات کو برتن ڈھکنے دروازے بند کرنے،چراغ اور آگ بجھانے سب کا ہی ذکر ہوگا۔جیسا کہ آئندہ پتا لگے گا۔برتن سے مراد بھرے ہوئے برتن ہیں،خواہ پانی سے یا دودھ یا سالن سے خالی برتن ڈھکنے کا حکم نہیں،جیسا کہ اس کی وجہ بیان فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ اَوْ اَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا

(۴۱۰۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رات کا شروع حصہ ہوجائے یا تم شام پاؤ تو

گھروں سے باہر نہ نکلنے دو۔شیطان سے مراد موذی جنات اور موذی انسان دونوں ہیں (اشعہ) شام کے وقت ہی بچوں کو اغوا کرنے والے زیادہ پھرتے ہیں۔

شیطان سے مراد موذی خبیث جن ہیں۔ورنہ ایک شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ ہی رہتا ہے جسے قرین کہتے ہیں۔لہٰذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں جن میں قرین کے ہر وقت ساتھ رہنے کا ذکر ہے۳ کیونکہ اب ان شیاطین کا زور گھٹ جاتا ہے وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں اب اگر بچے باہر نکلیں تو حرج نہیں۔معلوم ہوا جنات وشیاطین کا اثر بچوں پر زیادہ ہوتا ہے اس لیے بچوں کو نکلنے سے روکا گیا ۴ یعنی جب رات کو سونے لگو تو دروازے بند کر کے سوؤ اور بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔اس کی حکمت ابھی آگے بیان ہو رہی ہے۵ بند دروازے سے مراد وہ ہے جو بسم اللہ سے بند کیا گیا ہو بغیر ذکر اللہ بند کیے ہوئے کے اندر شیطان آسکتا ہے ان کی روک کے لیے دروازہ بند ہونا اور بسم اللہ پر بند ہونا ضروری ہے۔بسم اللہ باطنی قفل ۶ یعنی پانی کے بھرے مشکیزے کا منہ ڈوری سے باندھ دو۔یوں ہی کھلا نہ چھوڑ دے ۷ یہ مجبوری کی حالت میں ہے جبکہ کوئی چیز گھڑا وغیرہ ڈھکنے کے لیے نہ ملے۔اس لکڑی اور بسم اللہ کی برکت سے برتن شیطان کے اثر سے محفوظ رہے گا ۸ چراغ سے مراد بتی والا چراغ ہے جس کی بتی چوہا وغیرہ کھینچ سکے۔لالٹین یا بجلی اس حکم سے خارج ہے۔جیسا کہ آگے آرہا ہے۔بند گھر میں جلتی لالٹین چھوڑنا بھی خطرناک ہے۔اس سے گیس پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے ۹ یہاں چھین جھپٹ سے مراد ان کو دیوانہ کر دینا ان پر مسلط ہو جانا ہے۔ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن پر جن آ جاتے ہیں۔ان کو پریشان کرتے ہیں۔دیوانہ بنا دیتے ہیں۔جنات کا یہ تصرف قرآن کریم سے ثابت ہے۔ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲،۲۷۵) جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنا دیا ہو۔ (کنزالایمان) جیسے سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ایسے ہی شیطان بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں یہ اثرات بھی بالکل حق ہیں ۱۰ یہاں فریسقہ سے مراد موذی جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کر دے۔چوہا، چیل، کوا، بچھو، دیوانہ کتا سب فویسق یعنی ان کو حرم شریف میں بھی اور حالت احرام بھی قتل کر سکتے ہیں ۱۱ یہاں بھی برتنوں سے مراد وہ برتن ہیں جن میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں۔یوں ہی مشکیزے سے مراد وہ مشکیزے ہیں جن میں پانی یا نبیذ وغیرہ ہوں ۱۲ یہاں بھی چراغ سے مراد کھلا چراغ ہے جس کی بتی چوہا کھینچ سکے۔موجودہ بجلی کی روشنی اس حکم سے خارج ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ۱۳ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ان شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی کہ ان چیزوں کو کھول سکیں۔جیسے شیطان اس کھانے کو نہیں کھا سکتا جو بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے۔لہٰذا حدیث شریف بالکل ظاہر معنی پر ہے اس میں کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہیں ۱۴ یعنی اگر برتن ڈھکنے کے لیے کوئی ڈھکنا نہ ملے تو اس پر اللہ کا نام لے کر لکڑی کھڑی کر دو وہ برتن اس لکڑی اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ان بلاؤں سے محفوظ رہے گا ۱۵ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بطور مشورہ ہے۔لہٰذا مستحب ہے واجب نہیں۔اس میں بہت ہی منافع اور فوائد ہیں ۱۶ فواشی جمع ہے فاشیہ کی۔عربی میں چھوٹے ہوئے جانور کو فاشیہ کہتے ہیں۔خواہ جنگل میں چھوٹا ہوا ہو یا بستی میں کھلا پھرتا ہو۔پھر مطلقاً جانوروں کو فواشی کہا جانے لگا۔وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی مغرب وعشاء کے درمیان اپنے جانور اور بچے کھلے نہ پھرنے دو ۱۷ یعنی رات کے شروع حصہ کی سیاہی ختم ہو جائے اور اس کی اصلی سیاہی آ جائے، مغرب، عشاء کے درمیان آسمان پر سیاہی ہوتی ہے مگر مغربی کنارہ پر سرخی یا سفیدی ہوتی ہے۔یہاں فحمہ سے یہ ہی سیاہی مراد ہے اور جب عشاء کا وقت آتا ہے تو یہ خالص سیاہی ہر طرف چھا جاتی ہے کسی جگہ سرخی یا سفیدی کا نام نہیں ہوتا۔لہٰذا حدیث واضح ہے ۱۸ اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً ہر رات شیاطین کا پھیلاؤ اول شب میں ہوتا ہے اور سال میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس میں خصوصی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ان احادیث میں یہ عموی

بلاؤں کا ذکر تھا جو روزانہ شروع رات میں آتی ہیں اور اس حدیث میں خاص ان بلاؤں کا ذکر ہے جو سال میں ایک رات آتی ہیں ۱۹؎ من بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضہ لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بلا ان برتنوں میں داخل ہوجاتی ہے جن پر ڈھکنا نہ ہو۔نووی نے فرمایا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر آفت سے بچاؤ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسلمان ہر وقت، ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے دنیا زہر ہے، ذکر اللہ اس کا تریاق (مرقات) تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی۔اللہ کے ذکر سے تر زبان انشاء اللہ دوزخ اور آفات کی آگ سے نہ جلے گی۔مومن سوتے جاگتے، جیتے مرتے اللہ کا ذکر کرے ۲۰؎ ابوحمید کا نام عبدالرحمٰن ابن سعد ہے۔کنیت ابوحمید خزرجی ساعدی ہیں نقیع وادی عقیق میں ایک جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے طویلہ بنوایا تھا۔وہاں حضور کے خدام بھی رہتے تھے ان اونٹوں کی نگرانی کے لیے بعض نسخوں میں بجائے نقیع کے بقیع ہے یعنی ب سے جو مدینہ منورہ کا قبرستان ہے مگر یہ صحیح نہیں وادی عقیق مدینہ منورہ کے مکہ معظمہ کے قدیمی راہ پر تین میل فاصلہ پر ایک وادی ہے اب راستہ بدل چکا ہے ۲۱؎ وہ حضرت کھلے برتن میں دودھ لائے تھے۔اس پر حضور انور نے یہ فرمایا یعنی دودھ ڈھک کر لانا چاہیے تھا اگر ڈھکنا نہ تھا تو اس کے اوپر لکڑی ہی کھڑی کر لیتے۔ہمارے ہاں عوام میں مشہور ہے کہ دودھ اور دہی کو نظر بد بہت جلد لگتی ہے۔اس پر لکڑی کھڑی کر لینی چاہیے۔اس کی اصل یہ حدیث ہوسکتی ہے خیال رہے کہ دوکانوں پر دودھ دہی کھلا رکھا رہتا ہے۔وہ اس حکم میں داخل نہیں کہیں لے کر جاؤ تو ڈھک لو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَتْرُكُوا النَّارَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۰۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب سونے لگو تو اپنے گھروں میں آگ نہ چھوڑو؎ (مسلم، بخاری)

(۴۱۰۹) ؎ جلتا ہوا چراغ گل کردو۔چولھے میں آگ ہو تو بجھادو۔کبھی آگ جلتی چھوڑ کر نہ سوؤ نہ کہیں جاؤ۔اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔آگ خطرناک چیز ہے۔ذرا سی بے احتیاطی میں گھر اور سامان جلا ڈالتی ہے۔بے خبر سوتے ہوئے جل جاتے ہیں۔خدا کی پناہ یہاں آگ سے مراد وہ ہی آگ ہے جس سے آگ لگ جانے کا اندیشہ ہو بجلی کی آگ میں یہ اندیشہ نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَهْلِهٖ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِثَ بِشَانِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ النَّارَ اِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَّكُمْ فَاِذَا نِمْتُمْ فَاَطْفِئُوْهَا عَنْكُمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۱۰) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک گھر مع گھر والوں کے رات میں جل گیا؎ اس واقعہ کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو فرمایا کہ یہ آگ تمہاری دشمن ہے۲؎ تم جب سونے لگو تو اسے اپنے سے بجھادیا کرو۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۱۱۰) ؎ اسی طرح کہ گھر مع گھر والوں کے جل گیا یا گھر جل کر ان لوگوں پر گر گیا۔غرضیکہ گھر والے بھی ہلاک ہوگئے۔خواہ جل کر یا دب کر۲؎ کیونکہ آگ ہمارے بدن ہمارے مال کی ہلاکت کا ذریعہ ہے اگر احتیاط سے برتی جائے تو مفید ہے ورنہ ہلاکت۔اسے دشمن فرمانا اس معنی سے ہے یعنی بے احتیاطی سے برتی جائے تو دشمن ہے۔لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ تو بڑی مفید چیز ہے۔حد میں رہ کر ہر چیز مفید ہے حد سے بڑھ کر مضر۔ہم بھی حد میں رہیں تو اچھے ورنہ حد سے بڑھ جائیں تو خود اپنے دشمن ہیں۔اللہ تعالٰی حد میں رکھے۳؎ یہ حکم بطور مشورہ ہے۔لہٰذا استحبابی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْکِلَابِ وَنَہِیْقَ الْحَمِیْرِ مِنَ اللَّیْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّھُنَّ یَرَیْنَ مَالَا تَرَوْنَ وَاَقِلُّوا الْخُرُوْجَ اِذَا ھَدَأَتِ الْاَرْجُلُ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبُثُّ مِنْ خَلْقِہٖ فِیْ لَیْلَتِہٖ مَایَشَآءُ وَاَجِیْفُوا الْاَبْوَابَ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَفْتَحُ بَابًا اِذَا اُجِیْفَ وَذُکِرَ اسْمُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَغَطُّوا الْجِرَارَ وَاَکْفِئُوا الْاٰنِیَةَ وَاَوْکُوا الْقِرَبَ ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۱۱۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم رات میں کتوں کا یا گدھوں کا رینکنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو[۱] کیونکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے[۲] اور جب قدم ٹھہر جائیں تو نکلنا کم کرو[۳] کیونکہ اللہ تعالٰی اپنی رات میں اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پھیلاتا ہے[۴] اور دروازے بند کرو اور اس پر اللہ کا نام لو کیونکہ شیطان دروازہ نہیں کھولتا جب کہ اسے بند کیا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے[۵] اور گھڑے ڈھک دو، برتن اوندھے کردو، مشکیزے باندھ دو[۶] (شرح سنہ)

(۴۱۱۱)[۱] یہاں رات کی قید ہے۔ دوسری روایات میں یہ قید نہیں۔ چنانچہ حصن حصین شریف میں ہے کہ جب تم گدھے کا رینکنا سنو تو اعوذ باللہ پڑھو ابوداؤد ونسائی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب تم کتوں کا رونا سنو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ یہاں رات کی قید یا تو اتفاقی ہے، یا اس لیے ہے کہ رات میں یہ آوازیں بہت مکروہ معلوم ہوتی ہیں[۲] یعنی شیاطین کو دیکھ کر یہ دونوں جانور آوازیں نکالتے چیختے ہیں کتوں کا رونا بلاؤں آفتوں کو دیکھ کر ہوتا ہے اور جب مرغ کی آواز سنو تو دعا مانگو کہ وہ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کے پاس دعا مانگنا ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور بدکاروں کو دیکھ کر اعوذ پڑھنا افضل صالحین، فاسقین کا دیکھنا آیات الٰہیہ سے ہے (مرقات)[۳] یعنی رات گئے جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوجائے تم بھی بلاضرورت گھر سے نہ نکلو کہ اس وقت جنات موذی جانور نکلتے ہیں[۴] یعنی دن بھر زمین میں تم پھیلے ہوتے ہو رات گئے کوئی اور مخلوق یہاں پھیلتی ہے جو دن میں چھپی رہتی ہے۔ دن میں تم چلو پھرو وہ مخلوق چھپی رہے۔ رات میں تم آرام کرو تاکہ وہ مخلوق چلے پھرے۔ اس کو بھی رب تعالٰی کی زمین پر چلنے پھرنے کا حق ہے اگر تم بھی اس وقت عام طور پر چلو پھرو تو اس مخلوق سے خلط ملط ہونے کی وجہ سے تم کو تکلیف نہ پہنچے گی[۵] اور جیسے بسم اللہ کی برکت سے شیطان کھانا نہیں کھاسکتا ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شریک نہیں ہوسکتا۔ یوں ہی بسم اللہ کی برکت سے بند دروازہ نہیں کھول سکتا[۶] گھڑے اور مشکیزے کا ذکر حصر کے لیے نہیں مثال کے طور پر ہے کہ تمام کھانے پینے کے برتن ڈھک دیئے جائیں اور خالی برتن اوندھے کردیئے جائیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَتْ فَارَةٌ تَجُرُّ لُفَتِیْلَةَ فَاَلْقَتْھَا بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْخُمْرَةِ الَّتِیْ کَانَ قَاعِدًا عَلَیْھَا فَاَحْتَرَقَتْ مِنْھَا مِثْلَ مَوْضِعِ الدِّرْھَمِ فَقَالَ اِذَانِمْتُمْ فَاَطْفِئُوْا سُرُجَکُمْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدُلُّ مِثْلَ ھٰذِہٖ

(۴۱۱۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ فرماتے ہیں ایک چوہیا بتی کھینچتی ہوئی آئی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا، اس چٹائی پر جس پر حضور بیٹھے تھے[۱] اس نے درہم برابر حصہ جلادیا[۲] تب حضور نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھا دو کیونکہ شیطان ان جیسی چیزوں کی اس کام پر رہبری کرتا ہے۔ پھر

فَیُحْرِقَکُمْ . (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ) تمہیں جلا دیتا ہے۳؎ (ابوداؤد)

(۴۱۱۲) ۱؎ خمرہ بنا ہے خمر سے، بمعنی ڈھکنا اور چھپانا اس سے ہے خمار بمعنی دوپٹہ۔ خمر بمعنی شراب کہ دوپٹہ سر کو اور شراب عقل کو چھپا لیتی ہے۔ یہاں خمرہ سے مراد چھوٹا مصلی چٹائی کا جس پر ایک آدمی نماز پڑھ سکے چونکہ وہ مصلیٰ زمین کو چھپا لیتا ہے۔ اس لیے اسے خمرہ کہتے ہیں حضور انور رات کے وقت اس مصلیٰ پر جلوہ گر تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ۲؎ مصلیٰ میں آگ لگتے ہی بجھا دی گئی ہوگی۔ صرف اتنی ہی جگہ جل پائی ہوگی۔ ورنہ سارا مصلیٰ جل جاتا ۳؎ یعنی ابھی تو ہم جاگ رہے تھے۔ آگ بجھا لی اگر سوتے ہوتے تو مصلیٰ بلکہ سارا گھر جل جاتا۔ اس لیے سوتے وقت چراغ بجھا دیا کرو۔

كِتَابُ اللِّبَاسِ
لباس کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

لباس بمعنی پہننا مصدر ہے باب سمع یسمع سے۔اس سے مراد ہے پہنی ہوئی چیز یعنی مصدر بمعنی اسم مفعول۔اس میں کپڑے، جوتے، زیور وغیرہ سب کا بیان آئے گا کہ وہ سب چیزیں پہنی جاتی ہیں۔لباس بمعنی التباس بھی آتا ہے۔مشتبہ ہو جانا متشابہ لگ جانا وہ بھی مصدر ہے مگر ضرب یضرب سے پہلے لباس کا مادہ لُبس لام کے پیش سے ہے، دوسرے لباس کا مادہ لَبس لام کے فتحہ سے یہ فرق ضرور خیال رہے یہاں پہلا لباس ہے بمعنی پہننا(اشعہ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۱۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ محبوب ترین لباس جن کا پہننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا حبرہ تھے[1] (مسلم، بخاری)

(۴۱۱۳) [1] یمن کے تیار کردہ کپڑوں میں سے ایک قسم کے سوتی کپڑے کا نام حبرہ ہے ح کے کسرہ سے۔یہ بہترین قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔سادہ سفید بھی ہوتا ہے اور سبز و سرخ دھاری والا بھی، حبرہ کے معنی ہیں سجاوٹ آراستگی۔یہ کپڑا بڑا اچھا ہوتا ہے جس سے دلہنوں کو آراستہ کیا جاتا تھا اس لیے اسے حبرہ کہتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے: فَهُمْ فِىْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ (۳۰،۱۵) باغ کی کیاری میں ان کی خاطرداری ہوگی (کنزالایمان) یہ کپڑا میل خوردہ ہوتا ہے۔میل کو چھپالیتا ہے جلد جلد دھونا نہیں پڑتا اس لیے محبوب تھا۔(مرقات واشعہ)

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ .

(۴۱۱۴) روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ پہنا[1] (مسلم، بخاری)

(۴۱۱۴) [1] بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے شامی جبہ پہنا چونکہ اس زمانہ میں شام روم کا ماتحت تھا اس لیے ملک شام کو بھی روم کہہ دیا جاتا تھا یہ مطلب ہے کہ بنا ہوا روم کا تھا سلا ہوا شام کا، بہرحال احادیث میں تعارض نہیں، یہ کپڑا اونی ہوتا تھا موٹا بنا ہوا بہت سادہ حضرات صوفیاء کرام بھی اکثر صوف یعنی اونی کپڑے پہنتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہے یعنی صوف پہننے والے۔حضرت آدم و حوا نے زمین پر آکر پہلے اونی کپڑا پہنا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر صوف پہنتے اور درختوں کے پھل وغیرہ کھاتے تھے جہاں شام آجاتی سو رہتے تھے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات کی۔سب کا لباس صوف یعنی اون کا تھا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ سفر میں تنگ آستین کی قمیص افضل ہے اور گھر کھلی آستین کی قمیص بہتر ہے۔صحابہ کرام کی آستین ایک بالشت چوڑی ہوتی تھیں (مرقات)

وَعَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَّاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ هٰذَيْنِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۱۵) روایت ہے حضرت ابو بردہ سے فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے جناب عائشہ نے ایک پیوند والا کمبل اور موٹا تہبند نکالا[1] پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان دونوں میں قبض کی گئی[2] (مسلم، بخاری)

(۴۱۱۵)؎ بعض حضرات ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضور کے تبرکات کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے اور آپ انہیں زیارت کراتی تھیں ملبد کے معنی ہیں لبادہ کیا ہوا یعنی پیوند پر پیوند لگتے لگتے نمدہ کے لباس کی طرح موٹا ہو چکا تھا؎ یہ اس دعا کا اثر ہے کہ اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا کہ میری زندگی وموت مسکین ہو کر ہو۔شعر:۔

بوریا ممنوں خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

ہم جیسے غلام ان کے نام پر عیش کر رہے ہیں اور وہ خود اس حالت میں دنیا سے پردہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ وعمدہ لباس بھی پہنے ہیں مگر ان کی عادت نہ ڈالی۔ہر قسم کا لباس بے تکلف پہن لیتے تھے۔آخر وقت یہ لباس جسم اطہر پر تھا۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ سھری اثر نعمة ربك عليك

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَنَامُ عَلَيْهِ اَدَمًا حَشْوُهٗ لِيْفٌ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۱۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑہ کا تھا جس کا بھراؤ کھجور کا لیف تھا؎ (مسلم، بخاری)

(۴۱۱۶)؎ بعض لوگوں نے لیف کے معنی کیے ہیں کھجور کی چھال۔یہ غلط ہے چھال بہت سخت ہوتی ہے۔لیف کھجور کے درخت کا گودا جو نرم ہوتا ہے۔عرب شریف میں کم چوڑے بہت لمبے گدیلے تکیہ نما ہوتے ہیں۔ان پر سویا جاتا ہے۔یہاں وہی مراد ہے۔یعنی حضور کے سونے کا بستر ایسے گدیلے تھے۔سردی میں یہ بستر تھا اور گرمیوں میں ٹاٹ۔لہذا یہ حدیث ٹاٹ والی کے خلاف نہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ وِسَادُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَتَّكِئُ عَلَيْهِ مِنَ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۱۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے چمڑہ کا تھا جسکا بھراؤ لیف تھا؎ (مسلم)

(۴۱۱۷)؎ یہاں تکیہ سے مراد چھوٹے اور ٹیک لگانے کے قابل تکیے ہیں حضور کے تکیے جن سے آپ ٹیک لگاتے تھے وہ بھی چمڑہ کے تھے جن کے بھراؤ میں کھجور کا گودا تھا۔غرضیکہ ہر چیز میں سادگی تھی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِیْ بَيْتِنَا فِیْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِیْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلاً مُتَقَنِّعًا . (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۱۱۸) روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں اس حال میں کہ ہم بیٹھے تھے اپنے گھر میں دوپہر کی گرمی میں کہ کسی کہنے والے نے جناب ابوبکر سے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں سر شریف ڈھانپے ہوئے؎ (بخاری)

(۴۱۱۸)؎ یہ واقعہ ہجرت کے دن کا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو خبر دے دی تھی کہ مجھے عنقریب ہجرت کا حکم ملنے والا ہے تم مکہ معظمہ میں رہو،تم ہجرت میں ہمارے ساتھ ہو گے۔حضرت صدیق اکبر منتظر رہے آج ہجرت کا حکم ملنے پر دوپہر کے وقت حضور حضرت صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے اس طرح کہ چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے اور چادر کا ایک حصہ گھونگھٹ کی طرح چہرہ انور پر تھا جس پر چہرہ صاف نظر نہ آتا تھا یا تو گرمی کی وجہ سے یہ عمل تھا یا تاکہ کوئی حضور کو دیکھ نہ سکے۔یہ ساری چیزیں صیغہ راز میں رکھنی تھیں بعض صوفیاء خصوصاً حضرات نقشبندیہ چادر کا گھونگھٹ مارتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔بعض لوگوں نے اس کو ناجائز کہا ہے۔بعض نے بلا

ضرورت ناجائز کہا مگر حق یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا طی اللسان عن ذم الصلسان جس میں بہت احادیث اس عمل کی جمع فرمائیں۔دوسرے موقعوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے حضرت صحابہ کرام تابعین عظام سے بھی ثابت ہے۔حضور غوث الثقلین قطب الکونین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَّفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهٖ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۱۹) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک بستر مرد کا ہوا ایک بستر اس کی بیوی کا اور تیسرا مہمان کا۱؎ اور چوتھا شیطان کا ہوگا۲؎ (مسلم)

(۴۱۱۹)۱؎ اہل عرب فخریہ طور پر بہت سے بستر بناتے اوران سے گھر سجاتے تھے جیسے پنجاب کے اہل دیہات بہت زیادہ برتنوں سے گھر سجاتے اس پر فخر کرتے ہیں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ صرف تین قسم کے بستر رکھو،اپنے لیے۔بیوی بچوں کے لیے اور بقدر ضرورت مہمانوں کے لیے یہاں بستر کی قسمیں مراد ہیں نہ کہ تعداد۔لہذا جس کے دو چار بچے ہوں،دو چار مہمان روزانہ آتے جاتے ہوں تو وہ انہیں کے مطابق بستر رکھے۲؎ چوتھے سے مراد چوتھی قسم کا بستر یعنی بلا ضرورت محض فخر اور اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے رکھا جائے خواہ ایک ہو یا زیادہ چونکہ اس قسم کا بستر تکبر و شیخی کے لیے ہوتا ہے۔اس کا محرک شیطان ہوتا ہے۔اس لیے اسے شیطان کی طرف نسبت دی گئی۔بعض شارحین نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مرد کو اپنی بیوی سے علیحدہ سونا چاہیے۔ساتھ سونا ممنوع ہے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کا بستر بیوی سے علیحدہ فرمایا مگر یہ ضعیف ہے بعض حالات بیماری وغیرہ میں علیحدہ سونا پڑتا ہے۔اس لیے علیحدہ بستر کی اجازت دی گئی۔خاوند بیوی کا ایک بستر پر سونا حدیث سے ثابت ہے۔اس کے متعلق بہت احادیث ہیں (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر نہ کرے گا۔جو اپنا تہبند گھسیٹے۱؎ (مسلم،بخاری)

(۴۱۲۰)۱؎ عرب کے رئیس لوگ شیخی میں تہبند نیچا رکھتے تھے،جیسے ہمارے ہاں گاؤں کے چودھری بہت نیچے باندھتے ہیں جو زمین پر گھسیٹتے ہی نجس ہو جاتے ہیں۔ان کے متعلق یہ وعید ہے اسی لیے بطرًا کی قید لگائی گئی اگر بغیر فخر کے تہبند نیچا ہو تو یہ وعید نہیں۔ہاں سنت یہ ہی ہے کہ مرد کا تہبند یا پاجامہ ٹخنا سے اوپر رہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۱) رروایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا کپڑا۱؎ فخر سے گھسیٹے قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر کرم نہ کرے گا۲؎ (مسلم،بخاری)

(۴۱۲۱)۱؎ کپڑے میں تہبند،پاجامہ،قمیص،چادر سب ہی داخل ہیں۔ان میں سے جو بہت زیادہ نیچا ہو کر زمین پر گھسٹے اور ہو فخریہ فیشن کے طور پر اس پر یہ وعید ہے۔۲؎ ان جیسے فرمانوں میں نہ دیکھنے سے مراد ہوتا ہے مہربانی و کرم کی نظر سے نہ دیکھنا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۱۲۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی

بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں ایک شخص تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا[۱] کہ اسے دھنسا دیا گیا تو وہ قیامت کے دن تک دھنسا رہے گا[۲] (بخاری)

(۴۱۲۲)[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہ مرد گزشتہ امتوں میں کوئی تھا۔اس لیے امام بخاری نے یہ حدیث ذکر بنی اسرائیل کے باب میں نقل فرمائی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ شخص قریب قیامت حضور کی امت سے ہوگا۔یعنی فیشن ایبل مسلمان مگر قول اول قوی ہے (اشعہ) [۲] یتجلجل بنا ہے جلجلۃ سے جس کے معنی ہیں حرکت کرنے کی آواز یعنی وہ برابر نیچے کو جا رہا ہے۔اس کے جانے کی آواز اللہ والے سن رہے ہیں یہ شخص قارون کے علاوہ کوئی اور شخص ہے قارون کے دھنسنے کی وجہ اس کا بخل اور اس کی بے ادبی نبی تھی (مرقات)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۱۲۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچا ہوگا وہ آگ میں جائے گا[۱] (بخاری)

(۴۱۲۳)[۱] اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے تہبند جہنمیوں کا لباس ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ حصہ تہبند کا دوزخ میں جائے گا اس شخص کو ساتھ لے کر یہ مطلب نہیں کہ تہبند تو دوزخ میں جائے اور یہ متکبر سیدھا جنت میں یہاں بھی تکبر، شیخی، فیشن کے لیے تہبند نیچا رکھنا مراد ہے۔گزشتہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں اور یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کو ٹخنہ کے نیچے تہبند رکھنا چاہیے تاکہ ان کی پنڈلی کا کوئی حصہ حتی کہ ٹخنہ بھی نہ کھلے یہ ستر عورت ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ أَوْيَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَّأَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ أَوْيَحْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۲۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے[۱] یا ایک جوتا میں چلے[۲] اور اس سے کہ کپڑے میں لپٹ جائے[۳] یا ایک کپڑے میں اکڑوں بیٹھے اپنی شرم گاہ کھولے ہوئے[۴]

(۴۱۲۴)[۱] بلا مجبوری بائیں ہاتھ سے کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے بعض علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے کہ اس سے سخت ممانعت ہے[۲] ایک پاؤں میں جوتا ہو ایک پاؤں ننگا اس طرح چلنا مکروہ تنزیہی ہے۔عذر سے ہو تو ممنوع نہیں۔ایسے چلنا پھرنا وقار کے بھی خلاف ہے اور اس طرح چلنے میں کچھ دشواری بھی ہوتی ہے کہ جوتا والا پاؤں اونچا ہوتا ہے ننگا پاؤں نیچا، بہرحال اس ممانعت میں بڑی حکمتیں ہیں[۳] اشتمال صماء یہ ہے کہ ایک چادر جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ جسم سارا بندھ جائے ایک ہاتھ بھی کھلا ہوا نہ رہے کہ یہ مغلول کی طرح ہو جاتا ہے یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے[۴] احتباء کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر تہبند صرف چادر اوڑھے ہو اور اکڑوں بیٹھے تکیہ لگا کر اس طرح کہ شرم گاہ کھل جائے کہ اس میں بے پردگی ہے۔اس لیے کاشفا عن فرجہ کی قید لگائی گئی اگر ستر نہ کھلے تو حرج نہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۵) روایت ہے حضرت عمر، انس، ابن زبیر، ابوامامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۱۲۵)[۱] یعنی جو مسلمان ناجائز ریشم پہنے وہ اولًا ہی جنت میں نہ جاسکے گا کیونکہ ریشم کا لباس ہر جنتی کو ملے گا وہاں پہنچ کر۔رب تعالیٰ

فرماتا ہے وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ" (۲۲،۲۳) اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے۔ (کنزالایمان) بعض صورتوں میں اور بعض ریشم مرد کو حلال ہیں ان کے پہننے پر سزا نہیں خیال رہے کہ کیڑے کا ریشم مرد کو حرام ہے۔ دریائی ریشم یا سن سے بنا ہوا نقلی ریشم حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا میں ریشم وہ ہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۱۲۶)[۱] اس کی شرح بھی وہ ہی ہے جو ابھی گزری کہ مسلمان مرد کو کیڑے کا ریشم بلا عذر شرعی ممنوع ہے اگر بانا سوت کا ہوتا نا ریشم کا تو حلال ہے۔ یوں ہی چار انگل سے کم کی پٹی ریشم کی ہو باقی کپڑا سوت وغیرہ کا تو بھی حلال ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَاَنْ نَّاكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَاَنْ نَّجْلِسَ عَلَيْهِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۷) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اور ان میں کھائیں[۱] اور موٹے باریک ریشم کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۱۲۷)[۱] سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا مرد و عورت سب کو حرام ہے۔ عورتوں کو سونے چاندی کا زیور پہننا حلال ہے۔ مرد کو حرام ہے[۲] مردوں کو ریشم پہننا بھی حرام ہے اور ریشمی بستر پر سونا ریشمی لحاف اوڑھنا بھی حرام ہے۔ عورتوں کو یہ سب درست ہے حتیٰ کہ ریشم کی ڈوری گھڑی میں باندھنا، ریشم کا کمر بند استعمال کرنا یہ سب مردوں کو ممنوع عورتوں کو حلال ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ سِيَرَآءُ فَبَعَثَ بِهَا اِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اَبْعَثْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا اِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَآءِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۲۸) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی جوڑا ہدیۃً پیش کیا گیا[۱] آپ نے وہ مجھے بھیج دیا[۲] میں نے اسے پہن لیا پھر میں نے آپ کے چہرہ انور میں ناراضی معلوم کی[۳] پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تم خود پہن لو تو میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ تم عورتوں کو اس کے دوپٹے پھاڑ دو[۴] (مسلم، بخاری)

(۴۱۲۸)[۱] بعض شارحین نے فرمایا سیراء وہ کپڑا ہے جو ریشم و سوت سے مخلوط کرکے بنا جائے مگر حق یہ ہے کہ سیرا خالص ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں (مرقات واشعہ) حلہ چادر و تہبند کے مجموعہ کو کہتے ہیں یعنی جوڑا، یہ پتا نہ لگا کہ ہدیہ کرنے والا کون تھا۔ غالبًا کوئی کافر بادشاہ ہوگا حضور انور نے یہ ہدیہ قبول فرمایا حضور نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول بھی کیے انہیں بدلے عطا بھی کیے[۲] یعنی وہ ریشمی جوڑا حضور انور نے مجھے ہدیہ فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ جو چیز مرد کے لیے حرام عورتوں کے لیے حلال ہے، وہ مرد کو ہدیہ کی جاسکتی ہے۔ اسے مرد سے خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے۔ جس کا استعمال کسی مسلمان کے لیے کسی طرح حلال نہ ہو اس کا ہدیہ لینا دینا اس کی تجارت مسلمان کے لیے حرام ہے، جیسے شراب اور سور لہٰذا مسلمان افیون، بھنگ کی خرید و فروخت کرسکتا ہے۔ شراب کی نہیں کرسکتا کہ افیون و بھنگ کا دواؤں، لیپ میں استعمال حلال ہے۔ شراب کا استعمال مطلقاً حرام[۳] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اگر میرے لیے یہ حرام ہوتا تو آپ مجھے کیوں عطا فرماتے اس لیے پہن لیا اگر غور

فرماتے تو معلوم کرلیتے کہ یہ مجھ پہننے کے لیے عطا نہیں ہوا بلکہ عورتوں کو پہنانے کے لیے عطا ہوا ہے۔اس غور نہ کرنے پر حضور انور نے ناراضگی فرمائی ۴؎ بعض روایات میں بجائے نساء کے فواطم آیا ہے،تب ان سے مراد حضرت فاطمہ بتول زہرا یعنی زوجہ علی مرتضٰی اور فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم یعنی حضرت علی جعفر و عقیل طالب کی والدہ ماجدہ اور ابوطالب کی زوجہ مطہرہ جنہیں حضور نے فرمایا،امی بعد امی میری ماں کے بعد ماں اور فاطمہ بنت حمزہ یعنی ام اسماء۔خیال رہے کہ فاطمہ بنت اسد نے ہی حضور انور کی پرورش کی۔انہی کی قبر انور میں حضور کچھ دیر لیٹے۔اسلام میں ہاشم ہی سب سے پہلے انہی کے ہاں فرزند پیدا ہوئے۔حضور انور نے حضرت علی کے گھر پرورش پائی۔پھر حضرت علی نے حضور کے ہاں پرورش پائی رضی اللہ عنہ،(از مرقات واشعہ)یعنی تم نے ان چند فاطماؤں میں یہ کپڑا تقسیم کردیا ہوتا،وہ دوپٹے بنا لیتیں۔

وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ اِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِصْبَعَیْهِ الْوُسْطٰی وَالسَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَنَّهٗ خَطَبَ بِالْجَابِیَةِ فَقَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِیْرِ اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَیْنِ اَوْثَلٰثٍ اَوْاَرْبَعٍ .

(۴۱۲۹) روایت ہے حضرت عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سواء اس قدر کے اور رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں بیچ والی اور کلمہ والی اٹھائیں انہیں ملایا ۱؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے جابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگل کے ۲؎

(۴۱۲۹) ۱؎ یعنی اگر دو انگل کی ریشمی یا دو انگل کا ریشمی بیل بوٹا کسی کپڑے میں ہو تو مرد کے لیے جائز ہے دو انگل چوڑا ریشمی کمر بند حرام ہے کہ وہ تو پورا کپڑا ہے ۲؎ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام اعظم و صاحبین کے نزدیک اگر کسی کپڑے میں چار انگل تک ریشمی پھول ریشمی بیل بوٹے ہوں تو مرد کو حلال ہے چار انگل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتبر ہیں جو ہمارے ایک بالشت کے قریب ہیں،یہ چار انگل ایک جگہ کے معتبر ہیں اگر قبا یا اچکن میں جگہ جگہ ریشمی بیل بوٹے ہوں کہ ہر ایک ایک بالشت سے کم ہو مگر جب ملاؤ تو بالشت سے زیادہ ہو جائیں وہ حلال ہے کہ ایک جگہ کا اعتبار ہے(اشعہ)

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طِیَالِسَةً كِسْرَوَانِیَّةٍ لَّهَا لِبْنَةُ دِیْبَاجٍ وَّفَرْجَیْهَا مَكْفُوْفَیْنِ بِالدِّیْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَآئِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰی نَسْتَشْفِیْ بِهَا . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۳۰) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق سے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ نکالا ۱؎ جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے ۲؎ اور بولیں یہ جبہ ہے رسول اللہ علیہ وسلم کا ۳؎ یہ جناب عائشہ کے پاس تھا جب وہ وفات پاگئیں تو اسے میں نے لے لیا ۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے اب ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں ۵؎ اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں ۶؎ (مسلم)

(۴۱۳۰) ۱؎ طیالسہ جمع ہے طیلسان کی بمعنی چادر،یہ الفاظ فارسی میں تالسان تھا عربی میں طیلسان کیا گیا بعض نے کہا کہ جمع طیس کی ہے کسروانی منوی ہے کسریٰ کی طرف جو خسرو کا معرب ہے۔خسرو فارسی میں بادشاہ کو کہتے ہیں۔یہ کپڑا خالص اونی ہوتا ہے ۲؎ یعنی اس جبہ شریف کے گریبان میں ریشم کی پٹی تھی اور اس کے اگلے پچھلے دونوں دامنوں میں ریشمی کپڑے کے ٹکڑے لگے تھے۔چونکہ یہ ریشم چار انگل سے زائد نہ

تھا۔لہذا حلال تھا۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ کنارہ وحاشیہ کو کفہ کہتے ہیں۔لمبائی میں ہو تو کفہ کاف کے ضمہ سے اور اگر گولائی میں ہو تو کفہ کاف کے کسرہ سے ترازو کے پلڑے کو کفہ مکسر کاف کہا جاتا ہے۳ جسے حضور حیات شریف میں پہنا کرتے تھے۔لوگ اس کی زیارت کرنے آتے تھے،آپ یہ فرما کر زیارت کراتی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضور کے لباس کی زیارت کرانا سنت صحابہ ہے۔جیسے آج بال شریف کی زیارت کرائی جاتی ہے۔اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۴ حضور انور نے یہ جبہ جناب عائشہ صدیقہ کو اپنی زندگی شریف میں ہبہ فرمادیا تھا۔حضرت اسماء نے یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ کی میراث میں لیا کیونکہ آپ ہی ان کی وارث تھیں۔کیونکہ عائشہ صدیقہ کی حیات شریف میں ابوبکر صدیق کی ساری اولاد وفات پاچکی تھی سوا حضرت اسماء کے،اس لیے آپ نے ہی بہن ہونے کی وجہ سے بطور میراث یہ جبہ لیا (اشعہ ومرقات)۵ یعنی یہ جبہ دھوکر تبرک کے لیے پیتے پلاتے ہیں۶ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص کے غسالہ دھوون سے بیماروں کی شفا حاصل کرتے تھے کہ اسے وہ پانی پلاتے تھے اس سے چھینٹا دیتے تھے۔دوسرے یہ کہ ہم اسے دھوتے تھے برکت کے طور پر پینے کے لیے اور اس قمیص کو باندھ کر،دکھا کر سینہ پر رکھ کر بیماروں کی شفا حاصل کرتے تھے۔یعنی شفا حاصل کرنا کئی طریق سے تھا (مرقات) جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میری قمیص والد کے چہرے پر لگادو،وہ انکھیارے ہوجائیں گے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا ان کا لباس دھوکر بیماروں کو پلانا سنت صحابہ ہے۔ان میں شفا ہے۔آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا،تمام بیماریوں کی شفاء ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا گیا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (۳۸،۴۲) ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو (کنزالایمان) اس کا پینا،نہانا شفاء ہے مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس جبہ شریف کو سر پر رکھنا،آنکھوں سے لگانا ہونٹوں سے چومنا اس پر ہاتھ پھیرنا شفاء ہے۔(مرقات) یہ معلوم ہوا کہ جبہ پہننا بھی سنت ہے اور گریبان یا چولی اگر ریشم کی ہو تو چار انگلی تک جائز ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ .

(۴۱۳۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب زبیر اور عبدالرحمن ابن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی ان کی خارش کی وجہ سے۱ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے جوں کی شکایت کی تو ان کو ریشمی قمیص کی اجازت دی۲

(۴۱۳۱)۱ ریشم کا کپڑا خارش اور جوں کے لیے مفید ہے۔اس مجبوری میں مرد کے لیے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۲ (ریشمی کپڑے میں جوں نہیں پڑتی)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ اَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ اَحْرِقْهُمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَآئِشَةَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ فِيْ

(۴۱۳۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کسوی رنگے کپڑے دیکھے۱ تو فرمایا کہ یہ کفار کے لباس میں سے ہیں۔تم انہیں نہ پہنو۲ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں انہیں دھو دوں فرمایا بلکہ انہیں جلا دو۳ (مسلم) ہم حضرت عائشہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کو تشریف لائے باب مناقب اہل بیت

بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے۔

(۴۱۳۲)۱؎ ایک پھل ہوتا ہے جو سرخ رنگ دیتا ہے اور خالص سرخ رنگ مرد کے لیے ممنوع ہے عورتوں کے لیے جائز ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر بنا ہوا کپڑا سرخ رنگ لیا جائے تو ممنوع ہے اور اگر سرخ سوت سے بنا جائے تو جائز ہے۔بعض کے نزدیک مطلقًا ممنوع ہے۔یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ تفصیل کرتے ہیں اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۲؎ یعنی کفار حرام وحلال لباس میں یوں ہی مردانہ،زنانہ لباس میں فرق نہیں کرتے،جیسا کپڑا چاہتے ہیں پہن لیتے ہیں۔چنانچہ سرخ کپڑا عورتوں کا لباس ہے مگر ان کے مرد بھی پہنتے پھرتے ہیں تم ایسا نہ کرو۔تم مردانہ،زنانہ جوڑے میں فرق کرو(از مرقات)معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار کے لباس سے اور مردوں کو عورتوں کے لباس سے بچنا چاہیے۳؎ یعنی چونکہ اس کا رنگ پکا ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے اس لیے دھونے سے نہ رنگ اترے گا نہ بو جائے گی نیز اگر رنگ وبو جاتی رہی تو اس میں مال ضائع کرنا ہے کہ رنگ قیمتی چیز ہے اسے دھوکر کیوں پھینکو۔لہذا اسے آگ میں ڈالو یعنی اپنے سے الگ کردو عورتوں کو دے دو وہ پہن لیں گی۔جلانے کا مطلب یہ ہی ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے بھاڑ میں پھینکو چنانچہ حضرت یہ مقصد سمجھے نہیں گھر آئے تنور جل رہا تھا یہ کپڑا اس میں ڈال دیا دوسرے دن حاضر ہوئے۔حضور نے پوچھا عبداللہ تم نے اس کپڑے کا کیا کیا۔عرض کیا،تنور میں جلا دیا۔فرمایا اپنے گھر کی کسی عورت کو دے دیا ہوتا وہ پہن لیتی۔عورتوں کے لیے سرخ لباس حلال ہے(مرقات)امام اعظم کے ہاں خالص سرخ کپڑا مرد کیلیے بہرحال مکروہ ہے خواہ سرخ سوت سے بنایا گیا ہو یا بننے کے بعد رنگا گیا ہو۔یوں ہی زعفرانی رنگ کا پہلا کپڑا مرد کو مکروہ ہے(مرقات)اس حدیث کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔۴؎ یعنی وہ حدث مصابیح میں یہاں ہی تھی چونکہ اس میں حضرات حسنین کریمین کے فضائل کا ذکر ہے کہ حضور انور نے ان دونوں کو اپنے مخطط کمبل میں لے لیا اس لیے ہم اسے مناقب اہل بیت میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۳۳) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں۱؎ زیادہ پسند قمیص تھی۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۱۳۳)۱؎ ثیاب جمع ہے ثوب کی پہننے کے کپڑے کو ثوب کہا جاتا ہے۔خواہ سلا ہوا ہو یا بغیر سلا۔لہذا بے سلا تہبند بھی ثوب ہے،اور سلا ہوا پاجامہ کرتا بھی ثوب ۲؎ قمیص سے مراد سوتی قمیص ہے۔حریر ریشم تو مرد کو حرام ہے اور حضور انور نے کبھی اونی قمیص نہیں پہنی کہ یہ بدن میں چبھتی ہے اور پسینہ میں بو دیتی ہے۔قمیص کے پسند ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ بدن سے چمٹی رہتی ہے۔بدن سے سرکتی نہیں۔نماز میں اسے بار بار چڑھانا نہیں پڑتا جیسا کہ چادر اوڑھنے کی حالت میں ہوتا ہے حضور کی قمیص میں گریبان نہ ہوتا تھا بلکہ دو طرفہ کندھوں پر چاک کھلے ہوتے تھے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الرُّسْغِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا

(۴۱۳۴) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستینیں کلائی تک تھیں۱؎ ترمذی،ابوداؤد اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

(۴۱۳۴)۱؎ لہٰذا سنت یہ ہی ہے کہ قمیص کی آستینیں نہ تو کلائی سے اوپر ہوں نہ نیچے یعنی ہتھیلی یا انگلیوں تک،جن روایات میں ہے کہ حضور انور کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں وہاں جبہ کی آستینیں مراد ہیں۔لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔جبہ کی آستینیں دراز ہوتی تھیں۔قمیص کی آستینیں چھوٹی،آج کل قمیص کی آستینیں آدھی کلائی تک بعض لوگ رکھتے ہیں۔یہ سنت کے خلاف ہے۔سلوکے یا واسکٹ کی آستینیں بازو تک ہوتی ہیں یا بالکل نہیں ہوتیں یہ بھی جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِیْصًا بَدَأَ بِمَیَامِنِہٖ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۱۳۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیص پہنتے تو داہنی طرف سے شروع فرماتے تھے۱؎ (ترمذی)

(۴۱۳۵)۱؎ یعنی جب قمیص پہنتے تو قمیص کا داہنا حصہ پہلے پہنتے بایاں حصہ بعد میں۔اس طرح کہ اولاً داہنا ہاتھ شریف داہنی آستین میں ڈالتے پھر بایاں اور اتارنے میں اس کے برعکس۔میامن جمع ہے میمنہ کی جس کا مادہ یمن یا یمین ہے،قمیص کا ہر داہنا حصہ یمین ہے آستین۔دامن،کلی وغیرہ اس لیے میامن جمع ارشاد ہوا اور ہوسکتا ہے کہ میامنہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو۔یعنی اپنے دائیں طرف سے شروع فرماتے تھے۔تب میامن کو جمع فرمانا تعظیم کے لیے ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِزْرَۃُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ لَاجُنَاحَ عَلَیْہِ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَفِی النَّارِ قَالَ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَّلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۴۱۳۶) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمان کے تہبند اس کے آدھی پنڈلیوں تک ہوں۱؎ اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں۲؎ جو اس سے زیادہ نیچا ہوگا وہ آگ میں ہوگا۳؎ یہ تین بار فرمایا اور اللہ تعالٰی اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا جو اپنا تہبند فخراً زیادہ نیچا رکھے (گھسیٹے)۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۴۱۳۶)۱؎ ازرہ الف کے کسرہ سے ز کے جزم سے یعنی تہبند باندھنے کی حالت وہیئت جیسے جلسہ بیٹھنے کی ہیئت وکیفیت (اشعہ ومرقات) یعنی مسلمانوں کے ازار وتہبند باندھنے کی کیفیت یہ چاہیے کہ وہ نصف پنڈلی تک رہے۔نصف سے مراد تقریباً آدھا ہے نہ کہ حقیقی آدھا لہٰذا کچھ اونچے نیچے ہونے میں حرج نہیں۔یہ حد مردوں کے لیے ہے۔عورتوں کے تہبند یا پاجامے ٹخنوں کے نیچے تک ہونے چاہئیں کیونکہ ان کی پنڈلی ستر میں داخل ہے جس کا چھپانا فرض ہے۔عورتیں گھر میں رہتی ہیں گندی گلیوں سڑکوں میں انہیں چلنا پھرنا نہیں پڑتا ان کے لیے پاجامہ نیچا ہونا مضر نہیں۔مردوں کو باہر چلنا پھرنا پڑتا ہے۔ان کے نیچے پائنچے نجس ہوجائیں گے اس لیے بھی یہ فرق کیا گیا۲؎ یعنی مرد ٹخنوں تک پاجامہ اور تہبند رکھ سکتے ہیں۔اس طرح کہ ٹخنے کھلے ہوں۳؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اس حد سے نیچا تہبند مع پاؤں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جب پاؤں دوزخ میں گیا تو پاؤں والا بھی وہاں ہی گیا۔وجہ ظاہر ہے کہ یہ عمل متکبرین اور فیشن ایبل لوگوں کا ہے۔نیز ایسے تہبند اکثر نجس رہتے ہیں۔راستہ کی گندگی ان کے نچلے کنارہ میں لگ جاتی ہے جس سے نماز درست نہیں ہوتی۔اکثر ایسے تہبند میں الجھ کر گر جاتے ہیں۔خصوصاً زینہ پر چڑھتے اترتے۴؎ فخر کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ سزائیں اس صورت میں ہیں جبکہ فیشن یا تکبر کے طور پر ہو اگر کوئی شخص

بے خیالی میں ایسا کر بیٹھے تو یہ حکم نہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند شریف کبھی بے خیالی میں نیچا ہو جاتا تھا۔

وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْبَالُ فِي الْاِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۳۷) روایت ہے حضرت سالم[۱] سے وہ اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا۔ نیچا چھوڑنا تہبند اور قمیص اور عمامہ میں ہے[۲] جو ان میں سے کوئی چیز زیادہ نیچی رکھے تکبراً تو قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا[۳] (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۴۱۳۷)[۱] حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے آپ اسم با مسمّٰی تھے۔ دین وتقویٰ صحیح وسالم رکھتے حق بات کہنے میں بہت جری اور بے باک تھے۔ حجاج ابن یوسف جیسے ظالم حاکم کی بھی پروانہ کرتے تھے ۱۰۶ھ ایک سو چھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ بڑے پایہ کے تابعی ہیں[۲] یعنی صرف نیچا تہبند ہی مکروہ وممنوع نہیں بلکہ عمامہ کا شملہ کرتے کا دامن بھی اگر ضرورت سے زیادہ نیچا ہو تو وہ بھی ممنوع ہے اور اس پر بھی یہ ہی وعید ہے[۳] چنانچہ عمامہ کا شملہ نصف پیٹھ تک چاہیے۔ بعض چوتڑوں تک رکھتے ہیں ممنوع ہے اور قمیص کا دامن بعضے عرب ٹخنوں کے نیچے رکھتے ہیں ممنوع ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ كَبْشَةَ قَالَ كَانَ كِمَامُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّنْكَرٌ)

(۴۱۳۸) روایت ہے حضرت ابو کبشہ سے[۱] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں چمٹی ہوتی تھیں[۲] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔

(۴۱۳۸)[۱] آپ کا نام عمرو بن سعید انصاری ہے۔ کنیت ابو کبشہ۔ شام میں قیام رہا[۲] کمام جمع کمۃ کی کاف کے پیش سے جیسے قبہ کی جمع ہے قباب کمہ، کی اصل ہے کم بمعنی ڈھکنا، گھیرنا اب اصطلاح میں ٹوپی کو کمہ کہا جاتا ہے کہ وہ سر کو گھیرتی اسے ڈھکتی ہے اور بطح جمع ہے ابطح کی بمعنی فراخ اور چوڑی اس لیے زمین مدینہ کو ابطح بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وسیع وفراخ ہے۔ یہاں بطحا سے مراد ہے چوڑی ٹوپی جو گول ہو اور فراخ کہ سر سے اٹھی نہ رہے۔ بلکہ ساری کھوپڑی پر چمٹی رہے حضرات صحابہ کی ٹوپیاں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ بعض شارحین نے کمام کو کُمّ بمعنی آستین کی جمع فرمایا اور حدیث کے معنی یہ کیے کہ صحابہ کرام کی آستینیں فراخ وچوڑی ہوتی تھیں مگر پہلے معنی قوی ہیں کیونکہ کم کی جمع اکمام آتی ہے نہ کہ کمام مرقات نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کی ٹوپیوں کی چوڑائی ایک بالشت ہوتی تھی۔ سارے سر پر چمٹی ہوتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ ٹوپیاں بھی اوڑھتے تھے۔ عمامہ لازم بھی تھے بلکہ عمامہ بھی ٹوپیوں پر ہی باندھتے تھے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ ذَكَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُرْخِيْ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَّا تَزِيْدُ عَلَيْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ اِذًا تَنْكَشِفُ اَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِيْنَ ذِرَاعًا لَّا يَزِدْنَ عَلَيْهِ

(۴۱۳۹) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ جب کہ حضور نے تہبند کا ذکر کیا[۱] یا رسول اللہ تو عورت[۲] فرمایا ایک بالشت لٹکائے[۳] بولیں تب تو اس سے کھل جائے گی[۴] فرمایا تو ایک گز اس پر زیادہ نہ کرے[۵] (مالک، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) اور ترمذی نسائی کی روایت میں جو حضرت ابن عمر سے ہے یوں ہے کہ بولیں تب تو ان کے قدم کھل جائیں گے[۶] فرمایا تو ایک گز لٹکالیں۔ اس پر زیادہ نہ کریں۔

(۴۱۳۹)۱؎ یعنی یہ فرمایا کہ مومن کے تہبند آدھی پنڈلی تک رہنے چاہئیں۔تب حضرت ام سلمہ نے یہ سوال پیش کیا۲؎ یعنی مومن تو عورت بھی ہے اگر اس کا تہبند آدھی پنڈلی تک رہے تو اس کی نماز کیسے درست ہوگی اور اس کی پنڈلی ستر ہے اس کا کھلا رکھنا اسے ممنوع ہے۳؎ یعنی بمقابلہ مرد کے ایک بالشت اپنا تہبند زیادہ رکھے۔مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی سے ایک بالشت زیادہ لٹکائے تاکہ ٹخنے بھی ڈھکے رہیں۴؎ یعنی ایک بالشت زیادہ رکھنے میں اگرچہ بیٹھنے کی حالت میں تو اس کا ستر چھپا رہے گا مگر چلنے کی حالت میں اس کے قدم ضرور کھلیں گے یا بے احتیاطی میں پنڈلی بھی کھلے جائے گی۔لہذا ایک بالشت زیادہ ہونے سے بھی ستر حاصل نہ ہوگا۵؎ گز سے شرعی گز مراد ہے۔یعنی ایک ہاتھ یا دو بالشت جو کہ ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہوتے ہیں۔شریعت میں اسی گز کا اعتبار ہے۔مطلب یہ ہے کہ دو بالشت زیادہ رکھے۔اس سے زیادہ نہ کرے ورنہ زمین پر گھسٹے گا اور نجس ہوتا رہے گا۶؎ یہ عبارت پہلے جملہ کی تفسیر ہے وہاں فرمایا تھا تنکشف عنھا اس کا مطلب یہ بتایا کہ عورتوں کے قدم کھل جائیں گے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگرچہ عورت کے قدم ستر نہیں مگر انہیں بھی چھپا کے رکھنا بہتر ہے۔جیسے عورت کا چہرہ کہ اگرچہ ستر نہیں مگر اجنبی مردوں سے اس کا چھپانا بہتر ہے۔اب تو یہ باتیں بڑی پرانی معلوم ہوتی ہیں۔

وَعَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ مُزَيْنَةَ فَبَايَعُوْهُ وَاِنَّهُ لَمُطْلَقُ الْاَزْرَارِ فَاَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۴۰) روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزینہ کی ایک جماعت میں آیا لوگوں نے آپ سے بیعت کی۲؎ آپ کے بٹن کھلے ہوئے تھے میں نے حضور کی قمیص کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۳؎ تو مہر نبوت کو چھوا۴؎ (ابوداؤد)

(۴۱۴۰)۱؎ آپ معاویہ ابن قرہ ابن ایاس مزنی ہیں تابعی ہیں جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے۔اپنے والد اور انس ابن مالک،عبداللہ ابن مفضل صحابہ سے ملاقات ہے۔ان کے والد صحابی ہیں،بصرہ میں قیام رہا ان سے روایت صرف ان کے بیٹے معاویہ نے ہی کی۔یہ قوم ازارقہ کے ہاتھوں شہید ہوئے(مرقات)۲؎ تین سے لے کر دس تک کی جماعت کو رہط کہتے ہیں۔مزینہ والے لوگ چار سو تھے جو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں باری باری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ایک ٹولی میں یہ تھے۔لہذا یہ حدیث اور چار سو والی روایت کے خلاف نہیں۳؎ جب کہ لفظی معنی ہیں پھٹن اصطلاح میں گریبان کو جیب کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان شریف سینہ پر نہ ہوتا تھا بلکہ گردن شریف کے داہنے بائیں جگہ کھلی تھی جس سے قمیص پہنتے اور اتارتے تھے مگر آج گریبان والی قمیص زیب تن فرماتے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے بعض لوگوں نے سینہ پر گریبان بنانے کو بدعت کہا ہے مگر یہ غلط ہے۔حضور سے یہ گریبان بھی ثابت ہے(مرقات) آپ کا گریبان شریف میں ہاتھ ڈال دینا بے ادبی سے نہ تھا بلکہ اس مقصد کے لیے تھا جو آگے آرہا ہے یعنی مہر نبوت کو چھو کر بوسہ دینا۴؎ مہر نبوت شریف کا ذکر انشاءاللہ عنقریب آوے گا۔یہ چھونا برکت حاصل کرنے اور بوسہ دینے کے لیے تھا۔

وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَسُوا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۴۱) روایت ہے حضرت سمرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنو وہ زیادہ پاکیزہ اور بہت ستھرے ہیں اور بہت پسندیدہ ہیں۱؎ اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو۲؎ (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

(۴۱۴۱)۱؎ اطیب بنا ہے طیب سے اگر طیب خبیث کا مقابل ہو تو بمعنی حلال ہوتا ہے، جیسے رب تعالٰی کا فرمان: قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ (۵:۱۰۰) تم فرمادو کہ گندہ اور ستھرا برابر نہیں (کنزالایمان) ورنہ اس کے معنی ہوتے پسندیدہ، شرعًا یا عقلًا یا طبعًا یہاں اس ہی آخری معنی میں ہے۔یعنی سفید کپڑا پاکیزہ بھی ہے کہ ذرا سا دھبہ دور سے معلوم ہوجاتا ہے اور دھولیا جاتا ہے۔رنگین کپڑے کے داغ دھبے نظر نہیں آتے۔ نیز رنگین کپڑے کے دھونے میں رنگ ڈھل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔سفید کپڑے میں یہ خطرہ نہیں۔نیز سفید کپڑا اپنے پیدائشی رنگ پر ہے رنگین کپڑے کا رنگ عارضی اطیب کے معنی میں دل پسند، جتنا حسن و زیبائش سفید کپڑے میں ہے اتنا دوسرے میں نہیں۔وہ جو وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا یا سرخ جوڑا یعنی سرخ دھاری والا جوڑا پہنا یا عورت کا کپڑا رنگین ہو وہ سب بیان جواز کے لیے ہے، یہ فرمان عالی بیان استحباب کے لیے۔بعض طلباء صوفیاء رنگین کپڑے پہنتے ہیں وہ محض اس لیے کہ جلد جلد دھونا نہ پڑیں۔ورنہ مسلمان کے لیے سفید کپڑا بہت ہی بہتر ہے۲؎ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ عورت کو رنگین کفن دو غلط ہے ہر مردہ کو سفید کفن دینا بہتر ہے کہ اب اس کی گفتگو اور ملاقات فرشتوں سے ہونے والی ہے تو اچھے کپڑوں میں ہونی چاہیے اچھے کپڑے سفید ہیں۔یہاں مرقات نے سفید رنگت پر بہت اعلٰی گفتگو کی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۱۴۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۱۴۲)۱؎ یعنی عمامہ شریف کا کنارہ مبارکہ جسے فارسی میں شملہ اور عربی میں عذبہ کہتے ہیں نصف پیٹھ تک ہوتا تھا اور دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا خواہ پیٹھ پر یا سینہ پر مگر سینہ پر ہونا افضل ہے یعنی سامنے۔(مرقات ولمعات)

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۴۳) روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عمامہ باندھا۱؎ تو اسے میرے آگے اور میرے پیچھے لٹکا دیا۲؎(ابوداؤد)

(۴۱۴۳)۱؎ یعنی میرے سر پر خود اپنے دست مبارک سے عمامہ لپیٹا۔آج کل فارغ التحصیل طلباء کے سروں پر علماء عمامے لپیٹتے ہیں جسے رسم دستار بندی کہا جاتا ہے۔اس کی اصل یہ حدیث ہے۲؎ اس طرح کہ عمامہ کا پہلا شملہ تو سینہ پر ڈالا اور آخری شملہ پیٹھ پر ڈالا۔یہ ہی سنت ہے۔ بعض لوگ آخری شملہ اونچا رکھتے ہیں جسے طرح کہتے ہیں یہ خلاف سنت ہے، ہاں یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ دوسرا شملہ کبھی رکھا گیا ہے کبھی نہیں۔خیال رہے کہ نماز پنج گانہ کے لیے سات ہاتھ اور نماز جمعہ کے لیے بارہ ہاتھ کا عمامہ بہتر ہے۔اس کا شملہ کم از کم چار انگل ہو۔زیادہ سے زیادہ آدھی پیٹھ تک اس سے زیادہ ممنوع ہے۔شملہ پشت پر رہے یا داہنے ہاتھ کی طرف سینہ پر۔بائیں ہاتھ کی طرف سنت کے خلاف ہے کھڑے ہوکر باندھنا سنت ہے۔مسجد میں باندھے یا کہیں اور۔

وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَائِمِ

(۴۱۴۴) روایت ہے حضرت رکانہ سے۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد قوی وقائم نہیں۔

(۴۱۴۴) ؂ آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبد المطلب ہیں قریشی ہاشمی ہیں۔بڑے محدث بڑے شجاع صحابی ہیں۔خلافت عثمانی میں وفات پائی ؂ یعنی بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا طریقہ مشرکین اور ٹوپی پر عمامہ باندھنا طریقہ مومنین ہے۔لہذا ٹوپی پر عمامہ باندھو،ٹوپی خواہ سر سے چمٹی ہوئی ہو یا اٹھی ہوئی جسے پنجابی میں کلاہ کہتے ہیں (مرقات) عمامہ بہت افضل ہے۔بغیر عمامہ کی ۷۰ نمازیں اور عمامہ سے ایک نماز برابر ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمامہ اس طرح باندھے کہ ٹوپی کھلی نہ رہے۔اگر کلاہ ہو تو اس کے نیچے بھی عمامہ کا کچھ حصہ ہو۔ٹوپی کھلے رہنے میں اعتجار کا احتمال ہے۔اعتجار یہ ہے کہ سر کے آس پاس عمامہ ہو بیچ حصہ کھلا ہو جیسا کہ عام دیہاتی باندھتے ہیں۔یہ ممنوع ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُحِلَّ الذَّھَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُکُوْرِھَا ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

(۴۱۴۵) روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ؂ اور اسی امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ؂ ترمذی،نسائی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(۴۱۴۵) ؂ احل صیغہ واحد غائب ماضی مجہول ہے۔احل واحد متکلم مضارع نہیں کیونکہ آگے آرہا ہے حرم یہ ہی صیغہ ماضی مجہول یعنی میری امت کی عورتوں پر ریشم پہننا حلال کیا گیا خواہ چھوٹی بچیاں ہوں یا بالغہ جوان سب کے لیے حلال ہے۔اناث سب کو شامل ہے ؂ ذکور ہر مرد کو شامل ہے بچہ ہو یا جوان سب پر ریشم پہننا حرام ہے۔ہاں چھوٹے بچہ کو پہنانے والے گنہگار ہوں گے۔بڑا مرد خود گنہگار ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَاصُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَہٗ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۴۶) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پاتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیص ؂ یا چادر کہتے الٰہی تیرا شکر ہے جیسے تو نے مجھے یہ پہنایا ویسے ہی میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ؂ (ترمذی،ابوداؤد) ؂

(۴۱۴۶) ؂ حضور انور حتی الامکان نیا کپڑا جمعہ کو پہنتے تھے اور نیا کپڑا پہن کر پرانا خیرات فرمادیتے تھے (مرقات) پھر پہلے اس کا نام معین فرماتے کہ یہ چادر اوڑھتا ہوں یا قمیص پہنتا ہوں یا تہبند پھر اسے زیب تن فرماتے۔ان کی ہر ہر ادا پر کروڑوں درود ؂ کپڑے کی خیر یہ ہے کہ کپڑا پہن کر نیک اعمال کی توفیق ملے اور کپڑے کی شر یہ ہے کہ کپڑے پہن کر گناہ کرے۔کپڑے پہن کر نماز پڑھنا خیر ہے اور کپڑے پہن کر چوری کرنا اس کی شر ہے اور بندہ اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے خیر کرسکتا ہے شر سے بچ سکتا ہے۔نیز کپڑا پہن کر حمد و شکر کرنا کپڑے کی خیر ہے۔اس پر فخر کرنا اس کپڑے کی شر ؂ یہ حدیث احمد،نسائی،ابن حبان نے اور حاکم نے مستدرک میں ان ہی راوی سے روایت کی۔شرح سند بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سفید قمیص پہنے دیکھا تو فرمایا کہ نئی ہے یا دھلی ہوئی،عرض کیا نئی۔فرمایا:البس جدیدا عش حمیدا ومت شھیدا یعنی نیا لباس پہنو۔اچھے جیو۔شہید مرو،رضی اللہ عنہ۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَکَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ

(۴۱۴۷) روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے ؂ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانا کھائے پھر کہے شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری بغیر قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو

وَلَا قُوَّۃٍ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ ۔

اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۲ (ترمذی) اورابوداؤد نے یہ زیادتی کی کہ جوکوئی کپڑا پہنے تو کہے شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر میری طاقت وقوت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۳

(۴۱۴۷) ۱ آپ صحابی ہیں قبیلہ جند سے ہیں۔مصر میں قیام رہا۔آپ سے آپ کے فرزند سہل نے احادیث روایت کیں ۲ زبان سے یہ کلمات کہے اور دل میں عقیدہ رکھے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے میرے علم وعقل کا نتیجہ نہیں۔صرف میرے رب کا فضل ہے ورنہ مجھ سے اچھے اچھے مارے مارے پھر رہے ہیں۔بڑی مصیبتوں میں ہیں تو انشاء اللہ مغفرت ہوگی ۳ حاکم نے مستدرک میں بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعًا روایت کی۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکوئی ایک یا آدھے دینار کا کپڑا خریدے اس پر رب تعالٰی کی حمد کرے تو یہ کپڑا اس کے گھٹنوں پر پہنچے گا گناہ پہلے بخش دیئے جائیں گے (مرقات) اس کی مثل طبرانی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی،کچھ فرق کے ساتھ۔

۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ فَلْیَکْفِكِ مِنَ الدُّنْیَا کَزَادِ الرَّاکِبِ وَاِیَّاكِ وَمُجَالَسَۃَ الْاَغْنِیَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِیْ ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْہِ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَّا نَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ صَالِحِ ابْنِ حَسَّانَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ ۔

(۴۱۴۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو۱ تو تم کو دنیا سے اتنا کافی ہو جیسے سوار مسافر کا توشہ۲ اور امیروں کی مجلس سے اپنے کو بچاؤ۳ اور کسی کپڑے کو پرانا نہ سمجھو حتی کہ اسے پیوند لگالو۴ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ہم اسے صالح ابن حسان کی ہی حدیث سے پہچانتے ہیں،محمد ابن اسماعیل،نے کہا کہ صالح ابن حسان منکر الحدیث ہے۵

(۴۱۴۸) ۱ دنیا وآخرت میں اچھی طرح ملنا،کامل طور پر میرے ساتھ رہنا جس کی وجہ سے تم سے بہت خوش رہوں تو یہ عمل کرنا ۲ یعنی تھوڑی دنیا پر قناعت کرو جیسے مسافر راستہ طے کرتے ہوئے تھوڑا سامان رکھتا ہے۔بہت سامان کو بوجھ اور وبال سمجھتا ہے ۳ یعنی خود تو مالدار بننے کی کوشش کرنا بہت دور ہے۔مالداروں کی صحبت سے بھی پرہیز کرو مالداروں سے غافل اور متکبر مالدار مراد ہیں یا وہ صورت مراد ہے جب مالداروں کے پاس بیٹھنے سے ناشکری کا جذبہ پیدا ہو کہ یہ تو اتنا بڑا مالدار ہے میں غریب ہوں،ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت عثمان غنی اور امام اعظم ابوحنیفہ بڑے دولت مند تھے ان کی صحبت کیمیا تھی ۴ یہ انتہائی قناعت کی تعلیم ہے کہ پیوند والے کپڑے پہننے میں عار نہ ہو۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جبکہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے کہ آپ کے کپڑوں میں اوپر تلے تین پیوند ایک جگہ پر لگے تھے کہ پیوند گل گیا تو اور لگالیا حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خطبہ دیا اس وقت آپ کے تہبند شریف میں بارہ پیوند تھے (مرقات) مقصد یہ ہی ہے کہ پیوند والے کپڑے کے پہننے میں عار نہ ہونی چاہیے۔لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔جہاں ارشاد ہے کہ رب کی نعمت کا اثر تم پر ظاہر ہو یا فرمایا کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا خیرات کردو۔ابن عساکر نے حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گدھے کی سواری فرمالیتے تھے۔اپنا نعلین پاک خود سی لیتے تھے۔اپنی قمیص میں پیوند لگا لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو میری سنت سے نفرت کرے وہ میری جماعت سے نہیں (مرقات) ۵ انشاء اللہ حدیث منکر کے معنی اس کی تعریف اور احادیث کے اقسام واحکام آخر

کتاب میں عرض کیے جائیں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۴۹) روایت ہے حضرت ابو امامہ ایاس ابن ثعلبہ سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم نہیں سنتے بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے۔ بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے[۲] (ابوداؤد)

(۴۱۴۹)[۱] ابوامامہ دو ہیں اور دونوں صحابی ہیں۔ ایک ابوامامہ باہلی جو قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں دوسرے وہ جن کا نام ایاس ابن ثعلبہ ہے، یہ انصاری ہیں، یہاں یہ دوسرے ابوامامہ مراد ہیں۔ آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے رضی اللہ عنہم اجمعین[۲] اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ معمولی لباس پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے شرم و عار نہ ہونا کبھی پہن بھی لینا مومن متقی کی علامت ہے ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے لباس پہننے کا عادی بن جانا کہ معمولی لباس پہنتے شرم آئے طریقہ متکبرین کا ہے۔ یہاں ایمان سے مراد کمال ایمان ہے۔ اس حدیث کو احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے ابوامامہ حارثی سے روایت کیا (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۵۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا[۱] اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا[۲] (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۴۱۵۰)[۱] یعنی جو ایسا لباس پہنے جس سے لوگ اسے امیر جانیں یا ایسا لباس پہنے جس سے اسے لوگ بڑا تارک الدنیا فقیر صوفی ولی سمجھیں یہ دونوں قسم کے لباس شہرت کے لباس ہیں۔ بعض لوگوں کو ٹاٹ کا لباس پہنے دیکھا گیا یہ بھی شہرت کا لباس ہے، غرضیکہ جس لباس میں یہ نیت ہو کہ اس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھیں، لوگ اس کی عزت کریں خواہ امیر سمجھ کر خواہ ولی سمجھ کر وہ اس کی شہرت ہے عزت اللہ رسول کی ہے جسے چاہیں دیں۔ مرقات نے فرمایا کہ مسخرہ پن کا لباس پہننا جس سے لوگ ہنسیں یہ بھی لباس شہرت ہے[۲] قیامت میں سب لوگ ننگے اٹھیں گے۔ پھر میدان محشر میں سب کی تن پوشی کی جائے گی شہرت کا لباس پہننے والوں کو وہ لباس ملے گا جس سے ان کی ذلت ظاہر ہو اس کے عکس کا حکم بھی برعکس ہی ہوگا کہ جو شخص سادہ لباس پہنے باوجود قدرت کے لباس فاخرہ نہ پہنے انشاء اللہ اسے قیامت میں لباس عزت ملے گا۔ بشرطیکہ نیت صادق ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۵۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا[۱] (احمد، ابوداؤد)

(۴۱۵۱)[۱] یعنی جو شخص دنیا میں کفار، فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں انشاء اللہ متقیوں کے زمرہ میں اٹھے گا خیال رہے کہ کسی کی سی صورت بنانا تشبہ ہے اور کسی کی سی سیرت اختیار کرنا تخلق ہے یا تشبہ فرمایا گیا ہے

حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا۔موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ مولیٰ یہ کیوں بچ گیا۔فرمایا اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا۔ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے (مرقات) مسلمان کو چاہیے کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات میں بھی اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنے کی نیت کرے۔دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے یہاں من تشبہ ہے من تخلق نہیں۔انشاء اللہ اصل کی برکت سے خدا ہم نقالوں کو بھی بخش دے گا۔

مسئلہ: جو ہیت جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لیے کفر ہے جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان ہیں جنیو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیت ولباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لیے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ ونیکر اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر جہاد میں کوئی مسلمان جو کفار کی سی شکل وصورت رکھتا ہو دھوکہ سے مسلمان غازیوں کے ہاتھوں مارا جائے تو یہ غازی گنہگار نہیں۔وہ مرنے والا اپنی اس حرکت کی وجہ سے انہیں میں شمار ہوگا۔غرضیکہ یہ حدیث بہت جامع ہے۔

وَعَنْ سُوَيْدِبْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَبْنَآءِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَّهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَوَاضُعًا كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَجَّهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُّعَاذِ بْنِ اَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ)

(۴۱۵۲) روایت ہے حضرت سوید ابن وہب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بیٹوں میں سے ایک صاحب سے[۱] راوی وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمال کا لباس پہننا چھوڑ دے حالانکہ وہ اس پر قادر ہو اور ایک روایت میں ہے کہ انکسار کے طور پر تو اللہ اسے عزت کا جوڑا پہنائے گا[۲] اور جو اللہ کے لیے نکاح کرے تو اللہ اسے بادشاہی تاج پہنائے گا[۳] (ابوداؤد اور ترمذی نے انہیں سے بروایت معاذ ابن انس لباس کی حدیث روایت کی[۴]

(۴۱۵۲)[۱] غالب یہ ہے کہ وہ بیٹے بھی صحابی ہیں یا تقویٰ وطہارت سے موصوف ہیں ورنہ یہ حدیث مجہول ہوگی۔کیونکہ سوید ابن وہب تابعی بھی صحابی کا ذکر نہیں کرتے۔صحابی کا نام مذکور نہ ہو کوئی حرج نہیں کہ صحابہ سارے ثقہ ہیں[۲] یعنی جو بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ عجز وانکسار کے لیے قدرت کے باوجود معمولی لباس پہنے اس کا یہ درجہ ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اللہ کی نعمت کا اثر تم پر دیکھا جاتا ہے[۳] جس تاج کے ایک ایک موتی میں ایسی چمک ہوگی جیسے سورج کی چمک اگر وہ تمہارے گھر کے اندر ہوتا۔جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے (ازمرقات)[۴] یعنی اس روایت میں اللہ کے لیے نکاح کرنے کا ذکر نہیں۔

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۱۵۳) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ پسند کرتا ہے یہ کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے[۱] (ترمذی)

(۴۱۵۳)[۱] یعنی جسے رب تعالیٰ نے مال دیا ہے تو وہ بخل کی بنا پر بہت ہلکے کپڑے نہ پہنے بلکہ کبھی اچھے کپڑے پہنے تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت

کا اظہار ہو اور فقراء اسے غنی سمجھ کر اس سے کچھ مانگ بھی سکیں اگر اللہ نے عالم دین بنایا ہے تو عالمانہ لباس پہنے تاکہ حاجت مند لوگ اس سے مسئلے پوچھ سکیں۔رب کی نعمت کا اظہار بھی شکر ہے اس کی نعمت چھپانا کفران ہے۔یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ معمولی کپڑے پہننا ایمان سے ہے وہاں تکبر،تکلف کی ممانعت تھی۔یہاں شکر اور اظہار نعمت الٰہی کا حکم ہے۔ایک ہی چیز ایک نیت سے بری ہوتی ہے۔دوسری نیت سے اچھی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلاً شَعِثاً قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَرَاٰى رَجُلاً عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَّسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۱۵۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے تشریف لائے۱ تو ایک شخص کو پراگندہ بال دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۲ تو فرمایا کہ یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے سر کو جمع کرے۳ اور ایک شخص کو دیکھا جس پر میلے کپڑے تھے تو فرمایا یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑے دھوئے۴ (احمد،نسائی)

(۴۱۵۴)۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں خادموں سے ملاقات کے لیے ان کے گھروں پر بھی تشریف لے جاتے تھے اس میں ان کی عزت افزائی ہوتی تھی۔زائر فرما کر یہ بتایا کہ یہ تشریف کسی کی بیمار پرسی یا شادی وغیرہ کی تقریب کے سلسلہ میں نہ تھی۔صرف ہم کو نوازنے کے لیے تھی۔۲؎ یا ہمارے گھر میں یا راستہ میں ایسے شخص کو دیکھا۔۳؎ یعنی کیا اس کے پاس تولہ دو تولہ تیل بھی نہیں کہ بالوں میں لگا کر کنگھی کرے جس سے اس کے بال بکھریں نہیں بلکہ مجتمع ہو جائیں۔۴؎ یعنی کیا اسے تھوڑا سا صابن میسر نہیں جس سے کپڑے صاف کرے۔خیال رہے کہ عزت اور تکبر میں فرق ہے۔تکبر کے لیے اچھا لباس پہننا ممنوع ہے اس کے لیے ارشاد ہوا البذاذۃ من الایمان اور عورت کے لیے اعلیٰ لباس پہننا اچھا ہے جس کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوا۔لہذا دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

وَعَنْ اَبِى الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دَوْنٌ فَقَالَ لِيْ اَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَيِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ قَالَ فَاِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَلْيُرٰى اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهٖ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

(۴۱۵۵) روایت ہے ابوالاحوص سے وہ اپنے والد سے راوی۱ فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا مجھ پر معمولی کپڑے تھے۲ تو فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے میں نے کہا ہاں فرمایا کونسا مال ہے میں نے کہا کہ اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال سے دیا ہے۳ اونٹ،گائے اور بکری اور گھوڑے اور غلام فرمایا تو جب تجھے اللہ نے مال دیا ہے تو چاہیے کہ اللہ کی نعمت اس کی بخشش کا اثر تجھ پر دیکھا جائے۴ (احمد،نسائی) اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ سے ہے۵

(۴۱۵۵)۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نضر ہے۔آپ نے اپنے والد اور ابن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم صحابہ سے ملاقات کی۔آپ سے خواجہ حسن بصری ابواسحاق اور عطاء ابن سائب نے احادیث روایت کیں۔آپ کے والد مالک ابن نضر صحابی ہیں۔۲؎ جو میری مالی حیثیت سے کم تھے مجھے خدا تعالیٰ نے بہت غنی کیا ہوا تھا مگر کپڑے پھٹے پرانے کم قیمت زیب تن کیے ہوئے تھا۔۳؎ یعنی عرب میں جس مال کی بہت قدر ہوتی ہے جانور اور غلام،ان میں سے اللہ نے مجھے ہر مال دیا ہے۔عرب میں جانوروں کی ملکیت کو

بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جیسے آج کل مربعے اور شہری جائیداد والے کی بڑی عزت ہوتی ہے۴ یعنی قیمتی اور صاف کپڑے پہنو تا کہ لوگ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل ہے۔ یہ بھی اللہ کا شکریہ ہے۔ مطلب وہ ہی ہے کہ شکر کے لیے اچھا لباس پہنے، فخر کے لیے نہ پہنے، کبھی اچھا لباس پہنے شکر کے لیے کبھی معمولی پہنے انکسار کے طور پر، اپنے کو اچھے کھانے، اچھے لباس کا عادی نہ بنائے کہ کبھی معمولی کھا پی نہ سکے۵ یعنی ان دونوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مضمون ایک ہی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّرَجُلٌ وَّعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۵۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص گزرا جس پر دو سرخ کپڑے تھے۱ تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کیا۔ حضور نے اس کا جواب نہ دیا۲ (ترمذی، ابوداؤد)۳

(۴۱۵۶)۱ خالص سرخ، کیونکہ مخطط سرخ مرد کو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ حضرت اس وقت تہبند بھی سرخ پہنے تھے اور قمیص بھی سرخ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے مرد کے لیے سرخ کپڑے پہننا حرام فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کرنے کی حالت میں انسان سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۳ طبرانی نے بروایت عمران ابن حصین روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرخ رنگ سے بچو کہ یہ شیطانی زینت ہے (مرقات)

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَااَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ وَلَا اَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا اَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ اَلَاوَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَالَوْنَ لَهٗ وَطِيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَارِيْحَ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۵۷) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو میں ارغوانی گھوڑے پر سوار ہوں گا۱ اور نہ کسوی رنگ کے کپڑے پہنوں گا اور نہ ایسی قمیص پہنوں گا جو ریشمی حاشیہ والی ہو۲ اور فرمایا کہ خبردار ہو کہ مردوں کی خوشبو وہ خوشبو ہے جس میں رنگ نہ ہو خوشبو ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ ہو خوشبو نہ ہو۳ (ابوداؤد)

(۴۱۵۷)۱ ارجوان معرب ہے ارغوان سے۔ ارغوان ایک سرخ رنگ کا پھول ہے۔ اب ہر سرخ رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ یہ کبھی ریشم کا ہوتا ہے کبھی سوتی گھوڑے کی کاٹھی پر چھوٹا سا تکیہ رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔ وہی یہاں مراد ہے یعنی ہم کبھی سرخ رنگ کا تکیہ کاٹھی پر رکھ کر سواری نہ کریں گے معلوم ہوا کہ خالص سرخ کپڑے پر مرد کو بیٹھنا لیٹنا بھی بہتر نہیں خصوصاً جبکہ ریشم کا ہو۔ اس لیے علماء کرام مرد کو ریشمی توشک، گدیلا بچھانا، ریشمی لحاف اوڑھنا ممنوع قرار دیتے ہیں۲ کفف بنا ہے کفۃ سے بمعنی حصہ اور کنارہ یعنی جس سوتی قمیص کا گریبان دامن کلی وغیرہ ریشم کی ہو وہ ہم نہ پہنیں گے مگر یہ ممانعت جب ہے جبکہ ان کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ ہو۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث اسماء کے خلاف نہیں کہ انہوں نے ریشمی دامن والی قمیص دکھا کر فرمایا کہ یہ ہے حضور کا جبہ شریف کہ وہاں چار انگل سے کم ریشمی تھا۳ یعنی مسلمان مردوں کو ایسی خوشبو کی اجازت ہے جس کا رنگ کپڑے پر ظاہر نہ ہو مہک ہو جیسے عطر، لہذا زعفرانی رنگ کے کپڑے مرد کو منع ہیں کہ اس میں مہک کے ساتھ رنگ بھی ہوتا ہے اور عورتوں کو ایسے کپڑے کی اجازت ہے کہ اس میں رنگت ہو مگر مہک نہ ہو۔ عورتوں کو مہک کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ وہ خوشبو اجنبی مردوں تک پہنچے اگر وہ گھر میں عطر لگائیں جس کی خوشبو خاوند یا اولاد ماں باپ تک ہی پہنچے تو حرج نہیں بہر حال مرد کے لیے سفید کپڑے بہتر ہیں عورت کے لیے رنگین کپڑے بہتر۔

وَعَنْ اَبِىْ رَيْحَانَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۱۵۸) روایت ہے حضرت ابو ریحانہ سے۱ فرماتے ہیں کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُكَامَعَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَّعَنْ مُكَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَّاَنْ يَّجْعَلَ الرَّجُلُ فِيْ اَسْفَلِ ثِيَابِهٖ حَرِيْرًا مِّثْلَ الْاَعَاجِمِ اَوْ يَجْعَلَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ اِلَّا لِذِيْ سُلْطَانٍ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا دانت، پتلے کرنے سے اور گودا کرانے سے۔ سفید بال اکھیڑنے سے اور مرد کو مرد کے ساتھ بغیر کپڑے یوں ہی عورت کو عورت کے ساتھ بغیر کپڑے کے لیٹنے سے۲ اور اس سے کہ مرد اپنے نیچے کپڑے میں ریشم لگائے۳ عجمیوں کی طرح یا اپنے کندھوں پر ریشم لگائے عجمیوں کی طرح۴ اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے اور انگوٹھی پہننے سے سوا حکومت والے کے۵ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۱۵۸)۱ آپ کا نام عبداللہ ابن شمعون ابن یزید ہے۔ قرظی کہا جاتا ہے مگر ہیں انصاری۔ چونکہ بنی قریظہ کے حلیف تھے اس لیے قرظی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ آپ کی بیٹی کا نام ریحانہ تھا۔ اس لیے ابوریحانہ کنیت ہوئی۔ بڑے عابدوزاہد متقی تارک الدنیا صحابی ہیں شام میں قیام رہا۔ وہاں ہی وفات پائی (مرقات واکمال) ۲ بعض بے وقوف حسن وخوب صورتی کے لیے اپنے چوڑے دانت کسی مشین کے ذریعہ پتلے کرالیتے ہیں۔ یہ حرام بھی ہے اور سخت نقصان دہ بھی، بعض مرد اور عموماً عورتیں اپنی کلائیوں اور رخساروں میں سوئی کے ذریعہ سرمہ وغیرہ بھروالیتے ہیں، جسے نیلا گودنا کہا جاتا ہے یہ بھی سخت ممنوع ہے یوں مردوں کا ننگے ہوکر ایک ساتھ سونا اور عورتوں کا برہنہ ایک ساتھ سونا حرام ہے کپڑے پہنے ہوں تو جائز ہے اگر خاوند بیوی ننگے ایک بستر میں سوئیں تو ممنوع نہیں۔ جبکہ چادر وغیرہ سے ڈھکے ہوئے ہوں۔ بالکل ننگے رہنا سونا ممنوع ہے اکیلے آدمی کا بھی۔ سر یا داڑھی میں سے سفید بال نوچ کر الگ کردینا حسن کے لیے ہو تو ممنوع ہے۳ یعنی جب ریشم کا کپڑا نیچے بھی پہننا حرام ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا تو اوپر کا کپڑا ریشمی ہو تو سخت حرام کہ وہ تو نظر بھی آتا ہے یہ حکم مرد کے لیے ہے۴ یہ ممانعت جب ہے جبکہ ریشم چار انگل سے زیادہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عجمی کفار سے مشابہت مسلمانوں کے لیے ممنوع ہے، علماء فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کی سی دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۵ حکومت سے مراد عام حکومت ہے دینی ہو یا دنیاوی لہذا مفتی، قاضی، حاکم سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مہر والی انگوٹھی پہنیں تاکہ اپنے فتووں اور فیصلوں پر اس انگوٹھی سے مہر لگایا کریں مگر وہ بھی چاندی کی ہو سوا چار ماشہ تک۔ خلاصہ یہ ہے کہ عام مسلمان مردوں کو انگوٹھی نہ پہننا بہتر، علماء وحکام کو چاندی کی انگوٹھی پہننا بالکل درست۔ سونے کی انگوٹھی عورتوں کو حلال ہے مردوں کو حرام ہے۔ لوہا، پیتل، تانبہ کی انگوٹھی چھلا، مرد وعورت دونوں کو حرام ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمَيَاثِرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّاَبِيْ دَاوٗدَ وَقَالَ نَهٰى عَنِ الْمَيَاثِرِ الْاُرْجُوَانِ)

(۴۱۵۹) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں، مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی اور قسی کپڑا۱ اور ارغوانی رنگ کے گدیلوں سے منع فرمایا۲

(۴۱۵۹)۱ قسی وہ کپڑا ہے جو شہر قس میں بنایا جاتا ہے۔ قس مصر کا ایک شہر ہے وہاں یہ ریشمی کپڑا بنتا تھا میاثرہ جمع ہے میثرہ کی میثرہ وہ گدیلہ جو زمین پر ڈال کر اس پر سوار ہوا جاتا ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۴۱۶۰) روایت ہے حضرت معاویہ سے۱ فرماتے ہیں فرمایا

وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ریشم پر سوار ہو اور نہ چیتے کی کھال پر۲(ابوداؤد،نسائی)

(۴۱۶۰)۱معاویہ نام کے بہت صحابہ ہیں مگر جب مطلقاً معاویہ بولا جائے تو اس سے مراد حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۲یعنی گھوڑے کی کاٹھی پر ریشمی گدیلہ یا چیتے کی کھال ڈال کر اس پر سوار نہ ہو درندوں جانوروں کی کھالوں کو پہننے یا بچھانے سے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے، جیسے ہرن کی کھال پر بیٹھنے یا اسے پہننے سے نامردی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ بعض شارحین نے نمار کے معنی کیے ہیں، دھاری دار کمبل مگر یہ قوی نہیں کیونکہ دھاری دار کمبل بچھانا ممنوع نہیں۔ نیز اس کی جمع نور ہے نہ کہ نمار نیز جامع صغیر کی روایت میں ہے۔ عن جلود النمار یعنی نمار کی کھال سے منع فرمایا(مرقات)

وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ ۔

(۴۱۶۱) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ گدیلے سے منع فرمایا۱

(۴۱۶۱)۱اس کی شرح اور وجہ ابھی گزر گئی کہ گھوڑے کی کاٹھی پر سرخ رنگ کا گدیلہ ڈال کر مرد کو بیٹھنا ممنوع ہے، عورت کو جائز مگر یہ ممانعت سرخ لباس پہننے کی ممانعت سے ہلکی ہے کہ اس کا پہننا زیادہ برا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ التَّيْمِیِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَهٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبُهٗ اَحْمَرُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِاَبِیْ دَاوُدَ وَهُوَ ذُوْ وَفْرَةٍ وَّبِهَا رَدْعٌ مِّنْ حِنَّاءٍ)

(۴۱۶۲) روایت ہے حضرت ابورمثہ تیمی سے۱فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ پر دو سبز کپڑے تھے۲اور آپ کے بال تھے جن پر بڑھاپا غالب تھا۳اور سفید بال سرخ تھے۴ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ وفرہ والے تھے۵جن میں مہندی کا اثر تھا۶

(۴۱۶۲)۱آپ کے نام میں اختلاف ہے یا تو رفاعہ ابن یثربی ہے یا عمارہ ابن یثربی قبیلہ تیم رباب سے ہیں نہ کہ تیم قریش سے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ تیمی ہیں اپنے والد کے ساتھ آئے اور دونوں مسلمان ہوگئے۔ بعد میں کوفہ میں قیام رہا (لمعات و مرقات واشعۃ اللمعات)۲قمیص اور تہبند شریف یا تو بالکل سبز تھے یا اس میں سبز دھاریاں تھیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ جنتیوں کا لباس سبز ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ (۲۱:۷۶) ان کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قناویز کے (کنزالایمان) اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو ہرے کپڑے پہننا جائز ہے۔ اگر اس عمل شریف کی اتباع میں ہو تو مستحب ہے۳یعنی سر مبارک میں ایک آدھ بال شریف سفید تھا۔ شعر کی تنکیر کمی بیان کرنے کے لیے ہے۔ حضور اقدس کے سفید بالوں کے متعلق تین روایات ہیں۔ چودہ بال شریف سفید تھے، سترہ تھے، بیس تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اوّلاً چودہ بال شریف سفید ہوئے ہوں پھر آخر میں سترہ سر مبارک میں اور تین داڑھی شریف میں۔ کل بیس۔ لہٰذا تینوں روایات درست ہیں۴اس عبارت کے تین مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ سفید بال مہندی سے سرخ کیے گیے تھے۔ دوسرے یہ کہ عطر یا خوشبودار تیل کے رنگ سے سرخ تھے یا یہ کہ وہ خالص سفید نہ تھے بلکہ مائل بہ سرخی تھے۔ جب بال سفید ہونے والا ہوتا ہے تو پہلے سرخ ہوتا ہے۔ پھر سفید یا اوّلاً جڑ کی طرف سے سفید ہوتا ہے نوک کی طرف سے سرخ۵سر کے بال جو کان کی گدیا تک پہنچیں وفرہ کہلاتے ہیں اور جو کان وکندھوں کے درمیان ہوں انہیں جمہ کہا جاتا ہے اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو لمہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی وفرہ ہوتے

تھے کبھی جمہ، کبھی لمہ کندھوں سے نیچے بال مردوں کے لیے بہتر نہیں۔اس کی تحقیق انشاءاللہ حلیہ شریف کی احادیث میں ہوگی ۶؎ یعنی ان چند سفید بالوں کو مہندی سے سرخ کیا گیا تھا مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب نہ لگایا نہ سرخ نہ کسی اور رنگ کا۔ آپ کے بال شریف خضاب کی حد تک سفید ہوئے ہی نہیں جب سرکار سر میں تیل ڈالتے تو وہ سفید بال ظاہر ہوتے تھے ورنہ نہیں۔ چند سفید بال ظاہر نہیں ہوا کرتے۔ ہاں یہ ثابت ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈک کے لیے سر شریف میں مہندی لگائی ہے (اشعہ) نیز ڈاڑھی شریف بھی مہندی سے دھوئی ہے۔ یعنی صفائی کے لیے مہندی لگا کر دھو ڈالی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَةَ وَعَلَیْهِ ثَوْبُ قِطْرٍ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰی بِهِمْ ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۱۶۳) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے۱؎ تو حضرت اسامہ پر تکیہ لگائے تشریف لائے آپ پر قطری کپڑا تھا۲؎ جس سے آپ لپٹے ہوئے تھے۳؎ پھر انہیں نماز پڑھائی۴؎ (شرح سنہ)

(۴۱۶۳)۱؎ غالبًا مرض وفات مراد ہے جس میں حضور انور کا وصال شریف ہوگیا۲؎ قطری یمنی اعلیٰ درجہ کا کپڑا ہوتا ہے جو سوتی ہوتا ہے مائل بہ سرخی، حاشیہ پر اعلیٰ درجہ کا کام ہوتا ہے۔ قطر ایک بستی کا نام ہے یمن یا بحرین میں، وہاں کا تیار کردہ ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں ڈھاکہ کی ململ ۳؎ جیسے محرم احرام کی چادر میں لپٹا ہوتا ہے کہ چادر کے دونوں کنارے کندھوں پر پڑے تھے توشح بنا ہے وشاح سے بمعنی کنگن چونکہ کنگن کلائی سے لپٹ جاتا ہے اس لیے کپڑے میں لپٹنے کو شح کہتے ہیں ۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری نماز پڑھائی تھی۔ اس کا تفصیلی بیان انشاءاللہ وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِیَّانِ غَلِیْظَانِ وَکَانَ اِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَیْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِّنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْیَهُوْدِیِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ اِلَیْهِ فَاشْتَرَیْتَ مِنْهُ ثَوْبَیْنِ اِلَی الْمَیْسَرَةِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا تُرِیْدُ اِنَّمَا تُرِیْدُ اَنْ تَذْهَبَ بِمَا لِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَذَبَ قَدْ عَلِمَ اَنِّیْ مِنْ اَتْقَاهُمْ وَاٰدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۱۶۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قطری موٹے کپڑے تھے اور حضور جب بیٹھتے تو پسینہ آجاتا آپ پر بوجھ کی وجہ سے۱؎ پھر شام سے فلاں یہودی کا کپڑا آیا۲؎ میں نے عرض کیا کہ کاش آپ اس کے پاس کسی کو بھیجتے، اس سے دو کپڑے روپیہ آنے تک خرید لیتے۳؎ چنانچہ حضور نے اس کے پاس بھیجا وہ بولا میں جانتا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ میرا مال مارلیں۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے وہ جانتا ہے کہ میں ان سب میں زیادہ زیادہ پرہیزگار ان سب میں زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۵؎ (ترمذی، نسائی)

(۴۱۶۴)۱؎ یعنی گرمیوں میں ان کپڑوں میں پسینہ آجاتا تھا۔ بعض لوگوں نے ثقلا ماضی مطلق کا صیغہ پڑھا ہے۲؎ اس یہودی فاجر کا نام نہ معلوم ہوسکا۔ بز کہتے ہیں بغیر سلے کپڑے کو اور کپڑے کے تاجر کو بزاز کہا جاتا ہے بعض نے بز اور خز میں فرق کہا ہے سوتی کپڑا بز اور ریشمی کپڑا خز (مرقات) کپڑا آنے سے مراد ہے لوگ کپڑا لے کر آئے اس یہودی کے پاس ۳؎ یعنی اس وقت حضور کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ ادھار خرید لیں اس سے وعدہ فرمالیں کہ فلاں تاریخ، فلاں دن تک ہم تم کو قیمت دے دی جائے گی۔ خیال رہے کہ ادھار خریداری میں وقت ادا معلوم ہونا

ضروری ہے۔ یہ کہنا کہ جب روپیہ آئے گا تب قیمت دیدیں گے ناجائز ہے۔ یہ ہی حال پہلے حکم میں ہے کہ وہاں قیمت نقد ہوتی ہے چیز ادھار، وہاں ادائیگی کا وقت مقرر ہونا ضروری ہے۔۴؎ یعنی اس یہودی تاجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے جو آپ کی طرف سے کپڑا خریدنے گیا تھا، یہ گستاخی کا جواب کہلا کر بھیجا کہ آپ قیمت ادا نہ کریں گے، یوں ہی میرا مال لے لیں گے حالانکہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وقت پر قیمت وصول ہوجائے گی ۵؎ یعنی اس یہودی نے توریت شریف میں میرا سب سے زیادہ پرہیزگار بڑا امانت دار ہونا پڑھا ہے۔ وہ منہ سے ایسی بکواس کررہا ہے جو اس کی توریت کی آیات کے خلاف ہے حضور کو تو مشرکین عرب بھی صادق الوعدہ اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ انہیں تو ربّ تعالٰی نے اپنا امین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ ان جیسا امین نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غالبًا اس نے کپڑا دیا نہیں۔ اللہ اکبر آج ہم ان کے نام پلنے والے ململ، لٹھے، بوسکی پہنیں اور وہ خود باریک کپڑا منگائیں تو یہود انکار کردے۔ اللہ کی شان ہے۔ شعر:۔

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ مَصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَاهٰذَا فَعَرَفْتُ مَاكَرِهَ فَانْطَلَقْتُ فَاَحْرَقْتُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاصَنَعْتَ بِثَوْبِكَ قُلْتُ اَحْرَقْتُهٗ قَالَ اَفَلَا كَسَوْتَهٗ بَعْضَ اَهْلِكَ فَاِنَّهٗ لَابَاْسَ بِهٖ لِلنِّسَآءِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۶۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور مجھ پر کسم میں رنگے ہوئے گلابی کپڑے تھے۱؎ تو فرمایا یہ کیا میں پہچان گیا کہ حضور نے ناپسند فرمایا۲؎ تو میں چلا اسے میں نے جلا دیا۳؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا کہا کہ میں نے اسے جلا دیا فرمایا تم نے وہ کپڑا اپنی کسی گھر والی کو کیوں نہ پہنا دیا۔ اس میں عورتوں کے لیے حرج نہیں ہے۴؎ (ابوداؤد)

(۴۱۶۵) ۱؎ حالانکہ مرد کو گلابی کپڑے پہننے ممنوع ہیں۔ میں نے بے خبری میں پہن لیے تھے۲؎ کیونکہ حضور انور کا یہ کیا فرمانا سوال کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعجب اور انکار کے لیے ہے کہ تم نے میرے صحابی ہوکر یہ کیا کیا، گلابی سرخ کپڑے کیوں پہن لیے ۳؎ یہ ہے صحابہ کرام کا عشق رسول اور اس عشق کا جذبہ جس کپڑے سے اپنا پیارا ناراض ہو وہ اپنے گھر میں بھی نہ رکھا چہ جائیکہ بدن پر رکھتے۔ یہ نہ غور کیا کہ یہ مال کا برباد کرنا ہے، اسراف یا تبذیر ہے۔ یہ تو وہ سوچے جو عقل کو حاکم بنائے۔ عشق آیا عقل رخصت ہوگئی۔ شعر:۔

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف　　　　ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

۴؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر انہیں عتاب نہ فرمایا معذور رکھا۔ آئندہ کے لیے مسئلہ بتادیا کہ عورتوں کو سرخ و گلابی رنگ کے کپڑے پہننا بالکل جائز ہے۔ مردوں کو ممنوع ہیں۔ اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

وَعَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًی يَخْطُبُ عَلٰى بَغْلَةٍ وَّعَلَيْهِ بُرْدٌ اَحْمَرُ وَعَلِیٌّ اَمَامَهٗ يُعَبِّرُ عَنْهُ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۶۶) روایت ہے حضرت ہلال ابن عامر سے وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں اپنے خچر پر خطبہ دیتے دیکھا آپ پر سرخ چادر تھی۱؎ اور علی آپ کے سامنے تھے آپ اس کو لوگوں کو پہنچاتے تھے۲؎ (ابوداؤد)

(۴۱۶۶) ۱؎ ان جیسی تمام روایات میں سرخ سے مراد لال دھاری دار کپڑے ہیں خالص سرخ مراد نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ حدیث سرخ لباس کی

ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں۔ تمام محدثین کا اتفاق ہے۲ یعنی مجمع وہجوم بہت تھا۔ حضور کی آواز سب تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے حضرت علی حضور سے کچھ دور کھڑے حضور کے فرمان عالی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ یہاں یعبر سے مراد ترجمہ کرنا نہیں مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور انور کی آواز تو سب تک بطور معجزہ پہنچ رہی تھی۔ حضرت علی مطلب سمجھا رہے تھے۔ یہ معنی یعبر کے لیے بہت ہی موزوں ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَرِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۶۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کالی چادر تیار کی گئی حضور نے وہ پہن لی تو جب اس میں پسینہ آیا اس سے اون کی بو محسوس کی تو اسے الگ فرمایا۱ (ابوداؤد)

(۴۱۶۷) ۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو بہت ہی ناپسند تھی، کپڑے کی ہو یا منہ کی یا بغل یا کسی اور چیز کی، طبیعت پاک بہت ہی طیب وطاہر ولطیف تھی۔ اس لیے گرمی میں حضور نے یہ اونی چادر علیحدہ کردی۔ حجاج کو چاہیے کہ روضہ اطہر کی حضوری کے وقت معطر ہوکر حاضر ہوا کریں۔ بدبودار کپڑے یا بدبودار منہ سے مسجدوں میں نہ جایا کریں۔ عموماً خوشبو کا استعمال کریں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلٰى قَدَمَيْهِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۶۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ ایک چادر سے لپٹے ہوئے تھے۱ جس کا پھندنا آپ کے قدموں پر پڑا تھا۲ (ابوداؤد)

(۴۱۶۸) ۱ شملہ وہ کپڑا ہے جس پر انسان مشتمل ہو لپٹا ہوا ہو خواہ چادر ہو یا کمبل۔ محتب بنا ہے احتباء سے جس کے معنی ہیں اکڑوں بیٹھنا۔ یعنی حضور انور اکڑوں بیٹھے ہوئے چادر شریف سے لپٹے ہوئے تھے۔ حضرات صحابہ کرام حضور کی ہر وضع قطع کی روایت فرماتے ہیں تاکہ ان کی ہر کیفیت مسلمانوں کے ذہن نشین ہوجائے۔ محبوب کی ہر ادا ہی محبوب ہے۲ اب بھی اہل عرب یا تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں اگر ٹیک کا سہارا نہ ملے تو اپنے اردگرد چادر لپیٹ کر اس سے ٹیک کا کام لیتے ہیں۔ اس وقت حضور کی یہ وضع تھی۔

وَعَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَاَعْطَانِي مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اَصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ اَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَاَعْطِ الْاٰخَرَ اِمْرَاَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَاْمُرْ اِمْرَاَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۶۹) روایت ہے حضرت دحیہ ابن خلیفہ سے۱ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قباطی کپڑے لائے گئے۲ تو حضور نے مجھے اس میں سے ایک قبطی عطا فرمایا۔ پھر فرمایا اس کے دو ٹکڑے کرلو ان میں سے ایک قمیص کٹوالو اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دو وہ اس کا دوپٹہ بنالیں۳ پھر جب انہوں نے پیٹھ پھیری تو فرمایا اپنی بیوی سے کہہ دو کہ اس کے نیچے اور کپڑا رکھیں جو ظاہر نہ ہونے دے۴ (ابوداؤد)

(۴۱۶۹) ۱ آپ وہ ہی دحیہ کلبی مشہور صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبرائیل امین آیا کرتے تھے۔ انہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ چھ ہجری میں قیصر روم کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ شام میں قیام رکھا، حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی دحیہ دال کے کسرہ سے ہے۲ قباطی جمع ہے قبطیۃ کی، یہ ایک خاص قسم کے کپڑے کا نام ہے جو باریک سفید ہوتا ہے۔ مصر میں بنتا ہے اگرچہ قبط قاف کے کسرہ سے ہے مگر قبطی کپڑا ق کے پیش سے ہے۔ غالبًا کہیں سے ہدیۃً آئے تھے خریدے نہ گئے تھے۳

معلوم ہوا کہ یہ کپڑے ریشمی نہ تھے سوتی تھے ورنہ مرد کو اس کا پہننا حلال نہ ہوتا ؂ معلوم ہوا کہ اس زمانہ شریف میں بھی ایسے باریک کپڑے ایجاد ہوگئے تھے جن سے ستر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عورت کو باریک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھنا درست ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے باریک کپڑے کے نیچے کوئی موٹا کپڑا ضرور سر پر رکھے تاکہ بال و سر ظاہر نہ ہوں۔ ورنہ نماز درست نہ ہوگی اور بے پردگی بھی ہوگی خاوند کے سامنے تنہائی میں ویسے بھی اوڑھ سکتی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَهِيَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَيَّةً لَا لَيَّتَيْنِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۷۰) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے حالانکہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھیں تو فرمایا ایک پیچ دو نہ کہ دو پیچ؂ (ابوداؤد)

(۴۱۷۰) ؂ یعنی اے ام سلمہ دوپٹہ اس طرح اوڑھو کہ سر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا حصہ ڈھک جائے مگر صرف ایک پیچ سے ڈھکے دو پیچ نہ پھیرو تاکہ مردوں کے عمامہ کے مشابہ نہ ہوجائے اور زیادہ بڑا دوپٹہ نہ اوڑھنا پڑے کہ اس میں اسراف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت بہت دراز کپڑا پہننا ممنوع ہے۔ یونہی مردوں کو عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کو مردوں کے مشابہ کپڑا پہننا بھی ممنوع، عورتیں مرد لباس وضع قطع میں ممتاز چاہئیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ اِزَارِيْ اسْتِرْخَاءٌ فَقَالَ يَاعَبْدَ اللّٰهِ ارْفَعْ اِزَارَكَ فَرَفَعْتُهُ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُ فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاهَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِلٰى اَيْنَ قَالَ اِلٰى اَنْصَافِ السَّاقَيْنِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۷۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی؂ تو فرمایا: اے عبداللہ! اپنا تہبند اونچا کرو میں نے اونچا کرلیا فرمایا اور زیادہ میں نے اور زیادہ کرلیا؂ پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا؂ تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک؂ (مسلم)

(۴۱۷۱) ؂ اس طرح کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا تھا جو کہ مرد کے لیے منع ہے؂ حتی کہ آدھی پنڈلی تک اٹھ گیا۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے؂ یعنی اس فرمان عالی کے بعد میں نے جب بھی تہبند باندھا آدھی پنڈلی تک باندھا؂ یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے۔ بہتر یہ ہی ہے کہ مرد آدھی پنڈلی تک تہبند رکھے۔ اگرچہ ٹخنوں کے اوپر تک بھی جائز ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَّفْعَلُهُ خُيَلَاءَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۱۷۲) روایت ہے ان ہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا تکبراً نیچا رکھے؂ تو قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا؂ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا تہبند لٹک جاتا ہے؂ مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں؂ (بخاری)

(۴۱۷۲)۱؎ کپڑے سے مراد تہبند یا پاجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لیے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے۔ بے خیالی میں نیچے ہو جانا اتنا سخت ممنوع نہیں جیسا کہ آئندہ مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ غرضیکہ ان قیود سے بہت مسائل معلوم ہوئے ۲؎ یعنی نظر رحمت، نظر کرم وعنایت نہ فرمائے گا۔ اس کی شرح پہلے ہو چکی ۳؎ یعنی میں خود تو نہیں لٹکاتا بلکہ تہبند خود ہی لٹک جاتا ہے شکم کسی قدر بھاری ہے اس لیے پیٹ سے سرک جاتا ہے۔ نہ ارادہ ہے نہ غرور ۴؎ یعنی ہم نے تکبر وغرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے۔ تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَأْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ إِزَارِهِ مِنْ مُّقَدَّمِهِ عَلٰى ظَهْرِ قَدَمِهِ وَيَرْفَعُ مِنْ مُّؤَخَّرِهِ قُلْتُ لِمَ تَأْتَزِرُ هٰذِهِ الْإِزْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتَزِرُهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۱۷۳) روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے جناب ابن عباس کو دیکھا کہ وہ تہبند باندھتے تو اپنے تہبند کا اگلا کنارہ اپنے قدم کی پشت پر ڈالتے ۲؎ اور اس کے پیچھے سے اٹھاتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ اس طرح کیوں تہبند باندھتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی ازار پہنتے دیکھا ۳؎ (ابوداؤد)

(۴۱۷۳)۱؎ آپ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں وہ تو صحابی ہیں۔ بلکہ آپ عکرمہ تابعی ہیں حضرت ابن عباس کے کاتب اور آزاد کردہ غلام، فقہاء مکہ معظمہ سے ہیں۔ اسی سال عمر پائی ۱۰۷ ایک سو سات ہجری میں وفات پائی ۲؎ تہبند باندھنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ اگلے حصہ کا کنارہ زیادہ نیچا ہو حتیٰ کہ قدم پر پڑ جائے اور پچھلا حصہ اونچا ہو۔ اس میں پچھلے حصہ کا اعتبار ہے ۳؎ اس طرح تہبند باندھنا حضور سے کبھی کبھی ثابت ہوا ہے۔ اس سے صرف حضرت ابن عباس ہی کو اطلاع ہوئی اور صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں (مرقات)

وَعَنْ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْعَمَآئِمِ فَإِنَّهَا سِيمَآءُ الْمَلَآئِكَةِ وَارْخُوْهَا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

(۴۱۷۴) روایت ہے حضرت عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم عمامے اختیار کرو ۱؎ کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے ۲؎ اور انہیں اپنی پیٹھوں کے پیچھے لٹکاؤ ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۴۱۷۴)۱؎ ہمیشہ یا نماز کے وقت عمامہ باندھا کرو۔ عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے مگر عمامہ سنت کے مطابق چاہیے کہ ٹوپی پر باندھا جائے مع شملہ کے ہو عام دنوں میں سات ہاتھ ہو جو جمعہ کی نماز میں بارہ ہاتھ۔ شملہ آدھی پیٹھ تک سفید ہو یا سیاہ مگر سرخ رنگ کا نہ ہو عمامہ کے تفصیلی مسائل عالمگیری وغیرہ میں ملاحظہ کریں ۲؎ یا تو فرشتے رحمت کے نوری عمامہ باندھتے ہیں جو ان کی شان کے لائق ہے یا جب شکل انسان میں آتے ہیں تو عمامہ باندھ کر آتے ہیں۔ چنانچہ بدر میں جب غازیوں کی امداد کے لیے آئے تو عمامہ باندھتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (۳،۱۲۵) تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا (کنزالایمان) ۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شملہ پشت کے پیچھے لٹکاتے تھے۔ کبھی داہنی جانب سینہ پر ہوتا تھا دونوں طریقے سنت ہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ اَسْمَآءَ بِنْتَ اَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا

(۴۱۷۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ جناب اسماء بنت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۱؎

ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَّصْلِحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

ان پر باریک کپڑے تھے۲ حضور نے ان سے منہ پھیر لیا۳ اور فرمایا اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے۴ تو جائز نہیں کہ اس کا کوئی حصہ دیکھا جائے سوائے اس کے اور اشارہ فرمایا اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف۵ (ابوداؤد)

(۴۱۷۵)۱؎ حضرت اسماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں۔یعنی عائشہ صدیقہ کی بہن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے(مرقات)۲؎ ان کی قمیص بھی باریک کپڑے کی تھی جس سے بازو وغیرہ نظر آتے تھے اور دوپٹہ بھی باریک تھا جس سے سر کے بال چمک رہے تھے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی باریک کپڑے ایجاد ہوچکے تھے اب تو بہت ہی برا حال ہے۳؎ یہ منہ پھیر لینا یا تو اظہار ناراضی کے لیے تھا یا نگاہ پاک کی حفاظت کے لیے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول احکام سے پہلے بھی احکام پر عامل تھے۴؎ اس طرح کہ قریب بلوغ ہوجائے مراہقہ ،مراہقہ ہونے کی عمریں مختلف ہیں۔تندرست لڑکیاں جلد اور کمزور لڑکیاں دیر سے اس حد کو پہنچتی ہیں۔اس لیے لڑکی کے بلوغ کی عمر نو برس سے پندرہ برس تک کی عمر ہے اور لڑکے کے لیے بارہ برس سے پندرہ برس تک جیسی تندرستی وصحت ویسے ہی بلوغ،خیال رہے کہ حیض کے معنی ہیں حیض مگر اس سے مراد ہے بلوغ،کیونکہ لڑکی کا بلوغ اکثر اس سے ظاہر ہوتا ہے اگرچہ زیر ناف بال اور حمل بھی بلوغ کی علامت ہے۔پستان کا ابھار اس کی خاص علامت نہیں۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اگر باریک کپڑے میں سے جسم نظر آرہا ہو تو وہ ننگے جسم کے حکم میں ہے اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی دوسرے یہ کہ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک اور چہرہ ستر نہیں مگر اب اجنبی کو اس کا دیکھنا حرام ہے۔یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ مَطَرٍ قَالَ اَنَّ عَلِيًّا اِشْتَرٰى ثَوْبًا بِثَلٰثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ رَزَقَنِىْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِى النَّاسِ وَاُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۱۷۶) روایت ہے حضرت ابومطر سے۱ فرماتے ہیں کہ جناب علی نے ایک کپڑا تین درہم (بارہ آنہ) کا خریدا پھر اسے پہنا تو فرمایا اس اللہ کا شکر ہے،جس نے مجھے زینت کے لباس میں سے وہ عطا فرمایا جس سے میں لوگوں میں زینت حاصل کروں۲ اور اس سے اپنا ستر ڈھانپوں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کہتے سنا۳ (احمد)

(۴۱۷۶)۱؎ ابومطر تابعی ہیں مگر ان کا نام و حالات معلوم نہ ہوسکے۔تقریب میں فرمایا کہ آپ کی ملاقات حضرت علی سے ثابت نہیں۔لہذا یہ حدیث منقطع ہے یعنی درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے حجاج ابن ارطات نے کہا کہ آپ ثقہ ہیں۲؎ ریش کے لغوی معنی ہیں چڑیا کے،چونکہ پر اس کے لیے زینت ہیں اس لیے اب بمعنی زینت آتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا" (۲۶،۷) کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو۔(کنزالایمان) یہ ہے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا شکر کہ صرف تین درہم یعنی بارہ تیرہ آنے کا معمولی لباس پہن کر ایسا شکریہ ادا کررہے ہیں۳؎ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے میں بھی یہ کہتا ہوں مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالٰی کی ہر نعمت پر شکریہ ادا کرے اعلیٰ ہو یا معمولی۔

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ

(۴۱۷۷) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے۱ فرماتے ہیں کہ

اللّٰهُ عَنْهُ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَّبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ ثُمَّ عَمَدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِیْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِیْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِیْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِیْ سِتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپوں اور اس سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کروں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی نیا لباس پہنے پھر کہے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپالوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں۲ پھر پرانے کپڑے کی طرف توجہ کرے اسے خیرات کردے۳ تو وہ اللہ کی پناہ اور اللہ کی حفاظت اور اللہ کی پردہ پوشی میں ہوگا جیتے مرتے۴ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

(۴۱۷۷)۱ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے انصاری اوسی ہیں اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دوسال پہلے پیدا ہوئے اس لیے آپ کو تابعین میں سے مانا گیا ۱۰۰ھ میں وفات پائی بانوے سال عمر پائی۔ مدینہ منورہ کے علماء سے تھے رضی اللہ عنہ۲ یعنی لباس میں بہت سی خوبیاں ہیں ستر پوشی، زینت، سردی گرمی سے بچاؤ، نماز کی ادائیگی، لہذا یہ عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے۳ اس سے معلوم ہوا کہ نیا کپڑا، نیا جوتا، نئی ٹوپی غرضیکہ نیا لباس ملنے پر پرانا خیرات کردینا بہت ہی ثواب کا باعث ہے پرانی چیز کو یوں پھینک کر برباد نہ کردے کسی غریب کو دیدے اس کے کام آجائے گی مگر ہمیشہ پرانی ہی چیز نہ خیرات کرے، کبھی نئی اور دل پسند چیز بھی خیرات کرے۔لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳،۹۲) تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو (کنزالایمان) اور پرانا کپڑا ہمیشہ خیرات ہی نہ کردے کبھی خود بھی پہنے۔لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور نہ اس حدیث عائشہ صدیقہ کے بغیر پیوند لگے کپڑے کو پرانا نہ سمجھو کہ یہاں سخاوت کی تعلیم ہے وہاں تواضع کی۴ سبحان اللہ یہ رب تعالٰی کا کرم و بندہ نوازی ہے کہ ہم معمولی پھٹے پرانے کپڑے خیرات کریں اور وہ اس کی ایسی بہترین جزائیں عطا فرمائے۔ جب پھٹے پرانے کپڑوں کی خیرات پر یہ ثواب ہے تو نئے کپڑوں کی خیرات پر کتنا ثواب ہوگا۔ جیتے مرتے پردہ پوشی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی اسے زندگی میں اور بعد موت رسوا نہ ہونے دے گا۔اس کے عیب چھپا بھی لے گا بخش بھی دے گا۔

وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَلٰى عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَآئِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا. (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۴۱۷۸) روایت ہے حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ سے۱ وہ اپنی والدہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن۲ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئی حالانکہ ان پر باریک دوپٹہ تھا تو حضرت عائشہ نے اسے پھاڑ دیا۳ اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۴ (مالک)

(۴۱۷۸)۱ یہ علقمہ ابن قیس نہیں جو کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں بلکہ علقمہ ابن ابوعلقمہ ہیں۔ان کے باپ کا نام بلال ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ کے آزاد کردہ غلام،کنیت ابوعلقمہ۔آپ خود بھی تابعی ہیں اور ان کے والد ابوعلقمہ بھی تابعی۔ان کی ماں کا نام معلوم نہ ہوسکا۲ یہ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق ہیں اور حفصہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی بھتیجی ہیں اور منذر ابن زبیر ابن عوام

کی بیوی ۳؎ یعنی اس دوپٹہ کو پھاڑ کر دو رومال بنادیئے تاکہ اوڑھنے کے قابل نہ رہے، رومال کے کام آوے لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے یہ مال ضائع کیوں فرمادیا۴؎ یہ ہے عملی تبلیغ اور بچیوں کی صحیح تربیت و تعلیم اس دوپٹہ سے سر کے بال چمک رہے تھے، ستر حاصل نہ تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔

وَعَنْ عَبْدِالْوَاحِدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتِ ارْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰى جَارِيَتِىْ اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰى اَنْ تَلْبَسَهٗ فِى الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِىْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَىَّ تَسْتَعِيْرُهٗ . (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۱۷۹) روایت ہے حضرت عبدالواحد ابن ایمن سے۱؎ وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں جناب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان پر قطری قمیص تھی پانچ درہم والی۲؎ آپ بولیں تم اپنی نظر اس میری لڑکی کی طرف تو اٹھاؤ اسے دیکھو کہ یہ اس کو گھر میں پہننے سے نفرت کرتی ہے۳؎ اور اس کپڑے کی ایک قمیص میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں تھی تو مدینہ میں کوئی لڑکی دلہن نہ بنائی جاتی تھی مگر وہ میرے پاس بھیج کر مجھ سے منگالیتی تھی۴؎ (بخاری)

(۴۱۷۹)۱؎ آپ تابعین سے ہیں آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔قاسم ابن عبدالواحد کے والد ہیں قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں۔آپ نے بہت تابعین سے روایات لیں۔آپ کے والد ایمن بھی تابعی ہیں۔ابن ابی عمرو کے آزاد کردہ غلام ہیں۲؎ پہلے عرض کیا گیا کہ قطری مصری کپڑے کا نام تھا۳؎ یعنی یہ لونڈی ہونے کے باوجود اسے گھر میں نہیں پہنتی، اس سے نفرت کرتی ہے۔اس میں ذلت سمجھتی ہے۴؎ یعنی زمانہ اس قدر بدل چکا کہ چند سال پہلے یہ کپڑا نئی دلہنوں کو رخصت کرتے وقت پہنایا جاتا تھا اور اب لونڈیاں روزانہ کے کام کاج کے وقت بھی اسے گھر میں نہیں پہنتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دلہن کے لیے کپڑے عاریۃً مانگ لینا جائز ہے۔بخاری، احمد، نسائی نے حضرت انس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ ہر اگلا دن پچھلے دن سے اور اگلا سال پچھلے سال سے بدتر آوے گا۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زمانہ کو جس قدر نور نبوت سے دوری ہوگی اس قدر تکلف بڑھیں گے، نورانیت گھٹے گی (مرقات) اللہ تعالٰی حسن خاتمہ نصیب فرمادے، دنیاوی تکلفات سے بچائے۔جب اُس زمانہ میں ہی اس قدر فرق ہوچکا تھا تو اب اِس زمانہ کا کیا پوچھنا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءَ دِيْبَاجٍ اُهْدِىَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَكَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ اَوْشَكْ مَا انْتَزَعْتَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِىْ عَنْهُ جِبْرَائِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِىْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ اَمْرًا وَّاَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِىْ فَقَالَ اِنِّىْ لَمْ اُعْطِكَهٗ تَلْبَسُهٗ اِنَّمَا اَعْطَيْتُكَهٗ تَبِيْعُهٗ فَبَاعَهٗ بِاَلْفَىْ دِرْهَمٍ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۸۰) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیباج کی قبا پہنی جو آپ کو ہدیۃً پیش کی گئی تھی۱؎ پھر جلد ہی اسے اتار دیا پھر وہ جناب عمر کے پاس بھیج دی کہا گیا یارسول اللہ کس قدر جلد حضور نے اتار دیا تو فرمایا کہ مجھے اس سے جبرائیل نے منع کردیا۲؎ تب حضرت عمر روتے ہوئے حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ ایک چیز حضور نے ناپسند کی اور مجھے عطا فرمائی۳؎ تو میرا کیا حال ہے فرمایا ہم نے تم کو اس لیے نہ دیا کہ تم اسے پہنو اس لیے دیا کہ اسے بیچ لو۔تو حضرت عمر نے وہ دو ہزار درہم میں بیچا۴؎ (مسلم)

(۴۱۸۰)۱؎ اس وقت ریشم مردوں کے لیے ممنوع نہ ہوا تھا اور پہن لینے سے ہدیہ لانے والے کا دل خوش ہوتا اس لیے حضور انور نے پہن

لیا۲؎ یہ میرے پہنتے ہی جبرائیل امین رب العالمین کی طرف سے اس کے حرام ہونے کا حکم لے آئے اور اب سے مردوں کو ریشم پہننا حرام کردیا گیا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا حضرت جبرائیل نے بتایا نہ یہ مطلب ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور پر حرام فرمادیا۔ لہٰذا حدیث واضح ہے۳؎ یعنی کیا میں مسلمان نہیں ہوں، اس لیے حضور نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جو مسلمان کو پہننا ممنوع ہے۔ یہ حضرت عمر کا انتہائی خوف الٰہی ہے۴؎ نہ تو حضور انور نے خود فروخت کرکے اس کی قیمت استعمال فرمائی نہ حضرت عمر کو یہ حکم دیا کہ یہ کپڑا اپنی عورتوں کو پہنادو۔ بلکہ حکم دیا کہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ۔ کیونکہ یہ کپڑا بہت ہی قیمتی تھا اور جناب عمر کو اس وقت پیسہ کی ضرورت تھی حضور کی کرم نوازی بندہ پروری کی نظر ہر خادم پر رہتی تھی۔ حضور تو اب بھی ہم غلاموں پر نظر پرورش رکھتے ہیں۔ ہماری ضروریات پوری فرماتے ہیں باذن اللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی بڑے قیمتی کپڑے تیار ہونے لگے تھے کہ ایک قبا کی قیمت دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ تھی کیا شاندار کپڑا ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسَ قَالَ اِنَّمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمَتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَاَمَّا الْعَلَمُ وَسَدَا الثَّوْبِ فَلَابَاسَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۱۸۱) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے سے منع فرمایا جو خالص ریشمی ہو۱؎ لیکن نشان۲؎ اور کپڑے کا تانا اس میں حرج نہیں۳؎ (ابوداؤد)

(۴۱۸۱)۱؎ اس طرح کہ اس کا تانا بانا دونوں ریشم کا ہو۔ مصمت کے لغوی معنی ہیں ٹھوس، اس کا مقابل ہے کھکل مگر اصطلاح میں خالص کو مصمت کہا جاتا ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے۔ ریشم سے مراد اصل یعنی کیڑے کا ریشم، کیونکہ سن کا ریشم اور دریائی ریشم مرد کو حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں ہے ریشم اصل کی پہچان یہ ہے کہ اس کو جلاؤ تو اس سے گوشت کے جلنے کی سی بو آتی ہے۲؎ یعنی سوتی کپڑے پر نمبر یا کارخانہ کا نام یا کوئی علامت یوں ہی بیل بوٹا اگر ریشم کا ہو تو جائز ہے۔ بشرطیکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۳؎ اس طرح کہ کپڑے کا بانا سوت یا اون کا ہو اور تانا ریشم کا تو مرد کے لیے حلال ہے کیونکہ کپڑا تانے بانے ہی کا نام ہے وہ ہی بنا جاتا ہے لمبا تار تانا کہلاتا ہے، چوڑائی والا تار جو بنا جاتا ہے اسے بانا کہتے ہیں۔ بانے کا اعتبار ہے تانے کا نہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ رَجَآءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عِمْرَانُ ابْنُ حُصَيْنٍ وَّعَلَيْهِ مُطَرَّفٌ مِّنْ خَزٍّ وَّقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۱۸۲) روایت ہے حضرت ابو رجاء سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس عمران ابن حصین تشریف لائے حالانکہ آپ پر ریشمی نقشینی چادر تھی۲؎ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر اللہ انعام کرے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے۳؎ (احمد)

(۴۱۸۲)۱؎ آپ کا نام عمران ابن تمیم ہے۔ عطاروی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ایمان لائے مگر دیدار نہ کرسکے۔ اس لیے تابعی ہیں۔ حضرت عمر علی وغیرھما بہت صحابہ سے ملاقات کی۔ بہت عمر رسیدہ ہوئے۔ متبحر عالم تھے۔ ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات پائی۲؎ مطرف بروزن مکرم بنا ہے طرف سے، بمعنی کنارہ۔ مطرف وہ چادر کہلاتی ہے جس کے حاشیوں پر نقش ونگار بیل بوٹے ہوں، نیز وہ چادر بھی مطرف ہے جو ریشم وسوت مخلوط سے بنی جائے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یا تو سوتی یا اونی چادر تھی جس کے چوطرفہ حاشیوں پر ریشمی نقش و نگار بیل بوٹے تھے چار انگل یعنی ... ریشم سے مخلوط تھی کہ تانا ریشم کا تھا بانا اون یا سوتی

(مرقات) غرضیکہ بہت قیمتی چادر تھی ۳؎ یعنی میں نے ایسی قیمتی چادر شال اس لیے پہنی ہے کہ مجھے اللہ نے بہت دولت دی ہے تو اسے ظاہر کرتا ہوں شکریہ کے لیے۔

لطیفہ: منہاج العابدین میں ہے کہ فرقد سنجی ایک موٹا کمبل پہنے ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نہایت ہی شاندار جوڑا پہنے ہوئے تھے تو مرقد بطور اعتراض آپ کے کپڑے ٹٹولنے لگا۔ امام حسن نے فرمایا کیا دیکھتا ہے میرے کپڑے جنتیوں کے سے ہیں۔ تیرے کپڑے دوزخیوں کے سے۔ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ اکثر دوزخیوں کو موٹے کمبل پہنائے جائیں گے۔ پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کے کپڑوں میں زہد ہے دلوں میں تکبر (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَااَخْطَاَ تْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَّمَخِيْلَةٌ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجُمَةِ بَابٍ)

(۴۱۸۳) روایت ہے ابن عباس سے فرمایا جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو جب کہ دو چیزیں تم سے الگ رہیں فضول خرچی ۱؎ اور تکبر (بخاری ترجمہ باب)

(۴۱۸۳) ۱؎ یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ مباح کھانا کھاؤ اور بڑھیا سے بڑھیا مباح لباس پہنو اللہ نے اعلیٰ لباس اور اللہ نے کھانے تمہارے ہی لیے بنائے ہیں۔ حلال کھانے چھوڑنے کا نام تقویٰ نہیں۔ حرام خصلتیں چھوڑنے کا نام تقویٰ ہے۔ بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے مگر چرس پیتے، نماز کے قریب نہیں آتے اور اپنے کو پہنچا ہوا کہتے ہیں، واقعی وہ شیطان تک پہنچے ہیں ۲؎ کھانے پینے کی مقدار میں حد سے بڑھ جانا اسراف فضول خرچی ہے۔ کیفیت میں حد سے بڑھ جانا مخیلہ یا تکبر ہے اسی لیے علماء فرماتے ہیں **لا خیر فی اسرف ولا اسرف فی الخیر** یعنی اسراف میں بھلائی نہیں اور بھلائی میں اسراف نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دل ونفس کی ہر خواہش پوری کرنا اسراف ہے کہ جو دل چاہے وہ ہی کھائے پیئے اور فخر کی نیت سے اچھا کھانا مخیلہ ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَّلَا مَخِيْلَةٌ . (اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۸۴) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کھاؤ پیو اور خیرات کرو اور پہنو کہ جب تک فضول خرچی اور تکبر نہ ملے ۱؎ (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

(۴۱۸۴) ۱؎ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ہر طیب وحلال چیز کھاؤ، پہنو بشرطیکہ تکلف اور تکبر سے خالی ہو دل ٹھیک رکھو۔ مصرعہ:۔

درویش صفت باش کلاہ تتری دار

وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۱۸۵) روایت ہے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ لباس جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ سے ملو سفید کپڑے میں ۱؎ (ابن ماجہ)

(۴۱۸۵) ۱؎ یعنی مسجدوں میں نماز کے لیے سفید کپڑے پہن کر آؤ اور قبروں میں سفید کفن لے کر جاؤ کہ رب تعالیٰ سفید لباس پسند فرماتا ہے۔ مومن مرکر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے تو چاہیے کہ سفید کفن میں ملاقات کرے (مرقات) نیز مرتے ہی حضور کا دیدار بھی ہوتا ہے دوسرے مسلمانوں کی ملاقاتیں بھی تو چاہیے کہ سب کچھ سفید کفن میں ہو۔ اسی لیے کفن میں خوشبو ملتے ہیں کہ مدینہ کے دولہا سے مہکتے ہوئے

ملاقات ہو۔بعض لوگ شب کو وضو کر کے خوشبو مل کر سوتے ہیں کہ دیدار یار خواب میں نصیب ہو تو اچھی حالت میں ہو۔

بَابُ الْخَاتَمِ — انگوٹھی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

خاتم ت کے فتحہ سے صفت مشبہ یا آلہ ہے ختم سے بمعنی مہر چونکہ انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام ہوتا ہے جس سے مہر لگائی جاتی ہے۔اس لیے انگوٹھی کو خاتم کہتے ہیں یعنی مہر لگانے کا آلہ یا مہر لگانے والی چیز تمام ہو جانے کو ختم کہتے ہیں۔کیونکہ اس وقت مہر لگتی ہے۔خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی کہ آپ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی۔اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔حضرت مسیح پہلے کے نبی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّفِیْ رِوَایَةٍ وَّجَعَلَهٗ فِیْ یَدِهِ الْیُمْنٰی ثُمَّ اَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ وَّرِقٍ نُقِشَ فِیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَا یَنْقُشَنَّ اَحَدٌ عَلٰی نَقْشِ خَاتَمِیْ هٰذَا وَکَانَ اِذَا لَبِسَهٗ جَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا یَلِیْ بَطْنَ کَفِّهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۱۸۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی[۱] اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی[۲] پھر اسے علیحدہ کر دیا[۳] پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں نقش کیا محمد رسول اللہ[۴] اور فرمایا کہ کوئی اس انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ کرائے[۵] اور وہ پہنتے تو اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی سے متصل رکھتے[۶] (مسلم،بخاری)

(۴۱۸۶) [۱] یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جبکہ سونا پہننا مرد کو حرام نہ تھا۔حرام ہو جانے پر یہ عمل ممنوع ہو گیا۔خیال رہے کہ عورتوں کو چاندی سونے کی انگوٹھی جائز ہے مردوں کو ساڑھے چار ماشہ سے کم چاندی کی انگوٹھی جائز ہے جس میں نگینہ صرف ایک ہو۔تانبہ،پیتل لوہا وغیرہ کی انگوٹھی چھلا مرد وعورت دونوں کو حرام ہے۔اس کی پوری بحث کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔[۲] یہ حکم منسوخ ہے۔حضور کا آخری عمل یہ ہے کہ حضور نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے۔اب یہ ہی سنت ہے۔اگرچہ سیدھے ہاتھ میں پہننا بھی جائز ہے[۳] کیونکہ سونا پہننا مردوں کے لیے اب حرام ہو گیا[۴] اس طرح کہ محمد ایک سطر،رسول دوسری سطر اللہ تیسری سطر سب سے اوپر۔اس طرح محمد رسول اللہ۔یہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ شریف تک خلفاء کی انگلیوں میں رہی۔حضرت عثمان کے ہاتھ سے بیر اریس میں گر گئی جسے بیر خاتم بھی کہتے ہیں۔مسجد قبا کے سامنے ہے[۵] یعنی آپ لوگ ایسی انگوٹھی بنوا کر پہن سکتے ہو مگر نگینہ میں یہ نقش نہیں کھود سکتے۔کیونکہ بادشاہوں کے فرمان نامے اور احکام نبوی اس مہر سے مزین کر کے بھیجے جاتے ہیں اگر دوسروں کی انگوٹھی پر بھی یہ نقش ہو تو بڑے فساد پھیلیں گے۔مفتی صاحبان آج بھی اپنی مہر والی انگوٹھی بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں کہ اور کوئی شخص ان کے نام ان کی مہر سے غلط فتویٰ یا فیصلہ صادر نہ کر دے۔حکومت کی مہریں بڑی محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ان سب کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔یہ ممانعت اس زمانہ میں تھیں۔اب اگر کوئی یہ نقش اپنی انگوٹھی میں کندہ کرے اور تبرک کے لیے اپنے پاس رکھے تو بالکل جائز ہے کہ وجہ ممانعت اب باقی نہیں[۶] اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انگوٹھی نہ پہنتے تھے۔جب پہنتے تو نگینہ ہتھیلی سے متصل رکھتے۔دوسرے یہ کہ پہنتے تو ہمیشہ تھے مگر بعض اوقات استنجا وغیرہ کے وقت اتار دیتے تھے۔پھر جب پہنتے تو اس طرح پہنتے۔خیال رہے کہ اس طرح پہننے سے معلوم ہوا کہ حضور زینت کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کے لیے پہنتے ورنہ

زینت کی چیز تو نگینہ ہے وہ ہی چھپایا جاتا تھا۔اس وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ سوا بادشاہوں،قاضیوں،مفتیوں کے اورلوگ انگوٹھی نہ پہنیں تو اچھا ہے کہ انگوٹھی کی ضرورت ان ہی لوگوں کو رہتی ہے دوسروں کو ضرورت نہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۸۷) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ لباس پہننے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع[۱] میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا[۲] (مسلم)

(۴۱۸۷)[۱] ان تین چیزوں سے صرف مسلمان مردوں کو منع فرمایا گیا۔عورتوں کے لیے یہ تینوں چیزیں جائز ہیں[۲] یہ ممانعت مرد وعورت،دونوں کے لیے ہے رکوع وسجود دونوں میں تلاوت قرآن سب کو ممنوع ہے۔ان میں تسبیح ہی پڑھی جائیں،نماز میں تلاوت قرآن صرف قیام کی حالت میں چاہیے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَاذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَاوَ اللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَّقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۸۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا[۱] پھر فرمایا کیا تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری لیتا ہے۔اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے[۲] اس شخص سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کہ اپنی انگوٹھی لے لو اس سے کوئی اور نفع اٹھالو[۳] وہ بولے اللہ کی قسم میں اسے کبھی نہ لوں گا جب کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے[۴] (مسلم)

(۴۱۸۸)[۱] یہ ہے عملی تبلیغ کہ برائی کو بہ جبر روک دیا۔فرماتے ہیں کہ جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک نہ سکے تو زبان سے روکے یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے برا جانے[۲] اسے سمجھانے کے لیے یہ فرمایا یعنی مسلمان مرد کے لیے سونا پہننا گویا دوزخ کی چنگاری اپنے ہاتھ میں لینا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے[۳] یعنی حضور انور نے تم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا نہ کہ دوسرے نفع سے۔تم اسے اٹھالو،اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ یا گھر میں کسی عورت کو دے دو وہ استعمال کرے۔یہ تھا شریعت کا فتویٰ جو حضرات صحابہ نے اسے دیا اور بالکل درست تھا[۴] یہ ہے مفتی عشق کا فتویٰ کہ اب میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں گا کوئی فقیر اسے اٹھالے تاکہ یہ صدقہ میرے اس قصور کا کفارہ بن جائے جو میں نے پہلے بے خبری میں کیا کہ سونا پہنا۔اس میں مال کی بربادی نہیں بلکہ اپنا کفارہ ادا کرنا ہے (از اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ يُّكْتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَّفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلٰثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ

(۴۱۸۹) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کو کچھ لکھنا چاہا[۱] تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے[۲] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی ڈھلوائی حلقہ چاندی کا تھا جس میں محمد رسول اللہ کندہ کیا گیا[۳] (مسلم) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطریں تھیں۔محمد ایک سطر رسول ایک سطر اللہ ایک سطر[۴]

سَطْرٌ وَّرَسُوْلُ سَطْرٌ وَّاللّٰهُ سَطْرٌ ۔

(۴۱۸۹)۱؎ دعوت اسلام دینے کے لیے فرمان عالی۔کسریٰ لقب تھا شاہ فارس کا اور قیصر لقب تھا شاہ روم کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا،وہ نجاشی جو پہلے ہی اسلام لاچکا تھا اس کا نام اصحمہ تھا یہ ۶ھ میں اسلام لائے اور ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی حضور انور نے مدینہ منورہ میں ان کا جنازہ پڑھا۔ان کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اسے حضور انور نے دعوت اسلام دی اس کا نام اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوسکا۔اصحمہ نجاشی کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کے ساتھ اپنے نکاح کی قبولیت کا فرمان لکھا تھا۔انہیں دعوت اسلام نہ دی گئی تھی(مرقات)۲؎ یعنی ان بادشاہوں کا قانون یہ ہے کہ جس خط پر بھیجنے والے کے نام کی مہر نہ ہو اسے نہ قبول کرتے ہیں نہ سنتے ہیں وہ لوگ دنیاوی وجاہت والوں کے خطوط ہی پڑھتے سنتے ہیں عوام کے نہیں اور ان کے ہاں وجاہت کی علامت مہر ہے۳؎ ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انگوٹھی شریف کا صرف حلقہ چاندی کا تھا نگینہ کسی اور چیز کا تھا مگر حضور نے ایسی انگوٹھی بھی پہنی ہے جس کا حلقہ بھی چاندی کا تھا اور نگینہ بھی۴؎ اس انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا جس پر صرف یہ ہی عبارت لکھی تھی اس سے زیادہ عبارت نہ تھی جن روایات میں ہے کہ حضور کی انگوٹھی کا نقش پورا کلمہ طیبہ تھا وہ ضعیف ہیں۔

وَعَنْهُ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهٗ مِنْ فِضَّةٍ وَّكَانَ فَصُّهٗ مِنْهُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۱۹۰)روایت ہے انہی سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس کا تھا۱؎(بخاری)

(۴۱۹۰)۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھیاں مختلف رہی ہیں کبھی ایسی انگوٹھی پہنی ہے جس کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا اور کبھی ایسی کہ اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا یہاں اس دوسری قسم کی انگوٹھی کا ذکر ہے حق یہ ہے کہ یہ انگوٹھی خالص چاندی کی تھی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انگوٹھی لوہے کی تھی اس پر چاندی کا خول تھا اس کا ثبوت نہیں ملتا۔یہ روایت مرقات نے مکحول اور ابراہیم نخعی سے کی اور کہیں نہیں ملتی واللہ اعلم۔حق یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کبھی نہیں پہنی۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِیْ یَمِیْنِهٖ فِیْهِ فَصٌّ حَبَشِیٌّ كَانَ یَجْعَلُ فَصَّهٗ مِمَّا یَلِیْ كَفَّهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۱۹۱)روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جس میں حبشی نگینہ تھا۱؎ آپ اس کا نگینہ ہتھیلی شریف سے متصل رکھتے تھے(مسلم،بخاری)

(۴۱۹۱)۱؎ یہاں مرقات میں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا جس کا رنگ مائل بہ سیاہی تھا یعنی سرخ مائل بہ سیاہی،یہ عقیق تو یمنی تھا مگر اس کو بنایا گیا تھا حبشہ میں،اس لیے اسے حبشی کہا گیا پیداوار یمنی صنعت حبشی عقیق کا نگینہ بہت مبارک ہے حدیث شریف میں ہے تختموا بالعقیق فانه مبارك چاندی کی انگوٹھی عقیق سیاہ کا نگینہ بہت اعلیٰ ہے(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی طاعون سے محفوظ رکھتی ہے۔بعض میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی فقیری دور کرتی ہے۔یہ احادیث بہت اسنادوں سے مروی ہیں۔لہذا قوی ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ یَدِهِ الْیُسْرٰى ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۹۲)روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس میں تھی اور اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف اشارہ کیا۱؎(مسلم)

(۴۱۹۲)۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں انگوٹھی پہنی۔اسی طرح یعنی اس انگلی میں انگوٹھی پہننا بھی جائز۔بلکہ سنت سے ثابت ہے

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَخَتَّمَ فِیْ اِصْبَعِیْ هٰذِهٖ اَوْهٰذِهٖ قَالَ فَاَوْمٰى اِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِیْ تَلِيْهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۱۹۳) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اپنی اس انگلی میں یا اس میں انگوٹھی پہنوں فرمایا کہ بیچ والی انگلی اور اس کی برابر والی کی طرف اشارہ فرمایا[1] (مسلم)

(۴۱۹۳) [1] خیال رہے کہ عورتوں کو ہر انگلی میں انگوٹھی پہننا جائز ہے مگر مردوں کو تین انگلیوں میں پہننا منع ہے انگوٹھا، کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی اور دو انگلیوں میں پہننا مستحب ہے۔ چھنگلی اور اس کے برابر والی میں، یوں ہی مرد صرف ایک انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ وہ بھی چاندی کی سوا چار ماشہ تک، عورتیں سونے چاندی کی دس انگوٹھیاں دسوں انگلیوں میں پہن سکتی ہیں۔ (مرقات واشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ جَعْفَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَمِيْنِهٖ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ عَنْ عَلِيٍّ)

(۴۱۹۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[1] ابن ماجہ اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی سے روایت کی۔

(۴۱۹۴) [1] یعنی کبھی اپنے داہنے ہاتھ میں بھی پہنتے تھے، بیان جواز کے لیے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَسَارِهٖ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۱۹۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[1] (ابوداؤد)

(۴۱۹۵) [1] یعنی کبھی بائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی، علماء فرماتے ہیں کہ اولاً داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے پھر اسے ترک کردیا اور بائیں ہاتھ میں پہننا شروع فرمایا۔ لہذا آخری عمل یہ ہی ہے بہرحال جائز دونوں عمل ہیں مگر بہتر آخری عمل ہے یعنی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ حَرِيْرًا فَجَعَلَهٗ فِیْ يَمِيْنِهٖ فَاَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهٗ فِیْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِیْ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۱۹۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم لیا پھر اپنے بائیں ہاتھ میں سونا[1] پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں[2] (احمد، ابوداؤد، نسائی)

(۴۱۹۶) [1] مجمع میں لوگوں کے سامنے یہ دو چیزیں ہاتھ میں لیں تاکہ لوگ دیکھ لیں اور یہ دونوں چیزیں خوب واضح ہوجائیں [2] چونکہ ان دونوں چیزوں کو مستقل طور پر حرام فرمانا تھا، اس لیے حرام، واحد ارشاد فرمایا۔ حرامان تثنیہ نہ فرمایا، ورنہ احتمال یہ ہوتا کہ ریشم و سونا مل کر تو حرام ہے۔ اکیلے اکیلے حرام نہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا حرام، ان میں سے ہر ایک چیز مستقل حرام کہ ریشم بھی حرام ہے، سونا بھی حرام ہے مگر مردوں پر ہیں، عورتوں کے لیے یہ دونوں چیزیں حلال ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ حرام مصدر ہے جو واحد تثنیہ جمع سب کے لیے استعمال ہوسکتا ہے یہاں دو کے لیے ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۴۱۹۷) روایت ہے حضرت معاویہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

علیہ وسلم نے چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے۱ اور سونا پہننے سے منع فرمایا مگر ریزہ ریزہ۲ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۱۹۷)۱ اس کی شرح پہلے ہو چکی ہے کہ کاٹھی یا چارپائی پر چیتے کی کھال بچھا کر بیٹھنا ممنوع ہے کہ یہ طریقہ ہے متکبرین کا، نیز اس سے دل میں نخوت اور سختی پیدا ہوتی ہے۔ لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے، یہ حکم مردوں، عورتوں سب کے لیے ہے۲ یعنی مسلمان مرد کے لیے سونے کے ریزے حلال ہیں جیسے تلوار میں یا چاندی کی انگوٹھی میں سونے کے ریزے ہوں تو ان کا استعمال مرد کے لیے بھی حلال ہے۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔ کتب فقہ میں مردوں کے لیے سونے کے پچیس مقام لکھے ہیں کہ ان مقامات میں مردوں کو سونے کا استعمال حلال ہے۔ جیسے ہلتے دانت کو سونے کی زنجیر سے باندھنا، کٹی ناک کی جگہ سونے کی ناک لگانا، قلمدان یا چاقو کے دستہ میں سونے کے ریزے وغیرہ۔ ان کی پوری تفصیل شامی اور عالمگیری میں دیکھو۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ شَبَهٍ مَالِيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ الْاَصْنَامِ فَطَرَحَهٗ ثُمَّ جَآءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيْ اَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ اَتَّخِذُهٗ قَالَ مِنْ وَّرِقٍ وَّلَا تُتِمَّهٗ مِثْقَالًا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَدْ صَحَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصَّدَاقِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيْدٍ)

(۴۱۹۸) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس پر تانبہ کی انگوٹھی تھی۱ مجھے کیا ہوا کہ میں تم سے بتوں کی بو پاتا ہوں۲ اس نے وہ پھینک دی پھر آیا تو اس پر لوہے کی انگوٹھی تھی تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۳ اس نے وہ پھینک دی۴ پھر عرض کیا یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا چاندی کی اور اس کی ایک مثقال پوری نہ کرو۵ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سہل ابن سعد سے بروایت صحیح ثابت ہے مہر کے متعلق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ کچھ ڈھونڈ ھو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۶

(۴۱۹۸)۱ یعنی وہ تانبے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۲ اس زمانہ میں بھی اور اب بھی عموماً بت پیتل کے ہوتے تھے۔ اس لیے اسلام نے پیتل کے زیور ہر مسلمان کے لیے منع فرمائے۔ خواہ مرد ہو یا عورت انگوٹھی چھلہ بھی زینت کے لیے ہے۔ یہ بھی پیتل کا ممنوع ہے۳ دوزخی لوگ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے یہاں ان زنجیروں کو زیور فرمانا ان کی اہانت کے لیے ہے جیسے قیدی کی ہتھکڑی اور بیڑی کو اس کا زیور کہہ دیا جائے۴ کہ نہ اپنے آپ استعمال کی نہ اپنی بیوی کو استعمال کے لیے دی۔ کیونکہ پیتل لوہے کا زیور مرد و عورت سب کو ہی حرام ہے۔ خیال رہے کہ سونے چاندی کا استعمال مطلقاً حرام ہے کہ مسلمان مرد نہ اس کا زیور پہنے نہ کسی اور طرح استعمال کرے۔ عورتوں کو ان کے زیوروں کی اجازت ہے۔ دوسری طرح استعمال کرنا انہیں بھی حرام ہے، لہذا سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا یوں ہی ان کی گھڑی میں وقت دیکھنا ان کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے۔ ہاں ان کا کشتہ کھانا یا علاج کے لیے سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال ہے کہ یہ علاج ہے۔ ان کے علاوہ دیگر دھاتوں کا زیور حرام ہے۔ ان کا استعمال دوسری طرح درست ہے۔ لہذا تانبہ، پیتل، لوہے وغیرہ کے برتن گھڑیاں وغیرہ تمام کا استعمال درست ہے۔ غرضیکہ کے استعمال میں کئی طرح فرق ہے۵ لہذا مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی سوا چار ماشہ تک کی درست ہے۶ شاید اس فرمان عالی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی سے یہ کیوں فرماتے کہ اپنی بننے

والی عورت کے مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کرلو مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے۔اولاً تو اس لیے کہ اس فرمان عالی کے وقت لوہے پیتل کی حرمت کے احکام اسلام میں نہیں آئے اور اگر مان لیا جائے کہ احکام آچکنے کے بعد کی یہ حدیث ہے۔تب بھی اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہایت معمولی چیز ہی لے آ۔جیسے کہا جاتا ہے کہ تم مجھے دو مٹھی بھر خاک ہی دے دو۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ خاک پھانکنا درست ہے۔نیز وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا خول یا پانی تھا وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کی تھی پہننے کی نہ تھی اگر پہننے کی تھی تو لوہے کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے۔یہ حدیث ان سب کی ناسخ ہے۔دیکھو اس کی تفصیل کے لیے مرقات شرح مشکوٰۃ یہ ہی مقام۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَهُ خِلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخَلُوْقَ وَتَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَجَرَّ الْإِزَارِ وَالتَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحَلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقٰى اِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحَلِّهٖ وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۱۹۹) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس خصلتیں ناپسند فرماتے تھے[۱] زردی یعنی خلوق[۲] سفید بالوں کی تبدیلی[۳] اور تہبند گھسیٹنا[۴] اور سونے کی انگوٹھی پہننا اور غیر محل پر زینت ظاہر کرنا[۵] اور پانسے مارنا[۶] اور دم کرنا سوا معوذات کے[۷] اور تعویذ باندھنا[۸] اور پانی غیر محل میں ڈالنا[۹] اور بچہ کو بگاڑنا اسے حرام نہ فرمایا[۱۰] (ابوداؤد، نسائی)

(۴۱۹۹) [۱] خلال بکسر خ جمع ہے خــلــۃ کی بمعنی خصلت وعادت خصلت کی جمع ہے خصال اور خلت کی جمع ہے خلال [۲] خلوق ایک خوشبو خاص کا نام ہے جس میں زعفران پڑتا ہے یہ پیلا رنگ دیتی ہے اس لیے اس کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہے،عورتوں کے لیے جائز،بعض احادیث میں خلوق کی اجازت ہے مگر وہ سب احادیث منسوخ ہیں [۳] یا اس طرح کہ سفید بال اکھیڑ دیئے جائیں یا اس طرح کہ ان میں سیاہ خضاب کیا جائے،یہ دونوں کام ممنوع ہیں مرد کو بھی عورت کو بھی [۴] یعنی تہبند اتنا نیچا رکھنا کہ زمین پر گھسٹے،یہ عمل مرد وعورت سب کے لیے ممنوع ہے۔مرد کا تہبند ٹخنہ سے اونچا رہے عورت کا ٹخنہ سے نیچے [۵] یعنی عورت کا اپنی زینت نامحرم مردوں پر ظاہر کرنا حرام ہے۔یہ فرمانا بہت ہی جامع ہے اس سے پردہ کے متعلق بہت احکام مستنبط ہوسکتے ہیں [۶] کعاب جمع ہے کعب کی کعب نردشیر کھیل کے پانسوں کو کہتے ہیں،یہ کھیل کھیلتے وقت پانسے پھینکے جاتے ہیں،حق یہ ہے کہ نردشیر کھیل مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس میں جوا ہو یا نہ ہو اگر اس پر مالی ہار جیت ہو تب تو بہت ہی ممنوع ہے کہ کھیل ہے اور جوا بھی،ورنہ کھیل ہونے کی وجہ سے ممنوع۔غیر معتبر کھیل فعل عبث ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں [۷] معوذات سے مراد سورہ فلق اور سورہ ناس ہیں۔سوا سے مراد وہ منتر ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔شرکیہ الفاظ سے جھاڑ پھونک حرام ہے۔آیات قرآنیہ اور ماثورہ دعاؤں سے دم درود جائز بلکہ بہتر ہے اور دعائیں جن میں بتوں وغیرہ کا نام نہ ہو شرکیہ کلمات نہ ہوں ان سے دم بھی جائز ہے باقی سے حرام [۸] یہاں تعویذ سے مراد مشرکین کے تعویذ وگنڈے ہیں جن میں کفریہ الفاظ بتوں کے نام وغیرہ ہوں یہ حرام ہے آیات قرآنیہ،دعا اسلامیہ سے تعویذ باندھنا حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہے۔جیسا کہ باب المعوذات میں گزر گیا۔تمائم جمع ہے تمیمہ کی تمیمہ کے بہت معنی ہیں۔جادو،منتر،ٹونہ جانوروں کی ہڈیاں درد آنکھ کے لیے باندھنا اور تعویذ (اشعۃ اللمعات) [۹] یعنی حرام جگہ منی گرانا،زنا کرنا،لواطت کرنا،جلق سے منی نکالنا۔عورت کی دبر میں وطی کرنا یہ سب کام حرام ہیں [۱۰] یعنی جب بچہ دودھ پیتا ہو تو عورت سے صحبت کرنا اگر اس میں اندیشہ ہو کہ اس سے دودھ بھاری ہوکر بچہ کے لیے مضر ہوگا تو اس سے بچے،یہ کام حرام نہیں اس سے احتیاط بہتر ہے اس لیے فرمایا کہ اسے حرام نہ کیا۔محرمہ میں ہ کا مرجع یہ

آخری عمل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ مَوْلَاةً لَّهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَيْرِ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَفِيْ رِجْلِهَا اَجْرَاسٌ فَقَطَعَهَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۲۰۰) روایت ہے حضرت ابن زبیر سے کہ ان کی ایک آزاد شدہ لونڈی زبیر کی بیٹی کو عمر ابن خطاب کے پاس لے گئی حالانکہ ان کے پاؤں میں جھانجن تھے۱ تو انہیں حضرت عمر نے توڑ دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر جھانجھ کے ساتھ شیطان ہے۲ (ابوداؤد)

(۴۲۰۰) ۱یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر کی آزاد کردہ لونڈی ان کی بہن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائیں۔اس بچی کے پاؤں میں بجنے والے جھانجن تھے۔اجراس جمع جرس کی بمعنی جلاجل یعنی گھنگرو اور اس جیسی آواز دینے والی چیز۔اونٹ کے گلے کے گھنگروں اور باز کے پاؤں کے چھلوں کو بھی اجراس یا جلاجل کہتے ہیں۔ہمارے ہندوستان میں بھی پہلے عورتوں میں جھانجن کا رواج تھا۲ کیونکہ جھانجن ایک قسم کا باجا ہے اور جہاں باجا ہو وہاں فرشتہ رحمت نہیں ہوتا۔شیطان سے مراد وہ شیطان ہے جو کھیل تماشوں پر مقرر ہے۔قرین شیطان تو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے انگوٹھی کے باب میں یہ حدیث لانا نہایت ہی موزوں ہے کہ انگوٹھی ایک قسم کا زیور ہی ہے۔

وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْاَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ اِذْ دُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَّعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَاتُدْخِلْنَهَا عَلَيَّ اِلَّا اَنْ تُقَطِّعَنَّ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ جَرَسٌ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۲۰۱) روایت ہے حضرت بنانہ سے جو عبدالرحمن ابن حیان انصاری کی لونڈی ہیں۱ وہ جناب عائشہ کے پاس تھیں کہ آپ کی خدمت میں ایک بچی لائی گئی جس پر جھانجن تھے جو آواز کررہے تھے۲ آپ بولیں کہ اسے میرے پاس ہرگز نہ لاؤ مگر اس صورت میں کہ اس کے جھانجن توڑ دیئے جائیں۳ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں جھانجھ ہو۴ (ابوداؤد)

(۴۲۰۱) ۱بنانہ ب کے پیش سے ہے آپ تابعیہ ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت لیتی ہیں اور آپ سے جھانجن کے متعلق ہی روایات آتی ہیں (اکمال) ۲اس طرح کہ چلنے کی حالت میں بجتے تھے جیسا کہ مروجہ جھانجن میں دیکھا جاتا ہے۔علیہا سے مراد ہے ان کے پاؤں میں جھانجن تھے۔کیونکہ یہ زیور پاؤں میں پہنا جاتا ہے۳ یا اس طرح کہ ان کے اندر کے کنکر نکال دیئے جائیں یا اس طرح کہ اس کے گھنگرو الگ کردیئے جائیں یا اس طرح کہ خود جھانجن ہی توڑ دیئے جائیں غرضیکہ ان میں آواز نہ رہے۴ فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو خصوصی طور پر مسلمانوں کے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں یا وہاں ہی مقیم رہتے ہیں۔خصوصاً ان گھروں میں جہاں تلاوت قرآن کا ذکر خیر رہتا ہے۔اجراس سے مراد مطلقاً بجنے والا زیور ہے۔خواہ بچوں کے پاؤں یا جانوروں کے گلے یا پاؤں میں ہو۔اسی بنا پر فقہا فرماتے ہیں کہ دوسرے باجے حرام ہیں بعض حالات میں جائز ہوجاتے ہیں۔جیسے شادی نکاح پر اعلان کے لیے نوبت نقارہ اعلانات کے لیے۔جھانجھ حرام بعینہٖ ہے کبھی حلال نہیں ہوتی۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ اَنَّ جَدَّهٗ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُهٗ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ وَّرِقٍ

(۴۲۰۲) روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن طرفہ سے کہ ان کے دادا عرفجہ ابن سعد کی ۱کلاب کے دن ناک ٹوٹ گئی تو آپ نے

فَانْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَّخِذَ اَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

چاندی کی ناک بنوالی وہ آپ پر بدبو دینے لگی تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنالیں۲ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۰۲) ۱؎ حق یہ ہے کہ عبدالرحمٰن اور طرفہ دونوں تابعی ہیں مگر عرفجہ صحابی ہیں۔ کلاب کاف کے پیش سے جبلہ اور شام کے درمیان ایک گھاٹ کا نام ہے اور جبلہ و شام دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔ یہاں دو دفعہ جہاد ہوئے ہیں۔ انہیں کلاب اول اور کلاب ثانی کہا جاتا ہے۲؎ اسی حدیث کی بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو سونے کی ناک لگالینا جائز ہے۔ یوں ہی ہلتے دانت کو سونے کے تار سے باندھ لینا مباح ہے کہ سونے میں میل سے بدبو پیدا نہیں ہوتی۔ ہم پہلے بحوالہ شامی عرض کرچکے ہیں کہ پچیس جگہ مرد کو سونے کا استعمال درست ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّحَلِّقَ حَبِيْبَهُ حَلْقَةً مِّنْ نَّارٍ فَلْيُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِّنْ ذَهَبٍ وَّمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّطَوِّقَ حَبِيْبَهُ طَوْقًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّسَوِّرَ حَبِيْبَهُ سِوَارًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۲۰۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے وہ اسے سونے کی بالی پہنا دے۱؎ اور جو اپنے پیارے کو آگ کا طوق ڈالنا چاہے۲؎ وہ اسے سونے کا طوق پہنا دے۳؎ اور جو کہ اپنے پیارے کو آگ کے کنگن پہنانا چاہے وہ اسے سونے کے کنگن پہنائے۴؎ لیکن تم چاندی کو پکڑ لو اس سے کھیلو کودو۵؎ (ابوداؤد)

(۴۲۰۳) ۱؎ حبیب سے مراد پیارا بیٹا پوتا وغیرہ لڑکے ہیں۔ کیونکہ لڑکیوں کے لیے سونے کے زیور جائز ہیں حلقہ میں بالی، چھلا، انگوٹھی، طوق ہار، نیکلس وغیرہ سب ہی شامل ہیں بلکہ اس میں چوڑی کنگن وغیرہ بھی داخل ہیں مگر یہاں گلے کے زیور مراد نہیں کہ ان کا ذکر تو آگے آرہا ہے۲؎ طوق سے مراد گلے کا ہار و گلوبند وغیرہ ہیں۳؎ لہذا اپنے پیارے کو سونے کا ہار نہ پہناؤ۴؎ خیال رہے کہ کسی کو سونے کے زیور پہنانے کا یہ عذاب جب ہے جبکہ پہننے والا اس سے راضی وخوش ہو۔ چھوٹے ناسمجھ بچوں کو اگر زیور پہنائے گئے تو اس کا عذاب پہنانے والوں کو ہوگا نہ کہ ان بچوں کو کہ وہ تو بالکل بے قصور ہیں ربّ تعالٰی بے قصوروں کو نہیں پکڑتا۵؎ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بھی سونا نہ پہنیں، صرف چاندی پہنیں تب یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث سے جن میں عورتوں کو سونا پہننے کی اجازت دی گئی ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مرد صرف چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہو تو حدیث محکم ہے اسے بھی کھیل فرمانے سے اشارۃً بتایا کہ چاندی کی انگوٹھی بھی مرد کے لیے بہتر نہیں۔ یہ بھی کھیل کود ہی ہے۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَيُّمَا امْرَاَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا خُرْصًا مِّنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۰۴) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی اس کی گردن میں اسی طرح کا آگ کا ہار ڈالا جائے گا قیامت کے دن اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے گی تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے کان میں اسی طرح کی آگ کی بالی ڈالے گا۱؎ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۰۴)۱؎ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے۔اسلام میں اولاً سونا پہننا عورتوں کو بھی ممنوع تھا۔یہ حدیث اس وقت کی ہے بعد میں اجازت دی گئی یا اس سے وہ سونا مراد ہے جس کی زکوۃ نہ دی جائے گی۔اگرچہ زکوۃ چاندی کے زیور پر بھی ہے مگر اکثر چاندی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا۔آدھ سیر سے زیادہ چاندی کون عورت پہن سکتی ہے۔سونا تو ساڑھے سات تولہ ہو تب بھی زکوۃ لازم ہوجاتی ہے۔اس لیے خصوصیت سے سونے کا ذکر فرمایا گیا۔خیال رہے کہ مذہب حنفی میں پہننے کے زیور پر زکوۃ فرض ہے۔امام شافعی کے ہاں اس پر زکوۃ نہیں۔اس لیے شوافع حضرات اس حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔اول تو اس لیے کہ عورتوں کو سونے کا زیور مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔دوسرے اس لیے کہ مکروہ تنزیہی پر ایسی وعید نہیں ہوتی۔لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں قوی ہیں جو ہم نے عرض کیں۔

وَعَنْ اُخْتٍ لِحُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ اَمَا لَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَاتُحَلَّيْنَ بِهِ اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُحَلِّيْ ذَهَبًا تُظْهِرُهٗ اِلَّا عُذِّبَتْ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۰۵) روایت ہے حضرت حذیفہ کی بہن سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت کیا تمہارے پاس چاندی نہیں ہے جس کے زیور پہنو۲؎ خیال رکھو کہ تم میں کوئی عورت نہیں جو سونے کا زیور پہنے جسے ظاہر کرے۳؎ مگر اسی سے عذاب دی جائے گی۴؎ (ابوداؤد،نسائی)

(۴۲۰۵)۱؎ ان بہن صاحبہ کا نام اور حالات معلوم نہ ہوسکے مگر وہ صحابیہ ہیں۔اس لیے یہ معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔تمام صحابہ عادل ہیں۲؎ یعنی بے تکلف سونے کا زیور نہ پہنو کہ حیثیت نہ ہو مگر قرض ادھار یا تنگی برداشت کرکے سونا ہی پہنا جائے،چاندی کے زیور کو حقیر سمجھا جائے یہ نہ کرو۔لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔اس احتمال کی تائید اگلا مضمون کررہا ہے۳؎ اجنبی مردوں پر ظاہر کرے کہ اپنا حسن اور زیور دوسروں کو دکھائے یا فخر و غرور کے لیے دکھلاوہ کرے یا غریب عورتوں کو فخریہ دکھا کر انہیں دکھ پہنچائے۔آخری دو معنی زیادہ مناسب ہیں۔کیونکہ اجنبی مردوں کو چاندی کا زیور دکھانا بھی حرام ہے۔عورتیں سونے کا زیور اپنی سہیلیوں کو فخریہ دکھایا کرتی ہیں۔انہیں حقیر و ذلیل کرنے کے لیے وہ یہاں مراد ہے۴؎ اس فخر و اظہار پر عذاب پائے گی نہ کہ صرف زیور پہننے پر۔لہذا حدیث محکم ہے منسوخ نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ اَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۴۲۰۶) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیور اور ریشم والوں کو۱؎ منع فرماتے تھے۲؎ اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم پسند کرتے ہو تو اسے دنیا میں نہ پہنو۳؎ (نسائی)

(۴۲۰۶)۱؎ یعنی امیروں کو جو ہمیشہ ریشم اور سونے کے زیور پہن سکیں۲؎ ہمیشہ ریشم و زیور پہننے سے منع فرماتے تھے کہ نفس اچھے زیور پہننے کا عادی نہ ہوجائے۔بلکہ چاہیے کہ امیر آدمی بھی کبھی موٹا معمولی لباس پہن لیا کریں۔یہ زہد کی تعلیم ہے۔(مرقات)۳؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ نہ پہنو یا یہ ممانعت استحباب کی ہے،یعنی ریشم و زیور عورتوں کو نہ پہننا بہتر ہے۔عورت کا اصلی زیور ایمان تقوٰی پاکدامنی عفت ہے۔اس سے دائمی عزت ہے۔امام بغوی نے فرمایا کہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی وہ حدیث ہے احل

الذھب والحریر للاناث من امتی میں اپنی امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کرتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا فَلَبِسَهٗ قَالَ شَغَلَنِيْ هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُ الْيَوْمَ اِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَّاِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ اَلْقَاهُ . (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۴۲۰۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی[۱] پھر اسے پہنا فرمایا کہ اس نے آج مجھ کو مشغول کر دیا[۲] ایک نظر اس کی طرف رہی۔ ایک نظر تمہاری طرف[۳] پھر اسے علیحدہ کر دیا[۴] (نسائی)

(۴۲۰۷)[۱] چاندی کی انگوٹھی بنوائی یا سونے کی۔ اس کی تحقیق ان شاءاللہ آگے بھی آوے گی[۲] یعنی آج یہ واقعہ ہوا کہ اس انگوٹھی نے مجھے اپنی طرف مائل اور متوجہ کر لیا جس کی وجہ سے تمہاری اور تمہارے حالات کی طرف توجہ پوری نہ رہی۔ یہ منذ پوری مدت کے معنی میں ہے[۳] یہ اس توجہ کا بیان ہے۔ یعنی میں کبھی تو اس انگوٹھی کو دیکھتا ہوں اور کبھی تم کو۔ حالانکہ دل چاہتا ہے کہ میں ہر وقت تم کو ہی دیکھا کروں تمہاری ہی اصلاح کیا کروں۔ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت بڑی پیاری ہے اور اس کی اصلاح ہر وقت مدنظر ہے حضور چاہتے ہیں کہ ہر وقت امت پر نظر کرم رہے یہ ہے نظر کریمانہ[۴] اس میں اختلاف ہے کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت انس بیان فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی۔ اس کے علیحدہ کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسے مہر لگانے کے لیے رکھا تو اپنے پاس ہی مگر اسے پہنا نہیں اور پہننے کی نفی بھی ہیشگی کی ہے۔ یعنی ہمیشہ نہ پہنا، کبھی کبھی پہنا مگر اپنے قبضہ میں رکھا ہمیشہ۔ باقی محدثین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی اور الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نہ اسے پہنا نہ اپنے پاس رکھا بلکہ اسے تڑوا دیا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی بغیر نقش کی جو زینت کے لیے پہنی گئی تھی۔ حضور انور نے اسے الگ کر دیا۔ پھر بعد میں نقش والی انگوٹھی مہر لگانے کے لیے پہنی، ضرورت کی بنا پر، نہ کہ زینت کے لیے۔ لہذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو بلاضرورت چاندی کی انگوٹھی بھی پہننا بہتر نہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ قاضی بادشاہ، مفتی مہر لگانے کے لیے نقشینی انگوٹھی پہنیں، جس کے نگینہ میں اپنا نام کندہ ہو۔

وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ اَنَا اَكْرَهُ اَنْ يُّلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِاَنَّهٗ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَاَنَا اَكْرَهُهٗ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ . (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ)

(۴۲۰۸) روایت ہے حضرت مالک سے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ لڑکوں کو کچھ سونا پہنایا جائے[۱] کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا[۲] تو میں اسے بڑے چھوٹے مردوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں[۳] (موطا)

(۴۲۰۸)[۱] یوں ہی چاندی بھی چھوٹے بچوں لڑکوں کو نہ پہنائی جائے، سوا سوا چار ماشہ کی انگوٹھی کے، خلاصہ یہ ہے کہ سونے چاندی کا زیور بالغ مردوں کی طرح نابالغ لڑکوں کو پہننا حرام ہے مگر اس کا جرم پہنانے والے، عزیزوں پر ہوگا کہ ناسمجھ بچے شرعی احکام کے **مکلف نہیں**[۲] اور جب سونے کی انگوٹھی ہی مردوں کے لیے حرام ہے تو دوسرے زیور بدرجہ اولیٰ حرام ہیں[۳] یہ ہی مذہب ہے دوسرے اماموں کا بھی کہ سونے کا زیور نابالغ لڑکوں کو بھی نہ پہنایا جائے۔

بَابُ النِّعَالِ جوتے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

۱؎ نعال نون کے زیر سے ہر وہ چیز جو پیر کو مٹی سے بچائے اصطلاح میں ہر قسم کی جوتی کو نعال کہتے ہیں جوتی انسان کا زیور ہے۔ اسی لیے یہ لباس میں شامل ہے جوتی سنت انبیاء ہے اور حکم اسلامی ہے۔ جب حضرت آدم کو لباس دنیا عطا ہوا تو اس کے ہمراہ کھجور کے پتوں کا نعلین پاک بھی تھا۔ بڑی کشتی یعنی بحری جہاز اور چمڑے کا جوتا حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۰۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے ۱؎ فرمایا انہوں نے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنے ہوئے وہ جوتے جس میں بال نہ تھے ۲؎ (بخاری)

(۴۲۰۹) ۱؎ آپ صحابی ہیں آپ کا نام عبداللہ ہے فقہاء صحابہ میں سے ہیں عبادلہ ثلاثہ میں سے ایک ہیں ۲؎ یعنی کھال اچھی طرح صاف کرکے سب بال اتار دیئے ہوں جس طرح ہمارے ملک میں رواج ہے اس طرح بہت خوب صورت جوتا بنتا ہے۔ ایسا جوتا بھی زینت انسانی میں شامل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرد کو زینت کرنی جائز ہے جبکہ اس میں شرعی ممانعت نہ ہو نہ اس میں کفر سے مشابہت ہو نہ عورتوں سے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۱۰) روایت ہے حضرت انس سے فرمایا انہوں نے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک میں دو فیتے تھے ۱؎ (بخاری)

(۴۲۱۰) ۱؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی پاک مثل چپلی کے تھی اور اس کے دونوں چمڑے کے فیتے آپ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان سے ہو کر پنجے مبارک کے دائیں بائیں جڑے ہوئے تھے جس طرح نقشہ نعلین پاک میں ہے وہ شکل نہیں بلکہ جس طرح آج کل سپنچ کی چپل بناتے ہیں نقشہ پاک والی چپل نبی کریم نے اکثر پہنی ہے مگر یہ چپل کبھی کبھی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا يَقُوْلُ اسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۱۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا انہوں نے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوے میں جس غزوے میں خود شرکت فرمائی فرماتے سنا کہ زیادہ استعمال کرو جوتیوں کو، کیونکہ مرد جب جوتے پہنتا ہے سوار کی مثل رہتا ہے ۱؎ (مسلم)

(۴۲۱۱) ۱؎ یعنی چلنے کی مشقت سے بچ جاتا ہے جس طرح سوار دھول پتھر اور کانٹے سے بچ جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۱۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو داہنے سے شروع کرے ۱؎ اور جب اتارے تو بائیں سے شروع کرے تاکہ داہنا پاؤں میں پہلے پہنا جائے اور آخر میں اتارا جائے ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۲۱۲)۱؎ یہ حکم استحبابی ہے اس کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اچھا واعلیٰ کام داہنی طرف سے شروع کیا جائے اور ادنی اور گھٹیا کام بائیں طرف سے مسجد میں داخل ہو تو داہنا پاؤں پہلے داخل کرے بایاں پاؤں پیچھے جب نکلے تو اس کے برعکس کرے کہ بایاں پاؤں پہلے نکالے داہنا پاؤں پیچھے اور پاخانہ جاتے وقت بایاں پاؤں پاخانہ میں داخل کرے بعد میں داہنا مگر وہاں سے نکلتے وقت اس کے برعکس۔جوتا پہننا اعلیٰ کام ہے،اور اتارنا ادنیٰ کام لہذا یہ حکم دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جوتے یکدم اتارنا یا پہننا بھی سنت کے خلاف ہے اولاً داہنے پاؤں میں پہنے پھر بائیں میں۲؎ اسلام میں داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے اس لیے یہ حکم دیا گیا حتیٰ کہ وضو میں داہنے ہاتھ پاؤں پہلے دھو لیے جائیں بائیں بعد میں یہ ترتیب بہت جگہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَمْشِيْ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۱۳) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ایک جوتا میں نہ چلے۱؎ تو دونوں پاؤں ننگے کرے یا دونوں میں جوتے پہن لے۱؎(مسلم،بخاری)

(۴۲۱۳)۱؎ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے اسی حکم میں کرتہ اچکن وغیرہ کا پہننا ہے کہ کرتے اچکن کی ایک آستین پہن لینا دوسری یوں ہی لٹکتی رکھنا ممنوع ہے یہاں مرقاۃ میں اس حکم کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں ایک یہ ہے کہ یہ طریقہ شیطان کا ہے کہ وہ ایک جوتا پہن کر چلتا ہے نیز اس طرح چلنا کچھ دشوار بھی ہوتا ہے خصوصاً جب کہ جوتی کچھ اونچی ہو اور جگہ ناہموار ہو نیز یہ طریقہ شرفاء کا نہیں اور یہ کم عقلی کی علامت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں جو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک جوتا شریف میں چلتے دیکھا وہ تو اس حکم سے منسوخ ہے یا وہ عمل شریف گھر کے اندر کا ہے اور یہ حکم شریف باہر یا سڑک کا یا وہ حکم بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حکم بیان استحباب کے لیے یا وہ اتفاقاً نادر تھا یہ ممانعت ہمیشگی اور عادت ڈال لینے سے ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اس کی پوری تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهٖ فَلَا يَمْشِ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهٗ وَلَا يَمْشِ فِيْ خُفٍّ وَّاحِدٍ وَّلَا يَاْكُلْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَحْتَبِيْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفُ الصَّمَّاءَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۱۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک جوتا میں نہ چلے حتیٰ کہ اس کا تسمہ درست کرلے۱؎ اور نہ ایک موزے میں چلے۲؎ اور نہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے۳؎ اور نہ ایک کپڑے میں لیٹے۴؎ اور نہ سخت طریقہ سے کپڑے لپیٹے۵؎(مسلم)

(۴۲۱۴)۱؎ یا وہاں ہی بیٹھ کر درست کرلے یا گھر تک دونوں پاؤں سے ننگے جائے اور وہاں درست کرکے پھر پہنے مقصد یہ ہے کہ ضرورت پڑ جانے پر بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلو چہ جائیکہ بلاضرورت اس کی عادت ڈال لینا یہ تو بہت ہی برا ہے۲؎ عربی میں خف چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں جس پر مسح ہو سکے اور جراب،سوتی اونی ریشمی موزے کو کہا جاتا ہے۔جو قابل مسح نہیں اہل عرب کبھی چمڑے کے موزے کو جوتا کی طرح استعمال کرتے ہیں۔صرف ایک موزہ پہننا کہ دوسرا پاؤں کھلا رہے ممنوع ہے۔خواہ موزہ چمڑے کا ہو یا سوتی اونی ۳؎ کیونکہ داہنا ہاتھ افضل ہے اور کھانا اعلیٰ کام ہے تو اعلیٰ کام افضل ہاتھ سے کرنا بہتر ہے عرب میں مالدار سردار لوگ اظہار فخر کے لیے بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اور غربا،مساکین داہنے ہاتھ سے اسلام نے سب کے لیے داہنا ہاتھ معین فرمایا کہ اس سے کھایا پیا جائے۴؎ ایک کپڑے میں لیٹنا اس وقت ممنوع ہے جب کہ اس سے شرم گاہ کھل جاتی ہو اگر شرم گاہ ڈھکی رہے تو مضائقہ نہیں۵؎ اس کی شرح پہلے گزر گئی کہ اس طرح کپڑا اپنے جسم پر

لپیٹنا کہ ہاتھ بالکل بند جائیں بے تکلف کھل سکیں یہ ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّی شِرَاکُھُمَا ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۲۱۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتا شریف کے دو تسمے تھے۔ جو دو تسموں سے بٹے ہوئے تھے[۱] (ترمذی)

(۴۲۱۵)[۱] قبال اور شراک دونوں کے معنی ہیں تسمہ مگر شراک اکہرے تسمہ کو کہتے ہیں قبال بٹے ہوئے کو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جوتا شریف میں دو تسمہ ہوتے تھے ہر تسمہ بٹا ہوا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق کے نعلین پاک کا حال تھا ایک تسمہ کا جوتا سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے پہنا جواز کے لیے اب مروجہ جوتوں میں تسموں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں چپل کا رواج عام تھا۔ وہ بھی تسمہ والی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ)

(۴۲۱۶) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے کھڑے جوتا پہنے[۱] (ابوداؤد اور ترمذی و ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے روایت کی)

(۴۲۱۶)[۱] یہ ممانعت ان جوتوں میں ہے جن کے پہننے میں ہاتھ لگانا پڑتا ہے جیسے آج کل فل بوٹ تسمے والے یا چمڑے کے موزے کہ انہیں کھڑے کھڑے پہنے ان کے تسمے باندھنے میں گر جانے کا اندیشہ ہے عام معمولی جوتے جو بہ آسانی بغیر ہاتھ لگائے پہن لیے جاتے ہیں وہ کھڑے کھڑے پہننا بالکل جائز ہے جیسے دیسی اور گرگابی جوتے۔ (مرقات، لمعات واشعۃ اللمعات)

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَۃٍ وَّفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّھَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَّاحِدَۃٍ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا اَصَحُّ)

(۴۲۱۷) روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے[۱] وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ ایک جوتا میں چلے[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ خود آپ ایک جوتا میں چلیں (ترمذی) اور فرمایا یہ زیادہ صحیح ہے[۳]

(۴۲۱۷)[۱] آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے ہیں تابعی ہیں۔ حجۃ الوداع میں مقام ذوالحلیفہ پیدا ہوئے بڑے فقیہ عالم اور بڑے قاری تھے (مرقات، اشعہ) [۲] اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے معنی وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کیے گئے کہ ضرورۃً گھر کے صحن میں ایک دو قدم اس طرح چلے مثلاً دونوں جوتے شریف دور دور پڑے تھے ایک پاؤں مبارک میں جوتا پہن لیا پھر دو قدم چل کر دوسرے جوتے تک پہنچے اور وہ پہن لیا اور ممانعت کی احادیث میں باہر سڑک پر اس طرح چلنے کی ممانعت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں یا وہ احادیث اس حدیث کی ناسخ ہیں یا یہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے گزشتہ ممانعت کی حدیث بیان استحباب کے لیے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ایسے کام کرنا جو امت کے لیے مکروہ یا ممنوع ہیں بیان جواز کے لیے ہوتا ہے یہ عمل آپ کے لیے ممنوع نہیں۔ بلکہ آپ کو اس پر بھی ثواب ملے گا کیونکہ یہ عملی تبلیغ ہے جیسا کہ حضور انور کا کھڑے ہو کر پانی پینا بیان جواز کے لیے تھا ہمارے واسطے مکروہ ہے۔ حضور نے یہ

عمل تبلیغ مسئلہ کے لیے کیا (اشعۃ اللمعات) ۳؎ یعنی ترمذی نے حدیث مرفوع وموقوف دونوں کی روایت کی مگر حدیث موقوف کو اسناداً صحیح تر کہا کہ یہ عمل حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ اَنْ يَّخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعَهُمَا بِجَنْبِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۲۱۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا یہ بات سنت سے ہے کہ جب آدمی بیٹھے تو اپنے جوتا اتارے انہیں اپنے برابر رکھ لے ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۲۱۸) ۱؎ یعنی مجلس میں نہ تو جوتے پہن کر بیٹھے کہ یہ بدتمیزی ہے اور نہ جوتے اپنے آگے رکھے کہ یہ قبلہ معظمہ کی بے ادبی ہے نہ اپنی داہنی طرف رکھے داہنا حصہ عظمت والا ہے نہ پیچھے کہ اس میں جوتا چوری ہو جانے کا خطرہ ہے لہذا اپنی بائیں طرف رکھے (مرقات ولمعات) اب تو فیشن پرست مسلمان مع جوتا فرش پر بیٹھ کر روٹی کھاتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّجَاشِيَّ اَهْدٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ اَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ) عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

(۴۲۱۹) روایت ہے ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ سادہ موزے ہدیۃً بھیجے حضور نے انہیں پہنا ۲؎ (ابن ماجہ اور ترمذی) نے ابن بریدہ عن ابیہ سے یہ زیادتی کی کہ پھر حضور نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا ۳؎

(۴۲۱۹) ۱؎ بعض نسخوں میں ابو بریدہ ہے مگر غلط ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ ابو بریدہ کنیت ہے۔ عبداللہ ابن بریدہ مرو کے حاکم تھے سلیمان ابن بریدہ کے بھائی ہیں دونوں بھائی ثقہ ہیں مگر حضرت عبداللہ بہت شاندار ہیں (اشعۃ اللمعات) ۲؎ اصحمہ یعنی نجاشی جو شاہ حبشہ تھے پہلے عیسائی تھے پھر حضرت عبداللہ ابن جعفر وغیرہم صحابہ کرام کی تبلیغ پر مسلمان ہوئے انہوں نے خالص سیاہ رنگ کے چمڑے کے موزے حضور انور کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے حضور نے پہنے بعض علماء فرماتے ہیں کہ موزے سیاہ رنگ کے بہتر ہیں اور جوتے پیلے رنگ کے افضل۔ بہتر یہ ہے کہ موزے سادہ ہوں ان پر دھاگے وغیرہ کے نقش ونگار نہ ہوں ۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جناب نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور قمیص پاجامہ چادر اور موزوں کا جوڑا بھیجا خط میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کا نکاح بی بی ام حبیبہ سے کر دیا ہے آپ کی قوم سے ہیں میرے ملک میں ہیں حضور قبول فرمائیں اور یہ حقیر سے ہدایا تحفے میں منظور کریں سرکار نے منظور فرمائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے یا جوتے اگرچہ کفار نے بنائے ہوں بغیر تحقیق کیے پہنے جاسکتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ وہ پاک ہوں گے بلا وجہ ناپاک نہ سمجھو (مرقات) معلوم ہوا کہ حضور انور نے پاجامہ کا ہدیہ قبول کیا مگر پہننا ثابت نہیں۔

بَابُ التَّرَجُّلِ
کنگھی کرنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

جس کے سر پر بال ہوں وہ انہیں پریشان نہ رکھے ان میں کنگھی وغیرہ کرتا رہے اس باب میں کنگھی کے علاوہ اور چیزوں کا ذکر بھی ہوگا۔ جیسے خضاب وغیرہ۔

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۲۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کنگھی کرتی تھی حالانکہ میں حائض ہوتی تھی ۱ (مسلم، بخاری)

(۴۲۲۰) ۱ جب حضور انور اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک گھر کی کھڑکی میں داخل فرما دیتے تھے۔ام المومنین حضور کا سر دھو بھی دیتی تھیں تیل کنگھی بھی کر دیتی تھیں معلوم ہوا کہ بحالت حیض عورت کا جسم پاک ہوتا ہے۔وہ ناپاکی حکمی ہے اور بحالت اعتکاف اپنے بعض اعضاء مسجد سے باہر نکال دینا جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۲۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں ۱ ختنہ کرنا ۲ استرا لینا ۳ مونچھیں کاٹنا ۴ ناخن تراشنا ۵ اور بغل کے بال اکھیڑنا ۶ (مسلم، بخاری)

(۴۲۲۱) ۱ سنت قدیمہ جو گزشتہ انبیاء کرام کا بھی طریقہ رہا ہو اسے فطرت کہتے ہیں گویا وہ انسان کی پیدائشی عادت ہے یہاں پانچ کا ذکر حد کے لیے نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی سنتیں انبیاء ہیں جو دوسری احادیث میں مذکور ہیں ۲ ختنہ امام اعظم کے ہاں سنت ہے امام شافعی کے ہاں فرض (مرقات) سات سال کی عمر تک ختنہ کر دینا چاہیے نومسلم جوان آدمی کا نکاح ایسی عورت سے کر دیا جائے جو ختنہ کرنا جانتی ہو پھر ختنہ کے بعد چاہے تو طلاق دے دے جو بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں خیال رہے کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے حضرت آدم،شیث،نوح،صالح،شعیب،یوسف،موسیٰ،زکریا،سلیمان،عیسیٰ،حنظلہ ابن صفوان جو اصحاب رس کے نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرات ختنہ شدہ ناف بریدہ پیدا ہوئے عورتوں کا ختنہ ہمارے ہاں مکروہ ہے ۳ یعنی ناف کے نیچے اور پاخانہ کے مقام کے بال استرا سے صاف کرنا سنت ہے مردوں کے لیے اور کسی دواء سے صاف کر دینا مرد کے لیے خلاف سنت ہے قینچی سے یہ بال کاٹ دینا مرد عورت دونوں کے لیے خلاف سنت ہے۔بحالت جنابت کوئی بال کاٹنا مونڈھنا بہتر نہیں (مرقات) ۴ اوپری ہونٹ کے بالوں کو مونچھ کہا جاتا ہے یہ اتنے کاٹے جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ خوب کھل جائے پانی پیتے وقت یہ بال پانی میں نہ ڈوب سکیں مونچھیں مونڈنا یا بہت زیادہ پست کر دینا خلاف سنت ہے۔محیط میں ہے کہ مردوں کو سر منڈانا عام حالات میں اچھا نہیں احرام کھولتے وقت سنت ہے حلق کے بال نہ منڈائے بھویں اور چہرے کے کچھ کچھ بال الگ کر دینا جائز ہے جبکہ ہیجڑوں سے تشبہ نہ ہو۔سینہ اور پیٹھ کے بال مونڈھنا یا کترنا مستحب نہیں (مرقات) ۵ اس طرح ناخن تراشے کہ ہاتھوں کے پہلے پاؤں کے بعد میں داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے شروع کرے چھنگلی تک کاٹ دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرے انگوٹھے تک کاٹ دے پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹ دے جو کوئی جمعرات کے دن ناخن تراشا کرے ان شاء اللہ فقیر نہ ہوگا۔حجامت جمعرات کو چاہیے اور غسل تبدیلی لباس خوشبو جمعہ کو افضل ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پر ناخن کا لباس تھا جنت سے باہر آ کر یہ کپڑوں کا لباس عطا ہوا آپ کا جسم ساٹھ ہاتھ تھا (مرقات) ۶ بغل کے بال اکھیڑنا سنت ہے منڈانا جائز امام شافعی منڈایا کرتے تھے ناک کے بال اکھیڑنا ممنوع ہے اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔(مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۲۲۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مخالفت کرو مشرکین کی ۱؎ داڑھی بڑھاؤ ۲؎ اور مونچھیں پست کراؤ اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں نیچی کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ ۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۲۲۲) ۱؎ مشرکین سے مراد کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب مخالفت سے مراد شکل، لباس وضع قطع سب میں مخالفت ہوسکتی ہے مگر یہاں شکل میں مخالفت مراد ہے جیسا کہ اگلی تفسیر سے ظاہر ہے یہ امر وجوب کے لیے ہے کہ مسلمان کو کفار کی سی شکل بنانا حرام ہے۔ ۲؎ اوفروا بنا ہے وفر سے بمعنی بڑھانا زیادہ کرنا لحی جمع ہے لحیہ کی بمعنی ڈاڑھی رخسار اور ٹھوڑی پر جو بال ہیں انہیں لحیہ یعنی ڈاڑھی کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ڈاڑھی کو ہاتھ نہ لگاؤ اسے بڑھنے دو اس بڑھنے کی حد دوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی کی لمبائی چوڑائی سے کچھ کترتے تھے اسے حضرت عبداللہ ابن عمر کے فعل شریف نے واضح کیا آپ چار انگلی یعنی مٹھی بھر سے زیادہ کو کٹوا دیتے تھے دیکھو بخاری کتاب الحج اور شامی وغیرہ اگر عورت کے ڈاڑھی نکل آوے تو اس کا اکھیڑ دینا ضروری ہے کہ وہ ڈاڑھی نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ ڈاڑھی مشت سے کم کرنا بھی منع ہے اور اس سے زیادہ کرنا بھی منع اور ہر دو کے پیچھے نماز مکروہ (مرقات وشامی) ۳؎ احفاء اور اعفاء دونوں کے معنی ہیں بڑھانا کفار کی مخالفت کو حضور انور نے مقرر فرمادیا کہ ڈاڑھی بڑھا کر ان کی مخالفت کرو اگر کسی جگہ کے کفار ڈاڑھی رکھاتے ہوں، جیسے ہمارے ہاں کے سکھ تو ان کی مخالفت میں ڈاڑھی مونڈانا حرام ہے کہ مخالفت کو حضور نے مقرر فرمادیا یہ بھی خیال رہے کہ ایک مشت ڈاڑھی قرآن مجید سے بھی ثابت ہے حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ (۲۰،۹۴) نہ میری داڑھی پکڑو (کنزالایمان) میری ڈاڑھی نہ پکڑو معلوم ہوا کہ آپ کی ڈاڑھی اتنی تھی کہ پکڑنے میں آجائے وہ مٹھی بھر ہی ہے انبیاء کرام کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ کثّ اللحیہ یعنی بھری ڈاڑھی والے تھے بھری ڈاڑھی مشت سے کم نہیں ہوسکتی لہٰذا فرنچ یا خشخشی مشت سے کم ڈاڑھی رکھنا حرام ہے کہ یہ منڈانے کے حکم میں ہے اس کی بحث شامی کتاب الصوم میں دیکھو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۲۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے اور ناخن کترنے اور بغل اکھیڑنے اور زیر ناف کے بال مونڈھنے کے متعلق وقت یہ مقرر کیا گیا کہ ہم چالیس شب سے زیادہ نہ چھوڑیں ۱؎ (مسلم)

(۴۲۲۳) ۱؎ یعنی چالیس سے زیادہ دیر لگانا ممنوع ہے۔ سنت یہ ہے کہ مونچھیں و ناخن ہر جمعہ کو کاٹے زیر ناف کے بال بیس دن میں کاٹ لے لہٰذا ہفتہ افضل ہے پندرہ دن درمیانے چالیس دن انتہائی مدت دراز ناخن سے روزی گھٹتی ہے حدیث شریف میں ہے جمعہ کے دن ناخن تراشے تو انشاء اللہ دس دن تک بلاؤں سے محفوظ رہے گا (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۲۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عیسائی نہیں رنگتے تو تم ان کی مخالفت کرو ۱؎ (مسلم، بخاری)

(۴۲۲۴) ۱؎ لہٰذا اپنے سر کے بال اور ڈاڑھیاں جب سفید ہو جائیں تو مہندی سے خضاب لگا لیا کرو یہ حکم استحبابی ہے مہندی سے خضاب

کرتے رہنا بہتر ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اُتِیَ بِاَبِیْ قُحَافَةَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَاْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ كَالثُّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۲۵) روایت ہے حضرت جابر سے کہ فرماتے ہیں کہ ابو قحافہ فتح مکہ کے دن لائے گئے۱؎ حالانکہ ان کا سر اور ڈاڑھی سفیدی میں ثغامہ کی طرح تھی۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کسی چیز سے بدل دو اور سیاہی سے بچو۳؎ (مسلم)

(۴۲۲۵)۱؎ ابو قحافہ کا نام عثمان ابن عامر ہے قرشی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور خلافت فاروقی تک زندہ رہے ننانوے سال عمر پائی ۱۴ھ میں وفات ہوئی حضرت ابوبکر صدیق کے والد ہیں آپ سے کچھ احادیث حضرت ابوبکر صدیق اور اسماء بنت ابوبکر نے روایت کیں (مرقات) جب آپ کو حضور کی خدمت اقدس میں لایا گیا تاکہ ایمان قبول کرلیں تو حضور انور نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ابو قحافہ کو یہاں آنے کی تکلیف کیوں دی ہم خود ان کے پاس جاکر انہیں مسلمان کرتے (اشعہ) ۲؎ ثغامہ ایک گھاس کا نام ہے جو بہت سفید ہوتی ہے برف کی طرح فارسی میں اسے درمنہ سفید کہتے ہیں یعنی حضرت ابو قحافہ کے سر و ڈاڑھی کے بال ایسے سفید تھے جیسے ثغامہ گھاس حضرت ابوبکر صدیق انہیں اٹھا کر حضور کی خدمت میں لائے تھے۔ (مرقات) ۳؎ یعنی ان سر کے اور ڈاڑھی میں سیاہی کے سوا کسی رنگ کا خضاب کردو چنانچہ مہندی سے سرخ خضاب کردیا گیا۔ حق یہ ہے کہ سیاہ خضاب مرد عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ حضرت عثمان غنی و امام حسن و حسین نے سیاہ خضاب لگایا ہے مگر زینت کے لیے نہیں بلکہ غزوات میں کفار پر رعب طاری کرنے کے لیے کہ وہ لوگ آپ کو بوڑھا نہ سمجھ سکیں اور آپ پر دلیر نہ ہوجائیں اب بھی بحالت جہاد غازی کو سیاہ خضاب درست ہے (مرقات) حضور انور نے ڈاڑھی شریف میں کبھی خضاب نہ کیا کہ حضور کے بال خضاب کی حد تک سفید نہ ہوئے صرف چند بال شریف سفید تھے چند بار سر شریف میں مہندی لگائی تھی دردسر کی وجہ سے (مرقات) حضرت ابوبکر صدیق نے مہندی اور وسمہ کا خضاب کیا ہے مگر وسمہ اتنا ہوتا تھا' جس سے سیاہ رنگت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ پختہ سرخ رنگ ہوتا تھا۔ اسی طرح اور صحابہ سے بھی خضاب منقول ہے (اشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتٰبِ فِيْمَا يُؤْمَرُ فِيْهِ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۲۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں میں جس میں خاص حکم نہ دیا گیا ہو اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۱؎ اور اہل کتاب اپنے بالوں کو کھلے رکھتے تھے۲؎ اور مشرکین اپنے سروں میں مانگ نکالتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بال کھلے چھوڑے۳؎ پھر بعد میں مانگ نکالی۴؎ (مسلم، بخاری)

(۴۲۲۶)۱؎ موافقت اور مشابہت میں بڑا فرق ہے کفار سے مشابہت بہر حال حرام ہے موافقت جائز ہے مگر جائز چیزوں میں مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں سے حضور انور کو منع نہیں فرمایا گیا ان میں ایسے کام اختیار فرماتے تھے جو مشرکین کے مخالف ہوں اہل کتاب کے موافق ۲؎ یعنی سر کے بالوں میں مانگ نہ نکالتے تھے یوں ہی کھلے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۳؎ پیشانی سے مراد سر ہے بعض روایات میں راسہ ہے یعنی حضور انور نے مانگ نہ نکالی بلکہ بال شریف کھلے رکھے۴؎ کیونکہ جبرائیل امین نے حضور انور سے یہ ہی عرض کیا کہ مانگ نکالا کریں چنانچہ اب مسلمانوں کو

یہ ہی سنت ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْھٰی عَنِ الْقَزَعِ قِیْلَ لِنَافِعٍ مَاالْقَزَعُ قَالَ یُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِیِّ وَیُتْرَکُ الْبَعْضُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَاَلْحَقَ بَعْضُھُمُ التَّفْسِیْرَ بِالْحَدِیْثِ)

(۴۲۲۷) روایت ہے نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ قزع سے منع فرماتے تھے[۱] نافع سے کہا گیا کہ قزع کیا ہے فرمایا کہ بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جائے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے[۲] (مسلم، بخاری) اور بعض محدثین نے اس تفسیر کو حدیث سے ملایا ہے[۳]

(۴۲۲۷) [۱] قزع قاف کے فتحہ سے بمعنی بادل کے ٹکڑے اب اصطلاح میں سر کا بعض حصہ منڈوانے یا کترانے اور بعض رکھانے کو قزع کہتے ہیں اسے بادل کے ٹکڑوں سے تشبیہ دیتے ہوئے۔ یہ ممانعت بچوں بڑوں سب کے لیے ہے۔ مجبوری کے حالات اس سے علیحدہ ہیں جیسے کبھی سرسام میں بیمار کا تالو کھول دیا جاتا ہے یعنی صرف بیچ کھوپڑی کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں ویسے بلا ضرورت ممنوع ہے کہ کراہت تنزیہی ہے انگریزی حجامت بھی قزع ہے[۲] بچوں کا ذکر اتفاقًا ہے کہ عرب میں بچوں ہی کی حجامت اس طرح کی جاتی ہے ورنہ یہ ممانعت چھوٹے بڑوں سب کے لیے ہے[۳] یعنی اس روایت میں اس طرح مروی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ تفسیر ارشاد فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی صَبِیًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَاْسِہٖ وَتُرِکَ بَعْضُہٗ فَنَھَاھُمْ عَنْ ذٰلِکَ وَقَالَ احْلِقُوْا کُلَّہٗ اَوِاتْرُکُوْا کُلَّہٗ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۲۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا گیا اور کچھ چھوڑ دیا گیا تھا تو انہیں اس سے منع فرمایا اور فرمایا یا کل سر مونڈ دو یا کل سر چھوڑ دو[۱] (مسلم)

(۴۲۲۸) [۱] خیال رہے کہ کل سر منڈانا جائز ہے مگر بہتر نہیں سوا احرام سے کھلنے کے وقت کہ وہاں سر منڈانا بہتر ہے باقی حالات میں منڈانا بہتر نہیں سوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی نے سر نہ منڈایا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرقات) حضرت علی کے سر منڈانے کی حکمت شروع کتاب میں عرض کی گئی اس زمانہ میں تو سر منڈانا بہت ہی برا ہے کہ وہابیوں کی علامت ہے حضور نے وہابیوں کے متعلق ارشاد فرمایا سیما ھم التحلیق ان کی علامت سر منڈانا ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگریزی بال رکھنا یا قلمیں بنوانا سب ممنوع ہے کہ اس میں قزع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَقَالَ اَخْرِجُوْھُمْ مِنْ بُیُوْتِکُمْ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۲۲۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں پر[۱] اور مرد بننے والی عورتوں پر لعنت کی[۲] اور فرمایا کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو[۳] (بخاری)

(۴۲۲۹) [۱] مخنث بنا ہے خنث سے بمعنی نرمی یا پیچیدگی مخنث وہ لوگ جو ہوں تو مرد مگر ان کی آواز وضع قطع عورتوں کی سی ہو مخنث دو قسم کے ہیں ایک پیدائشی دوسرے بناوٹی یہاں بناوٹی مخنثوں کا ذکر ہے انہیں پر لعنت ہے کہ پیدائشی مخنث تو مجبور ہے معلوم ہوا کہ مرد کا عورتوں کی طرح لباس پہننا، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا عورتوں کی طرح بولنا ان کی حرکات وسکنات اختیار کرنا سب حرام ہے کہ اس میں عورتوں سے تشبیہ ہے اس پر لعنت کی گئی بلکہ ڈاڑھی مونچھ منڈانا حرام ہے کہ اس میں بھی عورتوں سے مشابہت ہے اور عورتوں کے سے لمبے بال رکھنا ان میں مانگ چوٹی

کرنا حرام ہے کہ ان سب میں عورتوں سے مشابہت ہے عورتوں کی طرح تالیاں بجانا مٹکنا کولہے ہلانا سب حرام ہے اسی وجہ سے۲؎ یعنی عورتوں کا مردوں کی سی شکل بنانا ان کا لباس پہننا ان کی طرح بے پردہ پھرنا حرام ہے لہٰذا عورتیں عمامہ نہ باندھیں کرتے پاجامے میں فرق کریں حتی کہ جوتا بھی مردوں سے ممتاز رکھیں اس کی بھی بہت تفصیل ہے حتی کہ عورتیں بادشاہ یا حاکم نہ بنیں کہ یہ کام مردوں کے ہیں۳؎ یعنی مخنث کو اپنے گھروں میں نہ آنے دو تمہاری عورتیں اس سے پردہ کریں کہ یہ بڑے بدمعاش ہوتے ہیں پردہ نشین عورتوں کا ذکر غیر مردوں سے کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مخنث اور مردوں کی ہم شکل بننے والی عورتیں دونوں کو گھروں سے نکال دو اور اپنی عورتوں کو ان سے پردہ کراؤ کہ ایسی عورتیں آوارہ ہیں ان سے پردہ واجب (اشعہ) فقہاء فرماتے ہیں کہ آوارہ عورتوں سے شریف عورتوں کا اسی طرح پردہ کرنا فرض ہے جیسے مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے کہ آوارہ عورتیں مردوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ایسی آوارہ عورتوں نے شریفوں کے بہت گھر اجاڑ دیئے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۲۳۰) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کے ہم شکل بنیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی ہم شکل بنیں۱؎ (بخاری)

(۴۲۳۰)۱؎ معلوم ہوا کہ یہ حرکت گناہ کبیرہ ہے۔گناہ صغیرہ بھی اگر ہمیشہ کیا جائے تو کبیرہ بن جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۲۳۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،اللہ لعنت کرے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر اور گودنے والی اور گدوانے والی پر۱؎ (مسلم بخاری)

(۴۲۳۱)۱؎ ان دونوں چیزوں کی شرح پہلے گزر گئی۔واصلہ وہ عورت جو اپنے سر کے بالوں میں دوسری عورت کے بال ملا کر دراز کرے۔مستوصلہ وہ عورت جو دوسری کے سر میں یہ بال جوڑے یا جو اپنے سر کے بال کاٹ کرا سے دے،ملانے کے لیے یہ دونوں کام حرام ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی۔واشمہ وہ عورت جو سوئی وغیرہ کے ذریعے اپنے اعضاء میں سرمہ یا نیل گودوالے جیسا کہ ہندو عورتیں بعض ہندو مرد کرتے ہیں۔مستوشمہ وہ جو دوسری عورت کے گودے دونوں پر لعنت فرمائی حرام کام فاعل و مفعول دونوں کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اگر بالوں میں دھاگہ لگا کر انہیں دراز کرلیا جائے تو جائز ہے جسے موباف کہتے ہیں۔(مرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اَنَّكَ لَعَنْتَ کَیْتَ وَکَیْتَ فَقَالَ مَا لِیْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَابَیْنَ اللَّوْحَیْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِیْهِ مَاتَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ کُنْتِ قَرَأْتِیْهِ لَقَدْ وَجَدْتِیْهِ اَمَا

(۴۲۳۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ لعنت کرے اللہ گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور بال اکھیڑنے والیوں پر۱؎ اور حسن کے لیے کھڑکیاں کرانے والیوں پر۲؎ جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں ہیں۔۳؎ تو ایک عورت آپ کے پاس آئی،بولی کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے فلاں فلاں پر لعنت کی ہے۔۴؎ فرمایا میں کیوں لعنت نہ کروں اس پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اس پر جو اللہ کی کتاب میں ہے۔۵؎ وہ بولی کہ میں نے تو دو تختیوں کے درمیان میں پڑھا ہے جو تم کہتے ہو،وہ میں نے اس میں نہ پائی۔۶؎ فرمایا اگر تم نے

قَرَأْتِ مَا اٰتٰـكُـمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ نَهٰى عَنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے پڑھا ہوتا تو اسے پالیتیں۔ کیا تم نے نہ پڑھا کہ جو تم کو رسول دیں، اسے لے لو اور جس سے تم کو رسول منع کریں، اس سے باز رہو۔ وہ بولی، ہاں فرمایا کہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔۸ (مسلم بخاری)۹

(۴۲۳۲)۱ یہ لفظ بنا ہے نماص سے۔ نماص بال اکھیڑنے کے آلہ کو کہتے ہیں جسے پنجاب میں موچنا کہا جاتا ہے۔ یہاں چہرے کا رونگٹا اکھیڑنا مراد ہے۔ یہ حرام ہے ورنہ اگر عورت کے ڈاڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو انہیں ضرور اکھیڑ دے (مرقات) ۲ متفلجات بنا ہے فلج سے۔ فلج اس کھڑکی یا کشادگی کو کہتے ہیں جو دو دانتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ بعض عورتیں مشین کے ذریعے اپنے دانت پتلے کرا کر درمیان میں جھریاں کرا لیتی ہیں، اسے اپنے لیے حسن وخوبصورتی تصور کرتی ہیں۔ یہ حرام ہے۔ اس سے دانت بھی خراب ہو جاتے ہیں، پھر ٹھنڈا پانی، گرم چائے یا دودھ نہیں پی سکتیں۔ دانتوں میں لگتا ہے۔ للحسن کا تعلق یا تو صرف مفلجات سے ہے یا والشمات اور متنمصات اور مفلجات تینوں سے ہے یعنی جو عورتیں یہ تینوں کام خوبصورتی کے لیے کریں، وہ لعنتی ہیں۔ جو مجبوراً کسی مرض کی وجہ سے کریں، انہیں معافی ہے۔ ۳ خیال رہے کہ تبدیلی خلق اللہ دو طرح کی ہے۔ ایک شرعاً جائز دوسری حرام۔ چنانچہ ختنہ کرنا، ناخن کٹوانا، مونچھیں ترشوانا، حجامت کرانا ان میں بھی تبدیلی خلق اللہ تو ہے مگر اس کا حکم ہے اور یہ مذکورہ چیزیں دانت پتلے کرانا وغیرہ تبدیلی خلق اللہ ہے مگر حرام یہاں حرام تبدیلی مراد ہے یعنی چونکہ اس حرکت میں حرام تبدیلی ہے، لہذا یہ ممنوع ہے (اشعہ اللمعات) ۳ یعنی کسی مسلمان پر لعنت جائز نہیں تو تم نے ان مسلمان عورتوں پر لعنت کیوں کی۔ تم نے صحابی رسول ہو کر ایسی جرأت کس بنا پر کی۔ ۴ یعنی میں نے خود اپنی طرف سے ان پر لعنت نہیں کی بلکہ اللہ رسول نے لعنت کی ہے۔ میں تو ان لعنتوں کا ناقل ہوں۔ لعنت رسول تو میں نے خود سنی ہے۔ لعنت اللہ قرآن مجید سے معلوم کی ہے، لہذا میری یہ لعنت برحق ہے، لہذا یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔ ۵ یعنی اس کے متعلق حدیث تو ہوگی جو میں نے نہ سنی ہو، آپ نے سنی ہو کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت زیادہ حاضر رہے تھے مگر قرآن کریم تو مقرر ومعین ہے، میں اسے دن رات پڑھتی ہوں۔ میں نے کسی آیت میں ان عورتوں اور ان پر لعنت کا ذکر نہ دیکھا۔ میں اس میں آپ کو سچا کیسے مان لوں؟ لوحین سے مراد قرآن مجید کی جلد کے دو گتے ہیں جن کے بیچ میں قرآن مجید ہوتا ہے۔ مراد ہے سارا قرآن مجید۔ ۶ مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید غور سے پڑھتیں، سمجھ بوجھ کر تو تم کو اس میں یہ لعنت مل جاتی اور تم میری تصدیق کر دیتیں۔ ۷ سبحان اللہ کیسا ایمان افروز شاندار استنباط ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام منع فرمائی ہوئی چیزیں قرآن مجید کی ممانعت میں داخل ہیں اور حضور نے تو ان سے منع فرمایا ہے، لہذا قرآن نے بھی انہیں منع فرمایا۔ حضور کی لعنت خدا تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (مرقات) لہذا حضور کی رحمت وکرم رب تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ۸ اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا (مرقات) اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حدیث کے احکام کو قرآن کی طرف نسبت کر سکتے ہیں کہ کتاب قرآن، خاموش قرآن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہوئے قرآن ہیں، لہذا کہہ سکتے ہیں کہ نماز کی تعداد اور مقدار زکوۃ کی مقداریں وغیرہ سب کچھ قرآن میں ہے کیونکہ یہ حضور نے بتا دیئے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَّنَهٰى عَنِ الْوَشْمِ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۴۲۳۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نظر حق ہے۱ اور گودنے سے منع فرمایا۲ (بخاری)

(۴۲۳۳)۱ یعنی نظر بد کا اثر حق ہے اسی سے مال، بدن پر اثر پڑتا ہے باذن اللہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سانپ کے منہ میں، بچھو کے ڈنگ

میں زہر رکھا ہے۔ یونہی اس نے انسان کی نظر میں بھی اثر رکھا ہے جس سے انسان بیمار یا چیز ضائع ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق کتاب الطب والرقی میں آوے گی۔ جادو، نظر وغیرہ سب برحق ہے جب گالی کے لفظوں میں اثر ہے کہ اس سے دل مغموم ہو جاتا ہے تو جادو کے الفاظ میں بھی اثر ہو سکتا ہے۔ یونہی دعاؤں، وظیفوں، دم درود میں شفا کا اثر برحق ہے۔ ۲؎ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ گودنے سے نظر نہیں لگتی اور لگی ہوئی نظر دفع ہو جاتی ہے۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ یہ خلاف عقل اور عقیدہ باطل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۳۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا ۱؎ (بخاری)

(۴۲۳۴) ۱؎ ملبد کے معنی ہیں چپکانا۔ اہل عرب کوئی خاص گوند ہلکا سا سر میں مل کر بال چپکا لیتے تھے تاکہ بال پراگندہ نہ ہوں۔ اسے ملبد کہتے ہیں۔ یہ بحالت احرام اور غیر احرام سب میں جائز ہے۔ یہاں غالبًا غیر احرام کی حالت میں ملبد مراد ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۳۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد زعفرانی رنگ استعمال کرے ۱؎ (مسلم بخاری)

(۴۲۳۵) ۱؎ یعنی اپنے کپڑے یا بدن میں زعفرانی رنگ استعمال کرنا مرد کے لیے ممنوع قرار دیا۔ عورتوں کو یہ سب کچھ جائز ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ تھوڑا سا زعفرانی رنگ لگا لینا مرد کو جائز ہے، زیادہ ممنوع ہے مگر حق یہ ہے کہ مطلقًا ممنوع ہے جن احادیث سے اس جواز کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان میں رنگ لگ جانا ہے، لگانا نہیں، لہٰذا یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَطْيَبِ مَا يَجِدُ حَتّٰى اَجِدَ وَبِيْصَ الطِّيْبِ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۳۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجود بہترین خوشبو تیار کرتی تھی ۱؎ حتی کہ خوشبو کی چمک آپ کے سر اور آپ کی داڑھی میں پائی جاتی تھی ۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۲۳۶) ۱؎ اطیب کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ خوشبو تیار کرتی تھی یا خوشبو لگاتی تھی۔ حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت ہی پسند تھی۔ اس لیے ازواج مطہرات خصوصًا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور انور کے لیے خوشبو تیار کیا کرتی تھیں حتی کہ احرام کھولتے وقت بھی خوشبو تیار کی گئی تھی۔ ۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اور داڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے اور وہ خوشبو اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ بالوں میں اس کی چمک دیکھی جاتی تھی۔ یہ چمک خوشبو کا رنگ نہ تھا، چمک تھی۔ چمک تو پانی کی بھی محسوس ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مردوں کی خوشبو بغیر رنگ والی چاہیے کہ وہاں رنگ سے مراد زینت والا رنگ ہے۔ اس کی ممانعت ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اسْتَجْمَرَ اِسْتَجْمَرَ بِالْاُلُوَّةِ غَيْرِ مُطَرَّاةٍ وَّبِكَافُوْرٍ يَطْرَحُهٗ مَعَ الْاُلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۳۷) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب دھونی لیتے تو لوبان سے دھونی لیتے غیر مخلوط ۱؎ یا کافور سے لیتے جسے وہ لوبان کے ساتھ ڈالتے ۲؎ پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیتے تھے ۳؎ (مسلم)

(۴۲۳۷) ۱؎ استجمار وہ خوشبو لینا جو جمر و یعنی آگ کے انگاروں پر رکھ کر حاصل کی جائے یعنی بخور یا دھونی اسی لیے انگیٹھی کو مجمرہ کہتے

ہیں۔یہ جمرہ سے ہے نہ جمار سے۔جمار سے جو استجمار آتا ہے،اس کے معنی ہوتے ہیں ڈھیلے سے استنجا کرنا۔اسی سے ہے جمار جن کی رمی حج میں کی جاتی ہے۔لوبان مشہور خوشبو ہے جو پہلے بہت مروج تھی۔اب اگربتیوں کی وجہ سے اس کا رواج کم ہوگیا ہے۔۲؎ یعنی کبھی تو خالص لوبان سے دھونی لیتے۔کبھی لوبان کے ساتھ کافور بھی شامل فرمالیتے تھے۔دونوں کی ملاکر دھونی لیتے تھے۔۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صرف لوبان سے اور کبھی لوبان و کافور کے مجموعہ سے دھونی لیا کرتے تھے۔میں بھی اس سنت پر عمل کرتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت کریمہ جو کام کئے،وہ سنت زائدہ کہلاتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُصُّ اَوْیَاْخُذُ مِنْ شَارِبِہٖ وَکَانَ اِبْرَاھِیْمُ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ یَفْعَلُہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۲۳۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں سے کچھ کتر لیتے تھے۔۱؎ اور اللہ کے خلیل جناب ابراہیم بھی یہ کام کرتے تھے۔۲؎ (ترمذی)

(۴۲۳۸)۱؎ راوی کو شک ہے کہ حضرت ابن عباس نے یاخذ کہا یا یقص معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔۲؎ غالبًا حضرت ابراہیم پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے مونچھیں تراشیں۔آپ کے بعد تمام نبیوں نے یہ عمل کیا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت خلیل جاری فرمائی،لہذا یہ عمل فطرت ہے۔اس پر بڑا ثواب ہے۔مونچھیں ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ضرور تراشنا چاہئیں۔

وَعَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ یَاْخُذْ مِنْ شَارِبِہٖ فَلَیْسَ مِنَّا ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۲۳۹) روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی مونچھوں میں سے کچھ نہ لے،وہ ہم میں سے نہیں۱؎ (احمد،ترمذی،نسائی)

(۴۲۳۹)۱؎ یعنی ہمارے طریقہ سے وہ خارج ہے یا بڑی مونچھیں رکھنے والے کے لیے خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر نہ ہو۔معاذ اللہ (مرقات)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْخُذُ مِنْ لِحْیَتِہٖ مِنْ عَرْضِھَا وَطُوْلِھَا

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۴۲۴۰) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی شریف سے طول و عرض سے کچھ لیا کرتے تھے۔۱؎

(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے

(۴۲۴۰)۱؎ اس طرح کہ لمبائی میں مٹھی بھر یعنی چار انگل سے زیادہ بالوں کو کاٹ دیتے تھے اور چوڑائی میں اس دائرے کے حد میں جو بال آتے باقی رکھے جاتے،اس سے بڑھتے ہوئے کاٹ دیئے جاتے۔چار انگل تک ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا فسق ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ڈاڑھی مٹھی میں پکڑتے تو جو مٹھی سے باہر بال ہوتے،انہیں کاٹ دیتے تھے،وہ عمل اس حدیث کی شرح ہے۔یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے بہت عرصہ تک داڑھی نہ کٹوائی حتی کہ داڑھی بہت بڑی ہوگئی تو اب اسے نہ کٹوائے بلکہ ویسی ہی رہنے دے (اشعہ) جن بزرگوں کی داڑھیاں بہت لمبی دیکھی گئی ہیں وہاں یہی وجہ ہوئی ہوگی۔غرضیکہ چار انگل سے ہرگز کم نہ کرے

مگراس سے زیادتی، اس کی دوصورتیں ہیں۔کوشش کرتا رہے کہ زیادہ نہ ہونے پائے۔اگر بہت زیادہ کرلی تو پھر ویسے ہی رہنے دے۔

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلَيْهِ خَلُوْقًا فَقَالَ اَلَكَ امْرَاَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۴۱) روایت ہے حضرت یعلے ابن مرہ سے[۱] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرخلوق خوشبو دیکھی[۲] تو فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے[۳] کہا نہیں، فرمایا تو اسے دھودو، پھر دھودو، پھر دھودو پھر آئندہ نہ کرو[۴] (ترمذی۔نسائی)

(۴۲۴۱)[۱] آپ مشہور صحابی ہیں اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے۔صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین میں شریک رہے[۲] خلوق خ اور لام کے پیش سے عرب کی مشہور خوشبو ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔رنگت دیتی ہے۔[۳] یعنی اگر تمہارے بیوی ہوتو تم اس رنگت میں معذور ہو کہ اس نے رنگت والی خوشبو استعمال کی ہو اور اس کے کپڑوں سے تمہارے جسم یا کپڑوں میں خوشبو لگ گئی ہو۔اس صورت میں تم معذور ہو اوراس خوشبو کے لگ جانے سے تم پر کوئی گناہ نہیں[۴] یا تو اس خوشبو کی رنگت ایسی تیز اور پختہ ہوگی جو تین بار دھوئے بغیر کپڑے سے چھوٹ نہ سکتی ہوگی اس لیے تین بار دھونے کا حکم دیا یا مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ خوب اچھی طرح دھوؤ تاکہ بامشقت انہیں یاد رہے اور پھر یہ کبھی استعمال نہ کریں۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ رَجُلٍ فِیْ جَسَدِهٖ شَیْءٌ مِّنْ خَلُوْقٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۲۴۲) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم میں کچھ خلوق ہو[۱] (ابوداؤد)

(۴۲۴۲)[۱] رجل فرما کر اشارۃً بتایا کہ عورت کا یہ حکم نہیں اسے خلوق استعمال کرنا جائز ہے اور شئی فرما کر بتایا کہ خلوق تھوڑی ہو یا زیادہ بہرحال مرد کے لیے ممنوع ہے۔اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ تھوڑی خلوق جائز ہے، زیادہ ممنوع۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا استعمال ممنوع ہے، ان کے ساتھ نماز مکروہ ہے، لہذا مرد اگر ریشمی لباس یا چاندی، سونے کا زیور پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز سخت مکروہ واجب الاعادہ ہوگی۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰى اَهْلِیْ مِنْ سَفَرٍ وَّقَدْ تَشَقَّقَتْ يَدَاىَ فَخَلَّقُوْنِیْ بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَیَّ وَقَالَ اذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۲۴۳) روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں کہ میں سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس آیا، میرے ہاتھ پھٹ گئے تھے تو انہوں نے زعفران والی خلوق میرے لگادی[۱] پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا، میں نے آپ پر سلام عرض کیا تو مجھے جواب نہ دیا اور فرمایا، جاؤ اسے اپنے جسم سے دھودو[۲] (ابوداؤد)

(۴۲۴۳)[۱] خلوق بغیر زعفران کی بھی ہوتی ہے اور زعفران والی بھی اور یہ زخم کا علاج ہے۔جیسے آج کل ویسلین کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ زخموں وغیرہ کا علاج بھی ہے۔ان کے زخم پر زعفرانی خلوق لگائی گئی تھی علاج کے لیے۔[۲] غالبًا اسی پھٹن کا علاج خلوق کے سوا اور بھی ہوگا جیسے موم و تیل وغیرہ یا اس پر ناراضی ہے کہ تم اسے لگائے ہوئے باہر کیوں آئے یا اس پر کہ تم نے خلوق پر پانی بہا کر اس کا رنگ کیوں زائل نہ کردیا ورنہ مجبوری و معذوری میں معافی ہوتی ہے (مرقات واشعہ) اس سے معلوم ہوا کہ اعلانیہ ناجائز کا ارتکاب کرنے والے کے سلام کا

جواب نہ دینا تا کہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے درست ہے اور ممکن ہے کہ حضور نے آہستہ جواب دیا ہو جو انہوں نے سنا نہ ہو،لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ پھر حضور نے جواب کیوں نہ دیا جبکہ بزرگ ہستی کے جواب سلام نہ دینے سے اس کے گناہ چھوڑ دینے کی امید ہوتب یہ جواب نہ دینا ایک قسم کی تبلیغ ہے۔ یہ توجیہ خیال میں رہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طِیْبُ الرِّجَالِ مَاظَهَرَ رِیْحُهٗ وَخَفِیَ لَوْنُهٗ وَطِیْبُ النِّسَاءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِیْحُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۲۴۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو، رنگت چھپی رہے۔۱؎ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو،مہک چھپی ہوئی۔۲؎ (ترمذی،نسائی)

(۴۲۴۴) ۱؎ جیسے گلاب، مشک عنبر اور کافور وغیرہ مرد کے لیے یہ خوشبوئیں بہتر ہیں کہ ان میں رنگ نہیں مہک ہے۔ ۲؎ خیال رہے کہ عورت مہک والی چیز استعمال کرکے باہر نہ جائے، اپنے خاوند کے پاس خوشبو مل سکتی ہے۔ یہاں کوئی پابندی نہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ جو عورت خوشبو مل کر باہر نکلے، وہ ایسی ایسی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عورت بخور لگا کر ہماری مسجد میں عشاء کے لیے نہ آئے، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عورت مہندی لگائے ہوئے باہر نہ پھرے کہ مہندی میں مہک ہے اور عورت کو مہک لگا کر نکلنا ممنوع ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ یَتَطَیَّبُ مِنْهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۴۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپی تھی جس سے آپ خوشبو لگاتے تھے۔۱؎ (ابوداؤد)

(۴۲۴۵) ۱؎ سکہ سین کے پیش۔ کاف کے شد سے عرب کی ایک مشہور خوشبو ہے جس میں بہت سی خوشبوئیں شامل کی جاتی ہیں مگر یہاں مراد ڈبی یا کپی ہے جس میں یہ خوشبو رکھی جائے، اس لیے منہا ارشاد ہوا جس میں من ابتدائیہ ہے۔ (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُكْثِرُ دُهْنَ رَاْسِهٖ وَتَسْرِیْحَ لِحْیَتِهٖ وَیُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۲۴۶) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں تیل اور داڑھی میں کنگھی بہت استعمال فرماتے۔۱؎ اور قناع کا استعمال زیادہ کرتے۔۲؎ گویا آپ کا کپڑا تیل والوں کا کپڑا ہی تھا۔۳؎ (شرح سنہ)

(۴۲۴۶) ۱؎ حضرت انس سے روایت ہے کہ رات کو حضور کے سرہانے مسواک اور کنگھی رکھی جاتی تھی۔ جب شب اٹھتے تو یہ دونوں چیزیں استعمال فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات چیزیں سفر وحضر میں نہ چھوڑتے تھے۔ پیشاب کا برتن۔۔ آئینہ۔ سرمہ دانی، مسواک، قینچی، سرمہ کی سلائی۔ (مرقات) ۲؎ قناع ق کے کسرہ سے وہ کپڑا جو ٹوپی کے نیچے پہنا جائے تا کہ تیل ٹوپی و عمامہ میں نہ لگے۔ وہ کپڑا ہی تیل میں تر رہے یعنی آپ سر میں تیل زیادہ استعمال کرتے تھے۔ اس لیے ٹوپی شریف کے نیچے ایک کپڑا تیل سے بچاؤ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ ۳؎ یعنی یہ قناع تیل میں ایسا بھیگا رہتا تھا جیسے تیل والے کے کپڑے تیل سے تر رہتے ہیں۔ دوسرے کپڑے مراد نہیں کیونکہ حضور کے کپڑے بہت صاف اور چٹے رہتے تھے۔ آپ سفید کپڑے پسند فرماتے تھے جو صاف ہوں۔

وَعَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۲۴۷) روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ رسول

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا بِمَکَّةَ قَدْمَةً وَّلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس مکہ میں تشریف آوری فرمائی۔۱؎ اس دن آپ کے چار گیسو تھے۔۲؎ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۲۴۷)۱؎ غالبًا فتح مکہ کے دن کی تشریف آوری مراد ہے۔ جب حضور نے حضرت ام ہانی کے گھر میں غسل بھی کیا اور نماز چاشت بھی پڑھی تھی۔ بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار بار مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ عمرہ قضا کے لیے فتح مکہ کے لیے عمرہ ہجرانہ کے۔ لیے اور حجۃ الوداع کے لیے۔ حضور انور نے چار عمرے کیے ہیں اور ایک حج تین عمرے ذوقعدہ میں ایک عمرہ جو حج الوداع کے ساتھ کیا وہ ذی الحجہ میں یہ واقعہ جو آپ بیان فرما رہی ہیں وہ فتح مکہ کے دن کا ہے۔ ۲؎ بٹے ہوئے بالوں کو غدیرہ یا ضغیرہ کہا جاتا ہے جس کی جمع غدائر اور ضفائر ہے یعنی اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں مبارک کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ دو حصے بٹ کر داہنے ہاتھ کی طرف لٹکے ہوئے تھے اور دو حصے بائیں جانب۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ صَدَعْتُ فَرْقَهٗ عَنْ یَّافُوْخِهٖ وَاَرْسَلْتُ نَاصِیَتَهٗ بَیْنَ عَیْنَیْهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۴۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں مانگ نکالتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ آپ کے درمیان سر سے چیرتی تھی۔۱؎ اور آپ کی پیشانی کے بال دو آنکھوں کے درمیان چھوڑتی۔۲؎ (ابوداؤد)

(۴۲۴۸)۱؎ یہ ہی سنت ہے کہ سر کے بال بکھرے نہ رہیں۔ ان میں کنگھی کی جائے۔ بالوں کے دو حصے کیے جائیں اور مانگ بیچ سر میں ناک کے اوپر سے سیدھی نکالی جائے۔ اب فیشن پرست مرد و عورتیں ایک طرف سے مانگ نکالتے ہیں یعنی ٹیڑھی مانگ خلاف سنت ہے۔۲؎ اس جملہ کے شارحین نے کئی معنی کیے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام پہلے کلام کا تتمہ ہے یافوخ کہتے ہیں وسط سر یعنی کھوپڑی کو۔ مطلب یہ ہے کہ میں حضور انور کے بال شریف کے دو حصے کیا کرتی تھی۔ ایک حصہ داہنی جانب، دوسرا حصہ بائیں جانب اور پیشانی کے اوپر سے یہ مانگ شروع کرتی تھی اور کھوپڑی شریف سے اسے گزارتی تھی، پوری مانگ بیچ سر میں ہوتی تھی سیدھی جاتی تھی۔ یہ ہی معنی بہت موزوں ہیں۔ (مرقات و اشعہ)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰـهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۲۴۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے۔۱؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۴۹)۱؎ یہ حکم مرد کے لیے سر کے بالوں میں کنگھی کرنے کے متعلق ہے یعنی جس مرد کے سر پر بال ہوں، وہ روزانہ ان میں تیل و کنگھی نہ کرے کہ اسی میں لگا رہے بلکہ کبھی کرے، کبھی نہ کرے۔ ایک دن کرے ایک دن نہ کرے خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک دن کرے غب غین کے کسرہ سے ب کے شد سے اس کے معنی ہیں اونٹ کو ایک دن پانی پلانا ایک دن ناغہ کرنا تجارت کو بھی غب کہا جاتا ہے۔ اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان ظاہری آرائش میں مشغول ہو کر ربّ کو نہ بھول جائے۔ اس حکم سے عورتیں مستثنٰی ہیں، وہ چاہیں تو روزانہ مانگ چوٹی کریں، یونہی اگر مرد ڈاڑھی میں روزانہ کنگھی کرے تو مضائقہ نہیں۔ دیکھو مرقات۔ اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ وضو کے بعد ڈاڑھی میں کنگھی کرنا فقیری کو دور کرتا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ڈاڑھی شریف میں دو بار کنگھی کرتے تھے۔ (اشعہ)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفُضَالَةَ بْنِ

(۴۲۵۰) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے ۱؎ فرماتے

عُبَیْدٍ مَالِیْ اَرَاكَ شَعِثًا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَنْهَانَا عَنْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاِرْفَاهِ قَالَ مَالِیْ لَا اَرٰی عَلَیْكَ حِذَآءً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اَنْ نَحْتَفِیَ اَحْیَانًا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ہیں کہ ایک شخص نے فضالہ ابن عبید سے کہا۲ کہ مجھے کیا ہوا کہ میں آپ کو پراگندہ بال دیکھتا ہوں۔۳ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بہت عیش پسندی سے منع فرماتے تھے۔۴ بولے کہ مجھے کیا ہوا کہ تمہارے پاؤں میں جوتے نہیں دیکھتا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں۔۵ (ابوداؤد)

(۴۲۵۰)۱ آپ عبداللہ ابن بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں، تابعی ہیں۔ اپنے والد بریدہ سے جو کہ صحابی ہیں، روایات لیتے ہیں۔ آپ کے بیٹے سہل آپ سے روایات لیتے ہیں۔ مرو کے قاضی رہے وہاں ہی وفات پائی۔۲ فضالہ ابن عبید صحابی ہیں، انصاری ہیں۔ دوسی ہیں، غزوہ احد وغیرہ میں شامل رہے۔ پھر دمشق میں قاضی رہے۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں وہاں ہی وفات پائی۔ (مرقات) ۳ یعنی میں آپ کو کبھی کبھی سر و بال کے پراگندہ بال والا دیکھتا ہوں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ روزانہ بال عمدہ کنگھی والے کیوں نہیں رکھتے۔۴ یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پر تکلف رہنے، بناؤ سنگھار کیے رہنے سے منع فرمایا ہے۔ اس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں۔ ہمیشہ بنے ٹھنے رہنے سے صدہا گناہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس عیاش ہو جاتا ہے۔ اگر کبھی فقیری آجائے اور یہ تکلف ممکن نہ رہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا چاہیے کہ کبھی کبھی معمولی حالت میں بھی رہا جائے۔۵ اس میں تقویٰ، طہارت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے کہ کبھی کبھی انسان گھر، اپنی گلی کوچہ میں ننگے پاؤں بھی پھر لیا کرے تاکہ اگر کبھی جوتی میسر نہ ہو تو اسے برداشت کر سکے۔ غرضیکہ اپنے کو کسی چیز کا عادی نہ بنائے۔ بھوک پیاس کی برداشت پیدا کرنے کے لیے روزہ فرض کیا گیا، ہر حالت کی برداشت کے لیے یہ تعلیم دی گئی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْیُكْرِمْهُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۵۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں، وہ ان کا احترام کرے۔۱ (ابوداؤد)

(۴۲۵۱)۱ یعنی جس نے سر کے بال رکھے ہوں، وہ انہیں ہمیشہ پراگندہ نہ رکھے بلکہ کبھی کبھی ان میں تیل لگائے، کنگھی کرے مگر دائمی نہیں، لہٰذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَ بِهِ الشَّیْبُ الْحِنَّآءُ وَالْكَتَمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۴۲۵۲) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم بڑھاپے کی علامت بدلو مہندی اور وسمہ ہے۔۱ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۵۲)۱ اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات نے سیاہ خضاب جائز کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ مہندی اور وسمہ مل کر سیاہ رنگ دیتے ہیں اور ان کے ملا کر لگانے کی اجازت دی گئی ہے مگر یہ دلیل بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ سیاہ خضاب کی صراحۃً ممانعت کی گئی جیسے کہ **اتقوا السواد** وغیرہ مگر سیاہ خضاب کی صراحۃً اجازت کہیں نہیں دی گئی۔ ان جیسی احادیث سے سیاہ خضاب کی اجازت نہیں نکلتی۔ اولاً تو یہاں مہندی وسمہ ملانے کی اجازت ہے ہی نہیں۔ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بہترین رنگ سفیدی بدلنے کے لیے مہندی اور وسمہ ہے کہ کبھی مہندی سے رنگ کرے۔ کبھی وسمہ سے مہندی کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ وسمہ کا رنگ سبز جیسے کہا جاتا ہے کلمہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔ ایسے ہی یہ ہے اور اگر ملانا ہی مراد ہو تب بھی خیال رہے کہ اگر وسمہ مہندی کے ساتھ آدھوں آدھ یا زیادہ ملایا جائے تب سیاہ رنگ دیتا ہے اور اگر کم ملایا جائے تو پختہ سرخ کرتا

ہے، سیاہ نہیں کرتا۔ سرخ مائل بہ سبزی رنگ ہو جاتا ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے۔ سیاہ خضاب کی سخت ممانعت اور احادیث میں وارد ہے۔ یہ حدیث ان احادیث سے متعارض نہیں۔ اگر یہاں سیاہ رنگ مراد ہوتو احادیث میں تعارض ہوگا۔ (مرقات واشعۃ ولمعات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۵۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے خضاب کیا کرے گی۔ کبوتروں کے پوٹوں کی طرح۔[1] وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔[2] (ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۵۳)[1] یعنی اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال خالص سیاہ کیا کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے خالص سیاہ ہوتے ہیں۔ حواصل جمع ہے حوصلہ کی بمعنی معدہ یہاں سینہ مراد ہے۔ بعض کبوتروں کے سینے سیاہ ہوتے ہیں۔[2] حالانکہ جنت کی مہک پانچ سو سال کی راہ سے محسوس ہوتی ہے یعنی سیاہ خضاب کرنے والے جنت میں جانا تو کیا اس کے قریب بھی نہ پہنچیں گے یعنی اولاً بعد میں معافی ہو کر پہنچ جائیں تو دوسری بات ہے (مرقات) یا یہ مطلب ہے کہ میدان محشر میں جنت کی خوشبو آتی ہوگی جو مسلمانوں کو محسوس ہوگی۔ اس مہک سے مست ہو کر محشر کی شدت بھول جائیں گے مگر یہ سیاہ خضاب کرنے والے محشر میں یہ خوشبو محسوس نہ کرسکیں گے اور وہاں کی تکلیف محسوس کریں گے۔ جیسے حوض کوثر کی ایک نہر محشر میں ہوگی جس سے مؤمن پانی پیتے رہیں گے، منافق روک دیئے جائیں گے۔ (اشعۃ اللمعات) اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب حرام ہے، خواہ سر میں لگائے یا ڈاڑھی میں، مرد لگائے یا عورت، اس سے معذوری کی حالت مستثنٰی ہے۔ علاج کے لیے یا غزوہ کے لیے سیاہ خضاب جائز ہے۔ (مرقات) بعض لوگ مطلقاً سیاہ خضاب جائز کہتے ہیں۔ بعض لوگ عورتوں کے لیے جائز کہتے ہیں۔ بعض مردوں کے سر کے لیے جائز کہتے ہیں۔ ڈاڑھی کے لیے ممنوع مانتے ہیں۔ بعض لوگ اسے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، یہ کل ضعیف ہیں۔ صحیح وہ ہی ہے کہ سیاہ خضاب مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ مرد، عورت سر ڈاڑھی سب اسی ممانعت میں داخل ہیں (مرقات) ہاتھ پاؤں میں مہندی وغیرہ سے خضاب عورتوں کو جائز مردوں کے لیے ممنوع الا بالعذر (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهٗ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۴۲۵۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سبتی جوتے پہنتے تھے۔[1] اور اپنی ڈاڑھی شریف کو ورس۔[2] اور زعفران سے رنگتے تھے۔[3] اور حضرت ابن عمر بھی یہ کرتے تھے۔[4] (نسائی)

(۴۲۵۴)[1] جس کی کھال کے بال اڑا دیئے گئے ہوں۔ سبت بمعنی حلق (منڈانا) عام عرب بال والے جوتے پہنتے تھے۔ اب عموماً بے بال کے جوتے بنتے ہیں۔[2] ورس ایک گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔ پیلا رنگ دیتی ہے۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کے لیے یہ گھاس یا زعفران ڈاڑھی شریف میں ملتے تھے جس سے ان کا رنگ سیاہ بالوں میں نمودار ہو جاتا تھا۔ خضاب کے لیے نہیں کیونکہ حضور کی ڈاڑھی شریف سفید ہوئی نہیں پھر خضاب کیسا، لہٰذا یہ حدیث حضرت انس کی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور نے خضاب نہ کیا آپ کے کل بیس بال سفید تھے۔ (اشعۃ اللمعات) مرقات نے کچھ اور توجیہ کی ہے مگر یہ توجیہ قوی ہے اور اس سے احادیث کا اجتماع ہو جاتا ہے۔[4] معلوم ہوا کہ زرد خضاب جائز ہے صرف سیاہ منع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۲۵۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا اَحْسَنُ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ اٰخَرُ وَقَدْ خَضَبَ بِالْحِنَاءِ وَالْكَتَمِ فَقَالَ هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ اٰخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا تو فرمایا یہ کیا ہی اچھا ہے، فرماتے ہیں پھر دوسرا گزرا جس نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا تھا۔ا؎ تو فرمایا یہ اس سے اچھا ہے، پھر دوسرا آدمی گزرا جس نے زردی سے خضاب کیا تھا تو فرمایا، یہ ان سب سے اچھا ہے۔۲؎ (ابوداؤد)

(۴۲۵۵)ا؎ اسی طرح کہ مہندی میں تھوڑا سا وسمہ تھا جس سے خضاب کا رنگ پختہ سرخ ہوگیا تھا۔ سیاہ کی حد کو نہ پہنچا تھا۔ (مرقات) لہٰذا اس سے سیاہ خضاب کی حلت ثابت نہیں ہوئی۔ سیاہ خضاب کی حلت کی ایک حدیث بھی نہیں حرمت کی بہت احادیث ہیں۔۲؎ معلوم ہوا کہ زرد خضاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تُشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَوَ الزُّبَيْرِ)

(۴۲۵۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی بدلو۔ا؎ اور یہود سے مشابہت نہ کرو۔۲؎ (ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عمر اور زبیر سے روایت کی ہے۔)۳؎

(۴۲۵۶)ا؎ یہ حکم مجاہدین کے لیے ہے کہ وہ سفید بال لے کر جہاد میں نہ جائیں یا ان کے لیے جو سفید بالوں کی حالت میں مسلمان ہوں۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے اختیار ہے کہ بال سفید رکھیں یا سیاہ کے علاوہ کوئی اور خضاب لگائیں۔ اس کی اور توجیہیں بھی ہیں (مرقات وغیرہ)۲؎ یعنی یہودی اپنے سر و ڈاڑھی کے بال چٹے جیسے سفید رکھتے ہیں تم سرخ یا پیلے کرلیا کرو تاکہ ان کی مشابہت سے بچو، اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمان یہود کی مخالفت کے لیے ڈاڑھیاں منڈوا نہ دیں بلکہ انہیں سرخ کرکے ان کی مخالفت کریں۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو سفید ڈاڑھی والا کافر مسلمان ہو، وہ ضرور خضاب کرے تاکہ کفر و اسلام کے رنگوں میں فرق ہوجائے مگر جو پرانا مسلمان ہو، اس کے لیے سفید ڈاڑھی رکھنا بھی درست ہے۔۳؎ یہ حدیث احمد نے حضرت زبیر سے روایت کی۔ احمد نے حضرت انس سے یوں روایت کی بالوں کا سفید رنگ بدلو اور سیاہ خضاب سے بچو کیونکہ سیاہ خضاب کفار کا ہے، مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے سیاہ خضاب لگانے والا فرعون تھا۔ (مرقات)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَاِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً وَّكَفَّرَ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۲۵۷) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی نہ اکھیڑو کہ وہ مسلمان کا نور ہے۔۲؎ جو اسلام میں بوڑھا ہو تو اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس سے اس کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔۲؎ (ابوداؤد)

(۴۲۵۷)ا؎ یعنی جب سر یا ڈاڑھی میں چٹے بال شروع ہوجائیں تو انہیں مت اکھیڑو ان چٹے بالوں سے نفس کمزور رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں، آخرت کی تیاری کروں۔ یہ بال اکھیڑ دینے سے وہ اپنے کو جوان ہی سمجھے گا۔ یہ فرق ہے خضاب اور سفید بال

اکھیڑنے میں اس لیے خضاب کا حکم دیا۔اکھیڑنے سے منع فرمایا۔سفید بال خواہ سفید ہی رہیں یا سرخ کردیئے جائیں قبر یاد دلاتے ہیں کہ تیاری کرو، چلنے کا وقت قریب آ گیا،سویرا ہوگیا۔اب جاگ جاؤ۔شعر:۔

اٹھ جاگ مسافر بھور ہوئی اب رات کہاں جو سووت ہے ۔ جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے وہ کھووت ہے

اٹھ نیند سے اکھیاں کھول ذرا اور ربّ سے اپنے دھیان لگا ۔ یہ پریت کرن کی ریت نہیں ربّ جاگت ہے تو سووت ہے

۲؎ امام مالک نے بروایت سعید ابن مسیّب نقل فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے۔آپ نے پوچھا،یا ربّ یہ کیا۔فرمایا یہ وقار اور نور ہے۔فرمایا الٰہی میرا وقار اور نور اور زیادہ کر۔وہ جو حاکم و ابن سعد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ ربّ تعالٰی نے حضور کو چِٹے بالوں سے بگاڑا نہیں (حاشیہ بیضاوی) وہاں معنی یہ ہیں کہ حضور کے کچھ بال سفید ہوئے تو اس سے حضور کا حسن اور بھی زیادہ ہوگیا، کچھ کمی نہ آئی۔علما فرماتے ہیں کہ سفید بال اکھیڑنا زینت کے لیے ہوتو منع ہے۔(مرقات)

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۵۸) روایت ہے حضرت کعب ابن مرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوتو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔۱؎ (ترمذی،نسائی)

(۴۲۵۸)۱؎ یعنی سفید ریش والے مومن کے لیے قیامت میں نور ہوگا کہ اس کی سفید ڈاڑھی نورانی ہوگی یا نور کا باعث ہوگی۔اس دن سواء ابراہیم علیہ السلام کے ڈاڑھی کسی کے نہ ہوگی مگر یہ سفید ڈاڑھی چہرہ کے نور کا باعث ہوگی۔ان دونوں حدیثوں کی بنا پر حضرت علی،سلمہ ابن اکوع،ابی ابن کعب اور بہت صحابہ کرام نے کبھی خضاب نہ لگایا۔اپنی ڈاڑھی اور سر سفید رکھے۔وہ فرماتے تھے کہ چٹی ڈاڑھی نور اور درجات کا باعث ہوگی۔بعض صحابہ کرام اور حضرت حسن و حسین نے خضاب لگایا۔گذشتہ احادیث کی بنا پر لہذا دونوں عمل جائز ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر اپنے شہر میں خضاب کا رواج عام ہوتو خضاب کرنا بہتر ہے۔اگر سفید ڈاڑھی کا رواج عام ہوتو سفید رکھنا بہتر اور جہاد کے موقع پر خضاب افضل (مرقات) یوں ہی اگر ہمارے شہر یا ملک میں یہودی سکھ عام ہوں جو خضاب نہیں کرتے تو خضاب کرنا افضل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۵۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔۱؎ اور آپ کے بال شریف جمہ سے زیادہ اور وفرہ سے کم تھے۔۲؎ (ترمذی،نسائی)

(۴۲۵۹)۱؎ ایک برتن سے اور ایک ساتھ غسل کرتے تھے۔پردہ سے کہ دونوں حضرات تہبند باندھے ہوتے تھے۔اس کی بحث کتاب الغسل میں گزر چکی ہے۔وہ حضرات برہنہ ہوکر کبھی غسل نہ کرتے تھے،مستحب بھی یہ ہی ہے کہ غسل خانہ میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھا۔ستر سے مراد ناف سے گھٹنے تک کا بدن ہے۔یہ دونوں ہستیاں پہلے اپنے ہاتھ دھو لیتے تھے۔پھر بڑے برتن سے چلو لیتے تھے تاکہ پانی مستعمل نہ ہوجائے اور اس طرح غسل فرماتے تھے کہ بدن کا غسالہ برتن میں نہیں پڑتا تھا۔۲؎ تا بگوش بالوں کو وفرہ کہا جاتا ہے اور تا بدوش کو لمہ ان دونوں کے درمیان کو جمہ یعنی حضور کے بال شریف کندھوں تک نہ ہوتے تھے۔کندھوں سے قریب ہوتے تھے۔کان کی گدیوں سے نیچے اور کندھوں سے اوپر یہ اکثری حالت کا ذکر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ

(۴۲۶۰) روایت ہے ابن حنظلیہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمُ نِ الْاَسَدِيُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ فَبَلَغَ ذَالِكَ خُرَيْمًا فَاَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ اِلٰى اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے صحابہ میں سے ایک صاحب ہیں، فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خریم اسدی۲ اچھے آدمی ہیں، اگر ان کے جمہ کی درازی اور ان کے تہبند کا گھٹنا نہ ہوتا۔۳ یہ خبر جناب خریم کو پہنچی تو انہوں نے چھری لی اور اس سے اپنے گیسو اپنے کانوں تک کاٹ دیئے اور اپنا تہبند اپنی آدھی پنڈلیوں تک اونچا کرلیا۔۴ (ابوداود)

(۴۲۶۰)۱ آپ کا نام سہیل ابن ربیع ابن عمرو ہے۔حنظلیہ آپ کی ماں کا نام ہے۔سہیل صحابی ہیں۔بیعت الرضوان میں شریک ہوئے۔بڑے گوشہ نشین تارک الدنیا عالم و عامل بزرگ تھے۔لاولد تھے۔شام میں قیام رہا، دمشق میں وفات ہوئی۔امارت امیر معاویہ کے شروع میں وفات پائی۔۲ آپ کا نام خریم ابن اخرم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہے۔شام میں قیام رہا۔صحابی ہیں۔قبیلہ بن اسد سے ہیں جو یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔۳ یہ فرمان عالی حضرت خریم کی غیر موجودگی میں ہوا معلوم ہوا کہ کسی کی پس پشت اس کی برائی بیان کرنا درست ہے جب کہ اس کی اصلاح مقصود ہو۔اگرچہ سر کے بالوں کا کچھ دراز ہونا ممنوع نہیں مگر چونکہ ان کی نیت اظہار فخر کی تھی، اس لیے اس سے منع فرمادیا گیا۔اس لیے بالوں کے ساتھ درازی تہبند کا ذکر فرمایا ورنہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی دراز ہوتے تھے۔۴ خیال رہے کہ مردوں کے لیے دونوں حکم ہیں یعنی سر کے بال کٹوانا تہبند اونچا پہننا۔عورتوں کو یہ دونوں کام حرام ہیں۔عورتیں اپنے سر کے بال خود دراز رکھیں، ہرگز نہ کٹوائیں، تہبند نیچا باندھیں۔ہاں احرام سے فارغ ہونے پر عورتیں بالوں کی نوکیں ایک پور کٹوادیں۔(مرقات) یہ بھی خیال رہے کہ مرد کو لمبے بال رکھنا ان میں عورتوں کی سی مانگ چوٹی کرنا حرام ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِيْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَاْخُذُهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۶۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میرے گیسو دراز تھے تو میری والدہ نے فرمایا کہ میں انہیں نہ کاٹوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھینچتے اور انہیں پکڑتے تھے۔۱ (ابوداؤ)

(۴۲۶۱)۱ چنانچہ حضرت انس نے اپنے اگلے سر کے بال کبھی نہ کٹوائے انہیں قبر میں ساتھ لے گئے کیونکہ ان بالوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک لگا کرتے تھے۔حالانکہ سر کے بعض بال رکھنا، بعض کٹوانا ممنوع ہے مگر اس خصوصیت نے یہ ممانعت دور کردی۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مس کی ہوئی چیزوں سے تبرک حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔مدینہ منورہ کی زمین پاک کی خاک بھی تبرک ہے کہ اسے کبھی وہ تلوے لگے ہیں جو عرش اعظم پر گئے تھے۔شعر:۔

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے ۔۔۔ یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد ﷺ کے

اس حدیث سے تصوف کے بہت مسائل حل ہوسکتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت انس سے ان کے بچپن سے ہی بڑی محبت تھی۔حضور پیار میں ان کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ شریف رکھتے، بالوں کو بٹتے تھے۔آپ اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمارہی ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْهَلَ اٰلَ جَعْفَرٍ ثَلٰثًا ثُمَّ اَتَاهُمْ فَقَالَ لَا تَبْكُوْا عَلٰى اَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ ادْعُوْا اِلَيَّ بَنِيْ اَخِيْ

(۴۲۶۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے۱ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے گھر والوں کو تین دن کی مہلت دی۲ پھر ان کے پاس تشریف لائے، فرمایا آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔

فَجِیْءَ بِنَا کَاَنَّا اَفْرَاخٌ فَقَالَ ادْعُوْا اِلَی الْحَلَّاقَ فَاَمَرَهٗ فَحَلَقَ رُءُوْسَنَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ)

۳ پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو میرے پاس بلاؤ۔ ۴ چنانچہ ہم کو لایا گیا، گویا کہ ہم چوزے تھے تو فرمایا کہ نائی کو میرے پاس بلاؤ، اسے حکم دیا، اس نے ہمارے سر مونڈ دیئے۔ ۵ (ابوداؤد،نسائی)

(۴۲۶۲) ۱ حضرت جعفر بھی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر بھی حضرت جعفر جناب علی مرتضٰی کے بھائی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد کیونکہ جعفر ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ۲ تعزیت کے لیے بیٹھنے اور عزیز و اقرباء کے تسلی دینے کے لیے آنے کی مہلت تین دن تک دی۔ جیسے آج کل میت والے تین دن تک چٹائی ڈالتے ہیں۔ یہ سنت سے ثابت ہے۔ اس کا یہاں ذکر ہے۔ بعض لوگ ان دنوں میں میت کے لیے فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ بھی بہت اچھا ہے۔ ۳ یہاں رونے سے مراد آنکھ کے آنسو نہیں بلکہ تعزیت کے لیے بیٹھنا اور چہرے سے غم کے آثار کا ظاہر ہونا ہے۔ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے۔ سواء خاوند کے کہ اس کی بیوہ چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ ۴ یعنی حضرت جعفر کے بچوں کو جو اب یتیم ہو چکے تھے۔ یہ واقعہ غزوہ موتہ کے بعد کا ہے جس میں حضرت جعفر شہید ہوئے تھے۔ ان کے بچوں کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے چڑیا کے بچوں سے تشبیہ دی گئی۔ ۵ اس سے معلوم ہوا کہ یتیم عزیزوں کی خبر گیری کرنا ان کی ضروریات پوری کرنا سنت ہے اور یہاں بال منڈوا دینا علامت تھی مدت تعزیت ختم ہو جانے کی۔ خیال رہے کہ احرام سے کھلتے وقت کے سواء اور موقعوں پر بال منڈوانا اچھا نہیں مگر حضور انور نے خیال فرمایا کہ اب ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس ان کی بالوں کی نگرانی و خدمت نہ کرسکیں گی۔ اپنی عدت و غم میں گرفتار رہیں گی، اس لیے حضور نے ان کے سر منڈوا دیئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یتیموں کا والی تصرف کرسکتا ہے جیسے حجامت اور ختنہ وغیرہ (مرقات)

وَعَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ الْاَنْصَارِیَّةِ اَنَّ امْرَاَۃً کَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِیْنَةِ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْهِکِیْ فَاِنَّ ذٰلِکَ اَحْظٰی لِلْمَرْاَۃِ وَاَحَبُّ اِلَی الْبَعْلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِیْثُ ضَعِیْفٌ وَّرَاوِیَةٌ مَجْهُوْلٌ)

(۴۲۶۳) روایت ہے حضرت ام عطیہ انصاریہ سے ۱ کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کرتی تھی ۲ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مبالغہ کرو کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ نافع ہے اور خاوند کو زیادہ پسند۔ ۳ (ابوداؤد اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا راوی مجہول ہے۔

(۴۲۶۳) ۱ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے۔ کنیت ام عطیہ عظیم الشان صحابیہ ہیں۔ قریباً تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہیں، غازیوں کی خدمت، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ۲ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ بچیوں کی پیدائش کے وقت دائی یا کوئی اور عورت بچی کے نال کے ساتھ کچھ پارہ گوشت، پیشاب کی جگہ کا بھی کاٹ دیا جاتا تھا، اسے لڑکیوں کا ختنہ کہتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ یہ پارہ گوشت زیادہ نیچے سے نہ کاٹے۔ اولاً تو حدیث صحیح نہیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو صرف جواز ثابت کرے گی۔ احناف کے ہاں لڑکی کا ختنہ مکروہ ہے۔ ۳ جیسے بچہ کے ختنہ سے صفائی اچھی رہتی ہے۔ ایسے ہی اس ختنہ سے صفائی زیادہ نصیب ہوتی ہے۔ اس سے محبت میں زیادہ لذت ہوتی ہے۔ مرد کے ختنہ سے عورت کو لذت زیادہ اور عورت کے ختنہ سے مرد کو لذت زیادہ اب اس کا دنیا میں غالباً کہیں رواج نہیں۔

وَعَنْ کَرِیْمَةَ بِنْتِ هُمَّامٍ اَنَّ امْرَاَۃً سَالَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَا بَاْسَ وَلٰکِنِّیْ اَکْرَهُهٗ

(۴۲۶۴) روایت ہے کریمہ بنت ہمام سے ۱ کہ ایک عورت نے جناب عائشہ سے مہندی کے خضاب کے متعلق پوچھا ۲ آپ

كَانَ حَبِيْبِيْ يَكْرَهُ رِيْحَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

بولیں کوئی حرج نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتی ہوں۔[۳] میرے محبوب اس کی مہک ناپسند کرتے تھے۔[۴] (ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۶۴) [۱] آپ تابعیہ ہیں۔آپ کے والد کا نام ابراہیم ابن محمد ابن ابراہیم ابن ہمام ہے۔(مرقات) [۲] کہ عورتوں کو اس کا خضاب ہاتھ پاؤں اور سر میں لگانا کیسا ہے مگر غالب یہ ہے کہ یہاں سر میں مہندی لگانا مراد ہے تاکہ یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہ ہو جس میں عورتوں کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے کا حکم دیا گیا ہے،لہذا حدیث واضح ہے(مرقات) [۳] شاید سائلہ نے حضرت ام المومنین سے پوچھا ہوگا کہ آپ مہندی کیوں نہیں لگاتیں۔تب آپ نے یہ جواب دیا کہ میرے اس فعل کی وجہ یہ ہے۔[۴] اس حدیث کی بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ مہندی میں خوشبو نہیں،لہذا بحالت احرام اس کا خضاب درست ہے کیونکہ حضور انور کو خوشبو پسند تھی اور مہندی کی بو پسند نہ تھی۔اگر مہندی میں بھی خوشبو ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوتی۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ مہندی ہے تو خوشبو اس کا خضاب احرام میں جائز نہیں مگر حضور انور کو جنس خوشبو پسند تھی،نہ کہ ہر فرد خوشبو یا بعض خوشبوئیں زیادہ پسند تھیں بعض کم جیسے حضور انور کو گوشت پسند تھا مگر بعض جانوروں کے گوشت ناپسند تھے تو اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ گوشت گوشت ہی نہیں۔فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کے ہاتھ پاؤں کی مہندی بھی بہتر نہ تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک سر میں تو مہندی لگاتی ہی نہ تھیں،ان کے بال سفید تھے ہی نہیں، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگاتی تھیں۔اسے ناپسند فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ازواج پاک حضور کی ناپسند چیزیں استعمال نہ فرماتی تھیں۔حضور حیات ہیں،اپنے ازواج پاک کو بعد وفات ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ان کے حالات سے خوش ہوتے ہیں۔یہ ناپسندیدگی صرف ازواج پاک کے لیے ہے۔دوسری عورتوں کے لیے حرج نہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۶۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ہند بنت عتبہ نے[۱] عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بیعت فرمالیجئے۔[۲] تو فرمایا،ہم تم کو بیعت نہ کریں گے حتی کہ تم اپنے ہاتھوں میں تبدیلی کرلو،یہ ہاتھ تو گویا درندے کے ہاتھ ہیں۔(ابوداؤد)

(۴۲۶۵) [۱] آپ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ہیں۔ابوسفیان کی بیوی جناب امیر معاویہ کی والدہ فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے اسلام کے بعد آپ اسلام لائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح قائم رکھا۔بڑی عاقلہ فہیمہ تھیں۔کبھی زنا کے قریب نہ گئیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت فرمایا کہ زنا نہ کرنا تو آپ بولیں،کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کرسکتی ہے؟ حضرت عمر کی خلافت میں عین ابوقحافہ کے وفات کے دن فوت ہوئیں۔حضرت عائشہ نے آپ سے روایات لیں۔رضی اللہ عنہا (مرقات) عہد فاروقی میں غزوہ قادسیہ و یرموک میں بڑی مجاہدانہ شان سے شریک رہیں۔بڑی خدمت اسلام کی۔[۲] یہ بیعت علاوہ بیعت اسلام کے کوئی اور تھی کسی خاص معاہدہ پر،بیعت اسلام فتح مکہ کے دن کی گئی تھی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ اَوْمَتِ امْرَاَةٌ مِّنْ وَّرَآءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فَقَالَ مَا

(۴۲۶۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے جس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی،پردے کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ

اَدْرِیْ اَیَدُ رَجُلٍ اَوْیَدُ امْرَاَۃٍ قَالَتْ بَلْ یَدُ امْرَاَۃٍ قَالَ لَوْ کُنْتِ امْرَاَۃً لَغَیَّرْتُ اَظْفَارَکِ یَعْنِیْ بِالْحِنَّاءِ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

روک لیا۔۱ فرمایا، میں نہیں جانتا کہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہے وہ بولی بلکہ عورت کا ہاتھ ہے۔۲ فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخن میں تبدیلی کرلیتی یعنی مہندی سے۔۳ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۶۶) ۱ یعنی تمہارے ہاتھ مردوں کی طرح سفید ہیں۔ان میں مہندی سے رنگ کرو، پھر بیعت کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مردوں کی طرح چٹے ہاتھ رکھنا مکروہ ہیں اور مردوں کو عورتوں کی طرح ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا مکروہ ہے۔حتیٰ کہ عورت کو چاندی کی انگوٹھی بہتر نہیں۔اگر پہنے تو اسے رنگ کرلے تاکہ مردوں کی مشابہت نہ رہے (اشعۃ اللمعات) ۲ یعنی اپنا ہاتھ شریف روک لیا۔اس کے ہاتھ سے خط نہ لیا، اظہار ناراضی کے لیے۔حضور انور نے کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہ لگایا حتیٰ کہ ان کو زبان سے بیعت فرمایا۔۳ یہ سوال و جواب بھی اظہار ناراضی کے لیے ہیں ورنہ حضور کو خبر تھی کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے،عورت کا ہاتھ چھپا نہیں رہتا، پھر اس کی آواز پہچانی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ عورت مہندی وغیرہ سے اپنے ناخن رنگین کرے، یہ بھی کافی ہے یا مہندی سے ہتھیلیاں رنگے یا صرف ناخن۔آج کل ناخن پر پالش لگانے کا رواج ہے مگر پالش میں جسامت ہوتی ہے۔اس لیے اگر ناخنوں پر لگی ہو تو عورت کا وضو یا غسل نہ ہوگا کہ پالش کے نیچے پانی نہ پہنچے گا غرضیکہ ایسی چیز لگائی جائے جو صرف رنگ دے،اس میں جسامت نہ ہو۔ابھی جو حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں گزرا کہ حضور انور کو مہندی پسند نہ تھی، یہ اپنی ازواج پاک کے متعلق تھا کہ حضور انور کی ازواج مطہرات کے لیے مہندی بہتر نہ تھی۔عام عورتوں کے لیے مہندی بہتر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَۃُ وَالْمُسْتَوْصِلَۃُ وَالنَّامِصَۃُ وَالْمُتَنَمِّصَۃُ وَالْوَاشِمَۃُ وَالْمُسْتَوْشِمَۃُ مِنْ غَیْرِ دَاءٍ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

(۴۲۶۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بال ملانے والی اور ملوانے والی اور بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت کی گئی۔۱ (ابوداؤد)

(۴۲۶۷) ۱ ان چاروں لفظوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی۔واصلہ وہ عورت جو دوسری عورت کے بال اپنے سر کے بالوں سے ملائے حسن کے لیے۔ملانے والی واصلہ ملوانے والے مستوصلہ نامصہ وہ عورت جو اپنے چہرے کے رونگٹے اکھیڑے حسن کے لیے اکھڑوانے والی متنمصہ اکھڑوانے والی مستوصلہ۔اپنے جسم میں حسن کے لیے گودوا کر نیل وغیرہ بھروانے والی مستوشمہ اور گودنے والی واشمہ۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَۃَ الْمَرْاَۃِ وَالْمَرْاَۃُ تَلْبَسُ لِبْسَۃَ الرَّجُلِ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

(۴۲۶۸) روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا سا لباس پہنے۔۱ (ابوداؤد)

وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ قِیْلَ لِعَائِشَۃَ اِنَّ امْرَاَۃً تَلْبَسُ النَّعْلَ قَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَۃَ مِنَ النِّسَاءِ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

(۴۲۶۹) روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے۱ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ ایک عورت نعل پہنتی ہے۔۲ آپ بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔۳ (ابوداؤد)

(۴۲۶۹) ۱ یعنی جو عورت مردوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے اور جو مرد عورتوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے۔چاہیے یہ کہ مرد عورتیں لباس میں ممتاز رہیں،عورت پگڑی نہ باندھے،مرد دوپٹہ نہ پہنے۔یوں ہی قمیص شلوار میں زنانہ مردانہ میں فرق رہے۔۲ آپ کا نام

عبداللہ ابن عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ہے۔تیمی قرشی ہیں۔مشہور جلیل القدر تابعی ہیں۔سیدنا عبداللہ ابن زبیر کے زمانے میں قاضی مکہ رہے،تمیں صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے۔آپ حضرت عائشہ سیدنا عبداللہ ابن عباس اور ابن زبیر وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔رضی اللہ عنہم۔۳؎ یعنی مردوں کے سے جوتے پہنتی ہیں۔نعل عموماً وہ جوتے کہلاتے ہیں جو مردانہ ہوں۔معلوم ہوا کہ مردوں،عورتوں کے جوتوں میں بھی فرق چاہیے۔صورت،لباس،جوتا،وضع قطع سب ہی میں عورت مردوں سے ممتاز رہے۔ہاں علم وفضل تقویٰ،طہارت میں مردوں سے بڑھ جانے کی کوشش کرے۔حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق کہا جاتا ہے۔رجلہ الرای آپ مردوں کی سی رائے رکھتی تھیں۔اسلام نے تو نماز وحج وعمرہ،جہاد جیسی عبادات میں بھی عورت ومرد میں امتیاز رکھا ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ كَانَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِاِنْسَانٍ مِنْ اَهْلِهٖ فَاطِمَةَ وَّ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَّقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا اَوْ سِتْرًا عَلٰى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ اَنَّ مَا مَنَعَهٗ اَنْ يَّدْخُلَ مَارَاٰى فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَفَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَقَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيَانِ فَاَخَذَهٗ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا ثَوْبَانُ اذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى اٰلِ فُلَانٍ اِنَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلِىْ اَكْرَهُ اَنْ يَّاْكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِىْ حَيٰوتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِنْ عَصْبٍ وَّسَوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۷۰) روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تو آپ کے گھر والوں میں جس شخص سے آپ کی آخری ملاقات ہوتی وہ فاطمہ تھیں اور پہلے جن کے پاس تشریف لاتے فاطمہ ہوتیں ۲؎ چنانچہ آپ ایک غزوہ سے تشریف لائے۔آپ نے اپنے دروازے پر ٹاٹ یا پردہ ڈالا ہوا تھا اور حضرت حسن وحسین کو چاندی کے دو کنگن پہنائے ہوئے تھے ۳؎ تو آپ تشریف لائے مگر اندر نہ آئے ۴؎ آپ سمجھ گئیں کہ حضور کو تشریف آوری سے اس نے روکا جو آپ نے دیکھا۔۵؎ چنانچہ انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور دونوں کنگن بچوں سے الگ کر دیئے اور دونوں سے کاٹ دیئے۔۶؎ پس دونوں بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے چلے۔۷؎ حضور نے ان دونوں سے وہ لے لیے،پھر فرمایا اے ثوبان اسے فلاں کے پاس لے جاؤ۔۸؎ یہ لوگ میرے گھر والے ہی ہیں،میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی طیب چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھالیں۔۹؎ اے ثوبان فاطمہ کے لیے عصب کا ہار۔۱۰؎ اور ہاتھی کے دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔۱۱؎ (احمد،ابوداؤد)

(۴۲۷۰) ۱؎ حضرت ثوبان حضور کے آزاد کردہ مشہور غلام ہیں جو حضور انور کے ساتھ سفر وحضر میں ملازم بارگاہ رہتے تھے۔آپ کے حالات بیان ہو چکے ہیں کہ آپ کا نام شریف ثوبان ابن بُجد ہے۔کنیت ابوعبداللہ حضور کی وفات کے بعد آپ شام چلے گئے۔مقام رملہ میں حمص میں مقیم رہے۔۵۴ھ میں وفات پائی۔۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے تو پہلے سارے گھر والوں سے رخصت ہوتے۔سب سے آخر میں حضرت فاطمہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ کے گھر تشریف لاتے۔پھر دوسرے اہل بیت کے پاس غرضیکہ جانا بھی اس گھر سے ہوتا اور آنا بھی اسی گھر میں،اس گھر کی عزت پر لاکھوں سلام۔۳؎ دروازہ کا یہ پردہ غالبًا تصاویر والا تھا اور چاندی کے کنگن لڑکوں کے لیے تصاویر والا پردہ یہ دونوں حرام ہیں۔جناب فاطمہ کو ان کی حرمت کی ابھی تک خبر نہ

تھی، اسی لیے آپ نے یہ دونوں کام کیے ہوئے تھے ورنہ اہل بیت نبوت دانستہ طور پر ناجائز کام نہیں کرسکتے۔ ۴؎ اظہار ناراضگی کے لیے یہ ایک طریقہ تبلیغ ہے۔ یہ تبلیغ عملی ہے جو قولی تبلیغ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یعنی اظہار ناراضگی۔ ۵؎ آپ نے نور ایمانی، فراست ولایت سے معلوم کرلیا کہ اندر تشریف نہ لانے کی وجہ صرف یہ دو کام ہی ہوسکتے ہیں۔ ۶؎ یا تو قطعت تفسیر ہے۔ تب تو دونوں کے معنی ہی علیحدہ کردیئے یا ف عطف کی ہے یعنی کنگن دونوں صاحبزادوں سے اتار لیے اور توڑ دیئے تاکہ آئندہ یہ بچے انہیں نہ پہن سکیں۔ بہرحال حضور کی ناراضگی ملاحظہ فرما کر یہ دونوں چیزیں ختم کردیں۔ ۷؎ اس طرح کہ کنگن کے ٹکڑے ان کے ہاتھوں میں تھے۔ جناب فاطمہ نے یہ ٹکڑے ان دونوں کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیجے تاکہ حضور انہیں اپنے ہاتھ سے خیرات کردیں اور حضور انور کو اس عمل پر اطلاع ہوجائے اور حضور گھر میں تشریف لائیں۔ ۸؎ وہ لوگ فقراء ہیں، انہیں صدقہ کرکے دے آؤ، ان کا کام چل جائے گا۔ جناب فاطمہ زہرا کا یہ ہی منشا تھا۔ ۹؎ یعنی حضرت فاطمہ زہرا بھی ان کنگنوں کو نہ پہنیں کہ اگرچہ ان کے لیے ان کا پہننا جائز ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے اہل بیت جائز آرائش ٹیپ ٹاپ بھی نہ کریں تاکہ ان کے دل دنیا میں نہ لگیں اور آخرت میں ان کے درجات اور بلند ہوں۔ وہ دنیا میں فقر و ریاضت کی زندگی گزاریں۔ چونکہ فاطمہ زہرا کو گزشتہ واقعہ سے غم ہوا تھا، اس لیے حضور اکرم نے ان کا غم غلط فرمانے کے لیے اگلا حکم صادر فرمایا تاکہ تسلی ہو۔ ۱۰؎ ایک یمنی کپڑے کا نام بھی عصب ہے جو دھاری دار ہوتا ہے اور ایک دریائی جانور کی ہڈی ہے جو کوڑیوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ اسے سکھا کر ہار کے منکے بنائے جاتے ہیں، وہ ہی یہاں مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ عصب ایک دریائی جانور کے دانت ہیں جسے فرس فرعون کہتے ہیں (اشعہ) ۱۱؎ اکثر شارحین نے عاج کے معنی ہاتھی دانت کیے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ایک دریائی جانور کے دانت ہیں۔ سواء سور اور انسان کے باقی تمام حرام جانوروں کی ہڈی جو خشک ہو، پاک ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مِكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۲۷۱) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثمد سرمہ لگایا کرو۔ ۱؎ کہ وہ نگاہ میں جلا دیتا ہے اور بال اگاتا ہے۔ ۲؎ انہوں نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات سرمہ لگاتے تھے تین سلائیاں اس آنکھ میں اور تین اس میں ۳؎ (ترمذی)

(۴۲۷۱) ۱؎ یعنی ہمیشہ اثمد سرمہ لگایا کرو۔ اثمد الف اور میم کے کسرہ ث کے سکون سے ایک خاص سرمہ کا نام ہے جسے اصفہانی سرمہ کہا جاتا ہے۔ یہ ہلکے سرخ رنگ کا سرمہ ہوتا ہے۔ اس بار حج کے موقع پر یہ سرمہ مجھے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سے ملا۔ بعض شارحین کا قول ہے کہ عام سیاہ سرمہ کو ہی اثمد کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ تیہ کا نام اثمد ہے۔ بعض نے کہا کہ جس سرمہ میں تھوڑا مشک حل کرلیا جائے وہ اثمد ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ عرب میں اب بھی اسی خاص لال سرمہ کو اثمد کہا جاتا ہے۔ ۲؎ یعنی اثمد سرمہ آنکھوں کی روشنی زیادہ کرتا ہے۔ پلک کے بال دراز کرتا ہے۔ اگر نہ ہوں تو اگاتا ہے۔ مرقات میں ہے کہ یہ آنکھ کا پانی خشک کرتا ہے۔ آنکھ کے زخم اچھے کرتا ہے، نگاہ قائم رکھتا ہے غرضیکہ اس میں بہت فائدے ہیں مگر اس کے لیے جسے موافق آجائے۔ بعض لوگوں کو موافق نہیں آتا۔ غرضیکہ طبیب کی رائے سے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ ۳؎ اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں دو سلائیاں پھر بائیں آنکھ میں تین۔ پھر داہنی میں ایک اس طرح کہ ابتداء بھی داہنی سے ہو، انتہاء بھی داہنی پر۔ ہمیشہ رات کو سوتے وقت اس طرح سرمہ لگانا فقیری اور ضعف بصر کو دور کرتا ہے۔ بعض روایات میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت

داہنی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں میں دو لگایا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ عمل ہو، کبھی وہ، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہاں زعم کا فاعل حضرت ابن عباس ہیں اور زعم بمعنی قول ہے نہ کہ بمعنی وہم عربی میں بہت دفعہ زعم بمعنی قول استعمال ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ زعم کا فاعل محمد ابن حمید ہیں جو امام ترمذی کے شیخ ہیں مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلٰثاً فِيْ كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَقَالَ اِنَّ خَيْرَ مَاتَدَ اوَيْتُم بِهِ اللُّدُوْدُ وَالسُّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرَمَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ لِاِثْمِدُ فَاِنَّهُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَوَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ اِحْدٰى وَعَشْرِيْنَ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهٖ مَامَرَّ عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا اَحَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۲۷۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے اثمد سرمہ لگاتے تھے۔ ہر آنکھ میں تین سلائیاں افرماتے ہیں کہ حضور فرماتے تھے کہ بہترین دوا جو تم کرو، وہ لیپ ہے۔۲ اور نسوار۔۳ اور پچھنے اور جلاب۔۴ اور بہترین وہ سرمہ جو تم لگاؤ اثمد ہے کہ وہ نگاہ میں جلا دیتا ہے اور بال اگاتا ہے۔۵ اور بہترین دن جس میں تم فصد لو، سترہ تاریخ ہے اور انیس تاریخ اور اکیسواں دن۔۶ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کرائی گئی تو آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے یہ ہی عرض کیا کہ فصد اختیار کرو۔۷ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

(۴۲۷۲) ۱ یعنی رات کو سوتے وقت سرمہ لگاتے تھے۔ دوپہری میں سوتے وقت نہیں سنت یہ ہی ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ لگائے۔ دن میں سرمہ لگانا جمعہ کی نماز کے لیے عیدین کے لیے سنت ہے۔ یوں ہی عاشورہ کے دن اور روزانہ شب کو سنت ہے۔۲ ہر لیپ کو لدود نہیں کہتے بلکہ جو لیپ منہ کے اندرونی حصہ میں کیا جائے ایک طرف یا دوطرفہ جیسے گلے آجانے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔۳ ناک میں دوا چڑھانا سعوط ہے۔ خواہ پتلی دوا چڑھائی جائے یا خشک دوا۔ اکثر دماغی امراض میں نسوار مفید ہوتی ہے۔۴ پیٹ کے امراض کے لیے جلاب بہترین علاج ہے۔ خصوصاً سناء مکی کا جلاب عرب شریف میں عموماً سناء کا جلاب لیا جاتا ہے۔ دموی امراض میں فصد یا پچھنے بہترین علاج ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جن کے جسم میں خون زیادہ ہو یا خون میں جوش یا فساد آگیا ہو۔ جلاب اور فصد ہمیشہ طبیب حاذق کی رائے سے کرنا چاہیے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ حجامت، فصد میں فرق ہے۔ سنگی کے ذریعہ خون نکالنا حجامت ہے اور پچھنے سے خون نکالنا فصد۔۵ اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ بال سے مراد پلک کے بال ہیں۔ یہ فائدے ان لوگوں کے لیے ہیں جنہیں اثمد سرمہ موافق آجائے ناموافق ہونے کی صورت میں نقصان کرتا ہے۔ اس لیے آنکھ کی بیماری والے طبیب کے مشورہ سے یہ سرمہ استعمال کریں۔۶ ان تاریخوں کی ترجیح کی پوری وجہ انشاء اللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں سکون لہذا درمیانی تاریخیں اختیار کی گئیں جبکہ نہ پورا جوش نہ بالکل سکون یہ تاریخیں چاند کی معتبر ہیں نہ کہ انگریزی اور تاریخیں طاق چاہئیں جفت نہ ہوں۔۷ فصد میں جسمانی، روحانی بہت فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد کرانے میں جنون، جذام، برص، زیادتی نیند، دانتوں کی تکالیف دور ہوتی ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ فصد دردسر، آنکھ کی دھند کو دفع کرتی ہے۔ اس سے قوت حافظہ زیادہ ہوتی ہے۔ فصد کے لیے بہترین دن جمعرات، دوشنبہ، منگل کے دن ہیں۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار کے دن فصد نہ کرائے۔ بدھ کے دن فصد کرانے سے کوڑھ پیدا ہونے کا

اندیشہ ہے۔منگل کے دن حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا ہوئی تھی،اس دن فصد بہتر ہے۔(مرقات)

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی الرِّجَالَ وَالنِّسَآءَ عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ اَنْ یَّدْخُلُوْا بِالْمَیَازِرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۷۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع فرمایا۔۱؎ پھر مردوں کو اجازت دی کہ وہ تہبند کے ساتھ وہاں جائیں۔۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۲۷۳) ۱؎ کیونکہ حمام میں بہت بے پردگی ہوتی ہے وہاں کے کام کاج والے لوگ بے پردہ نہانے والوں کے سامنے آتے،انہیں مالش کرتے،ننگے نہلاتے ہیں۔جیسا کہ دیکھا گیا ہے۔۲؎ عورتوں کو تہبند کے ساتھ بھی حمام میں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ ان کا تمام جسم عورت ہے۔از سرتا قدم ان میں سے کسی عضو کا غیروں کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔الاعند الضرورۃ،لہذا اگر یہ حمام میں تہبند باندھ کر بھی غسل کریں تب بھی باقی جسم کھلا رہے گا اور وہاں کے نوکر چاکر ان کو بے پردہ دیکھیں گے۔مرد تہبند باندھ کر نہائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کا سارا جسم ستر نہیں۔خیال رہے کہ عورتوں کی عورت غلیظ یعنی ناف سے گھٹنے تک غیر محرم عورتوں کو بھی دیکھنا حرام ہے۔الا بالضرورۃ حمام میں عورتوں کو اگرچہ عورتیں غسل کرائیں مگر یہ بے پردگی ان سے بھی حرام ہے اور عورتیں اس کی احتیاط ہرگز نہیں کرتیں جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ قَالَ قَدِمَ عَلٰی عَآئِشَةَ نِسْوَةٌ مِّنْ اَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ اَیْنَ اَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّکُنَّ مِنَ الْکُوْرَةِ الَّتِیْ تَدْخُلُ نِسَاءُ هَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلٰی قَالَتْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاتَخْلَعُ امْرَاَةٌ ثِیَابَهَا فِیْ غَیْرِ بَیْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَکَتِ السِّتْرَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ رَبِّهَا وَفِیْ رِوَایَةٍ فِیْ غَیْرِ بَیْتِهَا اِلَّا هَتَکَتْ سِتْرَهَا فِیْمَا بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۷۴) روایت ہے حضرت ابوالملیح سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے پاس حمص کی کچھ عورتیں آئیں۔۲؎ آپ نے کہا،تم کہاں کی ہو؟ وہ بولیں شام کی۔آپ نے فرمایا شاید تم اس جہاں کی عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہیں۔وہ بولیں ہاں۔۳؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ اپنے کپڑے نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور رب تعالٰی کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے۔۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے گھر کے علاوہ میں مگر وہ اپنا پردہ اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان پھاڑ دیتی ہیں۔۴؎ (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۲۷۴) ۱؎ آپ کا نام عامر ابن اسامہ ہے۔ہذلی ہیں تابعی ہیں۔ان کے والد حضرت اسامہ صحابی ہیں۔بصرہ کے رہنے والے ہیں۔۱۲۲ھ(ایک سو بائیس) میں وفات پائی۔۲؎ حمص شام کا مشہور شہر ہے۔دمشق اور حلب کے درمیان ہے۔یہاں ہی حضرت خالد ابن ولید کا مزار مقدس ہے۔دمشق سے حلب کے دس یسرے (شامی روپیہ) کرایہ ہے۔درمیان میں حمص آتا ہے۔حلب میں زکریا علیہ السلام کا مزار ہے۔۳؎ یعنی ہاں واقعی ہمارے علاقہ میں حمام بہت ہیں اور ہمارے ہاں کے مرد وعورتیں حماموں میں غسل کے عادی ہیں۔معلوم ہوا کہ لفظ بلٰی اثبات کے جواب میں بھی استعمال ہوتا ہے۔۳؎ یعنی عورت اپنے خاوند کے گھر میں خاوند کے پاس تو اپنے کپڑے اتار سکتی ہے،اس کے علاوہ کسی کے گھر میں کسی کے سامنے ننگی نہیں ہوسکتی۔اگرچہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ ہو حتی کہ اکیلے میں بھی بلاضرورت ننگی نہ رہے،لہذا عورتوں کا حمام میں ننگے ہونا بھی ممنوع ہوا کہ حمام بھی اسی قاعدے میں داخل ہیں (مرقات) پردہ پھاڑنے سے مراد حیاء وغیرت کا پردہ چاک

کرنا ہے یعنی ایسی عورت رب تعالٰی کے ہاں بے حیاؤں میں شمار ہوتی ہے۔اللہ تعالٰی نے لباس بنایا ہی اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ ستر و پردہ پوشی کی جائے۔ ۲؎ ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں قدرے فرق ہے۔معنی بالکل ایک سے ہیں۔وہاں الستر تھا۔یہاں سترھا ہے۔وہاں بینھما تھا یہاں فیما بینھا ہے۔وہاں ربھا تھا یہاں اللہ عزوجل ہے۔چونکہ محدثین حضور کے الفاظ بعینہ نقل کرتے ہیں،اس لیے یہ فرق روایت میں بھی دکھا دیا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ لَكُمْ اَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِيْهَا بُيُوْتًا يُّقَالُ لَهَا الْحَمَّامَاتُ فَلَا يَدْخُلَنَّهَا الرِّجَالُ اِلَّا بِالْاُ زُرِوَا مْنَعُوْهَا النِّسَآءَ اِلَّا مُرِيْضَةً اَوْنُفَسَآءَ (اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۲۷۵)روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،عنقریب تمہارے لیے عجم کی زمین فتح کی جائے گی ۱؎ اور تم اس میں ایسے گھر پاؤ گے جنہیں حمامات کہا جائے گا تو اس میں مرد نہ جائیں مگر تہبندوں کے ساتھ اور وہاں سے عورتوں کو منع کرو سواء بیمار کے یا نفاس والی کے ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۲۷۵) ۱؎ عرب کے پانچ صوبوں کے سواء باقی کو عجم کہتے ہیں۔اس فتح عجم کی ابتداء زمانہ صدیقی سے ہی ہو چکی تھی۔پھر خلافت فاروقی وعثمانی میں تو سبحان اللہ مشرق و مغرب فتح ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہو بہو درست ہوئی ۲؎ یعنی عورتیں سوا ضرورت کے حمام میں ہرگز نہ نہائیں،مرد بلاضرورت بھی وہاں نہا سکتے ہیں مگر تہبند سے وجہ فرق ابھی کچھ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔حضرت جبرابن نفر فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کا فرمان آیا۔اس میں تھا کہ حمام میں مرد بغیر تہبند اور عورتیں بغیر بیماری کے نہ جائیں۔کھیل صرف تین قسم کے جائز ہیں۔گھوڑا،بیوی،تیر۔حضرت ابوالدرداء حمام میں نہاتے اور اس کی بہت تعریف فرماتے تھے کہ حمام دوزخ کو یاد دلاتا ہے اور بدن کو صاف کرتا ہے یعنی وہاں کمرے کی بھڑک سے دوزخ کی یاد بھڑک آتی ہے(مرقات)بعض بیماریوں میں حمام میں نہانا بہت مفید ہے۔نفاس والی عورت کو حمام سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔اس لیے مریض اور نفاس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔یہ عورتیں بھی حتی الامکان پردہ سے وہاں نہائیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ اِزَارٍ وَّمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلُ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسُ عَلٰى مَائِدَةٍ قَدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۷۶)روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہوا ۱؎ تو بغیر تہبند حماموں میں نہ جائے ۲؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو،وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے ۳؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو تو ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو ۴؎ (ترمذی،نسائی)

(۴۲۷۶) ۱؎ یعنی توحید سے لے کر قیامت تک تمام ایمانیات پر ایمان رکھتا ہو۔ایمانیات کے دو کناروں کا ذکر فرما کر تمام عقائد مراد لیے گئے ہیں۔ایمان سے مراد کامل ایمان ہے ۲؎ کیونکہ وہاں حمام کے ملازمین ملنے جلنے والے اور نہانے والے اور نائی موجود ہوتے ہیں،ان کے سامنے ننگا نہ ہو،ہاں اگر تنہائی کی جگہ مل جائے تو جائز ہے ۳؎ یعنی اسے وہاں نہ نہانے دے نہ تہبند سے نہ بغیر تہبند وجہ فرق معلوم ہو چکی کہ عورت کا جسم سر سے پاؤں تک ستر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حمام میں غسل نہ فرمایا۔مکہ مکرمہ میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب

جو حمام ہے جسے حمام النبی کہتے ہیں یا تو اس لیے کہ وہ حضور کی ولادت گاہ کے قریب ہے یا اس لیے کہ اس جگہ کبھی حضور انور نے غسل کیا ہوگا۔ وہاں حمام بنا دیا گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس حمام میں حضور نے غسل کیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ حمام میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔ ۲ یعنی فقہاء فرماتے ہیں کہ جس دسترخوان پر فسق و فجور رہا ہو، وہاں کھانا ممنوع ہے۔ اس کا ماخذ یہ حدیث ہے، لہذا اگر شادی میں خاص دسترخوان پر ناچ گانا ہے تو وہاں کھانا نہ کھائے اور اگر اس کے قریب یہ کام ہے خاص دسترخوان پر نہیں تو مشہور متقی نہ کھائے عام مسلمان کھا سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَاْسِهٖ فَعَلْتُ قَالَ وَلَمْ يَخْتَضِبْ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَّقَدِ اخْتَضَبَ اَبُوْ بَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۷۷) روایت ہے حضرت ثابت سے ۱ فرماتے ہیں کہ حضرت انس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر میں چاہتا کہ وہ سفید بال گنوں جو آپ کے سر میں تھے تو کر لیتا۔ ۲ فرمایا اور خضاب نہ کیا۔ ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا۔ ۳ اور حضرت عمر نے خالص مہندی سے خضاب کیا۔ (مسلم بخاری)

(۴۲۷۷) ۱ آپ کا نام ثابت ابن اسلم بنانی ہے۔ کنیت ابومحمد بصرہ کے مشہور بڑے عابد تابعی ہیں۔ حضرت انس کے ساتھ چالیس سال تک رہے، چھیاسی سال عمر پائی۔ ۱۲۳ھ (ایک سو تیئس) میں وفات پائی۔ آپ اکثر حضرت انس سے روایات لیتے ہیں۔ ۲ یعنی سر شریف اور ڈاڑھی مبارک میں چند گنتی کے بال سفید تھے جو شمار میں آ جاتے، پھر خضاب کیسے ہوتا۔ ۳ یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پکا لال رنگ کا خضاب کیا جو مہندی اور تھوڑے وسمہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اتنا وسمہ شامل نہ کیا کہ سیاہ ہو جائے کہ سیاہ خضاب مطلقاً ممنوع ہے اور حضرت عمر نے خالص مہندی کا سرخ خضاب کیا، لہذا خضاب سنت صحابہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهٗ بِالصُّفْرَةِ حَتّٰى يَمْتَلِئَ ثِيَابُهٗ مِنَ الصُّفْرَةِ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبَغُ بِهَا وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْهَا وَقَدْ كَانَ يَصْبَغُ بِهَاثِيَابَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى عِمَامَتَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۴۲۷۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ اپنی ڈاڑھی زردی سے پیلی کرتے تھے حتی کہ آپ کے کپڑے زردی سے بھر جاتے تھے۔ ۱ ان سے کہا گیا کہ آپ زرد خضاب کیوں کرتے ہیں، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی سے خضاب کرتے دیکھا۔ ۲ اور کوئی چیز آپ کو اس سے پیاری نہ تھی اور اس سے اپنے کپڑے سارے رنگ لیا کرتے تھے حتی کہ اپنے عمامہ کو بھی۔ ۳ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۲۷۸) ۱ یعنی ورس خضاب کرتے تھے۔ یہ ایک گھاس ہے جو زعفرانی رنگ دیتی ہے۔ کبھی صرف اس سے خضاب کرتے ہیں۔ کبھی مہندی میں ملا کر کپڑے سے مراد سر سے باندھنے والا کپڑا ہے یا وہ جو خضاب لگا کر ڈاڑھی پر لپیٹ لیا جاتا ہے نہ کہ قمیص و تہبند۔ ۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے جس کا رنگ ڈاڑھی پر اور اس کپڑے پر ظاہر ہو جاتا تھا۔ یہ رنگ خضاب کا نہ تھا یا غسل کے وقت سر و ڈاڑھی شریف میں کوئی چیز مل کر غسل فرماتے تھے صفائی کے لیے، یہ رنگ اس کا ہوتا تھا، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے

کہ حضور نے خضاب کبھی نہ لگایا۔ ۳؎ یہ ہے سنت کی اتباع کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کسی اور وجہ سے بھی کیا، تب بھی حضرت ابن عمر نے اس کام میں اتباع کی۔ دیکھو حضور کا یہ عمل خوشبو استعمال کرنے کی حیثیت سے تھا۔ حضرت ابن عمر نے رنگ ہی کرلیا، ان کا دل اتباع رسول کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهِبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعْرًا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۷۹) روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں جناب ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ہمارے سامنے حضور کے بالوں میں سے ایک بال نکالا، خضاب کیا ہوا۔ ۲؎ (بخاری)

(۴۲۷۹) ۱؎ آپ تابعی ہیں، تیمی ہیں۔ ان کے والد یعنی عبداللہ ابن موہب فلسطینی ہیں، وہاں کے قاضی تھے۔ یہ عثمان ثقہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، جابر ابن سمرہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ۲؎ بعض روایات میں ہے کہ سرخ رنگ کا خضاب تھا یا تو حضرت ام سلمہ نے اس بال شریف کو خوشبو میں رکھا تھا، یہ رنگ اس خوشبو کا تھا یا حضور نے خوشبو ملی تھی، یہ رنگ اس کا تھا یا حضور نے سر شریف میں ٹھنڈک کے لیے مہندی لگائی تھی۔ یہ رنگت اس کی تھی، لہذا یہ حدیث خضاب نہ لگانے کی احادیث کے خلاف نہیں۔ حضرت ام سلمہ نے حضور کی ڈاڑھی کا بال اپنے پاس تبرکا رکھا ہوا تھا۔ (مرقات) نہ معلوم یہ وہ بال شریف تھا یا دوسرا بہر حال حضور کا بال شریف تبرک کے لیے رکھنا اس کی زیارت کرنا سنت صحابہ ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِىَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَآءِ فَاَمَرَبِهٖ فَنُفِىَ اِلَى النَّقِيْعِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَقْتُلُهٗ فَقَالَ اِنِّىْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۸۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث لایا گیا ۱؎ جس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ عورتوں کی شکل بناتا ہے تو حکم دیا اسے نقیع کی طرف نکال دیا گیا۔ ۳؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ، کیا ہم اسے قتل نہ کردیں، فرمایا مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ ۴؎ (ابوداؤد)

(۴۲۸۰) ۱؎ مخنث کا بیان کتاب النکاح میں گزر چکا کہ پیدائشی مخنث ہونا فسق نہیں وہ تو قدرتی چیز ہے۔ ہاں بہ تکلف مخنث بننا اپنی آواز لباس وضع قطع عورتوں کی رکھنا فسق ہے۔ ۲؎ عورتوں کی سی شکل بنانے کے لیے یہ حرکات کرتا تھا۔ جیسا آج کل ہیجڑوں میں دیکھا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔ ۳؎ نقیع مدینہ منورہ کے باہر ایک جنگل ہے جہاں اہل مدینہ کے جانور چرا کرتے تھے۔ اس مخنث کو اس لیے نکال دیا تاکہ اہل مدینہ اس کی صحبت سے بچیں اور اسے عبرت ہو اور توبہ کرے اور پھر واپس آجائے یہ مطلب نہیں کہ اسے اس حرکت سے منع نہیں فرمایا گیا، یہ نکالنا عملی ممانعت ہے۔ ۴؎ یعنی اس مخنث کا نمازیں پڑھنا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے اور اس نے کوئی ایسا جرم کیا نہیں جس کی سزا قتل ہو جیسے زنا یا ظلماً قتل لہذا اسے قتل نہیں کیا جاسکتا، اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ نمازی آدمی خواہ کیا ہی جرم کرے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔ خیال رہے کہ یہ مخنث اگر منافق تھا، تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر مخلص مومن تھا تو اس نے یقیناً توبہ کرلی ہوگی، توبہ کر کے مرا ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ صحابی ہے اور صحابہ تمام عادل ہیں، کوئی فاسق نہیں یعنی کوئی صاحب گناہ پر قائم نہیں رہے۔ ان کی عدالت کی گواہی قرآن کریم دے رہا ہے۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

وَعَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ جَعَلَ اَهْلُ مَكَّةَ يَاْتُوْنَهٗ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُوْلَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَيَمْسَحُ رُءُوْسَهُمْ فَجِيْءَ بِيْ اِلَيْهِ وَاَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ يَمَسَّنِيْ مِنْ اَجْلِ الْخَلُوْقِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۸۱) روایت ہے حضرت ولید ابن عقبہ سے[۱] فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مکہ والے حضور کے پاس اپنے بچے لانے لگے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا برکت فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے[۲] مجھے آپ کے پاس لایا گیا، میں خلوق والا تھا تو خلوق کی وجہ سے مجھے مس نہ فرمایا[۳] (ابوداؤد)

(۴۲۸۱) [۱] آپ کی کنیت ابو وہب ہے قریشی ہیں حضرت عثمان غنی کے ماں شریکے بھائی ہیں یعنی اروی کے شکم سے وہ بھی پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے بڑے شاعر تھے۔حضرت عثمان غنی کی خلافت میں کوفہ کے حاکم رہے۔مقام رقہ میں آپ کی وفات ہوئی۔[۲] سبحان اللہ حضور انور نے فتح مکہ فرمانے پر اہل مکہ کے دل بھی جیت لیے کہ یہ لوگ آج ہی مسلمان ہوئے اور آج ہی حضور انور کے ایسے معتقد ہو گئے کہ اپنے بچوں کو حضور پر پیش کرنے لگے۔حضور کا کرم کریمانہ ہے کہ ان کے بچوں پر بھی حضور کرم نوازی فرمانے لگے۔[۳] یعنی میرے سر پر ہاتھ تو نہ پھیرا مگر دعا فرمائی، ہاتھ اس لیے نہ پھیرا تاکہ حضور انور کے ہاتھ میں وہ رنگت والی خوشبو نہ لگ جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ جُمَّةً اَفَاُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا قَالَ فَكَانَ اَبُوْ قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۴۲۸۲) روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے بال جمہ ہیں[۱] تو کیا میں ان میں کنگھی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں اور ان کی خدمت کرو[۲] فرماتے ہیں کہ ابو قتادہ بہت دفعہ ان میں ایک دن میں دوبار تیل لگاتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ ہاں اور ان کی خدمت کرو[۳] (مالک)

(۴۲۸۲) [۱] جمہ وہ بال ہیں جو کندھوں اور کان کے درمیان ہوں، سر کے بالوں کی تین حدیں ہیں۔وفرہ، جمہ، لمہ کندھوں سے نیچے مرد کے بال نہ چاہئیں۔[۲] یعنی جو شخص اپنے سر پر بال رکھے تو انہیں پریشان نہ رکھے، بال بکھیرے نہ رہے، بھوت بنا ہوا نہ رہے۔سر دھونا، تیل ڈالنا، کنگھی کرنا یہ کام کرتا رہے، پھر اس مانگ پٹی میں اتنا بھی مشغول نہ ہو کہ روزہ، نماز ہی بھول جائے۔[۳] اگرچہ اتنا زیادہ مانگ پٹی کرنا بہتر نہیں مگر انہوں نے سمجھا کہ میرے لیے بہتر ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا، بالوں کی خدمت کرو، لہذا میرا اور حکم ہے دوسروں کا اور حکم جیسے حضرت انس کی والدہ نے جناب انس کے سر کے اگلے بال نہ ترشوائے خصوصیت کی بنا پر (اشعۃ اللمعات)

وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِيْ اُخْتِي الْمُغِيْرَةُ قَالَتْ وَاَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَّلَكَ قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَاْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُوْدِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۲۸۳) روایت ہے حضرت حجاج ابن حسان سے[۱] فرماتے ہیں کہ ہم انس ابن مالک کے پاس گئے تو مجھے میری بہن مغیرہ نے بتایا، بولیں کہ تم اس دن بچے تھے۔[۲] اور تمہارے دو گیسو یا پیشانی پر دو جوڑے تھے۔[۳] تو تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہیں دعائے برکت دی اور فرمایا کہ ان دونوں کو مونڈوا دیا اور کترا دیا کرو کیونکہ یہ یہود کا طریقہ ہے[۴] (ابوداؤد)

(۴۲۸۳) ۱؎ تابعی ہیں بصری ہیں امام احمد ابن حنبل نے ایک بار کہا کہ ثقہ ہیں دوسری بار کہا کہ ان سے حدیث لینے میں حرج نہیں۔ یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ وہ صالح الحدیث ہیں ۲؎ یعنی حضرت انس کے پاس جانے کے واقعہ کی تفصیل مجھے یاد نہیں۔ میری بہن مغیرہ نے مجھے یہ تفصیل سنائی، وہ بھی ہم سب کے ساتھ اس دن جناب انس کے پاس گئی تھیں۔ مغیرہ بدل یا عطف بیان ہے اختی سے اور لفظ مغیرہ مشترک ہے۔ عورت و مرد کے درمیان کہ مغیرہ مردوں کے نام بھی ہوتے ہیں، عورتوں کے نام بھی۔ ۳؎ قرنان تثنیہ ہے قرن کا بمعنی لٹ یا گیسو اور قصتان تثنیہ ہے قصہ کا قصہ ق کے پیش صاد کے شد سے بمعنی جوڑا یعنی پیشانی کے بال جمع کر کے دھاگہ سے باندھ لیے جائیں ۴؎ یعنی حضرت انس نے تمہارے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور تمہارے لیے دعا برکت بھی کی اور یہ حکم بھی دیا، پہلے گزر چکا ہے کہ قزع سے حضور انور نے ممانعت فرمائی، یہ ہی آپ فرمارہے ہیں کہ یا تو کل بال رکھاؤ یا کل کترا ؤ یا منڈواؤ۔ بعض بال کتر دینا بعض رکھنا درست نہیں یہ طریقہ یہود ہے۔ آج کل سکھ سر کے بال بہت دراز رکھتے ہیں اور انہیں سر کے وسط جوڑا بنا لیتے ہیں، مسلمان کے لیے یہ بھی ممنوع ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَاْسَهَا (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۴۲۸۴) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت اپنا سر منڈائے ۱؎ (نسائی)

(۴۲۸۴) ۱؎ جیسے مرد کو ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔ ایسے ہی عورت کو سر کے گیسو منڈانا یا کتروانا حرام ہے۔ مرد کی زینت ڈاڑھی سے ہے۔ عورت کی زینت سر کے گیسوؤں سے اس میں گفتگو ہے کہ مرد کو سر منڈانا سنت ہے یا رخصت۔ حق یہ ہے کہ رخصت ہے سنت نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ نے سواء احرام سے کھلنے کے کبھی سر نہیں منڈایا۔ حضرت علی ضرورۃً منڈایا کرتے تھے۔ (مرقات) فقیر کہتا ہے کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا سر منڈانا ثابت نہیں کترایا کرتے ہیں۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّاْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۴۲۸۵) روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے تو ایک شخص سر اور ڈاڑھی بکھیرے آیا ۲؎ تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ گویا آپ اسے اپنے بال اپنی ڈاڑھی کی درستی کا حکم دے رہے تھے ۳؎ چنانچہ اس نے کرلیا، پھر واپس آیا ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر بکھیرے ہوئے آئے۔ ۵؎ (مالک)

(۴۲۸۵) ۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مشہور تابعی ہیں، مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ چوراسی سال عمر پائی۔ ۹۷ (ستانوے) ہجری میں وفات پائی۔ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اکثر روایات حضرت ابن عباس سے لیتے ہیں۔ یہ حدیث مرسل ہے ۲؎ اس طرح کہ نہ سر میں تیل کنگھی نہ ڈاڑھی میں دونوں کے بال بکھرے ہوئے تھے جس سے شکل بگڑ گئی تھی، بری معلوم ہوتی تھی ۳؎ یعنی آپ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان دونوں کو ٹھیک کرے، حضور کا ہر عضو مبلغ ہے ۴؎ یعنی مجلس شریف سے باہر گیا، وہاں درست کر کے پھر حاضر ہوا۔ ۵؎ شیطان سے مراد مردود جن ہیں یعنی بھوت یہ اپنی بدشکلی میں

مشہور،ان کی شکل ڈراونی ہوتی ہے۔جیسے فرشتے اچھی صورت سیرت میں مشہور ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ سُمِعَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُّحِبُّ الطِّيْبَ نَظِيْفٌ يُّحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُّحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُّحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا اُرَاهُ قَالَ اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۲۸۶) روایت ہے ابن میبّب سے۱انہیں یہ کہتے سنا گیا کہ اللہ تعالٰی پاک ہے، پاکی پسند فرماتا ہے۔ظاہر باطن ستھرا ہے۔ستھراپن پسند کرتا ہے۔۲کریم ہے کہ کرم پسند کرتا ہے۔سخی ہے سخاوت پسند فرماتا ہے۔۳تو تم صفائی رکھو۔مجھے خیال ہے کہ فرمایا اپنے صحنوں کو۴اور یہود سے مشابہت نہ کرو۔۵فرماتے ہیں کہ میں نے مہاجر ابن مسمار سے یہ ذکر کیا۔۶تو انہوں نے کہا کہ مجھے عامر ابن سعد نے ۷اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی مگر انہوں نے کہا کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو۔۸(ترمذی)

(۴۲۸۶) ۱آپ کا نام سعید ابن میبّب ہے۔مشہور تابعی ہیں۔خلافت فاروقی کے دوسرے سال میں پیدا ہوئے۔آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔قرشی،مخزومی،مدنی ہیں۔بڑے محدث،فقیہ،متقی،پرہیزگار تھے۔حضرت مکحول کہتے ہیں کہ میں طلب علم میں دنیا میں گھوما۔میں نے چالیس حج کیے مگر سعید ابن میبّب سے بڑا عالم نہ پایا۔۹۳ھ (ترانوے ہجری) میں وفات پائی۔(مرقات)۲ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو طیب اور ظاہری باطنی دونوں پاکیوں کو نظافۃ کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالٰی بندے کی ظاہری باطنی پاکی پسند فرماتا ہے۔بندے کو چاہیے کہ ہرطرح پاک رہے۔جسم،نفس،روح،لباس،بدن،اخلاق غرضیکہ ہر چیز کو پاک رکھے،صاف رکھے۔اقوال،افعال،احوال،عقائد سب درست رکھے۔اللہ تعالٰی ایسی نظافت نصیب کرے۔۳کرم وسخاوت میں فرق ہے۔کریم وہ جو غذائیں ہی سخاوت کرے،سخی وہ جو چیز میں سخاوت کرے جس انسان کے اچھے اخلاق ظاہر ہوں،وہ کریم ہے۔(مرقات)۴یعنی اپنے گھر تک صاف رکھو،لباس،بدن وغیرہ کی صفائی تو بہت ہی ضروری ہے۔گھر بھی صاف رکھو،وہاں کوڑا اجالا وغیرہ جمع نہ ہونے دو۔۵کیونکہ یہود اپنے گھر کے صحن صاف نہیں رکھتے نیز یہود بہت گندے بہت بخیل بڑے خسیس بڑے ذلیل ہیں۔عیسائی اگرچہ کافر ہیں مگر وہ یہود کی طرح گندے نہیں۔ان میں کچھ صفائی ہے،اگرچہ ان کے بھی دانت میلے،منہ بدبودار اور ناخن لمبے ہوتے ہیں۔ہرطرح کی صفائی تو اسلام نے ہی سکھائی ہے۔۶یعنی میں نے یہ حدیث جو سعید ابن میبّب سے سنی تھی،مہاجر ابن مسمار کو سنائی اور پوچھا کہ کیا آپ نے بھی یہ حدیث کسی سے سنی ہے۔مہاجر ابن مسمار زہری ہیں،یہ تابعی ہیں،ثقہ ہیں۔۷عامر ابن سعد ابن ابی وقاص بھی زہری قرشی ہیں۔تابعی ہیں۔۱۰۴(ایک سو چار) ہجری میں وفات پائی ہے۔انہوں نے اپنے والد سے اور حضرت عثمان غنی سے ملاقات کی ہے۔(مرقات)۸لہذا یہ حدیث موقوف بھی ہے مرفوع بھی۔سعید ابن میبّب کی روایت میں موقوف ہے اور عامر ابن سعد کی روایت میں مرفوع۔

وَعَنْ يَّحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ اَوَّلَ

(۴۲۸۷) روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے انہوں نے سعید ابن میبّب کو فرماتے سنا کہ رحمٰن کے خلیل ابراہیم لوگوں میں پہلے

النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهٗ وَ اَوَّلَ النَّاسِ رَاَى الشَّيْبَ فَقَالَ يَا رَبِّ مَاهٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَقَارٌ يَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا (رَوَاهُ مَالِكٌ)

وہ ہیں جنہوں نے مہمانوں کی مہمانی کی۔[1] اور لوگوں میں پہلے آپ نے ختنہ کیا[2] اور لوگوں میں پہلے آپ نے اپنی مونچھ تراشی۔[3] اور لوگوں میں پہلے آپ نے بڑھاپا دیکھا[4] تو عرض کیا یارب یہ کیا رب تعالٰی نے فرمایا، یہ وقار ہے۔[5] اے ابراہیم عرض کیا، یارب میرے وقار کو بڑھادے۔[6] (مالک)

(۴۲۸۷) [1] اس طرح کہ آپ سے پہلے کسی نے مہمان نوازی کا اتنا اہتمام نہ کیا۔ جتنا آپ نے کیا، آپ تو بغیر مہمان کھانا ہی نہ کھاتے تھے۔[2] آپ سے پہلے انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے اور ان کی امتوں نے ختنہ کیا نہیں کیونکہ اس زمانہ میں ختنہ کا شرعی حکم نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ کے دین میں ختنہ حکم شرعی بنا اور آپ کی وجہ سے ختنہ سنت ابراہیم ہوا۔[3] آپ سے پہلے کسی نبی کی مونچھیں بڑھی نہیں یا بڑھیں اور انہوں نے تراشیں مگر ان کے دینوں میں مونچھ کاٹنا حکم شرعی نہ تھا۔ اب آپ کی وجہ سے یہ عمل سنت ابراہیمی ہوا۔[4] آپ سے پہلے کسی کے بال سفید نہ تھے، اگرچہ ان کی عمریں صد ہا سال ہوتیں۔ سب سے پہلے آپ کے بال سفید ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال مگر بال کسی کے سفید نہ ہوئے۔[5] یعنی بال کی سفیدی وقار کا سبب ہے۔ اس سے علم صبر، عفو اور بڑی اعلیٰ صفات انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔[6] یعنی مجھے حلم و وقار عطا فرما، اس طرح کہ بالوں کی سفیدی بڑھ جائے جس سے وقار بڑھے یا اس طرح کہ بال ایسے ہی رہیں، صرف وقار بڑھے۔ یہ تو رب تعالٰی کی دین ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف سیاہ رہے، وقار سب سے زیادہ عطا ہوا۔

بَابُ التَّصَاوِيْرِ
تصویروں کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

تصاویر جمع ہے تصویر کی۔ بمعنی صورت بنانا، یہ جاندار کی حرام ہے۔ بے جان کی جائز ہے۔ تصویر میں مروجہ فوٹو، قلم کی تصویریں، مجسمے سب ہی داخل ہیں کہ غیر جاندار کے حلال ہیں، جاندار کے حرام حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصاویر حرام نہ تھیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَايَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ (۳۴:۱۳) اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِىْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَآئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِيْرُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۸۸) روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے[1] فرماتے ہیں، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں کتا ہو، نہ اس گھر میں جس میں تصویریں ہوں۔[2] (مسلم بخاری)

(۴۲۸۸) [1] آپ کا نام سہل ابن زید ہے۔ انصاری ہیں۔ حضرت انس کے سوتیلے والد مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں۔ آپ کا مزار بصرہ میں ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔[2] ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، حافظین، کاتبین اور عذاب کے فرشتے تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کتے سے مراد غیر ضروری کتا ہے اور تصاویر سے مراد جاندار کی تصویریں ہیں جو شوقیہ بلا ضرورت ہوں اور احترام سے رکھی جائیں۔ یہ قیدیں ضروریاد رہیں، لہذا نوٹ، روپیہ پیسہ کی تصاویر جو ضروری ہیں اور فرش و بستر پر تصاویر جو پاؤں سے روندی جائیں جائز ہیں۔ ان کی وجہ سے فرشتے آنے سے نہیں رکتے۔ بچوں کی گڑیاں ان سے کھیلنا بچوں کے لیے جائز ہے مگر اس کی تجارت ممنوع ہے۔ مذہب امام مالک، بعض نے فرمایا کہ گڑیا

سازی کی احادیث منسوخ ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ غیر منسوخ ہیں (مرقات) اور بچیوں کا گڑیاں بنانا ان سے کھیلنا درست ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَّاجِمًا وَّقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَّلْقَانِيَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِيْ اَمَ وَاللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ ثُمَّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَهٗ فَاَمَرَبِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَبِيَدِهٖ مَآءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيَ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۸۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ جناب میمونہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن غمگین سویرا کیا۔ا اور فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا مگر مجھے ملے نہیں، واللہ انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ۲ پھر آپ کے خیال میں ایک کتے کا بچہ آیا جو آپ کے تخت کے نیچے تھا۔۳ حکم دیا وہ نکال دیا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ شریف میں پانی لیا، اسے اس کی جگہ چھڑک دیا۔۴ جب شام ہوئی تو حضرت جبریل آپ کو ملے تو فرمایا کہ تم نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا تھا، وہ بولے، ہاں لیکن ہم اس گھر میں نہیں جاتے ۔۵ جہاں کتا ہو نہ وہاں جہاں تصویر ہو۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اٹھ کر کتوں کے قتل کا حکم دے دیا حتی کہ حضور چھوٹے باغ کے کتے کے قتل کا حکم دیتے تھے بڑے باغ کے کتے کو چھوڑ دیتے تھے۔۶ (مسلم)

(۴۲۸۹) ا یعنی آپ صبح کے وقت بہت غمگین اٹھے۔ واجم بنا ہے وجم سے بمعنی خاموشی اور غم غصہ واجم وہ جو غم کی وجہ سے خاموش ہو۔۲ یعنی حضرت جبریل صادق الوعد ہیں، ناممکن ہے کہ وہ وعدہ خلافی کریں۔۳ فسطاط، ف کے پیش سے خیمہ کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد تخت ہے۔ (مرقات) کیونکہ خیمہ سفر میں ہوتا ہے نہ کہ گھر میں۔۴ کتے کی جگہ پر پانی چھڑکنا تقویٰ احتیاط کی تعلیم کے لئے ہے ورنہ کتے کا جسم ناپاک نہیں، اس کے منہ کا لعاب ناپاک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں تکدر ہو جائے تو اس کی وجہ معلوم کر کے بدلہ کر دے۔ اس میں غور و فکر کرنا بھی عبادت ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا (۲۰۱/۷) بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں (کنزالایمان) ہمارے متقی بندے وہ ہیں کہ جب انہیں شیطان چھو بھی جائے تو وہ لوگ سوچ لیتے ہیں۔۵ یعنی ہم تو حسب وعدہ حاضر ہونے کو تیار تھے مگر آپ کے گھر میں رکاوٹ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے گھر میں کتا نہ بھی پالا گیا ہو، دوسری جگہ سے ہی آ کر گھر میں بیٹھ جائے تب بھی ملائکہ کی تشریف آوری سے رکاوٹ ہے۔ اس لیے باہر کا کتا بھی نہ آنے دیا جائے۔۶ چونکہ بڑے باغوں کی حفاظت بغیر کتے کے مشکل ہے اور چھوٹے باغ کی حفاظت صرف مالک کر لیتا ہے، اس لیے یہ فرق رکھا گیا ہے۔ یہ فرق اس زمانہ میں جانوروں کے چھوٹے بڑے ریوڑوں میں رکھا گیا ہوگا کہ بڑے ریوڑوں کی حفاظت کے کتے باقی رکھے گئے ہوں گے مگر اب یہ حدیث منسوخ ہو چکی۔ اب شکار اور گھر بار اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے پالنا جائز ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبُ اِلَّا نَقَضَهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۹۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کوئی ایسی چیز نہ چھوڑتے جس میں تصویریں ہوں مگر اسے توڑ دیتے تھے۔ا (بخاری)

(۴۲۹۰) ۱؎ تصالیب جمع ہے تصلیب کی۔اس کے معنی ہیں صلیب کی شکل بنانا پھر خود صلیب کو تصلیب کہنے لگے۔اب یہ لفظ بمعنی تصویر استعمال ہوتا ہے۔یہاں یہ ہی تیسرے معنی مراد ہیں۔صلیب نی کی شکل کی دولکڑیاں اس طرح T عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی لکڑیوں کی شکل پر سولی دی گئی،لہذا یہ لوگ اس کی بہت تعظیم بلکہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔اکثر جگہ صلیبی نشان لگاتے ہیں اور اپنے سینہ پر اس کے نشان رکھتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی کسی چیز پر تصویر باقی نہ چھوڑتے تھے،اسے پھاڑ دیتے یا توڑ دیتے تھے۔اس تصویر میں وہ تمام قیدیں ہیں جو شروع باب میں عرض کی گئیں یعنی جاندار کی تصویر غیر ضروری اور محترم لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرَقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَالُ هٰذِهِ النُّمْرَقَةِ قَالَتْ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِىْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۱) روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے ایک پردہ خریدا جس میں تصویریں تھیں ۱؎ پھر جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہوگئے اندر نہ آئے ۲؎ میں نے آپ کے چہرے میں ناپسندیدگی محسوس کی ۳؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں ۴؎ میں نے کیا گناہ کیا ۵؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس پردہ کا کیا حال ہے۔میں نے عرض کیا کہ یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور آپ اس سے تکیہ لگائیں ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے ۷؎ ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ۸؎ انہیں زندہ کرو ۹؎ اور فرمایا کہ وہ گھر جس میں تصویر ہو،اس میں فرشتے نہیں آتے۔۱۰؎ (مسلم بخاری)

(۴۲۹۱) ۱؎ نمرقہ ن اور ر کے کسرہ بھی آتا ہے اور ان دونوں کے پیش سے بھی تکیہ،پردہ زین پر ڈالنے کی چادر ان سب کو نمرقہ کہا جاتا ہے۔غالبًا یہ پردہ تھا جو دروازہ پر لٹکایا گیا تھا۔اس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں۔۲؎ اظہار ناراضی کے لیے یہ عملی تبلیغ ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر با اثر عالم یا شیخ کسی فسق کی جگہ نہ جائے تو فسق بند ہوجائے ایسی صورت میں ہرگز نہ جائے اور اگر اس کے نہ جانے سے اثر نہ پڑے تو جاسکتا ہے۔اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔۳؎ آپ ہیں مزاج شناس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ شریف سے کچھ نہ فرمایا مگر آپ نے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار معلوم کرلیے۔۴؎ سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کلمہ ہے۔اس عرض معروض سے دو مسئلہ معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ حضور کا نام لینا بغیر فاصلہ کے بالکل جائز ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹:۷۴) اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔(کنزالایمان) لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول بھلا کرے۔اللہ رسول کی بڑی مہربانی ہے۔دوسرے یہ کہ توبہ اور دوسری عبادات میں اللہ کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا بالکل جائز ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (۹:۶۲) اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے:وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۴:۱۰۰) اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا (کنزالایمان) صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر گناہ میں اللہ تعالٰی کی بھی ناراضی ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی۔عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (۹:۱۲۸) جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے (کنزالایمان) ہر گناہ سے دو حق تلفیاں ہوتی

ہیں،لہٰذا ہر گناہ کی توبہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی کرے اور حضور کی بارگاہ میں بھی دونوں ذاتوں سے معافی چاہیے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوبارہ الی فرمانے سے معلوم ہوا کہ دونوں ذاتوں کی طرف رجوع کرنا مستقل ہے،کوئی کسی کے تابع نہیں۔۵؎ سبحان اللہ گناہ کے علم سے پہلے توبہ کرلی،حضور کو راضی کرنے کے لیے رب فرماتا ہے۔عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ(۹،۴۳)اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا(کنزالایمان) خطا کے ذکر سے پہلے معافی کا اعلان۔۶؎ یعنی میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ کپڑا یا تکیہ آپ کی خاطر خریدا ہے، اپنے لیے نہیں خریدا۔مجھے خبر نہ تھی کہ حضور اس سے ناراض ہوں گے۔۷؎ اس فرمان سے معلوم ہو رہا ہے کہ تصویریں بنانے والے اور ان کو شوقیہ رکھنے والے دونوں ہی اس مذکورہ سزا کے مستحق ہیں کیونکہ ام المومنین نے یہ تصاویر بنائی نہ تھیں،صرف رکھی تھیں اور حضور نے یہ ارشاد فرمایا (مرقات)اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوقیہ تصویر کھنچوانا بھی حرام ہے کہ تصویر کھنچوانا اور تصویر رکھنے میں تصویر بنانے والوں کی امداد ہے،گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔۸؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ تصویر والوں سے مراد تصویر بنانے والے اور تصویر استعمال کرنے والے سب ہی ہیں اور ان سب پر یہ عتاب ہوگا مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف تصویر بنانے والے ہیں کیونکہ خلقتم انہیں سے کہا جاسکتا ہے۔ بہرحال تصویر بنانا سخت حرام اور تصویر کھچوانا اسے حرمت سے رکھنا اس لیے حرام ہے کہ یہ گناہ پر مدد ہے۔۹؎ یہ حکم تعجیزی ہے جیسے فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ میں ہے یعنی اس فرمان کا مقصود مصورین کو عاجز کرنا ہے نہ کہ انہیں روح پھونکنے کا حکم دینا معلوم ہوا کہ ہر حکم وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔۱۰؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اگرچہ بعض تصویروں کا رکھنا جائز ہے مگر ان سے بھی رحمت کے فرشتے نہیں آتے کیونکہ تکیہ میں تصویر تو جائز ہے کہ اس میں تصویر کا احترام نہیں۔پھر بھی حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کی تصویروں سے بھی فرشتے رحمت کے نہیں آتے مگر حق یہ ہے کہ جس تصویر کا رکھنا شرعًا جائز ہو،اس سے رحمت کے فرشتے نہیں رکتے جس کا رکھنا ممنوع ہے،اس سے رکتے ہیں۔اگر یہ تصاویر ذلت سے پڑی تھیں تب یہ فرمان عالی تقویٰ کی تعلیم کے لیے ہے کہ ہمارے اہل بیت کو اس طرح تصویریں رکھنا بھی مناسب نہیں۔اگر احترام سے تھیں تو یہ فرمان اپنی حقیقت پر ہے،اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے،اس لیے حضور گھر میں نہ آئے۔(مرقات)

وَعَنْھَا اَنَّھَا کَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰی سَھْوَۃٍ لَّھَا سِتْرًا فِیْہِ تَمَاثِیْلُ فَھَتَکَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْہُ نُمْرُقَتَیْنِ فَکَانَتَا فِی الْبَیْتِ یَجْلِسُ عَلَیْھِمَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۴۲۹۲) روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے اپنے ایک طاق پر پردہ ڈالا جس میں تصویریں تھیں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھاڑ دیا۔۱؎ پھر انہوں نے اس کے دو تکیے گھر میں بنا لیے جن پر حضور بیٹھے تھے۔۲؎(مسلم بخاری)

(۴۲۹۲) ۱؎ اس طرح کہ وہ طاق وغیرہ پر لٹکانے کے قابل نہ رہا۔تب اسے بچھانا پڑا لٹکانے اور بچھانے کے احکام میں فرق ہے۔۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تصاویر بستر یا فرش پر ہوں جو پاؤں تلے تصویریں روندی جاتی ہوں تو جائز ہے۔یہ حدیث بظاہر پچھلی حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ وہاں تو تکیوں کی تصاویر سے منع فرمایا گیا اور یہاں اس کی اجازت دی گئی،لہٰذا یا تو یہ تصویریں جاندار کی نہ تھیں اور اس پردہ کو پھاڑنا اس لیے تھا کہ دیواروں،چھت پر غلاف ڈالنا دنیاوی تکلف ہے جس سے اہل بیت کو بچنا چاہیے اور اگر جاندار کی تصاویر تھیں تو ان کے سر کاٹ دیئے گئے تھے جن سے ان کا استعمال جائز ہوگیا،لہٰذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں (اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ یہ فرق حکم استعمال تصویر کے لیے ہے،رہی تصویر سازی وہ مطلقًا حرام ہے،خواہ فرش پر ہو یا بستر میں یا کاغذ یا شیشہ میں یا دیوار وغیرہ میں۔

وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَا الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۳) روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تو میں نے ایک باریک چادر بنائی، پھر میں نے اسے دروازے پر ڈال دیا۱جب حضور تشریف لائے تو چادر دیکھی تو اسے کھینچا حتیٰ کہ اسے پھاڑ دیا۲پھر فرمایا کہ اللہ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو پہنائیں۳(مسلم بخاری)

(۴۲۹۳) ۱نمط وہ باریک چادر جو بستر پر بچھائی جائے زیبائش کے لیے اس کی جمع انماط ہے۔دروازے پر اس کا ڈالنا زینت کے لیے تھا نہ کہ پردہ کے لیے۔۲یہ پھاڑنا مال کی بربادی نہیں بلکہ برائی کا مٹانا ہے اور عملی تبلیغ اور اظہار ناراضی،لہذا یہ عمل عبادت ہے۔۳تکلفاً بلا ضرورت دروازوں دیواروں چھتوں پر غلاف ڈالنا بہتر نہیں۔چونکہ اہل بیت اطہار کی شان بہت اعلیٰ ہے،اس لیے حضور نے انہیں اس سے بھی منع فرمادیا(اشعہ)خیال رہے کہ غلاف کعبہ،غلاف روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگان دین کے قبور کے غلاف و چادریں قرآن پاک کے جزدان وغیرہ اس حکم میں داخل نہیں کہ وہاں دیواروں کا پہنانا مقصود نہیں بلکہ وہاں اس دینی محترم چیزوں کی عظمت کا اظہار ہے۔کعبہ، قرآن،روضہ رسول،مزارات اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم رکن ایمانی ہے۔دیکھو اس کی تحقیق شامی جلد اول میں اور ہماری کتاب جاء الحق میں۔

وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۴) روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن سب سے سخت عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی خلق سے مشابہت کرتے ہیں۱(مسلم بخاری)

(۴۲۹۴) ۱یعنی جیسی جاندار کی صورتیں اللہ تعالیٰ بناتا ہے ویسی یہ بناتے ہیں گویا رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس سے مقابلہ کرنے والا مستحق عذاب ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِيْرَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح گھڑنے بنانے لگے۱تو انہیں چاہیے کہ ایک ذرہ پیدا کریں یا ایک دانہ یا ایک جو پیدا کریں۲(مسلم بخاری)

(۴۲۹۵) ۱یعنی اس تصویر سازی میں اللہ تعالیٰ سے تشبیہ یا اس سے مقابلہ کی بو ہے،لہذا اس سے بچے۔یہ حکم اطاعت ہے۔ہم حکم کے بندے ہیں،بے جان کی تصویریں بنانا درست ہے،جاندار کی صورتیں بنانا حرام ہم کو بسروچشم قبول ہے۔۲خیال رہے کہ پرستش کے لیے بت بنانا یا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کے لیے تصویریں بنانا کفر ہے۔اگر یہ دونوں خیال نہ ہوں تو جاندار کی تصویریں بنانا حرام ہے کفر نہیں۔پرستش کے چاند سورج کے فوٹو پیپل کے درخت کا مجسمہ بنانا بھی حرام ہے کہ یہ بت سازی ہے۔خیال رہے کہ غیر جاندار چیزوں میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ یہ باغ میرا لگایا ہوا ہے،یہ کھیت میرا لگایا ہوا ہے مگر جاندار چیز میں کسی کے کسب کو دخل نہیں،کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چڑیا

میری بنائی ہوئی ہے۔اس لیے جاندار کی تصویر سازی جرم ہے۔غیر جاندار کی نہیں (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کے نزدیک سخت عذاب والے تصویر بنانے والے ہیں[۱] (مسلم بخاری)

(۴۲۹۶) [۱] یہاں مصورین سے مراد بت ساز بت تراش ہیں جو پرستش کے لیے بت بنائیں یا وہ مصور مراد ہیں جو ربّ تعالیٰ کے مقابلے کے لیے تصویر سازی کریں، یہ دونوں کافر ہیں اور کافر واقعی سخت عذاب کے مستحق ہیں اور اگر مصورین سے مراد عام فوٹوگرافر ہیں تو یہ فرمان عالی ڈرانے کے لیے ہے تاکہ لوگ اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ ایسے لوگ فاسق ہیں اور فاسق کا عذاب کافر سے ہلکا ہے یا اس صورت میں ناس سے مراد مسلمان ہیں یعنی گنہگار مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے۔جیسا کہ اوپر گزر گیا اور آگے بھی آرہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۲۹۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر تصویر ساز (فوٹوگرافر) آگ میں ہوگا ہر تصویر کے عوض جو وہ بنائے۔ایک ذات بنائی جائے گی جو اسے دوزخ میں عذاب دے گی[۱] ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تم ضرور یہ ہی کرو تو درخت اور وہ چیزیں بناؤ جن میں جان نہیں[۲] (مسلم بخاری)

(۴۲۹۷) [۱] یا تو اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر میں جان ڈال دی جائے گی اور وہ سب مل کر اسے عذاب دیں گی یا ہر تصویر کی عوض ایک فرشتہ اس پر مسلط ہوگا جو اسے عذاب دے گا،لہذا نفس سے مراد یا روح ہے یا ذات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں[۲] اس استثناء سے معلوم ہوا کہ ہر غیر جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ پھل دار درختوں کی تصویر بنانا مکروہ ہے مگر حق یہ ہی ہے کہ مکروہ بھی نہیں ہاں لہو ولعب کی نیت سے بنانا اس لیے مکروہ ہوگا کہ کھیل کود مکروہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهٗ كُلِّفَ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْيَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۲۹۸) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ایسی خواب گھڑے جو اس نے دیکھی نہ ہو تو اسے مکلف کیا جائے گا کہ دو جو میں گرہ لگائے اور نہ کر سکے گا[۱] اور جو کسی قوم کی بات سنے گا حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ ڈالا جائے گا[۲] اور جو تصویر بنائے تو اسے عذاب دیا جائے گا اور مکلف کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ پھونکنے والا نہیں (بخاری)

(۴۲۹۸) [۱] بعض شارحین نے فرمایا کہ جھوٹی خواب گھڑنے سے مراد ہے نبوت یا ولایت کا دعویٰ کرنا اور لوگوں سے یہ کہنا کہ ربّ تعالیٰ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا فلاں ولی نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تو نبی یا ولی ہے یا فلاں غیب کی مجھے خبر دی ہے مگر حق یہ ہے کہ حدیث

میں یہ کوئی قید نہیں، ہر جھوٹی خواب گھڑنے والا اس سزا کا مستحق ہے خواہ کسی قسم کی خواب گھڑے کیونکہ مومن کی سچی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور وحی مخفی ہے تو خواب گھڑنے والا رب تعالٰی پر جھوٹ باندھتا ہے اور وحی الٰہی جھوٹی گھڑتا ہے۔اس لیے عام جھوٹوں سے یہ جھوٹا بڑا سخت مجرم ہے۔بعض لوگ تبلیغ کے بہانہ جھوٹی خوابیں کسی بڑے کی طرف نسبت کردیتے ہیں کہ حضور کے روضہ کے فلاں خادم نے خواب میں حضور کو دیکھا، آپ نے فرمایا کہ قیامت عنقریب آرہی ہے۔فلاں فلاں باتیں وغیرہ یہ سب حرام ہے۔جو میں گرہ لگانے کا حکم دینا وجوب کے لیے نہیں بلکہ عاجز کرنے اور عذاب دینے کے لیے ہے۔۲؎ یعنی جو دوسروں کی خفیہ بات چھپ کر سنے،اس کے کان میں قیامت کے دن سیسہ گرم کرکے انڈیلا جائے گا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔واقعی اسے قیامت میں یہ ہی عذاب ہوگا کہ یہ بھی راز و نیاز کا چور ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّعِبَ بِالنَّرْدِشِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِیْ لَحْمِ خَنْزِيْرٍ وَّ دَمِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۲۹۹) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نردشیر کھیل کھیلے۱؎ تو گویا اس نے اپنے ہاتھ سور کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے۲؎(مسلم)

(۴۲۹۹) ۱؎ فارس کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ آردشیر ابن تابک گزرا ہے۔اس نے یہ جوا ایجاد کیا نرد بمعنی ہار جیت کی بازی اردشیر، آردشیر سے لیا گیا۔اس لیے اس کھیل کا نام نردشیر رکھا گیا۔اردشیر کا جوا اس کی ایجاد کردہ بازی۔مرقات نے فرمایا کہ اس کا موجد شابور ابن آردشیر بن تابک ہے۔۲؎ سور کے گوشت وخون میں ہاتھ سانا اسے نجس بھی کرتا ہے اور گھناؤنا عمل بھی ہے۔اس لیے اس سے تشبیہ دی گئی۔ خیال رہے کہ نردشیر کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔شطرنج احناف کے ہاں ممنوع ہے۔شوافع کے ہاں جائز ہے۔بشرطیکہ اس میں مالی ہار جیت نہ ہو نماز یا جماعت نماز نہ جائے کھیلنے والے گالی گلوچ نہ کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰى بَابِ الْبَيْتِ فَيُقْطَعُ فَيَصِيْرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ فَلْيُجْعَلْ وِسَادَتَيْنِ مُنْبُوْذَتَيْنِ تُوْطَاٰنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۰۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جناب جبریل آئے بولے کہ میں آج رات آپ کے پاس آیا تھا۱؎ مجھے داخل ہونے سے کسی چیز نے نہ روکا بجز اس کے کہ دروازے پر تصاویر تھیں اور گھر میں باریک کپڑے کا پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں۲؎ اور گھر میں کتا تھا۳؎ پس آپ حکم دیجئے کہ ان تصویروں کے سر کاٹ دیئے جائیں جو گھر کے دروازے پر ہیں تاکہ وہ درخت کی طرح رہ جائیں۴؎ اور پردہ کے متعلق حکم دیجئے کہ کاٹ دیا جائے اور اس کے دو تکیے بنادیئے جائیں جو پھینکے رہیں۵؎ روندے جائیں اور حکم دیجئے کہ کتا نکال دیا جائے۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی کیا۷؎(ترمذی،ابوداؤد)

(۴۳۰۰) ۱؎ آپ کی زیارت آپ کی ملاقات کے لیے نہ کہ وحی الٰہی لے کر جیسا کہ ظاہر ہے۔۲؎ قرام،ق کے کسرہ سے بمعنی باریک نقشین۔

ستر کے معنی ہیں پردہ یعنی گھر کے دروازے پر جو پردہ تھا، وہ باریک نقشین کپڑے کا تھا جس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں۔ پردہ کا باریک یا نقشین ہونا مضر نہیں ہاں اس پر تصویریں ہونا مضر ہے۔ حضرت جبریل کی آمد سے رکاوٹ۔ ۳؎ یعنی باہر سے آیا ہوا کتا جو آپ کے گھر میں آ کر بیٹھ گیا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ازواج پاک نے کتا کبھی نہ پالا۔ معلوم ہوا کہ باہر سے آ کر بیٹھ جانے والا کتا بھی ملائکہ رحمت کے آنے سے مانع ہو جاتا ہے، اس سے بھی احتیاط چاہیے۔ ۴؎ یعنی دروازے کی دیوار یا تختے پر جو تصویریں ہیں، ان کی وجہ سے نہ تو دیوار گرائی جائے نہ پوری تصویر مٹائی جائے بلکہ ان کے سر کاٹ دیئے جائیں۔ سر کے مٹنے سے وہ حیوانی نہ رہے گی جسم حیوان رہے گا جو درخت کے مشابہ ہے۔ خیال رہے کہ صرف چہرے کے فوٹو کی پرستش تو ہوتی ہے، اگرچہ باقی جسم نہ ہو مگر بغیر سر صرف جسم کے فوٹو کی پرستش کوئی نہیں کرتا اس لیے بغیر جسم کے صرف چہرے کا فوٹو رکھنا ممنوع ہے مگر بغیر سر کے صرف جسم کا فوٹو یا تصویر رکھنا ممنوع نہیں۔ یہ مسئلہ اسی حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل کتب فقہ میں دیکھو بلکہ اگر سر کا حصہ الگ نہ کیا جائے صرف ناک، کان، ہونٹ کا نقش مٹا دیا جائے۔ جب بھی جائز ہے۔ ۵؎ یعنی ان کا احترام باقی نہ رہے، پاؤں سے روندے جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ فرش زمین میں یا فرش دری میں اگر تصاویر ہوں تو حرج نہیں کہ ان تصاویر کی حرمت کوئی نہیں۔ تصاویر کی حرمت ہی سخت حرام ہے۔ ہاں تصویر والے فرش پر نماز پڑھنا ممنوع ہے جبکہ اس پر سجدہ ہوتا ہے۔ ۶؎ اس طرح کہ آئندہ کتا گھر میں آنے نہ پائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ بِالْمُصَوِّرِيْنَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۳۰۱) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن ایک گردن نکلے گی ۱؎ جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتی ہوں گی اور دو کان ہوں گے جن سے وہ سنتی ہو گی اور زبان ہو گی جس سے بولے گی، کہے گی کہ میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں ۲؎ ہر سرکش جابر ظالم پر اور ہر اس پر جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پوجے اور تصویر سازوں پر ۳؎ (ترمذی)

(۴۳۰۱) ۱؎ یعنی پورا سر یا پورا جسم عذاب کے فرشتے کا یا آگ کا ایک حصہ بہ شکل سر تیسرے معنی کچھ بعید سے ہیں۔ یہ بڑا ہی خطرناک عذاب کا فرشتہ ہو گا۔ ۲؎ یعنی ان تین قسم کے مجرموں کا عذاب میرے سپرد کیا گیا ہے جیسے سخت مجرم کے لیے حکومت درلی جتھا مقرر کرتی ہے کہ بڑا مجرم ان کے حوالہ کیا جاتا ہے جو انہیں سخت سزا دیتا ہے۔ لوگ اس جتھے کے نام سے ڈرتے ہیں۔ ۳؎ عنید وہ ظالم باغی شخص ہے جو جان بوجھ کر حق کا انکار کرے۔ اس حدیث میں تصویر سازوں کے لیے انتہائی وعید ہے کہ ان کی سزا بت پرستوں کی سزا کے برابر کی گئی ہے، خدا کی پناہ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۳۰۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، فرمایا بے شک اللہ تعالٰی نے شراب اور جوا اور طبلہ حرام فرما دیا ۱؎ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ کہا گیا ہے کہ کوبہ طبلہ ہے ۳؎ (بیہقی الایمان)

(۴۳۰۲) ۱؎ شراب جوئے کی حرمت تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے۔ طبلہ وغیرہ باجوں کی حرمت اشارۃً بیان ہوئی کہ فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کھیل کی چیزوں میں طبلہ بھی داخل ہے۔ ۲؎ نشہ آور چیز خواہ خشک ہو جیسے بھنگ، چرس، افیون یا پتلی چیز

جیسے شراب، تاڑی وغیرہ سب حرام ہیں۔اس پر تمام امت کا اجماع ہے،اختلاف اس میں ہے کہ شراب انگوری کے علاوہ دوسری شرابیں حد نشہ سے کم پینا حرام ہے یا نہیں۔اس پر بھی اتفاق ہے کہ افیون، بھنگ، چرس وغیرہ خشک نشہ آور چیزیں دواءً استعمال کی جاسکتی ہیں جب کہ نشہ نہ دیں۔بعض معجونوں میں افیون پڑتی ہے۔۳؎ قاموس میں ہے کہ کوبہ بضم کاف،شطرنج،نردشیر، چھوٹا طبل، بربط غرضیکہ یہ لفظ مشترک ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَآءِ وَالْغُبَيْرَآءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَّةِ يُقَالُ لَهَا السُّكُرْكَةُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۰۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا،شراب اور جوئے اور باجے اور غبیراء سے غبیراوہ شراب ہے جسے حبشی لوگ جوار سے بناتے ہیں جسے سکرکہ کہا جاتا ہے۱؎ (ابوداؤد)

(۴۳۰۳) ۱؎ اس شراب کا اصلی نام تو سکرکہ ہے غبیراء اسی لیے کہتے تھے کہ گدلی ہوئی ہوتی تھی جوار کی شراب تھی،اس کا رواج حبشہ میں بہت تھا۔سخت نشہ آور تھی حرام کردی گئی۔جیسے ہندوستان کے بعض علاقوں میں تاڑی پی جاتی ہے،یہ بھی حرام ہے کہ نشہ آور ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَتْبَعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَيْطَانٌ يَتْبَعُ شَيْطَانَةً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۳۰۴) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نرد کھیلے اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ۱؎ (احمد، ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کے پیچھے دوڑ رہا ہے تو فرمایا شیطان شیطان کا پیچھا کررہا ہے۲؎ (ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

(۴۳۰۴) ۱؎ نردشیر کے معنی اور اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔یہ بھی ایک قسم کا جوا ہے،لہٰذا حرام ہے۔پانسوں پر کھیلا جاتا ہے۔
۲؎ کبوتر باز کو شیطان فرمایا اور کبوتر بازی کو شیطانہ کیونکہ جو چیز ربّ تعالٰی سے غافل کردے،وہ بھی شیطان ہے اور غافل ہوجانے والا بھی شیطان۔خیال رہے کہ کبوتر پالنا جائز ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بلکہ مسجد حرام میں بہت کبوتر پلے ہوئے ہیں۔پہلے زمانہ میں کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا مگر کبوتر بازی کرنا ممنوع ہے،ہر بازی ممنوع ہے کہ یہ نماز،تلاوت بلکہ دنیاوی ضروری کاموں سے غافل کردیتی ہے۔جیسے مرغ، بٹیر پالنا جائز مگر مرغ بازی، بٹیر بازی، تیتر بازی اور انہیں لڑانا حرام ہے۔خصوصًا جب کہ اس پر مالی ہار جیت ہو کہ اب یہ جوا بھی ہے۔مرقات میں فرمایا کہ صرف اڑانے کے لیے کبوتر پالنا مکروہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّيْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّيْ اَصْنَعُ

(۴۳۰۵) روایت ہے حضرت سعید ابن حسن سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، بولا اے ابن عباس میں ایسا شخص ہوں کہ میری روزی میرے ہاتھ کی

هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَّاصْفَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کاریگری میں ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔۲؎ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں تم کو نہیں خبر دیتا مگر وہ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی تصویریں بنائے تو اللہ اسے عذاب دے گا۳؎ حتی کہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں کبھی نہ پھونک سکے گا تو وہ شخص بہت سخت ہانپا۴؎ اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۵؎ تو آپ نے فرمایا تجھے خرابی ہو اگر اس کے بنانے سے تو باز نہ آئے تو اس درخت کو اور ہر اس چیز کو اختیار کر جس میں جان نہیں۶؎ (بخاری)

(۴۳۰۵) ۱؎ آپ خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں۔حضرت زید ابن ثابت کے آزاد کردہ غلام ہیں۔آپ کے والد کا نام یسار ہے۔ کنیت ابوالحسن یہ ہی خواجہ حسن بصری کے والد ہیں۔سعید تابعی ہیں بصری میں ثقہ ہیں۔حضرت ابن عباس ابو ہریرہ وغیرہم سے، ملاقات ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔آپ سے قتادہ،عوف وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔۲؎ یعنی جاندار کی تصویریں بنانا میرا پیشہ ہے۔اس سے میرا گزارا ہے۔مجھے اور کوئی کام نہیں آتا۔۳؎ یہاں عذاب سے مراد تمہید عذاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔اولًا اس سے روح پھونکنے کو فرمائے گا جب وہ نہ پھونک سکے گا تو عذاب دے گا۔اگر حلال سمجھ کر تصویر سازی کرتا تو دائمی عذاب ورنہ بہت دراز مدت تک عذاب۔۴؎ ربو کے معنی ہیں بلندی اور زیادتی اس لیے بلند زمین کو ربوہ کہتے ہیں اور سود کو ربو کہا جاتا ہے۔اب اصطلاح میں گھوڑے کی سانس پھول جانے کو ربوہ کہنے لگے جو زیادہ دوڑنے سے پھول جاتی ہے کہ اس میں سانس کی زیادتی ہو جاتی ہے جسے فارسی میں تلواسہ کہتے ہیں۔اردو میں سانس چڑھ جانا،لہذا اس کا ترجمہ ہانپنا نہایت موزوں ہے،وہ خوف خدا سے ہانپنے لگا جو اسے حدیث سن کر پیدا ہوا۔۵؎ یعنی خوف خدا سے اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔غصہ میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور خوف میں پیلا،وہ متفکر ہو گیا کہ اب میں گزارہ کیسے کروں،مجھے صرف یہ ہی ہنر آتا ہے اور یہ حرام ہے یہ فکر بھی علامت ایمان ہے۔۶؎ یعنی درخت،پہاڑ،مکانات اور دوسری سینریاں اور تمام بے جان چیزوں کی تصویریں بنایا کر اس سے تیرا گزارہ بھی ہوگا اور تو گناہ سے بھی بچا رہے گا۔خیال رہے کہ یہاں باز نہ آنے سے مراد سرکشی کرنا نہیں بلکہ مجبوری مراد ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَآئِهٖ كَنِيْسَةً يُّقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَاُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۰۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا۱؎ جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور ام سلمہ،ام حبیبہ زمین حبشہ میں پہنچی تھیں۲؎ تو ان دونوں نے اس کی خوبصورتی اور وہاں کی تصویروں کا ذکر کیا۳؎ تو حضور نے اپنا سر اٹھایا،پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے ہیں۴؎ پھر اس میں یہ تصویریں بناتے ہیں یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین ہیں۵؎ (مسلم بخاری)

(۴۳۰۶) ۱؎ غالبًا کنیسہ عیسائیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں اور بیعہ یہود کے عبادت خانہ کو بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یہ عجمی ہے

یونانی زبان میں کنیثت تھا اس سے کنیسہ بنایا گیا۔ یہ ذکر فرمانے والی بیوی حضرت ام سلمہ تھیں یا ام حبیبہ۔۲؎ یہ دونوں بیبیاں اولاً حبشہ کو ہجرت کر کے گئی تھیں۔ وہاں کئی سال رہ کر پھر مدینہ منورہ آئیں۔ اس لیے وہاں انہوں نے عیسائیوں کا یہ گرجا دیکھا۔ لفظ ماریہ دراصل ماروی تھا یعنی بے مثال گرجا۔۳؎ پہلے راہب عیسائیوں نے گرجوں میں اپنے نیک لوگوں کے فوٹو رکھے تھے تاکہ لوگ ان کی عبادات دیکھ کر خود عبادت میں مشغول ہوں۔ بعد میں ان تصویروں کی پرستش شروع ہوگئی (مرقات) ان کے دین میں تصویر سازی حرام نہ تھی، اس لیے اسلام نے تصویر سازی حرام فرمادی کہ یہ بت پرستی کی جڑ ہے۔ ہم نے بعض جاہل مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سلام کرتے ہیں۔ بعض کو سجدہ کرتے بھی دیکھا گیا ہے۔۴؎ سارے اہل کتاب یہودی ہوں یا عیسائی ان سب کا یہ ہی طریقہ ہے کہ اپنے صالح لوگوں کی قبروں پر یا تو اس طرح عبادت خانہ بناتے ہیں کہ ان کی قبریں فرش کنیسہ میں آجاتی ہیں۔ ان پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں کہ ان کی طرف سجدے کرتے ہیں۔ یہ دونوں کام حرام ہیں۔ یہاں مسجد سے مراد سجدہ گاہ ہے ورنہ اہل کتاب مسجدیں نہیں بناتے۔ ہمارے اسلام میں بزرگوں کی قبروں کے پاس بناتے ہیں، یہ بہت ہی اچھا ہے۔ جیسے مسجد نبوی اور عام وہ مساجد جو اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب بنی ہوئی ہیں، ان مسجدوں سے زائرین کو نماز کا آرام بھی رہتا ہے اور وہاں نماز کی قبولیت کی بھی قوی امید ہے۔۵؎ کہ یہ گمراہ بھی ہیں اور گمراہ گر بھی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِيٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَ عَالِمٌ لَّمْ يُنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۳۰۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سخت تر عذاب والا وہ ہوگا جو نبی کو قتل کرے۱؎ یا اسے نبی قتل کریں۲؎ اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے۳؎ اور تصویر ساز لوگ اور وہ عالم جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے۴؎

(۴۳۰۷) ۱؎ جیسے یہود کہ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بلکہ اور بہت پیغمبروں کو قتل کیا۔ یہ بدترین مخلوق ہیں۔۲؎ قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد میں وہ نبی کے مقابل آئے اور نبی کے ہاتھوں مارا جائے ورنہ جسے نبی قصاص یا حد میں قتل کریں، وہ اس حکم سے خارج ہے (مرقات) بعض صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص یا حد میں قتل کرایا ہے۔ ان کا تو بیڑا پار لگ گیا کہ حضور کے ہاتھوں پاک ہو کر گئے۔۳؎ ماں یا باپ یا دونوں کو ظلماً قتل کرے۔ اگر بیٹا حاکم ہے، وہ اپنے باپ کو قصاص یا حد شرعی میں قتل کرے تو وہ اس حکم سے خارج ہے۔۴؎ اس طرح کہ نہ تو عالم اپنے علم پر عمل کرے نہ کسی سے عمل کرائے۔ اپنا علم سینہ میں چھپا کر لے جائے۔ علم دین اللہ رسول کی امانت ہے۔ لوگوں تک پہنچاؤ۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ الشَّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِمِ

(۴۳۰۸) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۱؎

(۴۳۰۸) ۱؎ اگر شطرنج پر مالی ہار جیت ہو تو بالاتفاق حرام ہے ورنہ امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے نزدیک ممنوع بعض علماء کے نزدیک جائز بشرطیکہ اس کی مشغولیت نماز سے غافل نہ کرے اور دوران کھیل کو دگالی گلوچ نہ کرے۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ لَا يَلْعَبُ بِالشَّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ

(۴۳۰۹) روایت ہے حضرت ابن شہاب سے کہ ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا شطرنج نہ کھیلے گا مگر خطا کار۱؎

(۴۳۰۹) ۱؎ یہ احادیث امام اعظم کی دلیلیں ہیں کہ شطرنج مطلقاً ممنوع ہے،خواہ اس پر مال کی ہار جیت ہو یا نہ ہو کیونکہ صرف تین کھیلوں کی اسلام میں اجازت ہے۔شطرنج ان تین کے سواء ہے۔حضرات صحابہ کرام نے کبھی شطرنج نہ کھیلی نہ کسی حدیث میں اس کی اجازت دی گئی۔بہرحال مذہب احناف بہت قوی ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشَّطْرَنْجِ فَقَالَ هِیَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْبَاطِلَ (رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الْاَرْبَعَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۳۱۰) روایت ہے انہیں سے کہ ان سے شطرنج کھیلنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ باطل سے ہے اور اللہ باطل کو پسند نہیں فرماتا ۱؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان فرمایا۔

(۴۳۱۰) ۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ شطرنج کو ناپسند کرتا ہے۔ایسے موقع پر پسند نہ فرمانے کا مطلب ہوتا ہے ناپسند کرنا کسی نے امام مالک سے پوچھا کہ شطرنجی آدمی کی گواہی قبول ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جو ہمیشہ کھیلے اس کی گواہی قبول نہیں۔آپ نے فرمایا کہ شطرنج حق نہیں اور فماذا بعد الحق الا الضلال اس کی ممانعت کے متعلق اور بہت احادیث ہیں۔اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی تعدد اسناد کی وجہ سے حسن ہیں کہ تعدد اسناد ضعیف حدیث کو حسن کردیتی ہے۔(مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ دَارَ قَوْمٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَدُوْنَهُمْ دَارٌ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَیْهِمْ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْتِیْ دَارَ فُلَانٍ وَّلَا تَاْتِیْ دَارَنَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِیْ دَارِکُمْ کَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِیْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السِّنَّوْرُ سَبُعٌ (رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِیُّ)

(۴۳۱۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری قوم کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ان کے گھروں سے دور تھا۔یہ ان گھر والوں کو گراں گزرا تو بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتا ہے ۲؎ وہ بولے ان کے گھر میں بلی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی تو درندوں سے ہے ۳؎ (دار قطنی)

(۴۳۱۱) ۱؎ یعنی حضور انور ہمارے گھر راستہ میں چھوڑ کر دوسرے دور والے گھروں میں تشریف لے جاتے ہیں۔کیا حضور ہم سے ناراض ہیں؟ آپ کی ناراضی تو حق تعالیٰ کی ناراضی ہے،پھر ہم کس کے ہوکر رہیں،جسم سے جان آنکھ سے نور ناراض ہوجائے تو نہ جسم کام کا نہ آنکھ کام کی۔۲؎ یعنی تمہارے گھر بلاضرورت کتا پالا ہوا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے،لہذا ہم بھی وہاں نہیں آتے۔یہ انتہائی ناراضی کا اظہار ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت شریف فرشتوں کی سی طبیعت ہے۔۳؎ یہ جواب عالی یا تو بطور استفہام انکاری ہے یعنی کیا بلی کتے کی طرح درندہ ہے یعنی یہ درندہ نہیں بلکہ گھر میں چوہوں وغیرہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے،لہذا اس کا حکم کتے کا سا نہیں۔

كِتَابُ الطِّبِّ وَالرُّقٰی — دواؤں اور دعاؤں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

طب ط کے فتح سے بھی ہے، کسرہ سے بھی پیش سے بھی مگر فتح مشہور ہے۔اس کے معنی علاج ودواطب ط کے فتح سے اس کے معنی جادو بھی ہیں، اس لیے مسحور کومطبوب کہتے ہیں۔علاج کے تین ارکان ہیں۔دفع مرض،حصول صحت، دفع اسباب مرض،طب جسمانی قرائن اور طب روحانی قرآن سے ہے۔اس لیے طب کے اوراق جمع فرمائے گئے۔رقی جمع ہے رقیۃ کی بمعنی جھاڑ پھونک۔ناجائز یاشرکیہ الفاظ سے دم کرنا حرام یا کفر ہے، جائز دعائیں پڑھ کردم کرنا سنت ہے۔جس دم جھاڑ پھونک کے معانی معلوم نہ ہوں، انہیں نہ پڑھے۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور علوم بخشے ہیں وہاں علم طب بھی عطا فرمایا بذریعہ وحی کے بھی اور بذریعہ تجربہ وغیرہ کے بھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام ہر درخت وگھاس سے پوچھا کرتے تھے کہ تجھ میں کیا تاثیر ہے؟اگر وہ اچھی تاثیر بتاتی تو اس کی کاشت بھی کراتے تھے اوراس کا نام و فوائد لکھ بھی لیتے تھے۔معلوم ہوا کہ طب کی تدوین آپ نے بھی کی۔واللہ اعلم (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۳۱۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہ بنائی مگر اس کے لیے شفا بھی اتاری [1] (بخاری)

(۴۳۱۲) [1] موت اور بڑھاپا ان کے سواتمام امراض کی دوائیں ہیں۔جب اللہ کسی کوشفا دینا چاہتا ہے تو طبیب کا دماغ اس کی دوا تک پہنچ جاتا ہے ورنہ طبیب کا دماغ الٹا چلتا ہے، علاج غلط کرتا ہے۔ع: چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ دَآءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرَاَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۱۳) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بیماری کی دوا ہے۔جب دوا بیماری تک پہنچادی جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے اچھا ہو جاتا ہے [1]۔

(۴۳۱۳) [1] یعنی دوا بیماری دور کرنے میں مؤثر تو ہے مگر مستقل مؤثر نہیں بلکہ ارادہ الٰہی کے تابع ہے۔وہ چاہے تو دوا کو مؤثر بنادے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی کسی بیمار کی شفا نہیں چاہتا تو دوا اور مرض کے درمیان ایک فرشتے کے ذریعہ آڑ کردیتا ہے جس کی وجہ سے دوا مرض پر واقع نہیں ہوتی۔جب شفا کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جس سے دوا مرض پر واقع ہوتی ہے اور شفا ہو جاتی ہے (مرقات) ہم نے بہت بیماروں کو دیکھا کہ دوا ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی، بعد موت ان کے منہ سے دوا نکلتی ہے یہ ہے وہ آڑ۔[2] احمد نے بروایت حضرت علی مرفوعًا روایت کیا کہ ہر مرض کی دوا ہے اور گناہ کی دوا توبہ ہے۔خیال رہے کہ دفع مرض کے لیے دوا کرنا مستحب ہے مگر دفع بھوک کے لیے کھانا اور دفع پیاس کے لیے پانی پینا فرض ہے، لہذا اگر کوئی بیمار دوا کیے بغیر مرجائے تو گنہگار نہیں لیکن اگر کوئی بھوکا پیاسا بغیر کھائے پئے مرجائے، مرن برت یا بھوک ہڑتال کر کے مرے تو حرام موت مرے گا کیونکہ دواء سے شفا میں یقین نہیں مگر کھانے سے دفع

بھوک میں اور پانی سے دفع پیاس میں یقین یا گمان اغلب ہے۔ دوا کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کی قسم ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّفَآءُ فِيْ ثَلٰثٍ فِيْ شَرْطَةِ مُحْجَمٍ اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ وَّاَنَا اَنْهٰى اُمَّتِيْ مِنَ الْكَيِّ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۳۱۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شفا تین چیزوں میں ہے۔ سنگی والے کے نشتر میں ایا شہد کے گھونٹ میں ۲ یا آگ سے داغ میں ۳ اور میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں (بخاری)

(۴۳۱۴) ا جب کسی مریض کے بھری سنگی لگاتے ہیں تو پہلے مرض کی جگہ نشتر مارتے ہیں، پھر سنگی رکھ کر چوستے ہیں، پھر وہاں سنگی جم جاتی ہے۔ جب اکھیڑتے ہیں تو فاسد خون نکل جاتا ہے، شرطہ وہ نشتر ہے اور محجم وہ سنگی یا محجم نشتر اور شرطہ نشتر لگانا ۲ خواہ خالی شہد کا گھونٹ یا کسی چیز میں مخلوط ہوکر۔ ربّ شہد کے متعلق فرماتا ہے: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶؍۶۹) جس میں لوگوں کی تندرستی ہے (کنز الایمان) ۳ یعنی کَیّ کرنا۔ لوہا گرم کرکے داغ دینا ان علاجوں کی وجہ اور پچھنے کے مقدم فرمانے کی حکمتیں یہاں مرقات میں دیکھو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِيَ اُبَيٌّ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰى اَكْحَلِهٖ فَكَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۱۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ احزاب کے دن ابی کو ان کی رگ حیات پر تیر مارا گیا ا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دیا ۲ (مسلم)

(۴۳۱۵) ا احادیث شریفہ میں داغ سے ممانعت بھی آئی ہے اور داغ لگانا بھی وارد ہے۔ اس لیے محدثین نے ان کی مطابقت کی بہت وجہیں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ داغ بیان جواز کے لیے ہے اور ممانعت بیان کراہت کے لیے یعنی داغ سے علاج کرنا جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب دوسرے علاج ہو سکتے ہوں تو داغ نہ لگاؤ۔ اگر اس کے سوا اور کوئی علاج نہ ہو تو لگاؤ۔ تیسرے یہ کہ اہل عرب داغ کو آخری یقینی علاج سمجھتے تھے۔ ان کی نظر ربّ تعالٰی سے ہٹ کر داغ پر اڑ گئی توکل علی اللہ جاتا رہا تھا۔ تعلیم توکل کے لیے ممانعت فرمائی گئی۔ اگر اللہ پر توکل ہو، داغ کو محض دوا سمجھے تو جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ جہاں داغ لگانا خطرناک ہو وہاں ممنوع ہے۔ غیر خطرہ کی صورت میں جائز۔ کَیّ کے معنی ہیں داغ عرب میں لوہا گرم کرکے زخم پر لگا دیتے ہیں، اسے کَیّ کہا جاتا ہے۔ ۲ حضرت ابی ابن کعب خزرجی انصاری ہیں، بڑے قاری تھے۔ آپ ان چھ صحابہ سے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی۔ ۱۹ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ احزاب غزوہ خندق کا نام ہے۔ اکحل رگ حیات کو کہتے ہیں۔ یہ کلائی کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسے ران کی رگ کو نساء پیٹھ کی رگ کو ابہر کہا جاتا ہے۔ اگر اکحل کٹ جائے تو خون بند نہیں ہوتا اور موت ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو داغ دیا جائے تو خون بند ہو جاتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رُمِيَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فِيْ اَكْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرِمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِيَةَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۱۶) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن معاذ کی رگ حیات میں تیر امارا گیا ا تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تیر سے داغ دیا، پھر وہ سوج گیا تو اسے دوبارہ داغ دیا ۲ (مسلم)

(۴۳۱۶) ا تاکہ خون بند ہو جائے۔ ابھی پچھلی حدیث میں اس عمل شریف اور ممانعت کی احادیث میں مطابقت عرض کی گئی۔ ۲ یہ واقعہ بھی اس غزوہ احزاب میں ہوا کہ حضرت سعد ابن معاذ کی رگ حیوٰۃ میں تیر لگا۔ یعنی ایک بار تیر گرم کرکے زخم پر داغ لگایا مگر پھر ورم آ گیا تو دوبارہ تیر سے داغ لگا دیا گیا۔ اس سے بھی داغ کا جواز ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر فن کا ماہر بنایا ہے کہ یعنی

داغ لگانا ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لیے بڑے کمال کی ضرورت ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۱۷) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا۔ اس نے آپ کی رگ کاٹ دی، پھر اس پر داغ لگادیا ۱؎ (مسلم)

(۴۳۱۷) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن بڑا پرانا علاج ہے۔ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی اصل موجود تھی۔ چیر پھاڑ رگ کی کانٹ چھانٹ یہ ہی آپریشن کی حقیقت ہے۔ چونکہ رگ کٹ جانے سے تمام خون نکل جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے زخم کو آگ سے جھلسا دیا گیا تاکہ خون بند ہو جائے۔ اب خون بند کرنے کے لیے ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ ٹیکہ یہاں سے ماخوذ ہوسکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِى الْحَبَّةِ السَّوْدَآءِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ السَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَآءُ الشُّوْنِيْزُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۱۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری سے شفاء ہے ۱؎ ابن شہاب نے فرمایا ۲؎ کہ سام موت ہے اور کالا دانہ کلونجی ہے ۳؎ (مسلم بخاری)

(۴۳۱۸) ۱؎ ہر مرض سے مراد ہر بلغمی اور رطوبت کے امراض ہیں کیونکہ کلونجی گرم اور خشک ہوتی ہے، لہذا مرطوب اور سردی کی بیماریوں میں مفید ہوگی (اشعہ) ۲؎ حبۂ سوداء تین دواؤں کا نام ہے۔ سیاہ زیرہ، رائی، کلونجی اس شرح سے معلوم ہوا کہ یہاں کلونجی مراد ہے۔ یہ فرمان عالی ایسا ہے جیسے قرآن کریم کا فرمان: اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷، ۲۳) جس میں لوگوں کیلئے تندرستی ہے (کنزالایمان) یا جیسے قدمر قل شیء کہ کل شئ سے مراد عام چیزیں ہیں۔ یوں ہی یہاں مراد عرب کی عام بیماریاں ہیں (مرقات) یعنی کلونجی عرب کی عام بیماریوں میں مفید ہے۔ خیال رہے کہ احادیث شریفہ کی دوائیں کسی حاذق طبیب کی رائے سے استعمال کرنی چاہئیں، صرف اپنی رائے سے استعمال نہ کریں کہ ہمارے مزاج اہل عرب کے مزاج سے جداگانہ ہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِىْ اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِهٖ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ سَقَيْتُهٗ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَآءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اسْقِهٖ عَسَلًا فَقَالَ لَقَدْ سَقَيْتُهٗ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ فَسَقَاهُ فَبَرَاَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۱۹) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بولا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے شہد پلا دو ۲؎ اس نے پلایا، پھر آیا بولا کہ میں نے اسے پلایا، اس کے دست بڑھ ہی گئے۔ حضور نے اسے تین بار یہ ہی فرمایا ۳؎ وہ پھر آیا، چوتھی بار تو فرمایا اسے شہد پلاؤ، وہ بولا کہ میں نے اسے پلایا مگر اس نے پیٹ چلنا ہی بڑھایا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے ۴؎ اس نے پھر شہد پلایا تو آرام ہوگیا ۵؎ (مسلم بخاری)

(۴۳۱۹) ۱؎ یعنی دست آ رہے ہیں اردو میں بھی دست آنے کو پیٹ چلنا کہا جاتا ہے۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ

یہاں خالص شہد مراد ہے۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دوشفاؤں کو مضبوطی سے پکڑو،شہد اور قرآن۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ لاعلاج بیمار اپنی بیوی سے اس کے مہر کا پیسہ لے کر اس سے دوا خریدے۔اس میں بارش کا پانی ملا کر استعمال کرے انشاءاللہ شفا ہوگی کہ بارش کا پانی مبارک ہے۔من السمآء مآء مبارکًا اور بیوی کے مہر کا پیسہ برکت والا فکلوہ ھنیئا مریئا (مرقات) ۳؎ حضور انور جانتے تھے کہ اس کے پیٹ میں لیس دار بلغمی فضلات جمع ہو گئے ہیں جنہیں شہد خارج کررہا ہے۔اس کے خارج ہو جانے کے بعد دست بند ہو جائیں گے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے روزانہ ایک بار بقدر ضرورت شہد پلانے کا حکم دیا۔اس لیے وقت اور مقدار کا ذکر نہ فرمایا (مرقات) جیسا مریض ویسی مقدار دوا۔۴؎ یعنی ربّ تعالٰی نے شہد کے متعلق فرمایا:فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶:۶۹) جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔(کنزالایمان) ربّ تعالٰی سچا اس کا یہ فرمان سچا۔تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔اس شہد سے شفا حاصل نہ کرنے میں خطا کار ہے۔دوا مفید ہے،قصور پیٹ میں ہے کہ اس سے شفاء حاصل نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ مجھے ربّ نے وحی فرمائی ہے کہ تیرے بھائی کے پیٹ کو شہد سے شفا ہوگی،ابھی اس کا ظہور نہ ہونا اس میں پیٹ کا قصور ہے۔ربّ تعالٰی کی یہ خبر سچی ہے۔واللہ اعلم۔۵؎ طب میں شہد کو دست آور مانا گیا ہے مگر یہاں اس سے دست بند ہوئے یا تو حضور کی برکت سے لہذا ہم لوگ دستوں میں شہد استعمال نہ کریں یا اس لیے کہ اس شخص کے دست بدہضمی اور فاسد مادہ کے معدے میں جمع ہو جانے کی وجہ سے تھے۔اس فاسد مادہ کا نکال دینا ہی ضروری تھا،اس لیے پہلی تین بار میں شہد سے دست زیادہ ہوئے۔جب مادہ سارا نکل گیا،دست ٹھہر گئے۔پیٹ جھوٹے ہونے کے یہ ہی معنی ہیں کہ اس میں خراب مادہ بہت جمع ہو گیا ہے۔بہر حال حضور کی تجویز کردہ دوا بہت حکمتوں پر مبنی ہے۔(اشعہ و مرقات) دوسرے طبیب اپنے فن کو حضور پر قیاس نہ کریں،ان کی طب ظنی ہے۔حضور کی تجویزیں یقینی ہیں،وحی الٰہی سے تائید شدہ(اشعہ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم علاج کرو،پچھنے اور قسط بحری ہے۱؎ (مسلم بخاری)

(۴۳۲۰) ۱؎ قسط دو قسم کا ہے۔قسط بحری جسے قسط اظفار بھی کہتے ہیں۔اظفار ایک شہر کا نام ہے۔اس کی طرف نسبت ہے۔یہ سفید رنگ اور کم گرم ہوتا ہے۔دوسرا قسط ہندی یہ قسط بحری سے بہترین چیز ہے۔بہترین خوشبودار ہے جس کی دھونی لی جاتی ہے۔اس کے نفع بہت ہیں۔حیض کا خون جاری کرتی ہے۔بند پیشاب جاری کرتی ہے۔زہر کو دفع قوت شہوانی کو زیادہ،معدہ کے کیڑے مارتی ہے۔بعض بخاروں کو دور کرتی ہے۔اس کی دھونی زکام دور کرتی ہے۔ریح کی دافع ہے۔اس لیے اطباء اسے بہترین دوا کہتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۱) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے بچوں کو دبانے سے تکلیف نہ دو گلے آ جانے میں۱؎ تم قسط اختیار کرو۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۳۲۱) ۱؎ کبھی بچوں کے حلق میں گلٹیاں نکل آتی ہیں،اس کے علاج کے لیے عورتیں اپنی انگلی میں دوا لگا کر حلق میں انگلی ڈال کر دباتی ہیں جس سے بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔خون جاری ہو جاتا ہے۔میں بھی بچپن میں یہ مصیبت بھگت چکا ہوں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔۲؎ یعنی قسط بحری کو پانی میں حل کر کے مریض کے ناک میں ٹپکا دو کہ دماغ و حلق میں پہنچ جائے۔اس علاج سے اطباء حیران

ہیں کیونکہ گلے کی گلٹیاں جسے گلے آنا کہا جاتا ہے، گرمی سے ہوتی ہے اور قسط بحری بھی گرم ہے تو گرم کو گرم کیسے دفع کرسکتا ہے مگر اکثر گلے کی گلٹیاں اس خون سے پیدا ہوتی ہیں جس پر بلغم غالب ہو اور قسط بحری بلغم چھانٹنے میں اکسیر ہے، لہٰذا اس سے علاج مفید ہے۔

وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَاتَدْغَرْنَ اَوْلَادَ كُنَّ بِهٰذَا الْعَلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَاِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ اَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۲) روایت ہے حضرت ام قیس سے[۱] فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی اولاد کو اس گلا آنے سے کیوں دباتی ہو[۲] تم اس عود ہندی کو اختیار کرو[۳] کہ اس میں سات شفائیں ہیں، ان میں سے ذات الجنب بھی ہے۔ گلے آنے سے نسوار لی جائے اور ذات الجنب سے لیپ کیا جائے[۴] (مسلم بخاری)

(۴۳۲۲) [۱] آپ ام قیس بنت محصن اسدیہ ہیں۔ حضرت عکاشہ کی بہن قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت سے پہلے ایمان لائیں۔ آپ کو مہاجرام قیس کہا جاتا ہے۔[۲] ان لفظوں کے معنی ابھی پچھلی حدیث میں عرض کئے گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو گلے آنے پر حلق دبانے سے منع فرمارہے ہیں علاق بمعنی علوق ہے یعنی حلقوم کی آفت ناگہانی، گلے کی گلٹیاں۔[۳] عود ہندی نام ہے قسط بحری کا جس کا ذکر ابھی ہوا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ قسط ہندی کا نام ہے۔ دونوں قسط گلے آنے میں مفید ہیں۔[۴] یعنی گلا آنے میں قسط بحری کو پانی میں حل کرکے ناک میں نسوار کراؤ اور پسلیوں کے درد میں اس کا پسلیوں پر لیپ کرو، ذات الجنب بڑا تکلیف دہ بلکہ مہلک مرض ہے۔ اس میں بھی یہ دواء مفید ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۳) روایت ہے حضرت عائشہ اور رافع ابن خدیج سے[۱] وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، فرمایا کہ بخار دوزخ کی بھڑک ہے[۲] تو اسے پانی سے ٹھنڈا کرو[۳] (مسلم بخاری)

(۴۳۲۳) [۱] حضرت رافع ابن خدیج مشہور صحابی ہیں۔ جنگ احد میں آپ تیر سے زخمی ہوئے۔ آپ سے حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہاری گواہی دوں گا۔ اس وقت زخم بھر گیا۔ پھر عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں دوبارہ ہرا ہوگیا اور اسی سے ۷۳ھ میں وفات ہوئی۔ چھیاسی سال عمر پائی۔[۲] کہ جیسے دوزخ کی آگ فقط ظاہری جسم پر ہی نہ ہوگی بلکہ اندرون بدن میں بھی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَة یوں ہی بخار کی تپش دل وجگر پر بھی ہوتی ہے، لہٰذا اس آگ کے مشابہ ہے۔[۳] یعنی صفراوی بخار والے کو ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ اس سے غسل دو یا کپڑا تر کرکے سر اور بعض اعضاء پر رکھو، یہ علاج ہر بخار کے لیے نہیں بلکہ خاص بخاروں کے لیے ہے جو عموماً اہل عرب کو ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی بعض بخاروں میں اطباء مریض کے سر پر تو کپڑا بلکہ برف رکھواتے ہیں، لہٰذا یہ عمل طبیب کے مشورہ سے کیا جائے، ہمارے ہاں کے اکثر بخاروں میں پانی مضر ہوتا ہے۔ احادیث پاک میں بخار والے کو سات مشکیزوں سے نہلانے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے مگر وہ ہی بخار گرمی والے۔ میں حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہ معاف کرادیتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۲۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی، نظر بد، ڈنک اور اندھوریوں میں[۱] (مسلم)

(۴۳۲۴) [۱] اولاً آیات قرآنیہ دعاء ماثورہ اور تمام ان دعاؤں سے دم کی اجازت دیدی جن میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں۔ یہ حدیث

اجازت کی احادیث سے ہے۔عین نظر بدخواہ انسان کی ہو یا جن کی حمہ، ڈنک زہریلا جیسے بھڑ، بچھو، سانپ، نملہ، باریک دانہ جو پسلیوں پر نمودار ہو کر تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں۔بعض نے اس سے خسرہ مراد لی ہے۔بعض نے اندھوریاں بعض نے اس کے علاوہ اور یہ دانہ چونکہ چھوٹی چیونٹی کے مشابہ ہوتا ہے،اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اَمَرَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد سے دم کرنے کا حکم دیا[۱] (مسلم بخاری)

(۴۳۲۵) ۱ یعنی اجازت ہے،لہٰذا یہ حدیث یا تو دم کی ممانعت کی احادیث کی شرح ہے یا ان کی ناسخ یعنی وہ دم ممنوع ہے جس میں مشرکانہ الفاظ ہوں۔قرآنی آیات اور احادیث کی دعاؤں سے دم جائز ہے۔ان کی تاثیر برحق ہے۔معلوم ہوا کہ عورتیں بھی دم کرسکتی ہیں مگر مردوں پر دم کرنا ہو تو پردہ کا خیال ضروری ہے۔بچوں پر عورتوں کو دم میں آزادی ہے۔العین سے مراد یا آنکھ دکھنا ہے یا نظر لگنا۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں نسترقی نون سے ہے جمع متکلم۔علماء فرماتے ہیں کہ بدنظری سے بچنے کے لیے یہ آیت کریمہ اکسیر ہے۔وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ (۶۸،۵۱) اور ضرور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بدنظر لگا کر تمہیں گرادیں گے جب قرآن سنتے ہیں (کنزالایمان) (مرقات)

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِهَا جَارِيَةً فِيْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِيْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۲۶) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر زرد چھائیں تھیں یعنی زردی[۱] تو فرمایا کہ اس کے لیے دم کردو کہ اسے نظر ہے[۲] (مسلم بخاری)

(۴۳۲۶) ۱ سفعہ کے بہت معنی ہیں۔نشانی، طمانچہ، نظر بد، جلنا، آگ، لہو، چہرے کی سیاہی مائل بہ سرخی اس لیے یہاں شرح فرمائی۔
۲ جن کی نظر ہے یا انسان کی علماء فرماتے ہیں کہ جنات کی نظر انسانی نظر سے سخت تر ہوتی ہے۔(اشعہ) مرقات نے فرمایا کہ جنات کی نگاہ نیزے سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔جائز دعاؤں سے دم بھی جائز ہے۔اس دم پر اجرت لینا بھی درست ہے۔(مرقات)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَآءَ اٰلُ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَرٰى بِهَا بَاْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۲۷) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا تو عمرو ابن حزم کے گھر والے آئے[۱] بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس دم ہے جسے ہم بچھو سے دم کرتے ہیں اور آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا[۲] چنانچہ انہوں نے وہ حضور پر پیش کیا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج ہم نہیں دیکھتے تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے،وہ اسے نفع پہنچائے[۳] (مسلم)

(۴۳۲۷) ۱ عمرو ابن حزم کی کنیت ابوالضحاک ہے۔انصاری ہیں۔غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔غزوہ خندق میں پندرہ سالہ تھے۔حضور انور نے انہیں بحران کا حاکم بنایا تھا ۱۰ ویں ہجری میں۔آپ کی وفات ۵۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ان کے اہل خانہ یعنی بھائی برادر بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۲ یعنی ہم سب لوگ بچھو وغیرہ کے کاٹے پر دم کردیتے ہیں تو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔اگر اسے بند کردیں تو ایک فیض بند ہوجائے گا۔حضور نے دعا سنانے کا حکم دیا۔۳ غالبًا وہ عربی زبان کے الفاظ

تھے اگر چہ قرآنی آیت یا دعاء ماثورہ نہ تھی مگر اس کے الفاظ شرکیہ بھی نہ تھے، ہم نے بعض ورد اردو زبان کے دیکھے بہت زود اثر۔ آدھاسیسی کے لیے یہ دعا بڑی مفید ہے۔ کالی چڑی کلچڑی کالا پھل کھائے۔ اٹھو محمد آ کھ دو کہ آدھا سیسی جائے۔ اس دعا میں کوئی لفظ شرک یا کفر و ناجائز نہیں۔ بچہ پیدا ہونے میں اگر دشواری ہو تو یہ کوری ٹھیکری پر لکھ کر زچہ کے سر پر رکھی جائے سر پر چینی کمر میں گھڑا۔ نکل پڑی یا نکل پڑا۔

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ نِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَاْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۲۸) روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے[۱] فرماتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں آپ کی کیا رائے عالی ہے تو فرمایا ہم پر پیش کرو، جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو۔[۲] (مسلم)

(۴۳۲۸) [۱] آپ اولاً غزوہ خیبر میں شریک ہوئے۔ قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا فتح مکہ کے دن۔ آخر میں شام میں رہے ۷۳ھ میں وفات پائی۔ [۲] اس حدیث کی بنا پر حضرات صوفیا فرماتے ہیں کہ عمل کی تاثیر کے لیے شیخ کو عمل سنا لینا اس سے اجازت لے لینا مفید ہے۔ اگر چہ اس کے معنی جانتا ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَاِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۲۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ نظر حق ہے[۱] اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے[۲] اور جب تم دھلوائے جاؤ تو دھو دو[۳] (مسلم)

(۴۳۲۹) [۱] یعنی نظر بد کا اثر برحق ہے۔ اس سے منظور کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ [۲] یعنی اس کا اثر اس قدر سخت ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ کرسکتی تو نظر بد کر لیتی کہ تقدیر میں آرام لکھا ہو مگر یہ تکلیف پہنچا دیتی مگر چونکہ کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس لیے یہ نظر بد بھی تقدیر نہیں پلٹ سکتی۔ [۳] یعنی اگر کسی نظرے ہوئے کو تم پر شبہ ہو کہ تمہاری نظر اسے لگی ہے اور وہ دفع نظر کے لیے تمہارے ہاتھ پاؤں دھلوا کر اپنے پر چھینٹا مارنا چاہے تو تم برا نہ مانو بلکہ فوراً اپنے یہ اعضاء دھو کر اسے دے دو، نظر لگ جانا عیب نہیں، نظر تو ماں باپ کی بھی لگ جاتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں۔ دیکھو نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھو کر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا۔ ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی تین سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سر سے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر نظر ہوتی ہے تو بس نہیں اٹھتی اور رب تعالٰی شفا دیتا ہے۔ جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں۔ تجربہ کافی ہے۔ ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں۔ خلاف شرع نہ ہو تو درست ہیں۔ اگر چہ ماثور دعائیں افضل ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے ایک خوبصورت تندرست بچہ دیکھا تو فرمایا، اس کی ٹھوڑی میں سیاہی لگا دو تاکہ نظر نہ لگے۔ حضرت ہشام ابن عروہ جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔ علماء فرماتے ہیں کہ بعض نظروں میں زہریلا پن ہوتا ہے جو اثر کرتا ہے۔ (مرقات) اس نظر کی پوری بحث تفسیر کبیر سورہ یوسف میں یا بنی لا تدخلوا من باب واحد (۱۲:۶۷) کی تفسیر میں دیکھو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

وَعَنْ اُسَامَةَ ابْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَتَدَ اوٰى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَآءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَآءً غَيْرَ دَآءٍ وَّاحِدٍ الْهَرَمِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۳۰) روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے، فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم دوا دارو کریں، فرمایا ہاں اے اللہ کے بندو دوا کرو کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا فرمائی مگر اس کے لیے شفا رکھی سواء ایک بیماری بڑھاپے کے[۱] (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

(۴۳۳۰) [۱] یعنی دوا، علاج توکل کے خلاف نہیں جیسے بھوک کا علاج غذا ہے، پیاس کا علاج پانی ہے۔ اگر دوائیں بیماریوں کا علاج ہوں تو کیا بعید ہے۔ اسی لیے عباد اللہ فرما کر دوا کرنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ دوا عبودیت کے خلاف نہیں، بڑھاپے کو بیماری اس لیے فرمایا گیا کہ بڑھاپے کے بعد موت ہے جیسے بیماری کے بعد موت ہوتی ہے۔ نیز بڑھاپے میں بہت بیماریاں دبا لیتی ہیں۔

لطیفہ: ایک بوڑھے آدمی نے کسی طبیب سے کہا کہ میری نگاہ موٹی ہوگئی ہے۔ طبیب نے کہا بڑھاپے کی وجہ سے۔ وہ بولا اونچا سننے لگا ہوں، جواب ملا بڑھاپے کی وجہ سے۔ بولا کمر ٹیڑھی ہوگئی ہے۔ کہا بڑھاپے کی وجہ سے۔ آخر میں بوڑھا بولا کہ جاہل طبیب تجھے بڑھاپے کے سوا کچھ نہیں آتا جواب ملا یہ بے موقع غصہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ (مرقات)

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

(۴۳۳۱) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کرو[۱] کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے[۲] (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۳۳۱) [۱] بعض بیمار کھانے پینے سے نفرت کرتے ہیں، تیمارداروں کو چاہیے کہ انہیں اس پر مجبور نہ کریں۔ اس نہ کھانے میں ان کے لیے بہتری ہوتی ہے۔ [۲] یعنی رب تعالیٰ انہیں صبر بھی دیتا ہے اور قدرتی قوت و طاقت بھی بخشتا ہے۔ بدن کی قوت ارادہ الٰہی سے ہے نہ کہ محض کھانے سے۔ خیال رہے کہ یہ ہی الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روزہ وصال کے لیے بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ وہاں کچھ مطلب ہی اور ہے (مرقات) وہاں حق تعالیٰ حضور کو غیبی روزی عطا فرماتا ہے۔ بعض صوفیا کرام نے خواب میں کوئی چیز کھائی، بیدار ہونے پر شکم سیر تھے اور کھانے کی خوشبو منہ سے ہاتھوں سے آتی تھی۔ اسی لیے حضور نے اپنے لیے فرمایا۔ **ابیت عندر ربی یطعمنی ویسقینی** وہاں ابیت **عندر ربی** ہے۔ یہاں یہ عبارت نہیں ہے۔ اس میں یہ ہی فرق ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اس قرب خصوصی کو بیمار پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ کہاں یہ مریض کہاں آقائے دوجہاں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوٰى اَسْعَدَبْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۳۳۲) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن زرارہ کو لالی کی بیماری سے داغ دیا[۱] (ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

(۴۳۳۲) [۱] شوکہ ایک خاص بیماری کا نام ہے جس میں اولاً چہرہ سرخ ہو جاتا ہے پھر تمام بدن پر سرخی چھا جاتی ہے۔ حضور انور نے اس

کا علاج داغ سے کیا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۳۳۳) روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے[1] فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذات الجنب کا قسط بحری اور زیتون کے تیل سے علاج کریں[2] (ترمذی)

(۴۳۳۳) [1] آپ مشہور صحابی ہیں، انصاری ہیں خزرجی ہیں، کوفہ میں رہے۔ وہاں ہی ۶۸ھ میں وفات پائی۔ پچاسی سال عمر ہوئی۔ آپ کی کنیت ابو عمرو ہے۔ [2] اس طرح کہ زیتون کے تیل میں قسط بحری ملاکر درد کی جگہ لیپ کریں اور بیمار کو زیتون کا تیل کھلائیں۔ اسی تیل کی مالش بھی کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ، اسے لگاؤ کہ یہ مبارک درخت سے ہے اور اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جن میں جذام بھی ہے۔ اس میں بواسیر کو بھی شفا ہے۔ (دیکھو مرقات، ترمذی وغیرھما)

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۳۳۴) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب کے لیے تیل اور ورس بیان فرماتے تھے[1] (ترمذی)

(۴۳۳۴) [1] ورس یمن میں پیدا ہونے والی ایک گھاس ہے۔ جو بیس سال تک رہ سکتی ہے، رنگ سرخ دیتی ہے۔ ذات الجنب یعنی پسلیوں کے درد میں اس کا لیپ مفید ہے۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ حَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ الشِّفَاءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۳۳۵) روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے[1] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو[2] وہ بولیں شبرم سے[3] فرمایا گرم ہے، گرم ہے۔ فرماتی ہیں پھر میں نے سناء سے جلاب لیا[4] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز ہوتی جس میں موت سے شفا ہو تو سناء میں ہوتی۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث غریب ہے

(۴۳۳۵) [1] آپ پہلے حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، ان کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ گئیں۔ وہاں ہی ان سے محمد، عبداللہ اور عون پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئیں۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد ابوبکر صدیق سے نکاح کیا۔ ان سے محمد پیدا ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت علی کے نکاح میں آئیں۔ ان سے یحیی ابن علی پیدا ہوئے۔ بڑی درجہ والی صحابیہ ہیں۔ چنانچہ آپ سے حضرت عبداللہ ابن جعفر، عمر ابن خطاب، عبداللہ ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ ابن شداد جیسے صحابہ کرام نے احادیث روایت کیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [2] یہ لفظ بنا ہے مشی سے بمعنی چلنا جلاب کو مشی اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ چلتے ہیں یا اس سے پینے والا آدمی بار بار چل کر پاخانہ جاتا ہے۔ [3] شبرم حجاز کی خاص دوا ہے۔ چنے کے دانوں کی طرح ہوتی ہے،، پکا کر اس کا پانی پینے سے دست لگ جاتے ہیں۔ [4] سناء حجاز مقدس کی مشہور دوا ہے۔ دست آور ہے، بے ضرر ہے۔ مکہ مکرمہ کی سنا اپنی خوبیوں میں بہت مشہور ہے۔ اسی لیے اسے سناء مکی کہا جاتا ہے۔ صفراوی، سوداوی، بلغمی مادہ کو دستوں کے ذریعہ نکالنے میں بے مثال ہے۔ سوداوی وسوسوں کی دافع ہے (اشعہ) بعض روایات میں سنا، زیرہ کی بہت تعریف آئی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۳۶) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے بیماریاں اور دوائیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بنائی[۱] تو تم لوگ دوا کرو اور حرام سے دوانہ کرو[۲] (ابوداؤد)

(۴۳۳۶) [۱] یعنی ہر بیماری کے لیے حلال و جائز دوا پیدا فرمائی ہے۔جیسا کہ آئندہ عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔[۲] یعنی شراب،پیشاب وغیرہ حرام چیزوں سے دوانہ کرو۔طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے حرام میں شفانہیں رکھی۔مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے شراب کے متعلق فرمایا کہ وہ دوانہیں داء(بیماری)ہے۔امام سبکی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: فیھما اثم کبیر و منافع للناس منسوخ ہے،جب جوا،شراب حرام کردیئے گئے تو ان کے نفع سلب ہوگئے۔(مرقات)فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرض کے متعلق حاذق طبیوں کا اتفاق ہوجائے کہ اس کی دوا،شراب کے سوا اور کوئی نہیں تو وہ اس مریض کے لئے بقدر ضرورت حرام نہیں رہتی حلال ہوجاتی ہے پھر بھی شفا حرام میں نہ ہوئی (اشعہ)اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرینہ والوں سے فرمانا ہے کہ تم اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو وہاں وحی سے پیشاب میں شفامعلوم ہوئی یہاں اجماع اطباء سے شفا معلوم ہوئی مگر اولًا تو حاذق طبیب کا ملنا مشکل ہے پھر حاذقوں کا اجماع بہت ہی مشکل۔میں نے بعض حاذق طبیبوں سے سنا کہ شہد بہترین بدل ہے شراب کا اگر کسی مرض کے لئے اطباء شراب بتائیں اس میں شہد استعمال کرو وہی فائدہ ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِیْثِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۳۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا[۱] (احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

(۴۳۳۷) [۱] خبیث سے مراد حرام یا نجس ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد بدمزہ،بدبودار دوائیں ہیں(مرقات)یعنی مریض کونہایت بدمزہ بدبودار دوائیں نہ کھلاؤ کہ اس سے زیادہ بیمار ہونے کا اندیشہ ہے۔خصوصًا نازک طبع لوگوں کے لیے۔

وَعَنْ سَلْمٰی خَادِمَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا کَانَ اَحَدٌ یَّشْتَکِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا فِیْ رَاْسِهٖ اِلَّا قَالَ احْتَجِمْ وَلَا وَجَعًا فِیْ رِجْلَیْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۳۸) روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ سلمٰی سے[۱] فرماتی ہیں کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کے درد کی شکایت نہ کرتا مگر آپ فرماتے کہ پچھنے لگاؤ اور نہ کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا مگر آپ فرماتے ان میں خضاب کرو[۲] (ابوداؤد)

(۴۳۳۸) [۱] آپ صفیہ بنت عبدالمطلب یعنی حضور کی پھوپھی کی لونڈی ہیں۔حضور کے غلام ابورافع کی بیوی صاحبہ ہیں۔حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد اور حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی دایہ ہیں۔جلیل القدر صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔[۲] ان حضرات کے سر کے درد زیادتی خون سے اور پاؤں کا درد گرمی سے ہوتا ہوگا۔معلوم ہوا کہ مرد کو پاؤں کے تلوں میں مہندی لگانا درست ہے جب کہ دفع گرمی کے لیے ہو،یہاں خضاب سے مراد مہندی سے خضاب ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ مَا کَانَ یَکُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَّلَا نَکْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِیْ اَنْ اَضَعَ عَلَیْهَا الْحِنَّاءَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۳۳۹) روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتا زخم نہ خراش[۱] مگر مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی رکھ دوں[۲] (ترمذی)

(۴۳۳۹) ۱؎ قرح سے مراد چھری چاقو وغیرہ کا زخم ہے اور نکبہ سے مراد پھانس، کانٹے، پتھر وغیرہ کا زخم ہے (مرقات) ۲؎ تاکہ مہندی کی ٹھنڈک سے زخم کی گرمی ہلکی پڑ جائے اور درد میں خفت ہو۔

وَعَنْ اَبِی کَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَانَ يَحْتَجِمُ عَلٰی هَامَتِهٖ وَبَيْنَ کَتِفَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ مَنْ اَهْرَاقَ مِنْ هٰذِهِ الدِّمَآءِ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ لَّا يَتَدَاوٰی بِشَیْءٍ لِشَیْءٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۴۰) روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگواتے تھے اپنی کھوپڑی پر اور اپنے دونوں کندھوں کے درمیان ۲؎ اور آپ فرماتے تھے کہ جو کوئی ان خونوں میں سے بہائے ۳؎ تو اسے مضر نہیں کہ وہ کسی بیماری کے لیے کوئی دوا نہ کرے ۴؎ (ابوداؤد۔ابن ماجہ)

(۴۳۴۰) ۱؎ آپ کا نام عمرو ابن سعد ہے۔کنیت ابو کبشہ قبیلہ انمار سے ہیں۔شام میں قیام رہا۔آپ سے روایات بہت کم ہیں۔ ۲؎ یا تو ایک دم ان دونوں جگہ فصد لیتے تھے یا کبھی سر میں کبھی کندھے پر دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ ۳؎ خون سے مراد خون فاسد ہے جسے اس فن کے لوگ پہچانتے ہیں یا زیادہ خون جس کی جسم میں موجودگی بیماریوں کا سبب ہے (اشعہ) اور اسی خون سے مراد یا تو ان مقامات کا خون ہے یا مطلقًا خون خواہ کسی عضو کا فاسد یا زائد خون ہو۔ ۴؎ بیماریوں سے مراد وہ بیماریاں ہیں جن کا تعلق اس خون سے ہے،لہذا شَیْءٍ فرمانا بالکل درست ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰی وَرِکِهٖ مِنْ وَثَاءٍ کَانَ بِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۴۱) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران پر پچھنے لگوائے اس موچ سے جو آپ کو ہوگئی تھی ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۳۴۱) ۱؎ وثاء عربی میں اس تکلیف کو کہتے ہیں جو کسی عضو کے گوشت پر تکلیف پہنچنے سے ہو، ہڈی محفوظ رہے۔اب موچ آ جانے کو کہا جاتا ہے کہ موچ میں بھی تعلق گوشت سے ہوتا ہے۔ہڈی پر ضرب نہیں آتی۔اس لفظ کے لکھنے کی بہت ترکیبیں ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةٍ اُسْرِیَ بِهٖ اَنَّهٗ لَمْ يَمُرَّ عَلٰی مَلَاءٍ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ مُرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۳۴۲) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کے متعلق خبر دی جس میں آپ کو معراج کرائی گئی کہ آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے عرض کیا ۱؎ کہ آپ اپنی امت کو پچھنے کا حکم دیں ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۳۴۲) ۱؎ یہاں امر بمعنی مشورہ ہے یا بمعنی وجوبی حکم کیونکہ بعض بیماریوں میں فصد واجب ہو جاتی ہے۔اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ فرشتوں کو اللہ تعالٰی نے بہت وسیع علم بخشا جس میں علم طب بھی ہے۔وہ حضرات بیماریوں اور دواؤں سے بھی واقف ہیں۔دوسرے یہ کہ امت پر حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ فرشتے حتی کہ خدا تعالٰی بھی بندوں سے براہِ راست کلام نہیں فرماتا،نہ ان پر خود احکام فرماتا ہے۔جو کچھ کہتا ہے نبی کی معرفت سے کہتا ہے۔خدا کا فرمان نبی کی معرفت پہنچے تو سب کے لیے قابل عمل ہوتا ہے۔ ۲؎ امت سے مراد ساری امت نہیں بلکہ خاص ملک کے خاص بیماریوں والے امتی مراد ہیں۔گرم ملک کے لوگوں کو فصد بہت مفید رہتی ہے،لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر مسلمان فصد کرلیا کرے بغیر فصد کے وہ مسلمان نہ ہو یہاں حجامت سے مراد فصد پچھنے،بھری سنگی سب ہی ہیں۔بعض شارحین نے امتك سے مراد لی ہے قوم یعنی آپ اپنی قوم اہل عرب کو حکم دیں۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اِنَّ طَبِيْبًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَفْدَعٍ يَجْعَلُهَا فِيْ دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۳) روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن عثمان سے کہ کسی طبیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے متعلق پوچھا[۱] جسے کسی دوا میں ڈالا جائے تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا[۲] (ابوداؤد)

(۴۴۴۳) [۱] یہ سوال مطلقاً مینڈک کے متعلق تھا، دریائی ہو یا خشکی کا دونوں قسم کے مینڈکوں کی تاثیریں جداگانہ ہیں۔[۲] فرمایا کہ مینڈک کو قتل نہ کرو، خواہ دوا کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے یا بلا مقصد کے کیونکہ نہ تو یہ موذی ہے نہ حلال ہے نہ لذیذ۔ حرام، خبیث غیر مفید جانور کا مارنا بلا وجہ ہی مارنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مینڈک کھانا حرام ہے، لہٰذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مینڈک کسی بیماری میں مفید نہیں۔ بعض لوگ ایک خاص قسم کے مینڈک کا تیل قوت باہ کے لیے استعمال کرتے ہیں، محض غلط وممنوع ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ زَادَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَّاِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ)

(۴۴۴۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گردن اور کندھے کی رگوں میں پچھنے لگواتے تھے[۱] (ابو داؤد) اور ترمذی و ابن ماجہ نے یہ زیادہ کیا کہ آپ سترہ اور انیس اور اکیس کو فصد لیتے تھے[۲]

(۴۴۴۴) [۱] اخدعین، گردن کی دوطرفہ رگوں کو کہتے ہیں۔ یہ رگیں جبل ورید کی ہی شاخیں ہیں اور گردن میں پیٹھ سے متصل پچھنے لگوانا بہت سی بیماریوں میں مفید ہے۔ ہم لوگوں کو چاہیے کہ بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے پچھنے ہرگز نہ کرائیں۔ اہل عرب اور ہماری بیماریوں میں بڑا فرق ہے۔[۲] یعنی آپ اکثر چاند کی ان طاق تاریخوں میں فصد لیتے تھے۔ ان تاریخوں میں خون میں جوش نہیں ہوتا۔ فصد سے زیادہ خون بہ جانے کا خطرہ نہیں ہوتا، تاریخوں کو ہمارے حالات میں بڑا دخل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کیفیات سے واقف ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعِ عَشَرَةَ وَتِسْعِ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۴۴۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ کو فصد لینا پسند فرماتے تھے[۱] (شرح سنہ)

(۴۴۴۵) [۱] جیسے بعض کاموں کے لیے بعض دن موزوں ہیں، سفر کرنے کے لیے شنبہ دوشنبہ، پنج شنبہ بہتر۔ کتاب شروع کرنے کے لیے بدھ بہتر یوں ہی فصد کے لیے یہ تاریخیں افضل ہیں۔ یہ افضلیت ربّ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ہماری عقل کو اس میں دخل نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعِ عَشَرَةَ وَتِسْعِ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ كَانَ شِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو سترہ، انیس، اکیس تاریخ کو فصد لے تو ہر بیماری سے شفا ہوگی[۱] (ابوداؤد)

(۴۴۴۶) [۱] بیماریوں سے مراد وہ ہی بیماریاں ہیں جن کا تعلق فصد سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دواؤں، علاجوں کے اثر کا تعلق دنوں اور وقتوں سے بھی ہے۔ جیسے کہ اس کا تعلق زمانوں اور مقامات سے ہے۔ ایک دوا ایک موسم میں ایک جگہ مفید ہوتی ہے۔ وہ ہی دوا دوسری جگہ دوسرے

موسم میں مضر،ٹھنڈی چیز گرم موسم گرم ملک میں مفید ہیں اور سرد موسم سرد ملک میں مضر یہاں اشعہ میں فرمایا کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں بہت جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں بہت جمود و سکون،لہٰذا درمیان مہینہ فصد کے لیے تجویز ہوا۔جب خون نہ بہت جوش میں ہو نہ بالکل سکون میں تاکہ بقدر حاجت نکلے نہ زیادہ نکلنے نہ کم جنہوں نے چاند کی حرکتوں پر سمندر کا جوار بھاٹا دیکھا ہے،وہ اسے بلا تامل مان لیں گے۔

وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَتْ اَنَّ اَبَاهَا كَانَ يَنْهٰى اَهْلَهٗ عَنِ الْحِجَامَةِ يَوْمَ الثُّلٰثَاۤءِ وَيَزْعَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَوْمَ الثُّلٰثَاۤءِ يَوْمُ الدَّمِ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَّا يَرْقَاُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۴۷) روایت ہے حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ سے[۱] کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو منگل کے دن فصد سے منع کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ منگل کا دن خون کا دن ہے[۲] اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں خون ٹھہرتا نہیں[۳] (ابوداؤد)

(۴۳۴۷) [۱] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں کشبہ ہے اور سین سے بعض میں کیشہ ہے۔ی ب اور شین سے ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔یہ تابعیہ ہیں،ان کے والد ابوبکرہ صحابی ہیں۔[۲] کہ قابیل نے ہابیل کو منگل کے دن ہی قتل کیا اور جناب حوا کو منگل کے دن ہی حیض شروع ہوا۔گویا یہ دن خون کی ابتداء کا ہے یا اس دن میں خون جوش مارتا ہے،فصد سے بہت زیادہ بہ جائے گا(مرقات)[۳] کیونکہ اس دن کی ہر گھڑی میں احتمال ہے کہ شاید وہ ہی گھڑی ہو،لہٰذا اس دن فصد لو ہی نہیں کہ اس میں ہی سلامتی ہے۔اگر اس گھڑی میں فصد لی گئی تو خون ٹھہرے گا نہیں بالکل نکل جائے گا اور اس مریض کی موت واقع ہوجانے کا خطرہ ہے۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاۤءِ اَوْيَوْمَ السَّبْتِ فَاَصَابَهٗ وَضَحٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ وَقَدْ اُسْنِدَ وَلَا يَصِحُّ)

(۴۳۴۸) روایت ہے زہری سے ارسالاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جو کوئی بدھ یا ہفتہ کے دن فصد لے،پھر اسے برص پہنچ جائے تو اپنے ہی کو ملامت کرے[۱] (احمد،ابوداؤد) اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ اسناداً بھی مروی ہے مگر صحیح نہیں[۲]

(۴۳۴۸) [۱] معلوم ہوا کہ ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لینے سے برص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔برص جسم کے سفید داغ کو کہتے ہیں۔کوڑھ کی ایک قسم ہے۔خدا تعالٰی محفوظ رکھے۔اطباء تجربہ سے کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے حضور کا ہر فرمان برحق ہے۔زمان،مکان،دنوں گھڑیوں میں مختلف تاثیریں ہیں۔[۲] جمہور محدثین کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے،لہٰذا اسند حدیث کا صحیح نہ ہونا اس کے لیے ہرگز مضر نہیں۔

وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ اَوِ اطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ اَوِ الْاَرْبِعَاۤءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ فِي الْوَضَحِ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۳۴۹) روایت ہے انہیں سے ارسالاً فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی ہفتہ کے دن فصد لے یا لیپ کرے[۱] تو سفید داغ کے بارے میں نہ ملامت کرے مگر اپنی ذات کو[۲] (شرح السنہ)

(۴۳۴۹) [۱] یعنی اپنے کسی عضو پر کسی دوا کا لیپ کرے جیسے چونا وغیرہ۔[۲] یعنی اگر کوئی شخص ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لے،پھر اسے برص کی بیماری ہوجائے تو نہ تو ربّ تعالٰی کی شکایت کرے نہ کسی اور پر ملامت کرے۔نہ بے عملی کا بہانہ بنائے بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرے کہ میری غلطی سے یہ بیماری ہوئی ہے۔معلوم ہوا کہ دنوں کی تاثیریں مختلف ہیں اور پرہیز،احتیاط ضروری ہے۔

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِ اللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذٰلِكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۵۰) روایت ہے عبداللہ ابن مسعود کی بیوی زینب سے[1] کہ عبداللہ نے میری گردن میں دھاگہ دیکھا تو فرمایا[2] یہ کیا میں بولی کہ یہ دھاگہ ہے جس میں دم کیا گیا ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے اسے لے کر توڑ دیا پھر فرمایا اے عبداللہ کے گھر والو! تم شرک سے بے نیاز ہو[3] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دم، تعویذات اور جادو شرک ہے[4] تو میں نے کہا کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں، میری آنکھ کھٹکتی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس آجاتی تھی تو جب وہ اسے دم کردیتا تھا تو ٹھہر جاتی تھی[5] تب عبداللہ نے کہا کہ یہ شیطانی کام ہی تھا وہ آنکھ میں اپنے ہاتھ سے چھوتا تھا پھر جب دم کیا جاتا تو ٹھہر جاتا تھا[6] تمہیں یہ کافی تھا کہ کہہ لیتی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اے لوگوں کے رب تکلیف دور کردے اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، نہیں ہے شفا مگر تیری شفاء[7] وہ شفا دے جو بیماری نہ چھوڑے[8] (ابوداؤد)

(۴۳۵۰) [1] آپ زینب بنت عبداللہ ابن معاویہ ہیں۔ ثقفی ہیں۔ اپنے خاوند کی طرح آپ بھی بارگاہ نبوت میں بہت مقبول اور درجہ والی تھیں (مرقات) [2] محدثین کی اصطلاح میں جب عبداللہ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں، وہ ہی یہاں مراد ہیں۔ [3] یہاں دھاگہ سے مراد گنڈے کا نیلا دھاگہ ہے جس پر جادوگر جادو کا دم کرکے مریض کو پہناتے ہیں چونکہ ان کے دم میں مشرکانہ الفاظ ہوتے ہیں، بتوں کا توسل وغیرہ اس لیے آپ نے اس گنڈے پہننے کو شرک قرار دیا، لہٰذا حضرات صوفیاء کرام کے گنڈے جس میں وہ قرآنی آیات یا ماثورہ دعائیں پڑھ کر دم کرکے گرہ لگاتے ہیں، بالکل جائز ہیں۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر تعویذ گنڈے کو مؤثر حقیقی مان لیا جائے رب سے نظر ہٹ جائے تو شرک ہے مگر یہ فقیر کے نزدیک قوی نہیں۔ اولاً تو اس لیے کہ حضرات صحابہ ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتے دوسرے اس لیے کہ یہ بات تو دواؤں میں بھی ہے کہ اگر حکیم کو شافی الامراض اور دواء کو شفاء مستقل مان لے تو مشرک ہے۔ شافی اللہ ہی ہے۔ یہ چیزیں ذریعہ شفاء ہیں۔ دوا ہو یا دعا آل عبداللہ سے مراد حضرت ابن مسعود کے گھر والے ہیں۔ بیوی ہوں یا اولاد۔ [4] تولہ ایک خاص جادو کا نام ہے جو زوجین کی محبت کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اگر آیات قرآنیہ یا ماثورہ دعاؤں سے اسی محبت کا تعویذ کیا جائے تو بالکل جائز ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے دعاء ماثورہ کے تعویذات باندھے ہیں۔ [5] یعنی میرا تجربہ ہے کہ یہ دردچشم کے لیے مفید ہے، اگر یہ شرک ہوتا تو اس میں یہ فائدہ کیوں ہوتا جیسے حرام دوا میں فائدہ نہیں ایسے ہی شرکیہ عمل میں اثر نہ چاہیے سبحان اللہ کیسا باریک اعتراض ہے۔ [6] یعنی یہ بیماری نہ تھی بلکہ شیطانی اثر تھا کہ وہ تمہاری آنکھ میں انگلی چھوتا تھا جس سے تم کو درد محسوس ہوتا تھا اور اس یہودی کے دم کردینے پر وہ چھونا بند کردیتا تھا جس سے تم کو آرام محسوس ہوتا تھا۔ اس کا یہ سارا عمل تمہارا عقیدہ بگاڑنے کے لیے تھا۔ معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو بیمار کرسکتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲:۲۷۵) جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنادیا ہو (کنزالایمان) جب سانپ، بچھو بلکہ زہریلی دوائیں آدمی کو بیمار

کرسکتی ہیں تو اگر شیطان بیمار کرے تو کیا بعید ہے۔ یہ سب کچھ رب تعالٰی کے اذن اس کے ارادہ سے ہے۔ ےیعنی حقیقی شافی الامراض تو ہی ہے جو مخلوق کو شفا بخشے وہ تیری عطا تیرے کرم سے ہے لہذا شافی الناس تو ہی ہے۔ ۸یہ دعا بہت اسنادوں سے بہت محدثین نے نقل فرمائی اور بہت ہی مجرب ہے۔ علماء نے اسے بہت امراض میں مفید پایا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۳۵۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا ۱تو فرمایا یہ شیطانی کاموں سے ہے ۲ (ابوداؤد)

(۴۳۵۱) ۱نشرہ نون کے پیش سین کے سکون سے ایک خاص منتر کا نام ہے جو مجنون کے شفاء کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ جادو کی ایک قسم ہے نشر بمعنی پھیلنا اس سے ہے انتشار چونکہ یہ عمل جنات شیاطین کے پھیلنے کی بنا پر ہوتا ہے اس کو نشرہ کہا جاتا ہے۔ ۲یعنی یہ عمل وہ ہے جسے جاہلیت کے لوگ اپنے کاہنوں ساحروں کی تعلیم سے کیا کرتے تھے۔ اس میں شرکیہ الفاظ ہیں لیکن اگر قرآنی آیات، حضور کی بتائی ہوئی دعاؤں سے عمل کئے جائیں دفع شیطان کے لیے تو جائز ہے۔ چنانچہ احمد، حاکم، ابن ماجہ نے بروایت ابی ابن کعب سے نقل فرمایا کہ ایک بدوی نے اپنے بچے کی دیوانگی کی شکایت کی تو حضور نے اس پر سورہ فاتحہ شروع بقر مفلحون تک آیت الکرسی اور سورہ بقر کا آخری رکوع، سورہ حشر کی آخری آیات سورہ جن کی آیت وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا اور سورہ اخلاص، فلق، ناس پڑھ کر دم فرمایا، اسے فوراً ہی آرام ہوگیا۔ بعض صحابہ نے مجنون پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے، تین دن تک (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً اَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۳۵۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے ۱فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نہیں پروا کرتا ان میں سے جو کام کروں کہ میں تریاق پیوں ۲یا تعویذ باندھوں ۳یا اپنی طرف سے شعر کہوں ۴ (ابوداؤد)

(۴۳۵۲) ۱مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عمرو واؤ سے ہے۔ یہ ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عاص بھی آیا ہے۔ اس نسخے میں شاید کاتب واؤ لکھنا بھول گیا۔ (مرقات، واشعہ) ۲تریاق یا دریاق ایک مرکب معجون ہے جسے یونانی حکیم ماغیس نے ایجاد کیا اور اندردماغس نے اس کی تکمیل کی یہ دواز ہر خصوصاً سانپ کے زہر کے لیے بہت مفید ہے۔ تریاق بہت قسم کی ہوتی ہے۔ بعض قسموں میں سانپ کا گوشت اور شراب شامل کی جاتی ہے۔ یہ قسم حرام بھی ہے، نجس بھی۔ اسی ہی کا استعمال حرام ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے جس تریاق میں ایسی چیزیں نہ ہوں، وہ حلال ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہر تریاق سے بچے کہ تریاق کا استعمال کرنے والا اللہ پر توکل نہیں رکھتا۔ تریاق کو ہی مؤثر مانتا ہے۔ (مرقات) ۳تعویذ سے مراد زمانہ جاہلیت کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوتے ہیں۔ ان کا بنانا استعمال کرنا سب حرام ہے۔ ۴شعر سے مراد زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں جن کے مضامین فحش و بے حیائی کے ہوتے تھے۔ اپنی طرف سے فرمانے کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کسی اور کے بنائے ہوئے اشعار پڑھنا یا سیکھنا برا نہیں۔ اگرچہ اشعار برے ہوں کیونکہ ان سے علوم میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آج دیوان متنبی دیوان حماسہ وغیرہ درس میں داخل ہیں۔ اگرچہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ غرضیکہ ان تینوں فرمانوں میں تفصیل ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً شعر کبھی نہ کہا۔ ہاں کبھی بغیر قصد شعر آپ سے صادر ہوئے جیسے انا النبی لا کذب انا ابن

عبد المطلب ۔ہاں لبید وغیرہ کے اشعار سنے ہیں ان کی تعریف بھی فرمائی ہے۔حضور نے شعر گا کر ترنم سے کبھی نہ پڑھا۔اس کی بحث ہماری تفسیر وما علمناه الشعر کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِاسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۵۳) روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے،فرماتے ہیں،فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو داغ لگائے یا جھاڑ پھونک کرے وہ توکل سے دور ہوگیا[۱] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

(۴۳۵۳) [۱] یعنی اگرچہ داغ لگانا دم کرنا جائز ہے مگر متوکلین کی شان سے بعید ہے۔خیال رہے کہ زمانہ جاہلیت میں داغ اور دم کو دفع مرض کے لیے مستقل علت مانا جاتا تھا۔اس لیے حضور انور نے اس کو توکل کے خلاف قرار دیا۔دواؤں کے متعلق یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا اس لیے دوا خلاف توکل نہیں،اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کی صفت میں داغ نہ کرنا رقیہ نہ کرنا بیان فرمایا،دوا نہ کرنے کا ذکر نہ کیا۔

وَعَنْ عِيْسَى بْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُلَيْمٍ وَّبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ اِلَيْهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۵۴) روایت ہے عیسیٰ ابن حمزہ سے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن علیم کے پاس گیا[۱] انہیں سرخی تھی[۲] تو میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھتے تو فرمایا کہ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی چیز لٹکائے (باندھے) تو اس کی طرف سونپ دیا جاتا ہے[۳] (ابوداؤد)

(۴۳۵۴) [۱] عیسیٰ ابن حمزہ تابعی ہیں۔عبداللہ ابن علیم کی صحابیت میں اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ وہ بھی تابعی ہیں۔انہوں نے حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی،ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔یہاں فرمایا کہ ان کا نام عیسیٰ ابن عبدالرحمن ابن ابی یعلیٰ ہے یا عیسیٰ ابن یونس ابن اسحاق یہ عیسیٰ بڑے متقی تھے۔ایک سال حج کرتے تھے اور ایک سال جہاد ۱۸۷ھ ایک سوستاسی میں وفات پائی (مرقات) [۲] حمرہ وہ بیماری ہے جس میں چہرہ اور جسم پر سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں۔اسے پنجابی میں قین کہتے ہیں۔اس بیماری میں بہت قسم کے دم کیے جاتے ہیں۔[۳] یعنی اگرچہ یہ کام جائز تو ہیں مگر توکل کے خلاف ہیں،اس لیے ان سے بچنا بہتر ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حکومت کا طلب گار ہو کر اسے حاصل کرے تو وہ حکومت اس کے سپرد کردی جائے گی اور جو مجبوراً حاکم بنادیا جائے تو اس کی مدد کی جائے گی (مرقات) ہم ابھی دواؤں اور دم میں فرق بیان کرچکے ہیں کہ دوا علاج میں توکل کیوں قائم رہتا ہے اور اس دم وغیرہ میں کیوں جاتا رہتا ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ بُرَيْدَةَ)

(۴۳۵۵) روایت ہے عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنک سے[۱] (احمد،ترمذی،ابوداؤد) اسے ابن ماجہ نے بریدہ سے روایت کیا۔

(۴۳۵۵) [۱] یعنی نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹ لینے میں دم جھاڑ پھونک بہت زیادہ مفید ہے۔اتنی اور بیماریوں میں مفید نہیں۔یہ مطلب نہیں کہ دوسری بیماریوں میں جھاڑ پھونک جائز نہیں جیسے کہا جاتا ہے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار یا یہ مطلب ہے کہ نظر بد اور زہر جلد بیمار کردیتے ہیں،اس لیے ان میں دوا کا انتظار نہ کرو،اس پر جلد جھاڑ پھونک کرو (مرقات) ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بیماریوں میں دم کیا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْحُمَةٍ اَوْدَمٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۵۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنگ سے یا خون سے[۱] (ابوداؤد)

(۴۳۵۶) [۱] یہاں خون سے مراد نکسیر کا خون ہے۔اس میں بہت قسم کے جھاڑ پھونک کئے جاتے ہیں۔جو لوگوں میں مشہور ہیں۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ يَسْرَعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْكَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدْرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۵۷) روایت ہے حضرت اسماء بن عمیس سے[۱] انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعفر کی اولاد کو نظر جلد لگ جاتی ہے[۲] تو میں ان کو دم کردوں فرمایا ہاں[۳] کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ جاتی ہوتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے۔[۴] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

(۴۳۵۷) [۱] آپ کے حالات ابھی کچھ پہلے بیان کئے گئے۔جب آپ نے یہ سوال کیا ہے تب آپ حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں (اشعۃ اللمعات) حضرت جعفر طیار کی کچھ اولاد آپ سے تھی اور کچھ اولاد دوسری زوجہ سے۔ان سب کے متعلق آپ نے یہ سوال فرمایا[۲] کیونکہ یہ بچے ظاہری باطنی خوبیوں والے ہیں،اس لیے لوگ انہیں تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ بچے نظر کی وجہ سے بیمار ہوجاتے ہیں۔نظر کا اثر زہر سے زیادہ تیز اور سخت ہوتا ہے۔اس لیے یسرع فرمانا بالکل درست ہے۔[۳] غالبًا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نظر کا دم سیکھا ہوگا۔اس کی اجازت چاہ رہی ہیں جو عطا ہوگئی۔[۴] یعنی نظر بد بڑی مؤثر ہوتی ہے۔اگر کسی چیز سے تقدیر پلٹ جاتی تو نظر سے پلٹ جاتی۔خیال رہے کہ غصہ کی نظر منظور میں ڈر پیدا کردیتی ہے۔محبت کی نظر خوشی اسی طرح تعجب کی نظر بیماری پیدا کرسکتی ہے۔ربّ تعالٰی جس چیز میں چاہے تاثیر خاص پیدا فرمادے،وہ قادر مطلق ہے۔اگر حائضہ عورت دودھ کے برتن میں ہاتھ ڈال دے تو دودھ خراب ہوجاتا ہے۔وہی عورت پاک ہوکر ہاتھ ڈالے تو نہیں بگڑتا۔پھر جیسے بری نظر منظور پر اثر پیدا کرتی ہے۔یوں ہی صالحین مقبولین کی رحمت کی نظر منظور میں انقلاب پیدا کردیتی ہے۔نظر بد بیماریاں پیدا کرتی ہے تو نظر خوب بیماریاں دور کرتی ہے۔شیطان نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:انظرنی مجھے مہلت دے،اگر کہتا انظرانی مجھے نظر رحمت سے دیکھ لے تو اس کا بیڑا پار ہوجاتا (مرقات) ایک شخص نے کہا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا،کسی میں کچھ نہیں ہے۔دوسرے نے کہا کہ مگر کسی نے تجھے نہ دیکھا۔اگر کوئی نظر والا تجھے دیکھ لیتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا۔غرضیکہ نظر بڑی چیز ہے۔کوئی نظر خانہ خراب کردیتی ہے،کوئی نظر خراب کو آباد کردیتی ہے۔شعر:

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلی پناہ مانگے گرے تو خانہ خراب کردے

وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ اَلَا تُعَلِّمِيْنَ هٰذِهٖ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِهَا الْكِتَابَةَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۵۸) روایت ہے شفاء بنت عبداللہ سے[۱] فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ میں حفصہ کے پاس تھی تو فرمایا کہ تم انہیں نملہ کا دم کیوں نہیں سکھاتیں[۲] جیسے تم نے انہیں لکھنا سکھایا[۳] (ابوداؤد)

(۴۳۵۸) [۱] آپ کا نام لیلٰی ہے۔شفاء لقب قرشیہ عدویہ ہیں۔مہاجرین اولین میں سے ہیں۔بڑی عاملہ عاقلہ بی بی تھیں۔اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں دوپہر کا آرام فرماتے تھے حتی کہ آپ نے حضور کے لیے ایک بستر علیحدہ رکھا تھا۔(مرقات واشعہ) [۲] نملہ

باریک دانے ہوتے ہیں جو بیمار کی پسلیوں پر نمودار ہوتے ہیں جس سے مریض کو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے۔اسے تمام جسم پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوتی ہیں۔اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام موتی جھرہ ہے مگر یہ درست نہیں کہ موتی جھرہ تمام جسم پر ہوتا ہے۔حضرت شفاء مکہ معظمہ میں اس مرض کا بہترین دم کرتی تھیں۔آپ وہاں اس دم کی وجہ سے مشہور تھیں۔اس دم کے الفاظ مرقات نے یہاں بیان کئے۔آخری عبارت اس کی یہ ہے۔**العروس تفقعل وتخضب تکتحل وکل شئی تفتعل غیر انھالا تعص الرجل** یعنی دلہن جوتا پہنے خضاب لگائے سرمہ لگائے سب کچھ کرے،خاوند کی نافرمانی نہ کرے۔بی بی حفصہ نے حضور کا ایک راز ظاہر فرمادیا تھا،اس لیے فرمایا کہ انہیں نملہ کا دم سکھاؤ جس میں خاوند کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔۳؎ یعنی تم نے جناب حفصہ کو لکھنا تو سکھادیا جو عورتوں کے لیے بہتر نہیں اور نملہ کا دم نہ سکھایا جو فائدہ مند ہے،لہذا اس حدیث سے عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں۔عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینا مکروہ ہے۔خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ عورتوں کی آزادی حد سے بڑھ چکی ہے۔اس کی ممانعت صریحی حدیث میں وارد ہے۔**لا تعلموھن بالکتابه** عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ۔بعض شارحین نے فرمایا کہ عوام عورتوں کو یہ تعلیم ممنوع ہے۔ازواج مطہرات کے لیے جائز تھی،لہذا احادیث میں تعارض نہیں(مرقات،اشعہ)

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ابْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ رَاٰی عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ سَهْلَ ابْنُ حُنَیْفٍ یَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا رَأَیْتُ کَالْیَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخَبَّأَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأُتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقِیْلَ لَهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِیْ سَهْلِ ابْنِ حُنَیْفٍ وَّاللّٰهِ مَا یَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِیْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ عَلَیْهِ وَقَالَ عَلَامَ یَقْتُلُ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ اَلَّا بَرَّکْتَ اغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَّجْهَهٗ وَیَدَیْهِ وَمِرْفَقَیْهِ وَرُکْبَتَیْهِ وَاَطْرَافَ رِجْلَیْهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِیْ قَدَحٍ ثُمَّ صَبَّ عَلَیْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَیْسَ لَهٗ بَأْسٌ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَّفِیْ رِوَایَتِهٖ قَالَ اِنَّ الْعَیْنَ حَقٌّ تَوَضَّأْلَهٗ فَتَوَضَّأَلَهٗ)

(۴۳۵۹) روایت ہے ابوامامہ ابن سہل ابن حنیف سے۱؎ فرماتے ہیں کہ عامر ابن ربیعہ نے سہل ابن حنیف کو دیکھا۲؎ جو نہارہے تھے تو بولے اللہ کی قسم میں نے آج کا سا دن دیکھا نہ ایسی محفوظ کھال۳؎ فرماتے ہیں کہ فورًا سہل گر گئے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی گئی تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا حضور کو سہل ابن حنیف کے علاج میں رغبت ہے۔خدا کی قسم وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھاتے۴؎ تو فرمایا کیا تم ان کے متعلق کسی پر شبہ کرتے ہو،بولے ہم عامر ابن ربیعہ پر شبہ کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو بلایا،ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے،تم نے دعا برکت کیوں نہ کی۵؎ اچھا اب ان کے لیے دھوؤ۶؎ چنانچہ عامر نے ان کے لیے اپنا منہ اور ہاتھ،کہنیاں اور گھٹنے اور اپنے پاؤں کے کنارے اور تہبند کا داخلی حصہ۷؎ ایک پیالہ میں دھویا،پھر اس پر ڈالا گیا،چنانچہ وہ لوگوں کے ساتھ چل دیا،اسے کوئی تکلیف نہ تھی۸؎(شرح سنہ)اسے مالک نے بھی روایت کیا اور ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا نظر حق ہے۔تم اس کے لیے وضو کرو،انہوں نے وضو کیا۹؎

(۴۳۵۹) ۱؎ آپ کا نام سعد ابن سہل ہے۔کنیت ابوامامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔اس لیے صحابی نہیں،تابعی ہیں۔اپنے والد سہل اور حضرت ابوسعید خدری سے روایات کرتے ہیں۔بانوے سال عمر ہوئی۔۱۰۰ ہجری میں وفات ہوئی۔۲؎ حضرت عامر دو ہجرتوں والے صحابی ہیں۔بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے ۳۲ھ میں وفات پائی اور سہل ابن حنیف انصاری

اوسی ہیں اور تمام غزوات میں شریک رہے۔بعد میں حضرت علی کے ساتھ رہے۔کوفہ میں ۳۸ھ میں وفات ہوئی۔حضرت علی نے آپ کو پہلے مدینہ منورہ کا پھر فارس کا حاکم بنایا۔۳؎ مخباۃ بنا ہے خباءٌ سے بمعنی خیمہ و پردہ مخباۃ کنواری پردہ نشین لڑکی کو کہتے ہیں۔اب بمعنی محفوظ استعمال ہوتا ہے۔یہاں اس معنی میں ہے حضرت سہل بہت خوبصورت نازک اندام تھے یعنی کیسی چکنی کھال ہے جس سے بدن کی ہڈیاں چھپی ہوتی ہیں۔جیسے دیوار پر لیس یا سیمنٹ کا پلستر اس سے کھال کی نرمی اور تندرستی مراد ہے۔کہا تعجب سے جس سے نظر لگ گئی۔۴؎ یعنی حضرت ابن سہل کو نظر لگ گئی جس سے وہ بے ہوش ہوگئے۔۵؎ یعنی نظر لگانا نہ لگانا خود نظر والے کے اختیار میں ہے۔اگر کسی پسندیدہ چیز کو دیکھ کر ماشاء اللہ یا بارک اللہ کہہ دے تو نظر نہیں لگتی۔اگر ان کلمات کے بغیر ہی تعجب سے دیکھے اور تعجب کے الفاظ بولے تو نظر لگ جاتی ہے۔۶؎ یعنی اپنی نظر کا اثر دور کرنے کے لیے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ اور کہنیاں،گھٹنے،پاؤں دھوکر پانی دو تاکہ ان پر چھڑکا جائے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔۷؎ تہبند کے داخلی حصہ میں تین احتمال ہیں یا تو خود تہبند کا پلو مراد ہے جو جسم سے متصل ہو یا نظر والے کی ران وسرین مراد ہیں یا اعضاء تناسل اسی طرح کہ اس سے استنجا بھی کرایا گیا اور پھر یہ پانی منظور پر چھڑکا گیا۔ ۸؎ یہ نظر اتارنے کا ایک ٹوٹکہ ہے۔معلوم ہوا کہ نظر کے لیے جائز ٹوٹکے کرنا درست ہے۔یہاں مرقات نے نظر اتارنے کو بہت ٹوٹکے بیان فرمائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر والے کو اعضاء بدن دھوکر دینا واجب ہے جبکہ اس سے یہ مطالبہ ہو کیونکہ یہ دفع نقصان کا ذریعہ ہے جبکہ کچا لہسن کچی پیاز کھاکر مسجد میں آنا منع ہے تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی ضروری ہے۔قاضی عیاض نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے بلکہ ایسے لوگوں کو حاکم مجمعوں میں جانے سے روک سکتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کوڑھی کو مجمعوں میں جانے سے روکا تھا۔پھر خلفاء نے یہ عمل جاری فرمایا۔(مرقات)۹؎ یعنی نظر والے کو وضو کا حکم دیا۔پھر وضو کا غسالہ منظور پر چھینٹا مار دیا۔خیال رہے کہ جب دواؤں کی تاثیر میں ہماری عقل کام نہیں کرتی تو ان ٹوٹکوں میں کام نہ کرے گی،لہذا ان اعمال پر اعتراض کرنا بے جا ہے۔

وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَآنِّ وَ عَیْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰی نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَبِہِمَا وَتَرَكَ مَاسِوَاھُمَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(۴۳۶۰) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے حتیٰ کہ سورہ فلق وناس نازل ہوئیں ۱؎ پھر جب یہ نازل ہوئیں تو ان کو لے لیا،ان کے ماسواء کو چھوڑ دیا ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا،یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

(۴۳۶۰) ۱؎ یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی نظر سے بچنے کے لیے مختلف دعائیں پڑھتے تھے۔مثلًا اعوذ باللہ من الجان وغیرہ یا اعوذ باللہ من عین الانسان الحاسد ۲؎ یعنی دیگر دعاؤں کی کثرت چھوڑ دی۔زیادہ تر سورہ فلق وناس ہی سے عمل فرمایا۔یہ مطلب نہیں کہ بالکل چھوڑ دیں،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رُءِ یَ فِیْکُمُ الْمُغَرِّبُوْنَ قُلْتُ وَمَا الْمُغَرِّبُوْنَ قَالَ الَّذِیْ یَشْتَرِكُ فِیْھِمُ الْجِنُّ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ خَیْرُ مَاتَدَاوَیْتُمْ فِیْ بَابِ التَّرَجُّلِ)

(۴۳۶۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم میں مغرب کے لوگ دیکھے گئے ہیں ۱؎ میں نے عرض کیا مغرب کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ جن میں جنات شریک ہوجائیں ۲؎ (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس کی حدیث خیر ماتداویتم کنگھی کرنے کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎

(۴۳۶۱) ۱؎ مغرب بنا ہے تغریب سے بمعنی دور کردینا، اسی لیے جلاوطن کرنے کو تغریب کہتے ہیں۔ یہاں مراد رحمت الٰہی سے دور۔ ۲؎ اسی طرح کہ ان کے ماں باپ بغیر بسم اللہ صحبت کریں جس کی وجہ سے شیطان بھی صحبت میں شریک ہوجائے۔ اس صحبت سے جو بچہ پیدا ہو، وہ شکلاً انسان سیرۃً شیطان ہوتا ہے۔ اس کی نظر بہت سخت بے ادب بدتمیز جیسا کہ آج کل عموماً دیکھا جارہا ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے۔ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۱۷؍۶۴) اور ان کا ساجھی ہو مال اور بچوں میں (کنزالایمان) ہمارے بعضوں کا یہ حال ہے کہ جنے گئے سینما میں، پلے بڑھے کالج میں رہے ہوٹل میں مرے ہسپتال میں۔ اللہ اس زندگی سے بچائے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ صحبت کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا اس کی نفیس بحث یہاں مرقات میں ملاحظہ کرو۔ بہت نفیس تحقیق کی ہے۔ ۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی۔ ہم نے باب الترجل میں بیان کی، مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْدَةُ حَوْضُ الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَيْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَّةِ وَاِذَا فَسَدَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسَّقَمِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۳۶۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف آتی ہیں ۱؎ تو جب معدہ درست ہو تو رگیں تندرستی کے ساتھ لوٹتی ہیں ۲؎ اور جب معدہ خراب ہو تو بیماری سے لوٹتی ہیں ۳؎

(۴۳۶۲) ۱؎ حوض سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں درخت کی جڑ قائم ہوتی ہے۔ اس پر درخت کی بقاء ہے۔ یوں ہی معدہ پر جسم کی بقاء ہے۔ ۲؎ یعنی معدے سے رگیں دوسرے اعضاء کی طرف اچھی رطوبتیں اور صالح غذا لے کر چلتی ہیں جس سے صحت اچھی ہوتی ہے۔ ۳؎ یہ حدیث علم طب کی اصل ہے کہ اگر معدہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے۔ اگر معدہ خراب ہے تو سارا جسم بیمار۔ اس حدیث میں معدہ کو درخت کے حوض سے تشبیہ دی گئی ہے اور بدن کو درخت سے اور بدن کی رگوں کو درخت کی ان رگوں سے جو جڑ سے چلتی ہیں اور شاخ شاخ پتے پتے میں جڑ کا رس پہنچاتی ہیں۔ یہ ہی حال ہماری روحانیت کا ہے۔ حرام اعمال حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے ربّ نے فرمایا: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (۲۳؍۵۱) پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو (کنزالایمان) حضور فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام غذا سے بنے گا، دوزخ کی آگ اسے جلد جلائے گی، بہرحال طب نبوی بہت جامع ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَاتَدَعُ مُصَلِّيًا وَّلَا غَيْرَهٗ اَوْنَبِيًّا وَّغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَّمَآءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَآءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۳۶۳) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ اس درمیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو بچھو نے کاٹ لیا ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتا شریف سے اسے ماراحتی کہ اسے قتل کردیا۔ پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا اللہ بچھو پر لعنت کرے نمازی غیر نمازی نبی غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا ۲؎ پھر نمک اور پانی منگایا پھر اسے برتن میں ڈالا، پھر اسے اپنی انگلی پر ڈالنے لگے جہاں بچھو نے کاٹا تھا، اسے پونچھنے لگے اور اس پر فلق و ناس سے دم کرنے لگے۔ ۳؎ (بیہقی، شعب الایمان)

(۴۳۶۳) ؎ آپ کی بائیں ہاتھ کی انگلی شریف میں کاٹ لیا۔جسم نبی پر زہر،ڈنگ،تلوار اثر کرسکتی ہے۔یہ واردات بشریت پر وارد ہوتی ہے۔؎ بعض روایات میں ہے کہ اسے مار کر فرمایا کہ بچھو موذی ہے،اسے حل و حرم ہر جگہ ماردو،موذی وہ جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کردے،لہذا کھٹمل جوں موذی نہیں کہ انسان کو کاٹتی ہے مگر اپنا پیٹ بھرنے کے لیے۔؎ یہ ہے دوا اور دعا کا اجتماع نمک و پانی بھڑ(تنبوڑی) اور بچھو وغیرہ کے کاٹے کے لیے بہت ہی مفید ہے۔یمسحھا سے معلوم ہوا کہ دم کرتے وقت بیماری کی جگہ پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مریض پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم فرماتے تھے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْشَيْءٌ بَعَثَ اِلَيْهَا مِخْضَبَةً فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تُمْسِكُهُ فِيْ جُلْجُلٍ مِنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرَاءَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۳۶۴) روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے؎ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر یا کوئی شے لگ جاتی تو ان کے پاس لگن بھیجتے تھے؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال نکالتیں،انہوں نے حضور کا بال چاندی کی کپی میں رکھا ہوا تھا۔آپ اس کے لیے وہ بال ہلادیتیں؎ اس سے انہوں نے پیا،فرماتے ہیں،میں نے کپی میں جھانکا تو چند سرخ بال دیکھے؎(بخاری)

(۴۳۶۴) ؎ یہ عثمان تابعی ہیں تیمی ہیں،حضرت طلحہ ابن عبیداللہ کے غلام ہیں۔بڑے ثقہ اور عالم ہیں۔؎ یعنی اہل مدینہ کو جب کوئی بیماری یا نظر بد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ کسی ایسے برتن میں جس میں کپڑے دھوئے جاتے تھے،پانی بھیج دیتے اور حضرت ام المؤمنین ام سلمہ وہ عمل فرماتیں جس کا ذکر ابھی ہو رہا ہے۔؎ جلجل لغت میں اس گھنگرو کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں،یہاں مراد کپی ہے کہ وہ بھی اسی شکل کی ہوتی ہے۔غالبًا آپ وہ بال شریف مع اس کپی کے پانی میں گھول دیتی تھیں۔لوگ وہ پانی پیتے اور شفا پاتے۔؎ بال کی یہ سرخی خضاب کی نہ تھی بلکہ وہ بال خوشبوؤں میں رکھے گئے تھے۔یہ رنگ اسی خوشبو کا تھا۔اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف برکت کے لیے اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ اس بال شریف کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے کہ اس کے لیے خاص کپی(ڈبی) یا پونگی بناتے۔اس میں خوشبو بساتے تھے کیونکہ یہ رنگت خوشبو کی تھی نہ کہ خضاب کی تیسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کو دافع بلا باعث شفا سمجھتے تھے کہ انہیں پانی میں غسل دے کر شفاء کے لیے پیتے تھے کیوں نہ ہو کہ جب یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع بلا ہوسکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم فرمارہا ہے:اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ (۱۲؍۹۳) میرا یہ کرتا لے جاؤ(کنزالایمان) تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف بدرجہ اولیٰ دافع بلا ہوسکتے ہیں۔چوتھے یہ کہ صحابہ کرام حضور کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے۔جیسا کہ روایت سے معلوم ہوا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْاَةُ جُدَرِيُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ

(۴۳۶۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے؎ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے

لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَآءٌ مِّنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاَخَذْتُ ثَلٰثَةَ اَكْمُوْءٍ اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ وَجَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِيْ قَارُوْرَةٍ وَكَحَلْتُ بِهٖ جَارِيَةً لِّيْ عَمْشَاءَ فَبَرَأَتْ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)

شفا ہے۳ اور عجوہ جنت سے ہے اور وہ زہر سے شفا ہے۴ ابوہریرہ نے فرمایا کہ پھر میں نے تین یا چار یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں، انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا۔ایک ضعیف البصر۵ لونڈی کی آنکھ میں اس کا سرمہ لگایا، وہ اچھی ہوگئی۶

(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(۴۳۶۵) ۱ کمات کا اُردو ترجمہ ہے کھمبی جو برسات میں بھیگی لکڑی سے چھتری کی طرح نکلتی ہے۔اسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں۔ان کا مطلب یہ تھا کہ جیسے چیچک انسان کی کھال کے نیچے سے ردی بلغمی فضلات سے نمودار ہوتی ہے۔ایسے ہی کھمبی زمین کے نیچے سے نمودار ہوتی ہے۔یہ بھی زمین کی بیماری ہے۔۲ یعنی جیسے بنی اسرائیل پر من اترا تھا بغیر مشقت نہایت لذیذ و مفید کھانا ایسے ہی کھمبی بغیر مشقت ہم کومل جاتی ہے بغیر محنت و مشقت سے بہت نافع۔اس کی شرح پہلے گزر چکی کھمبی دو قسم کی ہے۔ایک چھتری نما اور ایک مولی کی طرح لمبی یہاں دوسری قسم مراد ہے۔۳ آنکھ کی گرمی دفع کرنے کے لیے صرف یہ پانی مفید ہے۔دوسرے چشمی امراض میں یہ پانی سرمہ میں ڈال کر یا دوسری دواؤں میں ملا کر مفید ہے۔بعض امراض میں نقصان دہ لہذا اس کا استعمال طبیب کی رائے سے کرنا چاہیے۔غالبًا اہل عرب کی آنکھ کی بیماریاں عمومًا ایسی ہوتی ہوں گی جن میں یہ پانی مفید ہو۔مرقات اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ ایک بزرگ نابینا ہوگئے تھے۔انہوں نے اعتقاد سے یہ پانی استعمال کیا،انہیں گئی ہوئی روشنی ملی۔ان کا نام ابن کمال دمشقی ہے۔۴ یعنی عجوہ کھجوریں جنت سے آئی ہیں۔اللہ کی بڑی نعمت ہے۔اس کو صبح شام کھانے والا زہر کے اثر سے محفوظ رہتا ہے یعنی اس پر زہر اثر نہیں کرتا۔اس کی شرح بھی پہلے کی جاچکی ہے۔وہاں مطالعہ فرمانا چاہیے۔۵ عمشاء مونث ہے اعمش کی اعمش وہ شخص ہے جو ضعیف البصر ہو۔اس کی آنکھوں سے پانی جاری ہو، یہاں تین یا پانچ یا سات فرمانا کسی راوی کے شک سے ہے۔ابوہریرہ کی طرف سے شک نہیں۔۶ ظاہر یہ ہے کہ خالص پانی ہی لگایا گیا۔اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث تجربہ سے بھی قوی ہے۔حدیث کی قوت بہت وجہ سے حاصل ہوتی ہے جن میں سے ایک وجہ تجربہ بھی ہے۔یہاں اسی کا ذکر ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔گویا یہ حضور انور کا فرمان ہے اور ایک صحابی کا تجربہ لہذا حدیث بہت قوی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلٰثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِّنَ الْبَلَاءِ

(۴۳۶۶) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مہینہ میں جو شخص تین صبح شہد چاٹ لیا کرے تو اسے بڑی بلا نہ پہنچے گی۱

(۴۳۶۶) ۱ یعنی شہد کے اس طرح استعمال سے چھوٹی بیماریاں تو کیا شے ہیں بڑی بیماریاں بھی نہیں لگتیں۔احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو ایک پیالہ شہد کا شربت پیا کرتے تھے۔شارحین کہتے ہیں کہ شہد کے شربت میں ایسی تاثیریں ہیں جن سے بڑے بڑے اطباء بھی ناواقف ہیں۔بلغمی بیماریوں کے لیے شہد بہت مفید ہے (اشعہ)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَآئَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ (رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ

(۴۳۶۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شفائیں اختیار کرو شہد اور قرآن (ان دونوں حدیثوں کو ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان

الْاِیْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِیْحُ اَنَّ الْخَبَرَ مَوْقُوْفٌ عَلَی ابْنِ مَسْعُوْدٍ)

میں روایت کیا ہے اور کہا صحیح یہ ہے کہ آخری حدیث حضرت ابن مسعود پر موقوف ہے۔

(۴۳۶۷) ۱؎ یعنی دنیاوی و دینی بلاؤں سے شفاء یا ظاہری امراض سے ظاہری و باطنی شفاء شہد اور قرآن ہے۔ان دونوں کا شفاء ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔شہد کے متعلق فرمان الٰہی فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۶۹؍۱۶) جس میں لوگوں کے لئے تندرستی ہے (کنزالایمان) قرآن کریم کے متعلق فرمایا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۸۲؍۱۷) اور ہم قرآن میں وہ چیز اُتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے (کنزالایمان) اور فرمایا ہے: وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (۵۷؍۱۰) اور دلوں کی صحت (کنزالایمان) یعنی بیماریوں میں شہد بھی استعمال کرو اور قرآنی آیات بھی دم کرو۔اگر شہد پر آیات دم کر کے کھایا جائے تو سبحان اللہ نور پر نور ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰی هَامَتِهٖ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَیْرِ سَمٍّ کَذٰلِكَ فِیْ یَافُوْخِیْ فَذَهَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّیْ حَتّٰی کُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ فِی الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ)

(۴۳۶۸) روایت ہے ابو کبشہ انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کھوپڑی پر زہریلی بکری کی وجہ سے فصد کروائی۱؎ معمر کہتے ہیں۲؎ کہ پھر میں نے بغیر زہر کے اسی طرح اپنی کھوپڑی میں فصد کرائی تو میرے حافظہ کی عمدگی جاتی رہی حتی کہ مجھے نماز میں سورہ فاتحہ بتائی جانے لگی۳؎ (رزین)

(۴۳۶۸) ۱؎ خیبر میں ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں حضور انور کو زہر دیا،زہر بہت سخت تھا۔یہ گوشت بشر ابن براء ابن معرور نے بھی کھایا،وہ وہاں ہی وفات پاگئے۔یہ فقیر ان کی قبر انور پر حاضر ہوا جو خیبر میں ہے۔حضور نے حکم دیا تو وہ گوشت جلا کر دفن کردیا گیا اور حضور انور نے اس یہودیہ کو معافی دے دی۔یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے۔حضور انور نے اس زہر کا اثر دفع کرنے کے لیے فصد لی۔۲؎ معمر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔آپ کا نام معمر ابن راشد ہے۔کنیت ابوعروہ ہے۔ازدی ہیں یمن کے بڑے عالم ہیں۔اٹھاون سال عمر ہوئی۔۱۵۳ھ میں وفات پائی۔تابعین میں سے ہیں۔دس ہزار حدیثیں آپ کو حفظ تھیں (مرقات) ۳؎ اس سے مقصود ہے حافظہ کی انتہائی خرابی کا بیان۔خیال رہے کہ حضرت معمر نے بلاضرورت اور بے وقت بے موقع سر سے بہت خون نکلوادیا۔اس لیے آپ کو یہ مرض لاحق ہوا اور وہ بھی عارضی تھا،پھر صحت ہوگئی ورنہ حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد لینے میں سات بیماریوں سے شفا ہے۔سردرد،جنون،جذام،برص،زیادہ نیند،درد داڑھ،آنکھ تلے اندھیرا ہوجانا مگر یہ فوائد جب ہیں جب ضرورۃً اور صحیح وقت میں فصد لے۔اس لیے فصد کسی قابل طبیب کی رائے سے لینا چاہیے ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ یَا نَافِعُ یَنْبَغُ بِیَ الدَّمُ فَائْتِنِیْ بِحَجَّامٍ وَّاجْعَلْهُ شَابًّا وَّلَا تَجْعَلْهُ شَیْخًا وَّلَا صَبِیًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْحِجَامَةُ عَلَی الرِّیْقِ اَمْثَلُ وَهِیَ تَزِیْدُ فِی الْعَقْلِ وَتَزِیْدُ فِی الْحِفْظِ وَتَزِیْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ کَانَ مُحْتَجِمًا فَیَوْمَ الْخَمِیْسِ عَلٰی اسْمِ

(۴۳۶۹) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں فرمایا ابن عمر نے اے نافع میرا خون کھولتا ہے تو فصد والے کو میرے پاس لاؤ مگر جوان آدمی اختیار کرنا نہ بڈھا لینا اور نہ بچہ۱؎ فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فصد نہار منہ پر اچھی ہے۔۲؎ وہ عقل میں اضافہ حفظ میں زیادتی کرتی ہے اور حافظ کا حافظہ بڑھاتی ہے۔۳؎ جو فصد کرانا چاہے وہ اللہ کے نام پر

اللّٰہِ تَعَالٰی وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَیَوْمَ السَّبْتِ وَیَوْمَ الْاَحَدِ فَاحْتَجِمُوْا یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ فَاِنَّهُ الْیَوْمُ الَّذِیْ اُصِیْبَ بِهٖ اَیُّوْبُ فِی الْبَلَاءِ وَمَا یَبْدُوْ جُذَامٌ وَّلَا بَرَصٌ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اَوْلَیْلَةِ الْاَرْبِعَاءِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

جمعرات کے دن کرائے۔ اور جمعہ، ہفتہ، اتوار کے دن فصد سے بچو۴ پیراور منگل کے دن فصدلو اور بدھ کے دن فصد سے بچو کہ یہ ہی وہ دن ہے جس میں ایوب علیہ السلام بلا میں مبتلا کئے گئے۵ اور کوڑھ اور سفید داغ نہیں شروع ہوتے مگر یا بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں۶ (ابن ماجہ)

(۴۳۶۹) ۱ کیونکہ بڈھا اور بچہ کمزور ہوتے ہیں۔ وہ فصد کا خون قوت سے نہیں کھینچ سکتے۔ اس لیے جوان اور قوی آدمی سے فصد کھلوائی جائے۔ خیال رہے کہ بڈھے کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے، طاقت کم اور بچہ میں طاقت بھی کم تجربہ بھی کم۔ جوان میں اگرچہ تجربہ قدرے کم ہوتا ہے مگر طاقت زیادہ اس لیے آپریشن وغیرہ کے لیے جوان طبیب کو ڈھونڈو بڈھے کے بھی ہاتھ کانپ جاتے ہیں جس سے نشتر کہیں کا کہیں لگ جاتا ہے، اس لیے جوان بہتر ہے۲ یعنی جب بھی فصدلو تو بغیر کھائے پیے لو، نہار منہ باسی منہ۔ ہم نے دیکھا کہ آپریشن سے پہلے مریض کو فاقہ کراتے ہیں بلکہ کچھ گھنٹے پہلے اس کا انیما کر کے پیٹ صاف کر دیتے ہیں۔ پھر آپریشن کرتے ہیں تاکہ ہرے زخم پر پیشاب، پاخانہ نہ ہو۔ قے وغیرہ نہ آئے۔ آج کل کے ڈاکٹری وطبی اصول احادیث سے مستنبط ہیں۔۳ نہار منہ فصد یا مطلقاً فصد کے یہ فوائد ہیں۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے بشرطیکہ ضرورۃً استعمال کی جائے۔۴ کیونکہ یہ دن فصد کے لیے اچھے نہیں۔ اللہ تعالٰی نے بعض دنوں میں بعض خصوصیات رکھی ہیں۔ اس کی حکمتیں وہ ہی جانتا ہے۔ ہمارے بزرگ کہتے ہیں کہ آٹھ، اٹھارہ، اٹھائیس اور تین، تیرہ، تئیس تاریخوں میں نکاح نہ کرے، یہ تاریخیں نکاح کے لیے اچھی نہیں۔ علامہ شامی نے لکھا کہ بدھ کے دن بیمار پرسی نہ کرے کہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔۵ ایوب علیہ السلام نے بدھ کے دن فصد لی تو آپ پر بیماری مسلط ہوئی یا بدھ کے دن آپ کی بیماری کی ابتداء ہوئی۔ معلوم ہوا کہ بدھ کے دن عتاب کا دن ہے بلکہ بعض قوموں پر بدھ کے دن عذاب آیا۔ لہٰذا یہ دن کفار پر عذاب کا بھی ہے اور منحوس بھی۔ ربّ تعالٰی بدھ کے متعلق فرماتا ہے: فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۵۴:۱۹) ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لئے رہی (کنزالایمان) اس سے ثابت ہوا کہ عتاب وعذاب کا دن دائمی منحوس ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ رحمت کا دن دائمی مبارک ہو، لہٰذا پیر کا دن بڑا ہی مبارک ہے کہ حضور انور کی ولادت کا دن ہے۔۶ اس سے پتا لگا کہ بدھ کے دن کی نحوست دائمی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ پیر کے دن ایوب علیہ السلام کو شفا عطا ہوئی۔

وَعَنْ مَعْقَلِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَامَةُ یَوْمَ الثُّلٰثَاءِ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَآءٌ لِدَاءِ السَّنَةِ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ رَوَاهُ حَرْبُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ الْکِرْمَانِیُّ صَاحِبُ اَحْمَدَ وَلَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ هٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی وَرَوٰی رَزِیْنٌ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ)

(۴۳۷۰) روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہینہ کی سترہ تاریخ منگل کے دن فصد لینا سال بھر کی بیماری کی دوا ہے۱ اسے حرب ابن اسماعیل کرمانی نے جو احمد کے ساتھیوں سے ہیں، روایت کیا اور اس کی اسناد ایسی قوی نہیں یوں ہی منتقٰی میں ہے اور رزین نے اس کی مثل ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۲

(۴۳۷۰) ۱ یعنی اگر چاند کی سترہ تاریخ کو منگل کا دن ہو تو اس دن فصد لینا ایک سال تک متعلقہ بیماریوں کا علاج ہے۔ جن احادیث میں ہے کہ منگل کے دن فصد نہ لو، اس میں ایک ساعت خون کی ہے کہ اس وقت کا خون بہا ہوا بند نہیں ہوتا۔ اس سے وہ منگل مراد ہے جو سترھویں تاریخ کے علاوہ ہو، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ حدیث مختلف الفاظ سے منقول ہے۔۲ محدثین کی اصطلاح میں بذالک سے مراد

ہوتا ہے قوی یا صحیح۔ منتقی ابن جارود کی کتاب ہے فن حدیث میں۔

بَابُ الْفَالِ وَالطِّیَرَۃِ

فال اور بدفال لینے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

محاورہ عرب میں فال ہراچھی بری شگون کو کہتے ہیں اور طیرہ عموماً بدفالی کو کہا جاتا ہے۔ طیرہ بمعنی تطیر ہے جیسے خیرۃ اور تخیرا۔ اس کے لفظی معنی ہیں اڑانا اہل عرب جس کسی کام کو جاتے تو کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑاتے۔ اگر داہنی طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ ہمیں کامیابی ہوگی۔ اگر بائیں طرف اڑتا تو کہتے کہ ناکامی ہوگی۔ پھراس کام کو جاتے ہی نہیں۔ اگر اوپر یا نیچے کی طرف اڑتا تو سمجھتے کہ کام میں دیر لگے گی، رکاوٹ ہوگی۔ پھراس کا استعمال مطلقاً فال یا بدفالی میں ہوگیا۔ یوں ہی اگر شکاری جانور داہنی طرف نظر پڑتا اسے بروج کہتے اور بائیں طرف نظر آنے کو سنوح۔ بروج سے نیک فال لیتے سنوح سے بدفالی سوانع وبوارح سے ممانعت کے یہ ہی معنی ہیں۔ خیال رہے کہ نیک فال لینا سنت ہے۔ اس میں اللہ تعالٰی سے امید ہے اور بدفالی لینا ممنوع کہ اس میں رب سے ناامیدی ہے۔ امید اچھی ہے، ناامیدی بری۔ ہمیشہ رب سے امید رکھو۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاطِیَرَۃَ وَخَیْرُھَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ قَالَ لِکَلِمَۃُ الصَّالِحَۃُ یَسْمَعُھَا اَحَدُکُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۴۳۷۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدفال کچھ نہیں[۱] بہترین چیز فال ہے۔ لوگوں نے عرض کیا فال کیا چیز ہے۔ فرمایا وہ اچھا لفظ جسے تم میں سے کوئی سنے[۲] (مسلم بخاری)

(۴۳۷۱) [۱] غالبًا یہاں طیرہ سے مراد بدفالی لینا ہے۔ خواہ پرندے سے ہو یا چرندہ جانور سے یا کسی اور چیز سے کیونکہ بدفالی مطلقاً ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں طیرا اور طائر بمعنی بدفالی آیا ہے۔ رب فرماتا ہے: قَالُوْا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ (۳۶،۱۸) بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: قَالُوْا طَآئِرُکُمْ مَّعَکُمْ (۳۶،۱۹) انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے (کنزالایمان) مقصد یہ ہے کہ اسلام میں بدفالی کوئی شے نہیں، کسی چیز سے بدفالی نہ بدلو۔ [۲] جیسے کوئی شخص کسی کام کو جارہا ہے۔ کسی سے آواز آئی اے نجیح یا اے برکت یا اے رشید یہ جانے والا یہ الفاظ سن کر کامیابی کا امیدوار ہوگیا۔ یہ بالکل جائز ہے۔ بعض دکاندار صبح کو یارزاق، گمشدہ کے متلاشی یا واجد۔ مسافرلوگ یا سالم حاجی وغازی لوگ یا منصور یا مبرور، زائرلوگ یا مقبول سن کر خوش ہوجاتے ہیں۔ یہ سب اسی حدیث سے ماخوذ ہے

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَاھَامَۃَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّمِنَ الْمَجْذُوْمِ کَمَا تَفِرُّمِنَ الْاَسَدِ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۳۷۲) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑ کر لگنا ہے[۱] نہ پرندہ نہ الو[۲] نہ صفر کوئی چیز ہے[۳] اور کوڑھی سے ایسے بھاگے جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو[۴] (بخاری)

(۴۳۷۲)۱اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ بیماریوں میں عقل و ہوش ہے جو بیمار کے پاس بیٹھے اسے بھی اس مریض کی بیماری لگ جاتی ہے۔ وہ پاس بیٹھنے والے کو جانتی پہچانتی ہے۔ یہاں اسی عقیدے کی تردید ہے،موجودہ حکیم ڈاکٹر سات بیماریوں کو متعدی مانتے ہیں۔جذام،خارش، چیچک،موتی جھرہ،منہ کی یا بغل کی بو،آشوب چشم،وبائی بیماریاں۔اس حدیث میں ان سب وہموں کو دفع فرمایا گیا ہے۔(مرقات واشعہ) اس معنی سے مرض کا اڑ کر لگنا باطل ہے مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بیمار کے پاس کی ہوا متعفن ہو اور جس کے جسم میں اس بیماری کا مادہ ہو،وہ اس تعفن سے اثر لے کر بیمار ہو جائے۔اس معنی سے تعدی ہوسکتی ہے۔اس بنا پر فرمایا گیا کہ جذامی سے بھاگو،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔غرضیکہ عدوی یا تعدی اور چیز ہے۔کسی بیمار کے پاس بیٹھنے سے بیمار ہو جانا کچھ اور چیز ہے۔۲اہل عرب کا خیال تھا کہ میت کی گلی ہڈیاں الو بن کر آجاتی ہیں اور الو جہاں بول جائے وہاں ویرانہ ہو جاتا ہے۔یہ عقیدہ غلط ہے بعض لوگ کہتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کی روح الو کی شکل میں آکر لوگوں سے کہتی ہے۔اسقو،اسقو مجھے پانی پلاؤ۔یہ سب باطل خیالات ہیں۔۳صفر سے مراد یا تو ماہ صفر ہے جسے اب بھی بعض لوگ منحوس جانتے ہیں یا اس سے مراد پیٹ کا درد ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیٹ کا درد ایک سانپ ہے جو پیٹ میں رہتا ہے۔اس کا مروڑہ کھانا پیٹ کا درد ہے۔اس میں ان دونوں خیالات کی تردید ہے(مرقات)اس کی اور بہت شرحیں ہیں۔بعض لوگ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشیاں مناتے ہیں کہ منحوس شہر چل دیا۔یہ بھی باطل ہے۔۴یہ حکم عوام کے لیے ہے جن کا عقیدہ بگڑ جانے کا خوف ہو کہ اگر کوڑھی کے پاس بیٹھنے سے اتفاقاً انہیں بھی کوڑھ ہو جائے تو سمجھیں کہ کوڑھ اڑ کر لگ گئی۔ان کے لیے کوڑھی سے علیحدگی اچھی ہے۔خاص متوکل لوگ جن کے دلوں پر اس سے کوئی اثر نہ پڑے،ان کے لیے یہ حکم نہیں،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَةَ وَلَا صَفَرَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا بَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمَلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَى الْاَوَّلَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۳۷۳)روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑ کر لگنا ہے کوئی چیز ہے اور نہ صفر تو ایک دیہاتی نے عرض کیا یارسول اللہ اونٹ کا کیا حال ہے کہ وہ ریگستان میں ہرن کی طرح ہوتا ہے۱پھر اس سے خارشی اونٹ ملتا ہے تو اسے خارشی کر دیتا ہے۲رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارشی کر دیا۳(بخاری)

(۴۳۷۳)۱یعنی جب تک اونٹ ریگستان میں الگ تھلگ رہتا ہے ہرن کی طرح صاف ستھرا بے عیب ہوتا ہے۔۲مقصد یہ ہے کہ حضور مرض کی تعدی کا انکار فرماتے ہیں مگر تجربہ شاہد ہے کہ تعدی ہوتی ہے۔مرض اڑ کر لگتا ہے ہم نے اپنے اونٹوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ ۳یعنی اگر خارش اڑ کر ہی لگتی ہے تو سب سے پہلا خارشی اونٹ جس سے خارش کی ابتداء ہوئی،اسے خارش کہاں سے لگی وہاں تو کہنا پڑے گا کہ رب کے حکم سے وہ خارشی ہوا تو آئندہ بقیہ اونٹ بھی اس کے حکم سے خارشی ہوئے۔اللہ تعالٰی پر نظر رکھو۔یہاں اعدی فرمانا مشاکلت کے لیے ہے۔جیسے كماتدين تدان یا جیسے جزاء سیئته سیئته ورنہ فرمایا جاتا فمن اعطى الاول(مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۷۴)روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیماری کا اڑ کر لگنا ہے نہ الو ہے نہ برج ہے اور نہ صفر۱(مسلم)

(۴۳۷۴) ۱؎ ان تمام لفظوں کی شرح ابھی ہو چکی،نوء کے معنی ہیں برج اس کی جمع ہے انواءؔ یہ برج اٹھائیس ہیں چاند کی منزلیں۔اہل عرب بلکہ ہندوستان کے مشرکین بھی بارش کو چاند کے اثر سے مانتے ہیں کہ چونکہ چاند فلاں برج میں پہنچا،لہذا بارش ہوئی،ربّ کا نام نہیں لیتے اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ برج وغیرہ کوئی چیز نہیں،بارش محض عطاالٰہی ہے۔شعر:۔

جب آئیں برن کے تاؤ

پروا دیکھیں نہ پچھوا باؤ

جب بارش کا وقت آجاتا ہے تو پوربی پچھمی کوئی ہوا ہو،بارش ہو جاتی ہے۔یوں ہی نیک بختی بدبختی کو ستاروں کے متعلق ماننا جائز نہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاعَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَ لَاغُوْلَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۷۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تعدی کوئی چیز ہے نہ صفر نہ بھوت ۱؎ (مسلم)

(۴۳۷۵) ۱؎ بعض لوگوں کا خیال تھا اور ہے کہ خبیث لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد بھوت بن کر جنگلوں میں پھرتی ہیں اور لوگوں کو ستاتی ہیں۔یہاں اس کا انکار فرمایا گیا ورنہ بھوت بمعنی سرکش جنات کا ثبوت ہے۔وہ انسانوں کو ستاتے بھی ہیں۔حدیث شریف میں ہے اذا تغولت الغیلان فبادروا بالاذان جب بھوت سرکشی کریں تو اذان دو،حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں،میرے طاق میں کھجوریں تھیں،انہیں بھوت کھا جاتے تھے(مرقات)قرآن کریم فرماتا ہے:یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲:۲۷۵) جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو(کنزالایمان) شیطان اسے چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ فِیْ وَفْدِ ثَقِیْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا قَدْ بَایَعْنَاكَ فَارْجِعْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۷۶) روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے وہ ۱؎ اپنے والد سے فرمایا انہوں نے کہ ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھی آدمی تھا تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ ہم نے تجھ کو بیعت کر لیا،تو لوٹ جا ۲؎ (مسلم)

(۴۳۷۶) ۱؎ عمرو ابن شرید تابعی ہیں۔ان کے والد شرید ابن سوید ثقفی صحابی ہیں۔حضرموت کے رہنے والے تھے ۲؎ یعنی حضور انور نے اسے اپنے پاس نہ بلایا،وہ اپنی منزل ہی میں رہا،اسے مصافحہ فرما کر بیعت نہ فرمایا بلکہ دور سے زبانی بیعت کی خبر دے دی۔خیال رہے کہ یہ حدیث عوام مومنین کو احتیاط کی تعلیم کے لیے ہے اور حضور انور کا کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلانا خواص مومنین کو توکل کی تعلیم کے لیے ہے۔جیسے گرتی ہوئی دیوار ڈوبتی ہوئی کشتی سے علیحدہ رہنا ایمان کے خلاف نہیں یوں ہی کسی مہلک بیماری والے سے بچنا خلاف ایمان نہیں۔جیسے مضر غذاؤں سے پرہیز برا نہیں یوں ہی مضر صحبتوں سے دور رہنا حرام نہیں۔شارحین نے اور بہت وجہیں ان احادیث کی مطابقت میں بیان فرمائی ہیں۔اگر شوق ہو تو لمعات اور اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ملاحظہ کرو۔ہم نے پہلے عرض کیا کہ بعض بیمار کے اردگرد کی ہوا متعفن ہو جاتی ہے۔جس شخص میں اس مرض کا مادہ موجود ہو اس ہوا سے بیمار ہو جاتا ہے۔جس چراغ میں تیل بتی موجود ہو،وہ دوسرے چراغ سے مس کرتے ہی بھڑک اٹھتا ہے۔اس لیے احتیاط بری نہیں

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھی فال تو لیتے تھے بدفالی نہ لیتے تھے[۱] اور اچھا نام پسند فرماتے تھے[۲] (شرح سنہ)

[۱] یعنی حضور انور اچھے مقام وغیرہ سے نیک فال لیتے کہ انہیں سن کر دیکھ کر رحمت الٰہی کے امیدوار ہو جاتے تھے مگر کسی چیز سے بدفالی نہیں لیتے تھے کہ اللہ سے نا اُمیدی نہیں چاہیے۔[۲] حتی کہ مسلمانوں کے برے نام اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیتے تھے کہ نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے۔ایک شخص کا نام تھا حزن اسے فرمایا تو سہل ہے۔

وَعَنْ قَطَنِ بْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۳۷۷) روایت ہے قطن ابن قبیصہ سے وہ اپنے والد سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیافت اور کنکر پھینکنا[۱] اور پرندے اُڑانا بتوں میں سے ہے۔[۲]

(۴۳۷۷) [۱] عیافت کی بہت شرحیں کی گئی ہیں مشہور شرح یہ ہے کہ پرندوں کے نام سے فال لینا عیافت ہے جیسے کسی نے عقاب دیکھ کر سمجھا کہ ہم کو عتاب یعنی عذاب ہوگا غراب (کوے) سے غربت اور سفر سمجھنا' ہدہد سے ہدایت کا امیدوار ہونا یہ عیافت ہے۔کنکر پھینکنا یا ریت میں لکیریں کھینچنا فال کے لئے ہے طرق ط اور ر کے فتحہ سے۔[۲] جبت سے مراد یا جادو ہے یا کہانت یا بت یا شیطان' مطلب یہ ہے کہ یہ کام بت پرستوں' کاہنوں' جادوگروں کے سے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَ ثَلٰثًا وَّمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهٗ بِالتَّوَكُّلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ يَقُوْلُ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهٗ بِالتَّوَكُّلِ هٰذَا عِنْدِيْ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

(۴۳۷۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پرندے اڑانا شرک ہے[۱] یہ تین بار فرمایا، اورنہیں ہے ہم سے کوئی مگر اللہ اس کو توکل سے لے جاتا ہے[۲] (ابوداؤد و ترمذی) فرمایا ترمذی نے کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل کو فرماتے سنا کہ سلیمان ابن حرب اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے[۳] کہ وَمَا مِنَّا الا ولکن اللّٰہ یذھبہ بالتوکل میرے نزدیک یہ ابن مسعود کا قول ہے[۴]

(۴۳۷۸) [۱] شرک عملی ہے مشرکوں کا سا کام یا شرک خفی۔[۲] الا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یخطر فی بالہ اور لکن سے نیا کلام ہے یذھبہ میں ہ کی ضمیر اسی خطرہ کی طرف ہے معنی یہ ہیں کہ ہم مسلمانوں سے جو کوئی بدفالیاں لیتا ہے تو وہ خطرات وشبہات میں پڑ جاتا ہے لیکن اللہ تعالٰی اس شبہ وخطرہ کو توکل کے ذریعہ ختم فرما دیتا ہے کہ جو کوئی توکل اختیار کرے وہ ان شبہات میں نہیں پڑتا۔اس مطلب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے احمد' طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے مرفوعًا روایت کیا کہ جسے بدفالی اس کے کام سے روک دے، وہ مشرک ہوگیا۔اس کا کفارہ یہ ہے کہ یہ کہے اللھم لاخیر الا خیرك ولا طیر الا طیرك ولا الٰہ غیرك اس کی کچھ بحث تیسری فصل میں آئے گی انشاء اللہ

(مرقات) ۳؎ سلیمان ابن حرب اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں قاضی مکہ تھے بصرہ کے رہنے والے اپنے وقت کے امام فن تھے۔آپ کے سبق میں چالیس ہزار طلباء ہوتے تھے ماہ صفر ۱۴۰ایک سو چالیس ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸(ایک سو اٹھاون ہجری) میں فن حدیث سے فارغ ہوئے۔انیس سال تک حماد ابن زید محدث کے ساتھ رہے۔امام احمد ابن حنبل کے استادوں میں سے ہیں۔۲۲۴ھ دو سو چوبیس میں وفات پائی (مرقات) ۴؎ یعنی یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود کا اپنا قول ہے حدیث تو الطیر شرک پر ختم ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَهَا مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلاً عَلَيْهِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۷۹) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا،اسے پیالہ میں رکھ لیا اور فرمایا،کھا اللہ پر بھروسہ اسی پر توکل ہے ۱؎(ابن ماجہ)

(۴۳۷۹) ۱؎ کوڑھی کو ہاتھ لگانا،پھر اس کا ہاتھ اپنے پیالہ میں ڈالنا پھر اسے ساتھ کھلانا۔تینوں کام انتہائی توکل پر مبنی ہیں۔صرف مجذوم کو دیکھ کر ہی لوگوں کے دل دھڑک جاتے ہیں چہ جائیکہ اسے ساتھ کھلانا اس حدیث میں توکل کی تعلیم ہے اور پچھلی حدیث کو حضور انور نے مجذوم کو بیعت کیا بغیر مصافحہ کے وہاں تعلیم احتیاط تھی،خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام نفرت والی بیماریوں سے محفوظ ہوتے ہیں جیسے کوڑھ،کھجلی وغیرہ (مرقات) حضرت ایوب علیہ السلام کو جب وہ خاص بیماری آئی تو آپ پر تبلیغ فرض نہ رہی تھی۔پھر اس میں گفتگو ہے کہ انہیں بیماری کیا تھی۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاهَامَةَ وَلَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۸۰) روایت ہے حضرت سعد ابن مالک سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو الو کوئی شے ہے اور نہ مرض کا اڑ کر لگنا،نہ نحوست،اگر کسی چیز میں نحوست ہو تو گھر،گھوڑے اور عورت میں ہوگی ۲؎(ابوداؤد)

(۴۳۸۰) ۱؎ حضرت ابوسعید خدری کا نام سعد ان کے والد کا نام مالک ابن سنان یہ دونوں صحابی ہیں۔خدرہ قبیلہ انصار کا ایک خاندان ہے۔اس لیے انہیں خدری کہا جاتا ہے۔۷۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔بقیع سے باہر دفن ہیں۔یہاں وہ ہی مراد ہیں (اشعہ) ۲؎ محدثین نے اس عبارت کے چند مطلب بیان فرمائے۔ایک یہ کہ طیرہ سے مراد نحوست ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی لیکن ان میں تو ہے نہیں،لہذا کسی شے میں نہیں۔دوسرے یہ کہ اگر نحوست ہو تو ان تین میں ہوگی مگر یقین نہیں،لہذا ان میں سے کسی چیز کو یقین سے منحوس نہ جانو۔تیسرے یہ کہ یہاں طیرہ سے مراد ناپسندیدگی ہے۔یعنی تین چیزیں کبھی دل کو ناپسند ہوتی ہیں،نحوست مراد نہیں (مرقات) چوتھے یہ کہ عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا،خاوند کا نافرمان ہونا گھر میں لڑائی رکھنا گھوڑے کی نحوست اس کا اڑیل ہونا سرکش ہونا ہے کہ مالک کو سواری نہ دے۔یوں ہی گھر کی نحوست یہ ہے کہ مسجد سے دور ہو،وہاں اذان کی آواز نہ آتی ہو اور نہ وہاں ذکر اللہ ہوتا ہو(مرقات واشعہ) اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهٗ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ اَنْ يَّسْمَعَ يَارَاشِدُ يَانَجِيْحُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۳۸۱) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ پسند تھا کہ سنیں،اے راشد،اے نجیح ۱؎(ترمذی)

(۴۳۸۱) ۱؎ راشد کے معنی ہیں ہدایت یافتہ اور نجیح کے معنی ہیں کامیاب۔کسی کام کو جاتے وقت یہ الفاظ سننا اس لیے پسند تھا کہ ان سے

اللہ کے فضل و کامیابی کی امید ہو جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ نیک فال لینا بالکل جائز ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايَتَطَيَّرُ مِنْ شَیْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلاً سَأَلَ عَنِ اسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهُ اِسْمُهٗ فَرِحَ بِهٖ وَرُءِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِنْ كَرِهَ اسْمَهٗ رُءِیَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنِ اسْمِهَا فَاِنْ اَعْجَبَهٗ اِسْمُهَا فَرِحَ بِذٰلِكَ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِنْ كَرِهَ اِسْمَهَا رُئِیَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۸۲) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزوں سے فال لیتے تھے، چنانچہ آپ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے۱ اور اس کی خوشی آپ کے چہرے میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آپ کے چہرے میں دیکھی جاتی۲ اور جب کسی بستی میں جاتے تو اس کا نام پوچھتے تو اگر اس کا نام پسند فرماتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی آپ کے چہرہ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند فرماتے تو آپ کے چہرہ میں اس کی ناپسندیدگی محسوس ہوتی۔۳ (ابوداؤد)

(۴۳۸۲) ۱اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کے نام اچھے رکھو، نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے۔برے نام والے کو لوگ اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتے۔اچھے نام والے کے کام بھی انشاء اللہ اچھے ہوتے ہیں۔۲یعنی حضور برے ناموں کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔حضرت عمر نے ایک شخص سے پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا جمرہ (انگارہ) کہا کس کا بیٹا ہے بولا شہاب کا (شعلہ) کہا تو کہاں رہتا ہے بولا حراقہ میں (جلن) کہا کس محلہ میں بولا بحرۃ النار میں (آگ کا دائرہ) فرمایا کس طرف بولا ذات لظیٰ میں۔آپ نے فرمایا تو اپنا گھر جا کر دیکھ، جل چکا ہے۔دیکھا تو واقعی گھر اور گھر والے جل چکے تھے۔عرب کہتے ہیں الاسماء من السماء نام آسمان سے تعلق رکھتے ہیں (مرقات) اہل عرب اپنے بیٹوں کا نام رکھتے تھے اسد (شیر) ذئب (بھیڑیا) کلب (کتا) اور اپنے غلاموں کے نام رکھتے تھے راشد نجیح اور کہتے تھے کہ ہمارے غلام ہماری خدمت کے لیے ہیں اور ہمارے بیٹے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں، غلاموں کے نام اچھے رکھو۔۳ہمارے ہاں پنجاب میں بعض دیہات کے نام ہیں۔نور پور، مدینہ، جمالپور، ایسے نام بڑے مبارک ہیں۔بعض بستیوں کے نام ہیں شیطانیہ، خونی چک وغیرہ یہ نام اچھے نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستیوں کے برے نام بھی ناپسند فرماتے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا فِیْ دَارٍ كَثُرَ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰی دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۸۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ایک گھر میں تھے، جس میں ہماری تعداد اور ہمارے مال زیادہ ہوگئے۔پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہوگئے جس میں ہماری تعداد و مال گھٹ گئی تو فرمایا اسے برا کر کے چھوڑ دو۱ (ابوداؤد)

(۴۳۸۳) ۱اس فرمان عالی کی بہت حکمتیں ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ اس زمین میں رہتے تو ہر وقت ان کے دلوں میں وسوسہ آتے۔دلوں کو سکون و چین میسر نہ ہوتا۔نہ معلوم کب کیا مصیبت آجائے گی۔گویا اس زمین کا چھوڑنا ان حضرات کے سکون قلبی کا ذریعہ تھا جس سے انہیں عبادات میں لذت ہو۔

وَعَنْ يَحْيَی بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَحِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنَ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

(۴۳۸۴) روایت ہے یحیٰ ابن عبداللہ بن بحیر سے فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی جس نے فروہ ابن مسیک کو کہتے سنا کہ میں نے عرض کیا

عِنْدَنَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا اَبْيَنُ وَّهِيَ اَرْضُ رِيْفِنَا وَمِيْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَاءَ هَا شَدِيْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرْفِ التَّلَفَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایک زمین ہے جسے ابین کہا جاتا ہے۲ اور وہ ہماری باغ اور کھیتی کی زمین ہے۳ اور اس کی وبا بہت سخت ہے تو فرمایا اسے اپنے سے جدا کردو، کیونکہ قرف سے ہلاکت ہے۴ (ابوداؤد)

(۴۳۸۴) ۱ یحیٰی ابن عبداللہ صنعان کے باشندے ہیں۔ان سے حضرت معمر نے احادیث روایت کیں اور فروہ ابن مسیک صحابی ہیں۔مسیک تصغیر سے مسک کی آپ کی مرادی غطیفی ہیں۔اہل یمن سے ہیں۔حضور کی خدمت میں ۹ ہجری میں آئے۔ایمان لائے عہد فاروقی میں کوفہ رہے۔اپنی قوم کے سردار بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔۲ ابین بروزن افعل ایک شخص کا نام ہے جس نے شہر عدن آباد کیا۔اس لیے اسے عدن ابین کہا جاتا ہے۔یمن کے علاقہ میں ایک شخص کا نام بھی ابین ہے جو دریا کے قریب ہے۔ایک شہر کا نام بھی ابین ہے۔غرضیکہ ابین بہت چیزوں کے نام ہیں جسے ہمارے ہاں پنجاب میں بہاول ایک شخص کا نام تھا۔اب بہاول پور، بہاول نگر شہروں کے نام ہیں اور بہاول بخش بہاول خان آدمیوں کے نام ہیں۔۳ یعنی وہ زمین بہت ہی زرخیز ہے۔اس کے کچھ حصہ میں باغ ہے اور کچھ حصہ میں کھیت یہاں کی پیداوار دور جاتی ہے یا اس میں باغ ہے اور باغ کے درمیان کھیت جیسا کہ اب بھی مدینہ منورہ میں دیکھا جاتا ہے۔۴ قرف کے معنی ہیں قرب یعنی نزدیک ہونا یعنی ایسی وبائی زمین میں رہنا ہلاکت کا سبب ہے۔یہ طبی مشورہ کے طور پر فرمایا کہ جس جگہ کی آب وہوا موافق نہ ہو وہاں سے چلا جائے، یہ مرض اڑ کر لگنے کا مسئلہ نہیں۔اطباء بیماروں کو پہاڑوں پر بھیج دیتے ہیں۔گرم علاقہ سے منتقل کردیتے ہیں۔اسی وجہ سے اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ حدیث اس پائے کی نہیں جس پایہ کی احادیث ممانعت ہیں۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں وباء پھیل جائے وہاں سے بھاگو مت اور جہاں وباء پھیلی ہو، وہاں جاؤ مت۔خیال رہے کہ گرنے والے مکان سے بھاگ جانا زلزلہ کی حالت میں گھر سے باہر نکل جانا خلاف توکل نہیں مگر وبائی جگہ سے بھاگ جانا خلاف توکل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ مُرْسَلًا)

(۴۳۸۵) روایت ہے حضرت عروہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شگون کا ذکر کیا گیا۱ تو فرمایا ان میں اچھی فال ہے اور کسی مسلمان کو نہ لوٹائے۲ تو جب تم میں سے کوئی وہ دیکھے جسے ناپسند کرتا ہو تو کہہ دے الٰہی بھلائیاں تیرے سوا کوئی نہیں لاتا اور برائیاں تیرے سوا کوئی نہیں دور کرتا نہیں ہے طاقت اور نہیں ہے قوت مگر اللہ سے۳ (ابوداؤد ارسالاً)

(۴۳۸۵) ۱ کہ لوگ بعض چیزوں سے بدشگونی لیتے ہیں۔بعض سے اچھا شگون اس کی حقیقت کیا ہے۔تب حضور نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔۲ فال سے مراد نیک فال ہے جو اچھی بات اچھا نام سننے سے لی جائے یعنی یہ جائز ہے لیکن کوئی شخص کسی کام کو جاتے وقت ناپسندیدہ چیز دیکھے یا سنے جس سے بدشگونی لی جائے تو وہ محض اس وجہ سے اپنے کام سے واپس نہ ہو۔اللہ پر توکل کرے اور کام کو جائے۔۳ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے انشاء اللہ اس دعا کی برکت سے کوئی بری چیز اثر نہیں کرتی۔تمام مروجہ بدفالیوں بدشگونیوں کا بہترین علاج ہے۔واللہ اعلم۔

بَابُ الْكَهَانَةِ — کہانت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

کہانت کاف کے فتحہ سے غیبی خبر دینا اور کہانت کاف کے کسرہ سے اس غیب گوئی کا پیشہ کرنا بعض کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ ہمارے پاس جنات آ کر ہم کو غیبی چیزیں غیبی خبریں بتاتے ہیں کہ شیطان آسمان پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن کر ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر کاہنوں نجومیوں کو بتاتے ہیں۔بعض کاہن خفیہ علامات،اسباب سے غیبی چیزوں کا پتا بتاتے ہیں۔انہیں عراف کہتے ہیں اور اس عمل کو عرافت یہ دونوں عمل حرام ہیں۔ان کی اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں۔(مرقات واشعہ)لفظ کاہن بہت عام ہے۔نجومی،رمال،عراف سب کو کاہن کہا جاتا ہے۔

عَنْ مُّعَاوِيَةَ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّانَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَاتَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذٰلِكَ شَيْئٌ يَّجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَّخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَّافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۸۶) روایت ہے حضرت معاویہ ابن حاکم سے[۱] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم چند کام زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے،ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے[۲] فرمایا تم کاہنوں کے پاس نہ جاؤ[۳] فرماتے ہیں،میں نے کہا ہم پرندے اڑاتے تھے،فرمایا یہ ایسی چیز ہے جسے تم میں سے کوئی اپنے دل میں پاتا ہے تو یہ اسے روک نہ دے[۴] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ہم سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں[۵] فرمایا حضرات انبیاء میں ایک نبی خط کھینچتے تھے[۶] تو جوان کے خط کے موافق ہو جائے تو یہ درست ہے[۷](مسلم)

(۴۳۸۶) [۱] آپ صحابی ہیں سلمی ہیں مدینہ منورہ میں رہتے سہتے ۱۱۷ھ(ایک سوسترہ) میں وفات پائی۔آپ سے عطاء ابن یسار وغیرہ نے روایات لیں۔[۲] غیبی باتیں چھپی چیزیں گم شدہ مال چوری کا اسباب دل کی سوچی باتیں پوچھنے کے لیے فرمایا جائے کہ یہ عمل کیسا ہے۔[۳] کاہنوں سے غیبی خبریں پوچھنا حرام ہے۔انہیں عالم غیب جاننا ان کی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ہاں انہیں جھوٹا کرنے کے لیے ان سے کچھ پوچھ کر لوگوں پر ان کا جھوٹ ظاہر کرنا اچھا ہے کہ یہ تبلیغ ہے۔یہاں پہلی صورت مراد ہے۔اس سے منع فرمایا گیا ہے۔[۴] یعنی یہ پرندے وغیرہ اڑانا نفس کے دھوکے ہیں۔ان کی حقیقت کچھ نہیں۔اگر تم کسی کام کو جارہے ہو اور کوئی پرندہ بائیں طرف کو اڑتے دیکھو تو اپنے کام سے نہ رک جاؤ۔اپنے کام کو جاؤ،رب تعالٰی پر توکل کرو،کام بننا نہ بننا اس کی طرف سے ہے۔[۵] یعنی علم جفر یا رمل کے طریقہ سے خطوط کھینچ کر غیبی خبریں معلوم کرتے ہیں،ان کا یہ عمل از روئے شریعت اسلامیہ جائز ہے یا نہیں۔[۶] یہ نبی یا تو حضرت دانیال ہیں یا حضرت ادریس علیہما السلام ان کا معجزہ یہ علم خط تھا یعنی علم جفر یا رمل جس سے وہ غیبی بات دریافت فرمالیتے تھے(مرقات)[۷] خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ عمل عوام کے لیے حرام ہے کیونکہ ان نبی کے خط سے مشابہت معدوم ہے یا موہوم اور معدوم وموہوم پر اعتماد کرنا ممنوع ہے۔(مرقات واشعۃ اللمعات)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلَ اُنَاسٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۴۳۸۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق پوچھا تو ان سے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَيْسُوْا بِشَيْءٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ اَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطِفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ اُذُنِ وَلِيِّهٖ قَرَّالدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا اَكْثَرَمِنْ مِّائَةِ كَذْبَةٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ کچھ نہیں۔عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ بعض اوقات کچھ خبریں دیتے ہیں جو سچی ہوتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات حق تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہے۲ جسے جن اچک لیتا ہے تو اسے اپنے دوست کے کان میں ایسے ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کا چوگا دینا۳ یہ لوگ اس میں زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۴ (مسلم بخاری)

(۴۳۸۷) ۱ کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں یا نہیں،کبھی ان کی خبریں درست نکلتی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔۲ اس طرح کہ فرشتے لوح محفوظ سے غیبی باتیں معلوم کرکے آپس میں ذکر کرتے ہیں۔یہ جن چھپ چھپا کر اسے سن لیتے ہیں،وہ بات کاہنوں تک پہنچادیتے ہیں،وہ بالکل درست صحیح ہوتی ہیں۔۳ بعض نسخوں میں بجائے دجاجہ کے زجاجہ ز سے ہے،وہ درست نہیں۔مرغی اپنے بچے کے منہ سے منہ ملا کر دانہ کھلاتی ہے۔ایسے ہی یہ شیطان کاہن کے کان سے منہ ملا کر یہ بات چپکے سے بیان کرتا ہے،دوسرا نہ سن سکے۔۴ سو کا ذکر زیادتی بیان فرمانے کے لیے ہے،صرف یہ عدد مراد نہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَقُضِيَ فِي السَّمَآءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهٗ فَتُوْحِيْهِ اِلَى الْكُهَّانِ فَيَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۳۸۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان میں اترتے ہیں۔عنان بادل ہے۱ تو وہ ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن کا آسمان میں فیصلہ کیا گیا ہے۲ تو شیاطین چوری سے سنتے ہیں،یہ سن کر کاہنوں کو خبر دیتے ہیں،ان کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۳ (بخاری)

(۴۳۸۸) ۱ عنان کی تفسیر بادل سے یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یا کسی راوی نے بادل سے مراد یا تو آسمان دنیا یا جو یعنی آسمان و زمین کے درمیان کی فضا،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بادل نہ ہوں تو فرشتے کہاں اترتے ہیں۔(مرقات واشعہ) ۲ یعنی فرشتوں کا مقام آسمان ہے،وہاں ان کو احکام الٰہیہ واقعات عالم کی اطلاع پہنچتی ہے۔پھر فرشتے آسمان سے اتر کر فضا میں سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں،وہاں آپس میں ایک دوسرے سے ان غیبی واقعات کا ذکر کرتے ہیں،یہاں شیاطین چوروں کی طرح چھپ کر سن لیتے ہیں۔۳ یعنی یہ شیاطین اگر ایک ہونے والی بات فرشتوں سے سنتے ہیں تو سو جھوٹی باتیں ملا کر ایک سو ایک باتیں اپنے کاہنوں کو سنا جاتے ہیں۔یہ سو باتیں جھوٹی ہوتی ہیں،وہ ایک بات سچی ہوتی ہے۔لوگ اس ایک بات سچی کی سچائی دیکھ کر کاہنوں کو سچا سمجھ لیتے ہیں۔

وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۸۹) روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی نجومی کے پاس گیا۱ پھر اس سے کچھ پوچھے تو اس کی چالیس شب کی نمازیں قبول نہ ہوں گی۲ (مسلم)

(۴۳۸۹) ۱ اسے سچا سمجھ کر اس سے آئندہ غیبی خبریں پوچھنے کے لیے گیا،اس کی وہ سزا ہے جو یہاں مذکور ہے لیکن اگر کوئی اسے جھوٹا

سمجھ کر لوگوں کو اس کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیے اس کے پاس گیا، اس سے کچھ پوچھا تا کہ اس کی جھوٹی خبر لوگوں کو سنا دے، اس کی یہ سزا نہیں۔ ۲؎ یعنی اس کی یہ نمازیں ادا ہو جائیں گی، اللہ کے ہاں ان کا ثواب نہ ملے۔ جیسے غصب شدہ زمین میں نماز کہ اگرچہ ادا تو ہو جاتی ہے مگر اس پر ثواب نہیں ملتا، لہذا ان نمازوں کا لوٹانا اس پر لازم نہیں۔ خیال رہے کہ نیکیوں سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں مگر گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں۔ وہ تو صرف ارتداد سے برباد ہوتی ہیں۔ (مرقات) اور جب نمازیں ہی قبول نہ ہوئیں تو دوسری عبادتیں بھی قبول نہ ہوں گی۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ چالیس راتوں کی نمازوں سے مراد تہجد کی نمازیں ہیں۔ فرائض و واجبات قبول ہو جائیں گے مگر حق یہ ہے، راتوں سے مراد دن و رات سب ہیں اور کوئی نماز قبول نہیں ہوتی (اشعہ) دوسری حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی چالیس دن تک توبہ قبول نہیں ہوتی، بہر حال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ نِ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۹۰) روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں نماز فجر پڑھائی۔ اس بارش کے بعد جو اس رات ہوئی تھی ۱؎ جب فارغ ہوئے تو لوگوں پر توجہ فرمائی۔ پھر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، لوگ بولے اللہ رسول جانیں، فرمایا کہ رب نے فرمایا، میرے بندوں میں مجھ پر مومن و منکر نے صبح پائی ۲؎ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اس کی رحمت سے بارش ہوئی، یہ مجھ پر مومن ہیں ستاروں کے انکاری ۳؎ لیکن جس نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں برج سے بارش ہوئی ۴؎ تو یہ میرا منکر ہے تاروں کا مومن۔ (مسلم بخاری)

(۴۳۹۰) ۱؎ غالبًا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ حدیبیہ ایک جنگل ہے جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان بحیرہ منزل سے دور۔ مکہ معظمہ سے قریب اس کا کچھ حصہ حل میں ہے کچھ حصہ حرم میں۔ یہاں بیعت رضوان ہوئی۔ بڑا مقدس جنگل ہے۔ ہم نے اس کی زیارت کی ہے۔ ۲؎ یعنی رب تعالٰی نے فرمایا کہ اس بارش کی وجہ سے بعض بندے مومن رہے، بعض کافر ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالٰی جو کلام فرشتوں سے فرماتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے اسے سنتے ہیں۔ جب رب کی سن سکتے ہیں، وہ مخلوق کی بھی سن سکتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۳؎ یعنی وہ ستاروں کو مؤثر نہیں مانتے۔ خیال رہے کہ ستاروں کو بعض چیزوں کی علامات ماننا درست ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وبالنجم هم يهتدون مگر انہیں مؤثر ماننا حرام یا کفر ہے۔ ستاروں سے وقت، سمت، آفتاب کا طلوع و غروب معلوم کر لیا جاتا ہے۔ ۴؎ یعنی فلاں تارہ فلاں برج میں پہنچا، لہذا بارش ہوئی، اس کے تاثیر سے بادل برسا یہ کہنا حرام بلکہ بعض معانی سے کفر ہے۔ خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے۔ انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں مگر یہ کہنا بہت ہی برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے اور ناشکری کے الفاظ ہیں۔ اس لیے بعض روایت میں ہے اصبح من الناس شاكر او كافرا (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يُنْزِلُ اللّٰهُ

(۴۳۹۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ تعالٰی آسمان سے کوئی رحمت نہیں اتارتا مگر اس کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ بارش اتارتا

الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ بِکَوْکَبٍ کَذَا وَکَذَا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے سے ہوتی ہے۲ (مسلم)

(۴۳۹۱) ۱؎ غالبًا برکت سے مراد بارش ہے من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے آنا کیونکہ بارش آسمان سے نہیں آتی بادل سے آتی ہے۔ہاں آسمان کی طرف یعنی بلندی سے آتی ہے۔رب تعالٰی بارش کے متعلق فرماتا ہے:وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا (۹،۵۰) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا (کنزالایمان) اور ممکن ہے کہ برکت سے مراد عام نعمت ہو، بارش ہو، سورج، چاند، تاروں کی روشنی وغیرہ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔۲؎ یعنی فلاں تارے کے طلوع فلاں تارے کے غروب سے یا فلاں تارے کے فلاں برج میں جانے کی وجہ سے بارش ہوئی۔خیال رہے کہ تاروں کو مؤثر حقیقی ماننا کفر ہے۔انہیں علامات مان کر یہ بات کہنا کفر نہیں مگر پھر بھی اچھا نہیں کہ اس سے عوام کے عقیدے بگڑنے کا اندیشہ ہے،لہٰذا یہاں کافرین سے مراد یا اعتقادی کافر ہیں یا ناشکرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۳۹۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے علم نجوم کا حصہ حاصل کیا،اس نے جادو کا حصہ حاصل کیا۱ جس نے اسے بڑھایا اتنا ہی اسے بڑھایا۲ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۴۳۹۲) ۱؎ علم نجوم سے مراد کہانت کا علم ہے کہ ستاروں سے علم غیب حاصل کیا جائے۔اسی علم کو جادو سے تشبیہ دینا اس کی انتہائی ذلت کے اظہار کے لیے ہے یعنی علم نجوم جادو کی طرح برا ہے۔جادو کفر ہے یا قریب کفر ہے۔۲؎ یعنی جس قدر علم نجوم میں زیادتی کرے گا،اس قدر گویا جادو میں زیادتی کرے گا،اپنے گناہ بڑھائے گا،لہٰذا دونوں جگہ زاد بمعنی ماضی ہے اور مازاد میں ما بمعنی مادام ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ زاد مازاد حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اور زاد کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور انور نے علم نجوم کی برائی میں بہت زیادتی فرمائی،لہٰذا مازاد مفعول ہے زاد کا (اشعۃ اللمعات) پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ تاروں سے بارش کا وقت،آندھی کا چلنا،سردی گرمی۔ارزانی گرانی آئندہ کے حالات معلوم کرنا حرام ہے کہ یہ علوم غیبیہ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے مگر ان سے اوقات اور راستے،سمت قبلہ معلوم کرنا بالکل حق ہے۔چاند کے طلوع کی خبر جو بذریعہ تاروں کے دی جائے شرعًا معتبر نہیں۔حضرت فرماتے ہیں کہ علم نجوم اس قدر حاصل کرو جس سے تم سمت قبلہ اور راستے معلوم کرلو پھر باز رہو (مرقات) لہٰذا علم توقیت برحق ہے۔یوں ہی علم ریاضی علم ہیئت وغیرہ درست ہے اپنی حد میں رہ کر۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتٰى امْرَاَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰى امْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۳۹۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ کاہن کے پاس جائے۱ پھر اس کی تصدیق کرے یا اپنی بیوی کے پاس بحالت حیض جائے یا اپنی بیوی کے پاس اس کے دبر میں جائے تو وہ اس سے بری ہوگیا جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۲ (احمد،ابوداؤد)

(۴۳۹۳) ۱؎ کاہن وعراف میں فرق یہ ہے کہ کاہن وہ جو آئندہ کی خبریں دے عراف وہ جو موجود چھپی خبریں بتائے کہ تمہاری چوری فلاں

نے کی ہے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے۔۲؎ بحالت حیض یا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے۔اس کا حلال جاننے والا کافر ہے۔وطی بحالت حیض کی حرمت تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔فرماتا ہے:لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (۲۲۲'۲)اوران سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں (کنزالایمان)اور فرماتا ہے:قُلْ هُوَ اَذًى لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ (۲۲۲'۲)تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو(کنزالایمان)مگر دبر میں صحبت کی حرمت احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے اور اشارۃً قرآن سے بھی اور وطی بحالت حیض کی حرمت پر قیاس کی وجہ سے بھی یہ قیاس قطعی ہے،لہذا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے جو حرام جان کر ایسی حرکت کرے،وہ سخت بدکار گنہگار ہے۔اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ فرماؤ۔خیال رہے کہ لڑکوں سے دبر میں صحبت کرنا صریحی قطعی نص سے حرام ہے۔قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب آیا اور عورت سے دبر میں صحبت قیاس قرآنی سے حرام۔یہ فرق ضرور خیال رہے،لہذا اصول فقہ والوں کا اسے قیاس شرعی سے حرام فرمانا بالکل درست ہے۔جیسا کہ نورالانوار اور توضیح تلویح وغیرہ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ نَبِىَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِى السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلَآئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا لِلَّذِىْ قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ فَسَمِعَهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَّوَصَفَ سُفْيٰنُ بِكَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ يُلْقِيْهَا الْاٰخَرُ اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْكَاهِنِ فَرُبَّمَا اَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُلْقِيَهَا وَرُبَّمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ يُدْرِكَهٗ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِىْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۴۳۹۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،جب اللہ تعالٰی آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے پست ہوکر اپنے پر بچھادیتے ہیں۱؎ اس کے فرمان پر گویا کہ وہ پتھر کی چٹان پر زنجیر ہے۲؎ پھر جب ان کے دلوں سے کھول دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا۳؎ وہ کہتے ہیں رب کے فرمودہ کے متعلق کہ حق فرمایا۴؎ اور وہ بلند ہے بڑائی والا تو اسے چھپ کر سننے والے اس طرح سنتے ہیں کہ ان کے بعض بعض کے اوپر ہوتے ہیں سفیان نے اپنے ہاتھ سے یوں بیان کا کہ اسے مائل کیا اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی کی۵؎ تو وہ بات سنتا ہے اسے اپنے نیچے والے کی طرف ڈال دیتا ہے۔پھر دوسرا اسے اپنے نیچے والے کی طرف ڈالتا ہے۶؎ حتی کہ اسے جادوگر کاہن کی زبان پر ڈال دیتا ہے تو اکثر شہاب اسے ڈالنے سے پہلے لگ جاتا ہے اور اکثر وہ اسے لگنے سے پہلے ڈال دیتا ہے۷؎ تو اس کے لیے سو جھوٹ بنا دیتا ہے۸؎ تو کہا جاتا ہے کہ کیا اس نے ہم سے فلاں فلاں دن فلاں فلاں بات نہ کہی تھی۔اسی ایک وجہ سے اس کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے مگر آسمان سے سنی گئی۹؎ (بخاری)

(۴۳۹۴) ۱؎ یعنی جب اللہ تعالٰی اپنے کسی فیصلہ کا فرشتوں میں اعلان فرماتا ہے تو فرشتے اظہار انکسار کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔بعض فرشتوں کے دو پر ہیں۔بعض کے تین بعض کے چار۔۲؎ یعنی فرمان الٰہی کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر والے لوہے کی پتلی زنجیر کھینچو نہایت باریک اس کا سمجھنا بہت دشوار الفاظ غیر واضح۔۳؎ یعنی جب وہ آواز ختم ہوجاتی ہے اور فرشتوں کے دلوں سے وہ ہیبت جاتی رہتی ہے تو بعض فرشتے بعض سے پوچھتے ہیں،یہ پوچھنا ایسا ہوتا ہے جیسے طلباء سبق پڑھ کر آپس میں تکرار کرتے ہیں۔۴؎ یعنی رب نے جو کچھ فرمایا

بالکل حق فرمایا یہاں حق مقابل ہے باطل کا یا بمعنی ثابت ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ روزانہ کے واقعات کا ذکر رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے، گناہوں کی بخشش مصیبتوں کا دور کرنا، کسی قوم کی ترقی کسی کا تنزل، بیماروں کی شفاء، تندرستوں کو بیمار کرنا، ذلیلوں کو عزت دینا، عزت والوں کو ذلیل کرنا، فقیروں کو غنی کرنا، اغنیاء کو فقیر بنادینا، غرض کہ لوح محفوظ میں تحریر قول میں لائی جاتی ہے (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی ان فرشتوں کو علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور جو فرشتے لوح محفوظ پر مقرر وہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔ ۵؎ یعنی زمین سے آسمان تک جنات کے پرے اوپر نیچے ایسے کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے مائل ہاتھ کی متفرق کھلی انگلیاں۔ ۶؎ اس ڈالنے اور بتانے کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے کہ آسمان سے قریب والے جن فرشتوں کی باتیں سن کر فوراً اپنے نیچے والے جن کو سنادیں، اس نے اپنے نیچے والے کو اس نے اپنے نیچے والے کو حتی کہ آخری پرے نے اپنے دوست کاہن کو سنادیں۔ یہاں ساحر سے مراد کاہن نجومی ہے۔ ۷؎ یعنی پہلا جن جو فرشتوں سے باتیں چراتا ہے اس کو شعلہ آگ کا ضرور لگتا مگر کسی کو یہ خبریں سنادینے کے بعد اور کسی کو سنادینے سے پہلے پھر یہ شعلہ کبھی تو اس جن کو ہلاک کرتا ہے، جلا کر اور کبھی جلاتا نہیں صرف دیوانہ کردیتا ہے (مرقات) خیال رہے کہ ہلکی آگ کو قوی آگ فنا کرسکتی ہے۔ جن ہلکی آگ سے پیدا ہیں اور شعلہ کی آگ بہت قوی ہوتی ہے، لہذا یہ اسے جلا کر فنا کردیتی ہے۔ ۸؎ یا تو پہلا جن ہی یہ ملاوٹ کردیتا ہے یا آخری جن جو کاہن کو سناتا ہے، وہ ملاوٹ کرتا ہے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ ۹؎ کاہن کی جھوٹی خبروں کی اشاعت نہیں کرتے۔ لوگ اس ایک سچ خبر کی دھوم مچا دیتے ہیں کہ فلاں خبر سچ تھی، لہذا کاہن سچا ہے۔ آج کل طبیبوں، عالموں کے متعلق یہ دیکھا جارہا ہے۔ اگر کوئی طبیب پچاس بیماروں سے قبرستان بھردے مگر دو چار کو صحت دے تو اس کی صحت و شفا کا شہرہ ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهُمْ بَیْنَا هُمْ جُلُوْسٌ لَیْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَّاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّیْلَةَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ وَّمَاتَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا یُرْمٰی بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَآءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ التَّسْبِیْحُ اَهْلَ هٰذَا السَّمَآءِ الدُّنْیَا ثُمَّ قَالَ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَیُخْبِرُوْنَهُمْ مَاقَالَ فَیَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ

(۴۳۹۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں، مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری نے خبر دی، اس حالت میں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے، ایک تارا ٹوٹا، اور روشنی پھیل گئی ۱؎ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاہلیت میں کیا کہتے تھے، جب اس جیسا تارا ٹوٹتا تھا۔ ۲؎ وہ بولے کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں، ہم تو یہ کہتے تھے کہ آج رات یا تو کوئی بڑا آدمی ۳؎ پیدا ہوا یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے۔ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ تارے نہ تو کسی کی موت کے لیے مارے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کے لیے ۴؎ لیکن ہمارا رب کہ مبارک ہے اس کا نام جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے ۵؎ تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں، پھر اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں جو ان کے قریب ہیں، حتی کہ تسبیح اس دنیا کے آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ۶؎ پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، وہ انہیں خبر دیتے ہیں۔ ۷؎ فرمایا کہ پھر بعض آسمان والے بعض سے خبریں پوچھتے ہیں حتی کہ اس آسمان

السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغَ ھٰذِا السَّمَآءَ الدُّنْیَا فَیَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَیَقْذِفُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِھِمْ وَیَرْمُوْنَ فَمَاجَآءُوْا بِہٖ عَلٰی وَجْھِہٖ فَھُوَ حَقٌّ وَّلٰکِنَّھُمْ یَقْذِفُوْنَ فِیْہِ وَیَزِیْدُوْنَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

دنیا تک خبر پہنچ جاتی ہے، تو جنات سنی باتوں کو اچک لیتے ہیں۸ تو اپنے دوستوں تک ڈال دیتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں۹ پھر کاہن جو کچھ اس کے موافق لاتے ہیں، وہ حق ہے۱۰ لیکن وہ تو اس میں جھوٹ ملا دیتے ہیں اور بڑھا دیتے ہیں۱۱ (مسلم)

(۴۳۹۵) ۱ یعنی تھوڑی دیر کے لیے سارے عالم میں سرخ یا سبز یا سفید روشنی ہوگئی جب کہ اب بھی کبھی دیکھا جاتا ہے۔۲ ان کا عقیدہ پوچھنا اس کی تردید کے لیے تھا اور اصل صحیح عقیدہ سمجھانے کے لیے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے (مرقات) ۳ یعنی بچہ پیدا ہوا جو آگے چل کر شاندار انسان بنے گا۔ اس کی خوشی میں تارا ٹوٹا۔۴ یعنی تم لوگوں کا یہ خیال غلط ہے تاروں کے ٹوٹنے کا تعلق کسی انسان کی موت یا زندگی سے نہیں۔۵ یعنی ربّ تعالٰی عالم کے انتظام کے متعلق اپنے کسی فیصلہ کی خبر فرشتوں کو دیتا ہے کہ ہم نے فلاں قوم کو ذلیل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۶ جیسے بادشاہ جب اپنے خاص درباریوں کو اپنے کسی ارادے پر مطلع کرتا ہے تو درباری ادب سے سر جھکا کر کہتے ہیں حضور بالکل حق ہے۔ بالکل درست ہے۔ وغیرہ ایسے ہی فرشتے ارادہ الٰہی کی خبر پا کر ادب سے تسبیح پڑھتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں قضا یعنی فیصلہ الٰہی کا ذکر ہے نہ کہ مشورہ کا۔ چنانچہ ربّ تعالٰی نے فرشتوں کو خبر دی کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲:۳۰) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (کنزالایمان) میں فیصلہ کی خبر نہ تھی بلکہ بطور مشورہ ان سے کہا گیا تھا کہ تمہاری اس میں کیا رائے ہے، لہٰذا وہاں فرشتوں نے آزادی سے رائے ظاہر کردی کہ خلافت کے مستحق ہم ہیں۔ اگر وہاں قضاو فیصلہ کی خبر ہوتی تو فرشتے وہاں بھی تسبیح ہی پڑھتے، لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ قرآن کے احکام واجب العمل ہیں۔ جیسے نماز وزکوۃ کا حکم مگر قرآنی مشورہ واجب العمل نہیں مستحب ہے جیسے قرض کا لکھ لینا۔۷ اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ ربّ تعالٰی کی خبر صرف حاملین عرش ہی سنتے ہیں۔ باقی فرشتوں کو پھر یہ لوگ بتاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے فرشتوں کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔ حاملین عرش کو بلا واسطہ اور دوسرے فرشتوں کو ان حاملین کے ذریعے سے۸ اس طرح کہ جب یہ چیزیں دنیا کے آسمان یعنی پہلے آسمان والے فرشتوں کو ان کے اوپر والے بتاتے ہیں تو وہاں چھپے ہوئے جنات جو کان لگائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں سن لیتے ہیں۔۹ یعنی بعض دفعہ یہ جن یہ باتیں سنا کر شہاب سے مارے جاتے ہیں اور کبھی اس سے پہلے ہی۔۱۰ یعنی جب یہ کاہن لوگ وہ بات جو اس جن سے سنی ہے، وہ لوگوں کو بتاتے ہیں تو حق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو بتاتے ہیں، وہ ناحق ہوتی ہے۔۱۱ یہ زیادتی ننانوے فی صد ہوتی ہے یعنی سو میں ایک بات درست اور ننانوے باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔

وَعَنْ قَتَادَۃَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذِہِ النُّجُوْمَ لِثَلٰثٍ جَعَلَھَا زِیْنَةً لِلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّیٰطِیْنِ وَعَلَامَاتٍ یُھْتَدٰی بِھَا وَمَنْ تَاَوَّلَ فِیْھَا بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَخْطَاءَ وَاَضَاعَ نَصِیْبَہٗ وَتَکَلَّفَ مَالَا یَعْلَمُ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) تَعْلِیْقًا وَّفِیْ رِوَایَةِ رَزِیْنٍ وَّ تَکَلَّفَ مَالَا یَعْنِیْہِ وَمَا لَاعِلْمَ لَہٗ بِہٖ وَمَا عَجَزَعَنْ عِلْمِہِ الْاَنْبِیَآءُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَعَنِ الرَّبِیْعِ مِثْلُہٗ وَزَادَ وَاللّٰہِ مَاجَعَلَ

(۴۳۹۶) روایت ہے حضرت قتادہ سے۱ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان تاروں کو تین مقصدوں کے لیے پیدا فرمایا۲ انہیں آسمان کی زینت اور شیاطین کی مار بنایا۳ اور نشانیاں بنایا جن سے ہدایت لی جائے۴ تو جو ان میں اس کے سوا تاویل کرے۵ اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا، اور اس کا تکلف کیا جو وہ جانتا نہیں۶ اسے بخاری نے تعلیقاً روایت کیا اور رزین کی روایت میں ہے کہ اس نے غیر مفید چیز کا تکلف کیا اور اس کا جس کا اسے علم نہیں اور جس کے علم سے انبیاء وفرشتے

اللّٰهُ فِیْ نَجْمٍ حَیٰوۃَ اَحَدٍ وَّلَا رِزْقَهٗ وَلَا مَوْتَهٗ وَاِنَّمَا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَیَتَعَلَّلُوْا بِالنُّجُوْمِ

ے عاجز نہیں اور ربیع سے اسی کی مثل مروی ہے اور یہ زیادتی ہے کہ رب کی قسم اللہ نے تارے میں نہ کسی کی زندگی رکھی ہے نہ رزق، نہ موت، یہ لوگ اللہ پر جھوٹ ہی باندھتے ہیں اور تاروں سے بہانہ بناتے ہیں ۸

(۴۳۹۶) ۱؎ آپ تابعی ہیں اور اس زمانہ کے مفسرین کے امام ہیں۔ آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں ۲؎ یعنی تاروں کے بڑے بڑے مقصد یہ تین ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً ہے ورنہ تاروں کی پیدائش کے ہزارہا مقصد ہیں۔ ۳؎ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (۱۲'۴۱) اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (۵'۶۷) اور انہیں شیطانوں کے لئے مار کیا (کنزالایمان) یہ تارے آسمان پر ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے نیلی چادر پر رنگ برنگے سلمے ٹکے ہیں۔ ۴؎ کہ تاروں سے وقت اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔ قطب تارے پر سمندری سفر، سمت قبلہ وغیرہ موقوف ہیں۔ مسجدیں اس تارے سے بنائی جاتی ہیں رب فرماتا ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ (۱۶'۱۶) اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں (کنزالایمان) لہذا ستاروں کی یہ تین صفات برحق ہیں۔ ۵؎ اس طرح کہ ان سے غیبی چیزیں معلوم کرے، ان کو موثر مانے۔ بارشیں موسم ان سے ثابت کرے جس کا نتیجہ شرک ہے۔ ۶؎ یعنی رب تعالٰی نے اسے ان چیزوں کا مکلّف نہیں کیا، وہ غیر ضروری چیزوں میں پھنس کر ضروری عبادات سے غافل ہو جاتا ہے۔ ۷؎ یعنی حضرات انبیاء اور فرشتے بھی تاروں سے غیبی خبریں معلوم نہیں کرتے۔ ان کے علوم وحی الٰہی ارشاد ربانی سے ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات کو غیبی علوم دیئے نہیں گئے۔ مقصد یہ ہے کہ ان تاروں کے ذریعہ نہیں دیئے گئے یا یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے مخلوق کو تاروں کے ذریعہ ہدایت نہ دی بلکہ اپنے ارشادات اور ربانی کلام کے ذریعے ہدایت دی۔ علم بمعنی تعلیم لہذا تم ان تاروں میں سوچ بچار کرنے کی بجائے کتاب وسنت میں سوچ و بچار کرو۔ (ازمرقات) ۸؎ یعنی انتظامات دنیا مخلوق کی موت وزندگی، فراخی، تنگی، بارش وخشکی میں تارے موثر نہیں، یہ سب کچھ اللہ کی قدرت ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ تارے حالات میں موثر نہیں۔ ہاں بعض حالات کی علامات ہیں اور علامات سے حالات وابستہ نہیں ہوتے، بادل بارش کی علامت ہے۔ اس کی علت نہیں۔ بارہا بادل آتے ہیں بارش نہیں ہوتی، صحبت اولاد کی علامت یا حددرجہ سبب ہے۔ اس کی علت نہیں، لہذا علم نجوم باطل بھی ہے اور صحیح بھی موثر ماننا باطل ہے۔ علامت ماننا برحق ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِّنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَیْرِ مَاذَکَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ الْمُنَجِّمُ کَاهِنٌ وَّالْکَاهِنُ سَاحِرٌ وَّالسَّاحِرُ کَافِرٌ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ)

(۴۳۹۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص علم نجوم کا کوئی باب اس کے سوا کے لیے حاصل کرے جو اللہ نے ذکر فرمایا ۱؎ تو اس نے جادو کا حصہ سیکھا، نجومی کاہن اور کاہن جادوگر اور جادوگر کافر ہے ۲؎ (رزین)

(۴۳۹۷) ۱؎ یعنی گزشتہ مذکورہ تین چیزوں کے سوا اور چیزیں ستاروں سے معلوم کرے۔ ۲؎ کہ جادوگر اپنے عمل سے اور کاہن اپنی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اثر کرتے ہیں۔ یہ دونوں عمل یا کفر ہیں یا کفران یعنی ناشکری یہ پہلے بتایا گیا کہ علم نجوم کفر بھی ہے۔ حرام بھی ہے اور درست بھی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَمْسَکَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ عِبَادِهٖ خَمْسَ سِنِیْنَ ثُمَّ اَرْسَلَهٗ لَاَصْبَحَتْ طَآئِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ کٰفِرِیْنَ

(۴۳۹۸) روایت ہے ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اللہ اپنے بندوں سے پانچ سال بارش روک لے، پھر بھیجے ۱؎ تب بھی لوگوں کا ایک ٹولہ کافر ہی ہو، کہ وہ کہیں کہ

يَقُوْلُوْنَ سُقِيْنَا بِنَوءِ الْمِجْدَحِ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) ہم برج مجدح کی وجہ سے برسائے گئے۲ (نسائی)

(۴۳۹۸) ۱پانچ سال کا ذکر بطور مثال ہے۔اس سے مقصد دراز مدت ہے یعنی اگر دراز مدت اور بہت انتظار کے بعد بھی بارش آوے تب بھی شکر نہیں کرتے کفر ہی کرتے ہیں۔۲مجدح میم کے کسرہ سے چاند کی ایک خاص منزل کا نام ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ جب چانداس میں داخل ہوتا ہے تو ضرور بارش آتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ مجدح تین تاروں کا نام ہے جن کے متعلق عرب کا عقیدہ تھا کہ بارش ان سے ہوتی ہے (اشعہ مرقات) جدح کہتے ہیں ستو گوندھنے کو ان تاروں کی شکل و ترتیب ایسی واقع ہے جیسے کوئی بیٹھا ہوا ستو گوندھ رہا ہے۔اس لیے انہیں مجدح کہتے ہیں جیسے عقرب قوس وغیرہ منزل ہے۔

كِتَابُ الرُّؤْيَا — خوابوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

رویا بنا ہے رویت سے بمعنی دیکھنا مگر رویت عام ہے۔رویا خاص رویت تو دیکھنے کو کہتے ہیں۔آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے دیکھنا مگر رویا صرف خواب کو کہا جاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ (۱۰۲:۳۷) الخ رویا مصدر ہے بشرہ شوریٰ سقیا خواب کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے بیداری میں دل کے خیالات یا الہام الٰہی ہوتے ہیں یا وسوسہ شیطانی یوں ہی خواب سونے والے کے دل کے خیالات ہی ہیں۔سچے خواب الہام الٰہی ہیں۔جھوٹے خواب شیطانی وسوسہ۔ہمارے خواب نفسانی۔شیطانی،رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کے خواب رحمانی ہی ہوتے ہیں۔حتی کہ ان کے خوابوں پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔دیکھو نماز کی اذان حضرات صحابہ کی خواب سے جاری ہوئی۔حضور کی تصدیق فرمادینے کی وجہ سے بعض خوابیں بالکل واضح ہوتی ہیں۔جیسے صحابہ کی اذان کی خواب بعض مجمل جیسے شاہ مصر نے قحط کے سالوں کو گایوں،بالیوں کی شکل میں دیکھا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَزَادَ مَالِكٌ بِرِوَایَةِ عَطَآءِ بْنِ یَسَارٍ یَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْتُرٰی لَهٗ

(۴۳۹۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ باقی رہیں موت سے مگر بشارتیں[۱] لوگوں نے عرض کیا،بشارتیں کیا ہیں،فرمایا اچھی خواب[۲] (بخاری) مالک نے بروایت عطا ابن یسار یہ زیادتی کی کہ جسے مسلمان آدمی دیکھے یا اسے دکھائی جائے[۳]

(۴۳۹۹) [۱] یعنی ہماری وفات پر وحی،نبوت تا قیامت ختم ہوجائے گی مگر نبوت کا ایک حصہ یعنی ڈرانا اور بشارت باقی رہے گا۔رب تعالیٰ خوابوں کے ذریعہ علوم غیبیہ اگلے حالات پر اطلاع برابر جاری رکھے گا۔خوابیں غیبی خبریں دیتی رہیں گی۔خوابیں بشارت بھی ہوتی ہیں۔ڈراتی بھی ہیں مگر تغلیباً بشارت فرمایا(مرقات) [۲] صالحہ سے مراد سچی خوابیں یا اچھی خوشی کی خوابیں عموماً خوشی کی خواب کو رویا کہتے ہیں اور ڈراؤنی خواب کو حلم مگر یہاں رویا سے عام خواب مراد ہے۔اچھی ہو یا ڈراؤنی (اشعہ ومرقات) خیال رہے کہ رؤیا بمعنی خواب آتا ہے مگر جب اس کے بعد رؤیت کا کوئی مشتق آجائے تو بیداری میں دیکھنے کے بھی معنی دیتا ہے۔رب فرماتا ہے:وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (۶۰:۱۷) اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو(کنزالایمان) حضور انور نے معراج کی شب سارے عالم غیب کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا مگر اسے رب نے رویا فرمایا،چونکہ آگے آرہا ہے اریناك اس لیے وہاں آنکھ کی بیداری میں دیکھنا مراد ہوا۔معراج جسمانی کے منکر اسی لفظ رؤیا سے جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔[۳] یعنی مسلمان خود خواب دیکھے یا دوسرا شخص اس کے متعلق خواب دیکھے۔طبرانی نے بروایت عبادہ ابن صامت حدیث نقل فرمائی کہ مومن کا خواب اس کا اپنے رب سے کلام کرنا ہے یا رب کا اس سے کلام کرنا(مرقات) خواب میں رب تعالیٰ کا دیدار بھی ہوسکتا ہے۔ہمارے امام اعظم نے ننانوے بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔

یـراھا اوراوتـری لہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خواب انسان خود دیکھتا ہے کہ دن میں جو خیالات رکھتا ہے۔وہ ہی خواب دیکھتا ہے اور بعض خواب ربّ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں۔مومن کے یہ خواب الہام کا حکم رکھتے ہیں۔انہیں کو رویا صالحہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۰۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب ا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔۲ (مسلم و بخاری)

(۴۴۰۰) ا رویا صالحہ سے مراد سچی خواب ہے جو نہ شیطانی وسوسہ سے ہو نہ دل کے خیالات سے بلکہ خاص رحمان کی طرف سے ہو جس قدر تقویٰ اعلیٰ اس قدر خوابیں سچی ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ کبھی کفار و فساق کی خوابیں بھی سچی ہوتی ہیں۔شاہ مصر کافر تھا مگر اس نے آئندہ کے سات سال کی قحط سالی بالیوں کی شکل میں دیکھی۔حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر دی اور وہ خواب سچی تھی۔اس کی اس خواب کے بہت اعلیٰ نتیجے ہوئے۔۲ اس کا حقیقی مطلب رب تعالیٰ جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ تئیس سال ہے اور ظہور نبوت سے پہلے چھ ماہ یعنی نصف سال آپ کو بہت ہی سچی اور اعلیٰ خوابیں آئیں تو زمانہ خواب زمانۂ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔اس لیے خواب کو چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا۔واللہ اعلم۔بعض روایات میں ہے ستر واں حصہ ہے۔بعض میں ہے پچاسواں حصہ۔فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے اخلاق اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے،لہٰذا چاہیے یہ کہ فرمان پر ایمان لاؤ۔مطلب اللہ رسول کے سپرد کرو،بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیالیس خصوصی صفات عالیہ عطا ہوئیں جن میں سے ایک صفت اچھی خواب ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے عدد خاص مراد نہیں بلکہ زیادتی بیان کرنا مقصود ہے یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی چھیالیس قسم کی ہوئی ہے۔بلاواسطہ جبریل،بواسطہ جبریل،پھر گھنٹہ کی سی آواز،صاف بیان،حق تعالیٰ کا خواب میں کچھ فرمادینا حتی کہ معراج میں مشاہدہ جمال کرا کر کلام فرمایا،ان چھیالیس حصہ سے ایک خواب بھی ہے،لہٰذا یہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے(اشعہ) خیال رہے کہ حضور پر نبوت ختم ہو چکی مگر نبوت کے اوصاف تا قیامت باقی ہیں۔اوصاف نبوت یا اجزاء نبوت بعینہٖ نبوت نہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِىْ فِى الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِىْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَتَمَثَّلُ فِىْ صُوْرَتِىْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۰۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا،اس نے مجھے ہی دیکھا ا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا ۲ (مسلم و بخاری)

(۴۴۰۱) ا یعنی جو شخص خواب میں ایک شکل دیکھے اور سمجھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ حضور اقدس ہی ہیں۔شیطان آپ کی شکل بن کر نہیں آیا،خواہ وہ شخص حضور کو بچپن شریف کی عمر میں دیکھے یا جوانی کی عمر میں یا بڑھاپے شریف کی عمر میں۔خیال رہے کہ خواب میں حضور کا نورانی چہرہ چمکدار دیکھنا اپنے درستی عقائد کی علامت ہے اور چہرہ انور میں سیاہی دیکھنا اپنے دل کی سیاہی بدعقیدگی ہے۔حضور کا لباس صاف سفید اپنے نیک اعمال ہونے کی علامت ہے۔لباس مبارک کثیف دیکھنا اپنے اعمال خراب ہونے کی علامت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہیں۔آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔شعر:۔

گفت من آئینہ مصقول دوست ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ است

اگر خواب میں حضور کوئی ناجائز حکم دیں تو وہ ہمارے اپنے سننے میں فرق ہے۔کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں اشرب خمر ا تم شراب پیو۔ اس کی تعبیر دی گئی کہ حضور نے فرمایا: لاتشرب تو نے غلطی سے سن لیا یا اشرب خمر سے مراد شراب طہور شراب محبت ہے ۔۲ علماء فرماتے ہیں کہ شیطان خواب میں خدا بن کر آسکتا ہے مگر مصطفیٰ بن کر نہیں آسکتا کیونکہ حضور ہادی مطلق ہیں اور شیطان مضل مطلق گمراہ گر ہادی کی شکل میں کیسے آئے۔ضدین جمع نہیں ہوسکتیں۔اللہ تعالٰی ہادی بھی ہے،مضل بھی۔دیکھو مدعی الوہیت کے ہاتھ پر عجائبات ظاہر ہوسکتے ہیں۔جیسے دجال مگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر کبھی عجائبات ظاہر نہیں ہوسکتے (اشعہ اللمعات)

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۰۲) روایت ہے ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا ۱ (مسلم و بخاری)

(۴۴۰۲) ۱ اس حدیث کے چند معنی کئے گئے ہیں۔ایک یہ کہ دیکھنے سے مراد ہے خواب میں دیکھا اور حق سے مراد ہے واقعی دیکھنا باطل کا مقابل یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔اس نے واقعی مجھے دیکھا،وہ شکل خیالی یا شیطانی نہیں میری ہے۔دوسرے یہ کہ تاقیامت جو ولی بیداری میں مجھے دیکھے گا،وہ مجھ ہی کو دیکھے گا۔شیطان میری شکل میں اس کے سامنے نہ آئے گا۔بعض اولیاء بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے،آپ سے کلام کرتے ہیں۔مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔شیخ ابو مسعود ہر نماز کے بعد حضور انور سے مصافحہ کرتے تھے۔ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور انور نے فرمایا،اے علی اپنے کپڑے پاک رکھو۔نورالدین یحیٰی نے روضہ انور سے جواب سلام سنا۔شیخ ابوالعباس کہتے ہیں کہ اگر میں ایک ساعت بھی حضور کا جمال نہ دیکھوں تو اپنے مرتد ہوجانے کا فتویٰ دوں۔حضرت غوث پاک وعظ فرمارہے تھے کہ شیخ علی ابن ہیتی سامنے بیٹھے تھے کہ انہیں نیند آگئی۔حضور غوث پاک منبر سے اتر کر ان کے پاس باادب کھڑے ہوگئے اور حاضرین سے فرمایا،باادب رہو،خاموش رہو۔کچھ دیر بعد علی بیدار ہوئے۔جناب غوث پاک نے فرمایا،اے علی کیا تم نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔بولے ہاں فرمایا اس لیے میں تمہارے پاس باادب کھڑا ہوگیا۔فرمایا تم کو حضور نے کیا حکم دیا۔عرض کیا آپ کی مجلس میں حاضر رہنے کا۔شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا،جناب غوث نے بیداری میں دیکھا۔غرض کہ بیداری میں حضور کو دیکھنا اولیاءاللہ سے ثابت ہے۔یہ حدیث اس کی دلیل ہے (اشعہ اللمعات) کوئی شخص اس دنیا میں آنکھوں سے بیداری میں ربّ تعالٰی کو نہیں دیکھ سکتا۔قرآن مجید فرماتا ہے لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۶:۱۰۳) ان آنکھوں سے رب کو صرف حضور انور نے بیداری میں دیکھا مگر زمین پر رہ کر نہیں بلکہ عرش سے ورا جا کر یعنی معراج کی رات۔ہاں خواب میں ربّ تعالٰی کی زیارت ہوسکتی ہے بلکہ بعض خواص کو ہوئی ہے۔حضور انور صبح کی نماز میں دیر سے آئے۔بعد نماز فرمایا،میں نے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔جیسا کہ ہم باب المساجد میں اس حدیث کی شرح میں لکھ چکے ہیں۔بعض لوگ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد ربّ تعالٰی کی ذات ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا تعالٰی کو دیکھ لیا کیونکہ حضور انور آئینہ ذات کبریا ہیں جیسے کہا جائے کہ جس نے قرآن مجید پڑھا،اس نے رب سے کلام کرلیا یا جس نے بخاری دیکھی اس نے محمد بن اسماعیل کو دیکھ لیا۔اگرچہ بعض لوگ اس معنی کی تردید کرتے ہیں لیکن ہم نے جو توجیہ عرض کی،اس توجیہ سے یہ معنی درست ہیں۔قرآن کریم نے حضور کو ذکر اللہ فرمایا:قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا (۶۵:۱۰) بے شک اللہ نے تمہارے لئے عزت اُتاری (کنزالایمان) اشعۃ اللمعات نے اس حدیث کے متعلق بڑی اعلیٰ باتیں فرمائی ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۴۰۳) روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِىْ فِى الْمَنَامِ فَسَيَرَانِىْ فِى الْيَقْظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِىْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا۱ اور شیطان میری شکل نہیں بن سکتا۲ (مسلم، بخاری)

(۴۴۰۳) ۱ اس حدیث کے بھی چند معنی کئے گئے۔ایک یہ کہ جس صحابی نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔دوسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔تیسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ مجھے اپنی زندگی ہی میں بیداری میں دیکھے گا۔خواص اولیاء تو ظاہر ظہور دیکھیں گے، ہم جیسے عوام جن میں ضبط کا مادہ نہیں، راز چھپا نہیں سکتے، وہ مرتے وقت جب زبان بند ہو جائے گی۔تب پہلے مجھے دیکھیں گے، بعد میں وفات پائیں گے تاکہ وہ راز ظاہر نہ کر سکیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔بیدار ہوکر اس حدیث میں غور کیا اور سوچا کہ اب میں حضور انور کو بیداری میں کیونکر دیکھوں گا۔آپ اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔حضرت میمونہ نے حضور کا آئینہ آپ کو دیا جس میں حضور انور اپنا چہرہ انور دیکھا کرتے تھے۔حضرت ابن عباس نے جب آئینہ دیکھا تو اس میں بجائے اپنی صورت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت شریف نظر آئی۔اپنی صورت بالکل نظر نہ آئی۔دیکھو اشعۃ اللمعات یہیں مقام۔چوتھے یہ کہ میرے زمانہ حیات شریف میں جو مسلمان مجھ تک نہ پہنچ سکا، اس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا، وہ ان شاءاللہ عنقریب مجھ تک پہنچ جائے گا اور میری زیارت کرلے گا مگر تیسرے معنی بہت قوی ہیں اور یہ بشارت عام مسلمانوں کے لیے ہے۔۲ یہ حضور کا وہ معجزہ ہے جو تاقیامت باقی ہے کہ جیسے شیطان زندگی شریف میں آپ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا تھا، یوں ہی تاقیامت کسی کی خواب میں حضور کی شکل میں نہیں آسکتا۔حضور انور کے سواء اور تمام کی شکلوں میں آجاتا ہے۔خواب میں باتیں کرجاتا ہے، مرد یا عورت کو احتلام اس کی مہربانی سے ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّءْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَّايُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثُ بِهٖ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ وَاِذَا رَاٰى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفُلْ ثَلٰثًا وَّلَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۰۴) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب اللہ کی طرف سے ہے اور بری خواب شیطان کی طرف سے۱ تو جب تم میں سے کوئی پسندیدہ چیز دیکھے تو اپنے پیارے کے سوا کسی سے بیان نہ کرے۲ اور جب ناپسند بات دیکھے تو اس کی شر سے اور شیطان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور تین بار تھوک دے اور اس کی خبر کسی کو نہ دے تو وہ خواب اسے مضر نہ ہوگی۳ (مسلم و بخاری)

(۴۴۰۴) ۱ اچھے خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور برے خواب کو حلم۔اسی سے ہے اضغاث احلام اسی سے بنا ہے احتلام اگرچہ ساری خوابیں رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہیں مگر بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بری اور ڈراؤنی خوابوں کو شیطان کی طرف سے نسبت دے کیونکہ مسلمان کی بری خوابوں سے بہت خوش ہوتا ہے (مرقات) بہرحال اچھی خواب رب کی بشارت ہے تاکہ مسلمان اللہ کی رحمت کا منتظر اور شکر میں مشغول ہو جائے، بری خواب مایوس کن ہے اور مایوسی شیطانی عمل ہے۔۲ یعنی اچھی خواب ضرور بیان کرے تاکہ اس کا ظہور ہو جائے مگر بیان کرے ایسے عالم معتبر سے جو اس کا دوست و خیر خواہ ہو تاکہ وہ تعبیر خراب نہ کردے۔اچھی تعبیر دے، خواب کی پہلی تعبیر ہی پر خواب کا ظہور ہوتا ہے۔۳ یہ عمل بہت مجرب ہے۔کیسی ہی خطرناک خواب دیکھو یہ عمل کرلو ان شاءاللہ اس کا ظہور کبھی نہ ہوگا۔اچھی خواب اللہ کی نعمت ہے، اس کا چرچا کرو۔وامّا

بنعمتہ ربك فحدث اور بری خواب بلاوامتحان ہے۔اس پر صبر کرو،کسی سے نہ کہو،ربّ سے عرض کرو۔انشاءاللہ دفع ہوجائے گی (مرقات)چونکہ حضور کے خطرناک خواب بھی ربّ کی طرف سے ہوتے تھے۔اس لیے حضور لوگوں نے ان کا ذکر فرمادیتے۔پھران کا ظہور بھی ہوتا تھا۔جیسے حضور نے خواب میں تلوار ٹوٹتی دیکھی،اس کا ظہور غزوہ احد کی تکالیف کی شکل میں نمودار ہوا۔ہاتھوں پر بھاری کنگن دیکھے،ان کا ظہور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے ہوا،لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حضور کے اس عمل شریف کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ ثَلٰثًا وَّلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۰۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور جس کروٹ پر تھا،اس سے پھر جائے۱؎(مسلم)

(۴۴۰۵)۱؎ عربی میں بصق کہتے ہیں تھوکنے کو تفل کہتے ہیں تھتکارنے کو یہاں بصق سے مراد تھتکارنا ہی ہے۔جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔یہ تینوں عمل شیطان کو ذلیل کرنے اور اپنے حال کو بدلنے کے لیے ہیں۔شیطان اکثر بائیں ہاتھ پر رہتا ہے۔ادھر تھوکنا گویا شیطان کے منہ پر تھوکنا ہے۔یہ عمل بھی مجرب ہے۔برے خواب میں یہ دیکھ کر یہ کرنا چاہیے اس سے خواب ختم ہوجاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ وَاَنَا اَقُوْلُ الرُّؤْيَا ثَلٰثٌ حَدِيْثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيْفُ الشَّيْطٰنِ وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَاٰى شَيْئًا يَّكْرَهُهٗ فَلَا يَقُصُّهٗ عَلٰى اَحَدٍ وَّلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِي النَّوْمِ وَيُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) قَالَ الْبُخَارِيُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَيُوْنُسُ وَهُشَيْمٌ وَّاَبُوْ هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ يُوْنُسُ لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ وَقَالَ مُسْلِمٌ لَا اَدْرِيْ هُوَ فِي الْحَدِيْثِ اَمْ قَالَهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَاَدْرَجَ فِي الْحَدِيْثِ قَوْلَهٗ وَاَكْرَهُ الْغُلَّ اِلٰى تَمَامِ الْكَلَامِ

(۴۴۰۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب زمانہ قریب ہوگا۱؎ تو مومن کی خواب جھوٹی نہ ہوسکے گی۲؎ اور مومن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور جس کا تعلق نبوت سے ہو،وہ جھوٹی نہیں ہوتی۳؎ محمد ابن سیرین نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ خواب تین طرح کی ہے،نفسانی خیالات۵؎ اور شیطان کی دھمکی اور اللہ کی طرف سے بشارت۶؎ تو جو ناپسند چیز خواب میں دیکھے،اسے کسی پر بیان نہ کرے اور کھڑا ہوجائے نماز پڑھ لے۷؎ فرمایا کہ آپ خواب میں طوق کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں قید پسند تھی۸؎ کہا جاتا ہے کہ قید دین میں پختگی ہے(مسلم بخاری)بخاری نے فرمایا کہ اسے قتادہ،یونس،ہشیم اور ابوہلال نے محمد بن سیرین سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے۹؎ روایت کیا۔یونس نے فرمایا میں اسے نہیں خیال کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قید کے متعلق۱۰؎ اور مسلم نے کہا مجھے خبر نہیں کہ وہ حدیث میں ہے یا یہ ابن سیرین نے کہا۱۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ حدیث میں یہ قول اکرہ الغل پورے کا پورا حدیث میں داخل کرلیا گیا ہے۱۲؎

(۴۴۰۶)۱؎ اقترب زمان میں کئی احتمال ہیں،قرب قیامت،موت کے قریب کا زمانہ یعنی بڑھاپا وہ مہینے جن میں دن رات برابر

ہوتے ہیں۔حضرت امام مہدی کے ظہور کا زمانہ جبکہ لوگوں میں عیش وعشرت بہت ہوگا۔سال گزرے گا مہینہ کی طرح،مہینہ ہفتہ کی طرح ہفتہ ایک دن کی طرح،وہ زمانہ جب لوگوں کی عمریں گھٹ جائیں گی یا شر وفساد کا زمانہ جب لوگ ایک دوسرے سے گتھ جائیں،قتل وخون کے لیے قریب ہوجائیں گے(اشعہ)مرقات میں اس کے اور بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔مثلاً یاجوج ماجوج کے خروج کا زمانہ۔۲؎ یعنی ان زمانوں میں اہل اسلام کی اکثر خوابیں صحیح ہوا کریں گی۔ان تمام موقعوں پرخوابیں درست ہونے کی وجہیں مرقات ولمعات وغیرہ نے بہت دراز بیان فرمائی ہیں۔۳؎ اس مضمون کی شرح ابھی کچھ پہلے ہم عرض کرچکے ہیں۔۴؎ محمد ابن سیرین حضرت انس ابن مالک کے آزاد کردہ غلام ہیں۔عظیم الشان تابعی ہیں۔بڑے فقیہ محدث عالم باعمل تھے۔ستتر سال عمر پائی۔۱۱۰ھ(ایک سودس)میں وفات ہوئی۔بصرہ کے پاس خواجہ حسن بصری کے ساتھ ایک ہی حجرہ میں دفن ہیں۔فقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔آپ اپنے زمانہ میں علم تعبیر کے امام تھے۔۵؎ کہ دن بھر کے خیالات رات کوخواب کی شکل میں نظر آجاتے ہیں۔۶؎ یعنی ہر خواب سچا نہیں ہوتا۔نفسانی،شیطانی خواب مثل وسوسہ کے ہوتے ہیں۔ناقابل اعتبار اور رحمانی خواب جس کا تعلق فرشتہ سے ہوتا ہے،وہ درست ہی ہوتے ہیں۔یہ ہماری خوابوں کا حال ہے۔حضرات انبیاء کرام کے خواب،ہمیشہ رحمانی اور درست ہوتے ہیں،لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔۷؎ تاکہ نماز کی برکت سے شیطان کا اثر جاتا رہے۔یہ مشورہ جب ہے جبکہ نماز میں دل لگے ورنہ بائیں ہاتھ کی طرف تھتکار دے،کروٹ بدل لے،لاحول شریف پڑھ لے۔جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں گزرا۔۸؎ یعنی ابن سیرین خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے۔اپنے پاؤں میں زنجیر وبیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے اور کہتے تھے یا حضرات صحابہ کرام خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے،**کان یکرہ** کا فاعل ابن سیرین ہیں اور **یعجبھم** کا مرجع حضرات صحابہ کرام ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ گلے میں طوق لعنت کی علامت ہے۔پاؤں میں بیڑی دین پر استقامت کی نشانی ہے۔۹؎ قتادہ تو مشہور تابعی ہیں۔یونس نام کے بہت راوی ہیں۔یہاں یونس ابن عبید بصری مراد ہیں جو عبدالقیس کے آزاد کردہ غلام ہیں کیونکہ محمد ابن سیرین سے زیادہ روایت یہی کرتے ہیں۔ہشیم سے مراد ہشیم ابن بشیر سلمی ہیں۔ابو ہلال بھی تابعی ہیں۔ان چاروں بزرگوں نے کہا کہ محمد ابن سیرین نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی(اشعہ)۱۰؎ یعنی یونس ابن عبید نے کہا کہ قید کے متعلق یہ فرمان کہ قید پسند کرتے تھے،یہ حضور کا فرمان عالی ہے کہ حضور خواب میں دیکھنا پسند فرماتے تھے۔۱۱؎ یعنی خواب میں قید دیکھنے کا محبوب ہونا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا محمد ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔۱۲؎ یعنی **کان یکرہ الغل** سے لے کر **فی الدین** تک کی عبارت حدیث میں نہیں ہے۔یہ ابن سیرین کا اپنا قول ہے مگر اسے حدیث میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حدیث کا جز معلوم ہوتا ہے۔یہ شامل کرنے والے یا تو ابن سیرین ہیں یا ابو ہریرہ(اشعہ)یہاں مرقات نے فرمایا کہ طوق گردن میں پڑتا ہے اور قیامت کے دن کفار کی گردنوں میں طوق ہوگا۔رب فرماتا ہے۔اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ (۴۰،۷۱) جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے(کنزالایمان)لہٰذا یہ خواب میں دیکھنا اچھا نہیں اور بیڑیاں پاؤں میں پڑتی ہیں جس سے پاؤں ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ اس کو اسلام پر ثابت قدمی نصیب ہوگی۔اپنے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے دیکھنا بخل کی علامت ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَأْسِيْ قُطِعَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِاَحَدِكُمْ فِيْ مَنَامِهٖ فَلَا

(۴۴۰۷)روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا،بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا،گویا میرا سر کاٹ دیا گیا۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا،جب تم میں سے کسی سے شیطان خواب میں کھیلے تو لوگوں کو

یُحَدِّثُ بِهِ النَّاسَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس کی خبر نہ دے۲(مسلم)

(۴۴۰۷) ۱؎ یعنی مجھے ذبح یا قتل کردیا گیا اور میں اپنے ذبح اپنے قتل کو خود دیکھ رہا ہوں۔وہ صاحب خواب سے گھبرا گئے تھے۔۲؎ شاید حضور نے وحی سے معلوم فرمالیا کہ یہ خواب اضغاث احلام سے ہے،شیطان نے اسے مغموم کرنے کے لیے یہ خواب دکھایا ہے۔اگر یہ خواب درست ہو تو اس کی تعبیر ہوتی ہے۔تبدیلی حال' مغموم دیکھے تو اسے خوشی ہوگی،خوشحال دیکھے تو وہ بدحال ہوجائے گا،غلام دیکھے تو آزاد ہوجائے گا۔مقروض دیکھے تو قرض سے آزاد ہوجائے گا،لہذا یہ حدیث بھی صحیح ہے اور معبرین کی یہ مذکورہ تعبیریں بھی درست ہیں۔(مرقات واشعہ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِيْنَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ بْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ دِيْنَنَا قَدْطَابَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۰۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مجھے اس میں جس میں سونے والا دیکھتا ہے دکھایا گیا،گویا ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں کہ ہمارے پاس ابن طاب سے کچھ رطب لائے گئے۔۲؎ میں نے تعبیر دی کہ دنیا میں بلندی ہمارے لیے ہے اور آخرت میں انجام بھی اور یہ کہ ہمارا دین طیب ہوگیا۔۳؎(مسلم)

(۴۴۰۸) ۱؎ ما یری النائم سے مراد صادقہ وصالحہ خوابیں ہیں۔النائم میں الف لام عہدی ہے جس میں مومن صالح نائم مراد ہے۔۲؎ یعنی ہم مع صحابہ کرام ان کے گھر میں ہیں۔ہم سب کے پاس یہ کھجوریں لائی گئیں۔ابن طاب مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف یہ کھجوریں منسوب ہیں۔انہیں عذق ابن طاب بھی کہتے ہیں اور رطب ابن طاب بھی۔۳؎ حضور انور نے یہ تعبیر ان کے ناموں سے دی۔حضور انور ناموں سے نامی بیداری بھی لیتے تھے،چنانچہ سفر ہجرت میں حضور انور نے کفار کی ایک جماعت کو دیکھا جس کا سردار بریدہ اسلمی تھا جسے کفار مکہ نے سو اونٹ کے وعدہ پر حضور انور کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔آپ نے پوچھا،تیرا نام کیا ہے؟ بولا بریدہ،تو صدیق اکبر سے فرمایا:برد امرنا ہمارے کاموں میں ٹھنڈک ہوئی۔پھر پوچھا،تیرا نسب کیا ہے،بولا بنی اسلم!فرمایا انشاءاللہ ہم کو سلامتی ملی۔پھر پوچھا کونسا اسلم؟ بولا بنی سہم والے۔فرمایا(اصبت سهمك)تو نے اپنا حصہ پالیا۔اسی وقت بریدہ مسلمان ہوگئے اور حضور کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا،فوراً ہوا،انہیں حصہ مل گیا۔(اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اُهَاجِرُمِنْ مَكَّةَ اِلٰى اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِيْ اِلٰى اَنَّهَا الْيَمَامَةُ اَوْهَجَرٌ فَاِذَا هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَثْرِبُ وَرَأَيْتُ فِيْ رُؤْيَايَ هٰذِهٖ اَنِّيْ هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَمَا اُصِيْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰى فَعَادَ اَحْسَنَ مَاكَانَ فَاِذَا هُوَمَاجَآءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۰۹) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کررہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں تو میرا خیال ادھر گیا۱؎ وہ زمین یمامہ یا ہجر ہے۲؎ مگر وہ نکلا مدینہ یعنی یثرب۳؎ اور میں نے اپنی اسی خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو اس کا درمیانی حصہ ٹوٹ گیا،یہ وہ تکلیف تھی جو مسلمانوں کو احد کے دن پہنچی۴؎ پھر میں نے اسے دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے زیادہ اچھی ہوگئی تو یہ وہ فتح اور مسلمانوں کا اجتماع ہے جو اللہ تعالٰی نے عطا فرمایا۵؎(مسلم وبخاری)

(۴۴۰۹) ۱؎ وھل واؤ اور ہ کے فتحہ سے بمعنی گھبراہٹ اور فوراً دل میں آنے والا خیال (مرقات) ۲؎ یمامہ ایک لونڈی کا نام تھا جس کی آنکھیں نیلی اور نگاہ بہت تیز تھی، بورنو شہر اور علاقہ اس کی طرف منسوب ہے۔ یمامہ سارے حجاز میں زیادہ ہرا بھرا اور کھجوروں والی بستی ہے۔ مکہ معظمہ سے جانب مشرق ہے، بصرہ و کوفہ سے سولہ منزل پر ہے۔ مسیلمہ کذاب یہاں ہی کا باشندہ تھا۔ ہجر بحرین کے علاقہ میں ایک شہر ہے جہاں کے گھڑے اور مٹکے بہت مشہور تھے۔ ۳؎ یعنی اس خواب کے کچھ دیر بعد علامات سے معلوم ہوا کہ ہماری جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے جسے لوگ یثرب کہتے ہیں۔ حضور کی یہ تعبیر ہجرت سے کہیں پہلے ہوچکی تھی، خواب دیکھنے کے کچھ بعد جو فاذا کی ف سے معلوم ہورہا ہے، دیکھو اشعۃ۔ خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے قریباً اسی نام ہیں، جن میں سے بہت سے نام شیخ عبدالحق نے اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان فرمائے۔ مدینہ، طیبہ، طابہ، بطحٰی، ابطح وغیرہ اسے یثرب کہنا منع ہے۔ طریقہ منافقین ہے۔ قرآن کریم فرمارہا ہے کہ منافقین کہتے ہیں: **یا اھل یثرب لامقام لکم** امام احمد نے بروایت براء ابن عازب مرفوعاً نقل فرمایا کہ جو اسے یثرب کہے، وہ توبہ کرے (مرقات) بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو ایک بار مدینہ کو یثرب کہے، وہ کفارہ کے لیے دس بار مدینہ کہے۔ (اشعۃ) یثرب نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا جس نے یہ شہر آباد کیا (اشعہ) واللہ اعلم) روح البیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے زمانہ سلیمانی میں تبع نے آباد کیا۔ نیز یثرب بنا ہے ثرب سے بمعنی ہلاکت یا مصیبت، یثرب بمعنی مصیبت و آفات کی جگہ، چونکہ پہلے یہ جگہ بڑی بیماریوں والی تھی، اس لیے یثرب کہلاتی تھی، حضور کی برکت سے طیبہ یعنی صاف کی ہوئی زمین ہوگئی۔ اب وہ جگہ بجائے دار الوباء کے دار الشفاء بن گئی۔ ۴؎ یعنی تلوار کا ٹوٹنا مسلمانوں کی وہ پریشانی تھی جو انہیں احد میں پہنچی۔ معلوم ہوا کہ غازی مسلمان حضور کی تلوار ہیں اور حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ ۵؎ اس فتح سے مراد یا تو خود احد کے دن کی فتح ہے کہ اولاً مسلمانوں کے قدم اکھڑے اور ستر حضرات شہید ہوگئے۔ پھر حضور کے قدموں میں جمع ہوگئے اور بخیر و خوبی مدینہ منورہ پہنچے، نہ ان کا مال لٹا، نہ کوئی مسلمان قیدی ہوا۔ کفار مکہ کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ وہ تو مدینہ منورہ کو برباد کرنے آئے تھے، ناکام گئے یا مراد بعد کی فتوحات ہیں جیسے فتح مکہ، فتح حنین، فتح خیبر وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِیْ کَفِّیْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَکَبُرَا عَلَیَّ فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَاَوَّلْتُهُمَا الْکَذَّابَیْنِ الَّذِیْنِ اَنَا بَیْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْیَمَامَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ یُقَالُ اَحَدُهُمَا مُسَیْلَمَةُ صَاحِبُ الْیَمَامَةِ وَالْعَنَسِیُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَذَکَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِیِّ

(۴۴۱۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم سورہے تھے تو ہمارے پاس زمین کے خزانے لائے گئے ۱؎ تو پھر ہمارے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، وہ ہم پر بھاری پڑے تو ہم کو وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مار دو، ہم نے پھونکا تو وہ دونوں جاتے رہے ۲؎ ہم نے ان کی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جن کے درمیان ہم ہیں صنعا والا اور یمامہ والا ۳؎ (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک مسیلمہ ہے یمامہ والا اور عنسی ہے صنعا والا، میں نے یہ روایت مسلم بخاری میں نہ پائی، اسے صاحب جامع نے ترمذی سے ذکر کیا۔ ۴؎

(۴۴۱۰) ۱؎ اور ہم کو عطا فرمائے گئے یا تو خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں یا خود خزانے کہ حضور انور ان کے مالک بنادیئے گئے۔ (مرقات) خزانوں میں، زمین اور اس کے تمام ملک اور اس کی تمام چیزیں، بحری ہوں یا بری سب مراد ہیں۔ حضور سب چیزوں کے مالک کر

دیئے گئے۔اب جو جس کو ملے گا یا ملتا ہے،حضور کی عطا سے ملتا ہے۔شعر:۔

لا وربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

۲؎ کیونکہ وہ کنگن مجھے ناپسند تھے،بھاری پڑنے سے مراد ناپسندیدگی ہے(مرقات)۳؎ پھونک سے اڑا دینے میں اشارہ اس جانب ہے کہ وہ دونوں دشمن آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے،آسانی سے دفع ہوجائیں گے۔اس حدیث کی بنا پر بعض معبرین کہتے ہیں کہ اگر مرد خواب میں اپنے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا کہ سونے کے کنگن مرد کے لیے حرام ہیں،نیز وہ ہتھکڑی کے مشابہ ہیں،خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنگن اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے دیکھے تھے۔۴؎ یعنی دو جھوٹے مدعی نبوت جو حضور کے زمانہ میں ہی پیدا ہوئے،اور دعویٰ نبوت کر چکے تھے،ایک اسود عنسی جو یمن کے شہر صنعا میں رہتا تھا جسے حضور کے مرض وفات میں ہی فیروز دیلمی نے قتل کیا اور حضور کو خبر دی،حضور نے فیروز کو دعا دی۔دوسرا مسیلمہ کذاب جو حجاز کے ایک شہر یمامہ میں رہتا تھا۔جسے خلافت صدیقی میں حضرت وحشی ابن حرب نے قتل کیا۔اس کا واقعہ بہت مشہور ہے۔یہ دونوں بڑے مردود تھے جیسے آج کل مرزا قادیانی۔اس خواب اور اس تعبیر سے چند مسئلہ معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ مسیلمہ اور عنسی کی نبوتیں دنیا طلبی کے لیے تھیں کہ حضور نے انہیں سونے کے کنگنوں کی شکل میں دیکھا۔دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر بوجھ تھا کہ وہ گمراہ گر تھے۔تیسرے یہ کہ وہ اور ان کے ایجاد کردہ دین عنقریب فنا ہونے والے تھے۔چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت برحق ہے اور آپ کے فتوحات حضور کے کرم سے ہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں مارا گیا،آپ نے اس پر جہاد کیا جسے حضور انور نے اپنی پھونک سے اڑتا دیکھا،صدیق اکبر کا جہاد حضور کی پھونک تھی۔۵؎ اس کا منشا یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے یہ حدیث فصل اول میں بیان کی،حالانکہ یہ صحیحین کی ہیں،اسے دوسری فصل میں لانا چاہیے تھا۔

وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَأَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مُظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يُجْزٰى لَهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۴۱۱) روایت ہے ام العلاء انصاریہ سے۱؎ فرماتی ہیں،میں نے عثمان ابن مظعون کا چشمہ خواب میں دیکھا تھا بہتا ہوا۲؎ میں نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تو فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے جو اس کے لیے جاری ہے۳؎(بخاری)

(۴۴۱۱) ۱؎ آپ کا نام زینب ہے،زید ابن ثابت کی زوجہ ہیں،خارجہ ابن زید کی والدہ عثمان ابن مظعون آپ کے ہاں دائمی مہمان تھے،آپ کے حصے میں آئے تھے۔حضور نے مہاجرین کو انصار میں تقسیم فرمادیا تھا تو حضرت عثمان ابن مظعون جناب ام العلاء کے پاس رہے۔۲؎ یہ مضمون بڑی حدیث کا حصہ ہے۔عثمان ابن مظعون کعب ابن لوی کی اولاد میں سے ہیں،قریش میں تیرھویں مسلمان ہیں۔صاحب ہجرتین ہیں،حضور کی ہجرت کے اڑھائی سال بعد مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔حضور نے آپ کی پیشانی چومی،آپ مدینہ میں پہلے مہاجر ہیں جن کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ان کے متعلق ام العلاء نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پاس شفاف پانی کا چشمہ رواں ہے۔۳؎ یعنی حضرت عثمان مرابط مجاہد تھے اور مجاہد کو تا روز قیامت ثواب ملتا ہے،اس کا عمل صدقہ جاریہ ہوتا ہے۔اسے ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے،یہ پانی کا چشمہ ان کا دائمی ثواب ہے۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۴۱۲) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے۱؎ فرماتے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ مَنْ رَاٰى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا قَالَ فَاِنْ رَاٰى اَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَاشَآءَ اللّٰهُ فَسَاَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ هَلْ رَاٰى مِنْكُمْ اَحَدٌ رُؤْيَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰكِنِّىْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِىْ فَاَخَذَا بِيَدِىْ فَاَخْرَجَانِىْ اِلٰى اَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ فَاِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَّرَجُلٌ قَائِمٌ بِيَدِهٖ كَلُّوْبٌ مِّنْ حَدِيْدٍ يُّدْخِلُهٗ فِىْ شِدْقِهٖ فَيَشُقُّهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْاٰخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذَا فَيَعُوْدُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهٗ قُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُّضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَاْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْصَخْرَةٍ يَشْدَخُ بِهٖ رَاْسَهٗ فَاِذَا ضَرَبَهٗ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ لِيَاْخُذَهٗ فَلَا يَرْجِعُ اِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَاْسُهٗ وَعَادَ رَاْسُهٗ كَمَا كَانَ فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلٰى ثَقْبٍ مِّثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَّاَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ ارْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَفِيْهَا رِجَالٌ وَّنِسَآءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسَطِ النَّهْرِ وَعَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِىْ فِى النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِىْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَآءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِىْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَآءَ فِيْهَا شَجَرَةٌ عَظِيْمَةٌ وَّفِىْ اَصْلِهَا شَيْخٌ وَّصِبْيَانٌ وَّاِذَا رَجُلٌ مِّنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے چہرہ انور سے ہم پر متوجہ ہوتے، فرماتے تم میں آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے[۲] فرماتے ہیں اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو اسے بیان کرتا، آپ وہ فرماتے جو رب چاہتا۔ چنانچہ ہم سے پوچھا، فرمایا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں[۳] فرمایا لیکن میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پکڑے، پھر مجھے مقدس زمین کی طرف لے گئے[۴] تو ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے۔ جسے اس کے جبڑے میں داخل کرتا ہے تو اسے چیر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کی گدی تک پہنچا دیتا[۵] پھر اس کے دوسرے جبڑے سے اسی طرح کرتا اور اس کا وہ جبڑا ابھر جاتا۔ پھر لوٹتا تو اسی طرح کرتا ہے[۶] میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا چلیے[۷] چنانچہ ہم چل دیئے حتیٰ کہ ایک شخص پر پہنچے جو اپنی پیٹھ پر لیٹا ہے، اور ایک شخص اس کے سر پر پتھر یا چٹان لیے کھڑا ہے[۸] جس سے اس کا سر کچل رہا ہے، جب اسے مارتا ہے تو پتھر لڑھک جاتا ہے، وہ اسے لینے چلا جاتا ہے[۹] تو وہ اس وقت تک لوٹ کر نہیں آتا حتیٰ کہ اس کا سر بھر جاتا ہے اور اس کا سر جیسا تھا ویسا ہو جاتا ہے[۱۰] تو وہ اس تک لوٹ کر اس تک آتا ہے اور اسے مارتا ہے۔[۱۱] میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ وہ بولے، چلیے تو ہم چلے، حتیٰ کہ ہم ایک سوراخ تک پہنچے، جو تنور کی طرح تھا[۱۲] کہ اس کا اوپر تنگ، نیچا فراخ تھا جس کے نیچے آگ تھی، جب آگ بھڑکتی تو وہ لوگ اوپر اچھلتے حتیٰ کہ اس کے نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب بجھتی تو اس میں لوٹ جاتے[۱۳] اس میں ننگے مرد و عورتیں تھیں[۱۴] میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ وہ بولے چلیے ہم چل دیئے حتیٰ کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے، جس میں ایک آدمی درمیان نہر کے کھڑا تھا اور نہر کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہے جس کے سامنے پتھر تھے، جو آدمی نہر میں تھا، وہ آتا جب نکلنا چاہتا تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا، تو اسے وہاں ہی لوٹا دیتا، جہاں تھا[۱۵] پھر یہ کرنے لگا کہ جب بھی یہ نکلنے کے لیے آتا تو اس کے منہ میں پتھر مارتا، وہ

يُوْقِدُهَا فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا وَّسَطَ الشَّجَرَةِ لَمْ اَرَقَطُّ اَحْسَنَ مِنْهَا فِيْهَا رِجَالٌ شُيُوْخٌ وَّشَبَابٌ وَّنِسَآءٌ وَّصِبْيَانٌ ثُمَّ اَخْرَجَانِيْ مِنْهَا فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا هِيَ اَحْسَنُ وَاَفْضَلُ مِنْهَا فِيْهَا شُيُوْخٌ وَّشَبَابٌ فَقُلْتُ لَهُمَا اِنَّكُمَا قَدْطَوَّفْتُمَانِيَ اللَّيْلَةَ فَاَخْبِرَانِيْ عَمَّارَاَيْتُ قَالَا نَعَمْ اَمَّا الرَّجُلُ الَّذِيْ رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكِذْبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهٖ مَاتَرٰى اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِيْ رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ بِمَا فِيْهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهٖ مَارَأَيْتَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِيْ رَأَيْتَهُ فِي النَّقَبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالَّذِيْ رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ اٰكِلُ الرِّبٰوا وَالشَّيْخُ الَّذِيْ رَأَيْتَهُ فِيْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِيْمُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهُ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَالَّذِيْ يُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰى الَّتِيْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَآءِ وَاَنَا جِبْرَئِيْلُ وَهٰذَا مِيْكَائِيْلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ وَاِذَا فَوْقِيْ مِثْلُ السَّحَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّثْلُ فِي الرَّبَابَةِ الْبَيْضَآءِ قَالَا ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَنِيْ اَدْخُلْ مَنْزِلِيْ قَالَا اِنَّهٗ بَقِيَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَاِذَا اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَيْتَ بِمَنْزِلَكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ فِيْ بَابِ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ

جہاں تھا وہاں لوٹ جاتا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ وہ بولے چلئے۱۶ ہم چلے حتیٰ کہ ایک سبز باغ تک پہنچے جس میں ایک بڑا درخت تھا، جس کی جڑ میں ایک بوڑھے صاحب اور کچھ بچے۱۷ تھے، ایک شخص درخت سے قریب تھا۔ جس کے سامنے آگ تھی، جسے وہ روشن کررہا تھا، یہ مجھے درخت تک لے گئے مجھے اس گھر میں داخل کیا جو درخت کے بیچ ہی تھا۱۸ اس سے اچھا مکان میں نے کبھی نہ دیکھا۱۹ اس میں کچھ لوگ بوڑھے اور جوان اور عورتیں و بچے تھے۲۰ پھر وہ مجھے وہاں سے لے گئے، مجھے اس درخت میں جڑ کے پاس ایسے گھر میں داخل کیا جو اس سے بھی اچھا اور بہتر تھا۲۱ اس میں بوڑھے اور جوان تھے۲۲ میں نے ان دونوں سے کہا، تم نے مجھے آج رات بھر پھرایا، مجھے اس کی خبر دو۲۳ جو میں نے دیکھا، وہ بولے ہاں لیکن وہ شخص جسے آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جارہا ہے، یہ وہ جھوٹا ہے جو جھوٹی خبر دیتا ہے، جو اس سے نقل کی جاتی ہے حتیٰ کہ سارے ملک میں پھیل جاتی ہے۔۲۴ جو کچھ آپ نے دیکھا، اس کے ساتھ تاروز قیامت کیا جائے گا اور جو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جارہا ہے، یہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا اور وہ رات میں اس سے غافل سویا اور دن میں اس کے فرمان پر عمل نہ کیا۔ جو کچھ آپ نے دیکھا، اس کے ساتھ یہ قیامت تک کیا جائے گا۲۵ اور جو لوگ آپ نے تنور میں دیکھے، یہ زانی لوگ ہیں۲۶ اور جسے آپ نے نہر میں دیکھا، وہ سودخور ہے۲۷ اور وہ بوڑھے صاحب جنہیں آپ نے درخت کی جڑ میں دیکھا ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے آس پاس والے بچے وہ لوگوں کی اولاد ہے۲۸ اور وہ جو آگ روشن کررہے تھے، وہ مالک ہیں دوزخ کے خزانچی۲۹ اور پہلا گھر جس میں آپ گئے، وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے۳۰ اور یہ گھر شہدا کا گھر ہے۳۱ میں جبرئیل ہوں اور۳۲ یہ میکائیل اپنا سر تو اٹھائیے میں نے اپنا سر اٹھایا تو ناگاہ میرے سر پر بادل جیسا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ سفید تہ بہ تہ بادل جیسا ۳۳ وہ دونوں بولے، یہ آپ کا گھر ہے۳۴ میں نے کہا، مجھے چھوڑو، اپنے گھر میں

جاؤں، وہ بولے کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں
کی۔ اگر آپ وہ پوری کر لیتے تو اپنے گھر چلے جاتے۔۲۵ (بخاری)
اور عبداللہ ابن عمر کی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب مدینہ منورہ
کے بارے میں باب حرم مدینہ میں ذکر کی گئی۔

(۴۴۱۲) ۱؎ آپ کا ذکر بارہا ہو چکا ہے کہ آپ عظیم الشان صحابی ہیں، بڑے محدث ہیں، بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ۵۹ ہجری میں یا ۶۰ ہجری میں ۲؎ معلوم ہوا کہ لوگوں سے خواب پوچھنا، اس کی تعبیر دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، بشرطیکہ تعبیر خواب کا علم ہو۔ ۳؎ یا تو صراحۃً نہیں کہا یا تمام حضرات خاموش رہے، یہ خاموشی نفی کی علامت تھی (مرقات) پہلا احتمال زیادہ قوی ہے ۴؎ یہ حضور کی معراج منامی یعنی خواب کی معراج ہے، زمین مقدس سے مراد فلسطین کی زمین ہے، جہاں بیت المقدس واقع ہوا ہے۔ چونکہ اس زمین میں حضرات انبیاء کے مزارات بہت ہیں، اس لیے اسے قدس کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بیت المقدس سے تیس میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے خلیل الرحمٰن، وہاں ہے غار انبیاء، اس غار میں ستر ہزار نبیوں کے مزارات ہیں، میں نے وہاں کی زیارت کی ہے، درمیان میں بیت اللحم آتا ہے، جائے پیدائش عیسیٰ علیہ السلام یا زمین مقدس سے کوئی اور پاک زمین مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ ۵؎ یہ کھڑا ہوا شخص فرشتہ عذاب تھا اور بیٹھا ہوا شخص مجرم انسان، یہ عذاب برزخی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دکھایا گیا۔ ۶؎ یعنی دو طرفہ جبڑے چیرنے کا کام مسلسل کر رہا تھا، داہنا جبڑا چیرتا تو اتنی دیر میں بایاں جبڑا ابھر کر چیرنے کے قابل ہو جاتا اور جب بایاں جبڑا چیرتا تو داہنا جبڑا ابھر کر چیرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ۷؎ یعنی آگے چلئے ابھی آپ نے اور بھی عجائبات دیکھنے ہیں، سب کی تفصیل آخر میں ایک ساتھ عرض کر دی جائے گی۔ ۸؎ فہر یا تو چھوٹی پتھریاں، مٹھی بھر کر یا مطلقاً پتھر۔ صخرہ بڑا پتھر بمعنی چٹان، شک راوی کو ہے کہ حضور انور نے فہر فرمایا یا صخرہ۔ ۹؎ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں صخرہ فرمایا ہوگا یعنی چٹان کیونکہ یہ صفات چٹان کی ہیں، لڑھکنا پھر اسے اٹھانے جانا۔ پتھریوں کے لیے بکھر جانا، انہیں جمع کرنا (بیننا) کہا جاتا ہے۔ ۱۰؎ یعنی اس شخص کے پتھر لینے جانے کے دوران اس شخص کا کچلا ہوا سر پہلے کی طرح بالکل درست اور کچلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ۱۱؎ مگر اسے بار بار مارنے، سر کچلنے سے وہ شخص مرتا نہیں ورنہ عذاب کا دوام کیسے ہو۔ ۱۲؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے ثقب کے ثقب نون سے ہے۔ نقب ش سے ہر آر پار سوراخ کو کہتے ہیں، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا مگر نقب نون سے بڑے سوراخ کو ہی کہا جاتا ہے۔ ثقب ث سے زیادہ مشہور ہے۔ ۱۳؎ مگر اس کے باوجود ان کی جان نہیں نکلتی ہے تاکہ آگ کا یہ عذاب ان پر قائم رہے۔ ۱۴؎ یعنی پہلے دیکھے ہوئے دو عذاب شخصی تھے، یہ تیسرا عذاب قومی تھا جس میں مرد و عورتیں سب ایک ساتھ ہی گرفتار تھے، خدا کی پناہ۔ ۱۵؎ یعنی جو شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے، وہ سخت تنگی، مصیبت و تکلیف میں ہے، وہ وہاں سے نکلنا چاہتا ہے، آج گرمیوں کے موسم میں گرم پانی کے ٹپ میں کھڑا ہونا ہی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے، وہ تو گرم خون میں کھڑا ہونا تھا، اس سے بھاگتا تھا مگر کنارے والا آدمی اسے نکلنے نہ دیتا تھا۔ نہر کے اس پار نکلنے کی راہ نہ تھی، اس لیے وہ اس طرف بھاگ کر آتا اور پتھر کھا کر لوٹ جاتا۔ یہ تو عذاب دکھائے گئے، اب ثواب دکھائے جاتے ہیں۔ ۱۶؎ اور اس کی قدرتیں و رحمتیں بھی دیکھئے۔ ۱۷؎ یہاں جڑ سے مراد عین جڑ نہیں بلکہ درخت کی جڑ سے محض جگہ مراد ہے، درخت کے پھیلاؤ کے نیچے وہاں یہ بزرگ اور بچے ہیں (مرقات) ۱۸؎ درخت کے نیچے مکان ہونے کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالا ہے، اسے دیکھنے والا جانے یا دکھانے والا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ۱۹؎ یعنی اس دنیا میں کبھی ایسا شاندار مکان نہ دیکھا، ورنہ منامی جسمانی خوابوں میں جنت میں مکانات دیکھے تھے یہ بھی جنت کا ہی مکان تھا۔ ۲۰؎ شباب جمع ہے

شابٌ کی بمعنی جوان، مرد ہو یا عورت سب پر بولا جاتا ہے۔ ۲۱؎ یعنی اس گھر کی بناوٹ اور یہاں کی زیب و زینت پہلے گھر سے کہیں زیادہ تھی، حسن سے مراد ہے ذاتی خوبی، فضل سے مراد ہے آرائش و افضلیت۔ ۲۲؎ یہاں عورتوں بچوں کا ذکر نہیں، اس کی وجہ بیان تعبیر سے ہی معلوم ہوگی، اس لیے کہ یہ جگہ کاملین کی ہے اور عورتیں بچے کامل کم ہوتے ہیں۔ اس لیے ۲۳؎ تا کہ خواب کی تعبیر خواب ہی میں ہو جائے سبحان اللہ اس خواب کے بھی قربان جائیے اور اس تعبیر کے بھی فدا۔ ۲۴؎ یعنی جھوٹ کا موجد جھوٹ گھڑنے والا اور لوگوں میں جھوٹ پھیلانے والا جس سے اور لوگ بھی جھوٹ بولیں۔ اس میں دنیاوی جھوٹے بھی داخل ہیں اور دینی جھوٹے بھی۔ جو بے دینی کا موجد جھوٹا دین گھڑ کر لوگوں میں شائع کرے۔ لوگ اس جھوٹ کی تصدیق کریں، وہ بھی اسی زمرے میں ہے۔ مثلاً مرزا نے کہا، میں نبی ہوں، یہ جھوٹ گھڑا۔ پھر اس کے متبعین نے کہا، ہاں واقعی وہ نبی ہے، یہ ہوئی اس جھوٹ کی اشاعت۔ غرضیکہ غلط بات، غلط مسئلہ، غلط عقیدہ ایجاد کرنے والوں کا یہ انجام ہے۔ ۲۵؎ چونکہ عالم بے عمل فاسق بھی ہے، فاسق گر بھی یا گمراہ بھی ہے، گمراہ گر بھی کہ اس کی دیکھا دیکھی بہت لوگ بدعمل یا بدعقیدہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اس کو عذاب بھی بہت ہوا۔ چونکہ رات میں تلاوت قرآن زیادہ ہوتی ہے، دن میں عمل قرآن زیادہ کہ نوے فیصدی اعمال دن میں ہوتے ہیں، اس لیے عمل کو دن کے ساتھ خاص فرمایا اور رات کے متعلق فرمایا کہ سو گیا یعنی رات میں نماز تہجد وغیرہ نہ پڑھی۔ جس میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا، جو سر خدا کے لیے نہ جھکے، وہ کچلنے کے ہی قابل ہے۔ ۲۶؎ چونکہ زانی اور زانیہ غیر کے سامنے ننگے ہوتے تھے اس لیے انہیں دوزخ میں ننگا رکھا گیا تا کہ اپنا یہ شوق پورا کریں، اس سے آج کل کے فیشن پرست لوگ عبرت پکڑیں جو نیم عریاں لباس میں باہر پھرتے ہیں۔ نیز انہوں نے دنیا میں آتش شہوت بے جا بھڑکائی، لہذا وہ بھڑکتی آگ میں جلائے گئے۔ شہوت اپنے محل پر خرچ ہو تو نور ہے اور بے محل خرچ ہو تو نار۔ ۲۷؎ چونکہ دنیا میں سود خور لوگوں کے خون چوستا تھا کہ غریبوں کا مال سود کے ذریعے حرام طریقے سے جمع کر کے امیر بنتا تھا، لہذا اسے خون کی نہر میں کھڑا کیا گیا۔ ۲۸؎ علماء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو بچپن میں فوت ہو جائیں، وہ برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و سارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رہتے ہیں، قیامت میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے باقی تمام جوان ہوں گے، بے ڈاڑھی مونچھ۔ ۲۹؎ مالک نام ہے داروغۂ دوزخ کا۔ ۳۰؎ یعنی جنت کا وہ مقام ہے جہاں عام جنتی مسلمان رہیں گے۔ اس لیے آپ نے وہاں مرد، عورتیں اور بچے دیکھے۔ ۳۱؎ یعنی یہ گھر شہیدوں اور خاص مومنوں کا ہے، اس لیے یہاں عورتیں اور بچے کم ہیں کہ یہ مراتب عموماً مردوں کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ ۳۲؎ تمام فرشتوں میں افضل حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں (مرقات) ۳۳؎ یعنی وہ مکان بہت حسین، خوشنما، بہت اونچا، بہت وسیع کہ جہاں تک بغیر اس کے فضل کے نہ پہنچا جا سکے۔ ۳۴؎ جنت کا گھر جتنا اونچا اتنا ہی اعلیٰ دوزخ کا گھر جس قدر نیچا اتنا ہی بدتر۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں، لہذا آپ کا مقام بھی سب سے اونچا و اعلیٰ ہے۔ اتنا اونچا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں کھڑے ہو کر اسے بادل کی طرح اونچا دیکھا۔ ۳۵؎ شاید حضور انور نے وہاں رہنا چاہا، اس لیے یہ عرض کیا گیا، صرف دیکھنے سے منع نہ کیا گیا۔ یعنی اس گھر میں روحانی طور پر رہنا بعد وفات ہوگا اور جسمانی رہنا بعد قیامت، ابھی نہ تو حضور کی وفات ہوئی ہے، نہ قیامت آئی، لہذا ابھی کسی قسم کا رہنا نہیں ہو سکتا۔ لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ عمر پوری کرنے پر بھی اس کا داخلہ نہیں، وہاں داخلہ تو بعد قیامت ہوگا۔ اس پوری حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھی خواب کے بیان کرنے اور تعبیر دینے میں جلدی بہتر ہے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی خواب سویرے ہی بعد نماز فجر بیان بھی کر دی، تعبیر بھی دے دی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَّالَمْ یُحَدِّثْ بِهَا فَاِذَا اَحَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَا تُحَدِّثْ اِلَّا حَبِیْبًا اَوْلَبِیْبًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ الرُّؤْیَا عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَّالَمْ تُعَبَّرْ فَاِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ وَلَا تَقُصَّهَا اِلَّا عَلٰی وَآدٍّ اَوْذِیْ رَاْیٍ

(۴۴۱۳) روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے ۱؎ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتی ہے۔ جب تک اس کی خبر نہ دی جائے، جب وہ بیان کردی جائے تو واقع ہو جاتی ہے ۲؎ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ خواب نہ بیان کرو مگر دوست سے یا عاقل سے ۳؎ (ترمذی) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے فرمایا کہ پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب تک تعبیر نہ دی جائے، جب تعبیر دے دی جائے تو واقع ہو کر رہتی ہے، غالبًا انہوں نے فرمایا کہ خواب نہ بیان کرو مگر محبت والے پر یا عقل والے پر ۴؎

(۴۴۱۳) ۱؎ آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے، اہل طائف سے ہیں، مشہور صحابی ہیں ۲؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے، یہاں اتنا سمجھ لو کہ خواب تعبیر سے پہلے اڑتی ہوئی چڑیا ہے جو ظاہر نہیں ہوئی مگر تعبیر ہو جانے کی صورت میں ضرور واقع ہوتی ہے اور تعبیروں میں پہلی تعبیر کا اعتبار ہے، بعد کی تعبیر دی ہوئی کا اعتبار نہیں ۳؎ یعنی پہلی بار تعبیر لینے کے لیے اپنی خواب یا اپنے پیارے سے بیان کرو یا بہت سمجھدار سے جسے خواب کی تعبیر کا علم ہو، پیارا اگر تعبیر نہ جانتا ہوگا تو تعبیر دے گا ہی نہیں، عالم تعبیر دے گا مگر درست۔ بے علم بے وقوف سے خواب نہ کہو کہ وہ غلط تعبیر دے کر تمہاری خواب بگاڑ دے گا۔

حکایت:۔ ایک عورت کا خاوند تلاش روزگار میں باہر گیا ہوا تھا۔ عورت نے خواب میں دیکھا کہ میرے خاوند کے منہ سے کوے نکل کر اڑ رہے ہیں۔ اس نے اپنی پڑوسن سے بیان کیا۔ وہ بولی کہ کوے تو مردے کے منہ سے اڑتے ہیں، تیرا خاوند مر گیا ہوگا۔ پھر وہ عالم کے پاس گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ تیرا خاوند توپ خانہ کا مالک کردیا گیا ہے، کچھ روز بعد اس کی موت کی خبر آگئی۔ تو وہ پھر اس عالم کے پاس گئی اور ماجرا بیان کیا۔ عالم نے فرمایا کہ خواب کی پہلی تعبیر ہی ہوتی ہے، تو نے اس نادان عورت سے اپنی خواب کہہ کر تعبیر خراب کر لی۔ ۴؎ کیونکہ خواب بظاہر کبھی بری ہوتی ہے لیکن درحقیقت اچھی، کبھی برعکس۔ اس لیے خواب اہل علم اور فن تعبیر جاننے والے سے کہو، جو حقیقت تک پہنچ سکیں۔ دشمن اپنی عداوت سے، بے وقوف اپنی حماقت سے اچھی خواب کو بری کردے گا، بری تعبیر دے کر بلکہ بری خواب کی تعبیر ہی نہ دے، کچھ صدقہ دلوادے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَّرَقَةَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِیْجَةُ اِنَّهٗ کَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰکِنْ مَّاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُرِیْتُهٗ فِی الْمَنَامِ وَعَلَیْهِ ثِیَابٌ

(۴۴۱۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ حضور سے جناب خدیجہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی ۲؎ لیکن اظہار سے پہلے وفات پاگئے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے

بِیۡضٌ وَّلَوۡ کَانَ مِنۡ اَھۡلِ النَّارِ لَکَانَ عَلَیۡہِ لِبَاسٌ غَیۡرَ ذٰلِكَ (رَوَاہُ اَحۡمَدُ وَالتِّرۡمِذِیُّ)

خواب میں وہ دکھائے گئے۔ان پر سفید کپڑے تھے اور اگر وہ آگ والوں سے ہوتے تو ان پر اس کے علاوہ لباس ہوتا ۴؎ (احمد،ترمذی)

(۴۴۱۴) ۱؎ کہ ورقہ مسلمان ہیں یا نہیں، یہ ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبدالعزی ابن قصی ابن کلاب ہیں،قرشی ہیں،حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ہیں،اسلام سے پہلے فوت ہوئے،وہ عیسائی بن گئے تھے۔حضور کا ابتدائی زمانہ نبوت پایا۔آپ کی تصدیق کی،اس لیے بعض نے انہیں صحابی مانا ہے (مرقات) انجیل کا عربی ترجمہ آپ نے ہی کیا تھا۔کبھی بت پرستی نہ کی،آخر میں نابینا ہوگئے تھے۔پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے جانا اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی بشارت دینا اور تمنا کرنا کہ کاش میں کچھ زندہ رہتا تو آپ کی اس وقت مدد کرتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی وغیرہ وغیرہ۔بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔۲؎ اور عرض کیا تھا کہ آپ پر جو فرشتہ آج اترا ہے،یہ وہ ہی فرشتہ ہے جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر اترتا تھا۔یہ عرض معروض تصدیق کی علامت ہے،فرمایا جائے کہ وہ اس تصدیق سے مومن ہوئے یا نہیں۔۳؎ یعنی ورقہ بن نوفل اس سے پہلے ہی وفات پاگئے کہ آپ لوگوں پر اپنی نبوت ظاہر فرمادیں اور ان کو دعوت اسلام دیں۔۴؎ یعنی ورقہ کے متعلق ہم پر وحی جلی تو نہ آئی،مگر وحی خفی یعنی خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو سفید لباس میں دیکھنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے اور یہ کہ حضرت ورقہ مومن ہیں،مغفور ہیں بلکہ بعض کے نزدیک صحابی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت نبوت پالیا اور حضور کی تصدیق کردی۔اگرچہ اعلان نبوت تبلیغ اسلام کا زمانہ نہ پایا ان کے نزدیک یہ چیز صحابیت کے لیے کافی ہے۔

وَعَنِ ابۡنُ خُزَیۡمَةَ بۡنِ ثَابِتٍ عَنۡ عَمِّہٖ اَبِیۡ خُزَیۡمَةَ اَنَّہٗ رَاٰی فِیۡمَا یَرَی النَّائِمُ اَنَّہٗ سَجَدَ عَلٰی جَبۡھَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَاَخۡبَرَہٗ فَاضۡطَجَعَ لَہٗ وَقَالَ صَدِّقۡ رُؤۡیَاكَ فَسَجَدَ عَلٰی جَبۡھَتِہٖ (رَوَاہُ فِیۡ شَرۡحِ السُّنَّةِ وَسَنَذۡکُرُ حَدِیۡثَ اَبِیۡ بَکۡرَةَ کَاَنَّ مِیۡزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ فِیۡ بَابِ مَنَاقِبِ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا)

(۴۴۱۵) روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ وہ اپنے چچا ابوخزیمہ سے راوی ۲؎ کہ انہوں نے خود کو اس حالت میں دیکھا جس کو سونے والا دیکھتا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آگے لیٹ گئے اور فرمایا،اپنی خواب سچی کرلو۔چنانچہ انہوں نے حضور کی پیشانی پر سجدہ کیا۔۳؎ (شرح السنۃ) اور ہم ابوبکرہ کی حدیث گویا آسمان سے ترازو اتری الخ مناقب ابوبکر و عمر میں بیان کریں گے۔۴؎

(۴۴۱۵) ۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوعمارہ انصاری ہے۔بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔جب عمار ابن یاسر شہید ہوگئے تو آپ نے تلوار سونت لی اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔بہت بڑے عابد زاہد صحابی ہیں (اشعہ ومرقات) ۲؎ ابوخزیمہ مشہور صحابی ہیں،آپ کو ذوالشہادتین کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی۔۳؎ اس طرح کہ حضور انور کی پیشانی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا۔یہ سجدہ رب تعالٰی کو تھا۔سجدہ عبادت تھا۔حضور کو نہ تھا بلکہ حضور کی پیشانی پر آج حضور انور کی پیشانی آپ کا مصلی تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر خواب میں خود کو کوئی عبادت کرتے دیکھے تو بیدار ہو کر کرے۔بعض بے دین فی زمانہ پیروں ولیوں کو سجدہ کرنا جائز کہتے ہیں اور اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں۔وہ نرے جاہل ہیں،مصلے پر سجدہ کرنا مصلی کو سجدہ نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ کسی بندے کو سجدہ عبادت کرنا شرک ہے۔سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے۔حضرت آدم کو فرشتوں کا سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا کہ فرشتے احکام شرعیہ کے

مکلف نہیں۔ نیز وہ سجدہ صرف ایک بار ہوا۔ کسی نے کبھی حضرت آدم کو پھر سجدہ نہ کیا۔ یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا۔ خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا جیسے ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ کہ دین ابراہیمی میں ذبح اولاد حکم شرعی نہ تھا۔ اسی لیے وہ سجدہ بھی صرف ایک بار ہوا۔ اگر سجدہ یوسفی سے دلیل لی جائے تو چاہیے کہ یہ پیر اپنے مریدوں کو سجدہ کریں کیونکہ یعقوب جو والد ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا، سجدہ تعظیمی کی بحث ہماری تفسیر نور العرفان میں ملاحظہ کرو۔ سجدہ تعظیمی کی حرمت پر بہت احادیث وارد ہیں۔ اس کے جواز کی کوئی حدیث نہیں۔ محض ان جاہلوں کا قیاس ہے۔ ۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی۔ ہم نے وہاں اس باب میں کی کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کی شان کا اظہار، اس لیے وہاں مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَصْحَابِهٖ هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنْ رُّؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاَنَّهٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ اَتَانِى اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِىْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِىَ انْطَلِقْ وَاِنِّىْ انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ فِى الْفَصْلِ الْاَوَّلِ بِطُوْلِهٖ فِيْهِ زِيَادَةٌ لَيْسَتْ فِى الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِىَ قَوْلُهٗ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُّعْتَمَّةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ نَوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ ظَهْرَىِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهٗ طُوْلًا فِى السَّمَآءِ وَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا مَا هٰؤُلَآءِ قَالَ لِىَ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِىَ ارْقَ فِيْهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيْهَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى مَدِيْنَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَّلَبِنِ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ وَّشَطْرٌ مِّنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا اَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمْ اذْهَبُوْا

تیسری فصل

(۴۴۱۶) روایت ہے حضرت سمرہ بن جندب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھی ہے، چنانچہ آپ کی خدمت میں وہ شخص بیان کرتا جسے اللہ چاہتا اور حضور نے ایک صبح فرمایا کہ آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے ۱؎ اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا، چلیے۔ میں ان کے ساتھ گیا اور اس طرح کی حدیث بیان کی جو پہلی فصل میں بہت دراز ذکر ہوئی۔ اس میں کچھ زیادتی بھی ہے جو مذکورہ حدیث میں نہیں ۲؎ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ہم ایک سرسبز باغ پر آئے۔ ۳؎ جس میں ہر قسم کی بہار کی کلیاں تھیں۔ ۴؎ اور ناگاہ باغ کے درمیان ایک دراز قد شخص ہے نہیں قریب تھا میں کہ ان کا سر دیکھوں، آسمان میں درازی کی وجہ سے اور اس شخص کے اردگرد بہت بچے ہیں، جنہیں میں نے کبھی دیکھا ہو۔ ۵؎ میں نے کہا یہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ فرماتے ہیں وہ دونوں بولے، چلو تو ہم چلے، تو ہم ایک بڑے باغ تک پہنچے کہ اس سے بڑا میں نے کبھی نہ دیکھا ۶؎ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اس میں چڑھ جاؤ، فرماتے ہیں کہ پھر ہم اس میں چڑھ گئے۔ تو ایسے شہر تک پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا تھا ۷؎ تو ہم نے دروازہ کھلوایا وہ کھولا گیا، ہم اس میں داخل ہو گئے۔ ۸؎ وہاں ہم کو کچھ لوگ ملے جن کی آدھی شکل تو بہت ہی اچھی تھی جو تم دیکھو اور ان کی آدھی شکل بہت ہی

فَقَعُوْا فِیْ ذٰلِكَ النَّهْرِ قَالَ وَاِذَا نَهْرٌ مُّعْتَرِضٌ يَّجْرِیْ كَاَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِی الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا فِيْهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْءُ عَنْهُمْ فَصَارُوْا فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَّذَكَرَ فِیْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيْلُ الَّذِیْ فِی الرَّوْضَةِ فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَّاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

بری جو تم دیکھو۔۹؎ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے ان سے کہا، جاؤ اس نہر میں کود جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ سامنے ہی نہر بہ رہی تھی جس کا پانی سفید و خالص چٹا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ گئے پھر اس میں کود گئے۔ پھر ہمارے پاس آئے۔ حالانکہ ان سے تمام برائی جاچکی تھی اور وہ نہایت اچھی شکل میں ہو گئے تھے۔۱۰؎ اور اس زیادتی کی تفسیر میں ذکر فرمایا۔۱۱؎ کہ وہ دراز قد شخص جو باغ میں تھے، وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔۱۲؎ اور وہ بچے جو ان کے اردگرد تھے، وہ ہر ایسا بچہ ہے جو اسلام پر مرے۔۱۳؎ راوی کہتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا، یارسول اللہ! مشرکوں کے بچے بھی، تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مشرکوں کے بچے بھی۱۴؎ لیکن وہ قوم جن کا آدھا حصہ اچھا اور آدھا حصہ برا تھا، وہ ایسی قوم ہے جنہوں نے اچھے برے کام ملا کر کئے۔ اللہ تعالٰی نے ان سے درگزر فرمادی۔۱۵؎ (بخاری)

(۴۴۱۶) ۱؎ یہ بھی منامی معراج ہے جو بالتفصیل پہلے گزر چکی، یہ دونوں آنے والے دو فرشتے تھے۔ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جو شکل انسانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔۲؎ یعنی ابھی پہلی فصل میں جو یہ ہی حدیث گزری ہے، اس میں وہ زیادتی نہیں جو اب اس تیسری فصل میں بیان ہو رہی ہے۔۳؎ معتمہ بنا ہے عمۃ سے بمعنی سیاہی یا اندھیرا۔ اسی لیے نماز عشاء کو عمۃ کہا جاتا ہے کہ وہ رات اندھیری ہو جانے پر پڑھی جاتی ہے۔ یہاں عمۃ کے معنی ہیں نہایت اعلٰی درجہ کا سبزہ جو مائل بہ سیاہی ہو۔ قرآن کریم دو جنتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ مدھامتن وہ دونوں باغ سیاہ ہیں یعنی ان کی سبزی مائل بہ سیاہی ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ معتمہ کے معنی ہیں گھنا باغ جس کے نیچے دھوپ نہ پہنچے، زمین پر اندھیرا رہے۔ بعض نے فرمایا، بڑی لمبی گھاس والا باغ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں (مرقات واشعۃ)۴؎ ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں جو سردی اور گرمی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں ہر قسم کے پھول وشگوفے کھلے ہوتے ہیں۔ نور، نون کے فتحہ سے بمعنی شگوفہ وگل یعنی اس باغ میں ہر قسم کی کلیاں تھیں، کسی پھول یا کلی کا انتظار نہ تھا۔۵؎ لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ قط نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ قط نفی واثبات دونوں کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ یہاں اثبات کی تاکید کے لیے ہے یعنی اس شخص کے اردگرد اتنے زیادہ بچے ہیں کہ اتنے بچے کبھی کبھی ہی دیکھے ہوں گے۔۶؎ یعنی یہ باغ اس پہلے باغ سے بھی زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت تھا ورنہ یہ نہ فرمایا جاتا کہ ہم نے ایسا باغ کبھی نہ دیکھا۔۷؎ یعنی اس باغ کے درمیان ایک بڑا شہر تھا، اس شہر کے درمیان مکانات سونے چاندی کی اینٹوں کے تھے۔۸؎ خیال رہے کہ دروازہ کھلوانے والے تو وہ دونوں فرشتے ہی تھے مگر اس شہر میں داخل ہونے والے وہ دونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی حضرات ہیں جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔۹؎ یعنی اس شہر میں لوگوں کے آدھے منہ گورے اور نہایت خوشنما تھے، آدھے منہ کالے اور بدنما، یہ حسن وقبح انتہائی درجہ کا تھا۔۱۰؎ یعنی اس نہر میں غسل کرتے ہی ان کے نصف منہ کی سیاہی ختم ہوگئی۔ سارا چہرہ حسین اور سفید ہوگیا، تو یہ لوگ حسین اور گورے ہو کر ہمارے پاس آئے۔ خوشیاں مناتے ہوئے سبحان اللہ عجیب ہی خواب ہے۔۱۱؎ ذکر، معروف ہے۔ اس کا فاعل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں، یعنی خود حضور انور نے حضرات صحابہ کرام سے تعبیر ارشاد فرمائی۔معلوم ہوا کہ اگر خواب دیکھنے والا خود تعبیر کا علم رکھتا ہو تو خود ہی تعبیر دے دے، کسی سے پوچھنے کی اسے ضرورت نہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر خود بھی تعبیر دے تب بھی کسی کو خواب سنا دے، تعبیر سنا دے تا کہ اس کا ظہور ضرور ہو جائے۔بعض نسخوں میں ذکر مجہول کے صیغے سے ہیں مگر اسے مرقات نے ضعیف فرمایا۔۲؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت دراز قد دیکھنا آپ کے بلندی درجات کی طرف اشارہ ہے جیسے قیامت کے دن موذن لوگ بہت دراز گردن ہوں گے۔یہ درازی قد معاذ اللہ بری معلوم نہ ہوگی۔۳؎ یعنی وہ انسان کے بچے جو لڑکپن میں مرجائیں، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں رہتے ہیں۔۴؎ یعنی کفار و مشرکین کے بہت چھوٹے اور بالکل ناسمجھ بچے جو فوت ہو جائیں، وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں ہی مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ ہوں گے۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام بعد وفات بھی کارسازی کرتے ہیں، دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد وفات ہمارے چھوٹے بچوں کو تربیت و پرورش فرما رہے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سب سے خبردار ہیں، بے خبر نہیں۔بعد وفات اللہ تعالٰی کے مقبول بندے بے خبر نہیں ہو جاتے۔تیسرے یہ کہ کفار اور مشرکین کے چھوٹے بچے فوت شدہ، جنتی ہیں، وہ دوزخی نہیں، جن احادیث میں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر دوزخی ہیں۔اس سے وہ بچے مراد ہیں جو ہوش سنبھال کر اپنی فطرت بدل کر کافر ہو کر مریں، جو شعور سے پہلے مرجائیں، وہ جنتی ہیں، لہذا احادیث میں تعارض نہیں، اسی لیے یہاں مات علی الفطرۃ ارشاد ہوا۔حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا مجوسی یا مشرک بنا دیتے ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (۸۱:۸،۹) معلوم ہوا کہ مشرکین کی زندہ دفن شدہ بچی خود دوزخی نہیں، بلکہ وہ اپنے ماں باپ کے خلاف گواہ ہے اور فرماتا ہے: یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (۵۶:۱۷) ظاہر ہے کہ جنت میں تو بچے پیدا ہوا نہ کریں گے، یہ وہ ہی بچے ہوں گے جو دنیا میں پیدا ہو کر بچپن میں ہی مرگئے اور جنت میں جنتیوں کے خدام بنائے گئے (مرقات) فقیر کی یہ تحقیق خوب یاد رکھی جائے۔۵؎ یعنی وہ گنہگار مسلمان ہیں جو بغیر توبہ مرگئے، حضور کی شفاعت سے بخشے گئے۔وہ نہر شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہر ہے۔رب نے انہیں معافی دے دی۔خیال رہے کہ نزع کی حالت میں بدعقیدگی سے توبہ قبول نہیں مگر بدعملی اور گناہوں سے توبہ قبول ہے جو اس وقت بھی توبہ نہ کرے اور یونہی مرجائے۔اس کا ذکر یہاں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُّرِىَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَيَا (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۴۱۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹوں میں سے بدترین جھوٹ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا۔۱؎ (بخاری)

(۴۴۱۷) ۱؎ یہاں آنکھوں سے مراد خواب کی آنکھیں ہیں جن سے بندہ خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے، یعنی جھوٹی خواب گھڑ کر لوگوں کو سنائے، یہ جھوٹ دوسرے جھوٹوں سے بدتر اس لیے ہے کہ اس میں رب تعالٰی پر اور نبوت کے چھیالیسویں جزء پر جھوٹ باندھنا ہے۔جامع صغیر میں ہے کہ بدترین جھوٹے تین ہیں، ایک وہ جو کہ اپنا نسب بدلے، اپنے غیر کو باپ کی طرف نسبت دے، دوسرا وہ جو جھوٹی خواب گھڑے، تیسرا وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے، یعنی جھوٹی احادیث وضع کرے (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ

(۴۴۱۸) روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچی خوابیں سویرے کی ہوتی ہیں

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) (ترمذی،دارمی)

(۴۴۱۸) ۱یعنی صبح سحری کے وقت کی خوابیں اکثر سچی ہوتی ہیں،کیونکہ اس وقت اکثر دل مطمئن ہوتا ہے،معدہ خالی ہوتا ہے،اس سے بخارات دماغ کی طرف نہیں چڑھتے اور اس وقت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو نماز فجر میں شرکت کرکے دن بھر انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ سبحان اللہ مبارک بندوں کے نزول کا وقت بھی مبارک ہے۔اس وقت کے کام بھی مبارک ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا

کِتَابُ الْاٰدَابِ بَابُ السَّلَامِ اچھی باتوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

آداب جمع ہے، ادب کی لغت میں ادب اس کھانے کو کہتے ہیں جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ اس لیے دسترخوان کو ادبہ کہتے ہیں جس پر لوگ جمع ہوکر کھاتے ہیں۔ اصطلاح میں ادب وہ محنت اور مشقت ہے جو اچھے کام کرنے کے لیے برداشت کی جائے۔ اسی سے ہے تادیب، بزرگوں کے احترام کو بھی ادب کہتے ہیں، بمعنی تعظیم، یہاں ادب سے مراد اچھے کام اور اچھی باتیں (اشعۃ اللمعات) یہاں مرقات نے فرمایا کہ بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت ادب ہے۔ سلام کے لغوی معنی ہیں آفات یا عیوب سے سلامتی۔ اسی سے ہے تسلیم۔ اللہ تعالٰی کا نام ہے سلام۔ بمعنی تمام عیوب سے پاک! اپنے بندوں کو سلامتی وامن دینے والا۔ اسی سے ہے مسلم بمعنی صلح وصفائی یہاں سلام سے مراد سلام کا جواب ہے جو آتے جاتے وقت کہا جاتا ہے یعنی السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب دینا۔ لطیفہ: علماء فرماتے ہیں کہ السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی وامان نازل ہو۔ علیکم سے پہلے نازلۃٌ پوشیدہ ہے اور یہ دعائیہ جملہ ہے مگر صوفیا فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں سلام یعنی اللہ تعالٰی تمہارے اعمال، احوال، افعال، اقوال کا نگران ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ان کے ہاں سلام نام ہے اللہ تعالٰی کا اور علیکم سے پہلے رقیبٌ پوشیدہ ہے بمعنی نگران (اشعۃ اللمعات) وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور انور نے تیمم فرما کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام اللہ کا نام ہے۔ اس لیے بغیر وضو یہ نام نہ لیا جائے۔ وہ حضرات صوفیاء کے معنی کی تائید کرتا ہے۔ **دوسرا لطیفہ**: مسلمان کو سلام کرنا سنت اور سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر ثواب زیادہ ہے سلام کرنے کا یعنی اس سنت کا ثواب اس فرض سے زیادہ ہے جیسے وقت پر قرض ادا کرنا فرض ہے اور وقت سے پہلے ادا کرنا سنت۔ ثواب اس کا زیادہ ہے کہ وعدے سے پہلے ادا کرے یا جیسے محتاج مقروض کو ڈھیل دینا مہلت دینا فرض ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (۲:۲۸۰) تو اسے مہلت دو آسانی تک (کنزالایمان) معاف کردینا سنت ہے مگر معاف کردینے کا ثواب زیادہ ہے۔ بہرحال بعض سنتوں کا ثواب بعض فرضوں سے زیادہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ

(۴۴۱۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا[1] جن کے قد کی لمبائی ساٹھ گز تھی[2] تو جب انہیں پیدا کیا تو فرمایا، جاؤ ان لوگوں پر سلام کرو، وہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی، بیٹھی ہوئی[3] تو غور سے سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں، پھر وہ ہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے[4] چنانچہ آپ گئے تو کہا السلام علیکم[5] ان سب نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ، فرمایا تو انہوں نے ورحمۃ اللہ بڑھا دیا[6] تو جو بھی جنت میں جائے گا، حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا[7] اور اس

يَزِلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّى الْاٰنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کا قد ساٹھ گز ہوگا، پھر جناب آدم کے بعد مخلوق گھٹتی رہی، حتیٰ کہ اب تک ۸؎ (مسلم بخاری)

(۴۴۱۹) ۱؎ اس جملہ کی چار شرحیں ہیں صورت بمعنی ہیئت وشکل ہے یا بمعنی صفت اور ضمیر کا مرجع یا آدم علیہ السلام ہیں یا اللہ تعالیٰ، لہذا اس جملہ کے چار معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی شکل و ہیئت پر پیدا فرمایا کہ جس شکل میں انہیں رہنا تھا، انہیں اول ہی سے وہ شکل دی، دوسروں کی طرح نہ کیا کہ پہلے بچہ پھر جوان پھر بڈھا وغیرہ یا اللہ نے حضرت آدم کو ان کی صفت پر پیدا کیا کہ وہ اول ہی سے عالم، عاقل، عارف، سمیع وبصیر وغیرہ تھے، دوسروں کی طرح نہیں کہ وہ جاہل پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بعد میں ہوش، علم، عقل وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔ یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا، خود فرماتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵،۴) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا (کنزالایمان) اس لیے کوئی شخص دوزخ میں شکل انسانی سے نہ جائے گا کہ یہ شکل خدا کو پیاری ہے۔ یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا کہ انہیں اپنا علم، اپنا تصرف اپنی سمع اپنی قدرت وغیرہ بخشی (ازشعہ، مرقات) ۲؎ گز سے مراد شرعی گز ہے یعنی ایک ہاتھ (ڈیڑھ فٹ) یعنی آپ ساٹھ ہاتھ کے ہی پیدا ہوئے۔ دوسرے انسانوں کی طرح نہیں کہ پہلے بہت چھوٹے پیدا ہوتے ہیں، پھر بڑھتے رہتے ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش ماں باپ سے نہیں تھی، لہذا چھوٹا پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ۳؎ جلوس یا تو مصدر ہے تو اس سے پہلے ذو پوشیدہ ہے یا جمع ہے جالس کی جیسے قاعدہ کی جمع ہے قعود اور راکع وساجد کی جمع ہے رکوع وسجود یعنی وہ جماعت ملائکہ جو بیٹھی ہوئی ہے، انہیں سلام کرو، اعلیٰ سے ادنیٰ کو سلام کرایا۔ مسجود سے ساجدین کو تحیۃ کرائی۔ غالبًا یہ واقعہ سجدہ آدم کے بعد کا ہے۔ ۴؎ اس ارشاد فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام جواب کا علم نہ تھا بلکہ اسے سنت ملائکہ قرار دینے کے لیے کہا تاکہ اولاد آدم کو یہ معلوم ہوجائے کہ سلام کرنا، سنت آدم علیہ السلام ہے اور اعلیٰ جواب دینا سنت ملائکہ رب تعالیٰ انہیں تمام چیزوں کا علم پہلے ہی دے چکا تھا۔ ۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کے الفاظ سے سلام کرنے کا طریقہ پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اس لیے رب تعالیٰ نے آپ کو سلام کے الفاظ نہ بتائے، سب کچھ پہلے ہی بتادیا، سمجھا دیا گیا ہے۔ ۶؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جواب سلام میں السلام علیکم کہنا بھی جائز۔ اگرچہ وعلیکم السلام کہنا افضل ہے۔ دوسرے یہ کہ جواب میں کچھ زیادہ الفاظ کہنا بہتر ہے۔ جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ ۷؎ یعنی جنت میں صرف انسان ہی جائیں گے۔ جانور یا جنات نہ جائیں گے اور تمام جنتی انسان آدم علیہ السلام کی طرح حسین وجمیل تندرست ہوں گے۔ کوئی بدشکل یا بیمار نہ ہوگا اور سب کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا۔ کوئی اس سے کم یا زیادہ نہ ہوگا۔ دنیا میں خواہ پست قد تھا یا دراز قد بچہ تھا یا بوڑھا۔ دوزخی کفار بہت موٹے ہوں گے کہ ان کی ایک ایک ڈاڑھ پہاڑ کی برابر ہوں گی۔ (اشعہ) ۸؎ یعنی ان کی اولاد برابر قد وقامت میں گھٹتی رہی حتیٰ کہ اب ساڑھے تین فٹ کے لگ بھگ رہ گئی مگر یہ کمی صرف دنیا میں ہے۔ آخرت میں جنت میں پوری کردی جائے گی۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۲۰) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہ کون سا اسلام اچھا ہے ۱؎ فرمایا، کھانا کھلاؤ اور سلام کروا سے جسے پہچانو، یا نہ پہچانو ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۴۲۰) ۱؎ یعنی اسلامی کاموں میں کون سا کام اچھا ہے۔ ۲؎ یعنی سلام صرف اسلامی رشتہ سے ہو، کاروباری دنیاوی تعلقات سے نہ ہو۔

خیال رہے کہ حضور کے جوابات سائل کے حال کے مطابق ہوتے تھے۔اسی لیے اس سوال کے جواب مختلف دیئے۔کسی سے فرمایا کہ بہترین عمل نماز ہے۔کسی سے فرمایا جہاد ہے،یہاں فرمایا بہترین عمل کھانا کھلانا،سب کوسلام کرنا یعنی تیرے لیے یہ دو کام بہترین۔خیال رہے کہ تقریری سلام کرنا سلام کہلوانا سلام لکھنا لکھوانا سلام کہلا کر بھیجنا سب کوشامل ہے۔من عرفت کا تعلق صرف سلام سے ہے،کھانا کھلانے سے نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ اِذَا مَاتَ وَيُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ (بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ)

(۴۴۲۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کے مومن پر چھ حق ہیں۱جب وہ بیمار ہوتو مزاج پرسی کرے۲اور جب مرجائے تو جنازہ پر حاضر ہو۳جب دعوت دے تو قبول کرے،جب اس سے ملے تو اسے سلام کرے اور جب چھینکے۴تو جواب دے اور اس کی خیر خواہی کرے،جب وہ غائب ہو یا حاضر۵یہ روایت میں نے نہ تو مسلم بخاری میں پائی،نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع والے نے بروایت نسائی روایت فرمایا۶

(۴۴۲۱) ۱یہ حقوق اگرچہ واجب یا فرض یا سنت نہیں مگر حق اسلام ہیں،اس لیے ارشاد علیٰ ہوا۔۲عیادت بنا ہے عود سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا چونکہ بیمار کی مزاج پرسی بار بار کی جاتی ہے،اسے عیادت کہتے ہیں۔۳تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھو،اسے دفن کرو۔بعض شارحین نے مات کے معنی کیے جب وہ مرنے لگے یعنی اس کے نزع کے وقت وہاں موجود ہومگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں(مرقات)آج کل امیروں کے جنازوں پر بڑا ہجوم ہوتا،غریب کی میت کو کوئی پوچھتا نہیں۔ربّ توفیق خیر دے۔۴دعوت سے مراد کھانے کی دعوت،اس کا قبول کرنا سنت ہے۔بشرطیکہ دعوت ناجائز نہ ہو۔جیسے میت کے تیجے چالیسویں کی رسمی برادری کی دعوتیں کہ ان کا کھانا کھلانا دونوں ممنوع ہیں۔چھینک کا جواب جب دیا جائے جبکہ وہ چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والا کہے یرحمک اللہ۔پھر چھینکنے والا کہے،يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ وَتَشْمِيْتُ کے لغوی معنی ہیں شماتت دور کرنا۔۵پس پشت خیر خواہی کرنا کمال ہے روبرو خیر خواہی کی باتیں کر دینا آسان ہے بلکہ بسا اوقات خوشامد ہوتی ہے۔۶کتاب حمیدی میں صرف بخاری مسلم کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور جامع اصول میں صحاح ستہ کی روایات جمع کی گئیں۔اس عبارت کا مقصود صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ وہ پہلی فصل میں ایسی حدیث لائے جو مسلم بخاری میں نہیں مگر ادباً کہا کہ میں نے وہاں یہ حدیث نہ پائی۔اپنی تلاش کی کوتاہی بیان کی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تُحَابُّوْا وَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۲۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم جنت میں نہ جاؤ گے حتی کہ مومن بن جاؤ اور مومن نہ بنو گے۱حتی کہ آپس میں محبت کرو۲کیا میں تمہیں اس پر رہبری نہ کروں کہ جب تم وہ کرلو تو اس میں محبت کرنے لگو،اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۳(مسلم)

(۴۴۲۲) ۱مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں لایومنون ہے،نون کے ساتھ جن نسخوں میں لاتومنوا ہے وہاں ن کا گرانا مجانست کی وجہ سے ہے کہ چونکہ حتی تومنوا میں نون نہ تھا تو یہاں بھی نہ لائے۔مرقات نے فرمایا کہ عربی میں کبھی نفی بمعنی نہیں ہوتا ہے کبھی برعکس۔

۲؎ یعنی کمال ایمان مسلمانوں کی آپس کی محبت نصیب ہونا ہے۔آپس کی عداوتیں بہت سے گناہ بلکہ کبھی کفر کا موجب ہو جاتی ہیں۔۳؎ سلام پھیلانے کے لیے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی ذکر ہوئے کہ ہر مسلمان کو سلام کرے،جان پہچان والا ہو یا انجان۔تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کی عداوت مٹانے،محبت پیدا کرنے کے لیے سلام مصافحہ ایک اکسیر ہے۔حضور کا فرمان بالکل ٹھیک ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۲۳) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کرے،سوار پیدل پر۱؎ اور پیدل بیٹھے ہوئے پر۲؎ اور تھوڑے بہتوں پر۳؎ (مسلم بخاری)

(۴۴۲۳) ۱؎ یعنی جب سوار اور پیدل مسلمان ملیں تو پیدل کو سوار سلام کرے کیونکہ سوار پیدل سے اعلیٰ حالت میں ہے اور اسلام میں اظہار عجز و نیاز ہے۔اس لیے وہ ہی اظہار نیاز کرے جو بظاہر افضل ہے مگر یہ افضلیت کا ذکر ہے۔اس کے برعکس بھی جائز ہے۔۲؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیٹھے ہوئے شخص کے پاس یا مجمع میں آوے یا ان پر سے گزرے تو وہ مجمع والے اس کو سلام نہ کریں بلکہ یہ آنے والا سلام کرے کہ ملاقات یہ کر رہا ہے،اس بیٹھے سے کر رہا ہے اور سلام ملاقات کرنے والے کے لیے ہے۔۳؎ جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں اور دونوں یکساں حالت میں ہوں کہ یا دونوں سوار ہوں یا دونوں پیادہ ہوں تو قانون یہ ہے کہ تھوڑے آدمی بہت سوں کو سلام کریں تاکہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت کا احترام کرے۔ممکن ہے کہ اس بڑی جماعت میں اللہ والے زیادہ ہوں،بڑی جماعت کا بڑا احترام ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۴۲۴) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کرے چھوٹا بڑے پر۱؎ اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور تھوڑے بہت پر۲؎ (بخاری)

(۴۴۲۴) ۱؎ یعنی جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں۔ایک ان میں کم عمر ہو،دوسرا بڑی عمر والا تو سنت یہ ہے کہ چھوٹا بڑی عمر والے کو سلام کرے تاکہ بڑے کا احترام ظاہر ہو۔چھوٹی عمر والا بیٹھا ہو اور بڑی عمر والا اس پر گزرے تو اب گزرنے والا ہی سلام کرے،لہذا حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔۲؎ کیونکہ تھوڑے (قلیل) چھوٹے (صغیر) کے حکم میں ہیں،لہذا یہ ہی سلام کریں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۲۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند لڑکوں پر گزرے تو انہیں۱؎ سلام کیا (مسلم بخاری)

(۴۴۲۵) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گزرنے والا بڑا ہو اور بیٹھا ہوا چھوٹا یا گزرنے والا ایک ہو اور بیٹھے ہوئے بچے زیادہ تو گزرنے والا اور تھوڑی جماعت والا سلام کرے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ چھوٹے بچے جو سمجھدار ہوں،انہیں بھی سلام کیا جائے۔اگر کسی جماعت میں چھوٹے بڑے مخلوط ہوں اور انہیں کوئی سلام کرے۔بچہ جواب دے دے تو سب کا فرض ادا ہو جائے گا جیسے کہ اگر بچہ نماز جنازہ پڑھ لے تو فرض ادا ہوگا۔اجنبیہ جوان حسینہ عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے۔اپنی محرم عورت یا بیوی یا بوڑھی عورت کو سلام کرنا بالکل جائز ہے۔یہ ہی حکم جواب سلام کا ہے۔اجنبیہ عورت اجنبی مرد کے سلام کا جواب نہ دے۔یہ اجنبی اس عورت کے سلام کا جواب دیدے۔یہ مسائل کتب فقہ اور مرقات میں اسی جگہ دیکھو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتَبْدَؤُا الْیَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰی بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِیْتُمْ اَحَدَهُمْ فِیْ طَرِیْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰی اَضْیَقِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۲۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہودیوں، عیسائیوں پر سلام کی ابتداء نہ کرو۱ اور جب تم ان میں سے کسی راستہ میں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کرو۲ (مسلم)

(۴۴۲۶) ۱سارے کفار کا یہی حکم ہے۔ذمی ہوں یا حربی کہ ان کو مسلمان بلاضرورت سلام نہ کرے کہ سلام میں اظہار احترام ہے اور کفار کا احترام درست نہیں۔مرتدین بدمذہبوں کا حکم بھی یہی ہے۔ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں (اشعۃ اللمعات) ۲یعنی مسلمان راستہ میں اس طرح ہجوم کرکے چلیں کہ ذمی کفار کنارہ پر چلنے پر مجبور ہو جائیں۔اسلام کی شان ظاہر کرنے کے لیے بشرطیکہ کنارہ راہ پر غار یا خار نہ ہوں۔ انہیں غار یا خار میں پھنسا دینا ان کو ایذا دینا ہے اور ذمی کافر کو ایذا دینا ممنوع ہے (مرقات) مستامن کفار اگر ہمارے مہمان بن جائیں یا ان کو بلایا جائے تو ان کا مہمان کفار کی خاطر کی ہے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں کفار بھی مسلمانوں سے ایسا بلکہ اس سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمُ الْیَهُوْدُ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ اَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَیْكَ فَقُلْ وَعَلَیْكَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۴۲۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو یہودی سلام کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کہتا ہے، تم پر موت پڑے، تو تم کہہ دو کہ تجھ پر۱ (مسلم بخاری)

(۴۴۲۷) ۱فقیر نے بھی آزمایا ہے، مجھے ایک بدمذہب نے صاف طور پر کہا، السام علیکم کے معنی ہیں موت تو مطلب یہ ہوا کہ تم پر موت پڑے۔اس کے جواب میں خواہ وہ وعلیک کہے تو واؤ بمعنی بلٰی ہے یا صرف علیک کہہ دے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَهْلُ الْکِتٰبِ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۴۲۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو کہہ دو "وعلیکم"۱ (مسلم بخاری)

(۴۴۲۸) ۱اگر کفار کی جماعت یوں سلام کرے تو وعلیکم کہہ دے۔اگر ایک کافر سلام کرے تو وعلیک کہے، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا السَّامُ عَلَیْکُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِیْقٌ یُّحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّهٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَیْکُمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَلَیْکُمْ وَلَمْ یَذْکُرِ الْوَاوَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۴۲۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو بولے السام علیکم۱ تو میں نے کہا، بلکہ تم پر موت و لعنت پڑے۲ تو حضور نے فرمایا، اے عائشہ! اللہ رفیق ہے، ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے۳ میں نے کہا کیا آپ نے وہ نہ سنا جو انہوں نے کہا تھا، فرمایا میں نے کہہ دیا اور تم پر۴ اور ایک روایت میں ہے تم ہی پر یعنی واو کا ذکر

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّلْبُخَارِیِّ قَالَتْ اِنَّ الْیَهُوْدَ اَتَوُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَیْكَ قَالَ وَعَلَیْکُمْ فَقَالَتْ عَآئِشَۃُ السَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا یَا عَآئِشَۃُ عَلَیْكِ بِالرِّفْقِ وَاِیَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِیْ مَاقُلْتُ رَدَدْتُّ عَلَیْهِمْ فَیُسْتَجَابُ لِیْ فِیْهِمْ وَلَا یُسْتَجَابُ لَهُمْ فِیَّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ لَاتَکُوْنِیْ فَاحِشَۃً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ

نہیں۵(مسلم بخاری) اور بخاری کی روایت میں ہے،فرماتی ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو بولے السلام علیک، حضور نے فرمایا وعلیکم تو جناب عائشہ نے کہا،موت ہوتم پر،اورتم پر خدا لعنت کرے،غضب کرے۶ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ ٹھہرو،نرمی لازم کرو،اور سختی اور فحش سے بچو۷ انہوں نے عرض کیا،کیا آپ نے نہ سنا جوانہوں نے کہا،فرمایا کیا تم نے نہ سنا جو میں نے کہا،میں نے ان پر ہی لوٹا دیا تو میری دعا ان کے بارے میں قبول ہوگی اور ان کی دعا میرے متعلق نہ قبول ہوگی۸ اور مسلم کی روایت میں ہے،فرمایا تم فحش گو نہ بنو۹ کیونکہ اللہ تعالٰی فحش کو اور فحش کہنے والے کو پسند نہیں کرتا۱۰

(۴۶۲۹) ۱؎ غالبًا یہ یہود مدینہ تھے جو حضور انور سے ملنے آئے تھے۔معلوم ہوا کہ کفار سے ملنا انہیں گھر میں آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔خصوصًا جب ان کو تبلیغ کرنے کے لیے ہوں۔ان بدنصیبوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت کو کوسا اس لیے علیکم کہا،اس کے جواب میں حضور انور نے فرمادیا وعلیکم۔جناب عائشہ سمجھیں کہ حضور نے ان کی بکواس میں غور نہیں فرمایا۔اس لیے اگلا کلام آپ نے خود کیا۔۲؎ ام المومنین کا یہ غضب وغصہ حضور کی والہانہ محبت کی بنا پر تھا کہ تم نے محبوب کو یہ کیوں کہا۔۳؎ لہٰذا تم ان آنے والوں پر نرمی کرو،خیال رہے کہ جنگ ومناظرہ میں کفار پر سختی محبوب ہے مگر جب وہ ہمارے گھر ہم سے ملنے آئیں تب ان پر نرمی کی جائے،لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ مختلف مقامات کے مختلف احکام ہوتے ہیں۔۴؎ یعنی ہم نے خود اپنا بدلہ لیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم پر ہی پڑے،یہ بدلہ کافی ہے۔حضور انور نے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی،وہ بھی مہمان کفار کے ساتھ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر سختی کرنا عبادت ہے۔حضور مہمان کفار کی خاطر تواضع کرتے تھے،لہٰذا اس حدیث سے یہ دھوکا نہ دیا جائے کہ حضور کے دشمنوں پر نرمی کرنی چاہیے۔مہمان کا حکم کچھ اور ہے۔۵؎ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ وعلیکم میں واو جمع کے لیے نہیں بلکہ بمعنی بلیٰ ہے،لہٰذا وعلیکم کے معنی یہ نہیں کہ ہم پر اور تم پر دونوں پر موت واقع ہو بلکہ معنی یہ ہیں،ہم پر نہیں بلکہ تم پر موت آئے اور واؤ نہ ہونے کی صورت میں تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔۶؎ یعنی اس روایت میں لعنت کے ساتھ غضب کی زیادتی ہے کہ ام المومنین نے انہیں تین بددعائیں دیں،موت کی،لعنت کی،اللہ تعالٰی کے غضب کی۔۷؎ عنف سے مراد ہے۔دل کی سختی فحش سے مراد ہے زبان کی سختی یعنی دل وزبان دونوں نرم رکھو،نرمی صرف مہمان کی وجہ سے ہے ورنہ ان ہی ام المومنین کے والد ماجد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں صلح کی گفتگو کے موقع پر ایک کافر سے کہا تھا۔امسس بذکر الات یہ ہے اشداء علی الکفار کا ظہور۔۸؎ یعنی اس سودے میں انہیں کو گھاٹا رہا۔۹؎ یعنی تمہارے منہ سے کبھی فحش بات نہ نکلے،گالی،کوسنا،غیبت وغیرہ کہ تمہاری زبان ان باتوں کے لیے نہیں بنی،تم صدیقہ ہو،تمہاری زبان سے ہر بات سچی بھلی نکلے۔شعر:۔

جو بات کہو منہ سے وہ اچھی ہو بھلی ہو
کھٹی نہ ہو کڑوی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

۲؎ یعنی ان دونوں سے رب تعالٰی ناراض ہے۔خیال رہے کہ فحش سے مراد بری بات کا عادی ہونا تفحش سے مراد ہے بہ تکلف بری بات کہنا کہ اس کی عادت تو نہ ہو مگر دل پر جبر کرکے بری بات منہ سے نکالی جائے۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۳۰) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس پر گزرے جس میں مسلمان،مشرکین،بت پرست اور یہود مخلوط لوگ تھے۱؎ حضور نے انہیں سلام کیا۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۴۳۰) ۱؎ بت پرست بیان ہے مشرکین کا۔یہود بھی اگرچہ شرک و بت پرستی کرتے ہیں مگر چونکہ انبیاء کو مانتے ہیں۔اس لیے انہیں مشرک نہیں کہا جاتا بلکہ اہل کتاب کہا جاتا ہے۔اس لیے یہود کو مشرکین پر معطوف کیا۔کبھی غلط نسبت بھی فائدہ پہنچا دیتی ہے۔۲؎ معلوم ہوا کہ مخلوط جماعت جہاں مسلمان کفار ملے ہوئے بیٹھے ہوں،وہاں سے گزرنے والا مسلمان سلام کرے اور اپنے سلام سے مسلمانوں کی نیت کرے اور جب کسی کافر کو خط لکھے تو یوں لکھے السلام علی من اتبع الھدٰی۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ایسی مجلس پر گزرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے۔السلام علی من اتبع الھدٰی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا قَالَ فَاِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۳۱) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے،وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا،راستوں پر بیٹھنے سے بچو۱؎ لوگوں نے عرض کیا،یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو وہاں بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں،ہم وہاں بات چیت کرتے ہیں۲؎ فرمایا اگر بغیر بیٹھے نہ مانو تو راستہ کو اس کا حق دو۳؎ انہوں نے عرض کیا،کہ راستہ کا کیا حق ہے یارسول اللہ!فرمایا نگاہ نیچی رکھنا،تکلیف دہ چیز ہٹانا اور سلام کا جواب دینا اور اچھائیوں کا حکم دینا،برائیوں سے روکنا۴؎ (مسلم بخاری)

(۴۴۳۱) ۱؎ چونکہ راستہ سے عورتیں،بچے گزرتے رہتے ہیں۔نیز وہاں سے لوگوں کے مال سواریاں گزرتی ہیں،اس لیے وہاں بیٹھنا خطرناک،بدنظری کا اندیشہ ہے۔۲؎ یعنی ہماری ضروریات راستوں پر بیٹھنے سے وابستہ ہیں۔وہاں بیٹھ کر ہم کاروبار اور دیگر ضروریات کی باتیں کرتے ہیں۔۳؎ یعنی راستہ میں بیٹھ کر وہ نیکیاں کرو جس کی برکت سے تمام وہاں کے گناہوں سے بچے رہو اور ثواب کمالو یہاں حق بمعنی استحقاق ہے کہ راستہ اعمال کا مستحق ہے۔۴؎ یعنی راستوں میں بیٹھ کر یہ پانچ نیکیاں یا ان میں سے جس قدر بن پڑیں کیا کرو۔نگاہیں نیچی رکھو تاکہ اجنبی عورتوں پر نہ پڑیں،راستہ سے کانٹا،اینٹ،پتھر الگ کردیا کرو تاکہ کسی راہ گیر کو نہ چبھے۔نہ ٹھوکر لگے جو راستہ گزرنے والا تمہیں سلام کرتا ہوا گزرے،اس کا جواب دو۔اگر تم راستہ میں کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھو تو اس سے روکو،اس کی عوض اسے اچھے کام کرنے کا مشورہ دو۔اس صورت میں تمہارا وہاں بیٹھنا بھی عبادت ہے سبحان اللہ۔کیمیا پیتل،تانبہ کو سونا کردیتی ہے۔حضور کی تعلیم گناہوں کو ثواب بنادیتی ہے۔شعر:۔

ترے کرم کا رسالت ماب کیا کہنا

ثواب ہو گئے سارے عقاب کیا کہنا

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَ اِرْشَادُ السَّبِیْلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَعَقِیْبَ حَدِیْثِ الْخُدْرِیِّ هٰكَذَا)

(۴۴۳۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، اس قصہ میں فرمایا اور لوگوں کو راستہ بتانا؎ ابوداؤد نے حدیث خدری کے پیچھے یوں روایت کیا۔

(۴۴۳۲) ؎ یعنی چھٹی نیکی بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ہے۔اکثر راہگیر کسی دکان کسی کے گھر کا پتا پوچھتے ہوں تو بتا دو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَتُغِیْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوا الضَّالَّ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ عَقِیْبَ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ هٰكَذَا وَلَمْ اَجِدْهُمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ

(۴۴۳۳) روایت ہے حضرت عمر سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس ہی قصہ میں فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو، گمے ہوئے (بھولے ہوئے) کو ہدایت دو؎ اس سے ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے پیچھے یوں ہی روایت کیا اور؎ میں نے یہ دونوں حدیثیں مسلم بخاری میں نہ پائیں۔

(۴۴۳۳) ؎ یعنی اگر راستہ یا بازار میں دو مسلمان جھگڑ پڑیں تو ان میں بیچ بچاؤ کرادو اگر نہ ہو سکے تو مظلوم کی حمایت کرو، یہ بھی ثواب ہے۔؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی روایت لے آئے مگر مرقات نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی حدیث ابی ہریرہ اور حدیث عمر رضی اللہ عنہ یہاں تکمیل اور تتمہ کے طور پر لائی گئی ہیں نہ کہ اصالتاً۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهٗ وَیُجِیْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَیُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَیَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَیَتَّبِعُ جَنَازَتَهٗ اِذَا مَاتَ وَیُحِبُّ لَهٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(۴۴۳۴) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، مسلمان کے لیے مسلمان پر چھ اچھی خصلتیں ہیں؎ جب اس سے ملے تو سلام کرے؎ جب وہ دعوت دے تو قبول کرے؎ اور جب چھینکے تو اسے جواب دے۔جب بیمار ہو جائے تو مزاج پرسی کرے۔جب مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے؎ اور اس کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے؎ (ترمذی، داری)

(۴۴۳۴) ؎ ستٌّ کے بعد خصال پوشیدہ ہے اور بالمعروف صفت ہے۔اسی پوشیدہ خصال کی۔خصال جمع ہے خصلت کی بمعنی عادت مگر یہاں مراد وہ حقوق ہیں جن کی عادت ڈالی جائے یعنی مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ان کی ادا کی عادت ڈالنی چاہیے۔؎ اگر راہ میں ملے تو صرف ایک بار سلام کرے مگر جب کسی کے گھر جا کر ملے تو تین بار سلام کرے، پہلا سلام اجازت داخلہ کے لیے، دوسرا سلام جب اندر داخل ہو، اس سے ملاقات کرے اور تیسرا سلام وداع ہوتے وقت۔پہلے سلام کو سلام استیذان کہتے ہیں، دوسرے کو تحیۃ تیسرے کو سلام وداع۔یہاں راہ چلتے وقت کا سلام مراد ہے۔اس لیے صرف لقیہ فرمایا۔حضور کے ہر لفظ پاک میں عجیب حکمتیں ہوتی ہیں۔؎ کھانے کے لیے دعوت دے یا اپنے کسی کام کے لیے بلائے بشرطیکہ وہ کھانے کی دعوت یا اس کا یہ کام ناجائز نہ ہو۔؎ اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا یہاں یتبع فرما کر اشارۃً فرمایا گیا، جنازہ میں شرکت کرنے والوں کو جنازہ سے پیچھے رہنا چاہیے۔اس سے آگے چلنا ممنوع ہے۔ابن ماجہ میں روایت حضرت

ابن مسعود ہے کہ الجنازۃ متبوعۃ لیس بتابعۃ لیس منامن تقدمھا معلوم ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلے۔یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ یہاں جنازہ کے ساتھ جانے سے مراد ہے نماز جنازہ پہنچانا، دفن کرنا کامل اتباع یہ ہی ہے (مرقات واشعہ) ۵؎ یعنی زندگی بھر ہر مسلمان سے وہ برتاوا کرو جواپنے لیے پسند کرتے ہو۔اللہ تعالٰی اگر یہ نعمت نصیب کردے تو مسلمانوں سے لڑائیاں جھگڑے سب ختم ہوجائیں۔شعر:

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

۶ آنچہ بر خود نہ پسند بہ دیگراں مپسند

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَرَدَّ عَلَیْہِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۳۵) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو عرض کیا السلام علیکم ۱؎ حضور انور نے اس کا جواب دیا، پھر بیٹھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس ۲؎ پھر دوسرا آدمی آیا، اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا۔وہ بیٹھ گیا تو فرمایا بیس۔پھر اور دوسرا آیا، عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ نے اس کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو فرمایا۔تیس ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۴۳۵) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو بھی سلام کرے تو علیکم جمع سے کہے کہ اس میں ان فرشتوں کو سلام ہوجاتا ہے جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں محافظین اور کاتبین اعمال وغیرہم۔اگرچہ علیک واحد کہنا بھی جائز ہے۔ ۲؎ عشر، فاعل ہے ثبت لہ پوشیدہ کا یا نائب فاعل ہے کتب فعل مجہول کا یعنی اس کو دس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا یا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں۔ ۳؎ معلوم ہوا کہ سلام کے ہر کلمہ پر دس نیکیاں ملتی ہیں جتنے زیادہ کلمات ہوں، اتنی نیکیاں اسی حساب سے زیادہ ہوں گی۔جواب دینے والا زیادہ اچھا جواب دے، یعنی سلام کے کلمات پر کچھ کلمات بڑھا کر جواب دے۔

وَعَنْ مُّعَاذِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاہُ وَزَادَثُمَّ اَتٰی اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَ مَغْفِرَتُہٗ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَ قَالَ ھٰکَذَا تَکُوْنُ الْفَضَآئِلُ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۳۶) حضرت معاذ ابن انس سے بھی روایت کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔اس کے ہم معنی اور زیادتی کی اور پھر دوسرا آیا۔اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ومغفرتہ تو فرمایا چالیس۔اور فرمایا یونہی زیادتیاں ہوتی رہیں گی ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۴۳۶) ۱؎ یعنی یہ ثواب صرف مغفرتہ تک ہی محدود نہیں کہ ان کلمات کے علاوہ اور کوئی کلمہ بڑھاؤ ثواب نہ بڑھے بلکہ جس قدر کلمات بڑھاتے جاؤ گے ثواب فی کلمہ دس کے حساب سے بڑھتا ہی جائے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ السلام علیکم بھی جائز ہے۔السلام کو معرفہ کرکے اور سلام علیکم بھی جائز سلام کو نکرہ کرکے السلام کے معنی ہیں وہ سلام یعنی اللہ کا سلام یا آدم علیہ السلام کا سلام جو انہوں نے فرشتوں کو کیا تھا، وہ تم پر بھی ہو۔قرآن مجید میں دوطرح سلام مذکور ہیں۔رب فرماتا ہے: وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (۲۰:۴۷) اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے (کنزالایمان) یہاں سلام معرفہ اور فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ (۳۹:۷۳) سلام تم پر تم

خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے (کنزالایمان) یہاں سلام نکرہ ہے۔خیال رہے کہ جواب سلام میں علیکم پہلے ہو سلام بعد میں۔اگر جواب میں بھی السلام علیکم کہہ دیا تو فرض ادا ہو گیا،سنت رہ گئی۔

وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۳۷) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے قریب تر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔[۱] (احمد،ترمذی،ابوداؤد)

(۴۴۳۷) [۱] یعنی جب دو مسلمان راستہ میں گزرتے ہوئے ملیں اور ان میں سے ہر ایک کو سلام کرنے کا حق ہو تو جو سلام کی ابتداء کرے،وہ رحمت الٰہی سے بہت ہی قریب ہوگا،لہذا یہ فرمان عالی ان فرمانوں کے خلاف نہیں کہ آنے والا بیٹھے ہوؤں کو اور تھوڑے لوگ بہت کو چھوٹا بڑے کو سوار پیدل کو سلام کرے۔حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ تین چیزیں محبت پیدا کر دیتی ہیں۔سلام میں ابتداء کرنا،اپنے مسلمان بھائی کو اچھے لقب سے پکارنا جب وہ آئے اسے مجلس میں جگہ دے دینا (مرقات)

وَعَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۴۳۸) روایت ہے حضرت جریر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں پر گزرے تو انہیں سلام کیا۔[۱] (احمد)

(۴۴۳۸) [۱] اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے کہ وہاں فتنہ کا خطرہ نہیں۔دوسرے مسلمان اجنبی عورتوں خصوصاً جوان عورتوں کو ہرگز سلام نہ کریں،نہ ان کے سلام کا جواب دیں کہ یہ سلام عشق بلکہ بدکاری کی ابتداء بن سکتا ہے (مرقات واشعہ)

وَعَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَرْفُوْعًا وَّ رَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ رَفَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ وَهُوَ شَيْخُ اَبِیْ دَاوٗدَ)

(۴۴۳۹) روایت ہے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ جماعت کی طرف سے یہ کافی ہے کہ جب وہ گزریں تو ان میں سے ایک سلام کرے اور بیٹھے ہوؤں کی طرف سے یہ کافی ہے کہ ان میں سے ایک جواب دے دے[۱] بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کیا[۲] اور ابوداؤد نے روایت کی کہ اور کہا کہ اسے حسن ابن علی نے مرفوع کیا۔وہ ابوداؤد کے شیخ ہیں[۳]

(۴۴۳۹) [۱] یعنی اسلام میں سلام کرنا سنت علی الکفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک بھی سلام کرے تو سب کی سنت ادا ہو جائے گی اور سامنے والوں پر جواب سلام دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر اس جماعت میں سے ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو گیا۔خیال رہے کہ فرض علی الکفایہ تو بہت ہیں جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب بعض صورتوں میں جہاد،عالم دین بننا وغیرہ مگر سنت علی الکفایہ صرف دو ہیں۔ایک تو سلام دوسرے چھینک کا جواب۔کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہمارے ہاں سنت علی العین ہے کہ ہر شخص بسم اللہ پڑھ کر کھائے اور شوافع کے ہاں سنت علی الکفایہ بہرحال احناف کے نزدیک سنت علی الکفایہ صرف یہ دو چیزیں ہی ہیں۔[۲] یعنی یہ حدیث ابوداؤد نے دو اسنادوں سے روایت کی۔ایک اسناد میں مرفوع ہے یعنی حسن ابن علی کی اسناد میں دوسری اسناد میں حضرت علی کا اپنا قول روایت کیا یعنی حدیث موقوف مگر بیہقی نے صرف مرفوعاً روایت کی۔[۳] یعنی یہ حسن ابن علی،ابوداؤد کے مشائخ سے ایک شیخ ہیں۔یہ حسن ابن علی ابن ابی طالب نہیں دھوکا نہ کھانا چاہیے۔اس کی اسناد یہ ہیں عن ابی داؤد عن حسن ابن علی عن عبدالملک ابن ابراہیم عن سعید ابن خالد عن عبداللہ ابن فضل عن

عبداللہ ابن ابی رافع عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہرحال یہ حدیث موقوف بھی ہے، مرفوع بھی، لہذا مرفوع ہی مانی جائے گی۔ اگر موقوف بھی ہوتی تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی کہ ایسی حدیث جو عقل سے وراہو، وہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)

(۴۴۴۰) روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم سے نہیں جو ہمارے غیروں سے مشابہت کرے۱؎ تم نہ تو یہود سے مشابہت کرو نہ نصاریٰ سے۔ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی سے اشارہ ہے۲؎ (ترمذی) اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۳؎

(۴۴۴۰) ۱؎ جو افعال یا احوال یا چیزیں کفار کی قومی علامتیں ہیں، مسلمانوں کے لیے حرام ہیں۔ جیسے ہندوانی دھوتی وغیرہ اور جو ان کی دینی علامتیں ہوں وہ مسلمانوں کے لیے کفر ہیں جیسے ہندوانی قشقہ یا ہندوانی زنار وغیرہ ۲؎ یعنی صرف اشاروں سے سلام کرنا، منہ سے کچھ نہ کہنا یہودی و نصاریٰ کا سلام ہے۔ مسلمان یا تو زبان سے سلام کریں، السلام علیکم کہیں یا اشارہ کے ساتھ منہ سے بھی بولیں تاکہ اسلامی اور غیر اسلامی سلام میں فرق ہو جائے۔ یوں ہی صرف سر جھکا دینا یا سر یا آنکھوں سے اشارہ کر دینا سلام کے لیے کافی نہیں اور سلام کے وقت خود جھکنا ممنوع ہے۔ تا حد رکوع ہو تو حرام ہے۔ ربّ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کی توفیق بخشے ۳؎ ترمذی نے اس حدیث کو صرف اس لیے ضعیف فرمایا کہ عن جدہ میں ہ ضمیر کے متعلق پتا نہیں چلتا کہ اس کا مرجع کون ہے۔ عمرو ابن شعیب ہیں یا ان کے والد، ہم شروع کتاب میں یہ بحث کر چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ اسناد قوی ہے۔ امام سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث بروایت عبداللہ ابن عمر نقل فرمائی۔ (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِيَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے۱؎ تو اسے سلام کرے، پھر اگر ان کے درمیان درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے، پھر اس سے ملے تو پھر اسے سلام کرے۲؎ (ابوداؤد)

(۴۴۴۱) ۱؎ بھائی سے مراد اسلامی بھائی ہے۔ خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی' بھائی فرما کر اشارۃً فرمایا کہ اجنبی عورت کو سلام نہ کرے۔ ۲؎ یعنی ملاقات کا سلام غائب ہونے کے بعد ملنے پر ہوگا۔ غائب ہونا اگرچہ معمولی ہی ہو، ذرا سی آڑ درمیان میں آ گئی، غائب ہونا پالیا گیا۔ اب ملنا ملاقات ہے۔ سلام کرو بلکہ حکمی غائب ہونے کے بعد بھی سلام سنت ہے۔ اس لیے نماز ختم ہونے پر سلام کیا جاتا ہے۔ اس سلام میں نمازی ایک دوسرے کی نیت کریں کیونکہ نمازی بحالت نماز ایک دوسرے سے حکماً غائب تھے۔ اب عالم بالا کی سیر کر کے آ رہے ہیں، لہذا سلام کرتے ہیں۔ بعد نماز فجر بعض لوگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہ ہی ہے کہ مصافحہ بوقت ملاقات ہوتا ہے اور یہ بھی وقت ملاقات ہے۔ خیال رہے کہ یہاں وہ حالات مراد ہیں جن میں سلام ممنوع نہ ہو، لہذا جو پیشاب، پاخانہ یا جماع میں مشغول ہو یا سو رہا ہو، اونگھ رہا ہو یا نماز یا اذان میں مشغول ہو یا غسل خانہ میں ہو، کھانا کھا رہا ہو، لقمہ منہ میں ہو یا تلاوت قرآن کر رہا ہو یا دینی درس دے رہا ہو یا سن رہا ہو، اسے سلام نہ کرے۔ اگر کرے گا تو اس کا جواب دینا لازم نہ ہوگا (مرقات) یوں ہی جمعہ کے دن خطبہ کے وقت سلام ممنوع ہے۔

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

(۴۴۴۲) روایت ہے قتادہ سے فرماتے ہیں، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے باشندوں کو سلام کرو[1] اور جب نکلو تو وہاں کے باشندوں کو سلام سے وداع کرو[2] (بیہقی، شعب الایمان)

(۴۴۴۲) [1] اپنے گھر میں جاؤ یا دوسرے کے بہر حال سلام کرو، اگر خالی گھر میں جاؤ تو کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اس کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ (۲۴،۶۱) پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو (کنزالایمان) (مرقات) اور جب مسجد میں جاؤ کہو: بسم اللّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ ۔ روح پاک مصطفیٰ مسجدوں بلکہ مسلمانوں کے گھروں میں جلوہ فرما ہے (شرح شفا شریف) [2] یعنی سلام کرکے وہاں سے آؤ، یہ سلام وداع کہلاتا ہے۔ اس کا جواب دینا فرض نہیں مستحب ہے۔ (مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ فاودعوا بنا ہے ودیعۃ بمعنی امانت سے یعنی رخصت ہوتے وقت اپنا سلام اہل خانہ کے پاس امانۃً رکھ آؤ کہ پھر خیر سے واپس آؤ۔ اپنی امانت یعنی خیر و برکت و سلامتی وصول کرو۔ وداع کے وقت مصافحہ کرنا سنت نہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۴۴۳) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے میرے بچے، جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ برکت ہوگی تم پر اور تمہارے گھر والوں پر[1] (ترمذی)

(۴۴۴۳) [1] گھر میں اپنے ماں باپ یا بیوی بچے ہوں، بہر حال سلام کرکے داخل ہو۔ اس سے گھر میں اتفاق اور روزی میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ بہت ہی مجرب ہے۔ فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی بہت برکتیں دیکھتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّنْكَرٌ)

(۴۴۴۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کلام سے پہلے ہے[1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے[2]

(۴۴۴۴) [1] سلام تین قسم کے ہیں۔ سلام اذن یہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہے۔ اجازت داخلہ حاصل کرنے کے لیے۔ سلام تحیۃ یہ گھر میں داخل ہونے اور کلام کرنے سے پہلے ہے۔ سلام وداع یہ گھر سے رخصت ہوتے وقت۔ یہاں سلام تحیت مراد ہے۔ یہ کلام سے پہلے چاہیے تاکہ تحیت باقی رہے جیسے تحیۃ المسجد کے نفل کہ وہ بیٹھنے سے پہلے پڑھے جائیں [2] اسی کی اسناد میں ایک راوی عتبہ ابن عبدالرحمٰن ہے، وہ خود بھی ضعیف ہے اور اس کا شیخ محمد ابن زادان ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اسناد میں منکر ہے۔ معنیً یہ حدیث صحیح ہے۔ بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ (مرقات)

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَّاَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۵) روایت ہے حضرت عمران بن حصین سے فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں کہتے تھے اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی کرے، سویرا اچھا ہو، جب اسلام آیا تو ہم اس سے روک دیئے گئے[1] (ابوداؤد)

(۴۴۴۵) لے اور اس کی بجائے ہم کو اسلامی سلام کا حکم دیا گیا۔معلوم ہوا کہ سوا اسلامی سلام کے اور سلام ممنوع ہے۔جیسے آداب عرض یا تسلیمات عرض،یا خدا حافظ یا یہ کہنا کہ یا علی مدد وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ہاں اگر اولاً سلام کرے،پھر یہ الفاظ کہے:تو حرج نہیں دیکھو مرقات۔فارسی میں کہا جاتا ہے زی ہزار سال یہ سب ممنوع ہیں (اشعہ) اسلامی سلام بہت ہی جامع ہے۔ہندوانی سلام رام رام،سیتارام انگریزی سلام گڈ مارننگ نہایت بیہودہ اور بے معنی ہیں۔اسلامی سلام میں سلامتی کی دعا ہے۔سلامتی جان،مال،عزت،اولاد زندگی قبر و حشر ہر سلامتی کو شامل ہے۔

وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ اِذَا جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَئْتِهٖ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اَبِيْ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَبِيْكَ السَّلَامُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۶) روایت ہے حضرت غالب سے لے کہتے ہیں کہ ہم حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے تھے۲ کہ ایک شخص آیا،بولا مجھے میرے والد نے میرے دادا سے خبر دی،فرمایا مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۳ کہا حضور کے پاس جاؤ تو حضور کو میرا سلام عرض کرو۴ فرماتے ہیں میں حضور کے پاس حاضر ہوا۔میں نے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام عرض کرتے ہیں تو فرمایا،تم پر اور تمہارے باپ پر سلام۵ (ابوداؤد)

(۴۴۴۶) لے آپ غالب ابن ابی غیلان ابن خطاب القطان ہیں۔بصرہ کے رہنے والے ہیں۔تابعین میں سے ہیں،امام نسائی نے آپ کو ثقہ کہا،امام احمد نے ثقہ کہا۔ام یحیٰ نے صدوق و صالح فرمایا۔بڑے عالم متقی ہیں ۲ان کی تشریف آوری کے منتظر تھے یا ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔۳یعنی میرے دادا کو ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہلا کر بھیجا تھا۔۴معلوم ہوا کہ سلام کہلا بھیجنا بھی سنت ہے۔اب لوگ حجاج کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کہلواتے ہیں۔حاجی کو چاہیے کہ مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر یوں عرض کرے: الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ ۔فلاں اور فلاں کی جگہ اس کا نام لے۔۵اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو پہنچانے والے اور بھیجنے والے دونوں کو جواب سلام میں داخل کر لینا چاہیے بلکہ پہنچانے والے کا ذکر پہلے اور بھیجنے والے کا ذکر بعد میں ہونا چاہیے کہ حضور انور نے پہلے فرمایا وعلیک اور بعد میں فرمایا علی ابیک لہٰذا جو زائرین مدینہ دوسروں کا سلام حضور انور کو پہنچاتے ہیں۔خود بھی جواب میں داخل ہوتے ہیں زہے نصیب۔

وَعَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِيَّ كَانَ عَامِلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلَيْهِ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ (رواه اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۴۷) روایت ہے حضرت ابوالعلاء حضرمی سے کہ ابوعلاء حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے۱ اور جب آپ ان کی طرف لکھتے تو اپنی ذات سے ابتداء کرتے۲ (ابوداؤد)

(۴۴۴۸) لے علاء حضرمی کا نام عبداللہ ہے۔حضر موت کے باشندے تھے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین کے گورنر تھے۔حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے ان کا عہدہ بحال رکھا۔چنانچہ آپ تا وفات اسی عہدے پر رہے۔بعض نے فرمایا کہ آپ کی وفات عہد صدیقی میں ہے۔مرقات نے فرمایا کہ چودہ (۱۴) ہجری میں آپ نے وفات پائی اور ابوالعلاء کا نام زید ابن عبداللہ ہے۔کنیت ابو العلاء مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں ابن العلاء ہے۔۲یعنی حضرت علاء جب بحرین سے حضور انور کی خدمت میں کوئی عریضہ لکھتے تو پہلے

اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتے تھے کیونکہ یہ ہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو خط لکھا تو لکھا،وَاِنَّـهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔(نمل) جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو فرمان عالی لکھا تو لکھا من محمد رسول اللّٰه الی هر قل عظيم الروم ۔طریقہ خط لکھنے کا یہ چاہیے کہ اپنا نام لکھے،پھر جس کو خط لکھنا ہے،اس کا نام ہو،پھر کچھ القاب پھر سلام پھر مقصد کی تحریر خیال رہے کہ یہ چیز سلام کی تمہید ہوتی ہے۔اس لیے اسے باب سلام میں لائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَتَبَ اَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيُتَرِّبْهُ فَاِنَّهٗ اَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّنْكَرٌ)

(۴۴۴۸) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تحریر لکھے تو مٹی اس پر ڈالے کہ یہ ضرورت کو بہت پورا کرنے والی ہے[۱] (ترمذی) اور کہا یہ حدیث منکر ہے[۲]

(۴۴۴۸) [۱] ایسا خط پر مٹی ڈالے یا خط کو مٹی پر ڈالے۔اس سے حرف بھی خشک ہو جائیں گے اور انشاء اللہ جس مقصد کے لیے خط لکھا گیا ہے،اس مقصد میں بھی کامیابی ہوگی کہ مٹی ڈالنے میں اظہار عجز ہے اور رب تعالٰی کو عاجزی بڑی پیاری ہے۔شعر:۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است　　　عاجزی محبوب درگاہ خدا است

لہذا اگر کسی کو کسی چیز کی درخواست دینا ہو تو یہ عمل کر کے درخواست دے،انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔بعض شارحین نے مٹی ڈالنے کی اور بہت توجیہیں کی ہیں مگر حق یہ ہے کہ اس سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں یعنی خط پر مٹی یا ریت چھڑک دینا۔[۲] طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث بروایت حضرت ابوالدرداء بروایت صحیح نقل فرمائی،لہذا اس حدیث کا متن صحیح ہے۔اگرچہ ترمذی والی اسناد منکر ہے۔(مرقات)

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰى اُذُنِكَ فَاِنَّهٗ اَذْكَرُ لِلْمَالِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّفِیْ اِسْنَادِهٖ ضُعْفٌ)

(۴۴۴۹) روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کاتب تھا۔میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ قلم اپنے کان پر رکھو کہ یہ انجام کو زیادہ یاد کرانے والا ہے[۱] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔[۲]

(۴۴۴۹) [۱] یعنی اگر کاتب قلم کو کان سے لگائے رکھے تو اسے وہ مقصد یاد رہے گا جو اسے لکھنا ہے۔بہتر یہ ہے کہ قلم داہنے کان رکھے۔اللہ تعالٰی نے ہر چیز میں کوئی تاثیر رکھی ہے۔قلم کان میں لگانے کی یہ تاثیر ہے کہ اسے مضمون یاد رہتا ہے۔[۲] یہ حدیث ابن عسا کر نے بروایت حضرت انس مرفوعًا نقل فرمائی۔وہاں فانه اذكر لك ہے اور جامع صغیر میں حضرت زید ابن ثابت سے مرفوعًا نقل فرمائی وہاں اذكر للمال ہے۔بہرحال یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے،لہذا اس کا متن صحیح ہے (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَقَالَ اِنِّیْ مَا اٰمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ فَمَا مَرَّ بِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُ

(۴۴۵۰) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھ لوں[۱] اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی خط و کتابت سیکھ لوں اور فرمایا کہ میں کسی تحریر میں یہود پر مطمئن نہیں[۲] فرماتے ہیں کہ مجھ پر آدھا مہینہ نہیں گزرا حتی

فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کہ میں نے سیکھ لی تو جب حضور یہود کو لکھتے تو میں لکھتا اور جب وہ حضور کو کچھ لکھتے تو حضور کی خدمت میں ان کا خط پڑھتا[۳] (ترمذی)

(۴۴۵۰) [۱] سریانی زبان وہ ہے جس میں توریت شریف نازل ہوئی۔ یہود عموماً یہ ہی زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ سریانی زبان عبرانی کے مشابہ یا اس کی شاخ ہے (اشعہ) اب یہ زبانیں دنیا سے مٹ چکیں صرف ان کے نام رہ گئے۔ کسی جگہ نہیں بولی جاتیں جیسے ہندوؤں کی سنسکرت کہ دنیا سے مٹ چکی، کہیں نہیں بولی جاتی۔ سریانی عبرانی زبانوں کی جگہ عربی نے لے لی [۲] یعنی ہم یہود کو تبلیغ کرنے کے لیے انہیں خطوط لکھنا بھی چاہتے ہیں اور ان کے جوابات ملاحظہ کرنا بھی چاہتے ہیں، اگر لکھنے پڑھنے کا کام یہود مدینہ سے لیا جائے تو ان کی خیانت کا اندیشہ ہے کہ ہم کچھ لکھوائیں، وہ کچھ لکھ دیں یا یہود کے خطوط میں کچھ لکھا ہو، یہ کچھ پڑھ دیں، لہذا یہ دونوں کام تم خود کرو، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی زبان سیکھنا ممنوع نہیں بلکہ ضرورت پر اس کا حکم ہے۔ جیسے آج انگریزی یا فرنچ زبانیں ضرورت کے لیے سیکھی جائیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر تمام زبانیں جانتے ہیں۔ جب حضور جانوروں پتھروں، کنکروں کی بولیاں سمجھتے ہیں تو انسانوں کی بولی کیوں نہ سمجھیں گے۔ یہ حکم عالی امت کی تعلیم کے لئے ہے کہ امراء وسلاطین اپنے ہاں دوسری قوموں کی زبان دانی رکھیں بلکہ خود اپنے لوگوں کو ان کی زبان سکھائیں۔ زبان کوئی بری نہیں۔ سب ربّ تعالٰی کی طرف سے ہیں، فرماتا ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (۳۰:۲۲) اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (کنزالایمان) [۳] صرف پندرہ دن میں سریانی زبان کماحقہ سیکھ لینا یا حضرت زید کی ذکاوت سے ہے یا حضور کے معجزے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے ہاں ترجمان رہنے چاہئیں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۴۵۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس تک پہنچے تو سلام کرے[۱] پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے[۲] پھر جب کھڑا ہو تو پھر سلام کرے[۳] کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں[۴] (ترمذی) اور (ابوداؤد)

(۴۴۵۱) [۱] معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو [۲] یعنی اگر وہاں بیٹھنا نہ بھی ہو صرف گزر جانا ہو جب بھی سلام کرے اور اگر بیٹھنا ہو تب بھی سلام کرے [۳] معلوم ہوا کہ راہ گیر یعنی گزرنے والا صرف ایک سلام کرے اور جو مجلس میں کچھ دیر ٹھہرے، وہ دو سلام کرے، ایک آنے کا دوسرا جانے کا [۴] یعنی سلام لقا اور سلام وداع، دونوں سنت ہونے میں برابر ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں، لہذا یہ دونوں سلام سنت ہیں اور ان کے جواب فرض۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا خَيْرَ فِىْ جُلُوْسٍ فِى الطُّرُقَاتِ اِلَّا لِمَنْ هَدَى السَّبِيْلَ وَرَدَّ التَّحِيَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَ وَاَعَانَ عَلَى الْحَمُوْلَةِ (رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ وُذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِىْ جَرِيٍّ فِىْ بَابِ فَضْلِ الصَّدَقَةِ)

(۴۴۵۲) روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں[۱] سواء اس کے جو راستہ کو بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچے رکھے اور سوار کرنے پر مدد کرے[۲] (شرح سنہ) ابو جری کی حدیث فضل کے باب میں ذکر کردی گئی[۳]

(۴۴۵۲) ۱؎ بلکہ راستوں میں بیٹھنا کبھی گناہوں کا سبب بن جاتا ہے۔اس سے اجنبی عورتوں پر نظر پڑ جاتی ہے اور بہت خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں ۲؎ یعنی اگر تم کو راستوں پر بیٹھنا پڑ جائے تو یہ چار نیکیاں کرتے رہو،بھولے بھٹکے ناواقف کو راستہ بتاؤ،نگاہیں نیچی رکھو،راہگیروں کے سلام کے جواب دو۔اگر کوئی سواری پر سوار ہونے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اسے سوار کرادو۔یوں ہی اگر کوئی بوجھ اٹھانا چاہتا ہے مگر اسے دشواری ہو رہی ہو تو اس کی گٹھڑی اس کے سر پر رکھ دو۔۳؎ اس حدیث کے اول میں یہ تھا کہ میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا علیک السلام یارسول اللہ تو فرمایا،یہ مردوں کا آپس میں سلام ہے،تم یوں کہو السلام علیک۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِیْهِ الرُّوْحَ عَطِسَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ یَا اٰدَمُ اذْهَبْ اِلٰى اُولٰٓئِكَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلٰى مَلَاٍ مِّنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ قَالُوْا عَلَیْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِیَّتُكَ وَتَحِیَّةُ بَنِیْكَ بَیْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللّٰهُ وَیَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اخْتَرْ اَیَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اخْتَرْتُ یَمِیْنَ رَبِّیْ وَكِلْتَا یَدَیْ رَبِّیْ یَمِیْنٌ مُّبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِیْهَا اٰدَمُ وَذُرِّیَّتُهٗ فَقَالَ اَیْ رَبِّ مَا هٰٓؤُلَآءِ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ ذُرِّیَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ مَّكْتُوْبٌ عُمْرُهٗ بَیْنَ عَیْنَیْهِ فَاِذَا فِیْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَءُهُمْ اَوْ مِنْ اَضْوَئِهِمْ قَالَ یَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُكَ دَاوٗدُ وَقَدْ كَتَبْتُ لَهٗ عُمْرَهٗ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ یَا رَبِّ زِدْ فِیْ عُمْرِهٖ قَالَ ذٰلِكَ الَّذِیْ كَتَبْتُ لَهٗ قَالَ اَیْ رَبِّ فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمْرِیْ سِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَذَاكَ قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا وَكَانَ اٰدَمُ یَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهٗ اٰدَمُ قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِیْ اَلْفُ سَنَةٍ

(۴۴۵۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی۔انہوں نے کہا الحمد للہ (باذن الٰہی) پھر ان سے ان کے رب نے کہا،اے آدم اللہ تم پر رحمت کرے ۱؎ ان فرشتوں کے پاس جو جماعت بیٹھی ہے،جاؤ تو کہو السلام علیکم ۲؎ چنانچہ انہوں نے کہا السلام علیکم،وہ بولے علیکم السلام ورحمۃ اللہ ۳؎ پھر وہ اپنے ربّ کی طرف لوٹے ۴؎ تو فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے۔پھر ان سے اللہ نے فرمایا حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بند تھیں ۵؎ کہ جو لینا چاہو اختیار کرلو ۶؎ عرض کیا میں نے اپنے ربّ کا داہنا ہاتھ اختیار کیا۔میرے ربّ کے دونوں ہاتھ داہنے اور مبارک ہیں ۷؎ پھر ربّ نے ہاتھ کھولا تو اس میں آدم اور ان کی اولاد تھی ۸؎ عرض کیا یارب یہ کون لوگ ہیں،فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں ۹؎ تو ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے درمیان لکھی تھی ۱۰؎ ان میں ایک صاحب بہت چمکدار تھے ان کے بہت چمکداروں سے ۱۱؎ عرض کیا یا رب یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے فرزند داؤد ہیں اور ان کی عمر میں نے چالیس سال لکھی ہے ۱۲؎ عرض کیا یارب ان کی عمر میں زیادتی کردے، فرمایا میں نے ان کے لیے یہ ہی لکھی ہے ۱۳؎ عرض کیا یارب میں نے اپنی عمر میں سے ساٹھ سال انہیں دیئے ۱۴؎ فرمایا تم جانو اور یہ کام ۱۵؎ فرماتے ہیں پھر جتنا اللہ نے چاہا حضرت آدم جنت میں رہے،پھر وہاں سے اتارے گئے اور حضرت آدم اپنی عمر گنتے تھے ۱۶؎ پھر ان کے پاس ملک

قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوُدَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ قَالَ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ اُمِرَ بِالْكِتَابِ وَالشُّهُوْدِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

الموت آئے تو آدم نے ان سے کہا،تم نے جلدی کی،میری عمر ایک ہزار سال لکھی گئی۔عرض کیا،ہاں لیکن آپ نے اپنے فرزند داؤد کو ساٹھ سال دے دیئے ہیں ۱۷حضرت آدم نے انکار کردیا ۱۸چنانچہ ان کی اولاد انکار کرتی ہے۔آپ بھول گئے تو اولاد بھولنے لگی ۱۹فرماتے ہیں کہ اس دن سے لکھنے گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ۲۰(ترمذی)

(۴۴۵۳) ۱یعنی انہیں پیدا ہوتے ہی چھینک آنا جو صحت و تندرستی کی علامت ہے،اللہ کی رحمت اس کے فضل سے تھا اور چھینک پر الحمد للہ کہنا بھی اللہ کے ارادے،اس کی تعلیم،اس کی رحمت سے تھا۔انہیں کسی نے سکھایا نہ تھا۔معلوم ہوا کہ آپ علم لدنی سے عالم تھے جیسے ہمارے حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور سجدہ میں حمد الٰہی کی۔یہ سب ربّ کی تعلیم ہے ۲یہ واقعہ فرشتوں کے سجدے کے بعد کا ہے،لہٰذا اس آیت کے خلاف نہیں فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ (۲۹،۱۵) تو جب میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا (کنزالایمان) اگر دعائیہ کلام ہے تو بندوں کی تعلیم کے لیے ہے کہ اولاً چھینک کے جواب میں یہ کہا کریں جیسے قرآن کریم میں ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱،۵) ہم کو سیدھا راستہ چلا (کنزالایمان) اور اگر یہ فرمان خبر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے گا تو مقصد ظاہر ہے۔۳یعنی اے آدم آپ ان فرشتوں کے پاس جاؤ،انہیں تحیۃ وملاقات کا سلام کرو۔معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو۔اگرچہ آنے والا افضل ہو اور بیٹھے ہوئے لوگ مفضول ہوں۔دیکھو آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل بلکہ ان کے مسجود ہیں مگر آپ نے ہی سلام کیا۔۴فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ زیادہ کیا تاکہ آئندہ کے لیے سبق ہو کہ جواب میں کچھ زیادتی کردی جایا کرے۔۵یعنی اس جگہ لوٹے جہاں پہلے ربّ تعالیٰ سے کلام کیا تھا ورنہ ربّ تعالیٰ کی رحمت وقدرت ہر جگہ ہے۔۶یہ جملہ متشابہات سے ہے۔اس کے حقیقی معنی ہماری عقل وفہم سے بالا ہیں۔اللہ تعالیٰ جسمانی ہاتھ اور مٹھی سے پاک ہے۔اس کے معنی یا ربّ تعالیٰ جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد صفت جمال وجلال ہیں۔ان صفتوں میں مرحومین اور مردودین ایسے چھپے تھے جیسے مٹی کی چیز مٹی میں چھپی ہوتی ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔۷یعنی ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنالو،اس کے اندر کے بندوں کو اپنا بنالو۔۸یہ ساری عبارت متشابہات سے ہے۔اس کے حقیقی معنی وہ ہیں جو اللہ رسول جانیں۔یہاں اشعۃ اللمعات میں اسی جملہ کے پانچ معنی بیان فرمائے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخلوق کے داہنے بائیں میں سے بایاں ضعیف وکمزور ہوتا ہے۔داہنا قوی ربّ تعالیٰ ضعف وکمزوری سے پاک ہے۔اس کی صفات رحمت اور صفات قہر دونوں ہیں یعنی دونوں مبارک وقوی ہیں۔وہ عزیز وغالب ہے جسے گمراہ کرتا ہے تو حکمت سے اور جسے ہدایت دیتا ہے تو حکمت سے۔۹یہاں آدم علیہ السلام عالم شہود میں تھے۔دست قدرت میں عالم غیب میں بطور مثال تھے،خود اپنے کو دیکھ رہے تھے جیسے کوئی شخص آئینہ میں اپنے کو اور اپنے گھربار آل واولاد کو دیکھے جو خود گھر میں موجود ہوں۔یہ مثال محض سمجھانے کے لیے ہے از آدم تا روز قیامت سارے انسان حضرت آدم کو دکھادیئے گئے اور یہ دکھانا اجمالاً نہ تھا بلکہ تفصیلاً تھا کہ آپ نے ہر ایک کو پہچان لیا۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ربّ تعالیٰ نے پہلے تو آدم علیہ السلام کو تمام عالم کی چیزیں دکھا کر ان کے نام بتادیئے۔اس موقع پر صرف اولاد آدم دکھائی۔۱۰اس ہاتھ میں صالحین یعنی مومنین اولیاء وانبیاء ہی تھے۔دوسرے دست قدرت میں کفار ہوں گے۔خبر نہیں کہ ہم کس ہاتھ میں تھے ربّ تعالیٰ فضل کرے۔۱۱اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ انسان کی تقدیر اس کی عمر اس کی

پیشانی میں لکھی ہوتی ہے۔اس لیے اسے پیشانی کہتے ہیں یعنی پیش آنے والی چیز دوسرے یہ کہ یہ تحریر اللہ کے مقبول بندے پڑھ لیتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے بغیر کسی مدرسہ میں تعلیم پائے یہ تحریر پڑھ لی۔تیسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو سارے انسانوں کی تقدیریں ان کی عمریں معلوم تھیں۔یہ ہی علوم خمسہ سے ہیں۔ پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔آدم علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے علم کے سمندر کا قطرہ ہے۔شعر:۔

قدرت کی تحریریں جانے ۔۔۔ اُمی اور تقدیریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے ۔۔۔ وہ ہے رحمت والا
جن کا نام ہے محمد ۔۔۔ ان سے دو جگ ہیں اجیالا
آن کی آن میں عرش پہ جائے ۔۔۔ پلک جھپکتے فرش پہ آوے
دو جگ کا والی کہلائے ۔۔۔ امت کا رکھوالا
جن کا نام ہے محمد ۔۔۔ ان سے دو جگ ہیں اجیالا

۲؎ غالبًا حضرت آدم علیہ السلام کی غائر نظر حضرت یوسف علیہ السلام یا حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑی ہوگی یا ادھر متوجہ نہ ہوئے ہوں گے ورنہ حضور کا حسن تمام سے زیادہ ہے۔رب کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے زیادہ نہ ہو۔حضور کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ کسی سے لینے کے لیے رب تعالٰی کا منشا یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب آدم علیہ السلام کی نگاہ میں حسین ترین دکھایا جائے تا کہ اگلا واقعہ پیش آئے۔۳؎ آدم علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ عمر ان کی پیشانی میں پڑھ ہی چکے تھے۔رب تعالٰی کا یہ فرمان اس پڑھے ہوئے کی تصدیق و تائید کے لیے ہے۔۴؎ آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ ان کی عمر اپنی طرف سے بڑھا دے۔اس لیے یہ جواب دیا گیا کہ ہم تو انہیں وہ عمر دے چکے جو دینا تھی، آپ کی دعا سے اس وقت اس میں زیادتی نہ فرمائیں گے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی عمر پوری دی یعنی ایک ہزار سال اور داؤد علیہ السلام کو بھی یہ ساٹھ سال دیئے جو آدم علیہ السلام دے چکے تھے،لہذا اس فرمانِ عالی کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت ان کی عمر میں زیادتی نہ کریں گے (مرقات)۵؎ اس سے چند مسئلہ معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں،عمریں بڑھ جاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال سے سو سال ہوگئی۔قرآن کریم فرماتا ہے:مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ (۳۵:۱۱)اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کی عمر کم رکھی جائے یہ سب ایک کتاب میں ہے بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔(کنزالایمان) بلکہ بعض اعمال سے عمریں بڑھ جاتی ہیں۔حضور فرماتے ہیں کہ صدقہ سے عمر بڑھتی ہے۔۶؎ یعنی منظور ہے۔اگر تم ہی اپنی عمر دے رہے ہو تو تم جانو معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمر معلوم تھی کہ ایک ہزار سال ہے۔تب ہی تو آپ اس میں سے ساٹھ سال دے رہے ہیں۔اگر آپ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میری عمر دس سال ہے یا بیس سال تو آپ ساٹھ سال کیسے دیتے۔۷؎ خیال رہے کہ آپ کی یہ عمر جنت سے واپس آنے کے بعد شروع ہوئی تھی۔اس وقت سے آپ نے گنتی شروع کی تھی ورنہ آپ جنت میں بہت دراز مدت رہے،وہ مدت عمر کے حساب میں نہیں لگی۔جب بچہ پیدا ہوتا ہے تب اس کی عمر شروع ہوتی ہے۔پیٹ میں رہنے کی مدت عمر کے حساب میں نہیں لگتی۔اس لیے یہاں ثُمَّ اھْبِطْ ارشاد ہوا۔۸؎ تقدیر کے بیان میں جو حدیث گزری وہاں چالیس سال کا ذکر ہے۔یہاں ساٹھ کا ذکر بات یہ تھی کہ

آدم علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام کو پہلے چالیس دیئے، پھر ساٹھ سال کردیئے یعنی بیس سال اور زیادہ۔ حضرت ملک الموت اولاً تو جب آئے جبکہ جناب آدم کی عمر کے ساٹھ سال باقی تھے۔ آپ نے انکار کیا، پھر بیس سال بعد آئے۔ جب چالیس سال باقی تھے تاکہ ان بیس سال میں آپ اور بھی غور کرلیں۔ سوچ لیں، لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام کی موت ان کی رضا سے آتی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں۔ تب انہیں وفات دی جاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ اگر آپ ابھی موت نہیں چاہتے تو بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جتنے بال آپ کے ہاتھ لگیں، فی بال ایک سال۔ ۱۹؎ یعنی آدم علیہ السلام یہ واقعہ ایسا بھولے کہ یاددلانے پر بھی انہیں یاد نہ آیا، عمر لینا تو یاد رہا مگر عمر دینا یاد نہ رہا۔ خیال رہے کہ یہاں انکار اپنی یاد آنے کا ہے نہ کہ اصلی واقعہ کا اصل واقعہ تو بذریعہ فرشتہ کے ربّ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے، اس کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ ۲۰؎ آپ سے بھول تو گندم کھانے میں ہوئی اور انکار عمر دینے کا ہوا، اولاد میں ماں باپ کا اثر آتا ہے۔ اس لیے انسانوں میں یہ مرض خصوصیت سے موجود ہیں۔ ۲۱؎ معلوم ہوا کہ معاملات کا لکھ لینا ان پر گواہ بنالینا آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے۔

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدِ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۴۴۵۴) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔ میں چند عورتوں میں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سلام کیا ۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

(۴۴۵۴) ۱؎ ہم دوسری فصل میں عرض کرچکے ہیں کہ اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ ہم لوگ اجنبی جوان عورتوں کو نہ تو سلام کریں، نہ ان کے سلام کا جواب دیں، ہاں اپنی محرم عورتوں یا بچیوں یا بوڑھی عورتوں کو سلام جائز ہے۔

وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِي ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَّلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهٗ وَمَا تَصْنَعُ فِي السُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُهَا وَلَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَاهٰهُنَا فَتَحَدَّثُ قَالَ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَابَطْنٍ قَالَ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَابَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۴۵۵) روایت ہے طفیل بن ابی بن کعب سے ۱؎ کہ وہ حضرت ابن عمر کے پاس جاتے تھے تو ان کے ساتھ بازار تک جاتے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم بازار جاتے تو عبداللہ ابن عمر کسی معمولی چیزیں بیچنے والے ۲؎ اور شاندار تجارت کرنے والے اور مسکین پر اور کسی پر نہ گزرتے مگر اسے سلام کرتے ۳؎ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں عبداللہ ابن عمر کے پاس گیا تو مجھ سے بازار تک ساتھ چلنے کو کہا۔ میں بولا کہ آپ بازار میں کرتے کیا ہیں، نہ تو خرید وفروخت پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ سامان کی دریافت کرتے ہیں، نہ اس کا بھاؤ لگاتے ہیں، نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے ساتھ یہاں ہی بیٹھیں، باتیں کریں گے۔ ۴؎ فرماتے ہیں کہ تو مجھ سے عبداللہ ابن عمر نے فرمایا، اے پیٹ والے راوی کہتے ہیں کہ طفیل کا پیٹ بڑا تھا ۵؎ ہم سلام کے لیے جاتے ہیں کہ جو ہم کو ملے، اسے سلام کریں ۶؎ (مالک، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۴۵۵) ۱؎ طفیل تابعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہوئے مگر آپ کی زیارت نہ کرسکے۔ آپ کی کنیت ابو

الحسن ہے انصاری ہیں۔۲؎ سقاط سین کے فتحہ ق کے شد سے بنا ہے سقط سے، سقط معمولی چیزوں کو کہتے ہیں یعنی گھری بڑی چیزیں سقاط وہ شخص جو معمولی چیزیں فروخت کرتا ہو جسے اردو میں کہتے ہیں، چھابڑہ فروش اور صاحب بیعۃ اعلیٰ چیزوں کا بیوپاری کہلاتا ہے۔۳؎ یعنی آپ ہر تاجر غیر تاجر امیر وفقیر واقف ناواقف سب کو سلام کرتے تھے اور کچھ خرید وفروخت نہیں کرتے تھے۔۴؎ یعنی یہاں بیٹھ کر دینی باتیں کریں۔کتاب وسنت اللہ رسول کا ذکر کریں۔بازار جاتے آتے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔۵؎ لہٰذا ابوبطن کے معنی ہوئے پیٹ والے جیسے ابوہریرہ بلیوں والے ابوبکر اولیت والے،ابوبطن بڑے پیٹ والے۔۶؎ یعنی ہمارا بازار جانا بھی عبادت ہے کہ ہم وہاں عملی تبلیغ کے لیے جاتے ہیں۔سلام کی اشاعت کرنا لوگوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالنا۔معلوم ہوا کہ لوگوں کو سنت کا عادی بنانا بھی بہترین عبادت ہے۔علماء اگر لوگوں کے پاس جاکر انہیں تبلیغ کریں تو بہت ہی اچھا ہے۔گھر بلا کر تبلیغ کرنا اور لوگوں کے گھر جاکر تبلیغ کرنا دونوں ہی سنت ہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِيْ حَائِطِيْ عَذْقٌ وَّاِنَّهٗ قَدْ اٰذَانِيْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِيْ عَذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِيْ قَالَ لَاقَالَ فَبِعْنِيْهِ بِعَذْقٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ الَّذِيْ هُوَ اَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّا الَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۴۵۶) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا،بولا فلاں شخص کی کھجور کی شاخ میرے باغ میں ہے۱؎ اور اس کی شاخ نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔۲؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہلا بھیجا کہ میرے ہاتھ اپنی یہ شاخ فروخت کر دے۔۳؎ وہ بولا نہیں ۴؎ فرمایا تو مجھے ہبہ کر دے۔۵؎ بولا نہیں،فرمایا تو اسے میرے ہاتھ جنت کے درخت کے عوض بیچ دے۔۶؎ بولا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایسا شخص نہ دیکھا جو تجھ سے زیادہ بخیل ہو۔۷؎ سواء اس کے جو سلام میں بخل کرے۔۸؎ (احمد،بیہقی،شعب الایمان)

(۴۴۵۶) ۱؎ اس طرح کہ میرا باغ اس کے باغ سے متصل ہے۔ایک مشترک دیوار بیچ میں ہے۔دیوار کے اس طرف اس کی کھجور کا درخت ہے۔اس درخت کی ایک شاخ دیوار کی اس جانب میرے باغ میں ہے۔حائط وہ باغ کہلاتا ہے جو دیواروں سے گھرا ہو۔عرب کے اکثر باغ ایسے ہی ہوتے ہیں۔۲؎ کیونکہ یہ شخص اس شاخ کی وجہ سے دیوار پر چڑھتا ہے اور اگر اس شاخ کے پھل میری طرف گر جائیں تو انہیں لینے کے لیے میرے باغ میں آتا ہے۔ان حرکتوں سے مجھے اور میرے بچوں کو تکلیف ہوتی ہے۔عرب میں باغ والے کا مکان بھی باغ میں ہوتا ہے۔جہاں اس کے بال بچے رہتے ہیں۔اس پڑوسی کی اس آمد و رفت سے اسے یقیناً دکھ پہنچتا تھا۔۳؎ یعنی اس شاخ یا اس درخت کو ہمارے ہاتھ کچھ پیسوں کے عوض فروخت کردو تاکہ ہم وہ شاخ یا وہ درخت کٹوادیں تاکہ اس شخص کی تکلیف دور ہو۔چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ب مسلمانوں کے ولی ہیں۔اس لیے فرمایا یعنی ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔۴؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ نہ ماننے والا یا فاسق ہوگا یا کافر مگر حضور کے مشورے کا ماننا فرض نہیں۔نہ قبول کرنے کا حق ہے۔یہاں فرمانا مشورہ تھا،حکم نہ تھا۔دوسرے یہ کہ حاکم بادشاہ بھی کسی کا مال بغیر اس کی مرضی کے فروخت نہیں کرسکتا۔بیع میں مالک کی رضا ضروری ہے۔حضور انور نے اس سے فرمایا،فروخت کردے،خود فروخت نہ فرمادیا۔رب فرماتا ہے:اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۴:۲۹) مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔(کنز الایمان) اور ایک سائل کا کمبل و پیالہ نیلام فرمادینا یہ حضور کی ولایت عامہ کی بنا پر تھا۔جیسے مالک

اپنے غلام کا مال یا باپ اپنے چھوٹے بچے کا مال فروخت کرسکتا ہے۔غرضیکہ حضور کے دو عمل دو حیثیت سے ہیں۔ابی اللحم کے ہاں حضور کی دعوت تھی ایک شخص کو ساتھ لے گئے تو مالک سے اجازت لی۔حضرت طلحہ کے ہاں سارے خندق والوں کو مہمان بنا کر لے گئے وہاں فتویٰ یہاں اپنی ملکیت کا اظہار صلی اللہ علیہ وسلم۔۵؎ بغیر دنیاوی عوض کے دے دے،یہ ہبہ درحقیقت اس باغ والے کے لیے ہوتا ھب لی فرمانا اس وجہ سے ہے جو ابھی عرض کی گئی یا ہب لی کے معنے یہ ہیں کہ میری خاطر اس باغ والے کو ہبہ کردے تو یہ سفارش ہے نہ کہ حکم شرعی۔(مرقات)۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان تھا۔مطلب یہ ہے کہ تو اسے سفارش سے بطور صدقہ دے دے۔میں تجھے اس کی عوض جنت کا باغ عطا کرتا ہوں۔حضور جنت کے مالک ہیں۔وہاں کی کوئی چیز کسی کو کسی کے عوض دے سکتے ہیں۔۷؎ شاید یہ شخص کوئی بدوی یعنی جنگلی شخص تھا جسے،ان چیزوں کی قدر نہ تھی،نہ آداب مجلس سے واقف تھا ورنہ جنت کی عوض درخت کی شاخ کا بک جانا اچھا سودا تھا۔۸؎ یعنی تجھ سے بڑھ کر بخیل وہ ہے جو مسلمان بھائی کو بلاوجہ سلام نہ کرے،مفت کا ثواب کھودے یا وہ ہے جو مجھ پر سلام نہ بھیجے۔دوسری توجیہ زیادہ قوی ہے(مرقات)اس کی تائید اس حدیث سے ہے کہ بخیل وہ جو میرا ذکر سنے اور مجھ پر سلام نہ بھیجے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِئٌ مِّنَ الْكِبْرِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۴۵۷)روایت ہے حضرت عبداللہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا سلام میں ابتداء کرنے والا تکبر سے دور ہے۔۱؎ (بیہقی،شعب الایمان)

(۴۴۵۷) ۱؎ یعنی جو شخص مسلمانوں کو سلام کرلیا کرے،وہ ان شاءاللہ متکبر نہ ہوگا۔اس کے دل میں عجز و نیاز ہوگا۔یہ عمل مجرب ہے۔

بَابُ الْاِسْتِيْذَانِ — اجازت لینے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

استیذان بنا ہے اذن سے اذن کے معنی علم بھی ہیں اور اباحت و اجازت بھی۔استیذان کے معنی ہیں اجازت داخلہ حاصل کرنا یا یہ علم حاصل کرنا کہ مجھے اس جگہ جانا درست ہے۔کسی کے گھر میں جاتے وقت اس سے اجازت مانگنا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ کہے السلام علیکم،کیا میں آسکتا ہوں؟ یہ سلام بھی استیذان کا ہے(اشعہ،مرقات،لمعات)وہ جو آتا ہے کہ السلام قبل الکلام،وہاں سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے جو ملاقات کے وقت ہوتا ہے۔یہ سلام استیذان ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰى قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَيَّ اَنْ اٰتِيَهٗ فَاَتَيْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلٰثًا فَلَمْ يُرَدَّ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَامَنَعَكَ اَنْ تَاْتِيَنَا فَقُلْتُ اِنِّيْ اَتَيْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰى بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَيَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ

(۴۴۵۸)روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوموسیٰ آئے۔بولے کہ حضرت عمر نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں ان کے پاس آؤں تو میں ان کے دروازے پر آیا۔میں نے تین بار سلام کیا۔۱؎ انہوں نے جواب نہ دیا تو میں لوٹ گیا۔۲؎ انہوں نے فرمایا کہ تم کو ہمارے پاس آنے سے کس نے روکا۔۳؎ میں نے کہا کہ میں آیا تھا،آپ کے دروازے پر تین بار سلام کیا،آپ نے

ثَلٰثًا فَلَمْ يُوْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰى عُمَرَ فَشَهِدْتُ

(مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ)

جواب نہ دیا۔۴ تو میں لوٹ گیا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے، پھر اسے اجازت نہ دی جائے لوٹ جائے۔۵ حضرت عمر نے فرمایا کہ اس پر گواہی قائم کرو۔۶ ابو سعید کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت عمر کی طرف گیا، پھر میں نے گواہی دی۔۷ (مسلم بخاری)

(۴۴۵۸) ۱ یعنی جب میں حضرت عمر کے دروازے پر آیا تو میں نے تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر تین بار کہا، السلام علیکم یہ سلام استیذ ان ہے۔ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لیے صرف سلام کرنا بھی کافی ہے اور یہ بھی کہ السلام علیکم، کیا میں آجاؤں، چونکہ حضرت عمر مکان میں تھے، جوز نانہ تھا، اس لیے اجازت مانگنے کی ضرورت ہوئی۔ اگر مردانہ میں ہوتے تو بلانا ہی کافی تھا جسے بلایا جائے، اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔۲ دروازہ پیٹا نہیں، آج آنے والے اگر اجازت نہ پائیں تو دروازہ توڑ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلامی احکام سے خبردار نہیں۔۳ یا تو میرے لوٹتے ہی مجھے خادم کے ذریعہ بلوا کر یہ کہا یا جب میں کسی اور موقع پر حاضر ہوا، تب یہ فرمایا، پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔۴ یعنی گھر سے جواب سلام نہ ملا، نہ آپ نے جواب دیا۔ نہ آپ کے اہل خانہ میں کسی نے اس لیے میں واپس گیا۔۵ گھر والا پہلے سلام پر تو پہچانے کون ہے، دوسرے سلام پر غور کرے کہ اسے اجازت دوں یا نہ دوں۔ تیسرے سلام پر اجازت دے یا نہ دے، ان تین سلاموں میں یہ حکمت ہے۔۶ اس گواہی مانگنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہوجائیں یا حدیثیں گھڑنے نہ لگیں نہ تو یہ وجہ تھی کہ ان صحابی پر آپ کو اعتماد نہ تھا۔ نہ یہ کہ خبر واحد قبول نہیں کیونکہ دو شخصوں کی خبر بھی واحد ہی ہوتی ہے۔ حدتواتر سے کم کی خبر خبر واحد ہے۔ (مرقات) مطلب یہ ہے کہ کوئی اور صحابی ایسا پیش کرو جس نے حضور انور سے یہ فرمان سنا ہو۔۷ یعنی میں نے حضرت عمر کے پاس جا کر عرض کیا کہ میں نے بھی یہ فرمان عالی حضور انور سے سنا ہے، تب آپ خاموش ہوگئے۔ اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تھا کہ جو احادیث عہد فاروقی کے بعد شائع ہوئیں، ہم اسے قبول نہ کریں گے کیونکہ حضرت عمر کی سی احتیاط بعد میں نہ رہی۔ خلافت حیدری میں روافض وخوارج کا ظہور ہوا۔ روافض نے حضرت علی کے فضائل میں خوارج نے آپ کے خلاف حدیثیں گھڑنا شروع کردی تھیں۔ پھر محدثین نے جرح وتعدیل کرکے احادیث کو چھانٹا، اسنادیں قائم کیں۔ سندوں میں جرح وقدح کی کھرے کھوٹے کو الگ کرکے دکھا دیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَيَّ اَنْ تُرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْتَمِعَ سِوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاكَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۵۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے میرے پاس آنے کی اجازت یہ ہے کہ تم پردہ اٹھادو اور یہ کہ میری بھنک سنو۱ حتیٰ کہ میں تم کو منع کردوں۔۲ (مسلم)

(۴۴۵۹) ۱ یعنی تم بغیر آواز دیئے دروازہ کا پردہ اٹھاؤ، گھر میں آجاؤ۔ اگرچہ میں کسی سے خفیہ بات کررہا ہوں۔ تم کو اجازت ہے کہ آجاؤ، میری وہ بات سن لو، یہ آپ کی نہایت اہم خصوصیت ہے کہ آستانہ عالیہ میں ایسے بار یاب ہیں۔ چونکہ آپ حضور انور کے خادم خاص تھے اور خصوصی خدام جنہیں بار بار گھر میں آنا جانا رہتا ہے، انہیں ہر دفعہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کہ اس پابندی میں تکلیف ہوگی۔ انہیں بھی اور

گھر والوں کو بھی حضور کا یہ فرمان ان کے لیے دائمی اجازت ہوگیا۔خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابن مسعود سے ازواج پاک پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ مکان سے مردانہ مکان مراد ہے نہ کہ زنانہ یا یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے ہے(مرقات) سواد سین کے کسرہ سے خفیہ آواز یعنی بھنک ۔۲؎ یعنی اگر کسی وقت میں تم کو آتے ہوئے اشارۃً منع کردوں تب نہ آنا،وہ کوئی خاص صورت ہوگی۔گویا یہ عمومی اجازت ہے،وہ خصوصی ممانعت ہوگی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۶۰) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قرض کے بارے میں آیا جو میرے باپ پر تھا۱؎ میں نے دروازہ بجایا،فرمایا یہ کون ہے۔میں نے کہا کہ میں تو فرمایا کہ میں میں کیا،غالبًا حضور نے اسے ناپسند کیا۔۲؎(مسلم بخاری)

(۴۴۶۰) ۱؎ جناب عبداللہ یعنی حضرت جابر کے والد مقروض تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوگئے۔حضرت جابر اس کے متعلق دعا کرانے یا قرض خواہوں سے سفارش کے لیے حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔یہ حدیث انشاءاللہ باب المعجزات میں آئے گی۔۲؎ معلوم ہوا کہ آنے والا پوچھنے پر اپنا نام لے،صرف میں نہ کہہ دے کہ میں سب ہیں،اس سے گھر والے کو پہچان نہیں ہوتی کہ کون اجازت مانگ رہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِيْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَا هِرٍّ اِلْحَقْ بِاَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَيَّ فَاَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا فَاُذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۴۶۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا تو آپ نے پیالہ میں دودھ پایا۱؎ فرمایا ابو ہریرہ صفہ والوں کے پاس جاؤ،انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔میں ان کے پاس گیا،انہیں بلایا تو وہ آگئے۔انہوں نے اذن مانگا،انہیں اذن دیا تو وہ اندر آئے۲؎(بخاری)

(۴۴۶۱) ۱؎ غالبًا یہ واقعہ حضور کے اپنے گھر شریف کا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے گھر کا واقعہ ہے کہ حضور نے ان کے گھر یہ دودھ پایا تھا۔(مرقات)۲؎ ان بزرگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بلایا تھا مگر چونکہ وہ حضرات دیر سے آئے تھے،اس لیے داخلہ کی اجازت مانگی ورنہ اگر بلانے والے کے ساتھ فورًا آجائے اور بلانے والا زنان خانہ میں نہ ہو تو داخلہ کی اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں یا یہ اجازت لینا استحبابًا تھا نہ کہ وجوبًا،لہذا یہ حدیث آئندہ حدیث کے خلاف نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ كَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْ جَدَايَةٍ وَّضَغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلْ

(۴۴۶۲) روایت ہے کلدہ ابن حنبل سے کہ صفوان ابن امیہ نے۱؎ دودھ یا ہرنی کا بچہ اور ککڑیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۲؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اعلیٰ حصہ میں تھے۳؎ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا،نہ اجازت لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،لوٹ جاؤ،پھر کہو،السلام علیکم پھر اندر

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ) آؤں؟ (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۴۶۲) ۱؎ کلدہ ابن امیہ ماں شریکے بھائی ہیں صفوان ابن امیہ کے۔صفوان قرشی ہیں۔فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔موافقۃ القوب سے ہیں۔ان کا باپ امیہ ابن خلف بدر کے دن دوسرے مشرکین کے ساتھ مارا گیا۔یہ مکہ معظمہ میں فوت ہوئے وہاں ہی دفن ہوئے۔صفوان بڑے فصیح خطیب تھے(مرقات) ۲؎ جدایہ،ہرنی کے شش ماہیہ بچے کو کہتے ہیں اور جدی بکری کے شش ماہیہ بچے کو کہا جاتا ہے۔ضغابیں جمع ہے ضغبوس کی۔بمعنی چھوٹی ککڑی جسے پنجابی میں گلہ کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گلے بہت پسند تھے۔۳؎ مکہ معظمہ کے اونچے محلوں کو معلی کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے بیرونی بلند حصوں کو عوالی کہتے ہیں۔اشعہ نے فرمایا کہ حضور انور مکہ معظمہ کے اعلیٰ حصہ میں تھے۔مرقات نے کہا کہ مدینہ منورہ میں یہ واقعہ ہوا،حضور وہاں تشریف فرماتھے۔۴؎ یہ عمل اس لیے فرمایا تاکہ انہیں یادرہے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں جو شخص ہمارے گھر میں بغیر سلام آئے،اسے پھر باہر بھیجو اور کہو کہ دوبارہ سلام کر کے آؤ،انشاءاللہ ایک دفعہ کے عمل سے اسے سلام کی عادت پڑ جائے گی۔

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَجَآءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَهٗ إِذْنٌ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ رَسُوْلُ الرَّجُلِ إِلَى الرَّجُلِ إِذْنُهٗ)

(۴۴۶۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بلایا جائے تو وہ قاصد کے ساتھ آئے تو یہ ہی اس کی اجازت ہے۱؎(ابوداؤد)ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا،آدمی کا قاصد آدمی کی طرف اس کی اجازت ہے۲؎

(۴۴۶۳) ۱؎ یہ جب ہے جبکہ وہ شخص جلد آئے اور بلانے والا زنان خانہ میں نہ ہو،لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ایسے شخص کا اجازت لینا ثابت ہے۔۲؎ اس میں وہ قیدیں ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں یعنی جو بلانے والے قاصد کے ساتھ آئے،اسے داخلہ کی اجازت لینا ضروری نہیں،قاصد ہی اس کی اجازت ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتٰى بَابَ قَوْمٍ لَّمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَآءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِّنْ رُّكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ أَنَّ الدُّوْرَ لَمْ يَكُنْ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ)

(۴۴۶۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو منہ کے طرف سے دروازے کے،سامنے نہ ہوتے لیکن اس کے داہنے یا بائیں رہتے۱؎ پھر فرماتے السلام علیکم،السلام علیکم یہ اس لیے تھا کہ اس زمانہ میں گھروں کے پردے نہ تھے۲؎(ابوداؤد)اور حضرت انس کی حدیث کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا،السلام علیکم دعوت کے باب میں ذکر دی گئی۳؎

(۴۴۶۴) ۱؎ سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے تاکہ پردہ کے سوراخوں کواڑ کے جھروں سے اندرونی حصہ نظر نہ آئے اور گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔۲؎ یعنی کواڑوں کے پردے نہ تھے صرف ٹاٹ پڑے رہتے تھے۔اب جب کہ دروازوں پر کواڑ وغیرہ ہیں۔تب بھی بالکل دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہونا کہ کواڑوں کی جھری سے یا پردہ ہٹ جانے سے گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں

یہاں تھی، ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں نقل کردی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَسْتَاذِنُ عَلٰى اُمِّيْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَا قَالَ فَاسْتَاذِنْ عَلَيْهَا (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً)

(۴۴۶۵) روایت ہے عطاء ابن یسار سے[1] کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، بولا کیا میں اپنی ماں سے داخلہ کی اجازت لوں[2] فرمایا، ہاں وہ بولا کہ میں گھر میں اس کے، ساتھ رہتا ہوں[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو تو وہ شخص بولا کہ میں تو اس کا خدمتگار ہوں[4] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت داخلہ لو[5] کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ننگا دیکھو، وہ بولا نہیں تو فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو[6] (مالک ارسالاً)

(۴۴۶۵) [1] آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے کہ آپ حضرت میمونہ ام المومنین کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ جلیل القدر تابعی ہیں (اشعہ) [2] یعنی اگر اکیلے گھر میں صرف میری ماں حقیقی یا سوتیلی یا دودھ کی یا اور کوئی محرم ہو جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اس سے مراد باقی تمام ذی رحم محرم نہیں (مرقات) تو میں بغیر اجازت گھر میں چلا جاؤں یا ان سے بھی داخلہ کی اجازت لوں۔ [3] یعنی اگر میں اپنی ماں سے علیحدہ نہ رہتا ہوں بلکہ ایک گھر میں ساتھ رہتا ہوں، کہیں باہر گیا، پھر آیا تو کیا پھر اجازت لوں۔ [4] اس خدمت گزاری کی وجہ سے بار بار مجھے جانا آنا پڑتا ہے، ہر بار اجازت لینے میں حرج ہوگا۔ [5] اس اجازت میں یہ آسانی ہے کہ صرف کھانس دینا، پاؤں کی آہٹ کردینا، کنڈی بجا دینا، متھار دینا کافی ہوگا، باقاعدہ سلام کرکے اجازت لینا ضروری نہ ہوگا (مرقات) کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع کافی ہوگی۔ [6] سبحان اللہ کیسی پیاری وجہ بیان ہوئی کہ چونکہ ماں کا ستر دیکھنا حرام ہے اور بے اجازت داخل ہونے میں اس کا اندیشہ ہے، لہٰذا اطلاع کرکے آنا چاہیے۔ ہاں اگر گھر میں صرف بیوی ہو تو اطلاع کی ضرورت نہیں کہ بیوی سے حجاب نہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِيْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَمَدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ اِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِيْ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۴۴۶۶) روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک حاضری رات میں ہوتی تھی[1] ایک حاضری دن میں تو میں جب رات میں حاضر ہوتا تو آپ میری خاطر کھنکار دیتے[2] (نسائی)

(۴۴۶۶) [1] یعنی میں روزانہ کم از کم ایک بار دن میں حاضر ہوتا تھا اور ایک بار رات میں کبھی زیادہ بار بھی حاضری دیتا تھا۔ یہ حاضریاں زیادہ قرب منزلت کی بنا پر تھیں۔ [2] یہ کھنکارنا اجازت کے لیے ہوتا تھا کہ آجاؤ اجازت ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۴۶۷) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سلام سے ابتدا نہ کرے، اسے اجازت نہ دو[1] (بیہقی، شعب الایمان)

(۴۴۶۷) ۱؎ اس سلام سے مراد یا سلام اجازت ہے یا سلام ملاقات یعنی جو شخص بغیر سلام اجازت داخلہ مانگے یا جو شخص جب گھر میں آئے تو سلام نہ کرے، بات شروع کردے تو اسے آنے یا بیٹھنے کی اجازت نہ دو، واپس کرو، پھر بلاؤ تاکہ وہ اب سلام کرکے آئے یہ جو کوئی تمہاری دعوت میں بغیر سلام آجائے تو اسے کھانا نہ دو، لوٹا کر سلام کے ساتھ بلاؤ، پھر کھلاؤ (مرقات)

بَابُ الْمُصَافَحَةِ وَالْمُعَانَقَةِ — مصافحہ کرنے گلے لگنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

مصافحہ بنا ہے صفح سے بمعنی کشادگی و چوڑائی اس سے دروازے کے تختوں کو صفائح الباب کہتے ہیں اور تلوار کی چوڑائی کو صفح السیف کہتے ہیں۔ مصافحہ کے معنی ہیں ہاتھ کی چوڑائی یعنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی سے ملانا۔ معانقہ بنا ہے عنق سے بمعنی گردن اور گلا معانقہ کے معنی ہیں کسی کو گلے لگانا۔ مصافحہ معانقہ کے متعلق چند مسائل یاد رکھو۔

نمبر۱- مصافحہ دونوں ہاتھوں سے چاہیے، صرف ایک ہاتھ سے نہ کرے۔

نمبر۲- مصافحہ کرتے وقت ہاتھوں کو ہلانا چاہیے۔

نمبر۳- نماز جمعہ یا نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنا اگرچہ سنت نہیں مگر درست ہے بلکہ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے۔

نمبر۴- اجنبی جوان عورت سے مرد کو مصافحہ کرنا حرام ہے۔

نمبر۵- اپنی محرم یا بہت بوڑھی عورت سے مصافحہ جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اپنے زمانہ خلافت میں اپنی دودھ کی ماں سے مصافحہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر مکہ معظمہ میں ایک بوڑھی عورت کی اپنے ہاتھ سے خدمت کرتے تھے۔

نمبر۶- خوبصورت امرد لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔

نمبر۷- علماء مشائخ کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ حضرات صحابہ نے حضور کے پاؤں چومے ہیں۔

نمبر۸- جو شخص اپنے کو لوگوں سے چموائے اور چومنے کے لیے کہے اشارۃً یا صراحۃً اس کے ہاتھ چومنا منع ہے۔

نمبر۹- مصافحہ کرکے اپنے ہاتھ چومنا منع ہے۔

نمبر۱۰- بچوں کو چومنا جائز ہے۔

نمبر۱۱- ننگے بدن معانقہ کرنا حرام ہے۔ ہاں کپڑے پہنے ہوئے معانقہ کرنا جائز ہے مگر مرد مرد سے معانقہ کریں۔ عورتیں عورتوں سے۔ مرد عورت سے اور امرد لڑکوں سے معانقہ نہ کریں۔

نمبر۱۲- اپنی اولاد کا سر چومنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کے جسم سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ یہ تمام مسائل اشعۃ اللمعات میں ہیں۔

نمبر۱۳- کسی کو سجدہ کرنا، اس کے آگے کی زمین چومنا حرام ہے، یوں ہی سلام میں تا حد رکوع جھکنا حرام ہے۔

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ (۴۴۶۸) روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں، میں نے

فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس سے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ مروج تھا۔فرمایا ہاں!(بخاری)

(۴۴۶۸) !یعنی بوقت ملاقات مصافحہ کرنا سنت صحابہ ہے بلکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِیْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَاقَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَايُرْحَمُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَثَمَّ لُكَعُ فِیْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ اُمِّ هَانِیْءٍ فِیْ بَابِ الْاَمَانِ

(۴۴۶۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن ابن علی کو چوما!اور آپ کے پاس اقرع ابن حابس تھے؟وہ بولے کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو نہ چوما؟تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، پھر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا؟(مسلم بخاری) ہم جناب ابو ہریرہ کی حدیث اثم لکع مناقب اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ذکر کریں گے۔انشاء اللہ، اور ام ہانی کی حدیث باب الامان میں ذکر کردی گئی۵

(۴۴۶۹) !ان کے رخسار چومے یا سر یا دونوں تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔۲!اقرع ابن حابس فتح مکہ کے سال بعد فتح بنی تمیم کے وفد میں حضور انور کی خدمت میں آئے۔اپنی قوم میں بہت باعزت تھے۔۳یعنی میں نے ساری عمر اپنے کسی بچہ کو نہ چوما۔آپ بچوں کو کیوں بوسہ دیتے ہیں۔خیال رہے کہ بوسہ پانچ قسم کے ہیں۔بوسہ مودت جیسے ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومنا، بوسہ رحمت جیسے اپنے بچوں کو چومنا، بوسہ شہوت جیسے اپنی بیوی کو چومنا، بوسہ تحیۃ جیسے مسلمانوں کا ایک دوسرے کو چومنا، بوسہ عبادت جیسے سنگ اسود یا قرآن مجید کو چومنا (از اشعہ) حضور کا یہ بوسہ بوسہ رحمت تھا۔۴یعنی بچوں کو چومنا بوسہ رحمت ہے جس کے دل میں رحم نہیں اس پر خدا تعالٰی بھی رحم نہیں کرتا۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اپنے ننھے بچوں کو کبھی کبھی چومنا واجب ہے۔(مرقات)۵یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں، ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان بابوں میں ذکر کیا۔خیال رہے کہ حدیث من لا یرحم لا یرحم یعنی جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔اسے مسلم بخاری، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی نے مختلف راویوں سے نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّاغُفِرَلَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَّتَفَرَّقَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَقَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ

(۴۴۷۰) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دو مسلمان نہیں جو آپس میں ملیں، پھر مصافحہ کریں۔مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں بخش دیئے جاتے ہیں!(احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جب دو مسلمان ملیں تو مصافحہ کریں۔اللہ تعالٰی کی حمد کریں

وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا) اور اس سے معافی چاہیں تو ان کی بخشش کر دی جاتی ہے۔۲

(۴۴۷۰) ۱؎ مصافحہ سے گناہ صغیرہ جو ہاتھ سے کیے گئے، معاف ہو جاتے ہیں۔ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ ابوالشیخ نے بروایت حضرت عمر مرفوعًا حدیث نقل کی۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ نے کہ دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالٰی کی سو رحمتیں اترتی ہیں، نوے رحمتیں مصافحہ کی ابتداء کرنے والے پر اور دس رحمتیں دوسرے پر (مرقات) ۲؎ یعنی مصافحہ کرتے وقت دونوں صاحب پہلے تو اللہ کی حمد اس کا شکر کریں کہ اس نے ان کو اسلام کی برکت سے بھائی بھائی بنا دیا۔ پھر یہ شخص دونوں کے لیے دعا مغفرت کرے کہ کہے **یغفر اللہ لنا و لکم** بعض لوگ اس وقت درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ بھی اچھا ہے کہ حضور کی سنت ادا کرتے وقت حضور پر درود شریف پڑھیں جن کے صدقہ میں یہ سنت ملی۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۴۷۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے، فرمایا نہیں ۱؎ کہا گیا اس سے لپٹ جائے اور اسے چومے فرمایا نہیں ۲؎ عرض کیا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑے اور اس سے مصافحہ کرے، فرمایا ہاں ۳؎ (ترمذی)

(۴۴۷۱) ۱؎ کیونکہ جھکنا رکوع ہے اور غیر خدا کو جیسے سجدہ کرنا حرام ہے۔ ایسے ہی رکوع کرنا بھی حرام ہے۔ خیال رہے کہ جھکنا جب ممنوع ہے جبکہ تعظیم کے لیے ہو۔ اگر جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو تو جائز جیسے کسی کے جوتے سیدھے کرنے یا اس کا ہاتھ یا پاؤں چومنے کے لیے جھکنا ممنوع نہیں کہ یہ جھکنا اور کاموں کے لیے ہے۔ ۲؎ لپٹنے اور چومنے کی ممانعت کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ہر ایک سے معانقہ کرنا ہر ایک کے ہاتھ پاؤں چومنا منع ہے۔ خاص بزرگوں کی دست و پابوسی اور خاص پیاروں کو گلے لگانا جائز ہے یا دنیا داروں مالداروں سے خوشامد کے لیے لپٹنا ان کے ہاتھ پاؤں چومنا درست نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں معانقہ اور دست و پابوسی کا ثبوت ہے۔ حضور نے بعض صحابہ سے معانقہ کیا ہے اور صحابہ نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ہیں (مرقات، لمعات، اشعہ) ۳؎ یعنی مصافحہ کرنا ہر مسلمان سے سنت ہے۔ بوقت ملاقات مصافحہ کرے، بوقت وداع نہ کرے کہ وداع کے وقت مصافحہ کرنے سے محبت گھٹتی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ اَنْ يَّضَعَ اَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰى يَدِهٖ فَيَسْاَلُهُ كَيْفَ هُوَ وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَضَعَّفَهُ

(۴۴۷۲) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیمار کی پوری مزاج پرسی یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے، پھر اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے ۱؎ اور تمہاری آپس کی پوری تحیت مصافحہ ہے ۲؎ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے اسے ضعیف کہا۔

(۴۴۷۲) ۱؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنے جائے تو اپنا ہاتھ اس کے سر یا ہاتھ پر رکھے، پھر زبان سے یہ کہے، اس سے بیمار کو تسلی ہوتی ہے مگر بہت دیر تک ہاتھ نہ رکھے رہے۔ یہ ہاتھ رکھنا اظہار محبت کے لیے ہے۔ ۲؎ بوقت ملاقات صرف سلام کرنا ادنی درجہ

ہے اور معانقہ کرنا انتہائی حالت ہے۔ ہر وقت معانقہ تکلیف کا باعث ہے۔ درمیانی حالت یہ ہے کہ بوقت ملاقات سلام بھی کرے، مصافحہ بھی اور درمیانی حالت ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا يَّجُرُّ ثَوْبَهٗ وَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُهٗ عُرْيَانًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ فَاعْتَنَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۴۷۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ زید ابن حارثہ مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے[1] وہ حضور کے پاس آئے تو دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف برہنہ چلے، اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے[2] بخدا میں نے آپ کو برہنہ دیکھا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد[3] تو حضور نے انہیں گلے لگا لیا انہیں چوما (ترمذی)[4]

(۴۴۷۳) [1] کسی سفر سے آئے یا کسی جہاد سے۔ عرصہ تک غائب رہنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اس دن حضور کی باری میرے گھر تھی۔ یہ واقعہ میرے گھر میں درپیش ہوا جسے میں نے اپنی آنکھوں دیکھا۔ [2] یعنی حضور انور نے چادر اوڑھنے یا قمیص پہننے کا توقف نہ کیا بلکہ قمیص پہنتے ہوئے یا چادر اوڑھتے ہوئے ہی ان کی طرف بڑھے۔ برہنہ کے یہ ہی معنی ہیں یعنی بے چادر یا بغیر قمیص ورنہ حضور انور کا ستر کسی بیوی صاحبہ نے بھی کبھی نہ دیکھا (مرقات واشعہ) [3] معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور دولت خانہ میں بھی بغیر قمیص کبھی کسی کے سامنے نہ ہوئے۔ اس شرم وحیا پر قربان یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اس طرح بغیر قمیص کسی سے ملتے نہ دیکھا، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ [4] اس میں حضرت زید ابن حارثہ کی انتہائی محبوبیت کا اظہار ہے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا بنایا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشی میں کسی سے گلے ملنا سنت ہے، لہذا عید کے معانقہ کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِيْ وَ بَعَثَ اِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَّلَمْ اَكُنْ فِيْ اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۴۷۴) روایت ہے ایوب ابن بشیر سے وہ عنزہ کے ایک شخص سے راوی[1] فرماتے ہیں کہ میں نے ابوذر سے کہا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تم ان سے ملتے تو تم سے مصافحہ کرتے تھے[2] فرمایا کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں آپ سے ملا ہوں اور مجھ سے مصافحہ نہ کیا۔[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دن بلایا، میں اپنے گھر میں نہ تھا۔ پھر جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی تو میں حضور کے پاس آیا، آپ ایک تخت پر تھے، مجھے لپٹا لیا تو یہ بہت اچھا، بہت اچھا ہوا۔[4] (ابوداؤد)

(۴۴۷۴) [1] ایوب ابن بشیر تبع تابعین ہیں اور قبیلہ عنزہ کے وہ صاحب جن کا نام نہ لیا، وہ تابعی ہیں، خبر نہیں وہ عادل ثقہ ہیں یا نہیں۔ [2] یعنی جب تم حضور انور سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے تھے تو کیا حضور تم سے مصافحہ کر لیتے تھے، یہ بعید ہے کہ حضور انور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور صحابی مصافحہ نہ کریں۔ (مرقات) [3] یہاں بھی وہ ہی مطلب ہے کہ جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا تو میں مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا تھا۔ حضور مجھ سے مصافحہ فرمالیتے تھے۔ [4] آج کوئی خاص وقت تھا۔ دریائے کرم جوش میں تھا مجھ سے بجائے مصافحہ کے معانقہ فرمایا، معانقہ مصافحہ سے اس لیے بہتر ہوا کہ مصافحہ میں صرف ہاتھ ملتے ہیں اور معانقہ میں گلا، سینہ وغیرہ سب ہی مل گئے۔ فیضان جو معانقہ میں

ہوا، وہ مصافحہ کے فیضان سے زیادہ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ صرف سفر سے آنے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ حالت میں بھی ہوسکتا ہے (اشعہ)

وَعَنْ عِكْرِمَةَ ابْنِ اَبِىْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جِئْتُهٗ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

(۴۴۷۵) روایت ہے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل سے[1] فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن میں آپ کے پاس آیا[2] خوش آمدید مہاجر سوار (ترمذی)

(۴۴۷۵) [1] ابوجہل کا نام عمرو ابن ہشام قریشی مخزومی ہے۔لوگ اسے ابوالحکم کہتے تھے۔حضور نے اس کا نام ابوجہل رکھا یعنی جہالت والا یہ اس امت کا فرعون ہے اس کا فرزند عکرمہ بھی حضور کے سخت تر دشمن تھے۔فتح مکہ کے دن یہ یمن بھاگ گئے۔ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث اولاً حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ایمان لائیں۔پھر اپنے خاوند کے لیے امن لے کر یمن سے حضور اقدس کی خدمت میں لائیں جب مکہ آئے تو حضور انور ان کے لیے کھڑے ہوگئے۔انہیں گلے لگایا اور یہ فرمایا، خیال رہے کہ انہیں مہاجر کہنا اس معنی میں سے ہے کہ کفر یا دار کفر سے اسلام یا دار اسلام کی طرف انہوں نے ہجرت کی۔عکرمہ کا ایمان ۸ ہجری میں ہوا اور آپ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یعنی خلافت فاروقی میں۔حضور نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا تھا کہ میں نے ابوجہل کی ایک شاخ جنت میں دیکھی ہے۔جب عکرمہ ایمان لائے تو فرمایا، اے ام سلمہ یہ ہے ابوجہل کی جنتی شاخ۔آپ کا ایمان نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوا۔آپ جب قرآن مجید کھولتے تو کہتے، اے میرے رب کے فرمان عالی شان یہ کہہ کر اکثر بے ہوش جاتے تھے (مرقات) اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں ہے کہ آپ یمن جانے کے لیے جدہ پہنچ گئے تھے، کشتی میں سوار ہوگئے تھے کہ آپ کی بیوی پہنچ گئی اور آپ کو اپنے دوپٹہ سے اشارہ کیا۔آپ کشتی سے اتر آئے۔آپ کو حضور کی امان دہی کی خبر دی، وہ بولے کہ میں امان کے لائق ہی نہیں ہوں، میں بڑا مجرم ہوں۔وہ بولیں کہ حضور کی رحمت تمہارے قصوروں سے زیادہ ہے۔اس پر وہ آئے اور یہ واقعہ پیش آیا (حاشیہ اشعہ) [2] حضور انور نے انہیں گلے لگا کر یہ فرمایا یعنی تم اب دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف آئے۔عکرمہ یہ کرم کریمانہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ خَاصِرَتِهٖ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْ لِىْ قَالَ اَصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَّلَيْسَ عَلَىَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهٖ فَاحْتَضَنَهٗ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُّ هٰذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۷۶) روایت ہے حضرت اسید ابن حضیر سے جو انصاری آدمی ہیں[1] فرمایا جبکہ وہ قوم سے بات چیت کررہے تھے ان کی طبیعت میں مذاق تھا[2] جبکہ وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں چھڑی چبھودی[3] وہ بولے مجھے قصاص دیجئے، حضور نے فرمایا قصاص لے لو، عرض کیا کہ آپ پر قمیص ہے اور مجھ پر نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اٹھادی[4] وہ حضور کو لپٹ گئے اور آپ کی کوکھ شریف چومنے لگے، پھر بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ چاہا تھا[5] (ابوداؤد)

(۴۴۷۶) [1] آپ مشہور صحابی ہیں۔بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر ہوئے۔۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔بقیع میں دفن ہوئے (مرقات) [2] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود اسید ابن حضیر کا ہے مگر صحیح تو یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک اور انصاری کا ہے جن کے

مزاج میں خوش طبعی بہت تھی۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں یہ عبارت یوں ہے۔ان رجلا من الانصار بینما یحدث (مرقات) ۳؎ یہ چھڑی چبھونا بھی خوش طبعی کے طور پر ہوا، معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جائز خوش طبعی کرنا اور سننا اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔ (اشعہ) ۴؎ خیال رہے کہ بیٹا باپ سے، شاگرد استاد سے امتی نبی سے۔غلام مولیٰ سے اپنا قصاص نہیں مانگ سکتا نہ ان کے درمیان قصاص ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصور ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر انہیں کھینچا مگر قصاص کا حکم نہ ہوا۔حضور انور کا یہ عمل تعلیم امت کے لیے ہے کہ قصاص دینے میں شرم نہ کریں۔ ۵؎ سبحان اللہ انہوں نے یہ قرب حاصل کرنے کے لیے کیسا لطیف بہانہ کیا ورنہ کہاں یہ صحابی اور کہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص۔

وَعَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّى جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَابَيْنَ عَيْنَيْهِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلاً وَّفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ مُتَّصِلاً)

(۴۴۷۷) روایت ہے حضرت شعبی سے۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب جعفر ابن ابی طالب سے ملے تو حضور نے انہیں لپٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۲؎ (ابوداؤد، بیہقی، شعب الایمان ارسالًا) اور مصابیح کے بعض نسخوں اور شرح سنہ میں بیاضی سے بطور اتصال روایت ہے۳؎

(۴۴۷۷) ۱؎ آپ کا نام عامر ابن شرحبیل ہے کوفی ہیں خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے۔پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی بیاسی سال عمر پائی۔۱۰۴ ہجری میں وفات پائی۔ ۲؎ یہ واقعہ جب کا ہے جب حضرت جعفر حبشہ سے ہجرت کرکے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے (اشعہ) ۳؎ بیاضی کا نام عبداللہ ابن جابر ہے۔ بیاضہ قبیلہ کے ہیں۔ بیاضہ ایک قبیلہ ہے جو بیاضہ ابن عامر ابن زریق کی اولاد سے ہے۔چونکہ شعبی تابعی تھے۔اس لیے ان کی روایت ارسالًا ہی وہاں تھی۔وہاں صحابی کا ذکر رہ گیا اور بیاضی صحابی ہیں۔اس لیے یہ اسناد متصل ہے کہ صحابی حضور سے روایت کررہے ہیں۔

وَعَنْ جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ قِصَّةِ رُجُوْعِهٖ مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَتَلَقَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِيْ ثُمَّ قَالَ مَا اَدْرِيْ اَنَا بِفَتْحِ خَيْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَّوَافَقَ ذٰلِكَ فَتْحَ خَيْبَرَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۴۷۸) روایت ہے حضرت جعفر ابن ابی طالب سے کہ زمین حبشہ سے لوٹنے کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ ہم چلے حتی کہ ہم مدینہ پہنچے تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔حضور نے مجھے گلے لگالیا، پھر فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقًا یہ آمد فتح خیبر کے دن ہوئی تھی ۱؎ (شرح السنہ)

(۴۴۷۸) ۱؎ حضرت جعفر ابن ابی طالب یعنی حضرت علی شیر خدا کے بھائی جب حبشہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ہی ملاقات ہوگئی۔اس دن فتح خیبر ہوئی تھی۔حضور انور نے ان کو ان کے ساتھیوں کو خیبر کی غنیمت سے حصہ بھی دیا اور ان کو چوم کر یہ فرمایا کہ آج مجھے اللہ نے دو خوشیاں دکھائی ہیں۔ایک فتح خیبر دوسری تمہاری۔یہ دونوں خوشیاں ایسی عظیم الشان ہیں کہ ان میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

وَعَنْ زَارِعٍ وَّكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ لَمَّا

(۴۴۷۹) روایت ہے حضرت زارع سے۱؎ اور وہ عبدالقیس

قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے وفد میں تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی آنے لگے۲ تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے۳ (ابوداؤد)

(۴۴۷۹) ۱؎ آپ زارع ابن عامر ابن عبدالقیس ہیں۔ عبدالقیس قبیلہ کے وفد میں آپ بھی حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔ ایمان لائے۔ صحابی بنے آخر میں بصرہ میں قیام رہا۔ (مرقات) ۲؎ یعنی جب مدینہ منورہ پہنچے تو شوق و محبت میں بے خود ہو گئے۔ اپنی سواریوں سے جلد جلد اتر کر حضور انور کی طرف دوڑنے لگے۔ زیارت کے لیے آج بھی حجاج جب مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو انہیں سامان رکھنا مشکل پڑ جاتا ہے۔ یہ تڑپ وہ جانے جس کے دل سے لگی ہو، اسی وفد میں ایک صاحب تھے جن کا نام تھا و شج یہ سردار قافلہ تھے، یہ اپنی سواری سے اترے، غسل کیا، سفید عمدہ لباس پہنا، پھر مسجد شریف میں آ کر دو رکعت نفل ادا کی۔ پھر نہایت ادب و انکسار خشوع و خضوع سے بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور انور ان کے اس ادب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری دو خصلتیں اللہ کو بڑی پیاری ہیں۔ ایک حلم دوسرے وقار۔ (اشعہ) ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں دونوں چومنا جائز بلکہ مستحب ہے، خواہ پاؤں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں کو چومے خواہ پاؤں پر منہ رکھ کر چومے، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ مصافحہ کر کے اپنا ہاتھ چومنا منع ہے۔ بزرگوں کے ہاتھ اپنے منہ سے چومے، ایسے ہی ان کے پاؤں اپنے منہ سے چومے، آنکھیں ان کے قدموں سے ملے۔ مبارک ہیں وہ ہونٹ اور آنکھیں جو حضور کے قدم شریف سے لگ جائیں۔ شعر:۔

اشارہ آپ کا پاتے ہم آتے اپنی آنکھوں سے — تمہارے آستانہ کو لگاتے اپنی آنکھوں سے
تم آتے خواب میں ہم پتلیاں قدموں سے مل لیتے — ہم اپنی سوئی قسمت کو جگاتے اپنی آنکھوں سے

پابوسی کو سجدہ سمجھنا جہالت ہے۔ سجدہ میں سات اعضاء زمین پر لگنا اور سجدہ کی نیت ہونا ضروری ہے۔ قدم بوسی میں یہ کچھ نہیں ہوتا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَّهَدْیًا وَّدَلًّا وَّفِیْ رِوَایَةٍ حَدِیْثًا وَّكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْهِ قَامَ اِلَیْهَا فَاَخَذَ بِیَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِیْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَیْهَا قَامَتْ اِلَیْهِ فَاَخَذَتْ بِیَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِیْ مَجْلِسِهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۸۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیئت، عادت، صورت میں۱ ایک روایت میں ہے اور بات و گفتگو میں پورا پورا مشابہ ہو، بمقابلہ جناب فاطمہ کے آپ جب حضور کی خدمت میں آتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے ان کا ہاتھ پکڑتے انہیں چومتے انہیں اپنی مجلس میں بٹھاتے۲ اور جب حضور انور ان کے پاس تشریف لاتے تو ان کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ حضور کا ہاتھ پکڑتیں، اسے بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھا لیتیں۳ (ابوداؤد)

(۴۴۸۰) ۱؎ سمت کے معنی ہیں ہیات یعنی رفتار، گفتار، کردار اور چال ڈھال ہدی بمعنی عادت دل لام کے شد سے بمعنی صورت یعنی حضرت خاتون جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی چلتی پھرتی بولتی تصویر تھیں بلکہ تصویر صرف شکل دکھاتی ہے۔ آپ سرکار تو سیرت و خصلت میں بھی حضور کا نمونہ تھیں۔ قدرت نے ایک سانچہ میں یہ دو صورتیں ڈھالی تھیں۔ ایک ہمارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حضرت فاطمہ زہرا کی، ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر:۔

رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا   کیا نظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا
نبی کی لاڈلی بانو ولی کی ماں شہیدوں کی   یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

۲؎ حضرت فاطمہ زہرا کے لیے حضور کا کھڑا ہونا تعظیم کا نہ تھا کہ تعظیم اپنے سے بڑے کی ہوتی ہے بلکہ خوشی کا قیام تھا۔ایسے ہی یہ بوسہ محبت و پیار کا تھا۔ساری اولاد میں حضور کو جناب فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں اور آپ کی والدہ جناب خدیجہ آپ کے لڑکپن میں وفات پاگئی تھیں۔تو آپ حضور کی گود میں حضور کی آغوش میں پلیں۔۳؎ حضرت خاتون جنت کا یہ قیام وغیرہ حضور کی تعظیم کے لیے تھا جس میں محبت و جوش کی چاشنی تھی۔معلوم ہوا کہ تعظیم کے لیے قیام سنت فاطمہ زہرا ہے اور خوشی کے لیے قیام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔معلوم ہوا کہ جوان بیٹی کو چومنا اور جوان بیٹی کا اپنے باپ کو چومنا جائز ہے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ بَكْرٍ اَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَاِذَا عَآئِشَةُ بِنْتُهٗ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ اَصَابَهَا حُمّٰی فَاَتَاهَا اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ كَیْفَ اَنْتِ یَابُنَیَّةُ وَقَبَّلَ خَدَّهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۸۱) روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں اولین آمد کے موقع پر حضرت ابوبکر کے ساتھ گیا۱؎ تو آپ کی دختر جناب عائشہ لیٹی ہوئی تھیں،انہیں بخار آ گیا تھا۲؎ تو ان کے پاس ابوبکر آئے،بولے اے بچی تو کیسی ہے اور ان کا رخسار چوما۳؎ (ابوداؤد)

(۴۴۸۱) ۱؎ حضرت براء ابن عازب مشہور صحابی ہیں۔انصاری حارثی ہیں۔آخر میں کوفہ میں قیام رہا۔۲۴ھ میں کئی علاقہ کے فاتح آپ ہیں۔جنگ جمل وصفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔کوفہ میں ہی وفات پائی۔وہاں ہی دفن ہوئے۔اس روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی خود بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئی تھیں۔۲؎ کیونکہ اس زمانہ میں زمین مدینہ بڑی وباء والی تھی۔اس لیے اسے یثرب کہتے ہیں جو مہاجر وہاں پہنچتے تھے،انہیں بخار آجاتا تھا۔اس سلسلہ میں حضرت ام المؤمنین کو بھی بخار آ گیا۔پھر حضور کے دم قدم سے وہ جگہ ایسی صحت بخش بنادی گئی کہ وہاں کی خاک بجائے خاک وباء کے خاک شفا بن گئی۔حضور فرماتے ہیں۔تربة ارضنا ریقه بعضنا یشفی سقیمنا۔۳؎ معلوم ہوا کہ باپ اپنی جوان بچی کا رخسار چوم سکتا ہے۔یہ چومنا رحمت کا ہے سنت سے ثابت ہے۔حضور انور نے اولاد کے رخسار چومے ہیں۔بنیة تصغیر بنت کی بمعنی چھوٹی سی لڑکی اسے اردو میں کہتے ہیں بیٹا یہ تصغیر پیار کے لیے ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِصَبِیٍّ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ وَّاِنَّهُمْ لَمِنْ رَّیْحَانِ اللّٰهِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۴۸۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا۱؎ تو آپ نے اسے چوما،پھر فرمایا کہ یقینًا یہ بخیل اور بزدل بنانے والے ہیں۲؎ اور یہ اللہ کے اعلیٰ رزق سے ہیں۳؎ (شرح السنہ)

(۴۴۸۲) ۱؎ حضور انور کا اپنا بچہ حضرت حسن یا حسین یا کسی اور کا بچہ۔۲؎ کہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ مال کنجوسی سے خرچ کرتے ہیں۔ان کے لیے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اولاد ہی کی وجہ سے باپ جنگ میں جانے سے کتراتا ہے کہ میرے بچے میرے بعد کہاں جائیں گے،کیا کریں گے۔یہ عام لوگوں کے عام حالات کا بیان ہے۔۳؎ ریحان خوشبودار سبزے کو بھی کہتے ہیں اور طیب و اعلیٰ روزی کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں،ماں باپ انہیں چومتے سونگھتے ہیں،لہذا یہ اللہ کی عطا کی ہوئی بہترین خوشبو ہیں۔یہ ماں باپ کے دل کا پھل ہیں،لہذا یہ بہترین رزق ہیں (مرقات،اشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ حَسَنًا وَّحُسَيْنًا اِسْتَبَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُمَا اِلَيْهِ وَقَالَ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۴۸۳) روایت ہے یعلیٰ سے[۱] کہ حسن اور حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سے چمٹا لیا اور فرمایا کہ اولاد بخیل اور بزدل بنا دینے والی ہے۔(احمد)

(۴۴۸۳) [۱] یہاں یعلیٰ ابن مرہ مراد نہیں بلکہ یعلیٰ ابن امیہ مراد ہیں جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور غزوہ حنین، طائف، تبوک میں حاضر ہوئے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے۔ اسی میں شہید ہوئے۔ آپ سے بہت حضرات نے روایات لیں (مرقات) [۲] اولاد کو مجبن، مبخل فرمانا ان کی برائی کے لیے نہیں بلکہ انتہائی محبت کے اظہار کے لیے یعنی اولاد کی انتہائی محبت انسان کو بخیل و بزدل بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ بات فطری ہے۔ اگرچہ اللہ والوں میں اس کا ظہور کم ہوتا ہے۔ مومن کو اللہ رسول بمقابلہ اولاد پیارے ہوتے ہیں لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ

وَعَنْ عَطَاءِ نِ الْخُرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُّرْسَلًا)

(۴۴۸۴) روایت ہے عطا خراسانی سے[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپس میں مصافحہ کرو، کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیئے، تحفے دو، محبت کرنے لگو گے اور دشمنی جاتی رہے گی[۲] (مالک ارسالاً)

(۴۴۸۴) [۱] آپ عطاء ابن عبداللہ ابی مسلم ہیں بلخی ہیں، خراسانی ہیں، تابعی ہیں شام میں قیام رہا۔ ۵۰ ہجری میں پیدائش ہے ۱۳۵ ہجری میں وفات پائی۔ آپ سے امام مالک، اوزاعی، شعبہ وغیرہ نے روایات لی ہیں [۲] یہ دونوں عمل بہت ہی مجرب ہیں جس سے مصافحہ کرتے رہو۔ اس سے دشمنی نہیں ہوتی۔ اگر اتفاقاً کبھی ہو بھی جائے تو اس کی برکت سے ٹھہرتی نہیں۔ یوں ہی ایک دوسرے کو ہدیہ دینے سے عداوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف طریقہ سے مروی ہے۔ دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا قَبْلَى الْهَاجِرَةِ فَكَاَنَّمَا صَلَّاهُنَّ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْمُسْلِمَانِ اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ اِلَّا سَقَطَ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۴۸۵) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دوپہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لے[۱] تو گویا اس نے وہ شب قدر میں پڑھیں[۲] اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا مگر جھڑ جاتا ہے۔[۳] (بیہقی، ارسالا)

(۴۴۸۵) [۱] یعنی نماز چاشت جس کا وقت شروع چہارم دن سے شروع ہو کر نصف دن یعنی دوپہر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بڑے فضائل ہیں [۲] کیونکہ ان کے پڑھنے میں مشقت و محنت زیادہ ہے کہ دوپہر کی گرمی اور بھوک کی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ نیز اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنے کو دل چاہتا ہے، اس لیے ان کا ثواب زیادہ ہے [۳] یعنی گناہ صغیرہ جھڑ جاتے ہیں۔ خصوصاً وہ گناہ جو ہاتھوں سے کیے

جائیں، گناہ کبیرہ توبہ سے اور حقوق العباد ادا کرنے سے معاف ہو سکتے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ چوری، ڈکیتی کرلی جائے، کسی کا مال مارلیا جائے، بعد میں کسی سے مصافحہ کرلیا جائے سب معاف ہو۔نعوذ باللہ۔

بَابُ الْقِيَامِ — کھڑے ہونے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

یہاں کھڑے ہونے سے مراد کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ہے۔تنظیمی قیام ممنوع بھی ہے، جائز بھی۔فاسق دنیاداروں کے لیے کھڑا ہونا ان کی خوشامد میں یونہی جب مخدوم بیٹھا ہو اور خدام اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں۔یوں ہی جو اپنی تعظیم کرانا چاہے، اس کے لئے کھڑا ہونا، یہ سب ممنوع ہے۔اگر یہ تین چیزیں نہ ہوں تو قیام تنظیمی جائز ہے، لہٰذا قیام کی ممانعت اور جواز کی احادیث درست ہیں، ان میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِّنْهُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَمَضَی الْحَدِیْثُ بِطُوْلِهٖ فِیْ بَابَ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ

(۴۴۸۶) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب بنی قریظہ حضرت سعد کے حکم پر اترنے لگے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور وہ حضور سے قریب ہی تھے۔چنانچہ وہ ایک گدھے پر سوار آئے[2] تو جب مسجد سے قریب ہوئے[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اٹھ کر جاؤ اپنے سردار کی طرف[4] (مسلم بخاری) یہ دراز حدیث باب حکم اسراء میں گزر چکی۔

(۴۴۸۶) [1] غزوہ خندق جسے احزاب بھی کہتے ہیں۔اس میں یہود مدینہ یعنی بنی قریظہ اور بنی نضیر کا ہاتھ تھا۔انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کر کے کفار مکہ سے مدینہ پر چڑھائی کرائی تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فارغ ہو کر پچیس دن بنی قریظہ کا محاصرہ رکھا۔یہ لوگ تنگ آ کر بولے کہ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں، ہم کو منظور ہے۔یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن معاذ کو بلوایا تاکہ وہ اپنا فیصلہ دیں۔یہاں وہ واقعہ مذکور ہے۔[2] حضرت سعد ابن معاذ اس غزوہ خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔زخم سے خون جاری تھا۔حضور انور کے بلانے پر خون قدرتی طور پر بند ہو گیا تھا (اشعہ) [3] یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ہے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس محاصرہ کے زمانہ میں نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے محلّہ کے ارد گرد مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔وہاں حضرت سعد بلائے گئے تھے (مرقات) [4] اس فرمان عالی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار کو دو حکم دیئے۔ایک حضرت سعد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا دوسرے ان کے استقبال کے لیے کچھ آگے جانا ان کو لے کر آنا بزرگوں کی آمد پر یہ دونوں کام یعنی تعظیمی قیام اور استقبال جائز بلکہ سنت صحابہ ہیں بلکہ حضور کی سنت قولی بھی اس لیے الی سید کم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضرت سعد کی بیماری کی وجہ سے تھا تاکہ لوگ انہیں سواری سے اتار لائیں مگر یہ درست نہیں ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو کہا جاتا اور بجائے سید کم کے مریضکم ارشاد ہوتا، تمام انصار کو قیام کا حکم نہ ہوتا۔
جمہور علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ ... کے لیے قیام تعظیمی مستحب ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل اور

عدی ابن حاتم کی آمد پر ان کی عزت افزائی کے لیے قیام فرمایا۔ حضرت فاطمہ زہرا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر تعظیمی قیام کرتی تھیں۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بارہا کیا ہے۔ دیکھو (مرقات، اشعہ اور لمعات) ہم باب الاسراء میں اس پر بحث کر چکے ہیں اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں قیام تعظیمی کی بحث کر دی گئی ہے۔ وہاں مطالعہ کرو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۸۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں بیٹھ جائے[۱] لیکن یہ کہہ دے کہ جگہ وسیع کرو اور جگہ دو[۲] (مسلم بخاری)

(۴۴۸۷) [۱] یہ حکم عام ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے۔ ہاں اگر وہ شخص ناجائز طور پر وہاں بیٹھا تھا تو اسے اٹھا دینا جائز ہے۔ جیسے کوئی مسجد میں امام یا موذن کی مقررہ جگہ بیٹھ جائے یا وہ کسی کی جگہ بیٹھ گیا تھا تو یہ لوگ آ کر اٹھا سکتے ہیں کہ یہ جگہ خود ان کی اپنی ہے نہ کہ اس میں بیٹھے ہوئے کی۔ [۲] یعنی اگر تھوڑے آدمی بہت سی جگہ گھیرے بیٹھے ہیں تو یہ عام خطاب سے کہے کہ بھائیو! ذرا گنجائش کرو، ذرا مل کر بیٹھو تاکہ میں بھی جگہ حاصل کرسکوں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۴۸۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر وہاں آئے تو اس جگہ کا وہ ہی حقدار ہے[۱] (مسلم)

(۴۴۸۸) [۱] یہ اس صورت میں ہے کہ جانے والا اپنی جگہ کوئی نشانی رکھ گیا ہو جس سے پتا لگے کہ وہ لوٹ کر آئے گا یا کوئی اور علامت ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۴۴۸۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا[۱] یہ حضرات جب حضور کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ حضور کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے[۲] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴۴۸۹) [۱] صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان، مال، اولاد، ماں باپ سب سے زیادہ پیارے تھے۔ یہ کمال ایمان کی علامت ہے۔ [۲] یہ ہمیشہ کا عمل نہ تھا بلکہ اکثر قیام کرتے تھے، کبھی نہ کرتے تھے یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور کو دور سے تشریف لاتا دیکھ کر پہلے سے ہی کھڑے نہ ہو جاتے اور کھڑے ہو کر حضور کا انتظار نہ کرتے تھے بلکہ جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آتے تھے، تب ہم کھڑے ہوتے تھے، لہٰذا یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم حضور کے لیے قیام کرتے تھے۔

وَعَنْ مُّعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۰) روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے سرو قد کھڑے رہیں[۱] تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے[۲] (ترمذی وابوداؤد)

(۴۴۹۰) ۱؎ اس حدیث نے ممانعت قیام کی تمام حدیثوں کی شرح کردی کہ جو کوئی اپنے لیے قیام تعظیم کرانا چاہے، اس کے لیے نہ کھڑے ہو یا اس طرح کھڑے ہونا ممنوع ہے کہ مخدوم بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں دست بستہ اور یہ عمل تکبروغرور کے لیے ہو، ضرورۃً نہ ہو، تب سخت ممنوع ہے۔ عالم دین کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا یوں ہی عادل حاکم کے روبرو کھڑا ہونا خصوصاً مقدمہ والوں کا یوں استاذ کے سامنے شاگردوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اگرچہ یہ حضرات بیٹھے ہوئے ہوں اور شاگرد وغیرہ کھڑے ہوں (مرقات) ہاں مخدومین کا تکبراً نہیں کھڑا کرنا خود بیٹھے رہنا یہ ممنوع ہے۔ یہ ہی یہاں مراد ہے (اشعۃ اللمعات) ۲؎ یعنی اس قسم کی تعظیم کو پسند کرنا یا لوگوں کو ایسی تعظیم کا اپنے لیے حکم دینا جہنمی ہونے کا سبب ہے اور تکبر جہنم کا راستہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا فَقَالَ لَاتَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۱) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے تشریف لائے ۱؎ ہم کھڑے ہو گئے تو فرمایا ایسے نہ کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، ان کے بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۴۹۱) ۱؎ غالباً حضور بیمار تھے، اس لیے عصا پر ٹیک لگائے تشریف لائے۔ ۲؎ یعنی تمہارا یہ قیام تو ٹھیک ہے مگر عجمیوں کا سا قیام نہ کرنا کہ مخدوم بیٹھا ہو، خدام سامنے دست بستہ سروقد کھڑے ہوں اور مخدوم اس تعظیم کی خواہش بھی کرتا ہو کہ ایسا قیام ممنوع ہے، یہ قیود خیال میں رہیں، مرقات نے فرمایا کہ یہاں قیام سے مراد وقوف ہے یعنی کسی کے لیے تعظیماً کھڑا رہنا۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ جَآءَ نَا اَبُوْ بَكْرَةَ فِیْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنْ مَّجْلِسِهٖ فَاَبٰى اَنْ يَّجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ذَا وَنَهَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهٗ بِثَوْبِ مَنْ لَّمْ يَكْسُهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۲) روایت ہے حضرت سعید ابن ابی الحسن سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک گواہی میں ابوبکرہ ۲؎ آئے تو ایک شخص ان کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے وہاں بیٹھنے سے انکار فرمایا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ۳؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی اپنے ہاتھ اس کے کپڑے سے پونچھے جسے یہ پہنے ہوئے نہیں ۴؎ (ابوداؤد)

(۴۴۹۲) ۱؎ سعید ابن ابی الحسن تابعی ہیں، خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں۔ آپ کے والد کا نام یسار ہے کنیت ابوالحسن یہ سعید اپنے بھائی حسن بصری سے ایک سال پہلے فوت ہوئے یعنی ۱۰۹ ہجری میں حضرت عبداللہ ابن عباس، ابوہریرہ وغیرہما سے آپ کی ملاقات ہے۔ آپ کے بھائی قتادہ نے آپ سے احادیث روایت کیں (مرقات واشعہ) ۲؎ حضرت ابوبکرہ کا نام نفیع ابن حارث ہیں، ثقفی ہے مشہور صحابی۔ آپ کے حالات ووفات پہلے بیان ہو چکے۔ ۳؎ یہ آپ کی انتہائی تواضع ہے، وہ شخص آپ کے لیے خود جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آپ کو وہاں بیٹھنا بالکل جائز تھا۔ کسی کو اس کی جگہ سے بلاضرورت ہٹا کر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے جبکہ وہ جگہ اس کی ہو، اپنی نہ ہو، چونکہ یہاں اس کا یہ عمل اس ممنوع چیز کے مشابہ تھا، لہذا آپ وہاں نہ بیٹھے یا شاید اس شخص کو کسی اور نے اٹھایا ہو گا تاکہ آپ وہاں بیٹھ جائیں اس لیے آپ نہ بیٹھے (مرقات) ۴؎ یعنی اپنے گیلے یا کھانے وغیرہ سے لتھڑے ہوئے ہاتھ دوسروں کے کپڑوں سے بغیر اس کی اجازت نہ پونچھو جبکہ تم نے یہ کپڑا اسے نہ پہنایا ہو، لہذا اپنے بیٹے اپنے غلام کے کپڑے سے ہاتھ پونچھنا جبکہ وہ کپڑا خود اس نے ہی پہنایا ہو، جائز ہے یوں ہی اگر وہ شخص ہمارے اس عمل سے ناراض نہ ہو تو بھی

جائز ہے۔(مرقات واشعہ)

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَهٗ اَوْ بَعْضَ مَایَکُوْنَ عَلَیْهِ فَیَعْرِفُ ذٰلِكَ اَصْحَابُهٗ فَیَثْبُتُوْنَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۳) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور ہم آپ کے گرد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے واپس ہونا چاہتے تو آپ اپنا جوتا شریف یا بعض چیز جو آپ پر ہوتی اتار جاتے ۱؎ تو یہ آپ کے ساتھی پہچان جاتے تو وہ حضرات بیٹھے رہتے ۔۲؎(ابوداؤد)

(۴۴۹۳) ۱؎ یعنی اگر حضور انور ہم لوگوں کے پاس سے اپنے گھر میں تشریف لے جاتے اور ابھی واپس آنے کا ارادہ ہوتا تو اپنا جوتا شریف وہاں ہی چھوڑ جاتے، ننگے پاؤں جاتے یا کوئی اور کپڑا وغیرہ چھوڑ دیتے تاکہ ہم سمجھ جائیں کہ حضور ابھی آتے ہیں ۔۲؎ اس انتظار میں کہ حضور ابھی آتے ہیں، وہ اپنے اپنے گھروں کو نہ جاتے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَحِلُّ لِرَجُلٍ بِاَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان علیحدگی کرے بغیر ان کی اجازت سے ۱؎(ترمذی، ابو داؤد)

(۴۴۹۴) ۱؎ یعنی مجلس میں پہنچ کر دو آدمیوں کو جو ملے ہوئے بیٹھے ہوں، ان کو چیر کر بیچ میں بیٹھ جانا ممنوع ہے کہ ان دونوں کی آپس میں محبت ہو، ان کو جدائی ناگوار ہو، یہ حکم ہر مجلس کے لیے ہے، خواہ مسجد میں ہوں یا اور جگہ جب ان کی اجازت سے درمیان میں بیٹھے گا تو انہیں اس سے رنج نہ ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَجْلِسْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۴۹۵) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو ۱؎(ابوداؤد)

(۴۴۹۵) ۱؎ اس کی وجہ وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ خیال رہے کہ رجل فرمانا اس لیے ہے کہ عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں، ان پر احکام شرعیہ مردوں کی طرح جاری ہوتے ہیں۔ رب تعالٰی نے نماز، روزے وغیرہ کے احکام مردوں کو ہی دیئے مگر عورتوں پر بھی یہ عبادات فرض ہیں، لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مرد تو یہ حرکت نہ کریں، عورتیں کرلیا کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ

(۴۴۹۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھتے، ہم سے باتیں کرتے تھے، پھر جب کھڑے ہوتے تو ہم سیدھے کھڑے ہو جاتے ۱؎ حتی کہ ہم دیکھ

اَزْوَاجِہٖ — لیتے کہ حضور اپنی بعض بیویوں کے گھروں میں تشریف لے گئے۔۲

(۴۴۹۶) ۱؎ حضور کی تعظیم کے لیے کیونکہ یہ بات بہت بری محسوس ہوتی ہے کہ مخدوم کھڑا ہو اور خدام بیٹھے یا لیٹے ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ مخدوم کے جانے پر بھی قیام تعظیمی سنت ہے۔یہ وہ حدیث ہے جس سے قیام تعظیمی کا ثبوت ہے۔ممانعت قیام کی احادیث کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں،لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں،وہاں کا مطالعہ فرماؤ۔۲؎ اس میں تعظیم کی انتہا ہے کہ جب تک حضور اپنے کسی گھر میں داخل نہ ہو جاتے،وہ حضرات کھڑے ہی رہتے تاکہ ہم حضور کے سامنے جبکہ آپ کھڑے ہوں بیٹھے ہوئے نظر نہ آئیں۔اللہ تعالٰی ایسا ادب نصیب کرے۔

وَعَنْ وَّاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰہُ اَخُوْہُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَہٗ (رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاَیْمَانِ)

(۴۴۹۷) روایت ہے واثلہ ابن خطاب سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔حالانکہ آپ مسجد میں بیٹھے تھے تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جنبش کی۲؎ تو اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جگہ میں کافی گنجائش ہے۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو اس کے لیے کچھ جنبش کرے۔۴؎ (بیہقی،شعب الایمان)

(۴۴۹۷) ۱؎ آپ قرشی ہیں عدوی ہیں۔حضرت عمر کے قبیلہ سے ہیں،صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(اشعہ)۲؎ اس طرح کہ پورے کھڑے تو نہ ہوئے مگر اپنی جگہ سے سرک کر ان کے لیے جگہ بنائی کچھ سکڑ کر بیٹھے۔۳؎ یعنی جگہ بہت ہے۔بخوبی جہاں چاہوں بیٹھ سکتا ہوں۔حضور انور کو میرے لیے جگہ بنانے اور اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی ضرورت نہیں۔پھر آپ نے یہ عمل شریف کیوں کیا۔۴؎ یعنی ہمارا یہ حرکت فرمانا جگہ کی تنگی کے لیے نہیں بلکہ تمہارے آنے کی خوشی اور تمہارے احترام کے اظہار کے لیے ہے۔اس عمل سے تم کو خوشی ہوگی کہ حضور انور نے ہماری آمد پر اہتمام فرمایا۔غالبًا یہ آنے والے صاحب اپنی قوم کے سردار ہوں گے۔فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم انزلو الناس منازلھم لوگوں کو ان کے درجوں میں رکھو یہ انتہائی اخلاق کی تعلیم ہے،افسوس کہ ہم یہ تعلیم قریبًا بھول گئے۔

بَابُ الْجُلُوْسِ وَالنَّوْمِ وَالْمَشْیِ — بیٹھنے سونے اور چلنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

یہ ترتیب یہاں بہت ہی اچھی ہے۔انسان پہلے کھانے وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے،پھر کھا کر سونے کے لیے لیٹتا ہے۔سو کر اٹھتا ہے تو مسجد وغیرہ کی طرف جاتا ہے،لہٰذا بیٹھنا پہلے ہے،سونا بعد میں،چلنا اس کے بعد ہوتا ہے۔خیال رہے کہ جلوس ہر بیٹھنے کو کہتے ہیں،خواہ کھڑے سے بیٹھے یا لیٹے سے بیٹھے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ کھڑے سے بیٹھنے کو قعود کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے کو جلوس مگر پہلی بات قوی ہے۔یہاں جلوس مصدر ہے بمعنی بیٹھنا کبھی مجالس کی جمع بھی ہوتی ہے۔جیسے رقود جمع ہے راقد کی۔رب تعالٰی فرماتا ہے۔تَحْسَبُھُمْ اَیْقَاظًا وَّھُمْ رُقُوْدٌ

(۱۸٬۱۸) اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں (کنزالایمان) فلاں جگہ جلوس نکلا، وہاں جلوس جمع جالس کی ہے۔ چونکہ یہ لوگ جگہ جگہ بیٹھتے ہوئے جاتے ہیں، لہٰذا اس جماعت کو جلوس کہا جاتا ہے۔ اس باب میں مستحب جائز، مکروہ، بیٹھکوں کا بھی ذکر ہوگا اور مستحب و مکروہ سونے کا بھی اور اچھے برے چلنے کا بھی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۴۹۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے صحن میں اکڑوں بیٹھے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے دیکھا[۱] (بخاری)

(۴۴۹۸) [۱] گھر کے سامنے کی کھلی جگہ جس پر چھت نہ ہو فنا کہلاتی ہے جسے اردو میں صحن یا آنگن کہتے ہیں۔ احتباء یہ ہے کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی ہوں، پاؤں کے تلوے زمین سے لگے ہوں۔ چوتڑ زمین پر ہوں اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر رکھے ہوں۔ ان کا حلقہ کیے ہوئے۔ یہ اکڑوں بیٹھنے کی ایک قسم ہے۔ اس بیٹھک میں اظہار عجز وانکسار ہے۔ یہ بیٹھک سنت ہے (مرقات) کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔

وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَّاضِعًا اِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۴۹۹) روایت ہے حضرت عباد ابن تمیم سے وہ اپنے چچا سے راوی[۱] فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ اپنا ایک قدم دوسرے پر رکھے ہوئے تھے[۲] (مسلم بخاری)

(۴۴۹۹) [۱] عباد ابن تمیم ابن زید ابن عاصم تابعی ہیں۔ انصاری مازنی ہیں۔ ان کے چچا کا نام عبداللہ ابن زید انصاری ہے۔ وہ غزوہ حرہ میں ۶۳ ہجری میں شہید ہوئے۔ [۲] قدم کا قدم پر رکھنا یہ ہے کہ دونوں پاؤں پورے پھیلے ہوئے ہیں اور قدم قدم پر رکھا ہو۔ اس صورت میں ستر نہیں کھل سکتا۔ پاؤں پر پاؤں رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک پاؤں کھڑا ہو اور دوسرا پاؤں کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھا ہو۔ پہلی صورت جائز، یہ دوسری صورت ممنوع، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ پاؤں پر پاؤں رکھنے میں ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ خصوصاً جبکہ تہبند بندھا ہوا ہو۔ آئندہ حدیث میں پاؤں پر پاؤں رکھنے سے ممانعت آرہی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لیٹنا جائز ہے۔ خصوصاً ضرورت کے وقت یا بحالت اعتکاف۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۰۰) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنا ایک پاؤں دوسرے پر نہ رکھے جبکہ وہ اپنی پشت پر لیٹا ہو۔[۱] (مسلم)

(۴۵۰۰) [۱] اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی اوپر بیان ہوئے کہ آدمی تہبند باندھے یا ڈھیلے پائنچہ کا پاجامہ پہنے ہو اور پھر ایک پاؤں کھڑا کرکے کھڑے ہوئے گھٹنے پر دوسرے پاؤں کی پنڈلی رکھے۔ اس میں ستر کھل جانے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے ممنوع ہے۔ ویسے بھی اس طرح لیٹنا خلاف تہذیب معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً لوگوں کے سامنے غرضیکہ اس ممانعت میں بہت حکمتیں ہیں۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى

(۴۵۰۱) روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نہ لیٹے کہ پھر اپنے ایک پاؤں دوسرے پر رکھ

اَلْاُخْرٰی (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) لے ا

(۴۵۰۱) لے اس ممانعت کی وہ ہی صورت ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ ایک پاؤں کھڑا ہو، دوسرا پاؤں گھٹنے پر رکھا ہو اور آدمی چت لیٹا ہو کہ اس صورت میں ستر کھلنے کا خطرہ ہے۔ اگر ستر کھلنے کا خطرہ نہ ہو تو جائز ہے، بہر حال احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَّتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَیْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهٗ خُسِفَ بِهِ الْاَرْضَ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۵۰۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص دو چادروں میں اکڑ کر چل رہا تھا ا اسے اپنا نفس بڑا پسند آیا تھا، اسے زمین میں دھنسا دیا گیا تو وہ اس میں قیامت تک دھنستا چلا جا رہا ہے ۲ (مسلم، بخاری)

(۴۵۰۲) ا شاید یہ شخص قارون تھا یا کوئی ملک فارس کا کافر بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی سے ہوگا۔ اس صورت میں یتبختر بمعنی مستقبل ہوگا اور اعجبت، خسف تمام افعال بمعنی مستقبل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر و غرور کی چال بھی ممنوع بلکہ باعث عذاب ہے۔ مسلمان کی چال میں بھی تواضع چاہیے۔ رب تعالٰی اپنے مقبول بندوں کی صفت یوں فرماتا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (۲۵، ۶۳) اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں (کنزالایمان) ہمارے بندے وہ ہیں جو تواضع سے چلتے ہیں۔ آج کل بعض لوگ چشمہ لگائے ننگے سر ہاتھ میں بیت گھماتے چلتے ہیں، یہ متکبرانہ چال ہے۔ اس سے بچو۔ ۲ یتجلجل بنا ہے جلجلۃٌ سے اس کے معنی ہیں، وہ حرکت جس کی آواز ہو، مقصد یہ ہے کہ تکبر کا انجام ذلت و خواری ہے، عجز کا انجام سرداری ہے۔ شعر:۔

عاجزی محبوب درگاہ خدا است   عجز کار انبیاء و اولیاء است

خاک میں عجز ہے، آگ میں تکبر تو باغ خاک میں ہی لگتے ہیں نہ کہ آگ میں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ عَلٰی یَسَارِهٖ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۵۰۳) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف تکیے پر ٹیک لگائے دیکھا ا (ترمذی)

(۴۵۰۳) ا معلوم ہوا کہ گاؤ تکیہ پر بائیں ہاتھ کی ٹیک لگا کر بیٹھنا سنت ہے بلکہ اگر سادہ تکیہ پر ٹیک لگائی جائے تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضور انور تکیہ پر سر مبارک رکھے بائیں کروٹ پر لیٹے تھے (مرقات واشعہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ بہت پسند تھا، فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تم کو تکیہ دے تو اسے رد نہ کرو (اشعہ)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ احْتَبٰی بِیَدَیْهِ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

(۴۵۰۴) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں سے احتباء فرماتے تھے ا (رزین)

(۴۵۰۴) ۱؎ احتباء کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ دونوں زانو کھڑے ہوں، سرین زمین پر لگے ہوں اور دونوں ہاتھوں سے زانو پکڑے ہوئے کہ ہاتھوں کے حلقے میں انہیں لے لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ اور وقت میں مسجد میں اس طرح بیٹھتے تھے، وہ بھی کبھی کبھی۔

وَعَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدٌ ۱ الْقُرْفُصَآءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۰۵) روایت ہے حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا کہ آپ قرفصاء کی نشست بیٹھے تھے۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجزونیاز کرتے دیکھا تو میں خوف سے کانپ گئی۲؎ (ابوداؤد)

(۴۵۰۵) ۱؎ قرفصاء ایک خاص بیٹھک کا نام ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی پنڈلیاں زمین سے لگائے اور دونوں ران پنڈلیوں سے پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہو اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر ہوں۔ یہ بیٹھک انتہائی عاجزی اور تواضع کی ہے۔ قرفصاء کی اور صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں (مرقات واشعہ) اشعہ نے فرمایا کہ یہ بیٹھک عرب کے چرواہوں اور غریب لوگوں کی ہے یا ان لوگوں کی جو کسی خاص اہم کام میں غور و فکر کررہے ہوں، بہرحال اس بیٹھک میں عجز وانکسار یا فکر کا اظہار ہے۔۲؎ کیونکہ میں نے یہ خیال کیا کہ جب سید المرسلین امام الاولین و الآخرین کی یہ نشست ہے اور آپ کے انکسار کا یہ حال ہے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ یہ خیال کرکے مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔

پیش او گیتی جبین فرسودہ است ۔۔۔ خویشتن راعبدہ فرمودہ است

بوریا ممنوں خواب راحتش ۔۔۔ تاج کسریٰ زیر پائے امتش

اپنی تواضع کا یہ حال ہے اور دنیا ان کے آستانہ کی خاک چاٹ رہی ہے۔ ان کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رہی ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنَآءَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۰۶) روایت ہے حضرت ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے حتی کہ سورج خوب چمک جاتا۱؎ (ابوداؤد)

(۴۵۰۶) ۱؎ حسناء ح اور سین کے فتح سے ہے بمعنی خوب اچھی طرح صاف و روشن یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کر مصلے شریف پر ہی چہار زانو بیٹھے رہتے۔ جب آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجاتا تب اشراق وہاں ہی پڑھ کر اٹھتے۔ سنت بھی یہ ہی ہے۔ خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعد نماز جائز ہوتی ہے۔ اسی وقت سے نماز اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے۔ چہارم دن تک رہتا ہے۔ پھر چہارم دن سے وقت چاشت شروع ہوتا ہے جو نصف النہار تک رہتا ہے۔ نصف النہار پر نماز بلکہ سجدہ حرام ہوجاتا ہے۔ پھر زوال یعنی سورج ڈھلنے پر ظہر کا وقت ہوتا ہے۔ بعض نوافل کے لیے وقت مقرر ہیں۔ ان میں سے نوافل اشراق بھی ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ ۱ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۵۰۷) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں کہیں اترتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے۱؎ اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو اپنی کلائی کھڑی کرتے اور اپنی ہتھیلی پر اپنا سر رکھتے۲؎ (شرح سنہ)

(۴۵۰۷) ۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کی حالت میں کسی جگہ اول رات یا آدھی رات میں اترتے، آرام فرماتے، تو سونے کی نیت سے لیٹتے تھے۔ داہنی کروٹ پر داہنی ہتھیلی پر داہنا رخسار رکھ کر لیٹتے تھے۔ لیٹنے میں سنت طریقہ یہ ہی ہے۔ ۲؎ یعنی اگر آخری شب میں جب صبح صادق ہونے والی ہوتی، آپ آرام کے لیے اترتے تو اس طریقہ سے لیٹتے تاکہ نیند نہ آجائے۔ خیال رہے کہ عرب میں اکثر شب میں سفر کرتے ہیں، دن میں کسی منزل پر آرام کے لیے ٹھہر جاتے ہیں۔

وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِمَّا يُوْضَعُ فِيْ قَبْرِهٖ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَاْسِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۵۰۸) روایت ہے ام سلمہ کے بعض گھر والوں سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اس ہی طرح تھا جیسا کہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور مسجد آپ کے سر کے پاس تھی ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۵۰۸) ۱؎ مرقات نے فرمایا کہ آل ام سلمہ سے مراد حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی خاص خادمہ ہیں۔ آل خادم کو بھی کہا جاتا ہے۔ واذ نجینا کم من اٰل فرعون اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے حضرت ام سلمہ کی بعض اولاد مراد ہے جو ابوسلمہ سے تھی جن میں سے بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھی۔ جیسے عمرہ، زینب واللہ اعلم ۲؎ یعنی اب جو رخ حضور کی قبر انور کا ہے کہ قبلہ کے داہنے سرہانے اور بائیں طرف پائنتی وہ ہی رخ حضور کے بستر شریف کا ہوتا تھا بلکہ اس بستر کی جگہ قبر انور ہے اور جس کمبل شریف پر آپ سوتے تھے، وہ ہی کمبل شریف قبر انور میں بچھا دیا گیا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۵۰۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے پیٹ پر لیٹے دیکھا تو فرمایا کہ یہ وہ لیٹنا ہے جسے اللہ پسند نہیں فرماتا ۱؎ (ترمذی)

(۴۵۰۹) ۱؎ یعنی اوندھے لیٹنے کو اللہ تعالٰی پسند نہیں فرماتا بلکہ اس سے ناراض ہے کہ اس طرح سونے سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اس سونے میں سینہ اور چہرہ جو اشرف اعضاء ہیں، زمین پر رگڑتا ہے۔ سرتو سجدہ ہی میں زمین پر رکھا جائے نہ کسی اور کے سامنے نہ سوتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سونا چار قسم کا ہے۔ پشت پر سونا یعنی چت یہ سونا اہل عبرت کا ہے۔ داہنی کروٹ پر سونا یہ اہل عبادت کا سونا ہے، بائیں کروٹ پر سونا یہ اہل استراحت کا سونا ہے۔ پیٹ کے بل سونا یہ سونا اہل غفلت کا ہے (اشعہ) مرقات نے فرمایا کہ اوندھے سونا دوزخیوں کا ہوگا اور لوطی لوگ ایسے سوتے ہیں۔

وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسٍ نِ الْغِفَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ مِّنَ السَّحَرِ عَلٰى بَطْنِيْ اِذَا رَجُلٌ يُّحَرِّكُنِيْ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ يَبْغِضُهَا اللّٰهُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۵۱۰) روایت ہے یعیش ابن طخفہ ابن قیس غفاری سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی اور وہ صفہ والوں میں سے تھے ۲؎ فرماتے ہیں اس حالت میں کہ میں درد کی وجہ سے اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ۳؎ ناگاہ کوئی صاحب مجھے اپنے پاؤں سے ہلانے لگے ۴؎ پھر فرمایا کہ اس لیٹنے سے اللہ ناراض ہے ۵؎ میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۶؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۴۵۱۰) ۱؎ یعیش بروزن یزید تابعی ہیں۔ ان کے والد طخفہ ط، خ، ف، سے طخفہ صحابی ہیں، ان کے والد قیس ابن ابی غزرہ غفاری کوفی

ہیں۔۲؎ یعنی طخفہ صحابی ہیں اور صفہ والوں میں سے ہیں، وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔۳؎ سحر سین کے پیش ح کے سکون سے یا سین کے اور ح دونوں کے فتحہ سے حلق اور سینہ کا درمیانی حصہ یعنی سینہ کے اوپری حصہ میں میرے درد تھا۔اس لیے میں پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا کہ سینہ دبا رہے اور درد کو سکون ہو۔۴؎ بڑا خوش نصیب ہے وہ جسم جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھوکر لگ جائے،ہم نے عرض کیا ہے۔شعر:۔

مر مٹ کے خوب لگتی مٹی مری ٹھکانے ۔۔۔ گران کی ٹھوکروں میں میرا مزار ہوتا

جس غلطی کی بنا پر حضور کی ٹھوکر نصیب ہو جائے،وہ غلطی بھی اللہ کی رحمت ہے۔۵؎ چونکہ دوسری طرح لیٹنے سے بھی یہ تکلیف دفع ہوسکتی تھی۔اس لیے یہ درد اس کے لیے عذر نہ مانا گیا اور اس سے منع فرمادیا گیا،لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ضرورت کے وقت ممنوعات بھی درست ہوجاتے ہیں۔۶؎ سبحان اللہ آپ نے یہ عذر حضور سے عرض نہ کیا بلکہ فوراً کروٹ بدل لی یا اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ لِلْخَطَّابِيْ حِجًى)

(۴۵۱۱) روایت ہے حضرت علی ابن شیبان سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ایسے گھر کی چھت پر رات گزارے جس پر آڑ نہ ہو،ایک روایت میں ہے کہ پتھر نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی۱؎ (ابوداؤد) اور خطابی کی معالم سنن میں حجی ہے)

(۴۵۱۱) ۱؎ یعنی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس کے کناروں پر دیوار کی آڑ نہ ہو جسے اردو میں منڈیر کہتے ہیں۔اگر سوؤ گے تو اللہ تعالٰی نے جو تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے کہ اس کے لیے فرشتے مقرر کئے ہیں،وہ اٹھ جائے گا اور تم ہلاک ہوجاؤ گے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَّيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۵۱۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایسی چھت پر سوئے جس پر آڑ نہ ہو۱؎ (ترمذی)

(۴۵۱۲) ۱؎ ایسی چھت پر سونے والے بہت دفعہ چھت سے گر کر مر گئے بلکہ بہتر ہے کہ چھت بغیر منڈیر رکھی ہی نہ جائے۔پوری دیوار نہ ہو تو تھوڑی اونچی ہی بنادی جائے تاکہ وہاں سے گرنے کا خطرہ نہ رہے۔اس فرمان میں بڑی حکمتیں ہیں۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۱۳) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر وہ لعنتی ہے۱؎ جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھے (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۵۱۳) ۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ جو کوئی کسی جلسہ میں آخر میں آئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا بیچ میں پہنچے،وہ لعنتی ہے۔چاہیے کہ اگر کنارہ پر جگہ ملے تو وہاں ہی بیٹھ جائے۔دوسرے یہ کہ یہ شخص درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہوں۔یہ عمل متکبرین کا ہے۔بڑا آدمی بھی لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھے (مرقات واشعہ) بعض لوگ مذاق دل لگی کرنے کے لیے کسی کو درمیان حلقہ میں بٹھا کر اسے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں،وہ ہر طرف کے لوگوں سے مذاق کرتا ہے،وہ بھی لعنتی ہے۔(اشعہ)

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ ۣالْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا

(۴۵۱۴) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین محفل وہ ہے جو وسیع تر

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ) ہوا(ابوداؤد)

(۴۵۱۴) ۱؎ یعنی جب جلسہ مجلس وغیرہ کروتو وسیع زمین میں کروتا کہ لوگوں کو بیٹھنے میں تنگی نہ ہو، آرام سے کھلے ہوئے بیٹھیں، ایسی مجلس بہت مبارک ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۱۵) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں، تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ آپ کے صحابہ بیٹھے تھے۱؎ تو فرمایا کیا ہے مجھے میں تم کو متفرق دیکھتا ہوں۲؎(ابوداؤد)

(۴۵۱۵) ۱؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں حضرات صحابہ متفرق بیٹھے تھے۔دو چار اس طرف اور چار چھ اس دوسری طرف۔۲؎ یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے۔عزین بنا ہے عزۃ سے بمعنی علیحدگی اور متفرق ہونا رب تعالٰی فرماتا ہے: عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ (۷۰/۳۷) داہنے اور بائیں گروہ کے گروہ (کنزالایمان) مقصد یہ ہے کہ مسجد یا مجلس میں مسلمان اکٹھے بیٹھا کریں۔الگ الگ ٹولیاں بنا کر نہ بیٹھیں کہ اس میں کفار سے مشابہت ہے۔نیز قالب کا اثر قلب پر پڑتا ہے۔اگر مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ بیٹھیں گے تو ان کے دل بھی الگ ہو جائیں گے۔اگر مل کر بیٹھیں گے تو دل بھی مل جائیں گے۔خیال رہے کہ نماز کی انتظار میں مسجد میں مسلمان صف بستہ بیٹھیں کہ فرشتے بارگاہ الٰہی میں صف بستہ ہی حاضر ہوتے ہیں اور ذکر کی مجلس میں حلقہ باندھ کر بیٹھے کہ جنت میں مسلمان حلقوں سے بیٹھا کریں گے۔رب فرماتا ہے: عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (۴۴/۳۷) تختوں پر ہوں گے آمنے سامنے (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الْفَيْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِي الشَّمْسِ وَبَعْضُهٗ فِي الظِّلِّ فَلْيَقُمْ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الْفَيْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْيَقُمْ فَاِنَّهٗ مَجْلِسُ الشَّيْطٰنِ هٰكَذَا (رَوَاہُ مَعْمَرٌ مَّوْقُوْفًا)

(۴۵۱۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو، پھر اس سے سایہ ہٹ جائے کہ اس کا بعض دھوپ میں اور بعض سایہ میں ہو جائے تو اٹھ کھڑا ہو۱؎ (ابوداؤد) اور شرح سنہ میں انہیں سے ہے۔فرمایا جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو، پھر اس سے سایہ ہٹ جائے تو اٹھ کھڑا ہو کہ یہ شیطان کی بیٹھک ہے۔اسے معمر نے یوں ہی موقوفًا روایت کیا۲؎

(۴۵۱۶) ۱؎ یا تو سایہ میں ہی چلا جائے یا بالکل دھوپ میں ہو جائے کیونکہ سایہ ٹھنڈا ہے اور دھوپ گرم اور بیک وقت ایک جسم پر ٹھنڈک وگرم لینا صحت کے لیے مضر ہے۔اس لیے ایسا نہ کرے۔نیز یہ شیطانی نشست ہے جس سے شیطان خوش ہوتا ہے، لہٰذا اس تشبیہ سے بچنا ضروری ہے۔۲؎ یعنی معمر نے جو تابعی ہیں، یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے موقوفًا روایت کی۔یہ کلام خود حضرت ابو ہریرہ کا بیان فرمایا مگر ایسی موقوف حدیث جس میں قیاس کو دخل نہ ہو، وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔خصوصًا جبکہ دوسری اسناد سے مرفوع حدیث بھی آ رہی ہو۔خیال رہے کہ ایسی بیٹھک کو شیطان کی بیٹھک فرمانے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ شیطان اس طرح بیٹھا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ملعون اس بیٹھک سے خوش ہوتا ہے۔حدیث شریف میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔بالکل ظاہری معنی پر ایمان لانا چاہیے۔واقعی شیطان ایسے ہی بیٹھتا ہے۔حضور کی نظر ان چیزوں کو دیکھ لیتی ہے جو ہمارے خیالات سے بھی وراء ہیں (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَاخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقِ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَهَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۵۱۷) روایت ہے حضرت ابو سعید انصاری سے[1] انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ مسجد سے نکل رہے تھے تو راستہ میں مرد عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے[2] تو عورتوں سے فرمایا، تم پیچھے رہو تمہیں یہ حق نہیں کیونکہ تمہارے لیے بیچ راستہ میں چلنا مناسب نہیں[3] تم راستہ کے کنارے اختیار کرو۔ پھر عورت دیواروں سے مل کر چلتی تھی حتیٰ کہ اس کا کپڑا دیوار سے الجھتا تھا[4] (ابوداؤد، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۵۱۷) [1] آپ کا نام مالک ابن ربیعہ ہے۔ انصاری ہیں، صحابی ہیں۔ اصحاب بدر میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔[2] جماعت نماز یا جلسہ وعظ ختم ہونے پر حاضرین مسجد سے نکلے مجمع بہت تھا۔ بھیڑ میں عورتیں مرد مخلوط ہو گئے۔ تب حضور انور نے یہ فرمایا، اب بھی حج کے موسم میں جب نمازی مسجد نبوی سے نکلتے ہیں تو راستے بند ہو جاتے ہیں۔[3] تحققن بنا ہے حاق سے بمعنی درمیان اور وسط تحققن بروزن تنصرن ہے نصر ینصر سے مضارع جمع مخاطبہ یعنی تم بیچ سڑک پر نہ چلا کرو، وہ مردوں کے لیے چھوڑ دیا کرو، بیچ راہ میں چلیں راستہ کے کناروں پر تم چلا کرو تاکہ تم مردوں سے مخلوط نہ ہو جایا کرو۔[4] یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس فرمان عالی کے بعد کوئی مسلمہ بی بی وسط راہ میں چلی ہی نہیں بلکہ اگر راستہ خالی ہوتا جب بھی وہ کنارے پر ہی چلتی تھی۔ اب بھی عورتوں کہ اگر ضرورۃً راہ چلنا پڑ جائے تو کنارہ پر ہی چلیں، یہ ہی حکم سرکاری ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یَّمْشِیَ یَعْنِی الرَّجُلَ بَیْنَ الْمَرْاَتَیْنِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۱۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد عورتوں کے درمیان چلے[1] (ابوداؤد)

(۴۵۱۸) [1] یعنی اگر دو عورتیں راہ میں جارہی ہیں تو کوئی اجنبی مرد ان کے درمیان سے نہ گزرے۔ ایک طرف سے گزر جائے یا ان کے درمیان نہ چلے الگ چلے کیونکہ حضور انور نے راستہ کے الگ الگ حصے کر دیئے ہیں۔ درمیان راہ مردوں کے لیے کنارے عورتوں کے لیے بلکہ اپنی محرم عورتوں کے ساتھ بھی یوں ہی چلے تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق لیں۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کُنَّا اِذَا اَتَیْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَیْثُ یَنْتَهِیْ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَذُکِرَ حَدِیْثَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فِیْ بَابِ الْقِیَامِ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَیْ عَلِیٍّ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْ بَابِ اَسْمَآءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(۴۵۱۹) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو ہم میں سے ہر ایک وہاں بیٹھتا جہاں مجلس ختم ہوتی[1] (ابوداؤد) اور عبداللہ ابن عمرو کی دو حدیثیں باب القیام میں ذکر ہوئیں اور ہم حضرت علی و ابو ہریرہ کی حدیثیں باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ میں بیان کریں گے[2] انشاء اللہ تعالیٰ

(۴۵۱۹) [1] یعنی کنارہ مجلس پر بیٹھتا تھا لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر درمیان میں پہنچنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ یہ آداب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔[2] یعنی چار حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں مگر ہم نے ان میں سے دو حدیثیں تو باب القیام میں ذکر کر دیں اور دو

حدیثیں باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے کیونکہ ہم کو یہ حدیثیں ان مقام سے زیادہ مناسب معلوم ہوئیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِىَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِىْ وَاتَّكَاْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِىْ فَقَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۲۰) روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے ا اور وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں، مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جبکہ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے پیٹھ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اور میں نے اپنے ہاتھ کی سیرین پر ٹیک لگائی ہوئی تھی ۲ تو فرمایا تم ان لوگوں کی بیٹھک بیٹھتے ہو جن پر غضب کیا گیا۳

(ابوداؤد)

(۴۵۲۰) ۱ عمرو ابن شرید تابعی ہیں۔ان کے والد شرید صحابی ہیں۔عمرو طائف کے رہنے والے ہیں۔ثقہ ہیں۔ان کی ملاقات اپنے والد سے اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہے۔ان دو بزرگوں کے علاوہ اور چند صحابہ سے بھی ہے (اشعہ) ۲ البتہ سرین یعنی چوتڑ کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد ہتھیلی کا وہ گوشت ہے جو انگوٹھے کی جڑ سے آخری کنارہ تک ہے۔۳ یعنی اس طرح یہود بیٹھا کرتے ہیں اور یہود پر اللہ کا غضب ہے تو یہ بیٹھک اللہ تعالٰی کو ناپسند ہے۔تم مومن انعام والے بندے ہو،تم ان سے تشبیہ کیوں کرتے ہو۔خیال رہے کہ ایک ہاتھ پیٹھ پر رکھنا دوسرے ہاتھ پر ٹیک لگانا مطلقًا ممنوع ہے۔خواہ داہنا ہاتھ پیٹھ پر بایاں زمین پر یا برعکس (اشعہ) بلکہ دونوں یا ایک ہاتھ کوکھ پر رکھنا یا پیٹھ سے لگانا ہی ممنوع ہے۔یوں ہی دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کھڑے کرنا ان پر ٹیک لگانا ممنوع ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّبِىَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰى بَطْنِىْ فَرَكَضَنِىْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ يَاجُنْدُبُ اِنَّمَا هِىَ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۵۲۱) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں، مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جبکہ میں اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ا تو مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا، اے جندب یہ آگ والوں کا لیٹنا ہے۲

(ابن ماجہ)

(۴۵۲۱) ۱ اس طرح کہ میرا پیٹ زمین سے لگا ہوا تھا اور دونوں پاؤں پھیلے ہوئے تھے جسے کہتے ہیں اوندھا لیٹنا۔۲ جندب حضرت ابو ذر غفاری کا نام ہے،کنیت ابوذر ہے۔اس فرمان کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ جہنمی لوگ یعنی کفار دنیا میں ایسے لیٹتے ہیں۔تم ان سے مشابہت نہ کرو،دوسرے یہ کہ دوزخ میں کفار ایسے لٹائے جایا کریں گے۔ان کی پیٹھ پر کوڑے مارنے کے لیے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد اپنے چھوٹوں کو پیار یا ناراضی میں ٹھوکر مارنا جائز ہے۔حضرات صحابہ کرام تو حضور کی ٹھوکر کھانے پر فخر کرتے ہیں۔آج ہم ان ٹھوکروں کے لیے ترستے ہیں۔شعر:۔

شبلی تشنہ دیدار کو زندہ کرتے بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے

بَابُ الْعُطَاسِ وَ التَّثَاؤُبِ چھینک اور جمائی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

عطاس مصدر ہے عطسٌ کا عطسہ کے معنی ہیں چھینک تو عطاس کے معنی ہوئے چھینکنا اور تثاؤب مصدر ہے تو بار کا ثوباءٌ کے معنی ہیں سستی تثاؤب کے معنی ہیں سستی کا طاری ہونا، اصطلاح میں جمائی کو تثاؤب کہتے ہیں کہ اس میں سستی ظاہری ہوتی ہے۔تثاؤب مہموز عین ہے نہ کہ اجوف یہ ہی قوی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّيْطَانُ مِنْهُ

(۴۵۲۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی چھینک کو پسند فرماتا ہے[۱] اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے[۲] تو جب تم میں سے کوئی چھینکے اور اللہ کی حمد کرے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے اس سے کہے یرحمک اللہ[۳] لیکن جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے[۴] تو جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو جہاں تک ہو سکے اسے دفع کرے[۵] کیونکہ تم میں سے کوئی جب جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے[۶] (بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی جب کہتا ہے ہا تو اس سے شیطان ہنستا ہے[۷]

(۴۵۲۲) [۱] چھینک سے دماغ صاف ہوتا ہے۔چھینک آنے سے دماغ ہلکا ہو جاتا ہے۔طبیعت کھل جاتی ہے جس سے عبادت پر زیادہ قدرت ہوتی ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ زکام آ کر خیریت سے گزر جائے تو بہت بیماریوں کا دفعیہ ہے۔[۲] جمائی سستی کی علامت ہے۔اس سے جسم پر جمود طاری ہوتا ہے۔چھینک رب کو پسند ہے۔جمائی شیطان کو پسند۔اس لیے حضرات انبیاء کرام کو جمائی کبھی نہیں آتی۔[۳] بعض علمائے دین فرماتے ہیں کہ چھینک کا جواب دینا فرض ہے۔وہ اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں کہ فرمایا گیا۔حقًا عام علماء اسے سنت کہتے ہیں۔فرض والوں میں بعض لوگ اسے فرض عین کہتے ہیں۔بعض فرض کفایہ اس سے معلوم ہوا کہ چھینکنے والا الحمد للہ بلند آواز سے کہے تاکہ لوگ سن سکیں اور صرف سننے والے پر جواب ہے نہ سننے والوں پر کچھ نہیں۔جواب چھینک کے متعلق علماء کا بڑا اختلاف ہے۔حق یہ ہے کہ اس کا جواب سنت علی العین ہے کہ ہر سننے والا جواب دے۔یہاں حق بمعنی واجب یا لازم نہیں بلکہ بمعنی استحقاق ہے۔جیسے فرمایا گیا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شرکت کرنا وغیرہ۔[۴] یعنی شیطان کے اثر سے جمائی آتی ہے۔وہ اس سے خوش ہوتا ہے، ہا کرنے پر وہ ہنستا ہے۔اسی لیے حضرات انبیاء کرام کو جمائی کبھی نہیں آئی۔جیسے کہ انہیں احتلام نہیں ہوتا کہ یہ شیطانی چیزیں ہیں (مرقات) [۵] جمائی دفع کرنے کی تین تدبیریں ہیں۔جب جمائی آنے لگے تو ناک سے زور سے سانس نکال دے۔جب جمائی آنے لگے تو نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لے۔جب جمائی آنے لگے تو یہ خیال کرے کہ حضرات انبیاء کرام کو جمائی نہیں آتی۔[۶] یعنی جب کوئی جمائی منہ میں پھیلاتا ہے اور ہاہ کہتا

ہے تو شیطان خوب ٹھٹھہ مار کر ہنستا ہے کہ میں نے اسے پاگل بنا دیا، اپنا اثر اس پر کرلیا۔ ے یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف الفاظ میں مروی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض آوازوں سے شیطان بھاگتا ہے۔بعض آوازوں سے وہ خوش ہوتا ہے۔اللہ کے ذکر کی آواز سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔جمائی کی آواز سے وہ ہنستا ہے۔گانے باجے کی آواز پر وہ خوشی سے ناچتا ہے،لہذا بری آوازوں سے بچو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْصَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۵۲۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمد للہ اور اس کا بھائی اس کا ساتھی اس سے کہے یرحمک اللہ پھر جب کہے یرحمک اللہ تو یہ کہے يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ ۱ (بخاری)

(۴۵۲۳) ۱ چونکہ چھینک اللہ تعالٰی کی نعمت ہے،لہذا اس پر اللہ کی حمد کرنی چاہیے۔چونکہ اس حمد سے اس نے اللہ کی نعمت کی قدر کی،لہذا سننے والے نے اسے دعا دی یرحمک اللہ چونکہ اس دعا دینے والے نے اس پر احسان کیا،لہذا احسان کا بدلہ احسان سے کرتے ہوئے،یہ پھر اسے دعا دے اور کہے یہدیکم اللہ غرضیکہ ان ذکروں کے پھیر میں عجیب حکمت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَالنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِیْ قَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَاللّٰهَ وَلَمْ تَحْمِدِ اللّٰهَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۲۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخصوں نے چھینک لی تو حضور نے ایک کو جواب دیا،دوسرے کو جواب نہ دیا تو اس شخص نے عرض کیا،یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان کو جواب دیا،مجھے نہ دیا۔فرمایا اس نے اللہ کی حمد کی تم نے نہ کی ۱ (مسلم بخاری)

(۴۵۲۴) ۱ چھینک کے جواب کو تشمیت کہتے ہیں۔یہ بنا ہے شمت سے بمعنی آفت و مصیبت یا لوگوں کو طعنہ اس سے ہے شماتت اعداء۔باب تفعیل سلب کے لیے ہے،لہذا اس کے معنی ہوئے مصیبت دور کرنا یعنی دعا دینا دعاء خیر کو تشمیت اس لیے کہا جاتا ہے۔۲ معلوم ہوا کہ چھینکنے والے کا جواب جب دیا جائے جب وہ الحمد للہ کہے اور یہ سنے بھی ایک شخص نے دیوار کے پیچھے چھینک لی تو حضرت عمر نے فرمایا یرحمك اللّٰه ان حمدت اللّٰه اگر تو نے رب کی حمد کی ہو تو خدا تجھ پر رحم کرے،اگر اکیلا آدمی چھینک لے اور الحمد للہ کہے،کوئی جواب دینے والے نہ ہوں تو خود ہی کہہ لے یغفر اللّٰه لی ولکم کیونکہ فرشتے اس کی چھینک کا جواب دیتے ہیں۔یہ ان کی نیت سے یہ دعا کرے جیسے نماز کے سلام میں فرشتوں کی نیت کرے،اگر اکیلا ہو (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَّمْ يَحْمِدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۲۵) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے،پھر خدا کی حمد کرے تو جواب دو،اگر حمد نہ کرے تو اسے جواب نہ دو ۱ (مسلم)

(۴۵۲۵) ۱ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نہی ممانعت کے لیے ہے،لہذا ایسے شخص کو جواب دینا گناہ ہے۔بعض فرماتے ہیں کہ نہی سنیت کی نفی کے لیے ہے یعنی ایسے کو جواب دینا سنت نہیں مگر گناہ بھی نہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کو جواب نہیں دیا،لہذا

جواب نہ دینا ہی سنت ہے (اشعہ) خیال رہے کہ عدم فعل سنت نہیں ہوتا بلکہ ترک فعل سنت ہوتا ہے۔عدم اور ترک میں بڑا فرق ہے۔عدم زنا پر ثواب نہیں بلکہ ترک گناہ پر ثواب ہے۔جب کسی کام کا باعث موجود ہو،پھر کام نہ کیا جائے،وہ ترک ہے اور مطلقاً کوئی کام نہ کرنا عدم فعل ہے۔

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰى فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ اَنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ اَنَّهُ مَزْكُوْمٌ

(۴۵۲۶) روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور آپ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی تو اس سے فرمایا یرحمک اللہ اس نے پھر دوبارہ چھینک لی تو فرمایا کہ یہ شخص زکام والا ہے۔[۱] (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے تیسری بار میں فرمایا کہ وہ زکام والا ہے۔[۲]

(۴۵۲۶) [۱] معلوم ہوا کہ جو نزلہ زکام کا بیمار ہو،اسے ہر چھینک پر جواب نہ دے کہ اس میں بہت حرج ہوگا کہ پھر تو وہ زکام والا کسی کو بات نہ کرنے دے گا،وہ چھینکے جائے تم جواب دیئے جاؤ جیسے اذان کا جواب دے مگر پہلی اذان کا پھر اذانیں سنتا رہے جواب دینا ضروری نہیں۔[۲] زیادہ روایات تین کی ہیں کہ حضور انور نے تیسری چھینک پر فرمایا کہ تجھے زکام ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ زکام والے شخص کو جواب دینے کے لئے کہے شفاک اللہ تجھے اللہ شفا دے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ دعاء صحت تو ویسے ہی کرنی چاہیے،چھینک پر کیا موقوف ہے۔یہ وقت شفا کی دعا کا نہیں ہے۔نیز زکام بیماری نہیں ہے بلکہ دماغی بیماریوں کا علاج اس سے بہت مرض دفع ہو جاتے ہیں (مرقات) زکام والے کو دیوانگی وجنون نہیں ہوتا جسے کبھی خارش ہو،اسے جذام وکوڑھ نہیں ہوتا،زکام وخارش میں رب تعالٰی کی بہت حکمتیں ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهٖ عَلٰى فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۲۷) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لینے لگے تو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے[۱] کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے[۲] (مسلم)

(۴۵۲۷) [۱] اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی یا انگلیوں کی پشت منہ پر رکھ لے کہ یہ ہی سنت ہے۔جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔[۲] یا تو خود شیطان ہی داخل ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ ضرور ہمارے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے مگر ہمارے منہ میں اس وقت گھستا ہے یا اس کے وسوسہ داخل ہوتے ہیں۔بہر حال جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ ضرور رکھ لے کہ اس سے نہ شیطان داخل ہوگا نہ اس کے وسوسہ نہ ہوائی کیڑے مکوڑے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰى وَجْهَهٗ بِيَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۴۵۲۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تو اپنا چہرہ انور اپنے ہاتھ یا آستین سے ڈھانپ لیتے اور اس میں اپنی آواز بند کرتے[۱] (ترمذی،ابوداؤد) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴۵۲۸) [۱] چھینک کے وقت اپنا پورا چہرہ یا پورا منہ کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپ لینا سنت ہے کہ اس سے رطوبت کی چھینٹیں نہ اڑیں گی

اور اپنے یا دوسرے کے کپڑے خراب نہ ہوں گے اور چھینک کی آواز حتی الامکان پست کرنا بھی سنت ہے کہ یہ آواز بلند ہو تو بری معلوم ہوتی ہے۔لوگ اچھل پڑتے ہیں۔چھینک کی آواز آہستہ نکلے،الحمدللہ کی آواز بلند ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّلْيَقُلِ الَّذِیْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ وَيَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(۴۵۲۹) روایت ہے حضرت ابو ایوب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے۱ اللہ تم پر رحم کرے اور یہ کہے اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کرے۔۲ (ترمذی،دارمی)

(۴۵۲۹) ۱؎ عمل۔جو کوئی چھینک پر کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اور اپنی زبان سارے دانتوں پر پھیر لیا کرے تو انشاءاللہ دانتوں کی بیماری سے محفوظ رہے گا۔مجرب ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو کوئی چھینک پر کہے: الحمدللّٰہ رب العالمین علٰی کل حال تو انشاءاللہ اسے کبھی ڈاڑھ اور کان کا درد نہ ہوگا۔امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے(ابن ابی شبہ مرقات) حق یہ ہے کہ تمام سننے والوں پر جواب دینا سنت ہے یعنی جواب چھینک سنت علی العین ہے ۲؎ کہ بال کے معنی دل،خیال حال ہیں۔یہاں بمعنی حال ہے۔جب حال ہی ٹھیک ہوگیا تو دل وخیال بھی ٹھیک ہوجائیں گے۔اس لیے یہاں بال سے حال مراد لے تاکہ دعا جامع ہوجائے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ الْيَهُوْدُ يَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُوْنَ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۳۰) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکا کرتے تھے۱ امید یہ کرتے تھے کہ ان سے فرمادیں اللہ تم پر رحم کرے مگر آپ فرماتے اللہ تمہیں ہدایت دے،تمہارا حال درست کرے۲ (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۵۳۰) ۱؎ یعنی دیدہ و دانستہ چھینک لیا کرتے تھے،ناک میں تنکے ڈال کر یا کسی اور طریقہ سے جیسا کہ یتعاطسون بتا رہا ہے۔۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ یہود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول الدعا اللہ کا محبوب جانتے تھے۔اس لیے آپ کی دعا لینے کی کوشش کرتے تھے مگر ایمان نہ لاتے تھے۔حضور سے دعا لینے کی ترکیب ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا ہے۔خصوصاً نماز تہجد کی پابندی کرنا۔دوسرے یہ کہ کفار کے لیے دعا مغفرت دعاء رحمت کرنا ممنوع ہے،انہیں دعاءِ ہدایت کرے رحمت مغفرت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ہدایت کفار کو بھی مل سکتی ہے کہ وہ ہدایت پاکر ایمان قبول کرلیں۔

وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهٗ سَالِمٌ وَّعَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ فَكَاَنَ الرَّجُلُ وَجَدَ فِیْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَقُلْ اِلَّا مَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ

(۴۵۳۱) روایت ہے حضرت ہلال ابن یساف سے۱ فرماتے ہیں کہ ہم سالم ابن عبید کے پاس تھے۲ تو قوم میں سے کسی شخص نے چھینکا تو بولا السلام علیکم۳ تو اس سے سالم نے کہا،تجھ پر اور تیری ماں پر۴ تو شاید وہ شخص اپنے دل میں غصہ ہوا۔۵ تو فرمایا میں نے وہ ہی کہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،جب ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لی تھی تو بولا السلام علیکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اور تیری ماں پر۶ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهٗ مَنْ يَّرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

الحمد لله رب العلمين اوراس کو جواب دینے والا کہے یرحمک اللہ اور یہ کہے یغفر اللہ لی ولکم؁(ترمذی، ابوداؤد)

(۴۵۳۱) ؁آپ تابعی ہیں۔ حضرت اشجع کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابو مسعود انصاری، مسلم ابن قیس سے ملاقات ہے۔ ۷۷ ہجری میں وفات پائی۔ آپ سے بہت لوگوں نے روایات لیں (مرقات واشعہ) ؁یا تو منہ سے نکل گیا یا بجائے الحمد للہ کے السلام علیکم عمداً کہا، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہی ہے یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔ ؁یہ سلام تحیت کا نہیں ہے بلکہ اظہار ناراضی و بیزاری کا ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے جواب میں فرمایا قال سلام علیک یعنی تجھے دور ہی سے سلام ہے۔ اس سلام یعنی ناراضگی میں ماں کو اس لیے داخل فرمایا کہ ماں نے بچے کو دین نہ سکھایا یہ باتیں مائیں سکھاتی ہیں، اس نے غفلت برتی یا بچے ایسی بدعتیں اکثر ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں لوگ چاند دیکھ کر سلام کرتے ہیں۔ اماں سلام ابا سلام یہ بھی بوڑھی عورتوں کی رسم ہے۔ چونکہ ان رسوم، بے موقع سلام کی موجد عورتیں ہوتی ہیں۔ خصوصاً مائیں دادیاں اس لیے علی امک فرمایا۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ بے موقع سلام کرنے والے کو جواب سلام نہ دیا جائے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام نہ فرمایا نیز چونکہ اس نے چھینک کر الحمد للہ نہ کہا، لہٰذا اسے جواب بھی نہ دیا گیا۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔ ؁یعنی اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر اس کے چپ ہو جانے سے محسوس ہوا کہ اس کے دل کو اس جواب سے رنج ہوا۔ ؁سبحان اللہ کیا حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کا رنج دور کرنے کو حدیث پیش فرمائی اور فرمایا کہ اس سارے ہی واقعہ میں میں تبع ہوں مبتدع نہیں ہوں (مرقات) ؁مقصد یہ ہے کہ یہ موقع سلام کا نہ تھا بلکہ حمد الٰہی کا تھا۔ اگر تم حسب موقع الحمد للہ کہتے تو جواب پاتے، ہر مقام کے لیے ذکر اللہ علیحدہ ہے۔ خوشی کی خبر پر انا للہ نہ پڑھو، غم کی خبر پر الحمد للہ نہ کہو۔

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۵۳۲) روایت ہے حضرت عبید ابن رعافہ سے؁وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرمایا چھینکنے والے کو تین بار جواب دو، پھر جو زیادہ کرے تو اگر چاہو جواب دو، اگر چاہو نہ دو؁(ابوداؤد، ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

(۴۵۳۲) ؁عبید ابن رفاعہ تابعی ہیں۔ ان کے والد رفاعہ ابن رافع صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو معاذ ہے۔ انصاری ہیں، زرقی ہیں۔ بدر، احد اور تمام غزوات نبوی میں شریک ہوئے۔ جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ عبید اور معاذ ایک بھتیجا یحیٰی ابن خلاد لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے (مرقات) ؁یعنی مسلمان کی تین چھینکوں کا جواب دینا سنت ہے مگر چوتھی چھینک کا جواب دینا سنت نہیں، تمہاری مرضی پر ہے لیکن اگر جواب دیا تو انشاء اللہ ثواب ملے گا کہ مسلمان کو دعا دینا عبادت ہے۔ یہاں یہ ارشاد نہ ہوا کہ خود چھینکنے والا چوتھی چھینک پر الحمد للہ کہے یا نہ کہے۔ ظاہر یہ ہے کہ کہے حمد الٰہی بہتر ہی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَمِّتْ اَخَاكَ ثَلٰثًا فَاِنْ زَادَ فَهُوَ زُكَامٌ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ رَفَعَ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

(۴۵۳۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا اپنے بھائی کو تین بار جواب دو، اگر زیادہ ہو تو وہ زکام ہے؁(ابوداؤد) اور فرمایا کہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں مگر انہوں نے حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کی ؁

(۴۵۳۳) ؁اور زکام ایک بیماری ہے۔ بیماری کی چھینک کا جواب سنت نہیں خیال رہے کہ سنت نہ ہونا اور ہے خلاف سنت ہونا کچھ اور

خلاف سنت چیز بدعت ہوتی ہے جس کا کرنا ممنوع ہوتا ہے اور سنت نہ ہونا ممنوع ہونے کی دلیل نہیں۔ بخاری شریف پڑھنا سنت نہیں مگر خلاف سنت نہیں۔ اس لیے ممنوع نہیں، خلاف سنت وہ ہے جو سنت کو مٹادے، اس کا فرق کتاب راہ جنت میں ملاحظہ فرماؤ۔ آج لوگوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔ ۲؎ قال کا فاعل ابوداؤد نہیں بلکہ وہ راوی ہیں جنہوں نے حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کی یعنی سعید مقبری، مطلب یہ ہے کہ سعید مقبری کہتے ہیں کہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کا قول نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (لمعات) اگر مرفوع نہ بھی ہو تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوگی کہ صحابی کا وہ قول جو قیاس سے وراء ہو، مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ (اشعہ) جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلاً عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَیْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۴۵۳۴) روایت ہے حضرت نافع سے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر کی برابر میں چھینک لی تو بولا اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ۱؎ تو جناب ابن عمر نے کہا کہ میں بھی کہتا ہوں اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ پر سلام ۲؎ مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہ سکھایا، ہمیں یہ سکھایا کہ ہم کہیں اللہ کا شکر ہے ہر حال پر ۳؎ (ترمذی)

(۴۵۳۴) ۱؎ غالبًا وہ صاحب سمجھے کہ حضور انور کو سلام بھی ذکر خیر ہے اور الحمدللہ بھی ذکر خیر اور خیر کو خیر سے ملانا زیادتی خیر کا ذریعہ ہے۔ دیکھو خطبہ مسجد میں داخلہ کے وقت حمد و صلوٰۃ و سلام ملے ہوتے ہیں مگر یہ قیاس درست نہ تھا (مرقات) ۲؎ یعنی میں نہ تو حمد الٰہی کا انکار کرتا ہوں نہ حضور کو سلام کرنے کا نہ ان دونوں کو جمع کرنے کا میں خود بارہا ان دونوں کو ملا کر کہتا ہوں۔ ۳؎ یعنی چھینک کے موقع پر حمد الٰہی کو سلام رسول اللہ سے ملانا خلاف سنت ہے۔ ہم کو حضور نے اس موقع پر یہ سکھایا کہ حمد کے ساتھ علیٰ کل حال ملائیں۔ نیز حمد کے ساتھ سلام کو لانا اس سنت کے ترک کا باعث ہے، لہٰذا بدعت ہے اور ممنوع۔ بعض علماء نے چھینک کے وقت درود شریف کو سنت فرمایا ہے۔ دیکھو اشعۃ اللمعات مگر وہ حضرات علیٰ کل حال کے بعد درود شریف کو مستحب کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کسی نے چھینک کر کہا تھا السلام علیکم تو حضور انور نے اس پر کچھ سختی فرمائی تھی مگر حضرت ابن عمر نے اس شخص پر نہایت نرمی کی، وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے الحمدللہ بالکل نہ کہا تھا۔ صرف سلام کیا تھا، لہٰذا اس پر سختی کی یہاں اس شخص نے حمد کے بعد سلام کہا یعنی حمد کو چھوڑا نہیں، لہٰذا نرمی فرمائی۔ یا شاید اس شخص نے بارہا یہ قصور کیا ہوگا۔ اس لیے اس پر سختی کی یہاں اس شخص نے پہلی بار یہ قصور کیا ہے مرقات میں اس دوسری توجیہ کا ذکر کیا۔

بَابُ الضِّحْكِ ہنسنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

ضحک ض کے کسرہ ح کے سکون سے یا دونوں کے کسرہ سے یا ض کے فتحہ سے ح کے سکون سے ہے بمعنی ہنسنا یہاں ضحک سے مراد ہنسنا تبسم کرنا سب مراد ہے۔اس لیے مصنف اس باب میں تبسم کا ذکر بھی کریں گے۔فہقاء کے ہاں صرف دانت کھل جانا آواز نہ پیدا ہونا تبسم ہے۔تھوڑی آواز بھی پیدا ہونا جو خود سنی جائے،دوسرا نہ سنے ضحک ہے۔زیادہ آواز پیدا ہو کہ دوسرا بھی سنے اور منہ کھل جائے۔قہقہہ ہے یعنی ٹھٹھا۔نماز میں تبسم کرنے سے نہ نماز جائے نہ وضو۔ہنسنے سے نماز جاتی رہے گی۔ٹھٹھہ سے نماز وضو دونوں جاتے رہتے ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعاً ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۵۳۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ہنستے نہ دیکھا حتی کہ میں آپ کے انتہائی تالو دیکھ لیتی[۱] آپ مسکرایا کرتے تھے[۲] (بخاری)

(۴۵۳۵) [۱] یہ تفسیر ہے مستجمعا کی یعنی اس طرح ہنستے نہ دیکھا کہ آپ کا منہ شریف کھل جاتا اور میں آپ کے تالو کا آخری حصہ دیکھ لیتی،لہوات جمع ہے لہات کی۔لہات وہ پارہ گوشت جو تالو کی انتہا اور حلق سے متصل ہے۔حضور انور اس طرح ساری عمر کبھی نہ ہنسے۔[۲] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے کبھی نہ تھے،مسکراتے بہت تھے۔ہنسنا قلب میں غفلت پیدا کرتا ہے۔تبسم خوش اخلاقی ہے۔اس سے سامنے والے کو خوشی ہوتی ہے۔شعر:۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۳۶) روایت ہے حضرت جریر سے[۱] فرماتے ہیں کہ جب سے مسلمان ہوا،مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نہ کیا[۲] اور مجھے نہ دیکھا مگر تبسم فرمایا[۳] (مسلم بخاری)

(۴۵۳۶) [۱] آپ جریر ابن عبداللہ ہیں۔کنیت ابوعمرو ہے۔حضور انور کی وفات سے چالیس دن پہلے اسلام لائے۔بعد میں کوفہ میں قیام رہا۔۵۱ ہجری میں وفات پائی (اکمال) بڑے خوبصورت خوش خلق اپنی قوم کے سردار تھے۔[۲] یعنی جس موقع پر دوسروں کو اجازت لے کر آنا ہوتا تھا،مجھے بغیر اجازت حاصل کیے حاضری کی اجازت تھی۔ایک بار حضور نے مجھے ایسی مجالس میں حاضری کی اجازت دیدی تھی،گویا اپنا قرب و منزلت بیان فرمارہے ہیں۔خیال رہے کہ حضور کی مجلس عامہ میں کسی کو اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔جیسے نماز جمعہ،عید اور عام مجالس وعظ میں،دولت خانہ کے اندر کسی کو بغیر اجازت حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی۔رب تعالٰی فرماتا ہے:لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ (۳۳:۵۳) نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو (کنزالایمان) مجالس خاصہ میں عام لوگ اجازت لے کر حاضر ہوتے تھے مگر کوئی خاص الخاص بغیر اجازت بھی یہاں اسی کا ذکر ہے۔[۳] حضور کا یہ تبسم اظہار خوشی یا اظہار کرم کے لیے ہوتا تھا۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

(۴۵۳۷) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْمُ مِنْ مُّصَلَّاہُ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْہِ الصُّبْحَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَکَانُوْ یَتَحَدَّثُوْنَ فَیَاْخُذُوْنَ فِیْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ فَیَضْحَکُوْنَ وَیَتَبَسَّمُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّلتِّرْمِذِیِّ یَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھتے تھے۔ اپنے اس مصلے سے جس میں فجر کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا پھر جب سورج طلوع ہو جاتا تو اٹھتے اور لوگ باتیں کرتے تھے تو جاہلیت کے زمانہ کے کاموں کے ذکر میں مشغول ہو جاتے تو ہنستے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے[۱] (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ حضرات اشعار پڑھتے تھے

(۴۵۳۷) [۱] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھے رہنا سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت تلاوت قرآن کرنا بہتر نہیں۔ جن اوقات میں سجدہ حرام ہے۔ ان اوقات میں تلاوت قرآن افضل نہیں کہ اس وقت سجدہ تلاوت نہ کر سکے گا۔ تیسرے یہ کہ نفلی معتکف کو مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے۔ یہ حضرات بہ نیت اعتکاف وہاں بیٹھتے تھے۔ چوتھے یہ کہ مسجد میں جائز اشعار پڑھنا جائز بلکہ نعت شریف پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ پانچویں یہ کہ آخرت کی چیزیں کوئی اپنی عقل سے معلوم نہیں کرسکتا۔ یہ صرف نبوت کے نور سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ دیکھو حضرات صحابہ کرام اب بعد اسلام اپنے زمانہ جاہلیت کی باتوں پر خود ہنستے تھے کہ ہم اس وقت کیسے ناسمجھ تھے۔ اب حضور کے صدقہ سے سمجھ بوجھ میسر ہوئی۔ چھٹے یہ کہ حضور انور بڑے ہی اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے کو اپنے خدام کے ساتھ رکھتے تھے۔ ان کے ہر کام میں شریک ہو جاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۵۳۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزء سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم والا ہو[۲] (ترمذی)

(۴۵۳۸) [۱] آپ صحابی ہیں، زبیدی ہیں، زبید ایک قبیلہ ہے جو زبید نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ آپ مصر میں سب سے آخری صحابی ہیں جو فوت ہوئے۔ اسّی (۸۰) ہجری میں مصر میں وفات پائی [۲] تبسم میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ حضور کی ہر ادا میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ قَتَادَۃَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ ھَلْ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضْحَکُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِھِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَکْتُھُمْ یَشْتَدُّوْنَ بَیْنَ الْاَغْرَاضِ

(۴۵۳۹) روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنستے تھے[۱] فرمایا ہاں، حالانکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بڑا تھا[۲] اور بلال ابن سعد نے کہا[۳] کہ میں نے صحابہ کو پایا کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑ

وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

لگاتے تھے اور ان کے بعض بعض سے ہنسی کرتے تھے ۔ جب رات ہوتی تو راہب (تارک الدنیا) بن جاتے تھے[۴] (شرح السنہ)

(۴۵۳۹) [۱] شاید سائل نے وہ حدیث سنی ہوگی کہ زیادہ ہنسنا دل مردہ کرتا ہے تو اس نے سوچا ہوگا کہ حضرات صحابہ کبھی نہ ہنستے ہوں گے، وہ حضرات زندہ دل تھے، پھر انہیں ہنسی سے کیا تعلق جیسے آج لوگ کہتے ہیں کہ ولی وہ جس کے گھربار بیوی بچے کچھ نہ ہو، جنگل میں تارک الدنیا ہوکر رہے۔ مشہور ہے کہ وہ فقیر کیسا جو پاس رکھے پیسہ۔ [۲] جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہنسنا حرام نہیں حلال ہے۔ وہ حضرات وہ ہنسی نہ ہنستے تھے، جو دل مردہ کردے یعنی ہروقت ہنستا رہنا بلکہ وہ ہنسی ہنستے تھے جو دل کو شگفتہ رکھے اور سامنے والے کو بھی شگفتہ بنادے۔ ان حضرات کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی وہ حضرات شگفتہ دل بھی تھے۔ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی خوش ہوجاتے تھے۔ [۳] آپ تابعی ہیں بہترین واعظ عابد شب زندہ دار۔ دمشق میں قیام رہا۔ آپ کو دمشق کا حسن بصری کہا جاتا تھا۔ آپ کی ملاقات اپنے والد تمیم داری، امیر معاویہ، جابر سے ہے۔ (رضی اللہ عنہم) ۱۲۰ ہجری میں وفات ہوئی (اشعہ) [۴] یعنی وہ حضرات دن میں بھاگ دوڑ ہنسی مذاق سب کچھ کرتے تھے، تیراندازی ان کا بہترین مشغلہ تھا مگر جب رات ہوتی تو مصلّٰی ہوتا اور یہ حضرات ہوتے۔ اب دعوت، مناجات، عبادات میں مشغول ہوکر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے۔ خیال رہے کہ شب بیداری یعنی نماز تہجد کی قرآن کریم میں بہت ہی تعریف آئی ہے۔ رب تعالٰی نصیب کرے تو سمجھو کہ تمام نمازیں اطاعت کی ہیں۔ یہ نماز محبت کی، تمام نمازیں مسلمانوں کے لیے آئیں مگر تہجد خاص حضور، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رب فرماتا ہے ومن الیل فتھجد بہ نافلتہ لك اب جو بھی تہجد پڑھتا ہے، حضور کے صدقے پڑھتا ہے۔ حضرات صحابہ ظاہراً ہنستے تھے۔ باطن کی آنکھ سے روتے تھے۔ اشباہ (صورتوں) میں فرشی تھے، ارواح میں عرشی تھے، بدن سے مخلوق میں تھے۔ دل میں خالق کے ساتھ بہ ظاہر سب کے ساتھ بہ باطن رب کے پاس فقراء کے لباس میں بادشاہ تھے، ان میں سے ہر صحابی ایسا تھا۔ شعر:۔

شیر نردر پوستین برہ اے آفتابے در لباس ذرہ

بکرے کی کھال میں شیر ذرہ کے لباس میں سورج۔

بَابُ الْاَسَامِیْ — ناموں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

اسامی الف کے فتحہ ی کے شد سے جمع اسم کی بروزن افاعیل۔ اسم سے مراد نام ہے خواہ عَلَم ہو یا اور کچھ۔ اس باب میں بتایا جائے گا کہ کیسا نام برا ہے کیسا اچھا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ

(۴۵۴۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ ایک آدمی نے کہا، اے ابوالقاسم[۱] تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی۔ وہ بولا کہ میں نے تو اس کو بلایا ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھو، میری

وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ (مُتَّفقٌ عَلَيْهِ) کنیت نہ رکھو۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۴۰) ۱؎ کسی شخص کا نام ابوالقاسم تھا۔اس نے اسے پکارا۔۲؎ مقصد یہ ہے کہ اگر ہزاروں کے نام محمد ہوں تو دھوکہ نہ ہوگا کیونکہ حضور کو صرف نام سے پکارنا حرام ہے،اب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے گا وہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا یا محمد نہ کہے گا۔اگر یا محمد کہہ کر پکارے گا تو کسی اورمحمد کو پکارے گا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے ہمارے حضور کو نام لے کر نہ پکارا۔یاایھا النبی یاایھا الرسول سے پکارا۔لہذا نام کے اشتراک میں شبہ و دھوکہ نہ ہوگا۔کنیت کے اشتراک میں ضرور دھوکا ہوگا (مرقات) لہذا حدیث واضح ہے۔پس حضور انور کو یا ابا القاسم کہہ کر پکار سکتے ہیں کہ یہ حضور کا لقب ہے۔جیسے رسول اللہ نبی اللہ مگر یا محمد کہہ کر نہیں پکار سکتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور کا نام شریف ہے۔دیکھو مرقات،حضور انور کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔اس نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ فَاِنِّيْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ (مُتَّفقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۴۱) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم بنایا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۱؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۴۱) ۱؎ یعنی اللہ کی ہر نعمت تقسیم میرے ہاتھ سے ہوتی ہے۔دنیاوی نعمت ہو یا اخروی اس لیے حضرات صحابہ نے بارش،جنت، آنکھیں،دولت اولاد حضور سے مانگی ہیں۔جب جنت ہی حضور سے مانگ لی تو دیگر چیزیں بدرجہ اولٰی حضور سے مانگی جاسکتی ہیں۔اس کے لیے ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی اور جاءالحق کا مطالعہ کرو،دوسری روایت میں ہے اللّٰہ المعطی و انا القاسم نہ اللہ کی عطا مقید ہے نہ حضور کی تقسیم۔رب فرماتا ہے:اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِه۔(۹:۷۴)بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت حضور کی حیات شریف میں تھی۔بعد وفات ہر طرح اجازت ہے خواہ حضور انور کا نام رکھے یا آپ کی کنیت یا دونوں جمع کردے کہ نام رکھے محمد کنیت رکھے ابوالقاسم'اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں،یہ ہی قول قوی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ یہ حکم حیات شریف میں تھا (مرقات واشعہ) حضرت علی نے حضور کے بعد اپنے بیٹے کا نام محمد کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حنفیہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے حضور سے پہلے پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کے بعد اپنے کسی بیٹے کا نام محمد کنیت ابوالقاسم رکھ سکتا ہوں؟ فرمایا تھا ہاں۔خیال رہے کہ اگر قاسم قوی ہو تو تقسیم بھی قوی ہوتی ہے۔ڈول،چرسہ،رہٹ،ٹیوب ویل، دریا،بادل سب ہی پانی تقسیم کرتے ہیں مگر ان کی تقسیموں میں جو فرق ہے،وہ معلوم ہے۔سارے نبی اللہ کی نعمتیں تقسیم کرتے تھے۔حضور بھی تقسیم کرتے ہیں۔حضور کی تقسیم بہت قوی ہے۔تمام امتوں میں وضو تھا مگر اعضاء کا چمکنا حضور کی امت کے وضو سے ہے۔پانچ نمازوں کا ثواب پچاس ہے کیوں اس لیے کہ یہ حضور کی تقسیم سے ملی ہیں۔اب پڑھو اللّٰہ المعطی و انا القاسم

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۴۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے ناموں میں رب تعالٰی کو بہت پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہے۱؎ (مسلم)

(۴۵۴۲) ۱؎ یہ نام اس لیے پیارے ہیں کہ ان میں اپنی عبدیت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا ہے تو اس میں دونوں چیزوں کا اظہار ہے۔اپنی عبدیت اللہ کی ربوبیت یعنی انبیاءکرام کے ناموں کے بعد یہ نام رب کو بہت پسند ہیں۔سب سے بہتر یہ ہے کہ کسی نبی کے نام پر نام رکھے۔اس کے بعد یہ بہتر ہے کہ یہ نام رکھے۔یہاں عبداللہ اور عبدالرحمن بطور تمثیل فرمائے گئے۔اسماء الہیہ میں سے کسی کی طرف عبدیت کی

طرف نسبت کرے، بہتر ہے۔خیال رہے ملائکہ کے نام پر نام رکھنا ممنوع ہے،لہٰذا کسی چیز کا جبریل یا میکائیل نام نہ رکھو۔جیسا کہ حدیث میں ہے(مرقات) چنانچہ بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو،فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِيْحًا وَّلَا اَفْلَحَ فَاِنَّكَ تَقُوْلُ اَثَمَّ هُوَ فَلَا يَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَّلَا يَسَارًا وَّلَا اَفْلَحَ وَلَانَافِعًا

(۴۵۴۳) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے غلام کا نام نہ یسار رکھو،نہ رباح نہ نجیح اور نہ افلح[۱] کیونکہ تم کہو گے کہ کیا یہاں وہ ہے ہوگا نہیں تو کہے گا نہیں[۳] (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اپنے غلام کا نام نہ رباح رکھو نہ یسار نہ افلح نہ نافع[۴]

(۴۵۴۳) [۱] غلام سے مراد مطلقًا لڑکا ہے،خواہ بیٹا ہو یا غلام یا کوئی اور وہ جس کا نام رکھنا ہمارے قبضہ میں ہو۔نہی تنزیہی ہے،یعنی یہ نام بہتر نہیں۔[۲] یسار کے معنی ہیں فراخی،عسر کا مقابل۔رباح کے معنی ہیں نفع،خسارہ کا مقابل،نجیح کے معنی ہیں کامیاب۔ظفریاب۔افلح کے معنی ہیں نجات والا یہ ممانعت صرف ان ناموں میں محدود نہیں بلکہ ان جیسے اور نام جن کے معنی میں خوبی وعمدگی ہو جیسے ظفر،برکت وغیرہ (اشعہ) یہ نام نہ رکھنا بہتر ہے۔اس کی وجہ خود بیان فرمارہے ہیں۔[۳] تو اس صورت میں تمہارے گھر سے نفع،فتح،نجات کی نفی ہوجائے گی۔نام رکھے تھے نیک فالی کے لیے مگر جب ان کی نفی کی گئی تو بدفالی ہوگی۔[۴] اس روایت میں نافع نہ تھا۔یہاں نافع بھی ہے۔خیال رہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل نام محمد اور احمد ہے کہ رب کے محبوب کے نام ہیں۔پھر ابراہیم،اسماعیل وغیرہ کہ حضرات انبیاء کے نام ہیں۔پھر عبدالرحمٰن،عبداللہ، عبدالستار وغیرہ کہ ان میں اپنی عبدیت اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان ہے۔بے معنی یا برے معنی والے نام ممنوع ہیں جیسے بدھو،تلو یا جیسے نسیم، ریاض،جاوید،اختر وغیرہ۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْهٰى اَنْ يُّسَمّٰى بِيَعْلٰى وَبَرَكَةَ وَبِاَفْلَحَ وَبِيَسَارٍ وَّبِنَافِعٍ وَّبِنَحْوِ ذٰلِكَ ثُمَّ رَاَيْتُهٗ سَكَتَ بَعْدُ عَنْهَا ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذٰلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۴۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ یعلٰی برکت افلح،یسار،نافع اور ان کی مثل نام رکھنے سے منع فرمادیں،میں نے پھر آپ کو دیکھا کہ بعد میں اس سے خاموش رہے،پھر وفات پاگئے[۱] اور اس سے منع نہ فرمایا(مسلم)

(۴۵۴۴) [۱] یعنی مجھے علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور انور ان ناموں سے ممانعت فرمادیں گے مگر کی نہیں یا تو حضرت جابر کو ممانعت کی خبر نہ ہوئی۔پچھلی روایت میں ممانعت گزر چکی اور نفی کی روایت پر ثبوت کی روایت مقدم ہوتی ہے یا یہاں مراد حرمت کی نفی ہے یعنی یہ نام رکھنا حرام نہ فرمایا اور پچھلی روایات میں تنزیہی کراہت کی نفی تھی،لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔یہاں مرقات میں ناموں کی بہت تفصیل ہے۔فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ولید،رباح،حکم،کلب،کلیب وغیرہ ناموں سے منع فرمایا،وہ ہی کراہۃ تنزیہی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَى الْاَسْمَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُّسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَفِیْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ

(۴۵۴۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جائے[۱] (بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ کا سخت غضب ناک

الْقِيٰمَةِ وَاَخْبَثُهٗ رَجُلٌ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ

قیامت کے دن اور خبیث ترین وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جائے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں۔۲

(۴۵۴۵) ۱؎ اس لیے کہ ناموں میں فخر وتکبر کا اظہار ہے۔ نہ ذلت کے نام رکھو نہ فخر وتکبر کے خیال رہے کہ ناموں کا اور حکم ہے۔ القاب و خطابات کا دوسرا حکم کسی کو ملک العلماء کا خطاب دینا ممنوع نہیں، نام رکھنا ممنوع ہے۔ ملک الاملاک کا ترجمہ ہے بادشاہوں کا بادشاہ یعنی شہنشاہ اور ظاہر کہ اس نام میں تکبر ہے۔ اس عبارت میں رجل سے پہلے نام محذوف ہے اور یہ اخنی الاسماء کی خبر ہے (اشعہ) ۲؎ یعنی حقیقی اور دائمی بادشاہ اللہ تعالٰی ہے۔ بندوں کی بادشاہت وملکیت عارضی ہے۔ ایسے نام رکھنے والا گویا رب تعالٰی کا مقابلہ کرتا ہے۔ خیال رہے کہ املاک جمع ہے ملک کی لام کے کسرہ سے اور ممالک جمع ہے ملک کی لام کے ضمہ سے ملوک جمع ہے ملک بمعنی بادشاہ کی مالک الملوک، مالک الاملاک اور مالک ممالک تمام نام ممنوع ہیں۔ خیال رہے کہ یہ ناراضی جب ہے جبکہ وہ شخص اس نام سے راضی ہو۔ اگر راضی نہیں تو وبال اس کے ماں باپ پر ہے جنہوں نے اس کا یہ نام رکھا۔ اسے چاہیے کہ اپنا نام تبدیل کرے۔

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۴۶) روایت ہے حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرا نام برہ رکھا گیا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خود اپنی صفائیاں نہ دو، تم میں سے بھلائی والے کو اللہ جانتا ہے ۳؎ اس کا نام زینب رکھو ۴؎

(۴۵۴۶) ۱؎ یہ زینب حضور انور کی سوتیلی بیٹی ہیں جو اپنی والدہ جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور اقدس کے گھر میں آئیں اور حضور انور کی پرورش میں رہیں اور زینب بنت خدیجہ الکبریٰ حضور کی سگی بیٹی ہیں جو ابوالعاص کے نکاح میں رہیں ۲؎ یعنی میری والدہ ام سلمہ نے یا میرے والد ابوسلمہ نے میرا نام برہ رکھا۔ برہ کے معنی ہیں نہایت نیک صالحہ بچی ۳؎ اس فرمان عالی میں اشارہ ان آیات کریمہ کی طرف ہے۔ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ (۵۳:۳۲) تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ (کنزالایمان) بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (۴:۴۹) بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے (کنزالایمان) ۴؎ زینب کے بہت معنی ہیں زنب بمعنی موٹا پا تندرستی زینب موٹی وتندرست یا زنب وہ درخت جو خوبصورت خوشبودار ہو یا یہ لفظ بنا ہے زین اور اب سے یعنی اچھے باپ کی بیٹی۔ یہ تیسرے معنی نہایت موزوں ہیں (مرقات) واقعی ان سے بڑھ کر اچھے باپ والی بیٹی کون ہوگی۔ (رضی اللہ عنہا)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ فَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُّقَالَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۴۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جویریہ کا نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ سے تبدیل کردیا ۱؎ اور یہ ناپسند کرتے تھے کہ کہا جائے برہ کے پاس سے گئے ۲؎ (مسلم)

(۴۵۴۷) ۱؎ جویریہ تصغیر ہے۔ جاریۃٌ کی جاریہ کے معنی ہیں لڑکی۔ جویریہ چھوٹی لڑکی آپ جویریہ بنت الحارث ہیں۔ غزوہ مریسیع جسے غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں جو ۵ھ میں ہوا، اس میں قید ہوکر آئیں۔ ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہیں نے آپ کو مکاتبہ کردیا۔ حضور انور نے آپ کا مال کتابت ادا کردیا اور آپ سے نکاح کرلیا۔ آپ کی وفات ربیع الاول ۵۶ھ میں ہوئی۔ ۶۵ سال عمر پائی۔ (رضی اللہ

عنہا) (اکمال) ۲؎ یعنی حضور انور نے برہ نام اس لیے بدل دیا کہ اگر آپ اپنی ان بیوی صاحبہ کے پاس سے تشریف لائیں تو یہ نہ کہا جائے کہ آپ برہ یعنی نیک کے یا نیکی کے پاس سے آئے کہ اس کا مطلب یہ بن جاتا ہے کہ نیکی سے نکل کر آئے تو نعوذ باللہ برائی میں آئے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۴۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جمیلہ رکھا ۲؎ (مسلم)

(۴۵۴۸) ۱؎ عاصیہ، عاصی بمعنی گنہگار کا مونث نہیں وہ تو عصیان سے بنتا ہے بلکہ عاص یا عیص کا مونث، عرب میں عیص گنجان درخت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بھائی کا نام عیص ابن اسحاق تھا۔ ایک صحابی کا نام ابو العاص ہے۔ ان ناموں کا ماخذ یہ ہی عیص ہے۔ (مرقات) ۲؎ چونکہ عاصیہ کے ایک معنی گنہگار عورت بھی ہے، اس لیے حضور انور نے یہ نام بدل دیا۔ اہل جاہلیت اس نام کے معنی کرتے تھے برائیوں سے انکار کرنے والی بی بی خیال رہے کہ برہ اور جمیلہ میں فرق یہ ہے کہ برہ بذات خود نیک اور جمیلہ اللہ تعالٰی کے فضل سے نیک بی بی جس سے نیک اعمال ہی سرزد ہوں۔ جمیلہ بنا ہے جمال بمعنی حسن سے عاصیہ کا مقابل مطیعہ ہے مگر جو جمیل ہو، وہ مطیع بھی ہے۔ (مرقات)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ بِالْمُنْذِرِ بْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلٰى فَخِذِهِ فَقَالَ مَا اسْمُهُ قَالَ فُلَانٌ قَالَ لَا لٰكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۴۹) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ منذر ابن ابی اسید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا ۱؎ جبکہ وہ پیدا ہوئے تو اسے حضور نے اپنی ران پر رکھا، فرمایا اس کا نام کیا ہے، عرض کیا فلاں فرمایا نہیں لیکن اس کا نام منذر ہے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۴۹) ۱؎ سہل ابن سعد ساعدی مشہور صحابی ہیں، مدینہ کے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ آپ کی وفات سے مدینہ صحابہ سے خالی ہوا۔ منذر تابعی ہیں۔ ثقہ ہیں۔ ابو اسید کا نام مالک ابن اسعد ہے (اشعہ) ۲؎ پتا نہ چلا کہ ان کا پہلا نام کیا تھا۔ حضور انور نے منذر نام رکھا، منذر کے معنی عالم فقیہ بھی ہو سکتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ (۹،۱۲۲) کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔ (کنزالایمان) تو اس نام میں اچھی فال بھی ہے کہ یہ بڑے ہو کر عالم فقیہ بنیں۔ (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَ اَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ وَفَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۵۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نہ کہے کہ میرا عبد میری اُمت تم سب اللہ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں ۱؎ لیکن کہے کہ میرا غلام اور میری لونڈی اور میرا فتا اور میری فتات ۲؎ اور غلام نہ کہے کہ میرا رب لیکن کہے میرا سید اور ایک روایت میں ہے کہ کہے میرا سید میرا مولا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو مولا نہ کہے کیونکہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے ۴؎ (مسلم)

(۴۵۵۰) ۱؎ عبد بمعنی عابد بھی ہے اور بمعنی خادم بھی۔ بمعنی عابد ہو تو صرف رب تعالٰی کی طرف نسبت ہوگا جیسے عبد اللہ یا عباد اللہ۔ بمعنی

خادم بندوں کی طرف مضاف ہوجاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ (۲۴:۳۲)اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا (کنزالایمان) چونکہ اس میں عابد کے معنی کا بھی احتمال ہے،لہذاعبدی کہنا مناسب نہیں یوں ہی امۃ کے معنی ہیں مملوکہ حقیقی مالک رب تعالٰی ہی ہے اور حقیقی مملوک ہم سب اس کے ہیں،لہذا بہتر یہ ہی ہے کہ اُمت کو اپنی طرف نسبت نہ کرو۔۲؎ خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ لازمی حکم، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ اہل عرب دن رات کہتے ہیں عبدی فقہاء ہمیشہ فرماتے ہیں،عبدی حر لہذا نہ اہل عرب گنہگار ہیں نہ فقہاء۔۳؎ رب بمعنی مربی بندہ کو کہنا جائز ہے۔یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے نوکر سے کہا تھا ارجع الی ربك قرآن کریم میں ہے رَبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا (۱۷:۲۴) اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کرجیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا۔(کنزالایمان) ۴؎ یہاں بھی یہ ہی ہے کہ مولٰی کہنا بالکل جائز ہے۔حضور انور نے خود فرمایامولی القوم منھم مگر چونکہ مولٰی کے چند معنی ہیں،ایک معنی وہ ہیں جو صرف رب تعالٰی کی صفت ہے۔اس لیے اگر یہ لفظ بندے کے لیے نہ بولے تو بہتر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیثیں منسوخ ہوں۔ان کی ناسخ وہ احادیث وآیات ہوں جن میں بندوں کے لیے مولٰی،عبد،سید وغیرہ کہا گیا ہے،لہذا عبدالنبی،عبدالرسول وغیرہ نام جائز ہیں۔صاحب درمختار کے شیخ کا نام عبدالنبی تھا۔دیکھو درمختار کا مقدمہ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

وَعَنۡهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوۡلُوۡا الۡكَرۡمَ فَاِنَّ الۡكَرۡمَ قَلۡبُ الۡمُؤۡمِنِ (رَوَاهُ مُسۡلِمٌ وَّفِیۡ رِوَایَةٍ لَّهٗ عَنۡ وَّائِلِ بۡنِ حُجۡرٍ قَالَ لَا تَقُوۡلُوا الۡكَرۡمَ وَلٰكِنۡ قُوۡلُوا الۡعِنَبَ وَالۡحَبۡلَةَ)

(۴۵۵۱) روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کرم نہ کہو کیونکہ کرم مومن کا دل ہے۱؎(مسلم)اور مسلم کی ایک روایت میں وائل ابن حجر سے ہے،فرمایا نہ کہو کرم لیکن کہو عنب اور حبلہ۲؎

(۴۵۵۱) ۱؎ اہل عرب انگور کو اس لیے کرم کہتے تھے کہ اس سے شراب بنتی ہے۔شراب پی کر انسان نشہ میں بہت سخی بن جاتا ہے کہ اپنا مال جائز و ناجائز جگہ خوب اڑاتا ہے۔وہ سمجھتے تھے کہ انگور شراب کی اصل ہے اور شراب کرم وسخاوت کی اصل،لہذا انگور گویا سراپا کرم وسخاوت ہے۔جب شراب حرام کی گئی تو انگور کو کرم کہنے سے بھی منع کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ کرم تو مومن کا قلب یا خود مومن تم ایسا اچھا نام ایسی خبیث چیز کو کیوں دیتے ہو۔عربی میں اچھی زمین،انگور،حج جہاد سب کو کرم کہتے ہیں۔یہ حدیث اس کی طرف اشارہ کررہی ہے۔رب فرماتا ہے:اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (۴۹:۱۳) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔(کنزالایمان) (مرقات) بہر حال یہ ممانعت یا محض تنزیہی ہے یا منسوخ ہے۔اس حدیث کی اور بہت توجیہیں ہیں جو اشعہ نے بیان کیں۔۲؎ یہاں عنب سے مراد درخت انگور ہے نہ کہ انگور کا پھل،حبلہ درخت انگور کی جڑ کو کہتے ہیں اور عنب انگور کے پھل کو بھی کہتے ہیں اور درخت انگور کو بھی۔

وَعَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمُّوا الۡعِنَبَ الۡكَرۡمَ وَلَا تَقُوۡلُوۡا یَا خَیۡبَةَ الدَّهۡرِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهۡرُ (رَوَاهُ الۡبُخَارِیُّ)

(۴۵۵۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انگور کا نام کرم نہ رکھو اور نہ کہو ہائے محرومی زمانہ کی۱؎ کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۲؎(بخاری)

(۴۵۵۲) ۱؎ اہل عرب ہر مصیبت کو زمانہ کی طرف سے سمجھتے تھے۔اس لیے مصیبت پڑنے پر زمانہ کی شکایت کرتے بلکہ زمانہ کو گالیاں دیتے تھے۔ان کے محاورہ کے الفاظ میں سے یہ لفظ بھی یاخیبۃ الدھر ہائے زمانہ کی محرومی اور زمانہ کا نقصان وخسارہ۔ہم کو اس سے منع فرمایا

گیا۔۲؎ اس جملہ کی شرح کتاب الایمان میں گزر گئی۔اس جملہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالٰی ہی زمانہ کو پھیرنے والا ہے۔زمانہ کو برا کہنا درپردہ رب تعالٰی کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ہمارے ہاں بھی یہ بیماری ہے۔عوام کا ذکر کیا۔بعض پڑھے لکھے لوگ زمانہ کو برا کہتے ہیں۔چنانچہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے اپنے بزرگ رشید احمد صاحب گنگوہی کا مرثیہ لکھا تو اس میں زمانہ کو بڑی جلی کٹی سنائیں۔وہ مرثیہ گنگوہی دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہیں،اپنے بزرگوں کو نبیوں سے بڑھادیتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسُبُّ اَحَدُكُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۵۳) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی زمانہ کو گولی نہ دے کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۱؎(مسلم)

(۴۵۵۳) ۱؎ اسلام میں زمانہ کو موثر نہیں مانا گیا۔موثر اور متصرف اللہ تعالٰی ہے۔بعض لوگ سردی گرمی کو رات و دن گالیاں دے،دیتے ہیں،وہ بھی گنہگار ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ فِيْ بَابِ الْاِيْمَانِ

(۴۵۵۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا لیکن کہے کہ میرا نفس پریشان ہوگیا۱؎(مسلم بخاری) اور ابوہریرہ کی حدیث کہ مجھے ابن آدم نے ستایا،باب الایمان میں ذکر کی گئی۲؎

(۴۵۵۴) ۱؎ عربی میں خبث اور لقس ہم معنی ہیں بمعنی پریشانی برائی مگر خبث فساد عقیدہ پر بھی بولا جاتا ہے۔کفر بیدینی خباثت ہے،لہذا اپنے لیے یہ لفظ مشترک استعمال نہ کرو کہ اس میں ایک معنی سے اپنے کفر یا بے دینی کا اقرار ہے بلکہ بجائے خبثت کے لقست کہو گویا جس کے لفظ کے دو معنی ہوں،اچھے و برے ایسے لفظ کو اپنے لیے نہ بولو۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ جو صبح کو پڑا سوتا رہتا ہے،وہ خبیث النفس کسلان اٹھتا ہے۔وہاں اپنے کو یا کسی خاص شخص کو خبیث نہیں کہا گیا بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا۔کسی معین مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹے پر لعنت۔۲؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی،ہم نے مناسبت کے لحاظ سے کتاب الایمان میں بیان کردی ہے وہاں دیکھو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ سَمِعَهُمْ يُكَنُّوْنَهٗ بِاَبِي الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكَنّٰى اَبَا الْحَكَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِيْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْ شَيْءٍ اَتَوْنِيْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ

(۴۵۵۵) روایت ہے شریح ابن ہانی سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۲؎ تو حضور نے لوگوں کو سنا کہ وہ انہیں ابو الحکم کنیت کرتے ہیں۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا،پھر فرمایا کہ اللہ ہی کا حکم ہے اور اس کی طرف فیصلے ہیں،تمہاری کنیت ابو الحکم کیوں ہے۴؎ انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم جب کسی بات میں

فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ بِحُکْمِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ ھٰذَا فَمَالَکَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِیْ شُرَیْحٌ وَّ مُسْلِمٌ وَّ عَبْدُاللّٰہِ قَالَ فَمَنْ اَکْبَرُھُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَیْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَیْحٍ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

جھگڑتی ہے تو میرے پاس آ جاتی ہے۔ میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلہ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھا ہے۔۵ تو کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے۔ بولے میرے شریح اور مسلم اور عبداللہ ہیں۔ فرمایا ان میں بڑا کون ہے، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح فرمایا تو تم ابوشریح ہو۔۶ (ابوداؤد، نسائی)

(۴۵۵۵) ۱ شریح ابن ہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے حتی کہ حضور انور نے ہانی کی کنیت انہی کی وجہ سے ابو شریح رکھی مگر حضور اقدس کی زیارت نہ کر سکے۔ اس لیے آپ تابعی ہیں۔ بڑے عابد زاہد تھے۔ حضرت علی مرتضٰی کے خاص خدام سے تھے۔ آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔۲ جو لوگ اپنی ساری قوم کے نمائندے بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتے سب کی طرف سے اسلام قبول کرتے تھے، انہیں وفد کہتے تھے۔ حضور انور ان کی بڑی خاطر فرماتے تھے۔۳ خیال رہے کہ کنیت میں ابو آتا ہے۔ اس کے معنی ہر جگہ والد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اکثر جگہ اس کے معنی ہوتے ہیں، ''والا'' جیسے ابوجہل، جہالت والا، ابو ہریرہ بلیوں والے ایسے ہی ابوالحکم فیصلہ کرنے والا۔ ابوبکر کے معنی ہیں اولیت والے۔۴ یعنی کنیت اچھی نہیں کہ اس کے ایک معنی بہت ہی برے ہیں دو معنی والا نام نہ رکھو جس کے ایک معنی معیوب ہوں۔ مودودی صاحب کا نام ہے ابوالاعلیٰ۔ حالانکہ اعلیٰ رب تعالیٰ کا نام اور اس کی صفت ہے۔ اس حدیث کی رو سے یہ نام ناجائز ہے۔۵ یعنی تمہارا یہ کام تو بہت ہی اچھا قوم کے جھگڑے چکا دینا ان کی عداوتیں ختم کر دینا بہت ہی اچھا کام ہے مگر اس کے باوجود اپنی کنیت ابوالحکم رکھنا اچھا نہیں کہ حکم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ چنانچہ اگلا سوال حضور نے فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ ما نافیہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ یہ کنیت اچھی نہیں کہ حکم رب تعالیٰ کا نام ہے اور وہ باپ بیٹا ہونے سے پاک ہے۔ اگرچہ تمہاری نیت بری نہیں مگر اس لفظ میں برے معنی کا احتمال تو ہے۔۶ اس سے معلوم ہوا کہ کنیت بڑے بیٹے کے نام سے کی جائے۔ اگر بڑا بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی کے نام سے یہ حکم ان کا ہے (مرقات) جیسے ابوسلمہ اور ام سلمٰی، حضرت ابوشریح حضور کے کرم سے جلیل القدر صحابی اور صحابہ کے زمانہ میں ہی مفتی ہوئے۔ حضرت علی نے انہیں قاضی القضاۃ بنایا حتی کہ آپ نے حضرت علی کے حق میں امام حسن کی گواہی قبول نہ کی۔ حالانکہ حضرت علی بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست مانتے تھے۔ یہ واقعہ ایک زرہ کے مقدمہ میں پیش آیا۔ جب حضرت علی مدعی اور یہودی مدعیٰ علیہ تھا۔ (مرقات)

وَعَنْ مَّسْرُوْقٍ قَالَ لَقِیْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مَسْرُوْقُ بْنُ الْاَجْدَعِ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَجْدَعُ شَیْطَانٌ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

(۴۵۵۶) روایت ہے مسروق سے۱ فرماتے ہیں میں حضرت عمر سے ملا تو فرمایا، تم کون ہو، میں بولا مسروق ابن اجدع جناب عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اجدع شیطان ہے۲ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۴۵۵۶) ۱ آپ کوفی ہمدانی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام لائے۔ اکابر صحابہ سے ملاقات کی۔ ایک بار چرائے گئے تھے۔ پھر والدین کی تلاش پر ملے۔ اس لیے آپ کا نام مسروق ہوا یعنی چرائے ہوئے یا اغوا کیے ہوئے۔ ایک بار آپ بہت

غریب ہو گئے تو خالد ابن عبداللہ حاکم بصرہ نے آپ کو تیس ہزار درہم دینے کی کوشش کی مگر آپ نے رد فرما دیئے۔ توکل کا یہ عالم تھا (مرقات) ۲؎ یعنی شیطان کی ایک قسم کا نام اجدع ہے یعنی ہر چیز سے کٹا ہوا۔ اب ناک کان کٹے کو اجدع کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے والدین زندہ ہیں تو ان سے کہو کہ نام بدلو اور تاکہ تم کو ابن الاجداع نہ کہا جائے اور اپنی اولاد میں کسی کا نام اجداع نہ رکھو تاکہ تم کو ابو الاجدع نہ کہا جائے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِاَسْمَآئِکُمْ وَاَسْمَآءِ اٰبَائِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَکُمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۵۷) روایت ہے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو ۱؎ (احمد، ابوداؤد)

(۴۵۵۷) ۱؎ بعض روایات میں ہے کہ انسانوں کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔ غالبًا اس میں حکمت یہ ہوگی کہ حرامی لوگ رسوا نہ ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار شرافت کے لیے یا حضرت حسن و حسین کی عظمت کے اظہار کے لیے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی طرف نسبت سے ان کو حضور اقدس سے نسبت کا شرف حاصل ہو جائے (اشعہ) مگر ان روایات میں تعارض نہیں۔ قیامت کے اول وقت ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔ بعد میں باپوں کے نام سے یا سب کے سامنے ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔ تنہائی میں باپ کی نسبت ہے یا یہاں آباء سے مراد امہات ہے۔ بہت دفعہ ماں باپ کو ایک دوسرے کے نام سے یاد کر دیتے ہیں (اشعہ)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یَّجْمَعَ اَحَدٌ بَیْنَ اسْمِهٖ وَکُنْیَتِهٖ وَیُسَمّٰی مُحَمَّدًا اَبَا الْقٰسِمِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۵۵۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی حضور کا نام اور آپ کی کنیت جمع کرے اور محمد ابوالقاسم نام رکھے ۱؎ (ترمذی)

(۴۵۵۸) ۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس میں حضور انور نے اپنی کنیت رکھنے سے منع فرمایا۔ اس حدیث نے شرح کر دی کہ حضور انور کا نام اور کنیت دونوں جمع کرنا منع ہے۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں بعد وفات یہ اجتماع بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے اپنے ایک بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حنفیہ کہا جاتا ہے۔ ان کی ماں کا نام خولہ بنت جعفر تھا۔ قبیلہ بنی حنفیہ سے تھیں۔ جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی کو ہبہ کر دیں، آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسَمَّیْتُمْ بِاِسْمِیْ فَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَّفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰی بِاِسْمِیْ فَلَا یَکْتَنِ بِکُنْیَتِیْ وَمَنْ تَکَنّٰی بِکُنْیَتِیْ فَلَا یَتَسَمَّ بِاِسْمِیْ)

(۴۵۵۹) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو ۱؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا، یہ حدیث غریب ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو میرا نام رکھے تو میری کنیت نہ رکھے ۲؎ جو میری کنیت رکھے، وہ میرا نام نہ رکھے۔

(۴۵۵۹) ۱؎ اس حدیث کی شرح وہ ہی ہے جو ابھی کی گئی کہ حضور انور کے زمانہ حیات شریف میں آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا ممنوع

تھا۔اس میں اسی کا ذکر ہے۔۲؎ اس طرح کہ اپنا نام محمد ابوالقاسم نہ کرے کہ محمد نام ہو اور ابوالقاسم کنیت ابھی عرض کیا گیا کہ یہ ممانعت زمانہ حیات شریف میں تھی۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ وَلَدْتُ غُلَاماً فَسَمَّيْتُهٗ مُحَمَّدًا وَّكَنَّيْتُهٗ اَبَا الْقَاسِمِ فَذُكِرَ لِیْ اَنَّكَ تَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا الَّذِیْ اَحَلَّ اسْمِیْ وَحَرَّمَ كُنْيَتِیْ اَوْمَا الَّذِیْ حَرَّمَ كُنْيَتِیْ وَاَحَلَّ اسْمِیْ
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ غَرِيْبٌ)

(۴۵۶۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے ایک لڑکا جنا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے۱؎ تو مجھ سے ذکر کیا گیا کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو فرمایا، وہ کیا ہے جس نے میرا نام حلال کیا اور میری کنیت حرام کی یا کس نے میری کنیت حرام کی اور میرا نام حلال کیا۲؎ (ابو داؤد، محی السنہ نے کہا کہ یہ غریب ہے)

(۴۵۶۰) ۱؎ معلوم ہوا کہ بالکل لڑکپن میں بچہ کی کنیت ابو سے جائز ہے۔یہاں ابو کے معنی ہوتے ہیں والا نہ کہ والد یعنی باپ۔۲؎ یہ حدیث صحیح نہیں۔اگر صحیح ہو بھی تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا نام اور میری کنیت جمع فرمانا حرام نہیں،ہم نے جو ممانعت فرمائی ہے،وہ کراہت تنزیہی کے لیے ہے،لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس اجتماع کی ممانعت ہے۔(اشعہ،مرقات) یا یہ مطلب ہے کہ اس اجتماع کی ممانعت دائمی نہیں،ہماری حیات شریف میں ہے۔

وَعَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ وُّلِدَ لِیْ بَعْدَكَ وَلَدًا اُسَمِّيْهِ بِاسْمِكَ وَاُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۶۱) روایت ہے محمد ابن حنفیہ سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے تو اگر آپ کے بعد میرا بیٹا پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ دوں،فرمایا ہاں۲؎ (ابوداؤد)

(۴۵۶۱) ۱؎ آپ محمد ابن علی ابن ابی طالب ہیں۔کنیت ابوالقاسم ہے۔آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں یعنی بنی حنفیہ قبیلہ کی ہیں۔خلافت صدیقی میں گرفتار ہو کر جنگ یمامہ سے آئیں۔۸۱ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔چھپن سال عمر پائی۔مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔خود تابعی ہیں اور آپ کے بیٹے ابراہیم تبع تابعی۔انہیں نے آپ سے کچھ احادیث روایت کیں۔۲؎ یعنی حضرت علی مرتضٰی نے حضور انور سے پوچھا کہ اگر آپ کی وفات کے بعد فاطمہ زہرا یا کسی اور بیوی سے میرے لڑکا پیدا ہو تو کیا اس کا نام محمد کنیت ابوالقاسم رکھ دوں،فرمایا رکھ دو۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور کی وفات کے بعد دونوں کا اجتماع جائز ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت علی کی خصوصیت ہے مگر یہ درست نہیں۔اگر خصوصیت ہوتی تو حضور کی حیات شریف میں بھی آپ اس پر عمل فرمالیتے۔حضرت حسن و حسین میں دونوں کا اجتماع فرمادیتے۔امام حسن کی کنیت ابومحمد ہے اور حضرت حسین کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَنَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ اَجْتَنِيْهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَّا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَفِی الْمَصَابِيْحِ صَحَّحَهٗ)

(۴۵۶۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت اس سبزی سے رکھی جسے میں چنا کرتا تھا۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث وہ ہے جسے صرف اسی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں اور مصابیح میں اسے صحیح کہا۲؎

(۴۵۶۲) ؎ اس گھاس کا نام حمزہ تھا جسے فارسی میں ترہ تیزک کہتے ہیں۔اردو میں ترہ تیزی اس کے پتے میتھی کے ساگ کی طرح ہوتے ہیں۔مزہ ترش کچھ تیزی کے ساتھ میتھی کے ساگ میں اکثر یہ بھی آجاتی ہے۔بچے اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔یعنی میں یہ گھاس (حمزہ) چن کر لاتا،خود کھاتا اوروں کو کھلاتا تھا۔اس لیے حضور نے میری کنیت ابوحمزہ رکھی یعنی حمزہ والے۔؎ یہ حدیث ایک اسناد میں غریب ہے۔دوسری اسناد میں صحیح۔ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوسکتی ہے اور ضعیف بھی۔حسن بھی،غریب بھی مختلف اسنادوں سے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيْحَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۵۶۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو بدل دیا کرتے تھے؎ (ترمذی)

(۴۵۶۳) ؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے جانوروں کے بلکہ شہروں،بستیوں کے برے نام بدل کر اچھے نام رکھ دیتے تھے۔چنانچہ ایک شخص کا نام تھا اسود حضور انور نے اس کا نام ابیض رکھا،مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا،حضور انور نے اس کا نام مدینہ طیبہ،ابطح،بطحا وغیرہ رکھے۔کفار کے لیے برعکس عمل تھا۔چنانچہ ابوالحکم کا نام حضور نے ابوجہل رکھا۔

وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَمِّهٖ اُسَامَةَ بْنِ اَخْدَرِیٍّ اَنَّ رَجُلًا يُّقَالُ لَهٗ اَصْرَمُ كَانَ فِی النَّفَرِ الَّذِیْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ قَالَ اَصْرَمُ قَالَ بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ غَيَّرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَ الْعَاصِ وَ عَزِيْزٍ وَعَتَلَةَ وَشَيْطَانٍ وَالْحَكَمِ وَغُرَابٍ وَحُبَابٍ وَشِهَابٍ وَقَالَ تَرَكْتُ اَسَانِيْدَهَا لِلْاِخْتِصَارِ)

(۴۵۶۴) روایت ہے بشیر ابن میمون سے وہ اپنے چچا اسامہ بن احذری سے؎ راوی کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا؎ وہ اس جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے،وہ بولے اصرم فرمایا بلکہ تم زرعہ ہو؎ (ابوداؤد) اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص،عزیز،عتلہ،شیطان،حکم،غراب،حباب،شہاب نام تبدیل فرمائے۔؎ اور کہا کہ میں نے ان کی اسنادیں مختصر کرنے کے لیے چھوڑ دیں۔؎

(۴۵۶۴) ؎ بشیر ابن میمون تابعی ہیں۔ثقہ ہیں۔ان کے چچا اسامہ صحابی ہیں۔ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔تمیمی ہیں بصری ہیں (اشعہ،مرقات)؎ اصرام بنا ہے صرم سے بمعنی ٹوٹ جانا کٹ جانا اصرم کے معنی ہوئے ٹوٹا ہوا۔کٹا ہوا۔؎ کیونکہ زرعہ بنا ہے زرع سے بمعنی کھیتی ظاہر ہے کہ کھیتی سے دانہ بڑھتا ہے،اس لیے کھیتی مبارک ہے اور یہ نام مبارک ہے اصرم کے معنی فاسد ہیں۔اس لیے اپنا نام بدل دو۔؎ کیونکہ عاص مخفف ہے عاصی کا جس کے معنی ہیں گنہگار،طاعت الٰہی سے علیحدہ یہ مومن کی شان نہیں،مومن اطاعت شعار ہوتا ہے۔عتلہ بنا ہے عتل سے بمعنی سختی،شدت رب تعالٰی فرماتا ہے:عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (۶۸،۱۳) اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا (کنزالایمان) اب ایک مضبوط اوزار کو عتلہ کہتے ہیں جس سے دیوار وغیرہ کھودی جائے،مسلمان سخت نہیں ہوتا۔نیز عزیز اسماء الٰہیہ میں سے ہے،عزت سے بنا ہے۔مسلمان میں فروتنی عجز و نیاز چاہیے۔شیطان لقب ہے ابلیس کا بنا ہے شیط سے بمعنی جلنا۔ہلاک ہونا یا شطن سے بمعنی بھلائی سے دوری حکم صفت مشبہ حکومت یا حکم کا بمعنی دائمی حکومت والا یہ رب تعالٰی کی صفت ہے۔غراب بنا ہے غرب سے بمعنی دوری یہ نام ہے کوے کا کہ وہ بہت دور نکل جاتا ہے۔حباب شیطان کا نام بھی ہے اور ایک قسم کے سانپ کو بھی کہتے ہیں،لہذا یہ نام بھی منحوس ہے اور شہاب آگ کے شعلہ کو بھی کہتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے تارے کو بھی جس سے شیاطین کو بھی مارا جاتا ہے مگر یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر شہاب کو دین کی طرف مضاف

کر دیا جائے اور نام ہو شہاب الدین تو کراہت قطعاً نہیں بلکہ بلا کراہت جائز ہے کہ اب یہ فاسد معنی نکل گئے، چمک دار لہذا کراہت نہ رہی۔۵؎ یعنی ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان تمام ناموں کی تبدیلی کی احادیث مع اسنادوں کے میرے پاس موجود ہیں مگر چونکہ وہ حدیثیں احکام شرعیہ سے متعلق نہیں ہیں، اس لیے میں نے اصل حدیث تو بیان کردی، اسنادیں چھوڑ دیں کیونکہ ان پر جرح قدح کی ضرورت نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّةُ الرَّجُلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ اِنَّ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ حُذَیْفَةُ)

(۴۵۶۵) روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے کہ انہوں نے ابوعبداللہ سے کہا یا ابوعبداللہ نے ابومسعود سے کہا۱؎ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زَعَمُوْا کے متعلق کیا فرماتے سنا۲؎ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ انسان کی بری سواری ہے۳؎ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ ابوعبداللہ حذیفہ ہیں۔

(۴۵۶۵) ۱؎ یہ شک اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کو ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی نے کسی سے پوچھا ابومسعود انصاری کے حالات تو بارہا بیان ہو چکے ہیں اور ابوعبداللہ کنیت ہے حضرت حذیفہ ابن یمان کی' محدثین جب ابوعبداللہ بولتے ہیں تو آپ مراد ہوتے ہیں (مرقات واشعہ) ۲؎ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر بات کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں، بات بات میں یہ لفظ بولنے کے عادی ہوتے ہیں۔فرمایئے تو خصلت اچھی ہے یا بری۔اگر بری ہے تو کس درجہ کی اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ فرماتے سنا ہے یا نہیں۔۳؎ مطیہ وہ اونٹنی جس پر سوار ہو کر کسی منزل پر پہنچا جائے۔اس لفظ زعموا کو حضور انور نے سواری قرار دیا اور سواری بھی بری جو منزل مقصود پر نہ پہنچائے۔اس لیے کہ اس لفظ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ خبر دینے والا خود تو اس پر یقین رکھتا نہیں اور خبر دینے والے کا پتا بھی صحیح نہیں بتاتا کہ فلاں نے کہا، بلکہ یوں بولتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اگر یہ خبر جھوٹی ہو تو میں اس کا ذمہ دار نہیں، نہ مجھے اس کے ذمہ دار کی خبر ہے، غیر ذمہ داری کی باتیں کرنا برا ہے جو بات کہو ذمہ داری سے کہو، احتیاط سے بولو، زبان پر قفل لگاؤ، منہ کو لگام دو، اس ایک کلمہ میں بہت نصیحتیں ہیں۔

وَعَنْ حُذَیْفَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَّلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَفِیْ رِوَایَةٍ مُنْقَطِعًا قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَّقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۵۶۶) روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا لیکن کہو کہ اللہ نے چاہا، پھر فلاں نے چاہا۱؎ (احمد،ابوداؤد) اور ایک منقطع روایت میں ہے فرمایا نہ کہو کہ چاہا اللہ نے اور چاہا محمد نے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کہو کہ صرف ماشاء اللہ۲؎ (شرح السنہ)

(۴۵۶۶) ۱؎ یعنی جب کسی وعدہ یا آئندہ خبر کو تم اللہ تعالٰی کی مشیت پر موقوف کرو اور ساتھ ہی کسی اور کے ارادہ کا بھی ذکر کرو تو رب و مربوب خالق و مخلوق کے نام واو سے نہ ملاؤ کہ اس میں مساوات یا بے ادبی کا احتمال ہے بلکہ ثم کہو تاکہ ثم کی تراخی سے ربوبیت و عبدیت کا فرق معلوم ہو جائے۔رب کا ذکر پہلے بندے کا بعد میں اور بیچ میں ثم ہو کہ اللہ تعالٰی کی مشیت و ارادہ دائمی قدیم ہے اور ذاتی ہے بندہ کی مشیت حادث ہے اور رب کی مشیت کے تابع رب فرماتا ہے: "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (۲۹:۸۱) اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ

چاہے اللہ سارے جہان کا رب (کنزالایمان) غرضیکہ یہ فرمان بہت اعلیٰ ہے۔ ۲؎ یہ فرمان عالی انتہائی انکسار و تواضع سے ہے کہ ہماری مشیت کا ذکر اللہ کی مشیت کے ساتھ ثم سے بھی نہ کرو۔ صرف ماشاء اللہ کہو۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں بہت جگہ حضور کا نام شریف رب کے نام سے ملایا گیا ہے۔ دیکھو اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (۹:۷۴) مَنْ يُّطِعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۴:۱۳) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (۹:۶۲) اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے (کنزالایمان) لہٰذا یہ حدیث یا ضعیف ہے یا ان آیات سے منسوخ ہے یا استحباب کے بیان کے لیے ہے یا اظہار تواضع و انکسار کے لیے ہے۔ بہرحال اس ملانے میں شرعاً گناہ نہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَإِنَّهٗ إِنْ يَّكُ سَيِّدًا فَقَدْ أَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۵۶۷) روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا منافق کو سردار نہ کہو۱؎ کہ اگر وہ سید ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۲؎ (ابوداؤد)

(۴۵۶۷) ۱؎ اس حکم میں کافر، فاسق، منافق سب ہی داخل ہیں۔ بلا ضرورت خوشامد کے لیے ان لوگوں کو ایسے الفاظ کہنے سخت جرم ہیں۔ رب تعالٰی نے عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کا سید نہ کہا بلکہ زلیخا کا سید یعنی خاوند کہا۔ الفیا سیدھا لدی الباب۔ ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بے دین کو نہ تو صرف سید کہو نہ سید القوم کہو بے دین تو ذلیل ہے سید عزت والا ہوتا ہے۔ یوں ہی اسے سردار، سرور، حضور وغیرہ کہنا حرام ہے کہ تعظیمی الفاظ کفار کے لیے استعمال کرنا رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہیں۔ ضرورت دینی یا ضرورت دنیاوی کی وجہ سے یہ کہنا معاف ہے، یوں ہی بے دینوں کو مولانا تعظیماً کہنا جائز نہیں کہ مولیٰ تو سید سے بھی زیادہ تعظیم کا لفظ ہے۔ اللہ تعالٰی کے لیے مولانا فرمایا گیا، سیدنا نہیں کہا گیا انت مولانا ہاں اگر مولیٰ بمعنی غلام مراد لے کر اسے مولانا کہا جائے تو جائز رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ (۳۳:۵) بہرحال توریہ جائز ہے تعظیم ناجائز اس کی پوری تحقیق یہاں ہی مرقات میں دیکھو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِيْ اَنَّ جَدَّهٗ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اسْمِيْ حَزْنٌ قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۵۶۸) روایت ہے عبدالحمید ابن جبیر ابن شبہ سے فرماتے ہیں کہ میں سعید ابن جبیر کے پاس بیٹھا تھا۱؎ تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ ان کے دادا حزن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا تمہارا نام کیا ہے عرض کیا میرا نام حزن ہے فرمایا بلکہ تم سہل ہو۲؎ عرض کیا میں وہ نام نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۳؎ ابن مسیب نے کہا کہ پھر ہم میں ہمیشہ رنج و غم رہا۴؎ (بخاری)

(۴۵۶۸) ۱؎ عبدالحمید بھی تابعی ہیں اور سعید ابن مسیب بھی۔ ابن مسیب بڑے مشہور عالم فقیہ تابعی ہیں۔ حضرت عمر کی خلافت میں آپ پیدا ہوئے۔ بہت صحابہ سے ملاقات کی۔ مکحول کہتے ہیں کہ میں نے روئے زمین میں سعید ابن مسیب سے بڑا عالم نہ دیکھا۔ چالیس حج کیے۔ ۹۳ھ میں وفات پائی ۲؎ حزن ح کے فتحہ سے سخت زمین اور سخت دل انسان حزن ح کے پیش سے رنج و غم سہل سین کے فتحہ ہ کے سکون سے نرم زمین اور نرم دل انسان۔ آسانی و نرمی کو بھی سہل کہتے ہیں۔ چونکہ حزن کے معنی اچھے نہیں۔ اس لیے آپ نے تبدیلی نام کا مشورہ دیا۔ ۳؎ ان

کا مقصد یہ تھا کہ سہل یعنی نرم زمین ہمیشہ پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے۔اس پر غلاظت ڈالی جاتی ہے۔اس لیے ایسا نام رکھنا میری ذلت ہے۔نیز اپنے باپ کی یادگار کا مٹانا ہے۔اس لیے میں وہ نام رکھوں گا اسے بدلوں گا نہیں۔خیال رہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تھا امر نہ تھا۔اس لیے حضور نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔حضور کا مشورہ قبول کرنا مستحب ہے، واجب نہیں،لہذا اس عرض پر اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ حزن ابن وہب ابن عمرو ابن عایذ مخزومی قرشی ہیں۔اشراف قریش سے ہیں،بعد اسلام مہاجر ہوئے۔بیعت الرضوان میں شریک ہوئے۔شاید یہ واقعہ ان کی ہجرت کی ابتداء میں تھا جبکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے واقف نہ تھے۔نہ آپ کے مشوروں کی قدر و منزلت جانتے تھے (اشعہ) ۲؎ یعنی حضرت حزن نے جو حضور انور کا مشورہ قبول نہ کیا،اس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارے خاندان بلکہ ہماری پشتوں میں رنج و غم رہا۔حزن کے بیٹے مسیّب ہیں اور مسیّب کے بیٹے سعید ابن مسیّب ہیں۔سعید کہتے ہیں کہ دادا کا اثر ہم پوتوں تک باقی رہا۔اس سے معلوم ہوا کہ برے ناموں کا برا اثر ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص کی غلطی سے پورے خاندان پر برا اثر ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ وَھْبِ نِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسَمَّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَآءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُھَا حَارِثٌ وَّھَمَّامٌ وَّاَقْبَحُھَا حَرْبٌ وَّ مُرَّۃٌ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۶۹) روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو ۱؎ اور اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ۲؎ اور بہت سچے نام حارث، ہمام ہیں ۳؎ اور بہت برے نام حرب اور مرہ ہیں ۴؎ (ابوداؤد)

(۴۵۶۹) ۱؎ حضرات انبیاء کرام کے نام پر نام رکھو،فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو۔کسی کا نام جبریل یا عزرائیل نہ رکھو۔یوں ہی جاہلیت کے نام ممنوع ہیں جیسے کلب،حمار،عبدالشمس وغیرہ یہ نام ممنوع ہیں۔ان کا اثر بھی برا ہوتا ہے (مرقات) ۲؎ یوں ہی عبدالکریم۔عبدالرحیم وغیرہ خیال رہے کہ ان ناموں کی محبوبیت انبیاء کرام کے ناموں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ بے معنی ناموں کے مقابل ہے۔۳؎ کیونکہ حارث کے معنی ہیں کماؤ۔حرث کہتے ہیں کمائی کو۔ہمام کے معنی ہیں قصد و ارادہ کرنے والا،ہم کہتے ہیں ارادہ کو کوئی شخص کمائی یا ارادہ سے خالی نہیں ہوتا،لہذا یہ نام بہت سچے ہیں،نام مطابق کام کے ہیں۔۴؎ کیونکہ حرب کے معنی ہیں جنگ و خونریزی مرہ کے معنی ہیں جھگڑالو یا کڑوی طبیعت کا آدمی،مرہ شیطان کا نام بھی ہے۔

بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ
وعظ وشعر کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

بیان سے مراد ہے فصیح و بلیغ کلام جو دل کی بات ظاہر کرے۔یہ بنا ہے بین سے بمعنی جدائی و فاصلہ یا بمعنی ظہور۔شعر کے معنی ہیں دانائی و عقل مندی اس سے ہے شعور،اصطلاح میں قافیہ،وزن والے کلام کو شعر کہتے ہیں کہ یہ شاعر کی دانائی بتاتا ہے۔نیز جھوٹے اور دلچسپ کلام کو بھی شعر کہا جاتا ہے جیسے ناول۔رب فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وہاں یہ ہی ناول گوئی مراد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ

(۴۵۷۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں دو شخص

فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

مشرق سے آئے انہوں نے وعظ کیا، ان کی تقریر پر لوگوں نے تعجب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض بیان جادو ہیں۲ (بخاری)

(۴۵۷۰) ۱؎ ان دونوں کا نام زبرقان ابن بدر اور عمرو ابن اہشم تھا۔ یہ دونوں مدینہ منورہ کے مشرقی علاقہ سے آئے تھے۔ زبرقان نے اپنے فضائل میں بہت فصیح وبلیغ بیان دیا۔ پھر عمرو ابن اہشم نے زبرقان کی برائی وہجو میں بہت فصیح کلام کیا۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے فصحاء اور خطاب کا طریقہ تھا۔ ۲؎ یعنی بعض کلام لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرنے میں لوگوں کو حیران کردینے میں جادو کا سا اثر رکھتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ بعض کلام جادو کی طرح حرام وباطل ہیں، گناہ ہیں کہ ان میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ فرمان یا بیان کی تعریف کے لیے ہے یا اس کی برائی کے لیے۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۷۱) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض شعر حکمت ہیں۱ (متفق علیہ)

(۴۵۷۱) ۱؎ یہاں غالبًا شعر سے مراد کلام منظوم ہے یعنی ہر شعر برا نہیں بعض شعر میں علم وحکمت، حمد ونعت ومنقبت بھی ہوتی ہے۔ اب تو بعض علوم اشعار میں بھر دیئے گئے ہیں۔ صرف ونحو فقہ حدیث کی اصطلاحیں اشعار میں لکھ دی گئی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۷۲) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہوگئے گہری باتیں کرنے والے یہ تین بار کہا۱ (مسلم)

(۴۵۷۲) ۱؎ تنطع بنا ہے نطع سے بمعنی حلق یا منہ کا غار اس کے لفظی معنی ہیں حلق کے نیچے سے بات نکالنے والے اور مراد ہے نہایت فصیح وبلیغ اور مبالغہ آمیز مگر بے فائدہ بلکہ نقصان دہ کلام کرنے والے جیسا کہ خوشامدی (جھولی چک) لوگ امیروں کی تعریف میں عمومًا کرتے ہیں۔ کلام وہ ہے کہ سادہ ہو تھوڑا ہو مگر دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ اس کا دوسرے پر اثر ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث کی فصاحت بناوٹی نہیں نہ بیکار ہے بلکہ اس سے بے شمار فائدے ہیں۔ کلام کی شیرینی اللہ کی رحمت ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۷۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی سچی بات جو شاعر کہے وہ لبید کی بات ہے۱ کہ یقینًا اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے۲ (مسلم بخاری)

(۴۵۷۳) ۱؎ یہاں کلمہ سے مراد شعر ہے لبید ابن ربیعہ عامری عرب کے مشہور شاعر ہیں، یہ اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور کے بعد کوفہ میں رہے۔ ۴۱ھ میں وفات پائی۔ ایک سو چالیس یا ایک سو چھتر سال عمر ہوئی۔ کوفہ میں ہی مزار ہے۔ اسلام لاکر کوئی شعر نہ کہا، فرماتے تھے کہ اب مجھے قرآن کریم کی فصاحت کافی ہے۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے اشعار بارگاہ رسالت میں شرف قبول پاگئے تو خود بھی مقبول ہوگئے۔ (مرقات) ۲؎ یہاں باطل بمعنی فانی ہے اور آیت کریمہ رَبَّنَا مَا

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (۳:۱۹۱) اے ہمارے رب! تو نے یہ بے کار نہ بنایا (کنز الایمان) میں باطل بمعنی بیکار ہے، لہٰذا یہ کلام قرآن کریم کے خلاف نہیں، لبید کے اشعار یہ ہیں۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل — وکل نعیم لا محالۃ زائل

نعیمک فی الدنیا غرور و حسرۃ — وعیشک فی الدنیا محل و باطل

سوی الجنۃ الفردوس ان نعیمھا — یبقی وان الموت لا بد نازل

چونکہ لبید نے یہ کلام زمانہ جاہلیت میں کہا تھا، پھر قرآن کریم کی آیت کے مطابق ہوا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ یا فرمان كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (۲۸:۸۸) ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے (کنز الایمان) اس وجہ سے بارگاہ نبوت میں بہت قبول ہوا۔

وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ ابْنِ اَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ مِائَةَ حَتّٰى اَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ بَيْتٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۷۴) روایت ہے عمرو ابن شرید سے وہ اپنے والد سے راوی[1] فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن ردیف بنا[2] تو فرمایا، کیا تمہیں امیہ ابن ابی الصلت کے کچھ شعر یاد ہیں[3] میں نے عرض کیا، ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر پڑھا فرمایا اور لاؤ[4] حتی کہ میں نے آپ کو سو شعر سنائے[5] (مسلم)

(۴۵۷۴) [1] عمرو ابن شرید کی کنیت ابوالولید ہے، تابعی ہیں، ثقفی ہیں۔ طائف کے رہنے والے۔ ان کے والد شرید صحابی ہیں۔ [2] اس طرح کہ ایک گھوڑے یا اونٹ پر آگے حضور انور سوار تھے۔ حضور کے پیچھے میں تھا۔ حضور کی پشت انور سے میرا سینہ مس کرتا تھا۔ بطور شکر یہ اس نعمت کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ اپنا قرب بیان کریں اور یہ بات میں نے حضور سے بہت قریب سے سنی ہے۔ مجھے اس میں تردد و شک نہیں۔ [3] امیہ ابن الصلت قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شاعر تھا جس نے اسلام کا شروع زمانہ اور حضور کی ابتدائی تبلیغ پائی مگر نہ ایمان لایا نہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے دین تارک الدنیا اور توحیدی تھا۔ اس کے اشعار توحید والے حضور انور نے سنے۔ فرمایا کہ یہ ایمان کے قریب تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے دل میں کفر تھا مگر زبان پر ایمان تھا۔ (مرقات) [4] ہیہ اصل میں ایہ تھا الف ھ سے بدل دیا گیا۔ اس کے معنی ہیں لاؤ یا اور لاؤ۔ پہلا ہیہ بمعنی لاؤ ہے بعد کا ہیہ بمعنی اور بھی لاؤ سناؤ۔ [5] یہ اشعار حمد الٰہی دنیا کی بے وفائی۔ آخرت کے ثواب وعذاب کے تھے۔ حضور انور نے پسند فرمائے اور بہت سے اشعار سنے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اچھے مضمون کے شعر اچھے ہیں جن احادیث میں اشعار کی برائی آئی ہے، وہاں برے مضمون کے اشعار مراد ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر جانتے تھے۔ اس کی بھلائی برائی سے واقف تھے۔ آیت کریمہ: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ میں یا تو شعر سے مراد ہے جھوٹا کلام یعنی ناول یا علمنا سے مراد ہے ملکہ شعر گوئی یا لہجہ سے شعر پڑھنا کہ حضور انور اس سے پاک تھے۔ تیسرے یہ کہ دوسروں سے شعر پڑھوا کر سننا سنت سے ثابت ہے۔ چوتھے یہ کہ کفار و فساق شاعروں کے اچھے شعر سننا جائز ہیں جب کہ مضمون شعر اچھا ہو۔ [6] یہاں اشعہ میں ہے کہ امیہ ابن صلت اہل کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات سنتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ کاش مجھے ان کی زیارت، خدمت نصیب ہو۔ جب حضور انور قریش میں نمودار ہوئے تو جل گیا۔ بولا اگر وہ نبی ثقیف سے ہوتے تو میں ایمان لے آتا۔ اسی حسد میں حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ خط میں سب سے پہلے باسمک اللھم لکھنے والا یہی شخص تھا۔ اس سے سیکھ کر قریش یہ لکھنے لگے تھے۔

وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ بَعْضِ الْمُشَاهِدِ وَقَدْ دَمِیَتْ اِصْبَعُهٗ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَالَقِیْتِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۵۷۵) روایت ہے حضرت جندب سے۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تھے اور آپ کی انگلی شریف خونا خون ہوگئی۔۲؎ تو فرمایا کہ نہیں ہے تو مگر مکروہ انگلی جو خونیں ہوگئی اور اللہ کی راہ میں تو نے یہ مشقت پائی۔۳؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۷۵) ۱؎ آپ جندب ابن عبداللہ ابن ابوسفیان بجلی صحابی ہیں۔زمانہ ابن زبیر میں وفات پائی۔۲؎ غالبًا غزوہ احد تھا۔اس غزوہ میں آپ کسی نماز کے لیئے تشریف لے گئے۔تب انگلی میں چوٹ لگ گئی،لہذا یہ حدیث نماز کے جانے کی حدیث کے خلاف نہیں۔۳؎ یعنی اے انگلی تو صبر کر صرف تیرا خون ہی نکلا ہے جو معمولی تکلیف ہے۔جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی،وہ اللہ کی راہ میں ہے۔مالقیت کا موصولہ ہے۔یہ شعر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے جو بلا قصد شعر گوئی آپ کے منہ سے صادر ہوگیا۔جیسے قرآن مجید کی بعض آیات شعر بن جاتی ہے۔جیسے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (۱۰۸:۱) اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں (کنزالایمان) یا جیسے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (۹۲:۳) تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو (کنزالایمان) یا یہ شعر عبداللہ ابن رواحہ کا ہے۔آپ نے وہ پڑھا،لہذا حضور انور کا شعر پڑھنا ثابت ہوا مگر لہجہ سے یا گا کر نہیں بقیہ اشعار یہ ہیں۔

وما بنفس الی لا تقتلی تموت	ھذہ حیاض الموت قد صبیت
وما تمیت فقد تقیت	ان تفعل فعلهما ھدیت (مرقات)

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ قُرَیْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ مَعَكَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۵۷۶) روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن جناب حسان ابن ثابت سے فرمایا۱؎ کہ مشرکین کی ہجو کرو کہ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان سے فرماتے تھے کہ میری طرف سے جواب دو،الہی روح القدس سے ان کی مدد فرما۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۷۶) ۱؎ آپ حسان ابن ثابت ابن منذر ابن حرام انصاری مدنی ہیں۔ان چاروں کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔حضرت حسان نے ساٹھ سال کفر میں گزارے۔ساٹھ سال اسلام میں خاص شاعر سلام ہیں۔خلافت حیدری میں وفات پائی۔۲؎ یعنی غزوہ خندق کے بعد جب حضور انور نے بنی قریظہ یہود مدینہ کا محاصرہ فرمایا،تب تو حضرت حسان سے یہ کہا کہ کفار کی ہجو کرو۔جبرئیل تمہارے ساتھ معاون ہیں۔ویسے عام موقعوں پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ الہی میرے حسان کی جبرئیل سے مدد کر۔معلوم ہوا کہ مقبولوں کی تعریف کرنا نیکی ہے اور مردودوں کی ہجو کرنا نیکی ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُهْجُوْا قُرَیْشًا فَاِنَّهٗ اَشَدُّ عَلَیْهِمْ مِنْ رَّشْقِ النَّبْلِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۷۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو کہ یہ ان پر تیر کے مارنے سے زیادہ سخت ہے۱؎ (مسلم)

(۴۵۷۷) ۱؎ یہاں قریش سے مراد ان کے کفار حربی ہیں جو نہ ذمی تھے نہ مستامن جن پر جہاد جائز تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ ہجو زبانی

جہاد ہے جس سے دشمن کے دل زخمی ہوتے ہیں۔ان کی ہمت ٹوٹتی ہے جس پر تلوار کا جہاد جائز ہے۔اس کی ہجو بھی جائز ہے،لہذا ذمی اور مستامن اور جن کفار سے ہماری صلح ہوچکی ہو،ان کی ہجو نہ کی جائے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۹،۷۳) جہاد فرماؤ کافروں پر اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو (کنزالایمان) یہ ہجو شدت وغلظت میں داخل ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ مسلمان جواباً ہجو کریں،ابتداء نہ کریں۔(مرقات)

وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَايَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۷۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے فرماتے سنا کہ روح القدس تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں۔جب تک کہ تم اللہ رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو[۱] اور فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حسان نے ان کفار کی ہجو کی تو شفا دی اور شفا پائی[۲] (مسلم)

(۴۵۷۸) [۱] اس طرح کہ کفار اسلام،مسلمانوں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ جواباً کفار ان کے دین ان کے بتوں کی ہجو اشعار میں کرتے تھے۔حضور اس کے متعلق حضرت حسان کو بشارت دے رہے ہیں کہ جب تم ہجو کے اشعار لکھنے لگتے ہو تو جناب جبریل تمہارے دل میں اچھے مضمون ڈالتے ہیں۔تمہاری زبان پر اچھے الفاظ جمع فرماتے ہیں اور تم کو دعائیں دیتے،تمہارا احترام کرتے ہیں۔یہ ہے حضرت جبریل کی مدد۔معلوم ہوا کہ دشمنان دین کی ہجو اعلٰی درجہ کی عبادت ہے۔بعض وقت قصیدے جہاد میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد پاکستان میں اسے خوب اچھی طرح آزمایا ہے۔ریڈیو پاکستان نے اس قسم کے قصیدوں کے ذریعہ غازیوں بلکہ سارے پاکستانیوں کو گرما دیا جس کا نتیجہ بہت ہی اچھا رہا۔[۲] یعنی پہلے کفار قریش نے مسلمانوں کی ہجو کی جس سے مسلمانوں کے دل زخمی ہوگئے۔حضرت حسان نے ان سے بدلہ لیتے ہوئے کفار کی ہجو کی۔مسلمانوں کے زخموں پر گویا مرہم رکھ دیا،ان کے اشعار مرہم زخم دل ہیں۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى اَغْبَرَّ بَطْنُهٗ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ اَبَيْنَا اَبَيْنَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۷۹) روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی ہٹا رہے تھے حتی کہ آپ کا پیٹ غبار آلود ہوگیا[۱] فرماتے تھے رب کی قسم اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے[۲] نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے[۳] تو ہم پر سکون اتار اور اگر ہم دشمن سے مڈھ بھیڑ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ[۴] یقیناً ان کفار نے ہم پر زیادتی کی[۵] جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کردیا[۶] اس پر اپنی آواز بلند فرماتے تھے،ابینا (مسلم بخاری)

(۴۵۷۹) [۱] جب کفار عرب نے مل کر مدینہ طیبہ پر یلغار کرنی چاہی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی اس کام میں شرکت فرمائی اور سرکار عالی مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے[۲] یعنی ہماری ہدایت ایمان اور ہدایت اعمال محض تیرے فضل وکرم سے ہے لَوْلَا اللّٰهُ کے معنی ہیں لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا۔اس میں اشارہ ہے اس آیت

کریمہ کی طرف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (۷:۴۳) اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا (کنزالایمان) ۳؎ چونکہ نماز وصدقہ دیگر نیکیوں سے افضل ہیں، اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ اھتدینا میں یہ دونوں آ گئے تھے۔ ۴؎ اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲:۲۵۰) اور ہمارے پاؤں جمے رکھ کافر لوگوں پر ہماری مدد کر (کنزالایمان) یعنی اے مولیٰ اگر کفار سے ہماری جنگ ہو جائے تو ہم کو جہاد میں ثابت قدم رکھ کہ ہمارے پاؤں ان کے مقابلہ میں اکھڑ نہ جائیں۔ ۵؎ الاولیٰ مخفف۔ ہے اولئک کا یا اولاء کا اسم اشارہ ہے۔ اس سے اشارہ ہے کفار عرب کی طرف اور ان کے ظلم کی جانب خصوصاً ان کفار کی طرف جو اس وقت ساری قوتیں جمع کر کے مدینہ منورہ پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے ۶؎ یہاں فتنہ سے مراد اسلام سے پھیر دینا، کفر قتل و غارت میں مشغول کر دینا یعنی ان کفار نے چاہا کہ ہم اسلام کے بعد پھر کفر، قتل، ڈکیتی وغیرہ کریں۔ اس فرمان میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (۴:۸۹) غالب یہ ہے کہ اشعار خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو بے ساختہ منہ مبارک سے نکل رہے ہیں۔ بغیر قصد وارادہ کے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۸۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار خندق کھودنے لگے اور مٹی ہٹانے لگے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کر لی جب تک کہ ہم باقی رہیں، ہمیشہ کے لیے ۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی نہیں ہے عیش مگر آخرت کا ۲؎ تو انصار و مہاجرین کو بخش دے ۳؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۸۰) ۱؎ سبحان اللہ کیا نظارہ ہوگا کہ مومنین اپنے ایمان کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں اور یہ گیت گاتے جا رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہ دعائیں ارشاد فرما رہے ہیں ۲؎ اس فرمان عالی میں حضرات صحابہ کو تسکین دینا ہے کہ یہاں کی مشقت پر نہ گھبراؤ، اگلی زندگی میں دائمی عیش پاؤ گے ۳؎ یعنی ان تمام کو ابھی ابھی بخش دے۔ ان کے سارے گناہوں کی اگلے ہوں یا پچھلے اسی گھڑی بخشش فرمادے۔ (مرقات) یہ ہے کرم کریمانہ ظاہر یہ ہے کہ انصار و مہاجرین سے مراد سارے انصار و مہاجرین ہیں، اس کام میں شریک ہوئے ہوں یا کسی اور کام میں مصروف ہوں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۸۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو جو اسے گندہ کر دے ۱؎ اس سے اچھا ہے کہ شعر سے بھرا ہو ۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۵۸۱) ۱؎ بعض روایات میں بجائے قیحا کے بخشا ہے۔ یری ی کے فتحہ رے کے کسرہ دوسری ی کے سکون سے یہ بنا ہے۔ دری سے دری پیٹ کا وہ زخم جو پیٹ کو بگاڑ دے، لاعلاج بنا دے۔ اس سے مراد ہے بگاڑ دے اسے خراب کر دے۔ ۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد برے اشعار ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد کوئی خاص شخص ہے ورنہ اچھے اشعار عام مسلمانوں کے لیے برے نہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس سے ہر اچھے برے شعر مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اشعار میں بہت مشغولیت کہ ہر وقت ایسی ایسی کرتا رہے، نہ نماز کا خیال ہو نہ کسی اور عبادت کا۔ بہرحال برا ہے خواہ اچھے اشعار ہوں۔ ایسی مشغولیت ہو یا برے اشعار ہیں (مرقات) دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ہر وقت ہی رو

روں کرتے رہتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے گاتے رہتے ہیں۔یہ برا ہے۔حدیث اپنے عموم پر ہے۔کسی قید یا تاویل کی ضرورت نہیں۔بلاوجہ احادیث وقرآن میں تاویلیں یا قیدیں لگانا سخت جرم ہے جیسے مرزائی کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَنْزَلَ فِي الشِّعْرِ مَا اَنْزَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبْلِ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْاِسْتِيْعَابِ لِابْنِ عَبْدِالْبَرِّ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا تَرٰى فِي الشِّعْرِ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُحَارِبُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ

(۴۵۸۲) روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے[1] انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالٰی نے شعر کے بارے میں جو آیات نازل کیں، وہ کیں[2] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنی تلوار اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے۔[3] اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،تم اسی شعر سے ان کفار کو تیر کے مارنے کی طرح مارتے ہو[4] (شرح سنہ) اور استیعاب عبدالبر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور شعر کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ مومن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے[5]

(۴۵۸۲) [1] آپ مشہور صحابی ہیں جن کے متعلق سورہ توبہ کی آیات نازل ہوئیں۔شعراء اسلام میں بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔حضور انور کے تین شاعر تھے۔حسان ابن ثابت،عبداللہ ابن رواحہ،کعب ابن مالک۔حضرت حسان کفار پر لعن طعن کے اشعار لکھتے تھے۔عبداللہ ابن رواحہ ان کے کفر وشرک کی برائیاں بیان کرتے تھے اور حضرت کعب ابن مالک کفار کو جنگ سے ڈراتے تھے (اشعہ،مرقات) حضرت کعب انصاری خزرجی ہیں ۵۰ میں وفات پائی۔آپ کی عمر چھتر سال ہوئی۔[2] یعنی اللہ تعالٰی نے شعر وشعراء کی بہت برائیاں قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں اور میں حضور کا شاعر ہوں تو کیا میں اور میرے اشعار بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور کیا میں آئندہ شعر گوئی سے توبہ کرلوں۔اس سوال میں آیت کریمہ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (۲۶،۲۲۴) اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں (کنزالایمان) کی طرف اشارہ ہے۔[3] یعنی تمہارے اشعار اس آیت کی زد میں نہیں آتے۔وہاں برے شعر کہنے والے شعراء مراد ہیں۔تم تو مجاہد ہو۔تمہاری شعر گوئی جہاد ہے اور تمہارے اشعار کفار کو مارتے تیر وتلوار،اس لیے رب تعالٰی نے وہاں اس آیت کے متصل ہی فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲۶،۲۲۷) مگر وہ جو ایمان لائے۔(کنزالایمان) زمانہ جاہلیت میں فحش گوئی شراب وحسین عورتوں کی تعریف میں شعر گوئی کا عام رواج تھا۔اسے قرآن کریم نے برا کہا۔[4] سبحان اللہ کیا پیارا جواب ہے یعنی مجاہد مسلمان تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اشعار سے بھی،تلوار کفار نا ہنجار کے اجسام نابکار کو زخمی کرتی ہے اور تمہارے اشعار ان کے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں۔تم ان اشعار میں ثواب پاتے ہو۔اب بھی جہاد کے موقع پر قصیدے مجاہدوں کو گرما دیتے ہیں[5] یہ حدیث صحیح ہے۔مسلم بخاری کی شرط پر ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَآءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

(۴۵۸۳) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔فرمایا کہ حیاء اور خاموشی ایمان کی دو شاخیں ہیں[1] اور فحش گوئی زیادہ بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں[2] (ترمذی)

(۴۵۸۳) ۱؎ عی کے معنی میں حیران اور کلام سے عاجزی یہاں مراد ہے کم گوئی یعنی زیادہ خاموشی اور کم گوئی مومن کی نشانی ہے۔ کم گو آدمی اپنے باطن کی اصلاح زیادہ کرتا ہے۔ ۲؎ یعنی ہر بات بے دھڑک منہ سے نکال دینا منافق کی پہچان ہے۔ زیادہ بولنے والا گناہ بھی زیادہ کرتا ہے یعنی اسی فیصد گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخَشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِّنِّیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقاً وَّاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِّنِّیْ مَسَاوِيْكُمْ اَخْلَاقاً اَلثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ عَنْ جَابِرٍ وَّفِیْ رِوَايَةٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ

(۴۵۸۴) روایت ہے ابو ثعلبہ خشنی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور قیامت کے دن مجھ سے بہت قریب تم میں سے اچھے اخلاق والا ہے ۲؎ اور تم میں سے مجھ کو بہت ناپسند اور مجھ سے بہت دور برے اخلاق والے ہیں ۳؎ جو زیادہ بولنے والے منہ پھٹ فراخ گو متکبر ۴؎ (بیہقی، شعب الایمان) اور ترمذی نے اس کی مثال حضرت جابر سے روایت کی اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ثرثارون اور متشدقون کو تو جانتے ہیں مگر تنفیھقون کیا چیز ہے، فرمایا تکبر والے ۵؎

(۴۵۸۴) ۱؎ آپ کا نام جرہم ابن ناشب ہے۔ قبیلہ خشن سے ہیں۔ اس قبیلہ کے مورث کا نام خشن ابن نمر تھا۔ جرہم اپنی کنیت میں زیادہ مشہور ہے یعنی ابو ثعلبہ۔ آپ بیعت الرضوان میں شریک تھے۔ حضور انور نے آپ کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا۔ آپ کی تبلیغ پر آپ کی قوم ایمان لائی۔ ۷۵ھ میں وفات پائی۔ بعض نے فرمایا کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے (اشعہ) ۲؎ کیونکہ خوش خلق آدمی اکثر نیک اعمال زیادہ کرتا ہے۔ گناہ اس سے کم سرزد ہوتے ہیں۔ اخلاق سے مراد اخلاق محمدی ہیں۔ کفار پر سخت مومنوں پر بہت ہی نرم۔ دیانتداری، وعدہ پورا کرنا معاملات کا درست ہونا سب ہی خوش خلقی میں داخل ہیں۔ خیال رہے کہ خوش خلقی، خوشامد میں فرق ہے۔ یوں بد خلقی اور استغناء میں فرق ہے۔ ۳؎ کیونکہ بدخلق اکثر بدعمل ہوتے ہیں۔ بدخلقی خود بھی بدعملی ہے اور بہت سی بدعملیوں کا ذریعہ۔ جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، بدمعاملگی سب ہی بداخلاقی کی شاخیں ہیں۔ ۴؎ ثرثارون بنا ہے ثرثرۃ سے بمعنی کثرت کلام یا ایک بات کو بار بار کہنا متشدقون بنا ہے، شدق سے بمعنی منہ کا جبڑا۔ متشدق وہ ہے جو منہ بھر کر باتیں کرے یا جس کے جبڑے باتوں کے لیے کھلے رہیں اور متفیھقون بنا ہے بمعنی وسعت و فراخی یعنی بہت ہی کلام کرنے والا جسے اردو میں کہتے ہیں بکّی، فارسی میں کہتے ہیں بسیار گو۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو   از شما یک مونہ شد اسرار جو

۵؎ یعنی متفیھقون سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو تکبراً بہت بولیں اپنی مجلس میں کسی کو بولنے نہ دیں جو آئے ان کی سنے، اپنی کچھ نہ کہہ سکے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَاْكُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَاْكُلُ الْبَقَرَةُ بِاَلْسِنَتِهَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۵۸۵) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ قائم ہوگی حتیٰ کہ ایسی قوم نکلے گی جو اپنی زبانوں سے اسے کھائیں گے ۱؎ جیسے گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں ۲؎ (احمد)

(۴۵۸۵) ۱؎ یعنی ان کا ذریعہ معاش ہی یہ ہوگا کہ کسی کی خوشامدانہ جھوٹی تعریف میں قصیدہ کہہ دیا اور انعام حاصل کرلیا۔ کسی کے دشمن

کی برائی میں نظم کہہ ڈالی اور کچھ وصول کرلیا۔لوگوں کو فصیح و بلیغ جھوٹے کلام سنائے ، چندہ کرلیا یعنی صرف زبان سے کمائی کریں گے ۔جیسا کہ جاہلیت کے شعراء کا دستور تھا، وہ ہی پھر ہو جائے گا۔نعت خوان نعت گو علماء واعظین اس میں داخل نہیں ۔ بشرطیکہ باعمل ہوں ۔ حلال وحرام آمدنی میں فرق کریں ۔اسی لیے آگے بیان ہورہا ہے۔۲؎ گائے میدان میں کھاتے وقت ہری سوکھی گھاس نہیں دیکھتی جو سامنے آجائے ، اسے کھالیتی ہے حتیٰ کہ کبھی دودھک بوٹی بھی کھا جاتی ہے جس سے بیمار بلکہ ہلاک ہو جاتی ہے ۔ یہ ہی اس شخص کا حال ہے جو حلال وحرام نہ دیکھے جو ملے کھائے ۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ یَتَخَلَّلُ بِلِسَانِہٖ کَمَا یَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَۃُ بِلِسَانِھَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ) ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

(۴۵۸۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اس بلیغ آدمی کو ناپسند کرتا ہے۱؎ جو اپنی زبان کو پھیرتا ہے جیسے گائے اپنی زبان کو پھیرا دیتی ہے۲؎ (ترمذی ،ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے

(۴۵۸۶) ۱؎ ابلغ یا تو بلاغت سے ہے یا مبالغہ سے ۔ اگر بلاغت سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی صرف کلام کی خوبیوں میں کوشش کرے، سچ جھوٹ کی پرواہ نہ کرے ۔اگر مبالغہ سے ہے تو مطلب ظاہر ہے کہ وہ شخص لوگوں کی تعریف یا ہجو میں مبالغہ کرے جھوٹی سچی بات کی پرواہ نہ کرے ۔۲؎ تخلل بنا ہے خلل سے بمعنی درمیان یا بیچ اس سے ہے خلال وہ تنکا جو دانتوں کے بیچ میں جائے ۔یتخلل کے معنی ہوئے اپنی زبان کو منہ کے بیچ میں گھمائے یعنی بہت بولے ، بے احتیاطی سے بولے ۔اس کے ذریعہ روزی کمائے ، بے احتیاطی سے کھائے جیسے گائے باہر زبان نکال کر گھما کر چارا پکڑتی منہ میں لے جاتی ہے ۔اچھی بری چیزوں میں فرق نہیں کرتی (مرقات ،اشعہ) بقر ،بقرہ ۔باقر ، باقرہ سب کے معنی ہیں ۔بیل ، گائے ، بقر کے معنی ہیں چیرنا ۔ چونکہ گائے بیل کے ذریعہ زمین ہل چلا کر چیری جاتی ہے ۔اس لیے اسے باقرہ کہتے ہیں یعنی زمین کو چیرنے والے ۔ بڑے عالم کو باقر العلوم کہتے ہیں ۔گویا اس نے علم کو چیر کر اس پر قبضہ کرلیا ہے ۔اس لیے ایک امام کا نام باقر ہے ۔اس میں وہ واعظین بھی داخل ہیں جو محض پیشہ ور واعظ ہیں ۔صرف روزی کمانے کے لیے تقریریں کرتے ہیں ۔ سوا لوگوں کو خوش کرنے کے اور کوئی غرض نہیں رکھتے ۔ یہاں مرقات نے بروایت حاکم حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً حدیث نقل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے عالم آخرت کے جاہل کو ناپسند فرماتا ہے ۔وعظ تبلیغ دین کے لیے چاہیے ۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاھُھُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ ھٰؤُلَاءِ قَالَ ھٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۴۵۸۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں ،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس رات ہم کو سیر کرائی گئی (معراج) ہم ایسی قوم پر گزرے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۱؎ تو ہم نے کہا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں ،فرمایا یہ آپ کی امت کے واعظین ہیں ۲؎ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ۳؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۔

(۴۵۸۷) ۱؎ یعنی لوہے کی قینچی آگ سے گرم کی ہوئی ۔ آگ بھی دوزخ کی تو ان کا تپنا ، گرم ہونا بھی نہایت ہی سخت ہوگا ۔۲؎ مرقات نے فرمایا کہ خطباء میں بےعمل عالم ، واعظ ، شاعر سب ہی داخل ہیں ۔ خیال رہے کہ بےعمل عالم سے بدعمل عالم زیادہ برا بھی ہے خطرناک بھی ۔۳؎ فی

زمانہ واعظین عمل کا وعظ ہی نہیں کرتے، شعر خوانی خوش الحانی قصے کہانی میں وقت پورا کرتے ہیں۔ عام جلسے گویا حلال سینما ہیں کہ سننے والے بھی تماشائی ذہنی عیاش ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب مسلمان علماء کے وعظ سن کر بعد میں یاد کرتے تھے کہ مولوی صاحب نے آج فلاں فلاں مسئلہ بیان کیا۔

2

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْكَلَامِ لِیَسْبِیَ بِهٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ اَوِ النَّاسِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۸۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کا ہیر پھیر سیکھے[۱] تاکہ اس سے مردوں یا لوگوں کے دل پھانس لے تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل[۲] (ابوداؤد)

(۴۵۸۸) [۱] صرف کے چند معنی ہیں ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے بیان کرنا۔ اچھی عبارت بولنا۔ جھوٹی بات سچی کرکے دکھانا یعنی جو عالم لچھے دار گفتگو ناٹے کی تقریریں کرنا اس لیے سیکھے کہ لوگ اس کے جال میں پھنس جائیں لوگ اس کے معتقد ہو جائیں [۲] صرف وعدل کے بہت معنی ہیں صرف فرض، عدل، نفل، صرف توبہ، عدل فدیہ، صرف عبادات، عدل درستی معاملات یعنی ایسے ریاکار کے اعمال بارگاہ الٰہی میں قابل قبول نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس نے علم دین دنیا کے لیے حاصل کیا، اللہ کی اعلیٰ نعمت کی بے قدری کی۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ یَوْمًا وَّقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِیْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَقَدْ رَاَیْتُ اَوْ اُمِرْتُ اَنْ تَجَوَّزَ فِی الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَیْرٌ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۸۹) روایت ہے حضرت عمرو بن عاص سے کہ انہوں نے ایک دن فرمایا حالانکہ ایک آدمی کھڑا ہوا تو بہت باتیں کیں[۱] تب حضرت عمرو نے فرمایا کہ اگر یہ اپنے کلام میں اختصار کرتا تو اچھا ہوتا[۲] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میں مناسب سمجھتا ہوں یا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ کلام میں اختصار کیا کروں[۳] کیونکہ مختصر کرنا بہتر ہے[۴] (ابوداؤ)

(۴۵۸۹) [۱] یعنی بہت لمبی تقریر کی نہایت فصیح و بلیغ تاکہ لوگ اس کے کمال کے قائل ہو جائیں۔ لوگ اس کی دراز تقریر سے گھبرا گئے، اکتا گئے [۲] کہ زیادہ باتیں لوگ بھول جاتے ہیں، دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ کلام تھوڑا ہو مگر دلنشین اور موثر ہو [۳] ہر کلام میں خصوصاً وعظ و نصیحت میں اختصار مفید ہے۔ اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ خیر الکلام ماقل و دل۔ لوگوں کو یاد خوب رہتا ہے [۴] اس حدیث کی اسناد میں محمد ابن اسماعیل ان عباس راوی ہے اسے محدثین نے ضعیف فرمایا ہے۔

وَعَنْ صَخْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَّاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا وَّاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حُكْمًا وَّاِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِیَالًا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۹۰) روایت ہے حضرت صخر بن عبداللہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[۱] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بعض بیان جادو ہیں اور بعض علم جہالت ہے[۲] اور بعض شعر حکمت ہیں[۳] اور بعض کلام وبال ہیں[۴] (ابوداؤد)

(۴۵۹۰) [۱] بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں۔ ان کے فرزند عبداللہ ابن بریدہ تابعی ہیں۔ مرو کے قاضی رہے، ان کے بھائی سلیمان ابن بریدہ ان سے زیادہ عالم و متقی تھے، صخر ابن عبداللہ بھی تابعی ہیں، ان کا لقب مروزی ہے۔ انہوں نے اپنے دادا حضرت بریدہ سے ملاقات کی

ہے۔حضرت بریدہ غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہوئے۔بیعت رضوان میں حاضر تھے۔مدینہ کے رہنے والے تھے۔پھر بصرہ پھر خراسان میں رہے۔یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مقام مرو میں وفات پائی۔باسٹھ (۶۲) ہجری میں اور مرو میں ہی دفن ہوئے۔آپ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔ ۲؎ غیر ضروری چیزیں سیکھنا ضروری چیزیں نہ سیکھنا جہالت ہے۔بعض لوگ بجائے علم دین کے فلسفہ منطق ریاضی میں عمر صرف کردیتے ہیں،یہ جہالت ہے یوں ہی جو علم رب تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے۔یوں ہی علم بے عمل جہالت ہے یا علم کا دعویٰ ہو مگر علم نہ ہو،یہ جہالت مرکبہ ہے۔جس علم کے ساتھ عقل یا معرفت نہ ہو،وہ جہالت ہے۔ ۳؎ بعض علماء نے بہت سے علوم اشعار میں بیان کردیئے ہیں۔ایک بزرگ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی اشعار میں لکھی،تفسیر سورہ یوسف نظم میں تو بہت لوگوں نے لکھیں،یہ اشعار حکمت ہیں ان سے علم کی اشاعت بہت ہوتی ہے۔ ۴؎ یا کہنے والے پر وبال کہ اپنے کلام سے پکڑا جائے یا سننے والے پر وبال کہ وہ اکتا جائے مگر یہ ختم ہی نہ کرے یا وہ سمجھے نہیں اور یہ کہے جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَراً فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْيُنَافِحُ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَانَا فَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۵۹۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے جس پر وہ سیدھے کھڑے ہوں ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے تھے یا دفع فرماتے تھے ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ بذریعہ جبریل حضرت حسان کی مدد فرماتا ہے۔جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے ہیں یا دفع کرتے رہتے ہیں ۳؎ (بخاری)

(۴۵۹۱) ۱؎ حضور کی نعت شریف پڑھنے کے لیے یا مشرکین عرب کی ہجو کرنے کے لیے سبحان اللہ کیا تقدیر ہے حضرت حسان کی کہ حضور انور کی مجلس مبارک میں مسجد نبوی شریف میں آپ کو منبر عطا ہو رہا ہے۔نعت خوانی نعت گوئی اللہ کی رحمت ہے۔بشرطیکہ مقبول ہو ۲؎ یعنی حضور کی تشریف آوری اور خود اپنے کو حضور کی اتباع نصیب ہونے پر فخر کرتے تھے۔شعر:۔

انسانیت کو فخر ہے تیری ذات سے ۔۔۔ بے نور تھا خرد کا ستارہ ترے بغیر

یا مشرکین سے حضور کا بدلہ لیتے تھے کہ ان کی ہجو کرتے تھے۔حضور انور کے فضائل بیان فرماتے تھے۔آپ خود سنتے اور لوگوں کو سننے کا حکم دیتے تھے۔حضرت حسان کو دعائیں دیتے تھے۔ ۳؎ یعنی میں دیکھتا ہوں کہ جب تک جناب حسان ہماری نعت خوانی کفار کی ہجو کرتے ہیں،ان کے سر پر حضرت جبریل علیہ السلام کا ہاتھ ہوتا ہے۔اس ہاتھ کے اثر سے ان کے دل میں اچھے مضامین پیدا ہوتے ہیں۔اچھے الفاظ سمجھ میں آتے ہیں۔اچھی طرح اخلاص کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔یہ سب کچھ حضرت جبریل کی مدد کا نتیجہ ہے۔خیال رہے کہ دوست چند نوعیتوں کے ہوتے ہیں۔اپنا دوست وہ دوست،اپنے دوست کا دوست وہ دوست،دشمن کا دشمن،وہ دوست یوں ہی دشمن چند قسم کے ہیں اپنا دشمن۔اپنے دشمن کا دوست۔اپنے دوست کا دشمن۔حضرت حسان حضور کے دوست حضور کے دوستوں کے دوست اور حضور کے دشمنوں کے دشمن تھے،لہذا

آپ تینوں قسم کے دوست تھے۔اس لیے آپ کا یہ درجہ ہوا چونکہ حضرت جبریل انبیاء کرام پر وحی لاتے رہے اور وحی روح ہے،لہذا آپ کا نام روح ہوا۔قدس رب تعالٰی کا نام شریف ہے تو معنی ہوئے کہ رب تعالٰی کی روح یعنی اس کی پسندیدہ روح۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَادٍ يُّقَالُ لَهٗ اَنْجَشَةُ وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوَيْدَكَ يَا اَنْجَشَةُ لَا تُكَسِرِ الْقَوَارِيْرَ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِيْ ضَعَفَةَ النِّسَآءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۵۹۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا[1] جسے انجشہ کہا جاتا تھا اور وہ تھا خوش آواز[2] تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انجشہ چھوڑ دو کچی شیشیاں نہ توڑو۔قتادہ فرماتے ہیں یعنی کمزور دل عورتیں[3] (مسلم بخاری)

(۴۵۹۲) [1] حدی یا حداوہ گانا ہے جس سے اونٹ کو مستی دلا کر چلایا جائے اونٹ گانے کا عاشق ہے جیسے سانپ خوش آواز کا جب اونٹ تھک جاتا ہے تو خوش آوازی سے اسے گانا سنایا جاتا ہے جس سے مست ہو کر خوب تیز دوڑتا ہے۔اس گانے کو حدی اور گانے والے کو حاد کہتے ہیں۔حضرت انجشہ بڑے خوش آواز تھے۔اس لیے حدی خواں آپ ہوتے تھے۔حدی کی ابتداء کیسے ہوئی۔اس کے متعلق یہاں مرقات نے عجیب واقعات بیان کیے۔ایک بدوی نے اپنے غلام کو مارا۔اس کا ہاتھ کاٹ کھایا۔غلام خوش آواز تھا۔وہ گھبراہٹ میں بولا۔دی۔دی۔دی بجائے یدی۔یدی۔کے دی دی کہا،اونٹ کو اس پر وجد آ گیا،تب سے حدی کا دستور قائم ہوا۔بعض خوش الحان بدوی کے حدی پر انسانوں کو وجد آ جاتا ہے۔[2] انجشہ کی کنیت ابو ماریہ تھی حبشی تھے۔حضور کے آزاد کردہ غلام[3] یعنی میرے ساتھ سفر میں عورتیں بھی ہیں جن کے دل کچی شیشی کی طرح کمزور ہیں۔خوش آوازی ان میں بہت جلد اثر کرتی ہے اور وہ لوگوں کے گانے سے گناہ کی طرف مائل ہوسکتی ہیں۔اس لیے اپنا گانا بند کردو۔یہ فرمان عالی تا قیامت عورتوں کے متعلق ہے ورنہ صحابیات کے متعلق فسق و فجور کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔مقصد یہ ہے کہ مرد عورتوں کو گانا نہ سنائے۔اس طرح عورتیں مردوں کو گانا نہ سنائیں کہ اس سے عشق و بدمعاشی پیدا ہوتی ہے۔شعر:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

بہت مرد ریڈیو پر عورتوں کے گانے سن کر ان کے عاشق ہو گئے۔یوں ہی عورتیں مردوں کا گانا سن کر اغوا ہو گئیں۔حضور کا ہر فرمان حق ہے۔عورت کا دل کچی شیشی کی طرح کمزور اور جلد اثر لینے والا ہوتا ہے۔اس لیے اسلام نے گانا بجانا حرام کیا۔بعض شارحین نے اس کے معنی کیے کہ تمہارے گانے سے اونٹ تیز دوڑیں گے جس سے عورتوں کو تکلیف ہوگی مگر یہ درست نہیں کہ تیز دوڑنے کی تکلیف تو مردوں کو بھی ہوسکتی ہے۔پھر صرف عورتوں کا ذکر کیوں ہوا۔پہلی توجیہ قوی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَّقَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ (رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ) عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا

(۴۵۹۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک کلام ہے۔اچھا شعر اچھا ہے اور برا شعر برا[1] (دار قطنی) اور شافعی نے عروہ سے ارسالاً روایت کی۔

(۴۵۹۳) [1] یعنی شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون سے ہے۔بعض شعر پڑھنا عبادت ہے۔بعض کفر،بعض ثواب……جیسا مضمون ویسا حکم۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ یُّنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا الشَّیْطَانَ اَوْاَمْسِکُوا الشَّیْطَانَ لَاَنْ یَّمْتَلِیَٔ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّمْتَلِیَٔ شِعْرًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۵۹۴) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں اس حال میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عرج میں چل رہے تھے[1] کہ ایک شاعر شعر پڑھتا سامنے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکڑلو شیطان کو یا روک لو شیطان کو[2] کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہوا اس کے لیے اس سے اچھا ہے کہ شعروں سے بھرا ہو[3] (مسلم)

(۴۵۹۴) [1] عرج یمن کا ایک شہر بھی ہے علاقہ ہذیل میں ایک میدان بھی مکہ معظمہ کے راستہ میں ایک منزل بھی مدینہ منورہ سے ۷۸ (اٹھتر) میل پر یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں [2] یعنی یہ شاعر انسان شیطان ہے۔اسے شعر پڑھنے سے روک دو،شاید اس کے اشعار گندے واہیات تھے جن میں زنا،شراب،عورتوں کی تعریفیں تھیں،جیسا کہ جاہلیت کے شعراء کے کلام میں دیکھا جاتا ہے۔اس لیے روک دیا گیا۔[3] اس کی شرح پہلے عرض کی گئی کہ یا برے اشعار مراد ہیں یا اشعار کا طبیعت پر غلبہ کہ اسے گانے کے سوا کچھ سوجھے ہی نہیں،اس لیے ارشاد ہوا ان یمتلی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَآءُ الزَّرْعَ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۵۹۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گانا دل میں نفاق ایسا اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو[1] (بیہقی،شعب الایمان)

(۴۵۹۵) [1] یعنی مرد کا گانا خود گانے والے اور سننے والے کے دل میں منافقت پیدا کرتا ہے،لہذا عورت کا گانا،سننا یا عورت و مرد کا مل کر گانا یا باجہ پر گانا اس سے بدتر ہے۔عرب کہتے ہیں:الغناء رقیة الزنا یعنی گانا زنا کا منتر ہے۔مراد گانے سے وہ ہی ہے جو اوپر عرض کیا خوش الحانی سے نعت شریف حضرت حسان پڑھتے تھے۔حضور کی تشریف آوری کے موقع پر مدینہ منورہ کی بنی بخار کی بچیوں نے گیت گائے ہیں۔شادی، عید کے موقع پر بچیوں کو حضور نے اچھے گیت گانے کی اجازت دی،اجنبی عورتوں سے مرد نعت بھی نہ سنیں کہ آواز میں دلکشی ہوتی ہے۔اسی لیے عورتوں کو اذان دینا تکبیر کہنا،خوش الحانی سے اجنبیوں کے سامنے تلاوت قرآن کرنا سب ممنوع ہے۔عورت کی آواز بھی ستر ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ وَنَا عَنِ الطَّرِیْقِ اِلَی الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِیْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ یَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَیْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَیْهِ مِنْ اُذُنَیْهِ قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ یَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَّکُنْتُ اِذَا ذَاكَ صَغِیْرًا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۵۹۶) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک راستہ میں تھا کہ آپ نے باجہ کی آواز سنی[1] تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں لگالیں اور راستہ سے دور ہٹ گئے۔دوسری طرف پھر دور جاچکنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو؟ میں نے کہا نہیں تب آپ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں[2] فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو حضور نے بانسری کی آواز سنی[3] تو یونہی کیا جو میں نے۔نافع فرماتے ہیں کہ اس وقت میں چھوٹا تھا[4] (احمد،ابوداؤد)

(۴۵۹۶) [1] یعنی صرف باجہ کی آواز سنی بغیر گانے کی آواز کے غالبًا گانا بھی ہو رہا ہوگا اس کی آواز یہاں نہیں آرہی ہوگی۔ڈھول کی

آواز دور تک جاتی ہے۔گانے والے کی آواز تھوڑی دور ہی پہنچتی ہے۔۲؎ یہ آپ کا انتہائی تقویٰ ہے جس پر عمل آج کل قریباً ناممکن ہے۔آج ریڈیو،لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ بستی کے گوشہ گوشہ میں گانے باجوں کی تیز آوازیں پہنچتی ہیں۔کبھی تو لوگوں کو سونے نہیں دیتیں۔۳؎ یراع ی اور ر کے فتحہ سے بمعنی الغوزہ یا بانسری بانس کے ٹکڑے میں چند سوراخ کر کے اسے منہ سے بجاتے ہیں۔۴؎ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے خود تو کانوں میں انگلیاں دے لیں تا کہ گانے باجے کی آواز نہ سنیں مگر اپنے غلام حضرت نافع کو اس کا حکم نہ دیا۔اس کی وجہ کیا ہے۔جواب یہ دیا کہ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا۔مجھ پر احکام شرعیہ خصوصاً ورع وتقویٰ کے احکام جاری نہ تھے ورنہ مجھے بھی آپ اس کا حکم دیتے۔غالبًا حضرت عبداللہ ابن عمر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ پر نابالغ ہوں گے۔خیال رہے کہ ان دونوں موقعوں پر گانے باجہ والا آدمی کوئی غیر مسلم ذمی ہوگا۔اس لیے آپ نے اسے گانے سے نہ روکا۔خود کانوں میں انگلی دے لی کہ کفار کو ان جیسے کاموں سے مسلمان نہیں روکتے۔(مرقات) لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضرات صحابہ کے گھروں سے گانے باجوں کی آوازیں آتی تھیں۔نہ یہ کہ حضرت ابن عمر نے گانے والوں کو منع کیا،کیوں نہ فرمایا۔

بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ وَالْغِيْبَةِ وَالشَّتْمِ زبان کی حفاظت اور غیبت اور گالی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں من الغیبۃ والشتم ہے تو معنی ظاہر ہیں یعنی اپنی زبان کو غیبت اور گالی سے محفوظ رکھنا۔عام نسخوں میں واسے ہے تب معنی یہ ہوں گے کہ اپنی زبان کو ہر بری چیز خصوصاً غیبت و گالی سے محفوظ رکھنا۔خیال رہے کہ کسی مسلمان کے غیر مشہور عیب اس کے پس پشت بلاضرورت بیان کرنا غیبت ہے۔خواہ وہ شخص زندہ ہو یا مردہ موجود ہو یا غائب۔غیبت حرام ہے اور ہر فحش کلام شتم ہے۔سب عام ہے۔شتم خاص۔غیبت کی یہ تعریف اور تعریف کی یہ قیود خیال میں رکھنی چاہئیں۔لغوی غیبت کبھی حرام ہے۔کبھی کفر کبھی جائز کبھی واجب فرض مسلمان کی غیبت بلاوجہ حرام ہے۔انبیاء واولیاء کی غیبت جو جنت کے بشارت یافتہ ہیں،کفر ہے جیسے روافض کا تبرا اور راویان حدیث کی غیبت واجب ہے تا کہ احادیث صحیح وغیر صحیح مخلوط نہ ہو جائیں کسی کے شر سے مسلمان کو بچانے کے لیے غیبت کرنا واجب ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۵۹۷) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی مجھے اپنے دو جبڑوں اور دو پاؤں کے درمیان کی چیزوں کی ضمانت دے،میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں ۱؎ (بخاری)

(۴۵۹۷) ۱؎ دو جبڑوں کے درمیان کی چیز زبان وتالو وغیرہ ہے اور دو پاؤں کے بیچ کی چیز شرمگاہ ہے یعنی اپنی زبان کو جھوٹ،غیبت،ناجائز باتیں کرنے سے بچائے،اپنے منہ کو حرام غذا سے محفوظ رکھے۔اپنی شرمگاہ کو زنا کے قریب نہ جانے دے۔ظاہر بات ہے کہ ایسا مسلمان مومن متقی ہوگا۔خیال رہے کہ قریباً اسی فیصدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں جو اپنی زبان کی پابندی کرے،وہ تو چوری،ڈکیتی قتل بھی نہیں کرتا۔انسان جرم جب ہی کرتا ہے جبکہ جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو جائے کہ اگر پکڑا گیا تو میں انکار کر دوں گا۔جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔خیال

رہے کہ حضور کی یہ ضمانت تاقیامت انسانوں کے لیے ہے اور حضور کی ضمانت خدا کی ضمانت ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَّاِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَهْوِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهُمَا یَهْوِیْ بِهَا فِی النَّارِ اَبْعَدَ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ)

(۴۵۹۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے، ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ رضا الٰہی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجے بڑھا دیتا ہے۱ اور بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کر دیتا ہے جس کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتا ہے۲ (بخاری) اور مسلم، بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اس سے آگ میں گر جاتا ہے۔ مشرق ومغرب کے فاصلے کے برابر۳

(۴۵۹۸) ۱یعنی بعض باتیں انسان کے نزدیک معمولی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم الشان کہ بولنے والے کو عظیم الشان بنا دیتی ہے۔ ۲یعنی بعض باتیں انسان کی نگاہ میں نہایت معمولی ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ کے نزدیک بدترین جرم کہ انسان کو دوزخی بنادیتی ہیں، لہٰذا زبان کی بہت ہی حفاظت چاہیے۔ ۳دوزخ میں جس قدر نیچائی زیادہ اسی قدر عذاب سخت جنت میں جس قدر اونچائی زیادہ اسی قدر ثواب اعلیٰ دوزخ کا طبقہ ہاویہ سب سے نیچا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدعملی کی وجہ سے انسان دوزخ کے اونچے طبقے میں جائے گا جہاں عذاب ہلکا ہے مگر برے کلام کی وجہ سے نیچے طبقہ میں جائے گا، جہاں عذاب سخت تر ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کو ارکان (اعضا) جنان (دل) لسان (زبان) عطا فرمائے ہیں۔ ارکان وجنان کے گناہوں سے لسان یعنی زبان کا جرم بدترین ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۵۹۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۱ (مسلم بخاری)

(۴۵۹۹) ۱کفر یا بمعنی کفران نعمت یعنی ناشکری ہے یا ایمان کا مقابل یعنی بلاقصور مسلمان کو برا کہنا اور بلاقصور اس سے لڑنا بھڑنا ناشکری ہے یا کفار کا سا کام ہے یا اسے مسلمان ہونے کی وجہ سے مارنا پیٹنا یا ناجائز جنگ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر و بے ایمانی ہے۔ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْهِ کَافِرٌ فَقَدْ بَآءَ بِهَا اَحَدُهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۶۰۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو اس کفر کو لے کر ان دونوں میں سے ایک لوٹے گا۱ (مسلم بخاری)

(۴۶۰۰) ۱یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے، اگر وہ مسلمان واقعی کوئی کفریہ کام یا کفریہ کلام کر چکا ہے تب تو یہ کفر اس پر پڑے گا لیکن اگر اس میں کوئی کفر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہو جائے گا جبکہ کسی قطعی ایمان والے کو کافر کہے۔ جیسے صحابہ کرام کو خصوصاً مبشرین یا الجنۃ کو کافر کہنے والا یقیناً وقطعاً کافر ہے کہ قرآن حدیث تو انہیں مومن کہہ رہے ہیں اور یہ انہیں کافر کہتا ہے تو قرآن وحدیث کا منکر ہے یا کسی عقیدہ اسلامیہ کی بنا پر کافر کہتا ہے تو بھی یہ کہنے والا کافر ہے۔ اس سے وہ شخص مراد نہیں جو کسی کو گالی کے طور پر کافر کہے یا کافر کے معنی ناشکرا یا چھپانے والا کرے، لہٰذا حدیث واضح ہے۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

یہاں کافرعشق سے مراد ہے۔عشق کا چھپانے والا اسے دل میں رکھنے والا رب تعالٰی فرماتا ہے:وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ (۲:۲۵۶) تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے (کنز الایمان) جو کوئی بتوں کا انکار کرے،اللہ پر ایمان لائے۔یہاں کفر بمعنی انکار ہے،لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت مشکل ہے۔فقیر نے جو توجیہ کی ہے،انشاءاللہ اس سے اشکال نہ رہا۔

وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَرْمِی رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْهِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْهِ اِنْ لَّمْ یَکُنْ صَاحِبُهٗ کَذٰلِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۴۶۰۱) روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص کسی شخص کو فسق کی اور کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ اسی پر لوٹتا ہے اگر اس کا صاحب ایسا نہ ہو[1] (بخاری)

(۴۶۰۱) [1] مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا فاسق نہ کہو کیونکہ اگر وہ واقعی کافر یا فاسق ہوا تب تو یہ لفظ اس پر صادق آئے گا ورنہ کہنے والے پر کہ یہ کہنے والا یا کافر و فاسق ہو جائے گا یا کافر و فاسق کہنے کا وبال اس پر پڑے گا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْکُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَیْسَ کَذٰلِكَ اِلَّا حَارَ عَلَیْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۶۰۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی شخص کے کافر ہونے کا دعویٰ کرے یا کہے اللہ کا دشمن اور وہ ایسا ہو نہیں مگر وہ اس پر لوٹتا ہے[1] (مسلم بخاری)

(۴۶۰۲) [1] اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مسلمان کا کسی عقیدۂ اسلامیہ کی وجہ سے کافر کہنے والا یا ایسے مسلمان کو جس کا اسلام یقینی قطعی ہو،کہنے والا خود کافر ہے۔بطور گالی کافر کہنے کا سخت گنہگار ہے۔جیسے کسی کو حرام کہا تو اسے قذف لگ سکتی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمُظْلُوْمُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۰۳) روایت ہے حضرت انس اور ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں،اس کا وبال ابتداء کرنے والے پر جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے[1]

(۴۶۰۳) [1] یعنی دونوں کی برائیوں کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہوگا جبکہ دوسرا زیادتی نہ کر جائے۔صرف اگلے کو جواب دے۔خیال رہے کہ گالی کے بدلے گالی نہ دینا چاہیے کہ گالی فحش ہے جس سے زبان اپنی ہی خراب ہوتی ہے۔سب کے معنی ہیں برا کہنا نہ کہ گالی دینا۔گالی دینے والے سے بدلہ اور طرح لو اسے گالی نہ دو،اگر کتا کاٹ لے تو تم اسے کاٹو مت بلکہ لکڑی سے مار دو،لہٰذا حدیث واضح ہے اس میں گالیاں بکنے کی اجازت نہ دی گئی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَّکُوْنَ لَعَّانًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۰۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیق کے لیے یہ لائق نہیں[1] کہ لعن وطعن کرنے والا ہو[2] (مسلم)

(۴۶۰۴) [1] صدیق کے لغوی معنی ہیں بہت سچا۔یہ صدیق کا مبالغہ ہے۔صادق وہ جو جھوٹ نہ بولے۔صدیق وہ جو جھوٹ نہ بول

سکے۔صادق وہ جو ایک آدھ بار سچ بولے،صدیق وہ جو ہمیشہ سچ بولا کرے۔صادق وہ جو کلام کا سچا ہو،صدیق وہ جو کام،کلام ہر وصف کا سچا ہو۔صادق وہ جو وہ کہے جو واقعہ ہو۔صدیق وہ کہ جو کہہ دے واقعہ ویسا ہی ہو جائے۔صوفیا کے نزدیک صدیق ایک درجہ والا جس کا مقام نبی کے بعد بغیر واسطہ بغیر فاصلہ کے ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ (۴:۶۹)یعنی انبیاء اور صدیق (کنزالایمان) اسلام میں پہلے صدیق حضرت ابوبکر صدیق اکبر ہیں ۔۲؎یعنی جسے اللہ تعالٰی صدیق بنائے وہ لوگوں پر لعنت کرنے کا عادی نہیں ہوتا کیونکہ صدیقیت،کونبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہے۔حضرات انبیاء رحمت والے ہوتے ہیں نہ کہ لعنت بھیجنے والے اور نہ عذاب کی دعائیں کرنے والے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے مذہب میں تبرا ولعنت بہترین عبادت ہے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اہل سنت نے لعنت کو نہ عبادت سمجھی نہ عادت ڈالی۔حتی کہ جو لوگ لعنت کے مستحق بھی ہیں،ان پر بھی لعنت کرنا اپنا شیوہ نہیں بناتے۔ہمارے ہاں ابلیس یا ابوجہل یا فرعون پر لعنت کرتے رہنا عبادت نہیں بلکہ عبث کام ہے۔خیال رہے کہ لعنت دو قسم کی ہے۔ایک تو اللہ تعالٰی کی رحمت عامہ سے دوری یہ صرف کفار کے لیے دوسری رحمت خاصہ یعنی بلندی درجات سے محرومی' یہ گنہگار مسلمان کو بھی ہوسکتی ہے۔جن کفار کا کفر پر مرنا دلیل شرعی سے ثابت ہو،ان پر نام لے کر لعنت کرنا درست ہے۔دوسروں کو وصف سے لعنت کرسکتے ہیں،نام لے کر نہیں کرسکتے۔یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر یا ظالموں پر خدا کی لعنت،یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں پر جو جھوٹا ہے،لعنت۔یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کی لعنت کے معنی ہیں،رحمت سے دور کرنا، بندوں کی لعنت کے معنی ہیں اس دوری کی بددعا کرنا (اشعہ)

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِيْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُهَدَآءَ وَلَا شُفَعَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۰۵) روایت ہے حضرت ابوالدردا سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ شفیع ۱؎(مسلم)

(۴۶۰۵) ۱؎یعنی امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت گزشتہ انبیاء کرام کی گواہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی اور گنہگاروں کی شفیع بھی مگر جو مسلمان لعن وطعن کا عادی ہوگا،وہ ان دونوں نعمتوں سے محروم رہے گا،لہذا دنیا میں لعن طعن کے عادی نہ بنو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۰۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو اس نے انہیں ہلاک کردیا ۱؎(مسلم)

(۴۶۰۶) ۱؎اھلکھم کی دو قرأتیں ہیں۔کاف کے ضمہ سے یعنی صیغہ اسم تفضیل اور کاف کے فتحہ سے ماضی۔یعنی جو مسلمانوں کے متعلق یہ کہتا رہے کہ سارے مسلمان ہلاک ہوگئے،رحمت خدا سے دور ہوگئے،بے دین ہوگئے تو ان سب میں زیادہ ہلاک ہونے والا یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو رحمت الٰہی سے دور سمجھ رہا ہے یا جو لوگوں کو رحمت الٰہی سے مایوس کرے کہ لوگ برباد ہوگئے،کافر ہوگئے،فاسق ہوگئے تو ان لوگوں کو رب تعالٰی نے ہلاک نہ کیا بلکہ اس نے ہلاک کیا۔اگر لوگ مایوس ہوکر گنہگار بن جائیں تو مجرم یہ ہوگا۔مسلمان کہتے ہیں میں گنہگار ہوں مگر انشاءاللہ رحمت الٰہی ان کی دستگیری کرے گی۔انہیں سے کام لے گی،کوئی انہیں ابھارنے والا ہو۔ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔شعر:

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

رحمت للعالمین کی امت غافل ہوجاتی ہے،اسے جگاتے رہو،کام لیتے رہو۔یہ جاگ اٹھے تو بہت کام کرتی ہے کیوں نہ ہو کہ حضور کی

ان پر رحمت ہے۔شعر:۔

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت
وہ آئے لیکن آئے رحمۃ للعالمین ہو کر

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۰۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن بدترین لوگوں میں دومنہ والے کو پاؤ گے جو ان کے پاس اور منہ سے جائے اور ان کے پاس اور منہ سے[۱] (مسلم بخاری)

(۴۶۰۷) [۱] یعنی بدترین بندہ منافق یا چغل غور ہے جو لوگوں میں لڑائی کرانے کے لیے ایک جماعت کے پاس اس کا خیرخواہ بن کر جائے اور دوسری جماعت سے انہیں بھڑکائے۔دوسری جماعت کے پاس ان کا خیرخواہ بن جائے انہیں بھڑکائے،لڑائی کرائے،خدا کی پناہ یہ عیب فی زمانہ عورتوں میں بہت زیادہ ہے۔اس سے توبہ چاہیے۔اس کا انجام دوطرفہ شرمندگی ہے۔شیخ سعدی نے ان کا انجام یوں فرمایا۔شعر:۔

کنند ایں و آں خوش دگر بارہ دل
وے اندر میاں کور بخت و خجل

وہ دونوں مل جائیں گے،یہ دوطرفہ روسیاہ ہوگا۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِىْ رِوَايَةٍ مُّسْلِمٍ نَّمَّامٌ

(۴۶۰۸) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جنت میں چغل خور نہ جائے گا[۱] (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں چغل خور ہے۔

(۴۶۰۸) [۱] قتات وہ شخص ہے جو دومخالفوں کی باتیں چھپ کر سنے اور پھر انہیں زیادہ لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے۔اگر یہ شخص ایمان پر مرا تو جنت میں اولًا نہ جائے گا،بعد میں جائے تو جائے۔کفر پر مرا تو کبھی وہاں نہ جائے گا۔خیال رہے کہ جو دو طرفہ جھوٹی باتیں لگا کر صلح کرادے،وہ نمام نہیں مصلح ہے۔نمام وہ ہے جو لڑائی وفساد کے لیے یہ حرکات کرے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَّاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَّاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَّاِنَّ

(۴۶۰۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سچ کو لازم کرلو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے[۱] اور نیکی جنت کی طرف ہادی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے[۲] اور جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور یہ بدکاری آگ کی طرف ہادی ہے[۳] اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے[۴] (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا سچائی بھلائی ہے اور بھلائی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور جھوٹ بدکاری ہے اور بدکاری آگ کی طرف رہبری

اَلْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ کرتی ہے۵

(۴۶۰۹) ۱؎ یعنی جو شخص سچ بولنے کا عادی ہو جائے، اللہ تعالٰی اسے نیک کار بنا دے گا۔ اس کی عادت اچھے کام کرنے کی ہو جائے گی۔ اس کی برکت سے وہ مرتے وقت تک نیک رہے گا۔ برائیوں سے بچے گا۔ ۲؎ اور جو اللہ کے نزدیک صدیق ہو جائے گا، اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ہر قسم کا ثواب پاتا ہے اور دنیا بھی اسے سچا کہنے اچھا سمجھنے لگتی ہے۔ اس کی عزت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ ۳؎ یعنی جھوٹا آدمی آگے چل کر پکا فاسق و فاجر بن جاتا ہے۔ جھوٹ ہزارہا گناہوں تک پہنچا دیتا ہے۔ تجربہ بھی اسی پر شاہد ہے۔ سب سے پہلے جھوٹ شیطان نے بولا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پہلا تقیہ پہلا جھوٹ شیطان کا کام تھا۔ ۴؎ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ شخص ہر قسم کے گناہوں میں پھنس جاتا ہے اور قدرتی طور پر لوگوں کو اس کا اعتبار نہیں رہتا۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ۵؎ یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے جنہیں مسلم بخاری، جامع صغیر وغیرہ نے روایت فرمایا۔ وہ تمام الفاظ یہاں مرقات نے جمع فرمائے۔

وَعَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَّيَنْمِىْ خَيْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۱۰) روایت ہے حضرت ام کلثوم سے فرماتی ہیں ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرا دے اور کہے خیر بات اور پہنچائے خیر بات ۲؎ (مسلم بخاری)

(۴۶۱۰) ۱؎ یہ ام کلثوم بنت رسول اللہ نہیں بلکہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابو معیط ہیں۔ مکہ معظمہ میں اسلام لائیں اور وہاں سے پیدل مدینہ منورہ پہنچیں۔ حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں آئیں۔ جب غزوہ موتہ میں جناب زید شہید ہو گئے تو ان سے زبیر ابن عوام نے نکاح کرلیا۔ انہوں نے طلاق دے دی تو ان سے عبدالرحمٰن ابن عوف نے نکاح کرلیا۔ ان سے دو بیٹے ہوئے۔ ابراہیم اور حمید، پھر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد عمرو ابن عاص کے نکاح میں آئیں۔ اس نکاح سے ایک ماہ بعد وفات پا گئیں۔ حضرت عثمان غنی کی اخیافی بہن ہیں۔ آپ سے آپ کے صاحبزادہ حمید نے احادیث روایت کیں۔ (مرقات) ۲؎ یعنی جو مسلمان دو لڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان جھوٹی خبریں پہنچا کر ان میں صلح کرا دے تو وہ گنہگار نہیں اور یہ جھوٹ گناہ نہیں مثلاً زید و عمرو لڑے ہوئے ہیں، یہ زید سے کہے کہ عمرو نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں، عمرو کے متعلق بھی یہ ہی کہے حتی کہ ان کی صلح ہو جائے تو یہ شخص ثواب پائے گا۔ خیال رہے کہ چند صورتوں میں جھوٹ جائز ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ دوسرے کسی کا جان و مال محفوظ کرنے، دشمن سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا بلکہ بعض جگہ جھوٹ عبادت ہے۔ جیسے کسی متقی، پرہیزگار کا اپنے کو گنہگار کہنا عبادت ہے اور بعض سچ کفر ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا تھا رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ سچ کہا تھا ہدایت و گمراہی اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر شیطان ہو گیا کافر۔

وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِىْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۱۱) روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو ۱؎ تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو ۲؎ (مسلم)

(۴۶۱۱) ۱؎ یہاں مداحین سے مراد وہ جھولی چک ہیں جو خوشامد کے لیے لوگوں کے منہ پر تعریفیں کرتے ہیں بلکہ اس سے اپنے پیٹ پالتے ہیں۔ جھوٹی تعریفیں کر کے سامنے والے کو خوش کرتے ہیں جو کبھی نیک شخص کی سچی تعریف کرے جس سے اس کو اور زیادہ نیکی کی رغبت

ہو، وہ اس میں داخل نہیں۔ اس لیے مداحین صیغہ مبالغہ ارشاد ہوا یعنی تعریفیں کرنے کا عادی اس کا پیشہ ور۔۲؎ بعض شارحین نے حدیث کو بالکل ظاہری معنی پر رکھا کہ واقعی ان پر مٹی ڈال دو تاکہ آئندہ وہ اس کام کی جرأت نہ کریں۔ دو چار جگہ منہ پر خاک پڑ جانے سے اس عمل سے توبہ کر لیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر خاک ڈالو، ادھر توبہ نہ کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ واقعی تم بڑے اچھے آدمی ہو یا یہ مطلب ہے کہ اسے کچھ دے دو۔ تھوڑا مال بھی گویا خاک ہے تاکہ وہ تمہاری ہجو نہ کرے کہ ایسے لوگ کچھ نہ ملنے پر گالیاں دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ انہیں بہت تھوڑا مال دو جو خاک برابر ہو۔ زیادہ مال نہ دو اور بھی بہت معنی کیے گئے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْكَ ثَلٰثًا مَّنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا لَا مُحَالَةَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَّاللّٰهُ حَسِیْبُهٗ اِنْ کَانَ یُرٰی اَنَّهٗ کَذَالِكَ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰهِ اَحَدًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۶۱۲) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کی تعریف کی۱؎ تو فرمایا تیری خرابی تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، تین بار فرمایا۲؎ تم میں سے جو کسی کی ضرور تعریف ہی کرے تو کہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالٰی اس پر مطلع ہے بشرطیکہ وہ اسے ایسا ہی جانتا ہو۳؎ اللہ پر کسی کی صفائی بیان نہ کرے۴؎ (مسلم بخاری)

(۴۶۱۲) ۱؎ یعنی بہت زیادہ تعریف کی، بہت مبالغہ سے غالبًا وہ شخص وہاں موجود ہوگا۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ دیکھو مرقات ۲؎ یعنی وہ شخص ایسی طبیعت کا ہے کہ تیری تعریف سن کر مغرور و متکبر ہو جائے گا۔ ایسے شخص کی منہ پر تعریف اسے نقصان دیتی ہے۔ خیال رہے کہ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر اور زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ غرور میں آ جاتے ہیں۔ پہلے قسم کے لوگوں کے منہ پر تعریف کرنا مفید ہے۔ دوسرے لوگوں کے لیے نقصان دہ یہاں دوسری صورت کا ذکر ہے۔ ۳؎ یعنی کسی کی تعریف کرنے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ یقین کے ساتھ تعریف نہ کرے کہ وہ ایسا ہی ہے بلکہ اپنے خیال کا اظہار کرے۔ دوسرے یہ کہ جو سمجھتا ہو وہ ہی کہے، اگر واقعی اسے اچھا سمجھتا ہے تو اچھا کہے، دل میں برا جاننا منہ سے اچھا کہنا جھوٹ بھی ہے اور خوشامد بھی۔ ۴؎ یعنی واقعہ کی گواہی نہ دے کہ واللہ وہ بہت ہی اچھا ہے مگر یہ تمام شرائط اس کے متعلق ہیں جس کی برائی بھلائی نص سے ثابت نہ ہو۔ حضرات انبیاء خصوصًا حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آل واصحاب کی تعریفیں کامل یقین سے کرے اور خوب کرے۔ مثلًا میں کہہ سکتا ہوں کہ قسم رب تعالٰی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اللہ کے پیارے بندے ہیں۔ یوں ہی وہ حضرات جنہیں مخلوق ولی اللہ کہتی ہے، انہیں ہم یقین سے ولی کہہ سکتے ہیں کہ مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے، لہٰذا یہ حدیث نہ تو آیت قرآنیہ کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے۔ حضور فرماتے ہیں انتم شهداء الله فی الارض

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَهُ قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَا قُلْتَ لِاَخِیْكَ مَا فِیْهِ

(۴۶۱۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے۱؎ سب نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا تمہارا اپنے بھائی کا ناپسندیدہ ذکر کرنا۲؎ عرض کیا گیا فرمائیے تو اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جو میں کہتا ہوں۳؎ فرمایا اگر اس میں وہ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ نہ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے اسے بہتان لگایا۴؎

فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِذَا قُلْتَ مَا لَيْسَ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ

(مسلم) اور ایک روایت میں ہے۵ کہ جب تو اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرے جو اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو وہ کہے جو اس نے نہ کیا ہو تو تو نے اسے بہتان لگایا۶

(۴۶۱۳) ۱یعنی قرآن مجید میں ہے: لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (۴۹،۱۲) اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو (کنزالایمان) یعنی بعض مسلمان بعض کی غیبت نہ کریں۔ کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے اور اس کی تفسیر کیا ہے۔۲ یعنی کسی کے خفیہ عیب اس کے پس پشت بیان کرنا عیب خواہ جسمانی ہوں یا نفسانی دنیاوی یا دینی یا اس کی اولاد کے یا بیوی کے یا گھر کے خواہ زبان سے بیان کرو یا قلم سے یا اشارہ سے غرض کسی طرح سے لوگوں کو سمجھا دو حتیٰ کہ کسی لنگڑے یا ہکلے کی پس پشت نقل کرنا لنگڑا کر چلنا یا ہکلا کر بولنا سب کچھ غیبت ہے۔ یہ فرمان بہت وسیع ہے (مرقات) ۳ سائل غیبت اور بہتان میں فرق نہ کر سکے، وہ سمجھے کہ کسی کو جھوٹا بہتان لگانا غیبت ہے۔ اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا، وہ ما یکرہ کے لفظ سے دھوکہ کھا گئے۔۴ سبحان اللہ کیا نفیس جواب ہے کہ غیبت سچے عیب بیان کرنے کو کہتے ہیں اور بہتان جھوٹے عیب بیان کرنے کو غیبت ہوتا ہے سچ مگر ہے حرام۔ اکثر گالیاں سچی ہوتی ہیں مگر ہیں بے حیائی و حرام ہر سچ حلال نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ غیبت ایک گناہ ہے۔ بہتان دوگناہ۔۵ یہ روایت مسلم میں نہیں بلکہ امام بغوی نے شرح سنہ میں نقل فرمائی مگر مولف کے فی روایۃ کہنے سے دھوکا پڑتا ہے کہ یہ بھی مسلم ہی کی روایت ہے (مرقات) ۶ غیبت و بہتان کا یہ فرق ضرور خیال رہے بہتان بہرحال برا ہے۔ غیبت کبھی بری کبھی بری نہیں۔ جیسا کہ ہم شروع باب میں عرض کر چکے کہ غیبت کے حرام ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ کسی خاص کی ہوں، وہ خاص شخص مسلمان ہو وہ عیب بھی اس کا خفیہ ہو اور بیان بھی کرے بلاضرورت۔ رہا بہتان وہ بہرحال حرام ہے، خواہ کسی کو لگائے کسی طرح لگائے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَاْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهٗ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتٰى عَاهَدْتِنِيْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۱۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی۔ فرمایا کہ اجازت دے دو، یہ اس قبیلہ کا برا آدمی ہے۔۱ پھر جب وہ بیٹھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے خندہ پیشانی کی اور کشادہ روئی فرمائی۲ پھر جب وہ شخص چلا گیا تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کے متعلق ایسا ایسا فرمایا، پھر اس کے اوپر خنداں پیشانی کی اور کشادہ روئی فرمائی۳ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا۴ اللہ کے نزدیک بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ ہے جسے لوگ چھوڑ دیں اس کی شر سے ڈر کر اور ایک روایت میں ہے اس کے فحش سے خوف کر کے۵ (مسلم بخاری)

(۴۶۱۴) ۱حضور انور نے یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ وہ ابھی حضور کے پاس پہنچا نہ تھا، دروازہ پر ہی تھا یعنی اس کے پشت پر بیان فرمایا جو لغۃً غیبت ہے۔ اس لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث یہاں اس باب میں لائے۔ اس شخص کا نام عیینہ ابن حصن تھا۔ مولفۃ القلوب سے تھا۔ اپنی قوم کا سردار بہت سخت طبیعت تھا۔ حضور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر دوبارہ مسلمان ہوا

مگر اس کا خاتمہ اسلام پر ہوا۔اس کا بھتیجا حرب ابن قیس پختہ مسلمان صاحب علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاص مقرب تھا۔اس کا واقعہ وہ ہے جو بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے کہ یہ شخص اپنے اس بھتیجے کی معرفت حضرت عمر کے پاس پہنچا اور آپ سے کہا کہ آپ انصاف نہیں کرتے۔ ہم کو ہمارا حق نہیں دیتے،آپ ناراض ہوئے،سزا دینی چاہی۔حرب ابن قیس نے عرض کیا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔(۷:۱۹۹)حضور یہ جاہل ہے،آپ اس سے درگزر کریں (مرقات،اشعہ) ۲؎ یعنی حضور مطابق عادت کریمہ کے بہت اخلاق سے پیش آئے،کرم کریمانہ سے کلام فرمایا۔۳؎ یہ کلام یا تو حضرت عروہ کا ہے۔اس لیے قلت نہ کہا بلکہ فقالت عائشہ فرمایا یا حضرت عائشہ کا ہی ہے مگر خود اپنے عمل کی حکایت اپنے نام سے کی۔مقصد یہ ہے کہ حضور کا یہ عمل شریف غیبت میں تو داخل نہیں ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں اسے برا فرمایا اور سامنے اخلاق سے گفتگو فرمائی۔۴؎ یعنی ہم دوست دشمن نیک و بد سب سے اخلاق ہی برتتے ہیں۔کسی سے کج خلقی سے پیش نہیں آتے۔تم کو ہمارا تجربہ ہے۔۵؎ یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ ان سے نالاں ہوتے ہیں مگر اس سے ڈر کر اس کا احترام کرتے ہیں،یہ انہیں میں سے ہے۔اگر میں اس کے سامنے وہ ہی کہتا جو اس کے پس پشت کہا تھا تو یہ میرے پاس آنا چھوڑ دیتا اور اس کی اصلاح نہ ہوسکتی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا مشہور عیب پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں۔نیز لوگوں کو اس کی شر سے بچانے کے لیے اس کی شر پر مطلع کردینا غیبت نہیں۔نیز کسی کی اصلاح کے لیے اس کو برا نہ کہنا اس سے اخلاق سے پیش آنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شخص کی اصلاح کے طریقے جداگانہ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافیً اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلاً ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَ كَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فِیْ بَابِ الضِّيَافَةِ)

(۴۶۱۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ساری امت کو عافیت دی جائے گی ۱؎ سوا اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے ۲؎ اور اعلانیہ سے یہ بھی ہے ۳؎ کہ کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے پھر صبح پائے کہ اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا مگر وہ کہے اے فلاں میں نے آج رات ایسا ایسا کیا ۴؎ حالانکہ رات میں اس کے رب نے اسے چھپالیا،وہ صبح کو اللہ کا پردہ خود ہی کھولنے لگا ۵؎ (مسلم بخاری) اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث (جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو) ۶؎ دعوت کے باب میں ذکر کردی گئی۔

(۴۶۱۵) ۱؎ معافی کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ عفو سے یعنی رب تعالٰی کی طرف سے معافی دی جائے گی۔دوسرے یہ کہ عافیت سے ہو یعنی اسے عافیت دی ہوئی ہے۔اس کی غیبت حرام ہے۔۲؎ یعنی علانیہ گناہ کرنے والوں کی نہ آخرت میں پردہ پوشی کی جائے گی نہ دنیا میں ان کی غیبت حرام ہوگی۔ان کی غیبت جائز ہے کہ وہ خود ہی اپنے پردہ دار نہیں۔۳؎ مجانہ کے معنی اعلان بھی ہیں اور بے پروا بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔۴؎ یعنی اپنے چھپے گناہ خود ہی لوگوں پر ظاہر کرے۔اللہ تعالٰی کی ستاری سے فائدہ اٹھا کر خفیہ توبہ نہ کرے۔۵؎ اس بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ چھپے گناہ کی چھپ کر توبہ کرے،اعلان نہ کرے توبہ کے اعلان میں گناہ کا بھی اعلان ہوگا۔یہ حکم حقوق عباد اور بعض شرعی سزاؤں کے علاوہ دیگر جرموں کے لیے ہے۔اگر کسی کا حق ہم نے مارلیا،اسے خبر نہ ہوئی تو ضرور اسے خبر دے اور حق ادا کرے۔اگر خفیہ زنا کرایا ہے تو قاضی کے پاس اقرار کرکے سزا لے۔جیسے حضرت ماعز نے کہا تھا،لہذا حدیث واضح ہے۔۶؎ یعنی وہ حدیث کہ جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو،وہ یا

اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔مصابیح میں اس جگہ تھی،ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں ذکر فرمادی۔صاحب مشکوٰۃ نے ردوبدل بہت جگہ کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهٗ فِیْ وَسْطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِیَ لَهٗ فِیْ اَعْلَاهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَّكَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِی الْمَصَابِیْحِ قَالَ غَرِیْبٌ)

(۴۶۱۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جھوٹ چھوڑ دے جو کہ باطل چیز ہے[۱] تو اس کے لیے جنت کے کنارہ میں گھر بنایا جائے گا[۲] اور جو لڑائی جھگڑے چھوڑ دے حالانکہ حق پر ہو،اس کے لیے بیچ جنت میں گھر بنایا جائے گا[۳] اور جس کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے لیے، جنت کے اوپری حصہ میں گھر بنایا جائے گا[۴] (ترمذی) اور فرمایا، یہ حدیث حسن ہے یونہی شرح سنہ میں ہے۔مصابیح میں فرمایا غریب ہے[۵]۔

(۴۶۱۶) ۱؎ وھو باطل یا تو جملہ معترضہ ہے جو جھوٹ سے نفرت دلانے کے لیے ارشاد ہوا یعنی جھوٹ ہے ہی باطل چیز اسے چھوڑنا ہی چاہیے یا یہ جملہ حالیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے جو جھوٹ باطل ہے، وہ چھوڑ دے اور جو جھوٹ مفید ہے، اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے دولڑے مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا یا نیک بندے کا اپنے کو گنہگار کہنا تو بہ کرنا وغیرہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے (از مرقات واشعہ) ۲؎ یعنی جنت کا ادنیٰ درجہ کیونکہ کنارہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ درمیان اعلیٰ مگر کنارہ سے مراد جنت کا اندرونی کنارہ ہے نہ کہ بیرونی جنت۔ ۳؎ یعنی جو کوئی لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لیے اپنا حق بھی ظاہر نہ کرے یعنی حق پر ہو مگر اس پر لڑے نہیں، اس کا گھر جنت یعنی جنت کے اعلیٰ درجہ میں ہوگا۔ یہاں حق سے مراد دنیاوی حقوق ہیں نہ کہ دینی حقوق اگر کسی مسلمان نے کسی کی زمین یا قرض مار لیا، یہ لڑائی سے بچنے کے لیے پیچھے نہ پڑا۔صبر کر کے بیٹھ گیا، بڑے درجے والا ہے مگر جو دین حق کو برباد کرنا چاہے اس کا مقابلہ بقدر طاقت زبان قلم تلوار سے ضرور کرے۔ ۴؎ سبحان اللہ خوش خلقی کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے کہ اس سے جنت الفردوس نصیب ہوتی ہے مگر حسن خلق کے لیے کوشش بھی کرے۔ رب سے دعا بھی۔ ۵؎ لغوی حسن غریب کے خلاف نہیں، لہٰذا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔(مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَی اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۶۱۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کونسی چیز زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرتی ہے۔ اللہ سے ڈر اور اچھی عادت[۱] کیا جانتے ہو کہ لوگوں کو آگ میں کون سی چیز زیادہ لے جاتی ہے، دو خالی چیزیں منہ اور شرمگاہ[۲] (ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۶۱۷) ۱؎ تقویٰ کا ادنیٰ درجہ کفر و بدعقیدگی سے بچنا ہے اور درمیانی درجہ گناہوں سے بچنا۔ اعلیٰ درجہ میں غافل کرنے والی چیز سے بچنا ہے یوں ہی خوش خلقی کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کو جانی، مالی عزت کی ایذا نہ دے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے۔ یہ بہت اعلیٰ

چیز ہے جسے خدا تعالٰی نصیب کرے۔۲؎ یعنی انسان منہ سے کفر بولتا ہے۔غیبتیں،چغلیاں کرتا ہے۔نوے فیصدی گناہ منہ سے ہی ہوتے ہیں۔ شرمگاہ سے گناہ کرتا ہے جو بدترین گناہ ہے۔عقل کو مغلوب کرنے والی دین برباد کرنے والی چیز شہوت ہے جس کی جگہ شرمگاہ ہے۔

وَعَنْ بَلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَّلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَايَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَّلْقَاهُ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى مَالِكٌ وَّالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ)

(۴۶۱۸) روایت ہے حضرت بلال ابن حارث سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اچھی بات بول دیتا ہے،اس کی انتہا نہیں جانتا۲؎ اس کی وجہ سے اس کے لیے اللہ کی رضا اس دن تک کے لیے لکھی جاتی ہے۳؎ جب وہ اس سے ملے گا اور ایک آدمی بری بات بول دیتا ہے جس کی انتہا نہیں جانتا اللہ اس کی وجہ سے اپنی ناراضی اس دن تک لکھ دیتا ہے۔ جب وہ اس سے ملے گا۴؎ (شرح سنہ)اور مالک ترمذی ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

(۴۶۱۸) ۱؎ یہ وہ بلال نہیں جو حضور انور کے موذن تھے،وہ تو بلال ابن ابی رباح حبشی ہیں۔یہ بلال ابن حارث مزنی ہیں۔ان کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔۵ ہجری میں وفد مزینہ میں حضور کی خدمت میں آئے۔حضور انور نے آپ کو فرع کے علاقہ کا حاکم مقرر فرمایا۔فرع مدینہ منورہ سے پانچ دن کے راستہ پر ہے۔فتح مکہ کے دن مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔اَسّی (۸۰) سال آپ کی عمر ہوئی ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔۲؎ یعنی اسے خبر نہیں ہوتی کہ یہ بات جو میں بول رہا ہوں،اللہ کے نزدیک کیسی عظیم الشان ہے۔یوں ہی بول دیتا ہے۳؎ یہاں الی انتہاء کا نہیں اور حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت تک تو رب اس سے راضی رہے گا،بعد میں ناراض ہوجائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس رضا کا ظہور دنیا میں ہی نہیں بلکہ روز قیامت تک رہے گا۔جیسے رب نے شیطان سے فرمایا:اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (۳۸:۷۸)اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک (کنزالایمان) غرضیکہ رحمت کے آثار کا ظہور ابدالاباد تک ہے اور عطارب غفور بعد قیامت ہوگی (اشعہ) غرضیکہ اس فرمان سے مراد ابدالاباد ہے۔جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا یا تجھ سے قیامت تک خوش رہوں گا یعنی کبھی نہ بولوں گا یا ہمیشہ خوش رہوں گا۔۴؎ یعنی کوئی بات ایسی بری بول دیتا ہے جس سے رب تعالٰی ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاتا ہے،لہذا انسان کو چاہیے کہ بہت سوچ سمجھ کر بات کیا کرے۔حضرت علقمہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہت سی باتوں سے بلال ابن حارث کی حدیث روک دیتی ہے (مرقات)یعنی میں کچھ بولنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث سامنے آجاتی ہے اور میں خاموش ہوجاتا ہوں۔

وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُّحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهٗ وَيْلٌ لَّهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۴۶۱۹) روایت ہے بہز بن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابی ہے اس کے لیے جو بات کرے تو جھوٹ بولے تاکہ اس سے قوم کو ہنسائے۲؎ اس کے لیے خرابی ہے۔اس کے لیے خرابی ہے۳؎

(احمد،ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

(۴۶۱۹) ۱؎ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری بصری تابعی ہیں۔ثقہ ہیں۔ان کے والد حکیم ابن معاویہ کی صحابیت میں اختلاف ہے۔معاویہ ابن حیدہ صحابی ہیں مگر صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب الاکمال میں ان کا ذکر نہ فرمایا (مرقات)۲؎ لوگوں کو ہنسانے کے لیے تو جھوٹ

بولنا، ہمیشہ ہی جرم بلکہ ڈبل جرم مگر لوگوں کو ہنسانے کے لیے سچی بات کہنا اگر کبھی کبھی ہو تو جرم نہیں خوش طبعی اچھی چیز ہے مگر اس کا عادی بن جانا گناہ ہے۔ کسی پریشان یا مغموم کو ہنسا دینے کے لیے اچھی و سچی دل لگی کی بات کہہ دینا ثواب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دینے کے لیے اپنا گھریلو واقعہ بیان فرمایا جبکہ حضور نے اپنی ازواج پاک سے ایلاء کیا تھا، یہ سنت فاروقی ہے۔ بہر حال ایسے جائز کاموں میں بھی اعتدال چاہیے۔ ان کا عادی بن جانا اچھا نہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ خوش طبعی کرنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی خوش طبعی کرے جو بالکل حق ہوتی تھی (مرقات) ۳؎ ویل کے معنی ہیں خرابی، افسوس، دوزخ کے ایک طبقہ کا نام بھی ویل ہے۔ یہاں بمعنی خرابی تین بار ویل فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے دنیا میں بھی خرابی ہے، برزخ میں بھی، آخرت میں بھی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَقُوْلُ الْكَلِمَةَ لَا یَقُوْلُهَا اِلَّا لِیُضْحِكَ بِهِ النَّاسَ یَهْوِیْ بِهَا اَبْعَدَ مِمَّا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَیَزِلُّ عَنْ لِسَانِهٖ اَشَدَّ مِمَّا یَزِلُّ عَنْ قَدَمِهٖ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۶۲۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ کوئی بات کرتا ہے نہیں کہتا مگر اس لیے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے۔ اس کی وجہ سے وہ آسمان وزمین کے فاصلہ سے زیادہ نیچا گر جاتا ہے۱؎ وہ اپنی زبان سے پھسلتا ہے۔ اس سے سخت پھسلنی جو اپنے قدم سے پھسلتا ہے۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۴۶۲۰) ۱؎ اس فرمان عالی سے آج کل کے ڈوم مراثی مسخرے بھانڈ بھنڈ یلے عبرت پکڑیں جو لوگوں کو ہنسا کر گزارہ کرتے ہیں جن کی کمائی صرف لوگوں کی ہنسائی ہے۔ نیز اس سے وہ واعظین بھی عبرت پکڑیں جو منبر رسول پر وعظ کرتے ہیں۔ صرف ہنسانے کے لیے۔ ان کے وعظ کی کامیابی لوگوں کے قہقہہ سے ہوتی ہے۔ پناہ بخدا ان کے وعظ میں پتا نہیں چلتا کہ دین کا وعظ ہورہا ہے یا سینما کا کوئی دل لگی شو۔ ۲؎ یعنی پاؤں کی پھسلن سے زبان کی لغزش زیادہ خطرناک ہے کہ پاؤں کی لغزش سے بدن چوٹ کھاتا ہے مگر زبان کی لغزش سے دل، جان ایمان، زخمی ہوتا ہے۔ زبان کی لغزش سے ہی قتل وخون ہوتے ہیں۔ زبان ہی کی لغزش سے انسان کافر و بے دین ہو جاتا ہے۔ ابلیس اپنی زبان کی لغزش کی سزا اب تک پا رہا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۴۶۲۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہا نجات پا گیا۱؎ (احمد، ترمذی، دارمی، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۶۲۱) ۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو میری بات سے خاموش رہا، وہ دنیا و دین کی آفات سے نجات پا گیا۔ دوسرے یہ کہ جس نے خاموشی اختیار کی، وہ دونوں جہان کی بلاؤں سے محفوظ رہا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ کلام چار قسم کے ہیں۔ خالص مضر، خالص مفید، مضر بھی مفید بھی نہ مضر نہ مفید۔ خالص مضر سے ہمیشہ پرہیز ضروری ہے۔ خالص مفید کلام ضرور کرے جو کلام مضر بھی ہو مفید بھی اس کے بولنے میں احتیاط کرے، بہتر ہے کہ نہ بولے اور چوتھی قسم کے کلام میں وقت ضائع کرنا ہے۔ ان کلاموں میں امتیاز کرنا مشکل ہے، لہذا خاموشی بہتر ہے۔ (اشعہ)

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَیْكَ لِسَانَكَ وَلْیَسَعْكَ بَیْتُكَ وَابْكِ عَلٰى

(۴۶۲۲) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو میں نے عرض کیا کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے۲؎ فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو۳؎ اور تم کو تمہارا گھر کافی

خَطِيْئَتِكَ (رَوَاهُ اَحْمَدَ وَ التِّرْمِذِيُّ)

رہے۴ اور اپنی خطاؤں پر رو۵ (احمد، ترمذی)

(۴۶۲۲) ۱؎ آپ قبیلہ جہینہ سے ہیں۔امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے۔پھر معزول کر دیئے گئے۔مصر میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔۵۸ھ میں (اکمال)۲؎ یعنی ہم دین و دنیا کی مصیبتوں سے کیسے بچیں۔دنیا میں آفتیں تو گرد و غبار کی طرح پھیلتی ہیں۔ان سے بچاؤ کی تدبیر کیا ہے۔۳؎ املک الف کے کسرہ سے باب ضرب کا امر ہے۔ملک بمعنی قبضہ قابو ہے یعنی اپنی زبان کو قبضہ میں رکھو۔اس کی حفاظت کرو۔ بری بات بولنے سے روکو۔۴؎ یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ جاؤ،لوگوں کے پاس بلاوجہ نہ جاؤ،گھر سے نہ گھبراؤ،اپنے گھر کی خلوت کو غنیمت جانو کہ اس میں صدہا آفتوں سے امان ہے۔بزرگ فرماتے ہیں کہ سکوت،لزوم بیوت اور قناعت بالقوت الی ان یموت امان کی چابی ہے۔یعنی خاموشی،گھر میں رہنا رب کی عطا پر قناعت موت تک اس پر قائم رہنا۔۵؎ یعنی اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم ہو کر رونا اختیار کرو،دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنی عیب جوئی کرو۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَفَعَهُ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَآءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۲۳) روایت ہے حضرت ابوسعید سے اسے مرفوع فرمایا۱؎ کہ فرمایا جب انسان سویرا پاتا ہے تو سارے اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں۲؎ کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کہ ہم تیرے ساتھ ہیں تو اگر سیدھی رہے گی،ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوں گے۔۳؎ (ترمذی)

(۴۶۲۳) ۱؎ چونکہ راوی کو یہ یاد نہ رہا کہ حضرت ابوسعید خدری نے کن الفاظ سے حدیث کو مرفوع کیا۔سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا یا خالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے رفعہ کہہ دیا (مرقات)۲؎ تکفر بنا ہے کفر سے بمعنی ذلت و عاجزی و خواری۔کہا جاتا ہے۔کفر الیہودی یعنی یہودی ذلیل ہوگیا۔اپنے صاحب کے آگے جھک گیا۔۳؎ یعنی نفع نقصان راحت و آرام تکالیف و آلام میں ہم تیرے ساتھ وابستہ ہیں۔اگر تو خراب ہوگی تو ہماری شامت آجائے گی تو درست ہوگی ہماری عزت ہوگی۔خیال رہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے۔اس کی اچھائی برائی دل کی اچھائی برائی کا پتا دیتی ہے۔عرب کہتے ہیں: لِسَانُ الْاِنْسَانِ اٰلَةُ الْبَيَانِ لِلْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دل کے درست ہو جانے سے تمام جسم درست ہو جاتا ہے کہ دل و زبان کا حال یکساں ہے۔بارہا منافقین کی زبان ان کے دل کا نشان دے دیتی تھی،دل دیگ ہے زبان اس کا چمچہ۔

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَحْمَدُ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُمَا)

(۴۶۲۴) روایت ہے حضرت علی ابن حسین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک چھوڑ دینا ہے۔اس کا جو اسے نفع نہ دے۱؎ (مالک،احمد) اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے اور ترمذی و بیہقی نے شعب الایمان میں ان دونوں سے روایت کی۔

(۴۶۲۴) ۱؎ علی ابن حسین ابن علی یعنی امام زین العابدین آپ کے فضائل و مناقب بارہا ہم اسی کتاب میں عرض کر چکے ہیں۔۲؎ یعنی کامل مسلمان وہ ہے جو ایسے کلام ایسے کام ایسی حرکات و سکنات سے بچے جو اس کے لیے دین و دنیا میں مفید نہ ہوں۔وہ کام یا کلام کرے جو

اسے یا دنیا میں مفید یا آخرت میں سبحان اللہ ان دوکلموں میں دونوں جہان کی بھلائی وابستہ ہے۔ایک بزرگ کسی محل پر گزرے۔مالک سے پوچھا کہ تونے یہ مکان کب بنایا ہے،فوراً بولے کہ میں نے یہ کلام بے فائدہ کیا اس کے کفارہ میں ایک سال روزے رکھے۔اپنے نفس کا حساب کروتا کہ قیامت کا حساب آسان ہو(مرقات)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ لَا تَدْرِيْ فَلَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ اَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۲۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے وفات پائی تو کسی نے کہا کہ مبارک ہے جنت کی[۱] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،کیا تم نہیں جانتے کہ شاید غیر مفید خبر میں گفتگو کی یا نہ گھٹنے والی چیز میں بخل کیا ہو[۲] (ترمذی)

(۴۶۲۵) [۱] یعنی میری طرف سے جنت کی مبارک باد قبول کرکہ تو مومن،متقی،صحابی ہوکر دنیا سے گیا۔اس سے بڑھ کر کیا درجہ ہوسکتا ہے۔یہ خطاب اس میت سے ہے[۲] مطلب یہ ہے کہ فوری جنتی ہونے کا فیصلہ کسی کے لیے نہیں کیا جاسکتا۔ممکن ہے کہ اس شخص نے بیکار بات کر لی ہو یا مال یا علم میں بخل کیا ہو۔اس کے حساب میں گرفتار ہو،جنت کا داخلہ اس کے حساب سے فراغت کے بعد میسر ہو۔

وَعَنْ سُفْيَانَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ وَقَالَ هٰذَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهٗ)

(۴۶۲۵) روایت ہے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے[۱] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جن چیزوں کا آپ مجھ پرخوف کرتے ہیں،ان میں زیادہ خطرناک کیا چیز ہے[۲] فرمایا کہ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا یہ[۳] ترمذی اور اسے صحیح کہا۔

(۴۶۲۵) [۱] آپ کا نام سفیان ابن عبداللہ ابن ربیعہ ہے۔کنیت ابوعمرو قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں۔طائف کے رہنے والے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں طائف کے حاکم رہے۔[۲] یعنی میرے اعضاء سارے ہی خطرناک ہیں مگر ان سب میں زیادہ خطرناک کون سا عضو ہے جو مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔[۳] حضور انور نے خود سائل کی زبان نہ پکڑی اس لیے کہ اس میں تکلف ہوتا اور یہ احتمال ہوتا کہ شاید صرف ان کی زبان ہی خطرناک ہوگی۔دوسروں کی نہیں۔اپنی زبان شریف پکڑنے میں یہ دونوں باتیں نہیں نیز اشارہ کیا نام نہ لے دیا کہ اشارہ فرمانے میں زیادہ اہتمام ہے۔چونکہ کفروشرک اور اکثر بڑے گناہ زبان سے ہوتے ہیں،نیز بہت زیادہ گناہ اور ہروقت گناہ زبان سے ہوتے ہیں،اس لیے اسی کو زیادہ خطرناک قرار دیا۔دیگر اعضاء کے گناہوں میں بھی زبان کا دخل ہوتا ہے،چوری،زنا،شراب خوری،قتل وغیرہ تمام جرموں میں پہلے زبان کام کرتی ہے،پھر باقی اعضاء کہ ان کاموں کے مشورے زبان سے ہی ہوتے ہیں اور باقی اعضاء کی نیکیوں میں بھی زبان کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔دوسرے اعضاء کی نیکیاں خاص وقتوں میں ہوتی ہیں مگر زبان کی نیکیاں ہروقت ہوتی رہتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِّنْ نَتْنِ مَاجَآءَ بِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۲۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہوجاتا ہے[۱] اس بدبو کی وجہ سے جو آتی ہے[۲] (ترمذی)

(۴۶۲۶) [۱] فرشتے سے مراد یا تو نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے یا حفاظت کرنے والا فرشتہ یا کوئی خاص رحمت کا فرشتہ گناہ لکھنے والا فرشتہ دور نہیں ہوتا۔فرشتوں کے مزاج مختلف ہیں۔میل سے مراد یا تو یہی شرعی میل ہے یعنی فرسخ کا تہائی حصہ یا مراد ہے تا حد نظر زمین[۲] اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اچھی بری باتوں نیک و بد اعمال میں خوشبو اور بدبو ہے بلکہ ان میں اچھی بری لذتیں بھی ہیں مگر یہ صاف دماغ والوں کو صاف طبیعت والوں کو ہی محسوس ہوتی ہیں۔ اللہ رسول کے نام میں وہ لذت ہے جو کسی چیز ہی میں نہیں۔ مولانا محمد بشیر صاحب فرماتے ہیں۔

شہد سے میٹھا محمد نام

میم سے ہیں محبوب وہ رب کے ح سے حاکم عجم و عرب کے۔ دوسری میم سے مالک سب کے دال سے داتا دونوں جہاں کے

فیض ہے ان کا عام شہد سے میٹھا محمد نام

میم سے توحید پلائے اور ح حق سے جا کے ملائے۔ دوسری میم مراد لائے۔

دال دے دل آرام شہد سے میٹھا محمد نام

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسَدِ ﹰالْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَلَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَّاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

(۴۶۲۷) روایت ہے حضرت سفیان ابن اسد حضرمی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بری خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو اور تو اس میں جھوٹا ہے۔ (ابوداؤد)

(۴۶۲۷) ایعنی جھوٹ بہر حال برا ہے مگر اس شخص سے جھوٹ بولنا جو تمہیں سچا سمجھتا ہو تم پر اعتماد کرتا ہو یہ بہت ہی برا ہے کہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دھوکا فریب بھی یوں ہی اللہ رسول سے جھوٹ بولنا بڑا ہی جرم ہے کہ یہ جھوٹ بھی ہے بے حیائی بے غیرتی، بے شرمی بھی اللہ تعالٰی اپنا خوف اپنے حبیب کی شرم نصیب کرے کہ یہ دو چیزیں ہی گناہوں سے بچاتی ہیں۔

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانٌ مِّنْ نَّارٍ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۴۶۲۸) روایت ہے حضرت عمار سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں دو منہ والا ہوگا[۱] قیامت کے دن اس کی زبان آگ کی ہوگی (دارمی)

(۴۶۲۸) [۱]دو منہ والا وہ شخص ہے جو سامنے تعریف کرے پیچھے برائی یا سامنے دوستی ظاہر کرے پیچھے دشمنی یا دولڑے ہوئے آدمیوں کے پاس جائے اس سے ملے تو اس کی سی کہے دوسرے سے ملے تو اس کی سی کہے ہر ایک کا ظاہری دوست بنے[۲] حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جو رب دنیا میں مٹی کی زبان دے سکتا ہے وہ قیامت کے بعد آگ کی بھی زبان دے سکتا ہے اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اس زبان میں جو سوزش اور جلن ہوگی وہ ظاہر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ وَلَا الْفَاحِشَ الْبَذِيِّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۶۲۹) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن نہ تو طعنہ باز ہوتا ہے اور نہ لعنت باز نہ فحش گو نہ بے حیا[۱] (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان) اور بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ نہ فحش گو بے حیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۶۲۹) [۱]یعنی یہ عیوب سچے مسلمان میں نہیں ہوتے اپنے عیب نہ دیکھنا دوسرے مسلمانوں کے عیب ڈھونڈھنا ہر ایک کو لعن طعن کرنا

اسلامی شان کے خلاف ہے یہ حدیث بہت جامع ہے بعض لوگ جانوروں کو ہوا کو گالیاں دیتے ہیں بعض کے ہاں حضرات صحابہ کو گالیاں دینا عبادت ہے نعوذ باللہ بعض لوگ گالی پہلے دیتے ہیں بات پیچھے کرتے ہیں۔ سب لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّاناً وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنْ اَنْ يَكُوْنَ لَعَّاناً ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۳۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ مومن کو لائق نہیں کہ بہت لعن طعن کرنے والا ہو[۱]

(۴۶۳۰)[۱] یعنی کامل مسلمان لعن طعن کرنے کا عادی نہیں ہوتا کہ بات بات پر لعنت کرتا رہے اتفاقیہ کبھی منہ سے نکل جانا اس کے خلاف نہیں۔ (مرقات)

وَعَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۶۳۱) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو اللہ کی لعنت سے لعنت کرو اور نہ اللہ کے غضب سے نہ دوزخ سے اور ایک روایت میں ہے کہ نہ آگ سے[۱] (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۶۳۱)[۱] یعنی یہ نہ کہو کہ تجھ پر خدا کی لعنت اللہ کی پھٹکار نہ یہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب اللہ کا قہر وغیرہ لعنت وغضب کی بددعا نہ کرو نہ یہ کہو کہ تو جہنم میں جائے یا تیرا ٹھکانہ دوزخ ہو یا تجھے خدا دوزخ میں یا آگ میں ڈالے[۲] خیال رہے کہ یہ لعنت و پھٹکار اور یہ بددعائیں کسی معین مسلمان کو منع ہیں غیر معین کو اس کے وصف سے لعنت کرنا بالکل جائز ہے جیسے لعنة اللّٰه علی الکاذبین رہے مشرکین و کفار اگر ان کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو تو انہیں نام لے کر لعنت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ بہرحال لعنت بددعائیں کوئی خاص عبادت نہیں کہ اس کی عادت نہ ڈالے۔

وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَ لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ اِلَى السَّمَآءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَى الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَاْخُذُ يَمِيْنًا وَّشِمَالاً فَاِذَالَمْ تَجِدْ مَسَاغاً رَجَعَتْ اِلَى الَّذِيْ لُعِنَ فَاِنْ كَانَ لِذٰلِكَ اَهْلاً وَّاِلَّا رَجَعَتْ اِلٰى قَائِلِهَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۶۳۲) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے[۱] تو اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے سامنے زمین کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں[۲] پھر وہ داہنے بائیں پھرتی ہے[۳] پھر جب جگہ نہیں پاتی تو اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی تو اگر وہ اس کا اہل ہو تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے[۴] (ابوداؤد)

(۴۶۳۲)[۱] جیسے غبار دھواں وغیرہ بذات خود اوپر چڑھتے ہیں ایسے ہی لعنت و پھٹکار بھی اوپر چڑھتی ہے مگر اسے آسمان میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہاں اس کا مستحق کوئی نہیں[۲] لہٰذا وہ لعنت زمین میں نہیں دھنس سکتی کہ وہاں بھی اس کا مستحق کوئی نہیں خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت نہ تو آسمان میں رہتے ہیں نہ زمین کے اندر بلکہ اوپر ہی مارے مارے پھرتے ہیں لہٰذا اس فرمان پر کوئی غبار نہیں[۳] یعنی لعنت

اس حیران پریشان چیز کی طرح دوڑتی گھومتی ہے جسے اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور تلاش ٹھکانہ کے لیے حیران پریشان گھومے یا بطور تمثیل ارشاد ہوا ہے یا واقعہ ایسے ہی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے تمام قول و فعل ایک شکل و حال رکھتے ہیں۔ بہرحال لعنت یا تو ملعون پر پڑتی ہے اگر وہ اس کا اہل ہو ورنہ خود لاعن پر لہذا لعنت کرنا چاہیے ہی نہیں سوچو کہ ان کا حال کیا ہوگا جو دن رات حضرات صحابہ پر تبرا اور لعن طعن کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح جو لوگ جانوروں کو دھوپ کو ہوا کو لعنت کردیتے ہیں بیماریوں کو کوستے پیٹتے ہیں اس سب کا وبال خود ان پر ہی پڑتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا نَازَعَتْهُ الرِّيْحُ رِدَآءَهُ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنْهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ وَّاِنَّهُ مَنْ لَّعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۳۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے اس پر سے اڑادی اس نے ہوا پر لعنت کی [1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کہ یہ تو زیر فرمان ہے [2] اور یقینًا جو کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی اہل نہ ہو تو لعنت اس پر ہی لوٹتی ہے [3] (ترمذی،ابوداؤد)

(۴۶۳۳) [1] جیسے آج بعض لوگ بیماریوں وغیرہ پر لعنت کردیتے ہیں یہ سخت برا ہے [2] ہوا کا نرم و سخت چلنا تیری چادر کا اڑا دینا سب کچھ اللہ تعالٰی کے حکم سے ہے ان میں اس کا کوئی قصور نہیں پھر اس پر لعنت کیسی [3] یعنی لعنت کرنے کا گناہ اس پر پڑے گا یا خود لعنت پھٹکار رحمت سے دوری خود اس کو ملے گی معلوم ہوا کہ لعنت اور رحمت اپنے مستحق کو جانتی پہچانتی ہیں ان کے ٹھکانوں کو بھی جانتی ہیں حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۳۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے کوئی صحابی کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے [1] میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ آیا کروں (ابوداؤد)

(۴۶۳۴) [1] یعنی اگر کوئی مجھے میرے پیچھے برا کہے تو تم اس کی بات مجھ سے نہ کہو خیال رہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام لیا مگر ہم کو قانون بتایا کہ کوئی کسی کی غیبت اس تک نہ پہنچائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دلوں کی گہرائیوں کی بات گھروں کے اندرونی حالات سے خبردار ہیں ان سے کوئی چیز مخفی نہیں نیز کوئی صحابی حضور انور کی شان میں گستاخی نہیں کرتے تھے نہ سامنے نہ پیچھے حضور کی گستاخی کفر ہے رہے منافقین حضور انور ان سے ناراض تھے خواہ کوئی ان کی بات پہنچاتا یا نہ پہنچاتا۔بہرحال حدیث بالکل واضح ہے اس پر نہ وہابی اعتراض کرسکتے ہیں نہ شیعہ [2] کہ کسی کی عداوت کسی کی نفرت دل میں نہ ہوا کرے یہ بھی ہم لوگوں کے لیے بیان قانون ہے کہ اپنے سینے صاف رکھو تاکہ ان میں مدینہ کے انوار دیکھو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ رحمت،نور کرامت کا گنجینہ ہے وہاں کدورت کی پہنچ نہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَاوَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۳۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو صفیہ سے یہ ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں یعنی پستہ قد [2] تو فرمایا تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو دریا میں ملادیا جائے تو اسے رنگین کردے [3] (احمد،ترمذی،ابوداؤد)

(۴۶۳۵)۱؎ اس طرح کہ جناب عائشہ نے بالشت دکھا کر فرمایا کہ صفیہ اتنی بڑی ہیں یعنی میرے بالشت کی برابر یہ عرض ومعروض حضرت صفیہ بنت حیی کے پس پشت ہوئی۔اس لیے اُسے غیبت کہا گیا معلوم ہوا کہ غیبت اشارہ سے بھی ہو جاتی ہے۲؎ یعنی بظاہر یہ بات چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے مگر اتنی بڑی ہے کہ اگر اس رنگت کو پڑیا کی شکل دے دی جائے اور اسے سمندر میں گھول دیا جائے تو سارے سمندر کو رنگین کردے تو یہ تمہارے دل کو یقیناً گدلا کردے گی تمہارے نیک اعمال کا رنگ بھی بگاڑ دے گی اس سے توبہ کرو اور آئندہ کبھی کسی کی غیبت نہ کرو اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام گناہوں سے معصوم نہیں۔معصوم یا فرشتے ہیں یا حضرات انبیاء کرام یہ حضرات عادل ہیں کہ گناہ پر جمتے نہیں توبہ کر لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ غیبت حق العبد جب ہے جبکہ اس کی خبر اس کو پہنچ جائے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ ہے کہ توبہ سے معاف ہو جاتی ہے دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو جناب صفیہ سے معافی مانگنے کا حکم نہ دیا۔کیونکہ حضرت صفیہ کو اس کی خبر نہ ہوئی لہذا یہ حق اللہ رہی۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّاشَانَهٗ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۳۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہوتی بے حیائی کسی چیز میں مگر اسے عیب ناک کر دیتی ہے اور نہیں ہوتی شرم کسی چیز میں مگر اسے زینت دے دیتی ہے (ترمذی)

(۴۶۳۶)۱؎ یعنی اگر بے حیائی اور حیا و شرم انسان کے علاوہ اور مخلوق میں بھی ہوں تو اسے بھی بے حیائی خراب کر دے اور حیا اچھا کر دے تو انسان کا کیا پوچھنا حیا ایمان کی زینت انسانیت کا زیور ہے بے حیائی انسانیت کے دامن پر بدنما دھبہ ہے۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُّعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَّمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ خَالِدًا لَّمْ يُدْرِكْ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ ۔

(۴۶۳۷) روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے۱؎ وہ حضرت معاذ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے۲؎ تو وہ نہ مرے گا حتی کہ خود بھی کرے گا۳؎ یعنی وہ گناہ جس سے وہ توبہ کر چکا ہے۴؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ خالد نے معاذ ابن جبل کو نہیں پایا۵؎

(۴۶۳۷)۱؎ آپ جلیل القدر عظیم الشان تابعی ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے ملک شام میں مقام حمص کے رہنے والے ہیں قبیلہ کلاع سے ہیں ستر صحابہ سے ملاقات کی ۱۰۴ھ ایک سو چار ہجری میں مقام طرطوس میں آپ کی وفات ہوئی وہاں ہی قبر شریف ہے۲؎ گناہ سے وہ گناہ مراد ہے جس سے وہ توبہ کر چکا ہے یا وہ پرانا گناہ جسے لوگ بھول چکے ہیں یا خفیہ گناہ جس پر لوگ مطلع نہ ہوں اور عار دلانا توبہ کرانے کے لیے نہ ہو محض غصہ اور جوش غضب سے ہو یہ قیود خیال میں رہیں۳؎ یہ تفسیر حضرت امام احمد بن حنبل کی ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہے جس سے گنہگار توبہ کر چکا ہے۔ایسے گناہ کا ذکر بھی نہیں چاہیے۔جس گناہ میں بندہ گرفتار ہے اس سے عار دلانا تاکہ توبہ کرے یہ تو تبلیغ ہے اس پر ثواب ہے۵؎ یعنی خالد ابن معدان نے معاذ ابن جبل کا زمانہ نہ پایا کیونکہ حضرت معاذ کی وفات ۱۸ ہجری میں ہوئی اور خالد کی پیدائش ۱۸ھ کے بعد ہوئی خیال رہے کہ اتصال کے لیے راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کرنا ضروری نہیں صرف ہم زمانہ ہونا کافی ہے تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے

ہاں امام بخاری کے ہاں ملاقات ضروری ہے۔(مرقات)

وَعَنْ وَّاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَ خِيْكَ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۶۳۸) روایت ہے حضرت واثلہ سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی پر لعن طعن ظاہر نہ کرو[2] ورنہ اللہ اس پر رحم کردے گا اور تجھے مبتلا کردے گا[3] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۶۳۸)[1] واثلہ ابن اسقع لیثی صحابی ہیں جب حضور انور غزوہ تبوک کے لیے جارہے تھے تو آپ ایمان لائے تین سال حضور کی خدمت میں رہے اصحاب صفہ سے تھے ایک سو برس عمر پائی بیت المقدس میں وفات ہوئی (مرقات) آپ مشہور صحابی ہیں[2] یعنی کسی مسلمان کو دینی یا دنیاوی آفت میں مبتلا دیکھ کر اس پر خوشی میں طعن نہ کرو بعض دفعہ خوشی میں بھی کسی پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر:

مگو اندوہ خویش پیش کساں   کہ لاحول گویند شادی کناں

اگر ملامت کرنا اس کی فہمائش کے لیے ہو تب جائز ہے جبکہ اس طریقہ سے اس کی اصلاح ہو سکے غرضیکہ ملامت کی مختلف صورتیں ہیں[3] یہ ہے مسلمان کی آفت پر خوشی منانے کا انجام کہ خوشی منانے والا خود گرفتار ہو جاتا ہے بار ہا کا آزمودہ ہے۔ہمیشہ خدا سے خوف کرنا چاہیے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُحِبُّ اِنِّيْ حَكَيْتُ اَحَدًا وَاَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

(۴۶۳۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقل کروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا ملے[1] (ترمذی) اور اس کو صحیح فرمایا۔

(۴۶۳۹)[1] یعنی اگر مجھے کوئی دنیا کی بڑی سے بڑی دولت نعمت دے اس کے عوض میں کہ میں کسی مسلمان کی کوئی حرکت بطور غیبت نقل کروں تو میں وہ دولت قبول نہ کروں گا اور اس کی نقل نہ اتاروں گا۔یہاں حضور انور نے اپنا عمل شریف بیان فرما کر تا قیامت مسلمانوں کو تعلیم دی کہ تم کو کوئی کتنی ہی دولت دے کر کسی مسلمان کی قولی یا عملی غیبت کرائے اس کی نقل اتروائے تو ہرگز قبول نہ کرو۔یہاں بھی حکایت سے مراد بطور غیبت ممنوع نقل کرنا ہے۔

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهٗ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادٰى اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تُشْرِكْ فِيْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ هُوَاَضَلُّ اَمْ بَعِيْرُهٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَاقَالَ قَالُوْابَلٰى (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ

(۴۶۴۰) روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں کہ ایک بدوی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھادیا[1] پھر اسے باندھ دیا۔پھر مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔پھر جب سلام پھیرا تو اپنی سواری کے پاس گیا اسے کھولا اس پر سوار ہوا۔پھر پکارا الٰہی مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر[2] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہتے ہو یہ زیادہ بیوقوف ہے یا اس کا اونٹ[3] کہ کیا تم نے نہ سنا جو اس نے کہا لوگ بولے ہاں[4] (ابوداؤد) اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث کفی بالمرء کذبا ہم نے باب الاعتصام کی پہلی فصل میں ذکر کردی۔

(۴۶۴۰)؎۱ اعرابی یعنی بدوی حضرات اپنے گاؤں میں عموماً رہتے تھے اتفاقاً کبھی شہر میں کسی کام کے لیے آجاتے تھے وہ آداب سے کم واقف ہوتے تھے؎۲ وہ اپنی غلطی سے اس دعا کو بہت اچھا سمجھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے یہ کہا اس لیے آواز سے کہا کہ حضور انور سن لیں اور خوش ہوجائیں یعنی مجھ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی خاص رحمت کر جو کسی پر نہ ہو؎۳ یہاں ضلالت سے مراد گمراہی یا بدعقیدگی نہیں بلکہ بے وقوفی و جہالت ہے کیونکہ اس نے وسیع رحمت کو تنگ کرنے کی دعا کی یا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاصہ میں اپنے کو شریک کیا اس میں بے ادبی ہے اور بظاہر دعویٰ مساوات ہے (لمعات)؎۴ اس سے معلوم ہوا کہ دعا صرف اپنے واسطے نہیں کرنا چاہیے بلکہ عام صیغوں سے کی جائے خصوصاً یہ کہنا کہ اور کسی پر رحم نہ کر یہ تو بہت ہی برا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا ظاہر ظہور عیب اس کی پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں کہ حضور انور نے اس کی جہالت صحابہ سے بیان فرمائی جبکہ وہ یہ سن نہ رہا تھا اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۶۴۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے؎۱ اور اس سے عرش ہل جاتا ہے؎۲ (بیہقی، شعب الایمان)

(۴۶۴۱)؎۱ یعنی گنہگار بدکار لوگوں کی تعریف کرنا خوشامد کے لیے یا ان سے کچھ دنیاوی نفع حاصل کرنے کے ممنوع ہے رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ظالم کو عادل کہنا فقہاء کے نزدیک کفر ہے کہ اس میں نص قرآنی کا انکار ہے؎۲ عرش الٰہی کا ہلنا رب تعالیٰ کے غضب کے اظہار کے لیے ہے کہ یہ اس کی تعریف کررہا ہے جس سے رب تعالیٰ ناراض ہے اگر اسے حلال جان کر اچھا کہا ہے تو کافر ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ)

(۴۶۴۲) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن تمام خصلتوں پر پیدا کیا جاسکتا ہے سواء خیانت میں اور جھوٹ کے؎۱ (احمد، بیہقی، شعب الایمان، بروایت سعد ابن ابی وقاص)

(۴۶۴۲)؎۱ خلال سے مراد بری عادتیں ہیں اس فرمان عالی سے یا نفی مقصود ہے یا نہیں پہلی صورت میں معنی یہ ہیں کہ جھوٹ اور خیانت ایسی بری عادتیں ہیں کہ کسی مومن میں یہ دونوں چیزیں اصلی پیدائشی نہیں ہوسکتیں اگر کوئی مومن جھوٹا یا خائن ہوگا تو عارضی طور پر ہوگا کہ جھوٹوں خائنوں کی صحبت میں رہ کر یہ جھوٹا یا خائن بن جائے گا اس کے علاوہ اور عیوب مومن میں پیدائشی ہوسکتے ہیں دوسری صورت میں یہ معنی ہیں کہ مومن کو چاہیے کہ جھوٹا و خائن عادۃً نہ بنے ان عیبوں کی عادت نہ ڈالے یہ دونوں اس کی شان ایمان کے خلاف ہیں رب فرماتا ہے: اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (۱۶:۱۰۵) جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں (کنزالایمان) (مرقات، لمعات)

وَعَنْ صَفْوَانَ ابْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ

(۴۶۴۳) روایت ہے حضرت صفوان ابن سلیم سے؎۱ کہ رسول

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مومن بزدل ہوسکتا ہے۔فرمایا ہاں پھر عرض کیا گیا مومن کنجوس ہوسکتا ہے فرمایا ہاں۲ پھر عرض کیا گیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے فرمایا نہیں۳
(مالک،بیہقی،شعب الایمان ارسالاً)۴

(۴۶۴۵)۱ آپ تابعین میں سے ہیں نہایت متقی پرہیزگار تھے چالیس سال زمین سے پیٹھ نہ لگائی بیٹھے بیٹھے جان نکلی سجدہ کرتے کرتے پیشانی میں غار ہوگیا۔۱۰۲ ایک سو دو ہجری میں وفات ہوئی (اشعہ ومرقات) لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ صحابی کا ذکر اس میں نہیں ہے۲ یعنی مسلمان میں بزدلی یا کنجوسی فطری طور پر ہوسکتی ہے کہ یہ عیوب ایمان کے خلاف نہیں لہذا مومن میں ہوسکتی ہیں۳ کذاب فرما کر اس طرف اشارہ ہے کہ مومن گاہے بہ گاہے جھوٹ بول لے تو ہوسکتا ہے مگر بڑا جھوٹا ہمیشہ کا جھوٹا ہونا جھوٹ کا عادی ہونا مومن ہونے کی شان کے خلاف ہے یہاں بھی وہ ہی مراد جو ابھی پہلی حدیث میں عرض کیا گیا یا مومن سے مراد کامل الایمان۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں۴ ارسال کی وجہ ابھی عرض کی گئی کہ صفوان ابن سلیم تابعی ہیں صحابی نہیں اور تابعی کا کسی حدیث کو حضور سے روایت کرنا ارسال ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَاْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهٗ وَلَا اَدْرِيْ مَااسْمُهٗ يُحَدِّثُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۴۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل میں بنتا ہے پھر کسی قوم کے پاس پہنچتا ہے انہیں کسی جھوٹ بات کی خبر دیتا ہے۱ لوگ پھیل جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا جس کی صورت پہچانتا ہوں یہ نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا ہے۔وہ یہ کہتا تھا۲ (مسلم)

(۴۶۴)۱ کسی واقعہ کی خبر یا کسی مسلمان پر بہتان یا فساد و شرارت کی خبر جس کی اصل کچھ نہ ہوا الکذب بہت عام ہے۲ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ بارہا کا تجربہ ہے۔ماہ رمضان کی ستائیسویں تاریخ جمعہ کے دن یعنی ۱۴ اگست ۴۷ء کو پاکستان بنا عیدالفطر کے دن نماز عید کے وقت تمام شہروں بلکہ دیہاتوں میں خبر اڑ گئی کہ سکھ مسلح ہوکر اس بستی پر حملہ آور ہورہے ہیں۔قریب ہی آچکے ہیں ہر گھر ہر محلہ ہر جگہ میں شور مچ گیا لوگ تیاریاں کرکے نکل آئے۔حالانکہ بات غلط تھی ہر جگہ لوگوں نے کہا کہ ابھی ایک آدمی کہہ گیا ہے خبر نہیں کون تھا۔پھر جو فساد شروع ہوا۔وہ سب نے دیکھ لیا خدا کی پناہ اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔شیطان چھپ کر بھی دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور ظاہر ہوکر شکل انسانی میں نمودار ہوکر بھی لہذا ہر خبر بغیر تحقیق نہیں پھیلانا چاہیے اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی شیطان عالم آدمی کی شکل میں آکر جھوٹی حدیثیں بیان کر جاتا ہے لوگوں میں وہ جھوٹی حدیثیں پھیل جاتی ہیں اس لیے حدیث کو کتاب میں دیکھ کر اسناد وغیرہ معلوم کرکے بیان کرنا چاہیے اگرچہ یہ فرمان حضرت ابن مسعود کا ہے مگر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کہ ایسی بات صحابی اپنے خیال یا رائے سے بیان نہیں فرما سکتے حضور سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَاذَرٍّ فَوَجَدْتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ يَا

(۴۶۴۵) روایت ہے حضرات عمران ابن حطان سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر کے پاس گیا تو میں نے انہیں ایک کالے کمبل

اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السَّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ ۔(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

میں اکیلے ٹیک لگائے بیٹھے پایا ا میں نے کہا اے ابوذر یہ گوشہ نشینی کیسی تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تنہائی بہتر ہے بُرے ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے تنہائی سے ۲ اور اچھی بات بولنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی بہتر ہے بری بات بولنے سے ۳

(۴۶۴۵) ا اس طرح کہ اکڑوں بیٹھے تھے اور اپنے اردگرد کمبل لپیٹا ہوا تھا ہاتھوں کے حلقہ میں پنڈلیاں لیے ہوئے تھے۔ یہ انتہائی تواضع کی بیٹھک ہے ۲ یعنی چونکہ مجھے اس وقت کوئی نیک صالح ساتھی نہ ملا اس لیے تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اکیلا بیٹھ گیا غالبًا کسی اجنبی جگہ میں ہوں گے مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں کوئی اور مسجد مراد ہے۔ ورنہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں نیک ساتھیوں کی کیا کمی تھی خیر القرون تھا ۳ یعنی تنہائی میں انسان خاموش بیٹھے گا اور خاموشی اچھی ہے بری بات سے برے یار کے پاس بیٹھ کر بری باتیں کرنا پڑتی ہیں اس لیے تنہائی بہتر ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً ۔

(۴۶۴۶) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا خاموشی سے ثابت رہنا ۱ ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے ۲

(۴۶۴۶) ا یہاں یا تو ساعۃً پوشیدہ ہے یا زمانًا بعض روایات میں ہے فی الصف فی سبیل اللہ یعنی ایک ساعت یا کچھ دیر یا جہاد کی صف خاموش رہنا۔ دنیاوی باتیں نہ کرنا ۲ یعنی اگر کوئی شخص ساٹھ سال عبادت کرے مگر زیادہ باتیں بھی کرے اچھی بری بات میں تمیز نہ کرے اس سے یہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر خاموش رہے کیونکہ خاموشی میں فکر بھی ہوئی اصلاح نفس بھی معارف وحقائق میں استغراق بھی ذکر خفی کے سمندر میں غوطہ لگانا بھی مراقبہ بھی یہ نعمتیں اگرچہ ایک ساعت کی ہوں ساٹھ سال کی خشک عبادت سے افضل ہیں اس لیے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزاروں سال کے خاص ذکر سے افضل ہے خیال رہے کہ ان جیسے مقامات پر ساٹھ سال یا ستر سال سے مراد دراز زمانہ ہوتا ہے نہ کہ صرف یہ مدت۔

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ اِلٰى اَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِىْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِىْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَّكَ فِى السَّمَآءِ وَنُوْرٌ لَّكَ فِى الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِىْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِّلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَّكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِىْ

(۴۶۴۷) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دراز حدیث بیان کی ۱ یہاں تک کہ فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وصیت کیجیے ۲ فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے تمام کاموں کی زینت ہے ۳ میں نے عرض کیا کہ کچھ زیادہ کیجیے فرمایا قرآن کی تلاوت اور اللہ کا ذکر اختیار کرو ۴ کہ یہ تمہارے چرچے کا باعث ہے آسمان میں اور تمہارے لیے نور ہے زمین میں ۵ میں نے عرض کیا کچھ زیادہ فرمائیے۔ فرمایا تم دراز خاموشی اختیار کرو ۶ کہ یہ شیطان کو بھگانے والا ہے اور

قَالَ اِیَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهٗ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَاتَخَفْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَاتَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهِقِیُّ)

تمہارے دینی کام پر تمہارا مددگار ہے ۷ میں نے عرض کیا کہ مجھے زیادہ دیجیے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کہ یہ دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کا نور زائل کردیتا ہے ۸ میں نے عرض کیا زیادہ کیجیے۔فرمایا حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو ۹ میں نے عرض کیا اور زیادہ دیجیے فرمایا اللہ کی راہ میں ملامت والے کی ملامت سے نہ ڈرو ۱۰ میں نے عرض کیا زیادہ کیجیے۔فرمایا کہ تم کو لوگوں سے وہ بات منع کرے جو تم اپنے میں جانتے ہو۔۱۱

(۴۶۴۷)۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض ومعروض بہت دراز ہوئی جس کا ذکر دوسری جگہ ہے یہاں نہیں ۲؎ مجھے کوئی خاص تاکیدی حکم دیجیے اعلیٰ نصیحت فرمائیے۔اہل عرب بہت تاکیدی حکم یا اہم نصیحت کو وصیت کہتے ہیں۔کیونکہ ان کے نزدیک وصیت ضرور پوری کی جاتی تھی۔رب فرماتا ہے:یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ (۴:۱۱)اللہ تمہیں حکم دیتا ہے۔(کنزالایمان)۳؎ یعنی دین ودنیا کی تمام اچھی چیزوں کی زینت خوف خدا ہے خوف خدا کے ساتھ عقائد عبادات معاملات جو بھی کیے جائیں کامل ہوں گے قرآن کریم میں ہے:وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ط(۴:۱۳۱)اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔(کنزالایمان)تقویٰ دل کا غسل ہے۔نیک عقائد دل کا لباس نیک اعمال دل کا زیور سب چیزیں تقویٰ کے بعد ہیں ۴؎ کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اس سے دل نرم پڑتا ہے نرمی دل اللہ کی بڑی نعمت ہے ہر چیز نرم ہوکر ہی کچھ بنتی ہے اور لوہا نرم ہوکر اوزار بنتا ہے زمین میں نرمی کے بعد دانہ وتخم بوئے جاتے ہیں آٹا پانی سے نرم ہوکر اعلیٰ درجہ کی غذائیں بنتا ہے دل نرم ہوکر ولی اللہ بن جاتا ہے ۵؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اللہ کے ذاکر کا فرشتے چرچا کرتے ہیں اس سے چہرے پر نور دل میں سرور ہوتا ہے لوگوں میں عزت نصیب ہوتی ہے آزمائش کرلو۔شعر:۔

گر تو خواہی زیستین با آبرو ذکر او کن ذکر او کن ذکر او

ہر گدارا ذکر او سلطان کند ذکر او مرزیور ایمان بود

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش وکرسی نہ فلک

۶؎ یعنی دنیاوی کلام سے خاموشی اختیار کرو ذکر اللہ سے خاموشی مراد نہیں ۷؎ کیونکہ قریباً اسی فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں زبان بند رکھو گناہ کم کروگے تم پر شیطان کا داؤ کم چلے گا خاموشی میں ذکر وفکر کا زیادہ موقع ملے گا ۸؎ کیونکہ زیادہ ہنسی دل غافل کردیتی ہے دل کی غفلت اس کی موت ہے قلب بیدار زبان ذاکر جسم صابر اللہ تعالٰی کی نعمتیں ہیں ۹؎ یعنی اگر حق بات لوگوں کو بری معلوم ہو تم پر اس کی وجہ سے کچھ تکلیف بھی آجائے مگر کہو ہمیشہ حق بات اس حق بات سے مراد لوگوں کو اچھی نصیحتیں کرنا ہے ۱۰؎ لوگوں کے ڈر سے اچھے کلام اچھے کام نہ چھوڑ دو دین پر سختی سے قائم رہو لوگ خواہ زندہ باد کہیں یا مردہ باد ۱۱؎ یعنی لوگوں کو ان عیوب پر ملامت نہ کرو جو تم میں خود موجود ہیں پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی خیال رہے کہ اچھی باتیں بتانا اور چیز ہے اور عیب جوئی کچھ اور اپنے کو سب سے ناقص جانو۔شعر:۔

غافل ازایں خلق از خود اے پسر لاجرم گویند عیب یک دگر

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۶۴۸) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

قَالَ يَا اَبَاذَرٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِى الْمِيْزَانِ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلْقِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَاعَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ)

علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر کیا میں تم کو ایسی دو خصلتوں پر رہبری نہ کروں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں۱ ترازو میں بھاری ہیں۲ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں تو فرمایا دراز خاموشی اور اچھی عادت۳ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔مخلوق نے ان دو جیسے کام نہ کیے۔ہوں گے۴

(۴۶۴۸) ۱یعنی ان پر عمل کرنا آسان ہے کچھ مشکل نہیں چونکہ عمل میں پیٹھ کا بھی دخل ہوتا ہے اس لیے عمل کے لیے پیٹھ کا لفظ استعمال فرمایا جاتا ہے نیز بوجھ پیٹھ پر ہی اٹھائے جاتے ہیں پیٹھ ہی ہلکا بھاری بوجھ محسوس کرتی ہے بہرحال کلام بڑا فصیح ہے یا مراد ہے زبان کی پیٹھ۲ یعنی کل قیامت میں یہ خصلتیں جب گناہوں سے تولی جائیں گی تو یہ بھاری ہوں گی گناہ ہلکے ہوجائیں گے قیامت میں ہمارے کام وکلام کی شکل وصورتیں بھی ہوں گی ان میں وزن بھی ہوں گے وہاں نیکیوں کا وزن اخلاص سے ہوگا۳ خاموشی سے مراد دنیاوی باتوں سے خاموشی جس کے ساتھ فکر بھی ہے اللہ کے ذکر سے خاموشی اچھی نہیں۔اچھے اخلاق سے مراد ہے خلق وخالق کے حقوق ادا کرنا نرم وگرم حالات میں شاکر وصابر رہنا چونکہ خاموشی اور صبر وشکر میں کوئی خاص محنت نہیں پڑتی بلکہ ان کے ترک میں محنت ہوتی ہے اس لیے انہیں ہلکا فرمایا گیا۴ کیونکہ ان کے فائدے دین ودنیا دونوں جگہ دیکھے جائیں گے واقعی ان دو کاموں سے بڑھ کر معاملات کا کوئی کام نہیں۔یہاں معاملات کے مقابلہ میں عظمت بیان فرمائی گئی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّا لنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِىْ بَكْرٍ وَّهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَقَالَ لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْ بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ (رَوَى الْبَيْهَقِىُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۶۴۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر پر گزرے حالانکہ آپ اپنے کسی غلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے۱ تو ان کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ برا کہنے والے بھی اور صدیق بھی قسم رب کعبہ کی ہرگز نہیں۲ تو اس دن جناب ابوبکر نے کچھ غلام آزاد کیے۳ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا اب کبھی نہ کروں گا۴ یہ پانچوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

(۴۶۴۹) ۱یہاں لعنت سے لغوی لعنت مراد ہے برا بھلا کہنا یا بددعا کرنا شرعی لعنت جو کفار سے خاص ہے مراد نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لعنت سے توبہ کراتے۲ یعنی تم تو خالق ومخلوق کے نزدیک صدیق ہو پھر تم کسی کو برا بھلا کیسے کہتے ہو یہ دو صفتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوتیں صدیق کے لیے صبر ضروری ہے مطلب یہ ہے کہ تم میں یہ عیب نہیں ہونا چاہیے نہایت ہی نفیس نصیحت ہے۳ یہ غلام آزاد کرنا اس غلطی کے کفارہ کے لیے تھا جو بلاشعور آپ سے سرزد ہوگئی یہ ہے انتہائی تقویٰ بھلائیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۴ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہا۔اپنی فطرت کو نبوت کے سانچہ میں ڈھال لیا۔

وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ دَخَلَ يَوْمًا عَلٰى اَبِىْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهٗ فَقَالَ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ

(۴۶۵۰) روایت ہے حضرت اسلم سے۱ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب عمر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے وہ اپنی زبان کھینچ

لَكَ فَقَالَ لَهُ اَبُوْ بَكْرٍ اِنَّ هٰذَا اَوْ رَدَنِيَ الْمَوَارِدَ . (رَوَاهُ مَالِكٌ)

رہے تھے[۲] تو حضرت عمر نے ان سے عرض کیا ٹھہر یئے اللہ آپ کو بخشے تو ان سے جناب ابوبکر نے فرمایا کہ اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں لا ڈالا[۳] (مالک)

(۴۶۵۰)[۱] آپ تابعی ہیں آپ کی کنیت ابو خالد ہے حبشی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے جنہیں حضرت فاروق نے مکہ معظمہ میں ۱۱ھ میں خریدا آپ کی عمر ایک سو چودہ سال ہوئی مروان کے زمانہ میں وفات پائی ۸۰ اسی ہجری میں[۲] اپنی زبان شریف کو کھینچ کر مروڑ رہے تھے یا اسے باہر نکال ڈالنے کی کوشش فرما رہے تھے گویا اپنی زبان کو سزا دے رہے تھے[۳] یہ انتہائی خوف خدا کی دلیل ہے حضرت صدیق کی زبان صدق کے سواء کیا بولے گی مگر پھر بھی اپنے کو قصوروار کہتے ہیں جیسے حضرات انبیاء کرام نے اپنے کو ظالم، خاسر وغیرہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا شعر:

زاہداں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از اطاعت استغفار

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اضْمِنُوْا لِيْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ .

(۴۶۵۱) روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے نفس کی طرف سے میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں[۱] جب بات کرو تو سچ کہو جب وعدہ کرو تو پورا کرو[۲] جب امین بنائے جاؤ تو ادا کرو[۳] اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو[۴] اپنی نگاہیں نیچے رکھو[۵] اپنے ہاتھ روکو۔

(۴۶۵۱)[۱] یعنی تم چھ عادتیں ڈال لو ان کیخلاف نہ کرو تو میں تمہارے جنتی ہونے کا ضامن ہوتا ہوں تم ضرور جنتی ہو گے بلکہ وہاں کا اعلیٰ درجہ پاؤ گے[۲] وعدہ سے مراد جائز وعدہ ہے وعدہ کا پورا کرنا ضروری ہے مسلمان سے وعدہ کرو یا کافر سے عزیز سے وعدہ کرو یا غیر سے استاذ، شیخ، نبی، اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے تمام وعدے پورے کرو ہاں اگر کسی حرام کام کا وعدہ کیا ہے اسے ہرگز پورا نہ کرے حتیٰ کہ حرام کام کی نذر پوری کرنا حرام ہے[۳] امانت مال کی ہو یا بات کی یا کسی اور چیز کی ضرور ادا کرے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی رات حضرت علی سے فرمایا کہ ان خونخوار کفار کی امانتیں میرے پاس ہیں وہ تم ادا کر دینا امانت اور غنیمت میں بڑا فرق ہے[۴] نہ اس سے حرام کاری کرو نہ خاوند بیوی کے سوا کسی پر ظاہر ہونے دو فروج سے مراد مرد عورت کی ستر غلیظ ہے[۵] چلو پھرو تو نیچی نگاہ سے بیٹھو تو نیچی نگاہ سے تاکہ غیر محرم کے دیکھنے سے بچو یہ حکم مرد و عورت دونوں کو ہے جہاں اوپر دیکھنا ضروری ہے یا جائز ہے وہاں ضرور دیکھو، عالم، ماں باپ کا چہرہ، چاند وغیرہ ضرور دیکھو۔ یہاں شرم حیاء کا ذکر ہے۔[۶] کہ اپنے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ کرو اس سے ناجائز چیز نہ چھوؤ۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَّاَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ

(۴۶۵۲) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم اور اسماء بنت یزید سے[۱] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب دیکھے جائیں تو اللہ یاد آجائے[۲] اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی سے چلیں۔ دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے

الْبُرَآءَ الْعَنَتَ ۔ والے۳ پاک لوگوں میں عیب ڈھونڈنے والے۴

(رَوَاهُمَا اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَان) (احمد، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۶۵۲)۱؎ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری شامی ہیں۔جلیل القدر تابعی ہیں آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے حضرت معاذ ابن جبل کے ساتھ رہے۔اسماء بنت یزید ابن سکن صحابیہ ہیں اسی لیے شارحین فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ حضرت اسماء کا نام شریف پہلے ذکر کیا جاتا ۲؎ یعنی ان کے چہروں پر انوار و آثار عبادت ایسے ہوں کہ انہیں دیکھتے ہی رب یاد آجائے ان کے چہرے آئینہ خدا نما ہوں حضور فرماتے ہیں کہ علی کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے آپ کو جو دیکھتا تھا کہتا تھا لا الہ اللہ کیسا کریم بہادر حلیم جوان ہے (مرقات) بعض لوگوں کے پاس بیٹھنے سے قلب جاری ہوجاتا ہے حضور داتا صاحب کے مزار مقدس پر پہنچ کر دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔مصری عورتوں نے جمال یوسفی دیکھتے ہی کہا تھا حاش للہ یہ ہے اللہ کی یاد آجانا یہاں حضرت شیخ عبدالحق نے فرمایا۔کہ میں ایک بار مکہ معظمہ کے بازار میں سرنیچا کیے جارہا تھا کہ اچانک ایک شخص پر نظر پڑی میرے منہ سے فوراً نکلا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اشعہ) ۳؎ معلوم ہوا کہ فساد و نفاق کے لیے چغلی کھانا ممنوع ہے۔صلح کرانے کے لیے ایک دوسرے کو اچھی باتیں پہنچانا عبادت ہے ۴؎ باغون جمع باغی کی جس کا مادہ بغی ہے بمعنی چاہنا ڈھونڈنا براء جمع ہے بری کی بمعنی دور یعنی جو عیب سے دور ہوں ان میں عیب جوئی کرنے والے۔اپنے عیب ڈھونڈنا عبادت ہے۔دوسروں کے عیب ڈھونڈنا برا ہے خیال رہے کہ اللہ کے مقبول بندوں میں عیب جوئی کفر ہے بعض بدنصیبوں کو نبیوں ولیوں میں عیب جوئی کی عادت ہوتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَعِيْدُوْا وُضُوْءَ كُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَا لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اغْتَبْتُمْ فُلَانًا ۔

(۴۶۵۳) روایت ہے ابن عباس سے کہ دو شخصوں نے نماز ظہر یا عصر پڑھی۔اور وہ دونوں تھے روزہ دار ۱؎ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا کہ اپنے وضو اپنی نمازیں لوٹاؤ اور اپنے روزوں میں گزر جاؤ (پورے کرلو) اور دوسرے دن ان کی قضا کرو ۲؎ وہ بولے یارسول اللہ کیوں فرمایا تم نے فلاں کی غیبت کی۔

(۴۶۵۳)۱؎ یعنی یہ دونوں روزہ دار بھی تھے۔مدینہ منورہ کی سرزمین میں بھی مسجد نبوی شریف میں بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے انہوں نے نماز بھی پڑھی اتنی خوبیوں کے ساتھ انہوں نے کسی مسلمان کی غیبت بھی کرلی ۲؎ قرآن کریم نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے: اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (۱۲:۴۹) اور ظاہر ہے گوشت کھانے خون پینے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے نماز بھی خلاصہ یہ ہے کہ گناہ نیکیوں کا کمال دور کردیتے ہیں جیسے نیکیاں اصل گناہوں کا زوال کردیتی ہیں۔نیز غیبت کی وجہ سے غیبت کرنے والے کی نیکیاں مغتاب کو دے دی جاتی ہیں اس کا روزہ نماز مغتاب کو دے دیا گیا یہ بغیر روزہ نماز رہ گیا۔لہذا اسے دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے نماز پڑھی ہوئی بیکار ہوجاتی ہے ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہے (مرقات) باقی حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نماز کا کمال ٹوٹ جاتا ہے بہرحال یہ حکم عالی تنبیہ فرمانے کے لیے ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّجَابِرٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ

(۴۶۵۴) روایت ہے ابوسعید و جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے ۱؎ لوگوں نے عرض

اللّٰہِ وَ کَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ وَ اِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ لَا یَغْفِرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَ لَہٗ صَاحِبُہٗ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَنَسٍ قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا یَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِیْبَۃِ لَیْسَ لَہٗ تَوْبَۃٌ ۔ (رَوَی الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

کیا یارسول اللہ غیبت زنا سے سخت کیسے ہے فرمایا کوئی شخص زنا کرتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اسے بخش دیتا ہے اور غیبت والے کی بخشش نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کا صاحب وہ معاف کرے[۲] اور حضرت انس کی روایت ہے کہ فرمایا زنا والا توبہ کرسکتا ہے اور غیبت والے کی توبہ نہیں[۳] ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

(۴۶۵۴)[۱] یعنی غیبت ہے تو گناہ صغیرہ اور زنا ہے گناہ کبیرہ مگر شدت اور نتیجہ میں غیبت زنا سے بدتر ہے یہ نرمی کی وجہ آگے بیان ہو رہی ہے[۲] خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ زنا گناہ ہے اس کی شرعی سزا بھی بہت سخت ہے مگر ہے حق اللہ جو توبہ سے معاف ہوسکتا ہے غیبت حق العبد ہے کہ توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے اگر وہ مرگیا تو اس کی معافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ حق اللہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ بندے کے معاف کرنے سے معاف نہ ہو حق العبد کی پہچان یہ ہے کہ بندے کے معاف کرنے سے معاف ہوجائے زنا حق اللہ قتل حق العبد اسی لیے قتل کا قصاص ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے زنا اگر زانی مزنیہ کے سارے عزیز معاف کردیں اس کی سزا معاف نہیں ہوتی[۳] اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ غیبت کا گناہ توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوتا۔ اس کی معافی کے لیے مغتاب کا معافی دینا ضروری ہے دوسرے یہ کہ لوگ زنا کو سخت گناہ سمجھتے ہیں اس لیے توبہ کر لیتے ہیں مگر غیبت کو معمولی چیز سمجھ کر اس سے توبہ نہیں کرتے حالانکہ یہ سخت گناہ ہے اس لیے زنا کبھی کوئی کرتا ہے مگر غیبت سب ہمیشہ کر لیتے ہیں الا ماشاء اللہ یہ وبا عام ہے اس کو لوگ برا بھی نہیں سمجھتے اس سے بچو (مرقات)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ کَفَّارَۃِ الْغِیْبَۃِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَہٗ تَقُوْلُ اَللّٰہُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَہٗ ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْکَبِیْرِ وَقَالَ فِیْ ہٰذَا الْاِسْنَادِ ضُعْفٌ)

(۴۶۵۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے کفارہ میں سے یہ ہے کہ تو اس کے لیے دعاء مغفرت کرے جس کی تو نے غیبت کی ہے۔ کہے کہ الٰہی ہم کو اور اس کو بخش دے[۱] (بیہقی دعوات کبیر) اور بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

(۴۶۵۵)[۱] اس فرمان عالی کے بہت معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ گئی تب تو وہ حق العبد بن گئی اس سے جا کر معافی مانگے اور اگر اس کی خبر غیبت والے کو نہ پہنچی تو حق اللہ سے توبہ کرے مگر اس توبہ میں غیبت والے کو بھی شامل کرے دوسرے یہ کہ اگر غیبت والا زندہ ہے تو اس سے معافی مانگے اور اگر مرچکا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ تیسرے یہ کہ غیبت والے سے معافی مانگے اگر وہ معاف کردے تو خیر اگر معاف نہ کرے تو اس کے لیے دعاء مغفرت کرے مولانا علی قاری نے فرمایا کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ جائے تو حق العبد ہوجاتی ہے اگر خبر نہ پہنچے تو حق اللہ رہتی ہے مگر میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ نے فرمایا۔ کہ غیبت بہرحال حق العبد ہے خواہ اسے خبر پہنچے یا نہ پہنچے جیسے کسی کا مال مار لینا بہرحال حق العبد ہے خواہ مال والے کو خبر پہنچے یا نہ پہنچے کیونکہ غیبت سے غیبت والے کی آبروریزی ہوتی ہے اور آبرو بھی مال کی طرح حق العبد ہے اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ مردے کی غیبت

زندہ کی غیبت سے سخت تر ہے کہ مردے سے معافی نہیں مانگی جاسکتی۔اس میں اختلاف ہے کہ غیبت والے سے معافی مانگے تو اجمالاً مانگے یا تفصیلاً یعنی یہ بتا کر معافی مانگے کہ میں نے تجھے یہ کہا تھا یا صرف یہ کہہ دے کہ میں نے تیری غیبت کی تھی مجھے معاف کردے۔

بَابُ الْوَعْدِ — وعدے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

لغت میں اچھی چیز کی امید دلانے یا بری چیز سے ڈرانے ان دونوں کو وعدہ کہا جاتا ہے اصطلاح میں کسی چیز کی امید دلانے کو وعدہ کہتے ہیں بری چیز سے ڈرانے کو وعید۔ میں تم کو کچھ دوں گا وعدہ ہے تم کو سزا دوں گا وعید ہے۔ یہاں وعدہ اصطلاحی مراد ہے خلاف وعدہ کرنا جھوٹ ہے خلاف وعید کرنا معافی، وعدہ خلافی بری چیز ہے معافی اچھی چیز ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَآءَ اَبَا بَكْرٍ مَالٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَّنْ كَانَ لَهٗ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قِبَلَهٗ عِدَّةٌ فَلْيَاْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْطِيَنِيْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ جَابِرٌ فَحَثَا لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ قَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۵۶) روایت ہے جابر سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر کے پاس علاء بن حضرمی کے پاس سے مال آیا[1] تو جناب ابوبکر نے اعلان فرمایا کہ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرض ہو یا اس سے حضور کا کوئی وعدہ ہو تو ہمارے پاس آئے[2] حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے اتنا اور اتنا اور اتنا دیں گے[3] آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے[4] حضرت جابر کہتے کہ جناب صدیق نے مجھے ایک لپ بھر دیا[5] میں نے گنا تو وہ پانچ سو تھے فرمایا اس کے دوگنے اور لے لو[6] (مسلم، بخاری)

(۴۶۵۶) [1] علاء ابن حضرمی صحابی ہیں حضرموت کے رہنے والے ان کا نام عبداللہ ہے حضور انور نے انہیں یمن کا حاکم مقرر فرمایا عہد صدیقی وفاروقی میں بھی اسی عہدے پر رہے حتی کہ ۱۴ اچودہ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہاں یمن سے مال آنے کا ذکر ہے (مرقات) [2] اور ہم سے حضور کا قرض وصول کرے حضور کا وعدہ پورا کرائے اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ وعدہ مثل قرض کے ہے دوسرے یہ کہ مرحوم کی طرف سے اس کے قرض ادا کردینا اس کے وعدے پورے کرنا سنت ہے خواہ کوئی میت کا عزیز کرے یا کوئی اور اس وجہ سے حضرت صدیق باغ فدک کی آمدنی حضور کے اہل پر خرچ کرتے تھے (مرقات) [3] یعنی تم کو تین لپ بھر کر درہم دینار عطا فرمائیں گے یہ وعدہ عطیہ خسروانہ عنایت شاہانہ کے طور پر تھا[4] یعنی حضور انور نے اپنے لپ بھر کر عطا کا وعدہ فرمایا تھا نہ کہ میرے لپ بھر کر[5] معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست کرم تھا کہ حضور انور نے اپنے لپ بھر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت صدیق اکبر نے اپنا ہاتھ بھر کر ان کی جھولی میں ڈالا تھا[6] آپ نے خود تین لپ بھر کر نہ دیئے تاکہ اصل اور نائب کے لپ میں فرق رہے خیال رہے کہ آپ نے حضرت جابر سے اس وعدہ پر گواہی نہیں مانگی نہ قسم لی کیونکہ معاملات میں گواہی منکر کے مقابل ہوتی ہے یہاں کوئی منکر تھا نہیں اور حضرات صحابہ ثقہ عادل

ہیں ان کے قول بغیر قسم قبول ہیں وہ حضرات حضور سے احادیث روایت کرتے ہیں تو ان پر نہ جرح ہوتی ہے نہ ان سے قسم لی جائے اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کی تقسیم نہیں ورنہ حضرت جابر جناب فاطمہ زہرا یا حضرت عباس سے یہ وعدہ پورا کراتے دوسرے یہ کہ جو ذات کریم ایسی دیانتدار ہو وہ خلافت جیسی اہم چیز کبھی غصب نہیں کرسکتی حضرت صدیق اکبر خلیفہ برحق ہیں دیانتدار ہیں رسول اللہ صلی اللہ کے سچے جانشین اسلام کے پہلے تاجدار ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهٗ وَاَمَرَ لَنَا بِثَلٰثَةَ عَشَرَ قُلُوْصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَاَتَانَا مَوْتُهٗ فَلَمْ يُعْطُوْنَا شَيْئًا فَلَمَّا قَامَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ فَلْيَجِئْ فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ فَاَمَرَ لَنَا بِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۵۷) روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے[1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگت والا دیکھا کہ بڑھاپا آگیا تھا[2] اور حضرت حسن بن علی آپ کی ہم شکل تھے[3] اور ہمارے لیے تیرہ اونٹنیوں کا حکم جاری فرمایا۔ہم قبضہ کرنے گئے تو ہم کو آپ کی وفات کی خبر پہنچ گئی[4] لوگوں نے ہم کو کچھ نہ دیا[5] پھر جب حضرت ابوبکر قائم مقام ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس کا کوئی وعدہ ہو وہ آئے[6] میں آپ کی طرف گیا میں نے آپ کو یہ خبر دی تو آپ نے ہمارے لیے ان کا حکم دیا[7] (ترمذی)

(۴۶۵۷)[1] آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے کنیت ابو جحیفہ لڑکپن میں حضور سے ملاقات کی کوفہ میں قیام رہا حضرت علی نے آپ کو وزیر خزانہ بنایا آپ کے ساتھ تمام جنگوں میں شامل رہے کوفہ میں ۷۴ھ چوہتر میں وفات پائی وہاں ہی مزار ہے[2] سفید مائل بہ سرخی خالص چٹا نہیں سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں بیس بال شریف سفید ہوئے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے[3] سر سے ناف تک حضرت حسن حضور کے ہم شکل تھے ناف سے قدم تک حضرت حسین حضور کے ہم شکل تھے اور از سرتاپا جناب فاطمہ زہرا ہم شکل مصطفی تھی اس لیے حضرت معاویہ امام حسن کو اپنے تخت پر بٹھاتے تھے اور آپ کا نہایت درجہ احترام فرماتے تھے کہتے تھے کہ یہ ہم شکل رسول آل رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم[4] یعنی ہماری قوم کے لیے حضور انور سے تیرہ اونٹنیاں لے لینے کا حکم جاری فرمایا مدینہ منورہ سے کچھ دور جہاں حضور انور کی وفات کی خبر شائع ہوگئی[5] یعنی جو اصطبل کے منتظم تھے انہوں نے ہم کو یہ اونٹنیاں نہ دیں کیونکہ حضور انور کی طرف سے ہبہ تو ہوگیا تھا مگر ابھی قبضہ نہیں ہوا تھا اور ہبہ بغیر قبضہ مکمل نہیں ہوتا اس لیے ان لوگوں کو اونٹنیاں دینے قبضہ کرانے کا حق نہ تھا[6] جب خلافت کا معاملہ مکمل ہوگیا اور حالات پرسکون ہوگئے تب آپ نے یہ اعلان فرمایا اس لیے فلما قام فرمایا (مرقات)[7] یعنی ان اونٹنیوں پر قبضہ کرلینے کا حکم جاری فرمایا خیال رہے کہ بہت سے وعدے اکیلے میں کیے جاتے ہیں جن پر گواہ نہیں ہوتے اگر جناب صدیق گواہی کی قید لگاتے تو حضور انور کے بہت سے وعدے پورے نہ ہوسکتے اس لیے انہوں نے بغیر گواہ وعدے جاری فرمائے۔نیز حضرات صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔وہاں جھوٹ کا احتمال نہیں دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ وَبَقِيَتْ

(۴۶۵۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الحمساء سے[1] فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے

لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُّهُ اَنْ اٰتِيَهُ بِهَا فِيْ مَكَانِهٖ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِيْ مَكَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضور سے خرید وفروخت کی۲ اور آپ کا کچھ بقایا رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ وہ چیز لاتا ہوں پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا تو حضور انور اس جگہ تھے۳ فرمایا کہ تم نے مجھ پر مشقت ڈال دی میں تین دن سے یہاں ہی تمہارا انتظار دیکھ رہا ہوں۴ (ابوداؤد)

(۴۶۵۸)۱ حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبداللہ ابن ابی الحمساء ہے یعنی میم سین سے پہلے ہے مصابیح میں "حسماء" لکھا گیا ہے آپ عامری ہیں کی ہیں مگر بصرے میں قیام رہا (اشعہ)۲ یہ بیع منابضہ تھی یعنی سامان کے عوض سامان کی اس لیے بایعت باب مفاعلت سے فرمایا (مرقات) یہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علی وسلم کی صداقت و دیانت کس شان کی تھی اور نبوت کے ظہور سے پہلے کیسے سچے تھے۳ عبداللہ نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ کا بقایا اسی جگہ لاتا ہوں حضور مجھے یہاں ہی ملیں حضور انور نے قبول فرمالیا تھا کہ تم کو یہاں ہی ملوں گا یہ ملنے کا وعدہ حضور کی طرف سے ہوا تھا لہذا حدیث واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں ٹھہرنا۔ اپنا مال لینے کے لیے نہ تھا اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا مال تو ان کے گھر جا کر بھی وصول کیا جا سکتا تھا سچ اور وعدہ پورا کرنا تمام نبیوں کی سنت ہے اللہ تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (۵۳:۳۷) اور ابراہیم کے جو پورے احکام بجالایا۔ (کنزالایمان) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (۱۹:۵۴) بےشک وہ وعدے کا سچا تھا۔ (کنزالایمان)

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهٖ اَنْ يَّفِيَ لَهٗ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِيْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۴۶۵۹) روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت پورا کرنے کی ہو۔ پھر پورا نہ کرسکے وعدہ پر نہ آسکے تو اس پر گناہ نہیں ہے۱ (ابوداؤد، ترمذی)

(۴۶۵۹)۱ جائز وعدہ پورا کرنا عام علماء کے نزدیک مستحب ہے وعدہ خلافی مکروہ بعض علماء کے نزدیک ایفاء وعدہ واجب ہے۔ وعدہ خلافی حرام ہے یہ حدیث ان ہی حضرات کی دلیل ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر وعدہ کرنے والا پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے پورا نہ کرسکے تو وہ گنہگار نہیں یوں ہی اگر کسی کی نیت وعدہ خلافی کی ہو مگر اتفاقاً پورا کردے تو گناہگار ہے اس بدنیتی کی وجہ سے ہر وعدہ میں نیت کو بڑا دخل ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِّ اَنْ تُعْطِيَهٗ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِيَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْلَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ

(۴۶۶۰) روایت ہے حضرت عبداللہ بن عامر سے۱ فرماتے ہیں مجھے میری ماں نے ایک دن بلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف فرما تھے وہ بولیں آ تجھے دوں گی۲ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں کیا دینا چاہتی ہو۳ بولیں میں نے اسے کھجوریں دینے کا ارادہ کیا تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تم پر جھوٹ لکھا جاتا۴

كَذِبَةٌ . (اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

(۴۶۶۰) ۱؎ آپ عبداللہ ابن عامر ابن کریز ابن حبیب ابن عبدشمس ابن عبدمناف ہیں قرشی ہیں حضرت عثمان غنی کے ماموں ہیں تیرہ برس کی عمر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے خلافت عثمانی میں بصرہ وخراسان کے حاکم رہے امیر معاویہ نے آپ کو اس عہدہ پر قائم رکھا۔خراسان کے فاتح آپ ہی ہیں فارس، اصفہان، کرمان، حلوان وغیرہ آپ نے ہی فتح کیے۔بصرہ کی نہر آپ نے ہی کھدوائی بڑے عالم سخی عابد تھے ۵۹ انسٹھ ہجری میں وفات پائی (مرقات واشعہ) ۲؎ چھوٹے بچے ضد کرکے گھر سے بھاگ جاتے ہیں۔جب ماں کچھ دینے کا بہانہ کرکے بلاتی ہے تب آتے ہیں یہ ہی واقعہ یہاں ہوا تھا ۳؎ یعنی تم نے جو کہا کہ تجھے کچھ دوں گی یہ جملہ خبریہ ہے جس میں سچ کا بھی احتمال ہے جھوٹ کا بھی بتاؤ تم اس بچہ کو کچھ دوگی یا نہیں اگر دینا نہیں ہے تو یہ کلام جھوٹا ہوا۔ ۴؎ یہ فرمان عالی بہت ہی سبق آموز ہے کہ ماں چھوٹے بچوں کو جھوٹے بہانہ سے نہ بلائے غلط خبر نہ دے کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَّعَدَ رَجُلاً فَلَمْ يَاتِ اَحَدُهُمَا اِلٰى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِىْ جَآءَ لِيُصَلِّىَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ . (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۴۶۶۱) روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی شخص سے وعدہ کرے پھر ان میں سے ایک نماز کے وقت تک نہ آئے ۱؎ اور جانے والا نماز کے لیے چلا جائے تو اس پر گناہ نہیں ۲؎ (رزین)

(۴۶۶۱) ۱؎ یعنی دو مسلمانوں نے آپس میں وعدہ کیا کہ ہم فلاں وقت فلاں جگہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے وہاں آجانا ۲؎ یعنی ان دونوں سے ایک آدمی تو وقت پر پہنچ گیا دوسرا نہ پہنچا کہ وقت نماز آگیا یہ پہنچ جانے والا نماز کو چلا گیا۔پھر اس کے پیچھے دوسرا آیا تو وہ نماز کو چلا جانے والا گنہگار نہیں ہوا وہ اپنے وعدہ پر پہنچ گیا تھا۔خیال رہے کہ جو حدیث شریف میں گزرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعدے کے موقع پر تین دن ایک ہی جگہ قیام فرمایا وہ واقعہ فرضیت نماز بلکہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا مستحب ہے نماز فرض ہے۔جماعت مستحب کے لیے فرض یا واجب نہیں چھوڑا جاسکتا۔

بَابُ الْمُزَاحِ — خوش طبعی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

مزاح میم کے پیش سے بھی آتا ہے میم کے کسرہ سے بھی۔میم کے پیش سے ہو تو خوش دلی کی بات مراد ہوتی ہے۔میم کے کسرہ سے دل خوش بات کرنا۔ایسی بات جس سے اپنا اور سننے والے کا دل خوش ہو جائے مزاح ہے اور جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے کسی کا مذاق اڑانا سخریہ ہے مزاح اچھی چیز ہے سخریہ بری بات ہے جن احادیث میں ہے کہ حضور انور نے مزاح سے منع فرمایا وہاں تحریہ مراد ہے یا ہمیشہ دل لگی کرتے رہنا ہنسے ہنساتے رہنا کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے۔غفلت طاری ہو جاتی ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی خوش طبعی کرنا ثابت ہے جیسا کہ اس باب میں آئے گا اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی خوش طبعی کرنا سنت مستحبہ ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخَالِطُنَا حَتّٰی يَقُوْلَ لِاَخٍ لِّیْ صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ كَانَ لَهٗ نُغَيْرٌ يَّلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۶۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے[1] حتی کہ میرے بھائی سے کہتے تھے[2] کہ اے ابوعمیر چڑیا کیا ہوئی[3] ان کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتے تھے وہ مرگئی[4] (مسلم، بخاری)

(۴۶۶۲)[1] بعض روایات میں ہے: لیخاطبنا یعنی ہم سے کلام فرماتے تھے[2] ابوعمیر حضرت انس کے چھوٹے بھائی تھے اخیافی ان کے باپ کا نام زید ابن سہیل تھا کنیت ابوطلحہ۔ ابوعمیر کا نام کبشہ تھا (مرقات) [3] بعض شارحین نے فرمایا کہ نغیر بلبل کا نام ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ کوئی اور چڑیا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے حضور کا یہ فرمان حضرت ابوعمیر کو تسکین دینے یا ان کا دل بہلانے کے لیے تھا[4] اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ چڑیا پالنا اسے پنجرے میں رکھنا اس سے بچوں کا کھیلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کے دانہ پانی آرام کا خیال رکھے۔ دوسرے یہ کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا درست ہے۔ ورنہ چڑیا کا پنجرہ میں رکھنا بھی حرام ہوتا' جیسا کہ حرم مکہ کا حال ہے کہ وہاں نہ تو شکار کرنا درست ہے نہ شکار کو پنجرے وغیرہ میں رکھنا درست تیسرے یہ کہ معلوم بات کا پوچھنا کسی اچھے مقصد کے لیے درست ہے حضور کو خبر تھی کہ چڑیا مرگئی پھر بھی پوچھ رہے کہ چڑیا کیا ہوئی چوتھے یہ کہ بچوں سے خوش طبعی کرنا ان کا دل بہلانے کے لیے جائز ہے پانچواں یہ کہ ہم وزن نام بولنا درست ہے جیسے حضور انور نے فرمایا: ابوعمیر، نغیر۔ خیال رہے کہ کبوتر پالنا درست ہے کبوتر بازی حرام ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۶۶۳) روایت ہے ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں[1] فرمایا ہم نہیں کہتے مگر سچی بات[2] (ترمذی)

(۴۶۶۳)[1] یعنی آقا حضور دونوں جہاں کے والی ہیں ہم لوگ نوکر چاکر حضور کے خدام ہیں۔ ہم جیسوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش طبعی فرمانا حیرت در حیرت ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت خوش طبعی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ تب یہ عرض کیا[2] یعنی وہ دل لگی و مذاق حرام ہے جس میں جھوٹ بولا جائے یا کسی کو ذلیل کیا جائے ہماری خوش طبعی میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں لہذا یہ جائز ہے خیال رہے کہ ہر وقت دل لگی و مذاق ہیبت دور کردیتا ہے اس لیے کبھی کبھی شاذونادر ہی چاہیے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۶۴) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو فرمایا کہ ہم تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کریں گے[1] وہ بولا میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے[2] (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۶۶۴)[1] اصطلاح میں اونٹنی کا بچہ چھوٹے اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے لائق نہ ہو یہ ہوئی خوش طبعی وہ صاحب بھی یہ ہی سمجھے کہ حضور

انور مجھے چھوٹا سا اونٹنی کا بچہ عطا فرمائیں گے اس پر انہوں نے وہ عرض و معروض کی جو آگے آ رہی ہے ۲؎ یعنی اونٹ بڑا ہو کر بھی اونٹنی کا ہی بچہ رہتا ہے کسی اور جانور کا بچہ نہیں بن جاتا معلوم ہوا کہ خوش طبعی میں کسی لفظ کے بعید معنی مراد لینا جائز ہے

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ یَاذَاالْاُذُنَیْنِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۴۶۶۵) روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ اے دو کانوں والے ۱؎ (ابوداؤد، ترمذی)

(۴۶۶۵) ۱؎ حضرت انس کے دونوں کان کسی قدر بڑے تھے اس لیے انہیں دو کان والے فرمایا جیسے خرباق ابن ساریہ کو ذوالیدین فرمایا کرتے تھے یا حضرت انس کی قوت سماعت بہت قوی تھی یا آپ بہت ذکی و ذہین تھے بہر حال اس فرمان عالی میں حضرت انس کی تعریف بھی ہے اور خوش طبعی بھی یہ ہے اس سید الصادقین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی (مرقات)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَاَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَهَا اَمَا تَقْرَئِیْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا۔ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَّفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ)

(۴۶۶۵) روایت ہے انہیں سے ۲؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے ایک بوڑھی سے فرمایا ۳؎ کہ جنت میں بوڑھی نہ جائے گی۔ وہ بولی ان کا کیا بنے گا ۴؎ وہ قرآن پڑھتی تھیں ۵؎ فرمایا کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتی کہ ہم انہیں پیدا کریں گے دوبارہ پیدائش تو انہیں کنواریاں بنادیں گے ۶؎ (رزین) اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ سے ہے۔

(۴۶۶۵) ۱؎ ان بی بی صاحبہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی دعا کرائی تب یہ فرمایا یہ بی بی صاحبہ غالباً حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت زبیر ابن عوام کی والدہ یہ واقعہ دو بار ہوا ہے ایک بار حضرت صفیہ سے یہ فرمایا تھا دوسری بار کسی اور بی بی صاحبہ سے رضی اللہ تعالٰی عنہما نہ معلوم یہ کس واقعہ کا ذکر ہے (مرقات) ۴؎ یعنی بوڑھی عورتیں مومنہ صالحہ ہوتی ہیں پھر بھی اگر وہ جنت میں نہ جائیں تو کہاں جائیں گی انہوں نے بہت مایوسی و تعجب سے یہ سوال کیا ۵؎ یعنی وہ بی بی صاحبہ قرآن مجید کی عالمہ نہایت ذکیہ صاحب فہم تھیں تب ہی انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا ۶؎ یعنی جب وہ بوڑھی عورتیں جنت میں جانے لگیں تو بوڑھی نہ رہیں گی بلکہ نوجوان بنادی جائیں گی ہمیشہ کنواریاں رہیں گی لہذا ہم ذات کی نفی کرتے نہیں صفت بڑھاپے کی نفی فرماتے ہیں۔ جنتی عورتوں کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی یہ ہی عمر ہمیشہ رہے گی بعض مفسرین نے انشانا ھن کی ضمیر حوروں کی طرف راجع کی ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ساری عورتیں خواہ حوریں ہوں یا دنیا کی بیویاں سب کی طرف لوٹ رہی ہے سب کی عمر یہ ہی ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ كَانَ اسْمُهٗ زَاهِرَ بْنَ حَرَامٍ وَّكَانَ یُهْدِیْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَادِیَةِ فَیُجَهِّزُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِیَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّهٗ وَكَانَ دَمِیْمًا فَاَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

(۴۶۶۶) روایت ہے انہی سے کہ ایک شخص دیہاتیوں میں سے ان کا نام زاہر بن حرام تھا ۱؎ وہ گاؤں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ لاتے تھے ۲؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سامان دیتے تھے جب وہ جانا چاہتے ۳؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زاہر ہمارے دیہاتی بھائی ہیں اور ہم زاہر کے شہری ہیں ۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے وہ خوب صورت نہ تھے ۵؎ ایک دن

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْماً وَّهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهٗ فَاحْتَضَنَهٗ مِنْ خَلْفِهٖ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهٗ فَقَالَ اَرْسِلْنِيْ مَنْ هٰذَا فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُوْا مَا اَلْزَقَ ظَهْرَهٗ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهٗ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِيْ الْعَبْدَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَّاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے زاہر اپنا سامان بیچ رہے تھے حضور نے ان کو پیچھے سے گود میں لے لیا۶ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتے تھے بولے یہ کون ہیں۔ مجھے چھوڑ دو انہوں نے التفات کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۷ تو انہوں نے کمی نہیں کی اپنی پیٹھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے رگڑنے لگے جب کہ حضور کو پہچان لیا۸ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اس غلام کو کون خریدتا ہے۹ وہ بولے تب تو رب کی قسم آپ مجھے بے قیمت پائیں گے۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو۱۱

(۴۶۶۶)۱ ان خوش نصیب صحابی کے حالات معلوم نہ ہو سکے حتی کہ صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب اکمال میں بھی بیان نہیں کیے کیونکہ یہ صحابی کسی حدیث کے راوی نہیں۲ یعنی دیہاتی چیزیں پھل پھلاری۔ کھیت کی پیداوار وغیرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفہ ہی لایا کرتے تھے۳ یعنی جب زاہر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہری چیزیں بطور ہدیہ وسوغات ان کو دیتے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے گھر لے جائیں۴ یعنی زاہر ہماری دیہاتی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں اور ہم زاہر کی شہری ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں گویا زاہر ہمارا گاؤں ہیں اور ہم زاہر کا شہر یہ اخلاق کریمانہ ہیں کہ اپنے غلاموں نیاز مندوں کو ان القاب سے نوازتے ہیں۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ اگرچہ وہ ویسے ہی تھے جیسے حبشی لوگ خصوصاً دیہاتی ہوتے ہیں۔ شکل ولباس دیہات کا سا۔ دمیم کے معنی ہوتے ہیں بدشکل (مرقات) مگر اس کی شکل پر ہزاروں خوب صورت قربان جسے پیا چاہے وہ سہاگن۶ اس طرح کہ حضور انور ان کے پیچھے بیٹھے انہیں پیچھے سے اپنی گود میں لے لیا۔ ان کی بغلوں میں سے ہاتھ ڈال کر اپنا ہاتھ شریف زاہر کی آنکھوں پر رکھ لیا۔ یعنی پہچانو ہم کون ہیں۔ کاش میں اس وقت زاہر کے پاس ہوتا تو اس کے قدم سے اپنی آنکھیں ملتا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ واقعہ بیچ بازار میں ہو رہا ہے۷ حضرت زاہر پہچان تو پہلے ہی گئے ہوں گے حضور کی خوشبو مہک کسی اور میں کہاں۔ مقصد یہ ہے کہ جب انہوں نے حضور کو آنکھوں دیکھ لیا بذریعہ کنکھیوں کے لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں ایسی خوشبو تھی کہ جس گلی سے گزرتے وہاں کے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگ پہچان جاتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔ شعر:۔

آمدی از پس بہ بازی چشم پوشیدی مرا اے نگاہ دست رنگیں دست بکشا کیستی

۸ حضرت زاہر نے یہ موقع غنیمت جانا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی گود میں لے لیا ہے اور اپنا سینہ میری پشت سے متصل کر دیا ہے ایسے موقع بار بار ہاتھ نہیں آتے اس لیے اپنی پشت کو حضور کے سینہ انور سے خوب مس کیا برکت حاصل کرنے کے لیے معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے خوش طبعی کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور برکت کے لیے بزرگوں کا جسم ان کے کپڑے چھونے سنت صحابہ ہے۹ یہ کلام بالکل حق ہے عبد سے مراد عبداللہ خریدنے سے مراد ہے اس کے عوض دوسرا لانا یعنی کون ہے جو اس جیسا اللہ کا بندہ مجھے دکھائے یا اشتراء میں تجرید ہے لہٰذا بمعنی یاخذ ہے یعنی اس اللہ کے بندے کو کون لیتا ہے مجھ سے (مرقات)۱۰ یعنی مجھ میں نہ شکل نہ عقل نہ رنگ نہ ڈھنگ مجھے کون قبول کرے گا ایسوں کو کون لیتا ہے میں آپ کا کیسے ہو سکتا ہوں۱۱ جو حضور کا ہو جائے وہ بے قیمت کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کی

قیمت سارا جہان نہیں ہوسکتا۔مدینہ منورہ میں ایک صاحب تھے بازار میں جونئی چیز دیکھتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ لے آتے تھے جب چیز کا مالک قیمت مانگتا تو اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے عرض کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں دن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فلاں چیز میں نے حاضر کی تھی اس کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دے دیں یہ تقاضا کررہا ہے حضور تبسم فرما کرفرماتے کہ تم نے تو وہ چیز ہم کو ہدیۃً دی تھی عرض کرتے حضور میرے پاس اس کی قیمت کہاں سے آئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیمت ادا فرماتے مگر ان سے کچھ نہ کہتے (مرقات)

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكٍ هُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ عَلَيَّ وَقَالَ اُدْخُلْ فَقُلْتُ اَكُلِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كُلُّكَ فَدَخَلْتُ قَالَ عُثْمَانُ ابْنُ اَبِي الْعَاتِكَةِ اِنَّمَا قَالَ اَدْخُلُ كُلِّيْ مِنْ صِغَرِ الْقُبَّةِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۶۷) روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا۔آپ چمڑے کے خیمے میں تھے۔میں نے سلام کیا آپ نے مجھے جواب دیا اور فرمایا اندر آجاؤ میں نے کہا پورا یا رسول اللہ فرمایا تم پورے ہی آجاؤ۲؎ میں حاضر ہوگیا۔عثمان ابن عاتکہ فرماتے ہیں۳؎ کہ انہوں نے خیمہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عرض کیا کہ کیا پورا آجاؤں (ابوداؤد)

(۴۶۶۷)۱؎ اصحابی ہیں غزوہ خیبر میں حاضر ہوئے فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ تھا شام میں رہے ۷۳ہجری میں وفات پائی۲؎ سبحان اللہ کیسا پیارا کلام ہے مقصد یہ ہے کہ خیمہ چھوٹا ہے اس میں گنجائش ہے نہیں میں کل پورا کا پورا آجاؤں یا میرا کچھ حصہ آئے ظاہر معنی مراد ہیں۳؎ یہ عثمان تابعی ہیں۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اسْتَاذَنَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ لَا اَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجُزُهُ وَخَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ مُّغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ اَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَمَكَثَ اَبُوْبَكْرٍ اَيَّامًا ثُمَّ اسْتَاذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا اَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا اَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۶۸) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے۱؎ فرماتے ہیں اجازت مانگی حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو حضرت عائشہ کی آواز سنی بلند۲؎ تو جب آئے تو انہیں پکڑا تاکہ طمانچہ ماردیں اور فرمایا میں تم کو نہ دیکھوں کہ تم اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اونچی کرتی ہو۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکنے لگے۴؎ اور حضرت ابوبکر ناراض ہوکر چلے گئے۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ ابوبکر صدیق چلے گئے۔بولو تم نے مجھے کیسا دیکھا میں نے تم کو ان صاحب سے بچالیا ۶؎ راوی کہتے ہیں کہ پھر کچھ دن حضرت ابوبکر ٹھہرے پھر اجازت مانگی ۷؎ تو ان دونوں حضرات کو صلح محبت میں پایا ان سے عرض کیا کہ مجھے اپنی صلح صفائی میں داخل کرلو۸؎ جیسے تم نے مجھے اپنی لڑائی میں داخل کیا تھا۹؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے کرلیا۱۰؎ (ابوداؤد)

(۴۶۶۸)۱؎ آپ کے حالات زندگی بارہا بیان ہوچکے کہ آپ اسلام میں پہلے فرزند ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے۔حضور انور کی وفات

کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ کی تھی آپ کے والدین صحابی ہیں بقیہ حالات بیان کیے جاچکے ہیں ۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا جواب بلند آواز سے دے رہی تھیں یا بے پروائی میں یا غصہ میں محبوب کا غصہ بھی پیارا ہوتا ہے اسی لیے اس پر قرآن کریم میں عتاب نہیں آیا ورنہ قرآن کریم فرماتا ہے: لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (۴۹؍۲) اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے (کنزالایمان) اس جملہ کی روایت تین طرح ہے لا راك میں تم کو دیکھ رہا ہوں۔ لا اراك میں تم کو آئندہ نہ دیکھوں۔ الا اراك کیا میں تم کو نہیں دیکھتا۔ دوسری روایت قوی تر ہے کہ یہ کلمہ نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے گزشتہ پر سزا دینے کے لیے طمانچہ مارنا چاہا اور آئندہ کے لیے منع فرمایا یہ طمانچہ اس تادیب میں سے ہے جو والدین اپنی اولاد کو کیا کرتے ہیں مرقات نے فرمایا کہ یہ کلمہ دعا ہے یعنی خدا کرے میں تم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرتے نہ دیکھوں ۳؎ یا اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کو پکڑ لیا کہ وہ نہ ماریں یا اس طرح کہ حضور انور دونوں کے درمیان آڑ ہوگئے کہ حضرت صدیق و صدیقہ کے درمیان کھڑے ہوگئے ۵؎ حضرت عائشہ صدیقہ پر ناراض ہوکر گھر سے باہر چلے گئے۔ یہ ناراضگی بھی عبادت ہے ۶؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں من ایک نہ فرمایا الرجل فرمایا یعنی بہادر مرد جسے اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تم پر غصہ آیا یہ غصہ ان کی بہادری کی علامت ہے (مرقات) ۷؎ یعنی کچھ روز حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر نہ آئے یا اتفاقًا یا حضرت صدیقہ پر ناراضگی کی وجہ سے پہلا احتمال قوی ہے پھر حاضر ہوئے شاید تین روز کے بعد حاضر ہوئے ۸؎ صلح سے مراد پیار و محبت ہے اور حرب سے مراد وہ ناراضگی جو زوجین کی آپس میں ہوجاتی ہے یہ ناراضگی بھی زیادہ محبت کی بنا پر ہوتی ہے ۹؎ ادخال کی نسبت حضور کی طرف سبب کی بنا پر ہے۔ یعنی آپ دونوں کی شکر رنجی میرے اس معاملے میں دخل دینے کا باعث بنی ۱۰؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فعلنا دوبار فرمایا ایک بار اپنی طرف سے دوسری بار جناب عائشہ صدیقہ کی طرف سے یعنی میں نے اور تمہاری لخت جگر نور نظر عائشہ صدیقہ نے بھی اپنی صلح میں داخل کرلیا اس طرح کہ تم ہمیشہ کے لیے ہمارے ہر کام میں دخیل ہوگئے ہمارے گھر کے تم کار مختار ہوگئے رضی اللہ تعالٰی عنہ اس حدیث کو باب المزاح میں صرف ایک جملہ کی وجہ سے لایا گیا کہ عائشہ دیکھا ہم نے تم کو کیسا بچایا۔

وَعَنْ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۶۶۹) روایت ہے حضرت عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اپنے بھائی سے نہ جھگڑا کرو نہ اس کا مذاق اڑاؤ ۱؎ نہ اس سے کوئی وعدہ کرو جو خلاف کرو ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۶۶۹) ۱؎ آپس کا مذاق جس سے ہر ایک کا دل خوش ہو یہ چند شرطوں سے جائز ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے مگر کسی کا مذاق اڑانا جس سے سامنے والے کو تکلیف پہنچے بہرحال حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے کیونکہ مسلمان کو ایذا دینا حرام ہے ۲؎ یہاں وعدے سے وہ وعدہ مراد ہے جو جائز ہو بعض فقہاء کے نزدیک ایسا وعدہ پورا کرنا واجب ہے۔ اکثر کے ہاں مستحب ہے اگر وعدہ کے وقت انشاء اللہ کہہ دیا جائے تو سب کے نزدیک اس کا پورا کرنا مستحب ہے۔

بَابُ الْمُفَاخَرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ فخر اور تعصب کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

ایک دوسرے پر ذاتی بڑائی ظاہر کرنا کہ میں تجھ سے اونچا ہوں یہ ہے تفاخر یہ کفار کے مقابل یا ضرورت کے وقت مسلمان سے بھی کر سکتے ہیں جبکہ اس میں دینی مصلحت ہونفسانی فخر حرام ہے کہ یہ تکبر ہے اور تکبر حرام۔تعصب بنا ہے عصبٌ سے بمعنی قوت اصطلاح میں جماعت میں کنبہ وقوم کوعصب کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ہے:ونحن عصبة تعصب کے معنی ہیں اپنے کنبہ اپنی قوم اپنے دھڑے کی حمایت کرنا اگر حق حمایت ہے تو جائز ہے ناحق ہوتو حرام ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ النَّاسِ اَكْرَمُ قَالَ اَكْرَمُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْاَلُكَ قَالَ فَاَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِىُّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِىِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْئَالُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْئَالُوْنِىْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِى الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۷۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عزت والا ہے۱؎ فرمایا سب میں عزت والا اللہ کے نزدیک ان میں بڑا پرہیز گار ہے۲؎ بولے اس کے متعلق ہم نہیں پوچھتے۔فرمایا تو لوگوں میں بڑے اشرف یوسف ہیں اللہ کے نبی ابن نبی اللہ کے بیٹے۔وہ خلیل اللہ کے بیٹے۳؎ وہ بولے ہم اس کے متعلق آپ سے نہیں پوچھتے فرمایا تو کیا عرب کے قبیلوں کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو۴؎ بولے ہاں فرمایا تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں۔جب کہ عالم ہو جائیں۵؎ (مسلم،بخاری)

(۴۶۷۰)۱؎ اللہ کے نزدیک یا دنیا وآخرت میں کون محترم ہے۲؎ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۹:۱۳) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔(کنزالایمان) خیال رہے کہ انسان کے لیے تقویٰ ذاتی شرافت وعزت ہے اسے حسب کہتے ہیں اور عالی خاندان عارضی عزت ہے اسے نسب کہتے ہیں مبارک ہے وہ جو حسب ونسب دونوں میں اعلیٰ ہو۳؎ یعنی یوسف علیہ السلام حسب ونسب دونوں میں بہت اعلیٰ ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یہ ان کی حسبی عظمت ہے ان کے تین پشت میں نبوت۔ہے کہ والد نبی دادا پردادا نبی یہ ان کی نسبی شرافت ہے یہ ان کی خصوصیت ہے جیسے حضرات صحابہ میں ابوبکر صدیق کہ حسبی اشرف بھی ہیں کہ صدیق ہیں نسبی اشرف بھی کہ آپ کی چار پشتوں میں صحابیت ہے خود صحابی ہیں ماں باپ صحابی پوتے نواسے صحابی یہ آپ کی خصوصیت ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام میں نبوت،علم،عالی نسبی جود وسخا،عدل،دین دنیا کی ریاست جمع ہیں (مرقات)۴؎ معادن جمع ہے معدن کی بمعنی کان،قبیلہ کو معدن کہتے ہیں کہ وہ ایک جماعت کی کان ہوتا ہے یعنی کیا تم مجھ سے عرب کے قبائل کے متعلق پوچھتے ہو کہ کونسا قبیلہ اشرف ہے۵؎ یعنی اسلام لانے سے اعلیٰ خاندانی آدمی کی شرافت گھٹ نہیں جاتی بلکہ بڑھ جاتی ہے اور اگر وہ عالم باعمل بھی ہو جائے تو صرف خاندانی مسلمان سے افضل ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ جو زمانہ کفر میں اپنی قوم میں اعلیٰ وافضل ہو وہ مسلمان ہو کر بھی اعلیٰ وافضل ہی رہے گا اسے نو مسلم یا دیندار سمجھ کر ذلیل نہ سمجھا

جائے گا اگر وہ عالم باعمل بھی ہو جائے تو اس کی شرافت کو اور چار چاند لگ جائیں گے مثلاً آج کوئی بڑا عزت والا پادری یا پنڈت مسلمان ہو جائے تو اسے نومسلم یا دیندار کہہ کر حقیر نہ جانو اس کی عزت و احترام باقی رکھو اور اگر وہ عالم ہو جائے تو اس کا بہت احترام کرو یہاں فقہ سے مراد علم باعمل ہے۔ پھر بھی مطلب وہ ہی ہوا کہ شرافت علم و تقویٰ پر ہے غرضیکہ حسب و نسب دونوں کی شرافت کا اجتماع رب کی رحمت ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ بْنِ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۶۷۱) روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریف بیٹے۔ شریف کے بیٹے شریف کے بیٹے حضرت یوسف بیٹے یعقوب کے وہ بیٹے اسحاق کے وہ بیٹے ابراہیم کے ا(بخاری)

(۴۶۷۱) ا یعنی حضرت یوسف علیہ السلام میں حسبی شرافت تو یہ ہے کہ وہ خود کریم یعنی نبی اور تقویٰ و طہارت کے معلم ہیں نسبی شرافت یہ ہے کہ وہ تین پشت میں نبی زادے ہیں خیال رہے کہ پہلا الکریم الف سے پڑھا جائے گا باقی دو بغیر الف یوں ہی نبیوں میں ابن بغیر الف پڑھے جائیں گے کہ جب ابن دو صفتوں کے درمیان آئے تو بغیر الف پڑھا جاتا ہے (اشعہ مرقات)

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِيْ يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اٰخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهٖ يَعْنِيْ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ قَالَ فَمَا رُؤِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ اَشَدُّ مِنْهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۷۲) روایت ہے حضرت براء بن عازب سے وہ حنین کے متعلق فرماتے ہیں ا کہ ابوسفیان ابن حارث آپ کے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے ۲ تو جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ اترے کہنے لگے میں جھوٹا نبی نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۳ فرماتے ہیں اس دن حضور سے زیادہ کوئی بہادر نہیں دیکھا گیا ۴ (مسلم، بخاری)

(۴۶۷۲) ا حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک وسیع پتھریلا علاقہ ہے اس فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا قبیلہ ہوازن سے یہ جنگ ہوئی ۲ یہ ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضور کے اخیافی بھائی کہ حلیمہ دائی بنت ذویب سعدیہ کا دودھ انہوں نے بھی پیا ہے بڑے شاعر تھے زمانہ کفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انہوں نے بہت اشعار لکھے تھے۔ جن کے جواب حضرت حسان نے دیئے تھے پھر اللہ نے اسلام کی توفیق دی تو بعد اسلام کبھی حضور کے سامنے سر نہ اٹھایا شرم کی وجہ سے فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ان سے کہا تھا کہ حضور کے سامنے جا کھڑے ہو اور یہ آیت پڑھو قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ (۹۱٬۱۲) بولے خدا کی قسم بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بے شک ہم خطاوار تھے۔ (کنزالایمان) چنانچہ انہوں نے یہ ہی کہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (۹۲٬۱۲) کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ (کنزالایمان) ۲۰ھ میں وصال ہوا عقیل ابن ابی طالب کے گھر میں دفن ہوئے حضرت عمر فاروق نے نماز پڑھائی یہ ابوسفیان وہ نہیں جو امیر معاویہ کے والد ہیں وہ تو ابوسفیان ابن حرب ابن صخر اموی ہیں (مرقات) ۳ غزوہ حنین میں اولاً مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی تھی قبیلہ ہوازن و غطفان نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو گھیر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہا تب آپ خچر سے اترے اور تلوار سونت کر یہ فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مومن بھی ہیں بہادر بھی آپ کی اولاد

بہادری میں مشہور بھی ہے۔حضور انور نے ان کے اولاد ہونے پر فخر فرمایا یہ فخر کفار کے مقابلہ میں اظہار شجاعت کے لیے تھا۔لہذا بالکل درست تھا۔مشرک باپ دادوں پر فخر نہیں اگر عبدالمطلب کافر مشرک ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد ہونے پر فخر نہ فرماتے از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور کے تمام آباؤ اجداد کفر اور زنا سے محفوظ رہے ہیں یعنی حضور کی شجاعت کے جوہر آج دیکھے گئے کہ ایسے نازک موقع پر بجائے بھاگنے کے سواری سے اتر کر پیدل ہو لیے تلوار سونت کر ان ہزاروں کے مقابلہ میں اکیلے آ گئے۔شعر:۔

وہ موقع جب فضاء آسماں بھی تھرتھراتی تھی | محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی (ﷺ)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۷۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا اے خلقت سے بہتر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابراہیم ہیں[۱] (مسلم)

(۴۶۷۳) [۱] یعنی لفظ خیر البریہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سجتا ہے کہ وہ اللہ کے خلیل بھی ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے والد بھی کعبہ بنانے والے بھی مکہ بسانے والے بھی میری اصل بھی حضور انور کا یہ فرمان عالی تواضعاً ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے خیر البریہ ہیں حضرت خلیل اپنے زمانہ میں خیر البریہ تھے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں **انا سید ولد اٰدم . اٰدم ومن سواہ تحت لوائی** وغیرہ کہ ان احادیث میں واقع کا ذکر ہے اور یہاں تواضع وانکسار کا اظہار جیسے کوئی بڑا آدمی اپنے سے ماتحت کا احترام کرے اور کرائے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۷۴) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا[۱] میں اس کا بندہ ہی ہوں تو کہو اللہ کے بندے اللہ کے رسول[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۶۷۴) [۱] لا یطرو بن اہے اطراءٌ سے بمعنی مبالغہ کرنا۔جھوٹی تعریف کرنا۔حد سے بڑھانا۔یعنی مجھے خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا تعالیٰ کا رشتہ دار عزیز نہ کہو کہ یہ چیزیں ہم جنسوں میں ہوتی ہیں رب تعالیٰ جنس سے پاک ہے یہاں خاص مبالغہ کی ممانعت ہے یعنی جس قسم کا مبالغہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا تم میرے بارے میں وہ نہ کرو[۲] اس کے معنی یہ نہیں کہ تم مجھے عبداللہ ورسولہ کے سوا اور کچھ نہ کہو نہ شفیع المذنبین کہو نہ رحمۃ للعالمین کہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری وہ صفات بیان کرو جو عبدیت کے ماتحت ہوں الوہیت والی صفات مت بیان کرو لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں انا سید ولد ادم یا جیسے **انا خطبھم اذا صمتوا** نہ یہ حدیث قرآن کریم کی آیات نعت کے خلاف ہے رب فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۳۳:۴۵،۴۶) حق یہ ہے کہ سواء ابن اللہ وغیرہ کے جو تعریف کر سکتے ہو کرو۔امام بوصیری فرماتے ہیں:

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم | واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

فان فضل رسول اللہ لیس لہ | حد فیعرب عنہ ناطق بفم

وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحىٰ اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَّلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۷۵) روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے وحی فرمائی کہ انکسار کرو۔ حتیٰ کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے ۲؎ (مسلم)

(۴۶۷۵) ۱؎ آپ صحابی ہیں بصری ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے تھے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے آپ سے احادیث کی روایت کی ۲؎ اس حدیث میں حتیٰ بمعنی کے ہے۔ یعنی عجز وانکسار اختیار کرو تاکہ کوئی مسلمان کسی مسلمان پر تکبر نہ کرے نہ مال میں نہ نسب وخاندان میں نہ عزت یا جتھہ میں اور کوئی مسلمان کسی بندے پر ظلم نہ کرے۔ نہ مومن پر نہ کافر پر۔ ظلم سب پر حرام ہے مگر کبر وفخر مسلمان پر حرام ہے کفار پر فخر کرنا عبادت ہے کہ یہ نعمت ایمان کا شکر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِّنْ جَهَنَّمَ اَوْلَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْفَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۷۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا تو میں اپنے مرے ہوئے باپ داداؤں پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو باپ دادے دوزخ کے کوئلے ہیں ۱؎ اور نہ وہ اللہ پر اس گندگی کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوجائیں گے۔ جو اپنی ناک میں گندگی لگاتا ہے ۲؎ یقیناً اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر دور فرمایا اور باپ داداؤں پر فخر دور فرمادیا ۳؎ انسان یا مومن متقی ہے یا کافر بد نصیب ہے ۴؎ سارے لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں ۵؎ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۶۷۶) ۱؎ یعنی اگر تمہارے باپ دادے کافر تھے تو وہ یقینی دوزخ کے کوئلے ہیں اگر مومن تھے تو ممکن ہے کہ ان کا خاتمہ خراب ہوا ہو اور وہ دوزخ کے کوئلے بن چکے ہوں ان کے خاندان پر فخر کرنا بڑی ہی حماقت ہے اگر فخر کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے پر کہ اللہ تعالٰی نے ہم گنہگاروں کو ان کا دامن نصیب فرمایا۔

بریں نازم کہ ہسم امت تو — گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

۲؎ جُعَل ج کے پیش ع کے فتحہ سے گندگی کا کیڑا جسے عرب خنفساء کہتے ہیں اردو والے گبریلہ۔ یدہدہ بنا ہے دہدنۃ سے بمعنی لوٹنا خراء پاخانہ یعنی جیسے گبریلہ کیڑا گندگی میں لوٹتا اسے اپنی منہ ناک پر ملتا ہے اور خوش ہوتا ہے مگر دنیا اس سے گھن کرتی ہے یہ ہی تمہارا حال ہوجائے گا کہ تم اکڑ میں رہو گے دنیا تمہیں ذلیل سمجھے گی ۳؎ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ باپ داداؤں پر فخر کرتے تھے اللہ تعالٰی نے تمہیں اسلام کی توفیق دے کر تم سے یہ عیب دور فرمادیا ۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان دو ہی قسم کے ہیں یا مومن یا کافر درمیان میں درجہ کوئی نہیں جو نہ مومن ہو نہ کافر۔ سبحان اللہ کس پاکیزہ طریقہ سے سمجھایا کہ کسی کی پیدائش سونے چاندی سے نہیں ہے سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں پھر فخر کیسا اور تکبر کس چیز پر

ہاں اعمال اچھے کرو اچھے ہو جاؤ گے۔

وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ وَفْدِبَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلاً وَّاَعْظَمُنَا طَوْلاً فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۶۷۷) روایت ہے حضرت مطرف بن عبداللہ شخیر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بنی عامر کے وفد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۲؎ تو ہم نے کہا کہ آپ ہمارے سید ہیں۔ فرمایا سید تو اللہ ہے۳؎ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم سے ہیں بڑی بزرگی والے اور بڑے عطا والے ہیں۴؎ تو فرمایا کہ اپنی یہ بات یا بعض بات کہو اور تم کو شیطان بے باک نہ کردے۵؎ (احمد، ابوداؤد)

(۴۶۷۷) ۱؎ مطرف تابعی بصری ہیں بڑے متقی پرہیزگار تھے ۸۷ ستاسی میں آپ کی وفات ہوئی آپ کے والد عبداللہ ابن الشخیر صحابی ہیں۔ ۲؎ وفد وہ جماعت کہلاتی تھی جو اپنی ساری قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھی اور ایمان قبول کرتی اس کا ایمان ساری قوم کا ایمان ہوتا حضرت مطرف قبیلہ بنی عامر کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۳؎ سید بہت معنی میں آتا ہے۔ سردار، مالک، مولی، خاوند، قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ وہاں سید بمعنی خاوند ہے ان لوگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید بمعنی سردار کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو سید بمعنی مالک و خالق فرمایا یہ خصوصی ارشاد ہے لہذا ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو عموماً سید نہیں کہہ سکتے خیال رہے کہ ان حضرات نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید کہا لفظ سید ہر سردار، پیشوا کو کہا جاتا ہے انہیں چاہیے تھا کہ حضور کو رسول اللہ نبی اللہ کہتے یہ خطاب کسی سردار کے لیے نہیں ہوتا اس لیے انہیں نہایت اخلاق کے ساتھ اس سے روک دیا گیا یہ ممانعت اس عارضہ کی وجہ سے ہے لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو سید المرسلین وغیرہ نہ کہا جائے نہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے کہ انا سید ولد اٰدم (از اشعۃ اللمعات) لہذا خدا تعالیٰ کو سید کہنا ہمارے لیے ہرگز جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین وغیرہ کہنا جائز ہے۴؎ طول کے بہت معنی ہیں دوستوں پر عطا، دشمنوں پر غالب سنت و عبادت میں زیادتی یہاں بمعنی عطا و غلبہ ہے (مرقات واشعہ) یعنی آپ تمام مخلوق میں زیادہ جواد اور سخی ہیں کفار پر غالب ۵؎ لا یستجرینکم میں بہت احتمال ہیں قوی یہ ہے کہ یہ بنا ہے جرأت سے بمعنی دلیری اور بے باکی استیجار کے معنی ہیں دلیر بیباک کردینا یعنی شیطان تم کو میری تعریف میں دلیر نہ کردے کہ تم میری وہ تعریف کرو جو کفر یا شرک ہے جیسے تم مجھے خدا کا بیٹا یا خدا کہنے لگ جاؤ۔ میری تعریف عبدیت کے دائرے میں کرنا لہذا اس حدیث کے معنی یہ نہیں کہ میرے فضائل ہی بیان نہ کرو حضور کی نعت گوئی ثنا خوانی حضرات صحابہ کرتے تھے حضور سنتے تھے خوش ہوتے تھے ان نعتیہ قصیدوں میں حضور کی ایسی تعریفیں ہوتی تھیں کہ سبحان اللہ اس جملہ کی یہ ہی شرح مرقات واشعہ نے کی ہے لہذا اس حدیث سے کوئی دھوکہ نہ کھائے دن رات حضور کی نعت پڑھے حمد باری سنت رسول اللہ سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور کی بہت نعت فرمائی ہے اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا — مرتے دم تک اس کی مدحت کیجیے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا — اس پیارے سے محبت کیجیے

وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَبُ الْمَالُ وَالْكَرَمُ التَّقْوٰى . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۶۷۸) روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب مال ہے اور کرم پرہیز گاری ہے[۱] (ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۶۷۸) [۱] یعنی دنیاوی عزت مال ہے کہ مالدار شریف مانا جاتا ہے لیکن آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے تم کو چاہیے کہ آخرت کی عزت اختیار کرو کہ فانی عزت بیکار ہے باقی عزت مفید ہے سبحان اللہ کیا پاکیزہ فرمان ہے۔ دین و دنیا ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ ایک کا وزنی ہونا دوسرے کا ہلکا ہونا ہے۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا . (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۶۷۹) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو جاہلیت کی نسبتوں سے اپنے کو منسوب کرے تو اس کے منہ میں اس کے باپ کی شرمگاہ دے دو اور کنایہ نہ کرو[۱] (شرح سنہ)

(۴۶۷۹) [۱] یعنی جو مسلمان اپنے کافر باپ دادوں کی نسبت پر فخر کرے کہ فلاں کی اولاد سے ہوں۔ فلاں خاندان سے ہوں تو اس سے صاف صاف کہہ دو کہ اپنے باپ کا ذکر چوس یا یہ مطلب ہے کہ تم کفار کے عیوب بت پرستی کی برائیاں بیان کرو کہ تمہارے باپ دادا کے عقیدے اعمال ایسے گندے تھے تم ان کی نسبت پر فخر کیوں کرتے ہو۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِيْ عُقْبَةَ عَنْ اَبِيْ عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلًى مِنْ اَهْلِ فَارِسٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّيْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّيْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْاَنْصَارِيُّ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۸۰) روایت ہے عبدالرحمن ابن عقبہ سے وہ حضرت ابی عقبہ سے راوی[۱] اور وہ فارسی غلام سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں حاضر ہوا تو میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو مارا تو میں نے کہا لے لے مجھ سے میں فارسی غلام ہوں[۲] تو میری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فرمایا تم نے کیوں نہ کہا مجھ سے یہ لے اور میں انصاری غلام ہوں[۳] (ابوداؤد)

(۴۶۸۰) [۱] یہ عبدالرحمن تابعی ہیں ان کے والد ابوعقبہ صحابی ہیں یہ اہل فارس سے تھے جبیر ابن عتیق انصاری کے آزاد کردہ غلام تھے لہذا نسبًا فارسی تھے مگر موالات کے لحاظ سے انصاری تھے ان کا نام رشد ہے کنیت ابوعقبہ۔ [۲] یعنی میں نے اپنے فارسی النسل ہونے پر فخر کرتے ہوئے کافر پر حملہ کیا۔ [۳] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی ہونے کے فخر کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اپنے کو مسلمانوں کی طرف نسبت کرو اس پر فخر کرو اس زمانہ میں اہل فارس کفار تھے اب وہاں اسلام عام شائع ہے اور عام لوگ مسلمان ہیں چونکہ قوم کا مولا انہیں میں سے ہوتا ہے اس لیے انہیں غلام انصاری فرمایا گیا لہذا اس کا مطلب واضح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رَدٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ

(۴۶۸۱) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو اپنی قوم کی ناحق پر مدد کرے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو گڑھے میں گر گیا تو اسے اس کی دم سے اوپر

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کھینچا جائے ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۶۸۱)۱؎ یعنی جو اپنی ظالم قوم کی بیجا حمایت کر کے ان کی عزت وعظمت قائم کرنا چاہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی کنویں میں گرے ہوئے اونٹ کو اس کی دم سے کھینچ کر نکالنے کی کوشش کرے اس فرمان عالی میں فاسق قوم کو گرے اونٹ سے تشبیہ دی گئی ان کے فسق وکفر کو کنویں سے جس میں وہ گرے ہیں اس شخص کا اس قوم کی حمایت کرنا گویا اسے دم پکڑ کر نکالنا ہے جیسے کنویں میں گرا اونٹ دم کے ذریعہ نہیں نکل سکتا ویسے ہی فاسق وبدکار ذلیل قوم ایسی تعریفوں سے عزت نہیں پاتی اگر تم انہیں عزت دینا چاہتے ہو تو ان کو گناہوں سے روکو راہ راست پر لگاؤ۔

وَعَنْ وَّاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۸۲) روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعصب کیا چیز ہے۔ فرمایا یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو ۱؎ (ابوداؤد)

(۴۶۸۲)۱؎ اس حدیث کی شرح اگلی حدیث میں آرہی ہے یعنی اپنی قوم سے محبت کرنا ان کی مدد کرنا لوگوں کے طعنہ دفع کرنا تعصب نہیں بلکہ برائی پر ان کی مدد کرنا یہ ہے تعصب یہ ہی ممنوع ہے کیونکہ اس میں گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَاْثَمْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۸۳) روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے کنبہ سے دفاع کرے جب تک کہ گناہ نہ کرے ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۶۸۳)۱؎ یہ وہی سراقہ ہیں رضی اللہ عنہ جو ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں گئے تھے انہیں کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا تھا یہ کنانی ہیں بڑے شاعر تھے دل سے تو وہاں ہی ایمان لے آئے تھے مگر اپنا ایمان فتح مکہ کے دن ظاہر کیا اس لیے آپ کو فتح کے دن کا مومن کہا جاتا ہے مقام قدید میں رہتے تھے۔ پھر مدنی بن گئے تھے ۲۴ ہجری میں وفات پائی ۲؎ یعنی اپنی قوم کو ظالموں سے بچانے والا ان سے لوگوں کے ناجائز طعنے دفع کرنے والا ان کی مدد کرنے والا نہ متعصب ہے نہ گنہگار بلکہ ثواب کا مستحق ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ (۱۷:۲۶) اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے (کنزالایمان) ہاں گناہ پر ان کی مدد کرنے والا گنہگار بھی ہے متعصب بھی، رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵:۲) اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو (کنزالایمان)

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۸۴) روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی طرف دعوت دے ۱؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب میں لڑے ۲؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب پر (قوم پرستی پر) مرے ۳؎ (ابوداؤد)

(۴۶۸۴)۱؎ اس طرح کہ اپنی ظالم قوم کی حمایت کے لیے لوگوں کو جمع کرے تاکہ وہ سب اس ظلم پر اسی قوم کی مدد کریں ایسا شخص ہماری جماعت ہماری سنت سے خارج ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمارے دین ہماری ملت سے خارج ہے کہ گناہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا ۲؎ یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت میں ظلم پر مدد کرے اسے چاہیے تھا کہ اپنی قوم کو ظلم سے روکتا یہ الٹی ان کی حمایت کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۶۸۵) روایت ہے ابودرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کسی چیز سے تیری محبت اندھا بہرا کردیتی ہے[1] (ابوداؤد)

(۴۶۸۵)[1] سبحان اللہ کیسا پیارا اور درست فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ جب تجھے کسی سے محبت ہوگی تو تجھے اس کے عیب نظر نہیں آئیں گے تو اس کے خلاف بات نہ سن سکے گا لہذا تو بروں سے محبت نہ کرتا کہ تو اندھا بہرا نہ بن جائے یا یہ مطلب ہے کہ محبّ کو پیارے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا پیارے کی باتوں کے سوا اور کسی کی بات پسند نہیں آتی لہذا اچھوں سے محبت کرو تاکہ تمہاری آنکھوں میں ان کا ہی جمال رہے ان ہی کی سنو یہ ہی اصل ایمان ہے۔ شعر:۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

عربی شاعر کہتا ہے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة
ولکن عین السخط تبدی مساویا
ویصبح من سواك الفعل عندی
فتفعله فیحسن منك ذاك

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِیْرٍ الشَّامِیِّ مِنْ اَھْلِ فَلَسْطِیْنَ عَنِ امْرَاَةٍ مِّنْھُمْ یُقَالَ لَھَا فُسَیْلَةُ اَنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یُّحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ قَالَ لَا وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَی الظُّلْمِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۶۸۶) روایت ہے حضرت عبادہ ابن کثیر شامی سے[1] جو فلسطین والوں سے ہیں وہ ان کی ایک عورت سے راوی جسے فسیلہ کہا جاتا ہے[2] انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ بھی تعصب سے ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم سے محبت رکھے[3] فرمایا نہیں لیکن تعصب سے یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے[4] (احمد،ابن ماجہ)

(۴۶۸۶)[1] حاشیہ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ ان کا نام عباد ابن کثیر شامی ہے عبادہ نام نہیں ہے واللہ اعلم۔ فلسطین مشہور ملک ہے جس میں بیت المقدس واقع ہے یہ علاقہ شام اور اردن سے ملا ہوا ہے اور فلسطین عراق کے ایک شہر کا نام بھی ہے ان راوی کے حالات معلوم نہ ہوسکے [2] فسیلہ ف کے پیش اور سین کے فتح سے اس کے لغوی معنی ہیں کھجور کا چھوٹا درخت یہ بی بی تابعیہ ہیں ان کا نام جمیلہ بنت واثلہ ابن اسقع ہے حضرت واثلہ صحابی ہیں (تقریب، حاشیہ اشعہ) فسیلہ کے حالات معلوم نہ ہوسکے[3] یعنی فسیلہ کے والد حضرت واثلہ ابن اسقع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا گناہ ہے یہ بھی تعصب کی ایک قسم ہے[4] یعنی اپنی قوم کی ناحق بات کو حق کہنا اگر وہ دوسری قوم کے آدمی پر ظلم کرے تو اس ظالم کی حمایت کرنا صرف اس لیے کہ وہ اپنی قوم کا آدمی ہے یہ ہے تعصب یہ ہی حرام ہے یہ بیماری آج مسلمانوں میں بہت ہی ہے قومی تعصب، صوبائی تعصب بہت ہے اس لیے اس نے مسلمان قوم کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے سارے مسلمان ایک قوم ہیں خواہ

کسی نسب کے ہوں یا کسی ملک کے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ كُلُّكُمْ بَنُوْ اٰدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُهُ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ وَّتَقْوٰى كَفٰى بِالرَّجُلِ اَنْ يَّكُوْنَ بَذِيًّا فَاحِشًا بَخِيْلًا ۔ (اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۶۸۷) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے یہ نسب کسی پر گالی کا سبب نہیں ہیں[۱] تم سب آدم کی اولاد ہو۔ جیسے صاع کی چیز صاع سے ہے۔ جسے اس نے بھرا نہ ہو[۲] کسی کو کسی پر بزرگی نہیں مگر دین اور تقویٰ سے انسان کے لیے یہ شرم و عار کافی ہے کہ وہ بدزبان فحش گو کنجوس ہو[۳] (احمد، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۶۸۷) [۱] یعنی کوئی شخص کسی کو نسب کی گالی نہ دے نسب گالی و عار نہیں جیسے کہا جاتا ہے او جولا ہے، اونائی وغیرہ یہ حرام ہے نسب کو گالی نہ بناؤ یہ مرض بھی مسلمانوں میں بہت ہے [۲] طف ط کے فتحہ سے ف کے شد سے بمعنی کم ہونا کم کرنا اسی سے ہے تطفیف بمعنی کم تولنا رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (۸۳:۱) کم تولنے والوں کی خرابی ہے (کنزالایمان) اصطلاح میں طف وہ چیز ہے جو صاع وغیرہ پیمانہ میں بھری جائے مگر اسے پر نہ کرے کچھ خالی رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان پورا کامل انسان نہیں اس میں کچھ کمی و نقصان ضرور ہے جیسے صاع پیمانہ کا طف کہ اس میں کمی ہوتی ہے [۳] یعنی یہ خصلتیں شرم و عار کی چیزیں ہیں نہ کہ محض نسب لہذا ان عیوب سے بچنے کی کوشش کرو نسب پر طعن کیسا۔

بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ — نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

بر ب کے کسرہ ر کے شد بمعنی نیکی و بھلائی یہاں اس سے مراد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا ہے جس کا مقابل ہے عقوق (نافرمانی) صلہ بنا ہے وصل سے بمعنی ملنا ملانا یہاں اس سے مراد رحمی قرابت داروں پر احسان اور ان سے سلوک کرنا کہ اس سے عزیزوں کے دل مل جاتے ہیں۔ بر کا اسم فاعل بار ہے جمع بررہ صلہ کا اسم فاعل واصل ہے جمع وصلہ اور واصلین۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۸۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے اچھے برتاوے کا زیادہ حقدار کون ہے[۱] فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہارا باپ[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں۔ پھر تمہارا باپ پھر تمہارا قریبی پھر قریبی[۳]

(۴۶۸۸) [۱] صحابۃ صاد کے کسرہ سے بمعنی مدد یا برتاوا، خدمت اسی سے ہے صحبت و ہمراہی جو الفت، خدمت و مدد کے ساتھ ہو۔ اس لیے جن کفار نے حضور انور کے ساتھ مجلس کی انہیں صحابی نہیں کہا جاتا کہ وہ ہمراہی الفت و خدمت کے ساتھ نہ تھی۔ یعنی میرے رشتہ دار قریبی

دور کے بہت ہی ہیں اچھا برتاؤ کس سے کروں اس کا کون مستحق ہے۲؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے کیونکہ ماں بچہ پر تین احسان کرتی ہے باپ ایک احسان، پیٹ میں رکھنا، جننا، پرورش کرنا باپ صرف پرورش ہی کرتا ہے بیٹا ماں باپ دونوں کی خدمت کرے مگر مقابلہ کی صورت میں ادب واحترام باپ کا زیادہ کرے خدمت وانعام ماں کی زیادہ (اشعہ) ماں باپ کے ساتھ سلوک یہ ہے کہ ان سے نرم اور نیچی آواز سے کلام کرے۔ مالی و بدنی خدمت کرے یعنی اپنے نوکروں سے ہی ان کا کام نہ کرائے بلکہ خود کرے۔ ان کا ہر جائز حکم مانے انہیں نام لے کر نہ پکارے اگر وہ غلطی پر ہوں تو نرمی سے ان کی اصلاح کرے اگر قبول نہ کریں تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ ان کی سختی پر تحمل کرے یہ آداب قرآن مجید میں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے عمل شریف میں مذکور ہیں اس کے متعلق ہماری تفسیر نعیمی کا مطالعہ فرماؤ۳؎ یعنی ماں باپ کے ساتھ ان کے عزیزوں کے حق بھی ادا کرے کہ چچا ماموں، دادا، نانا بہن بھائی وغیرہم کے حقوق ادا کرے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُهُ رَغِمَ اَنْفُهُ رَغِمَ اَنْفُهُ قِيْلَ مَنْ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَالْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۸۹) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی ناک رگڑ جائے۱؎ اس کی ناک رگڑ جائے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس کی فرمایا اس کی جو اپنے ماں باپ کو پائے۲؎ کہ ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے میں ہوں۔ پھر جنت میں نہ چلا جائے۳؎ (مسلم)

(۴۶۸۹)۱؎ یعنی وہ ذلیل ہو جائے وہ ذلیل ہو جائے وہ ذلیل ہو جائے ناک رگڑنے سے مراد ذلت وخواری ہے ناک رگڑنے سے مراد ذلت وخواری ہوتی ہے۲؎ احدہما اور کلاہما یہ دونوں عندالکبر کا فاعل ہیں لہذا مرفوع ہیں یعنی انہیں اس حال میں پائے کہ وہ دونوں یا ایک بڑھاپے کی قید اس لیے لگائی کہ اس وقت ہی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں بوڑھے کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے وہ کریم سفید داڑھی بالوں والے بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں پھیرتا اولاد کو چاہیے کہ ایسے وقت اور ایسے وقت کی خدمت کو غنیمت جانیں۳؎ یا اس طرح کہ ان کی نافرمانی کرے یا اس طرح کہ انکی خدمت میں کمی کرے یا اس طرح کہ انہیں سخت جواب دے۔ خیال رہے کہ بڑھاپے میں طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے غصہ بڑھ جاتا ہے اس وقت ان کی سخت بات برداشت کرے ان کی سختی کی پروا نہ کرے سمجھے ان کی مت کٹ گئی ہے انشاءاللہ دونوں جہان میں آرام پائے گا قرآن کریم فرماتا ہے: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۲۳:۱۷) بڑھاپے کا ذکر اس لیے بار بار ہوتا ہے کہ وہ وقت تو سنبھالنے کا ہے جس نے وہ وقت سنبھال لیا اس نے کمائی کرلی ایسے آڑے وقت میں ان پر دل کھول کر خرچ بھی کرے ان کی خدمت بھی کرے ان کے لیے دعا بھی کرے بچپن میں مجبور تھا تو ماں باپ نے اسے سنبھالا اور وہ مجبور ہیں تو یہ انہیں سنبھالے اللہ کی رحمت اسے سنبھالے گی (مرقات وغیرہ)

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۰) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ میری ماں آئیں جب کہ وہ قریش میں مشرکہ تھیں۱؎ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں۔ وہ دین سے دور ہیں۲؎ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں فرمایا ہاں کرو۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۰)۱؎ صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ مدینہ منورہ آنے جانے لگے تھے اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق کی پہلی بیوی حضرت اسماء کی

والدہ آئیں ۲؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں راغمۃ ہے میم سے مگر اکثر نسخوں میں راغبۃ ب سے ہے راغمہ میم سے بمعنی عاجز، ذلیل، خوار، مسکین وغریب یعنی وہ میرے پاس عاجز ومحتاج ہوکر آئی ہے میرے مال کی حاجت مند ہے راغبۃ ب سے ہوتو اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ بمعنی رغبت خواہش ہو یعنی وہ میرے مال میری خدمت کی خواہش مند ہے دوسرے یہ کہ بمعنی بے رغبتی وروگردانی ہو یعنی وہ اسلام سے بے رغبت ہے اسے اسلام کی طرف رغبت ومیلان نہیں اگر رغبت کے بعد فی ہوتو بمعنی میلان ہوتی ہے اگر عن ہوتو بمعنی بے رغبتی ۳؎ معلوم ہوا کہ کافر ومشرک ماں باپ کی بھی خدمت اولاد پر لازم ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ مشرک باپ کو بت خانہ لے نہ جائے مگر جب وہاں پہنچ چکا ہوتو وہاں سے گھر لے آئے کہ لے جانے میں بت پرستی پر مدد ہے اور لے آنے میں خدمت ہے۔ دوسرے عزیز وقرابت دار بھی اگر مشرک وکافر ہوں مگر محتاج ہوں تو ان کی مالی خدمت کرے (از اشعہ)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اٰلَ اَبِيْ فُلَانٍ لَيْسُوْا بِيْ بِاَوْلِيَاءَ إِنَّمَا وَلِيَّ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنْ لَّهُمْ رَحِمٌ اَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۱) روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فلاں قبیلہ میرے دوست نہیں ۱؎ میرے دوست اللہ تعالٰی اور نیک کار مسلمان ہیں ۲؎ لیکن ان کا رشتہ رحمی ہے۔ جس کی تری سے میں تر کروں گا ۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۱) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام لیا تھا مگر راوی نے نام نہ لیا کیونکہ وہ لوگ اس وقت برسر اقتدار تھے۔ ان سے خطرہ تھا۔ بہر حال اس سے مراد یا ابولہب کی اولاد ہے یا ابوسفیان کی اولاد یا حکم ابن عاص کی اولاد مگر قوی یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے قریشی ہاشمی تمام قوموں کو شامل ہے (مرقات) جو بھی اسلام سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ جائے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست نہیں ۲؎ خلاصہ یہ کہ متقی مسلمان خواہ کسی خاندان کا ہو مجھے پیارا ہے کافر و بے ایمان اگرچہ ہماری نسل سے ہو مردود ہے قرآن حکیم فرماتا ہے اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (۸:۳۴) اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں (کنزالایمان) ۳؎ خیال رہے کہ صلہ رحمی کرنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو بلل یعنی تری کہتے ہیں کیونکہ تری سے چیز جڑتی ہے خشکی سے ٹوٹ جاتی ہے یوں ہی سلوک کرنے سے دل جڑتے ہیں بدسلوکی سے دل ٹوٹ کر الگ الگ ہوجاتے ہیں۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَوَاْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۲) روایت ہے مغیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے حرام فرمایا ماؤں کی نافرمانی ۱؎ اور بچیوں کا زندہ دفن اور روک رکھنا لاؤ لاؤ کرنا ۲؎ اور ناپسند کیا زیادہ قیل وقال بہت سوال ۲؎ بربادی مال کو ۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۲) ۱؎ چونکہ بمقابلہ باپ ماں کا حق زیادہ ہے نیز ماں کمزور دل ہے بہت جلد رنجیدہ ہوجاتی ہے یا اکثر اولاد ماں سے ہی ضد کرتی ہے اس کا حکم نہیں مانتی اس لیے صرف ماں کا ذکر فرمایا ورنہ باپ کی نافرمانی بھی ممنوع ہے اہل عرب زندہ بچیوں کو دفن کردیتے تھے۔ ہات، کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ لیتے رہنا کبھی کسی کو دینا نہیں۔ چاہیے یہ کہ لینا سیکھے تو دینا بھی سیکھے بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں واجب حقوق ادا نہ کرنا حرام کمائی سے پرہیز نہ کرنا ۲؎ یعنی ہر حکم کی وجہ پوچھنا عمل نہ کرنا یا زیادہ بولنا لوگوں سے مانگتے رہنا ۳؎ حرام رسموں میں مال خرچ کرنا۔ فضول

خرچی سے مال اڑانا۔ مال کی بربادی ہے اچھا کھانا پینا جبکہ اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو بالکل جائز ہے یہ فرمان عالی جامع کلمات میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ بلا تکلف ہم وزن الفاظ بولنا ممنوع نہیں (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۳) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ کبیرہ سے ہے کسی شخص کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا[۱] صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے فرمایا ہاں[۲] یہ کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے اور یہ کسی کی ماں کی گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے[۳] (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۳) [۱] یعنی اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو گالی دیتا ہے[۲] فرمایا ہاں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو گالی دے سبحان اللہ وہ زمانہ قدوسیوں کا تھا کہ یہ جرم ان کی عقل میں نہ آتا تھا اب تو کھلم کھلا نالائق لوگ اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں ذرا شرم نہیں کرتے[۳] خیال رہے کہ سب ہر قسم کے برا کہنے کو کہتے ہیں گالی ہو یا اور کچھ مگر شتم گالی کو کہا جاتا ہے کبھی سب بمعنی شتم آتا ہے اور شتم بمعنی سب سے کہا تیرا باپ احمق ہے یہ ہے سب کسی سے کہا تیرا باپ زانی ہے حرامی ہے یہ ہے شتم مطلب یہ ہے کہ کسی کے بزرگوں کو تم برا نہ کہو تا کہ وہ تمہارے بزرگوں کو برا نہ کہے یہ ہی حکم اولاد عزیزوں کے متعلق ہے تم کسی کی بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دو تا کہ وہ تمہاری بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دے جیسے کہو گے ویسی سنو گے بہت اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر:۔

گر ما درخویش دوست داری　　دشنام مکن بہ مادر من

ابن ابی الدنیا میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا اسے بہتان لگانا گناہ کبیرہ میں سے ہے (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۶۹۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین بھلائیوں میں سے کسی شخص کا اپنے باپ کے غائب ہونے کے بعد اس کے محبت والوں سے سلوک کرنا ہے[۱] (مسلم)

(۴۶۹۴) [۱] یولّی عام ہے جس میں سفر موت دونوں داخل ہیں یعنی جب ماں باپ سفر میں گئے ہوں یا وفات پا چکے ہوں تو ان کے دوستوں کو اپنا باپ سمجھنا ان سے سلوک کرنا اس لیے کہ یہ ہمارے والدین کے دوست ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَلَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت دی جائے اور اس کی موت میں دیر کی جائے[۱] تو وہ صلہ رحمی کرے[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۵)۱؎ انساء کہتے ہیں دیر لگانے کو اس لیے ادھار کو نسیہ کہا جاتا ہے کہ وہاں مال دیر سے ملتا ہے اثر کہتے ہیں نشان قدم کو مرنے سے نشان قدم جاتے رہتے ہیں کہ پھر انسان چلتا پھرتا نہیں۔ پھر زندگی کو اثر کہنے لگے کہ زندگی میں نشان قدم زمین میں پڑتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوَیِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَّصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَذَاكِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق پیدا فرمائی۱؎ جب اس سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے رحمان کا دامن کرم پکڑ لیا۲؎ رب نے فرمایا کیا ہے۳؎ عرض کیا یہ جگہ ہے اس کی جو توڑے جانے سے تیری پناہ لے۔ فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے اسے توڑ دوں۵؎ بولا ہاں اے رب فرمایا تو ایسا ہی ہے (مسلم، بخاری)

(۴۶۹۶)۱؎ موت میں دیر لگانے سے مراد ہے عمر دراز دینا یعنی جو رزق میں برکت عمر میں درازی چاہے وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے خیال رہے کہ تقدیر تین قسم کی ہے۔ مبرم، معلق، مشابہ مبرم، تقدیر مبرم میں کمی و بیشی ناممکن ہے مگر باقی دو تقدیروں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے دعا نیک اعمال سے عمر بڑھ جانے اور بددعا، بدعمل سے عمر گھٹ جانے کا یہی مقصد ہے کہ آخری دو قسم کی عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں ہم یہ مسئلہ باب القدر میں بیان کر چکے ہیں اور تفسیر نعیمی کے پہلے پارہ میں بھی عرض کر چکے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وفات یافتہ لوگ جی جاتے تھے اور زندہ رہتے تھے۲؎ یہاں خلق سے مراد یا تو پیدائش کا فیصلہ فرمانا ہے یا اندازہ لگانا لہذا حدیث واضح ہے۳؎ حقوی کہتے ہیں کمر کو جہاں کمر بند یا تہبند باندھا جاتا ہے عرب والے جب کسی کی پناہ لیتے یا اس سے کچھ ضروری عرض معروض کرنا چاہتے تھے تو اس کی کمر سے لپٹ جاتے تھے۔ یہاں وہ ہی استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ رحم سے مراد رحمی رشتہ داری ہے اس عالم میں ہر چیز کی شکل ہے لہذا یہ رشتہ داری ایک خاص شکل میں تھی اور اس نے صاف صاف یہ عرض کیا قیامت میں ہمارے اعمال، قرآن، رمضان کی خاص شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گے۔ لہذا حدیث واضح ہے بعض شارحین نے کہا کہ یہ حدیث متشابہات سے ہے کہ اسے بغیر سمجھے ہی مان لو۴؎ مہ مخفف ہے ماہذا کا یا اسم فعل ہے یا اصل میں لفظ ما تھا۔ ہ وقف کی ہے مطلب یہ ہی ہے کہ تو کیا کہتا ہے۵؎ رحم توڑے جانے سے مراد ہے حقوق قرابت ادا نہ کرے اور دوسری عبادتیں کرے گا۔ وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے گا اور جو حقوق ادا کرے گا اگرچہ گنہگار ہوگا وہ میری رحمت میں داخل ہوگا۔ بلکہ اسے دنیا ہی میں اور خیر کاموں کی توفیق بھی مل جائے گی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا واجب ہے قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے صلہ رحمی کے بہت درجے ہیں جتنا رشتہ قوی اتنے ہی حقوق زیادہ یہ ضرور خیال رہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَّصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۶۹۷) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم بنا ہوا ہے رحمٰن سے۱؎ رب نے فرمایا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا۲؎ اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۳؎ (بخاری)

(۴۶۹۷)۱؎ یعنی رحمان رحمٰن سے بنا ہے لہذا رحم کا رحمٰن سے بہت گہرا تعلق ہے شجنہ درخت کی رگیں جو ایک دوسرے میں گتھی ہوئی ہوں

مطلب یہ ہے کہ رحمٰن اور رحم کا آپس میں گہرا تعلق ہے (مرقات) جو رحم کے حقوق سے الگ ہوا وہ خدا تعالیٰ سے الگ ہوا۲یعنی جو رشتہ داروں سے الگ رہے گا مجھ سے الگ رہے گا۳رحم توڑنے سے مراد ہے رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنا رب تعالیٰ کے اس کو توڑنے سے مراد ہے اپنی رحمت سے دور کر دینا یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور رہے گا۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۸) روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے، فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتے توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا۱(بخاری، مسلم)

(۴۶۹۸)۱اس عبارت کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ جو رشتہ داروں کا حق ادا کرے گا اللہ سے قرب پائے گا اور جو ادا نہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گا اس میں گفتگو ہے کہ رشتہ داروں کی حد کہاں تک ہے، جس کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ جن سے نکاح حرام ہے وہ ذی رحم ہیں لہذا چچازاد خالہ زاد ذی رحم نہیں بعض نے فرمایا کہ جن دو کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے وہ ذی رحم ہیں بعض کے نزدیک جن کو میراث پہنچ سکے وہ ذی رحم ہے لہذا والدین، اولاد، بھائی، بہن، چچا، ماموں، ان کی اولاد سب ذی رحم ہیں یہ ہی قول قوی ہے (مرقات) رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (۸:۷۵) یہ گفتگو ذی رحم کے متعلق ہے، ان کے علاوہ دوسرے قرابت دار جیسے ساس، سالا رضاعی ماں رضاعی بھائی یعنی ان کے ساتھ بھی سلوک کرے رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہ اور جناب ثویبہ کے عزیزوں سے سلوک کیے۲قاطع سے مراد یا تو ڈاکو ہے یعنی قاطع طریق (راہ مار) یا قاطع رحم یعنی حقوق ادا نہ کرنے والا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔ یعنی یہ لوگ اولاً جنت میں نہ جائیں گے پہلے سزا پائیں گے پھر جائیں گے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَّصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۶۹۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم عرش سے لٹکا ہوا ہے۱کہہ رہا ہے کہ جو مجھے جوڑے اللہ اسے جوڑے اور جو مجھے توڑے اللہ اسے توڑ دے گا۲(مسلم، بخاری)

(۴۶۹۹)۱عرش سے مراد یا تو عرش اعظم ہی ہے یا بلند مقام پہلا احتمال قوی ہے ۲یعنی رشتہ داروں کا حق قرابت کا تعلق دور رہے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۷۰۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو یہ بدلہ چکائے لیکن جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۱(بخاری)

(۴۷۰۰)۱یعنی جو شخص اپنے عزیزوں سے سلوک کرے مگر بدلہ میں کہ وہ کچھ کریں تو اس کی عوض یہ بھی کرے وہ ناقص ہے کامل رشتے جوڑنے والا وہ ہے جو اپنے عزیزوں کی برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے کہ وہ اس پر زیادتی کریں تو یہ سلوک کرے اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم سہہ کر ان کی پرورش فرمائی رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

(۲۳،۹۶) سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو (کنزالایمان) غرضیکہ یہ حدیث کمال اخلاق کی تعلیم دے رہی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ قَرَابَةً اَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنِیْ وَاُحْسِنُ لَهُمْ وَيُسِيْئُوْنَ اِلَیَّ وَاَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَیَّ فَقَالَ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۰۱) روایت ہے ابو ہریرہ سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے قرابت دار ہیں[1] میں ان سے جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے توڑتے ہیں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان سے بردباری سے برتتا ہوں[2] وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر ویسا ہی ہے جیسا کہہ رہا ہے تو تو ان کے منہ میں بھوبل ڈال رہا ہے[3] اور تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے ان پر مدد گار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے[4] (مسلم)

(۴۷۰۱) [1] یہاں قرابت سے مراد ذی قرابت یعنی رشتہ دار ہیں یہ صاحب ان کی شکایت بارگاہ رسالت میں کررہے ہیں[2] غرضیکہ ہر طرح ان کی برائیوں کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہوں یہ دوسروں کی غیبت یا اپنی شیخی مارنا نہیں بلکہ مسئلہ دریافت کرنا ہے[3] سف کے معنی ہیں ان کے منہ میں بھرتا ہے مل میم کے فتح لام کے شد سے بمعنی گرم راکھ جسے اردو میں بھوبل کہتے ہیں اس جملہ کے بہت معنی ہیں ایک یہ کہ اس حالت میں ان لوگوں کو تیرا مال حرام ہے اور پھر وہ کھا رہے ہیں تو وہ گویا اپنے منہ میں بھوبل بھر رہے ہیں دوسرے یہ کہ ان کو ان حالات میں ایسی شرمندگی چاہیے کہ ان کے منہ جھلس جائیں جیسے بھوبل پڑ جانے سے منہ جھلس جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کی برائیوں کی عوض تیرا ان سے سلوک کرنا گویا ان کے منہ بھوبل سے بھرنا ہے تو انہیں ذلیل کررہا ہے تیری عزت بڑھ رہی ہے ان کی شرمندگی و ذلت، خیرات سے مال بڑھتا ہے عفو و کرام سے عزت بڑھتی ہے[4] یعنی جب تک تیرا یہ حلم اور برائی کی عوض بھلائی ہے تب تک اللہ تعالٰی کی طرف سے تجھے مدد پہنچتی رہے گی یا تجھ پر رب کی طرف سے فرشتہ مقرر رہے گا جو تجھے ان کی شر سے بچائے گا اور تیرے عزت و مال میں برکت دے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِی الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۰۲) روایت ہے حضرت ثوبان سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تقدیر کو نہیں رد کرتی مگر دعا[2] اور عمر میں نہیں زیادتی کرتا مگر اچھا سلوک[3] اور یقینًا انسان رزق سے محروم ہوجاتا ہے اس گناہ سے جو اسے پہنچے[4] (ابن ماجہ)

(۴۷۰۲) [1] آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ ثوبان ابن بجد ہیں کنیت ابو عبداللہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہے حضور کی وفات کے بعد شام چلے گئے پہلے رملہ میں پھر حمص میں قیام رہا وہاں ہی ۵۴ھ میں وفات پائی[2] تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے اور دعا سے مراد دعائے مقبول ہے خواہ اپنی دعا ہو یا کسی بزرگ کی۔ تقدیر مبرم کسی طرح بھی نہیں بدل سکتی (مرقات واشعہ) تقدیر معلق کہتے ہیں اسے ہی جو شرائط و قیود پر موقوف رکھی گئی کہ فرشتوں سے فرمایا گیا ہو کہ فلاں شخص اگر یہ کرے گا تو اس کا یہ ہوگا علم الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوسکتی[3] یعنی اپنے ماں باپ اور قرابت دار عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو

ابھی تقدیر بدلنے کے متعلق عرض کیا گیا کہ انسان کی عمر دو قسم کی ہے۔عمر مبرم یعنی علم الٰہی اور اس کا قطعی فیصلہ اس میں زیادتی کمی ناممکن ہے دوسری عمر معلق جہاں فرشتوں اولیاء اللہ کو اطلاع یوں دی گئی ہو کہ اگر یہ فلاں نیکی کرے تو اس کی عمر اتنی ہوگی اگر گناہ کرے تو اس سے کم جب یہ بندہ نیکی کرلیتا ہے تو اسے وہ ہی زیادہ عمرمل جاتی ہے جو نیکی پر معلق تھی۴؎اس فرمان کے چند معنی ہیں ایک یہ کہ گناہوں سے رزق آخرت یعنی ثواب اعمال گھٹ جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ مومن کا گناہوں کی وجہ سے رزق روحانی یعنی اخلاص،اطمینان قلب،دل کا چین وسکون رغبت الی اللہ گھٹ جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ مومن اپنے گناہوں کی وجہ سے تنگی رزق یا بلاؤں میں گرفتار ہوجاتا ہے تاکہ ان کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کرکے پاک وصاف ہوکر دنیا سے جائے لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اکثر متقی پرہیزگار لوگ مفلوک الحال ہوتے ہیں اور فاسق وبدکار بڑے مالدار(مرقات،اشعہ)

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَائَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ نِمْتُ فَرَاَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ بَدَلَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ)

(۴۷۰۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جنت میں گیا تو میں نے اس میں تلاوت سنی۱؎میں نے کہا یہ کون ہے بولے یہ حارثہ ابن نعمان ہیں۲؎ بھلائی ایسی ہوتی ہے۔بھلائی ایسی ہوتی ہے۳؎اور وہ اپنی ماں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکوکار تھے۴؎شرح سنہ،بیہقی شعب الایمان اور ان کی روایت میں ہے فرمایا میں سویا تو میں نے اپنے کو جنت میں دیکھا۵؎بجائے دخلت الجنة کے۔

(۴۷۰۳)۱؎یعنی ایک بار خواب میں ہم نے جنت دیکھی تو کسی کو خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے پایا قراءۃ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی قراءۃ القرآن۲؎آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے ایک بار حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کے پاس کوئی شخص بیٹھا تھا آپ نے سلام کیا اس شخص نے بھی جواب دیا جب دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا وہ صاحب جنہوں نے تم کو سلام کا جواب دیا حضرت جبرائیل تھے غالبًا حارثہ اس وقت وفات پاچکے تھے ہوسکتا ہے کہ اس وقت زندہ ہوں۔پہلا احتمال قوی ہے۳؎یہ جملہ یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو صحابہ سے فرمایا یا فرشتوں کی عرض ومعروض ہے جو انہوں نے حضور سے کی تو ذلکم کی جمع تعظیم کے لیے ہے۴؎یہ قول راوی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی والدہ کی بہت ہی خدمت کرتے تھے اس کی وجہ سے انہیں یہ عظمت ملی۔اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کی معراج کا ہے نہ کہ بیداری کی معراج کا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۷۰۴) روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب کی رضا باپ کی رضامندی میں ہے اور رب کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۱؎(ترمذی)

(۴۷۰۴)۱؎غالبًا اس وقت باپ کی خدمت ہی کا ذکر ہوگا اس لیے صرف باپ کا ذکر فرمایا ورنہ ماں کا بھی یہ ہی حکم ہے بلکہ بطریق اولیٰ اس کی مستحق ہے ممکن ہے کہ والد سے مراد جنس ہو یعنی ولادت والا خواہ مرد ہو یا عورت یعنی ماں ہو یا باپ طبرانی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا فی رضا الوالدین وفی سخطهما ... اس کی شرح ہے کہ والد سے مراد والدین ہیں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ

حضور کا یہ فرمان خود عبداللہ ابن عمرو سے تھا کہ وہ خود عابد زاہد تہجد گزار شب بیدار تھے مگر ان کے والد عمرو ابن عاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں اپنے بیٹے سے ناراض ہوں تب آپ نے یہ ان سے فرمایا۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ اَنَّ رَجُلاً اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ لِیَ امْرَاَةً وَّاِنَّ اُمِّی تَاْمُرُنِیْ بِطَلَاقِهَا فَقَالَ لَهُ اَبُوالدَّرْدَآءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَی الْبَابِ اَوْضَیِّعْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۰۵) روایت حضرت ابی الدرداء سے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا بولا میری بیوی ہے اور میری ماں اسے طلاق دے دینے کا مجھے حکم دیتی ہے[۱] تو ان سے ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ والدین جنت کے دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہیں تو اگر تم چاہو تو دروازہ سنبھال لو یا اسے ڈھادو[۲] (ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۷۰۵) [۱] یعنی فرمایئے میں کیا کروں اسے طلاق دوں یا نہ دوں کہ طلاق تمام مباح چیزوں میں بہت ہی ناپسندیدہ چیز ہے[۲] مقصد یہ ہے کہ یا تو اپنی بیوی سے اپنی ماں کو راضی کر دو۔ ساس بہو کی صلح کرادو یا طلاق دے دو۔ صراحۃً طلاق کا حکم نہ دیا کہ ایسی صورت میں طلاق دینا واجب نہیں بہتر ہے اور اگر ماں باپ بیوی پر ظلم کرنے کا حکم دیں کہ اسے خرچہ نہ دے اسے میکے میں چھوڑ دے تو ہرگز نہ کرے کہ ظلم حرام ہے ماں باپ کی اطاعت حکم شرع کے خلاف میں نہیں۔

وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَ قْرَبُ فَالْاَقْرَبَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۰۶) روایت ہے بہز ابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[۱] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں کس سے سلوک کروں فرمایا اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا پھر اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنے باپ سے[۲] پھر درجہ بدرجہ قرابت داروں سے[۳] (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۷۰۶) [۱] آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے کہ آپ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری ہیں بصری ہیں، یہاں جدہ میں ہ ضمیر بہز کی طرف لوٹتی ہے لہٰذا معاویہ ابن حیدہ سے یہ روایت ہے[۲] اس کی شرح پہلے ہو چکی کہ حق الخدمت ماں کا تین گنا ہے باپ کا ایک گنا کہ ماں نے بچہ کو اولاً پیٹ میں رکھا۔ پھر جنا، پھر دودھ پلایا۔ اس کے بعد کی پرورش میں ماں باپ دونوں شریک رہے خیال رہے کہ حق خدمت ماں کا زیادہ ہے[۳] ظاہر یہ ہے کہ قرابت داروں سے مراد نسبی قرابت دار ہیں ان میں جتنا قرب زیادہ اتنا حق زیادہ۔ چنانچہ پہلے بھائی بہن پھر ماموں چچا وغیرہ اور ہوسکتا ہے کہ قرابت دار عام مراد ہوں جن میں ساس سالا رضاعی ماں وغیرہ سب شامل ہوں۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِیْ فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۰۷) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں[۱] اور میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا فرمایا[۲] اور اس کے لیے اپنے نام سے نام مشتق کیا[۳] تو جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا[۴] (ابوداؤد)

(۴۷۰۷)۱؎ یعنی معبود حقیقی ہوں سب سے غنی، دل سب کا داتا ہوں۲؎ رحم سے مراد یا تو رحمی رشتے اور قرابت داریاں ہیں یا خاص رحم ہے یعنی بچہ دانی جو عورت کے پیٹ میں ہے کہ یہ تمام نسبی رشتوں کا ذریعہ ہے۳؎ یعنی اپنے نام سے اس کا نام بنایا یہاں اشتقاق صرفی مراد نہیں کہ اس قاعدہ سے تو لفظ رحمٰن بنا ہے رحم سے۴؎ یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے گا میں اسے اپنے سے ملالوں گا اور اپنی رحمت تک پہنچا دوں گا اور جو ان کے حقوق ادا نہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے دور کروں گا۔ جو مجھ سے ملنا چاہے وہ اپنے عزیزوں کے حق ادا کرے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰی قَوْمٍ فِيْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۰۸) روایت ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس قوم پر رحمت نہیں اترتی جن میں قرابت توڑنے والا ہو۱؎ (بیہقی، شعب الایمان)

(۴۷۰۸)۱؎ یعنی جس قوم میں ایک شخص اپنے عزیزوں کی حق تلفی کرتا ہو اور دوسرے لوگ اس کی اسی گناہ پر مدد کرتے ہوں یا باوجود قدرت کے اسے اس ظلم سے نہ روکتے ہوں تو وہ سب لوگ رحمت سے محروم ہیں گناہ کرنا بھی گناہ ہے۔ باوجود قدرت کے گناہ سے نہ روکنا بھی گناہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ایک کی شامت سے یہ سب لوگ رب کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہذا مطلب واضح ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰی اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۷۰۹) روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اس کے مرتکب پر سزا اللہ دنیا میں بھی بھیجے مع آخرت میں ذخیرہ کرنے کے بمقابلہ بغاوت اور رشتہ توڑنے کے۱؎ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۷۰۹)۱؎ یعنی تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی کیونکہ دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء مگر دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔ ایک بغی دوسرا رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنا۔ ان کی حق تلفی، بغی کے معنی ظلم بھی ہیں۔ بادشاہ اسلام پر بغاوت کرنا بھی۔ تکبر وغرور کرنا بھی۔ یہاں تینوں معنی کا احتمال ہے (مرقات) دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں بھی چین سے نہیں رہتا در بدر پھٹکارا پھرتا ہے ماں باپ کا خدمت گار دنیا میں عیش، چین عزت پاتا ہے یہ میرا خود اپنا تجربہ ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ عزیزوں کی حق تلفی خیانت اور جھوٹ اس لائق ہیں کہ ان کی سزا دونوں جہان میں ملے رشتہ داروں کی خدمت میں وہ نیکی ہے جس کی جزا دونوں جہان میں ملتی ہے۔ حتی کہ بعض لوگ فاسق فاجر ہوتے ہیں مگر رشتہ داروں سے سلوک کی وجہ سے ان کے مال واولاد میں برکت ہوتی ہے۔ (مرقات) یہ بھی تجربہ ہے بعض فساق ماں باپ کی خدمت کی برکت سے بہت پھلتے پھولتے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَّلَا عَاقٌّ وَّلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(۴۷۱۰) روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور نافرمان اور ہمیشہ کا شراب خوار۱؎ (نسائی، دارمی)

(۴۷۱۰)۱؎ منان بنا ہے منٌ سے من کے چند معنی ہیں کسی پر منت رکھنا یعنی کچھ دے کر اسے طعنے دینا ایذا رسانی کرنا۔ رب تعالٰی فرماتا

ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲،۲۶۴) اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذاء دے کر (کنزالایمان) کاٹا ختم کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ (۶۸،۳) ضرور تمہارے لیئے بے انتہا ثواب ہے۔ (کنزالایمان) خواہ قطع رحمی ہو یا قطع طریق یعنی ڈکیتی یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں (لمعات، مرقات) عاق ماں باپ کا نافرمان۔ مدمن خمر وہ جو شراب خوری کا عادی ہو اس سے توبہ نہ کرے یعنی یہ لوگ اولاً جنت میں جانے کے مستحق نہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے شراب خواری خود ہی سخت جرم ہے پھر اس پر ہمیشگی ڈبل جرم۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِى الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِى الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِى الْاَثَرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۷۱۱) روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے نسب یاد رکھو۔ جس سے اپنے رشتے جوڑو[۱] کیونکہ رشتے جوڑنا گھر والوں میں محبت ہے۔ مال میں برکت ہے[۲] عمر میں درازی ہے[۳] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۷۱۱) [۱] یعنی اپنے ددھیال ننھیال کے رشتہ یاد رکھو اور یہ بھی دھیان میں رکھو کہ کسی سے ہمارا کیا رشتہ ہے تاکہ بقدر رشتہ ان کے حق ادا کرتے رہو اگر تم کو رشتہ داروں کی خبر ہی نہ ہوگی تو ان سے سلوک کیسے کرو گے [۲] مثراۃ بنا ہے ثریٰ سے بمعنی کثرت اسی سے ہے ثروت مثرات کے معنی ہیں زیادتی مال اور برکت کا ذریعہ ہے [۳] منساۃ بنا ہے نساءٌ سے بمعنی تاخیر یا دیر اس لیے ادھار کو نسیہ کہتے ہیں کہ اس کی وصولی دیر میں ہوتی ہے اجل بمعنی موت یعنی اس کی برکت سے موت دیر سے آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمر بڑھتی ہے اس کا بہت لوگوں سے تجربہ کیا ہے بالکل درست پایا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِّىْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَّكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

(۴۷۱۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے تو کیا میری توبہ ہوسکتی ہے[۱] فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا تیری کوئی خالہ ہے عرض کیا کہ ہاں فرمایا اس سے اچھا سلوک کرو[۲] (ترمذی)

(۴۷۱۲) [۱] یعنی میں نے قولی یا عملی بدترین گناہ کرلیا ہے ایسے بدترین گناہ کی بھی توبہ ہوسکتی ہے یا نہیں خیال رہے کہ یہاں سوال گناہ کے متعلق ہے کسی بندے کے حق کے متعلق نہیں کہ حق العبد بغیر ادا کیے یا بغیر اس صاحب حق کے معاف کیے معاف نہیں ہوتا [۲] یہ ہے حضور کی شان پردہ پوشی کہ اس سے پوچھا نہیں کہ تو نے گناہ کیا کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے بیان کرکے رسوا نہ ہو حضور کو معلوم تھا کہ اس نے گناہ کیا ہے جو صلہ رحمی کے وجہ سے معاف ہوسکتا ہے کسی کا حق نہیں مارا ہے جس کی معافی صلہ رحمی وغیرہ نیک عمل سے نہ ہوسکے اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ صلہ رحمی سے گناہ معاف ہوتے ہیں کہ صلہ رحمی بھی نیکی ہے اور نیکیوں سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱،۱۱۴) بےشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (کنزالایمان) دوسرے یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ چھپ کر ہی کرے۔ ہاں علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ کرے۔ التوبة على قدر الحوبة تیسرے گناہ کے حد کی ہو۔ اس سے نبی کریم کے علم غیب کا بھی ثبوت ہوا۔

وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْجَآئَہٗ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سَلَمَۃَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِھِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْھِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِنْ بَعْدِ ھِمَا وَصِلَۃُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا وَاِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۴۷۱۳) روایت ہے حضرت ابواسید ساعدی سے فرماتے ہیں جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا عرض کیا یارسول اللہ کیا میرے والدین کی بھلائیوں میں سے کوئی بھلائی باقی ہے جو میں ان کی موت کے بعد ان سے کروں[۱] فرمایا ہاں ان کے لیے دعا رحمت ان کی بخشش کی دعا ان کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا اور ان رشتوں کو جوڑنا جو ان ہی کی وجہ سے ہی جوڑے جائیں[۲] اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا[۳] (ابوداؤد)

(۴۷۱۳) [۱] آپ صحابی ہیں انصاری ہیں، تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے آپ سے بہت محدثین نے روایات کیں آخر نابینا ہوگئے تھے ۷۸ اٹھتر سال عمر پائی ۶۰ ھ ساٹھ میں وفات ہوئی۔ آپ سارے بدری صحابہ میں آخری صحابی تھے کہ آپ کی وفات سے بدری صحابہ کا سلسلہ ختم ہوا بڑی عظمتوں برکتوں والے تھے رضی اللہ عنہ۔ یعنی میرے ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے اب میں ان سے کوئی سلوک کیسے کروں دل چاہتا ہے کہ سلوک کا سلسلہ قائم رہے۔ [۲] یعنی اب تم ان کے ساتھ چار قسم کے سلوک کرسکتے ہو ایک تو ان کے لیے دعاء خیر اور ان کے گناہوں کی معافی کی رب سے درخواست دعا میں نماز جنازہ بھی داخل ہے (مرقات) ہر نماز کے آخر میں رب اغفرلی ولوالدی پڑھنا بھی ان کے نام پر صدقات و خیرات کرنا بھی ان کی طرف سے حج بدل کرنا یا کرانا بھی۔ ان کا تیجہ دسواں چالیسواں برسی وغیرہ کرنا بھی غرضیکہ یہ ایک لفظ بہت جامع ہے یعنی ان کی وصیت پوری کرنا اس کے علاوہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی سے جو وعدہ کیا ہو اور بغیر پورا کیے مرگئے ہوں وہ پورا کرنا اس میں ادائے قرض بھی داخل ہے۔ بعض لوگ اپنے والدین کی اچھی رسمیں باقی رکھتے ہیں یہ بھی اسی میں داخل ہے اگر ماں باپ کسی تاریخ میں خیرات کرتے تھے یا میلاد شریف، گیارہویں کرتے تھے تو وہ ہمیشہ نبھاتے ہیں۔ جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے اس مسجد کی آبادی کی کوشش کرتے ہیں۔ جس خانقاہ سے انہیں عقیدت تھی۔ اس خانقاہ سے وابستہ رہتے ہیں یہ صورتیں اس حدیث میں داخل ہیں[۳] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جن عزیزوں سے رشتہ صرف ماں یا باپ کی وجہ سے ہو دوسری وجہ سے نہ ہو ان سے سلوک کرنا کہ یہ میرے والدین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اس میں بھائی بہن چچا ماموں پھوپھی خالہ سب ہی داخل ہیں دوسرے یہ کہ خالص رضاء والدین کے لیے ان سے سلوک کرنا اپنی ناموری یا شہرت وغیرہ کو دخل نہ دے اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کی رضا کے لیے کام کرنا بھی بعض صورتوں میں ثواب کا باعث ہے لہذا حضور کی رضا کے لیے نیک اعمال کرنا بالکل جائز ہے شرک یا گناہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ماں باپ سے زیادہ ہے مرقات واشعہ نے اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا۔ غرضیکہ ان عزیزوں کی والدین کی رضا کے لیے خدمت کرے اور والدین کی رضا اللہ رسول کے لیے چاہیے[۳] احترام میں تعظیم و اکرام بھی داخل ہے اور ان کی خدمت ان پر مال خرچ کرنا بھی شامل ہے بیٹا باپ کے دوستوں ماں کی سہیلیوں سے سلوک کرے۔

وَعَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لَحْماً بِالْجِعِرَّانَۃِ اِذْ اَقْبَلَتْ اِمْرَاَۃٌ حَتّٰی دَنَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(۴۷۱۴) روایت ہے حضرت ابوطفیل سے[۱] فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم فرماتے دیکھا[۲] کہ ایک بی بی صاحبہ آئیں حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب

فَبَسَطَ لَهَا رِدَآءَهُ فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ مَنْ هِيَ فَقَالُوْا اُمُّهُ الَّتِيْ اَرْضَعَتْهُ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

ہوگئیں تو حضور نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی وہ اس پر بیٹھ گئیں[۳] میں نے کہا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ حضور کی وہ ماں ہیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا ہے[۴] (ابوداؤد)

(۴۷۱۴)[۱] آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خاص ہمراہیوں میں سے ہیں آخری صحابی جن کی وفات ہوئی آپ ہی ہیں آپ کی وفات سے دور صحابہ ختم ہوا[۲] جعرانہ مکہ معظمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے طائف کے راستہ میں میدان حنین سے متصل ہے غزوۂ حنین کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سولہ دن قیام فرمایا یہاں ہی حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں[۳] اللہ اکبر بادشاہوں کے ایلچی آئیں تو جوتوں پر بیٹھیں جبرائیل امین آئیں تو التحیات کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانو بیٹھیں مگر یہ خوش نصیب بی بی حاضر ہوں تو ان کے لیے چادر بچھائی جائے جس پر وہ بیٹھیں یہ ہے دودھ کی ماں کی عزت واحترام[۴] یہ والدہ حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب ہیں جو قبیلہ ہوازن کی ایک بی بی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کی مدت آپ نے پوری کرائی غزوہ حنین کے موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر مبارک بچھادی۔حق یہ ہے کہ ثویبہ اور حلیمہ اسی طرح حلیمہ کے خاوند مسلمان ہوگئے۔بی بی خدیجہ سے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرلیا تو ثویبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتی تھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور مدینہ منورہ سے ثویبہ کے لیے کپڑے وغیرہ ہدایا بھیجا کرتے تھے۔بی بی ثویبہ کی وفات فتح خیبر کے بعد ہے،دیکھو (مرقات،اشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَّتَمَاشَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا اِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالاً عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَاْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وَلَدِيْ وَاِنَّهُ قَدْنَاءَ بِيَ الشَّجَرُ فَمَا اَتَيْتُ حَتّٰى اَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُّهُمَا قَدْنَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَرُءُوْسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَكْرَهُ

(۴۷۱۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کہ تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے آلیا تو وہ پہاڑ میں ایک غار کی طرف چلے گئے تو ان کے غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آگری تو ان کو ڈھک لیا تب ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ ان نیک اعمال کو سوچو جو تم نے اللہ کے لیے کیے ہوں اس کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو[۱] کہ اللہ اسے کھول دے تو ان میں سے ایک بولا الٰہی میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے[۲] میں ان کے لیے جانور چراتا تھا جب میں شام کو ان کے پاس آتا دوہتا تو اپنے ماں باپ سے ابتدا کرتا کہ انہیں اپنے بچوں سے پہلے پلاتا[۳] مجھے ایک درخت دور لے گیا[۴] تو میں نہ لوٹا حتی کہ شام ہوگئی۔پھر میں نے ان دونوں کو پایا کہ سو گئے تھے[۵] میں نے دودھ دوہا جیسے دوہا کرتا تھا پھر میں دودھ لایا تو ان کے سر کے

اَنْ اَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَابِيْ وَدَابُهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَآءَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰى يَرَوْنَ السَّمَآءَ قَالَ الثَّانِيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا فَاَبَتْ حَتّٰى اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُّ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَاللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْهَا اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَّقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ كُنْتُ اسْتَاْجَرْتُ اَجِيْراً بِفَرَقِ اَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهٗ قَالَ اَعْطِنِيْ حَقِّيْ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهٗ فَتَرَكَهٗ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهٗ حَتّٰى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَراً وَّرَاعِيَهَا فَجَآءَنِيْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِيْ وَاَعْطِنِيْ حَقِّيْ فَقُلْتُ اذْهَبْ اِلٰى ذٰلِكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيْهَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَ اَبِيْ فَقُلْتُ اِنِّيْ لَا اَهْزَاُبِكَ فَخُذْ ذٰلِكَ الْبَقَرَوَرَاعِيَهَا فَاَخَذَهٗ فَانْطَلَقَ بِهَا فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِيَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پاس کھڑا ہوگیا۔ میں ان کو جگانا پسند نہ کرتا تھا اور یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ ان سے پہلے بچوں سے ابتدا کروں ۶؎ اور بچے میرے قدموں کے پاس بھوک سے رو رہے تھے میری ان کی حالت یہ ہی رہی حتیٰ کہ صبح طلوع ہوگئی ۷؎ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا ہے ۸؎ تو اتنی کشادگی کردے جس سے ہم آسمان دیکھ لیں ۹؎ چنانچہ اللہ نے ان کے لیے اتنا کھول دیا کہ وہ آسمان دیکھنے لگے ۱۰؎ دوسرا بولا الٰہی میری چچازاد تھی۔ جس سے میں بہت ہی محبت کرتا تھا ۱۱؎ جیسی مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اس کی طرف اس کے نفس کے مطالبہ کے لیے بھیجا ۱۲؎ اس نے انکار کیا حتیٰ کہ میں اس کو سو دینار دوں ۱۳؎ چنانچہ میں نے محنت کی حتیٰ کہ سو دینار جمع کرلیے پھر میں اس کے پاس وہ لایا جب میں اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھا ۱۴؎ تو وہ بولی اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر۔ مہر نہ کھول ۱۵؎ میں اس کے سامنے اٹھ کھڑا ہوگیا ۱۶؎ الٰہی تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کر کے لیے کیا تو اس میں اور زیادہ کشادگی کردے تو اللہ نے اور کشادگی فرما دی ۱۷؎ تیسرا بولا الٰہی میں نے مزدور رکھا تھا چاول کے ایک پیمانہ کے عوض ۱۸؎ تو جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا تو کہا مجھے میرا حق دے دو میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا وہ اسے چھوڑ گیا ۱۹؎ اس سے بے رغبتی کی میں اس چاول کو بوتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس سے بیل اور چرواہے جمع کرلیے ۲۰؎ پھر وہ میرے پاس آیا بولا اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر مجھے میرا حق دے دے۔ میں نے کہا ان بیلوں اور چرواہوں کی طرف جا۔ وہ بولا اللہ سے ڈر مجھ سے دل لگی نہ کر ۲۱؎ میں نے کہا کہ میں تجھ سے دل لگی نہیں کرتا تو یہ بیل اور چرواہے لے لے اس نے قبضہ کرلیا اور لے گیا ۲۲؎ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تری رضا کی تلاش کے لیے کیا تو باقی ماندہ بھی کھول دے۔ رب نے پھر ان سے کھول دیا ۲۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۱۵) ۱؎ معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا کرنا چاہیے کہ یہ بھی ذریعہ قبولیت ہے اور جس کے پاس اپنی نیکیاں نہ ہوں جیسے ہم گنہگار تو وہ مقبول بندوں کی نیکیوں کی توسل سے دعا کریں جیسے ہم کہیں کہ خدایا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول سجدوں کا توسل حضرت حسین کی پیاری شہادت کا صدقہ حضور غوث پاک کی اطاعتوں کے طفیل ہم کو اچھا خاتمہ اور تقویٰ کی توفیق ... کے نیک اعمال یقیناً

مقبول ہیں ۲؎ یعنی ماں باپ بوڑھے تھے بچے چھوٹے دونوں کمزور تھے میری خدمت کے حاجت مند ان سب کا میں ہی کفیل تھا ۳؎ معلوم ہوا کہ بوڑھے ماں باپ کو اپنی چھوٹی اولاد پر ترجیح دینا بھی نیکی ہے کہ پہلے ان کی خدمت کرے بعد میں بچوں کو سنبھالے ۴؎ یعنی اپنی بکریاں چرانے کے لیے مجھے دور جانا پڑا قریب میں مجھے کوئی درخت نہ ملا جس کے پتے جھاڑ کر بکریاں چراؤں اس لیے گھر دیر میں لوٹا ۵؎ یعنی میں جنگل سے رات گئے واپس ہوا پھر دودھ دوہتے ہوئے دیر ہوئی۔ دودھ گرم کرنے میں اور وقت لگا۔ حتیٰ کہ جب میں والدین کے پاس لایا۔ تو وہ سو چکے تھے یا یہ مطلب ہے کہ میرے آتے وقت ہی وہ سو چکے تھے اگر جاگتے ہوتے تو انہیں جلدی دوہ کر پلا دیتا حلاب کے معنی ہیں دودھ، یا دودھ کا برتن جس میں دودھ دوہا جاتا ہے ۶؎ خیال رہے کہ یہ بچوں پر ظلم نہیں بلکہ ماں باپ کا احترام ہے بوڑھے ماں باپ بھی بچوں کی طرح ہی ہو جاتے ہیں جو انہیں تکلیف دے تو اس کی اولاد اس کے بڑھاپے میں اس کو ایذا دے گی یہ خدمت یا ایذا رسانی نقد سودا ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے (مرقات) ۷؎ صبح کو وہ اٹھے تو میں نے پہلے انہیں دودھ پلایا پھر بچوں کو دیا ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص رات بھر کھڑا رہا بچے کچھ دیر چیخ چلا کر سو گئے ہوسکتا ہے کہ بچے بار بار سوتے جاگتے رہے ہوں والدین سوتے رہے ہوں یہ کھڑا رہا ہو ۸؎ اس عرض و معروض میں رب کے علم میں تردد نہیں بلکہ اپنے اخلاص میں شک اور تردد ہے یعنی اگر میرے دل میں اخلاص ہوگا۔ تب تو جانتا ہی ہوگا ۹؎ کیونکہ اس بند غار میں ہمارا دل گھٹ رہا ہے اس بے کسی بے دردی میں تو ہی ہمارا والی وارث ہے ۱۰؎ اس طرح کہ پتھر میں قوی جنبش پیدا ہوئی اور خود بخود سرک گیا یا کسی فرشتے نے کام کیا بہر حال رب تعالٰی نے ان کی دستگیری کی ۱۱؎ یعنی یہ محبت چچازاد بہن ہونے کی نہ تھی بلکہ میں اس کا عاشق ہو گیا تھا عشق بھی شہوت کا تھا نہ وہ عشق مجازی جو عشق حقیقی کا ذریعہ ہے۔ مصرع:۔ این فساد خوردن گندم بود ۱۲؎ یہاں طلب ہی ارسال کے معنی ہیں اسی لیے بعد میں ایسا ارشاد ہوا یعنی میں نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اپنی ذات میرے حوالے کردے زنا کے لیے (مرقات) ۱۳؎ یعنی اس نے زنا کرانے کی اجرت سو اشرفیاں مانگیں اسی اجرت کو خرچی کہتے ہیں ۱۴؎ اس طرح کہ میں نے اسے سو اشرفیاں کما کر دے دیں اس نے اپنا نفس میرے حوالہ کردیا اور ہم دونوں تنہائی میں جمع ہو گئے اور زنا کے لیے بالکل تیار ہو گئے ۱۵؎ یعنی میں کنواری بھی ہوں پارسا بھی ابھی تک نہ خاوند کے پاس گئی نہ کسی اجنبی کے پاس۔ مہر سے مراد پردہ بکارت ہے جو پہلی صحبت پر ٹوٹتا ہے یعنی مجھ سے زنا نہ کر رب یہاں بھی دیکھ رہا ہے ۱۶؎ گناہ نہ کرنا بھی کمال ہے مگر نازک حالات میں گناہ سے ہٹ جانا بڑا کمال رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (۵۵:۴۶) اور جو اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (۷۹:۴۰،۴۱) وہ جو اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔ (کنزالایمان) میں نے اپنی دی ہوئی نقدی بھی واپس نہ لی بطور صدقہ اس کو دے دی یہ اشرفیاں عورت کے لیے ابھی حرام تھیں اب حلال ہو گئیں یہ ہے انقلاب حقیقت ۱۷؎ چنانچہ اب اتنی کشادگی ہوگئی کہ دھوپ بھی غار میں آنے لگی مگر ابھی اتنی کشادگی نہیں ہوئی کہ یہ لوگ نکل سکتے اس لیے تیسرا بولا ۱۸؎ فرق اس پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یعنی قریباً آٹھ سیر دانہ سماتا ہے یعنی میں نے اسے آٹھ سیر دھان (منجی) کے عوض مزدور رکھا ۱۹؎ یعنی مزدور نے اپنی مزدور مانگی میں نے پیش کردی مگر کسی وجہ سے اس نے اس مزدوری دھان پر قبضہ نہ کیا اور غائب ہوگیا ۲۰؎ اس طرح کہ وہ کئی سال تک نہ آیا۔ میں اس زمانہ میں اس کے دھان بوتا کاٹتا رہا ہر سال وہ بڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ چند سالوں میں اس کا مال بہت بڑھ گیا۔ بیل اور غلام بھی اس آمدن سے خرید لیے گئے اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مال کو فضولی آدمی اگر تجارت میں لگا کہ بڑھا دے تو جائز ہے اس میں گناہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دینار بکری خریدنے کے لیے دیا انہوں نے ایک بکری خرید کر دو دینار میں فروخت

کر دی پھر ایک دینار میں دوسری بکری خریدی۔ پھر دینار اور بکری حضور کی بارگاہ میں لائے سرکار نے اس عمل پر ناراضی نہ فرمائی بلکہ ان کے لیے دعاء برکت کی (مرقات) اس سے بہت مسائل فقہیہ مستنبط ہو سکتے ہیں۔ نمبر ا مسجد، یتیم اور غائب آدمی کا متولی ان کے مال کو تجارت میں لگا سکتا ہے۔ نمبر ۲ اس صورت میں سارا نفع مالک ہی کا ہوگا کام کرنے والے کو اس سے کچھ نہ ملے گا نمبر ۳ اس صورت میں متولی اجرت نہ پائے گا۔ کیونکہ مالک نے اسے اس کام کا حکم نہ دیا تھا نمبر ۴ ماں باپ کی خدمت۔ پاک دامنی اور خدمت خلق اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں نمبر ۵ فی زمانہ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ سے کچھ فنڈ کاٹتی ہیں ملازمت سے الگ ہونے پر یہ جمع شدہ رقم مع زیادتی دیتی ہیں۔ یہ سود نہیں ملازم کے لیے حلال ہے کیونکہ ملازم قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس فنڈ کی رقم کا مالک قابض نہ بنا لہٰذا وہ رقم دین نہیں یہ نفع سود نہیں۔ حکومت اس فنڈ سے تجارت کرتی ہے اس تجارتی نفع سے اس ملازم کو دیتی ہے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے ۲۱ وہ سمجھا کہ میری مزدوری چند سیر دھان تھے یہ اتنی زیادہ دولت پیش کر رہا ہے مجھ سے دل لگی کر رہا ہے ۲۲ بعض روایات میں ہے کہ اسے دس ہزار درہم دیئے یا تو یہ مال اس قیمت کا تھا یا یہ نقدی بھی اس تمام مال کے ساتھ تھی نیک نیتی کی برکت سے یہ کثرت ہوئی ۲۳ اس حدیث سے جہاں اور مسائل معلوم ہوئے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہے اور حضرات اولیاء مقبول الدعاء ہوتے ہیں یہ تینوں اس زمانہ کے اولیاء تھے (مرقات) حدیث شریف میں ہے مظلوم کی بد دعا سے بچو اگرچہ کافر ہی ہو کہ مظلوم کی بد دعا رائیگاں نہیں جاتی اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو۔

وَعَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۱۶) روایت ہے حضرت معاویہ بن جاہمہ سے کہ جاہمہ ۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں ۲ تو فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا ہاں فرمایا اسے مضبوط پکڑو ۳ کیونکہ جنت اس کے پاس ہے ۴ (احمد، نسائی، بیہقی، شعب الایمان)

(۴۷۱۶) ۱ یہ معاویہ بھی صحابی ہیں ان کے والد جاہمہ ابن عباس ابن مرداس سلمی بھی صحابی یہ اہل حجاز سے ہیں ۲ غالبًا اس وقت کفار کا دباؤ زیادہ نہ تھا۔ بعض تھوڑے مسلمان بھی ان کے مقابلہ کے لیے کافی تھے۔ غرضیکہ اس وقت غزوہ فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا ۳ یعنی اپنی ماں کے پاس رہو اس کے خدمت کرو تمہارے لیے اس وقت جہاد سے بہتر ماں کی خدمت ہے کہ ماں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے ۴ پاؤں کا ذکر فرما کر اشارۃً بتایا کہ ماں کی خدمت اور اس کے سامنے عاجزی دونوں ہی ضروری ہیں خدمت کے ساتھ اکڑ نہ کرے اس کے پاؤں سے لگا رہے تب جنت پائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ امْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرِهُهَا فَقَالَ لِيْ طَلِّقْهَا فَاَبَيْتُ فَاَتٰى عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۱۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس بیوی تھی۔ جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اسے ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو ۱ میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس واقعہ کا حضور سے ذکر کیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دے دو ۲ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۷۱۷)۱؎ شاید اس بی بی میں کوئی دینی خرابی ہوگی۔ محض دنیاوی وجہ پر طلاق کا حکم نہ دیا ہوگا۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوب کا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر پر اس حکم کی بناء پر طلاق دینا واجب ہوگیا۔ مرقات نے فرمایا کہ امر استحباب کے لیے ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ طلاق دے دو تا کہ تمہارے والد تم پر ناراض نہ ہوں۔

2 وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاحَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِ هِمَا قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۱۸) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماں باپ کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے فرمایا۔ وہ دونوں تیری جنت اور آگ ہیں (ابن ماجہ)

(۴۷۱۸)۱؎ یعنی تیرے ماں باپ تیرے لیے جنت دوزخ میں داخلہ کا سبب ہیں کہ انہیں خوش رکھ کر تو جنتی بنے گا انہیں ناراض کرکے دوزخی یہ فرمان عالی وعدہ وعید دونوں کا مجموعہ ہے اگر چہ یہاں خطاب بظاہر خاص ہے مگر حکم تا قیامت عام ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْاَحَدُ هُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌ فَلاَیَزَالُ یَدْعُوْ لَهُمَا وَیَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰی یَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا ۔

(۴۷۱۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ جس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک فوت ہوجائے اور وہ ان کا نافرمان ہو۱؎ پھر وہ ان کے لیے دعا کرتا رہے بخشش مانگتا رہے حتی کہ اللہ اسے نیک کار لکھ دیتا ہے۲؎

(۴۷۱۹)۱؎ ماں باپ کی نافرمانی میں حق اللہ کی تلفی بھی ہے اور حق العباد کی بربادی بھی لہذا یہ اسلامی گناہ بھی ہے اور ماں باپ کا حق مارنا بھی اور گناہ بھی ہے کبیرہ۲؎ یعنی یہ نافرمان والدین کی وفات کے بعد اولاً نافرمانی سے توبہ کرے پھر مرتے دم تک ان کے لیے گناہوں کی بخشش کی دعا اور ایصال ثواب کرتا رہے تو رب تعالٰی برزخ میں اس کے ماں باپ کو اس سے راضی کردے گا اور اس کا گناہ کبیرہ تھا بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا (مرقات) آپ ماں کے بعد ان کا تیجہ، چالیسواں، برسی وغیرہ اور وقتاً فوقتاً ان کے نام پر خیرات جو کیا کرتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث بلکہ ہر نمازی نماز ختم ہوتے وقت ماں باپ کو دعائیں دیکر سلام پھیرتا ہے رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (۴۱:۱۴) اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو۔ (کنز الایمان)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مُطِیْعاً لِّلّٰهِ فِیْ وَالِدَیْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ وَاحِدً افَوَاحِدًا وَّمَنْ اَصْبَحَ عَاصِیاً لِّلّٰهِ فِیْ وَالِدَیْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ اِنْ وَّكَانَ وَاحِداً فَوَاحِدًا قَالَ رَجُلٌ وَّاِنْ ظَلَمَاهُ قَالَ وَاِنْ ظَلَمَاهُ وَاِنْ ظَلَمَاهُ وَاِنْ ظَلَمَاهُ ۔(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

(۴۷۲۰) روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کے بارے میں مطیع ہوا۱؎ تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۲؎ اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ اور جو اپنے والدین کے متعلق اللہ کا نافرمان ہو اس کے لیے آگ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۳؎ اگر ایک ہو تو ایک دروازہ۔ ایک شخص نے عرض کیا اگر چہ وہ ظلم کریں فرمایا اگر چہ ظلم کریں اگر چہ ظلم کریں اگر چہ ظلم کریں۴؎

(۴۷۲۰)۱؎ یہاں للہ فرما کر دو مسئلے بتائے ایک یہ کہ ماں باپ کی اطاعت اپنی ناموری یا رزق میں برکت کے لیے نہ کرے بلکہ محض اس لیے کرے کہ اللہ تعالٰی کا حکم ہے۔ رب تعالٰی اس سے راضی رہے دوسرے یہ کہ ان کی فرمانبرداری ناجائز باتوں میں نہ کرے اگر وہ نماز روزے سے

روکیں تو نہ مانے۲؎ کہ اگر اس حال میں مرجائے تو مرتے ہی ان میں داخل ہوجائے دو دروازے کھولنا اس کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ جنت میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ کھلنا ہی کافی ہے۔حضرت ابوبکر صدیق کے لیے جنت کے ہر دروازہ پر پکار پڑے گی کہ ابوبکر ادھر سے آیئے خلاصہ یہ ہے کہ ماں کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ہے باپ کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ممکن ہے کہ ان دونوں دروازوں میں فرق ہو ماں کی خدمت کا دروازہ عظیم الشان ہو کہ ماں کی خدمت اعلیٰ ہے۔واللہ اعلم۔۳؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ ماں باپ کی نافرمانی دوزخ کا دروازہ کھلنے کا ذریعہ ہے کہ نافرمان مرا اور دوزخ میں گیا اگرچہ بعد قیامت اس کی دوسری نیکیاں دوزخ سے اسے نکال دیں مگر فی الحال تو دوزخ میں جائے گا۔ماں باپ کی بد دعا بڑے سے بڑے متقی کو آفت میں ڈال دیتی ہے تم کو معلوم ہے کہ جریج اسرائیلی نے نماز کی وجہ سے ماں کی پکار کا جواب نہ دیا تو مصیبت میں پھنس گیا کہ اسے زنا کی تہمت لگی لوگوں نے مارا اگرچہ پھر اپنی نیکیوں کی وجہ سے نجات پا گیا کہ شیر خوار بچے نے اس کی پاکدامنی کی گواہی دی۔جس سے اس کی گئی ہوئی عزت واپس آئی مگر ماں کی ناخوشی نے اپنا رنگ دکھا دیا ماں باپ کی نافرمانی ان کی بددعا سے رب کی پناہ۴؎ ظلم سے مراد دنیاوی ناانصافی ہے دینی گناہ مراد نہیں مثلًا ایک باپ اپنے بیٹوں میں سے ایک سے محبت کم کرتا ہے دوسری اولاد کو اس پر ترجیح دیتا ہے یا اسے کسی حق سے محروم کردیتا ہے مگر یہ مظلوم لڑکا ان کی خدمت ضرور کرے اس کی عوض اللہ تعالٰی اسے مالا مال کردے گا آزما کر دیکھ لو ماں باپ کی خدمت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ وَّلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ ۔

(۴۷۲۱) روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی اپنے ماں باپ سے بھلائی کرنے والا لڑکا جو اپنے والدین کو ایک نظر رحمت سے دیکھے مگر اللہ اس کے لیے ہر نظر کی عوض مقبول حج لکھتا ہے۔عرض کیا کہ اگرچہ ہر دن سو بار دیکھے۳؎ فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۴؎

(۴۷۲۱)۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت شعار لڑکے کو ان کی فرمانبرداری کا ثواب تو ملے گا ہی پیار و محبت سے انہیں دیکھنے کا ثواب بھی ملے گا غور کرو کہ جب ماں باپ کے دیکھنے کا اتنا ثواب ہے تو جو مومن ان آنکھوں سے حضور کا چہرہ انور محبت سے دیکھے اس کا ثواب کتنا ملے گا فقیر تو کہتا ہے کہ ان کے نام کو محبت سے دیکھنا چومنا بھی ثواب ہے۔شعر:۔

خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا ان کا   خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا ان کا

۲؎ سائل نے سمجھا ہوگا کہ دن بھر کی نگاہیں ایک بار میں شمار ہوں گی اس لیے یہ سوال کرکے مسئلہ حل کرلیا۳؎ یعنی اے پوچھنے والے اللہ کریم کی دین پر تعجب نہ کر اگر تو دن بھر میں ہزار بار ماں باپ کو پیار سے دیکھ لے تو تجھے ہزار حج مقبول کا ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ یہ تو اپنے ماں باپ کی محبت کا ثواب ہے جنہوں نے ہم کو جنا جس ماں نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو بخشا اس ماں یعنی آمنہ خاتون حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے محبت کا ثواب کتنا ہوگا یہ وہ ماں ہے جس کے قدم پاک پر سارے جہان کی مائیں قربان و نثار ہوں ہماری جیسی سینکڑوں جانیں ان کے نام پر نچھاور ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَآءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِى الْحَيٰوةِ

(۴۷۲۲) روایت ہے ابی بکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام گناہوں میں سے اللہ جو چاہے بخش دے گا۱؎ سوا ماں باپ کی نافرمانی کے کہ اس شخص کے لیے موت سے پہلے زندگی

قَبْلَ الْمَمَاتِ .(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

میں ہی سزا دیتا ہے۔[2]

(۴۷۲۲)[1] یعنی اللہ تعالٰی ہرقسم کے گناہ صغیرہ وکبیرہ اگر چاہے گا تو معاف فرمادے گا اس قاعدے سے شرک وکفر اور حقوق العباد خارج ہیں کہ شرک وکفر تو زندگی میں ایمان لائے بغیر معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد ادا کیے بغیر معاف نہیں ہوتے نیز تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جو کہ آگے آرہا ہے۔[2] صاحبہ میں ہ ضمیر عقوق کی طرف ہے اور الممات میں الف لام مضاف الیہ کی عوض ہے اس سے مراد یا تو خود یہ نافرمان بیٹا ہے یا ماں باپ خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سخت ناراضی کے اظہار کے لیے ہے لازمی قانون کے لیے نہیں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴:۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر کے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔(کنزالایمان) (مرقات) یا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا ہے وہ ماں باپ کوستانا ہے۔ شرک وکفر پر دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں۔ ماں باپ کوستانے والا دنیا میں چین نہیں پاتا۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ . (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۲۳) روایت ہے حضرت سعید ابن العاص سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھوٹے بھائی پر بڑے بھائی کا حق ایسا ہے جیسے باپ کا حق اولاد پر[2] ان پانچ حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

(۴۷۲۳)[1] آپ حضرت عمرو ابن عاص کے بھائی ہیں۔ ہجرت کے سال پیدا ہوئے قریش کے سرداروں میں سے تھے حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے حضرت عثمان نے آپ کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں ۵۹ انسٹھ میں وفات ہوئی ایک سعید ابن عاص ابن امیہ بھی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔[2] یعنی بڑے بھائی کا حق اس قسم کا ہے جس قسم کا حق باپ کا اپنی اولاد پر ہے یہاں تشبیہ نوعیت میں ہے مقدار حق مراد نہیں۔

بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ مخلوق پرشفقت ورحمت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

شفقت بنا ہے شفق سے بمعنی ڈر وخوف پھر اصطلاح میں شفقت اس مہربانی کو کہتے ہیں جو ڈر کے ساتھ ہو یعنی کسی پر مہربانی کرنا اس ڈر سے کہ ان پر مہربانی نہ کرنا اللہ تعالٰی کے ناراضی کا باعث ہے رحمت کسی پر بلا استحقاق مہربانی کرنا' رحمت دو قسم کی ہوتی ہے رحمت عامہ اور رحمت خاصہ یہاں دونوں رحمتیں مراد ہیں۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۲۴) روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا[1] (مسلم، بخاری)

(۴۷۲۴)؎یہ فرمان عالی یا بطور بد دعا ہے یا بطور خبر یعنی خدا اس پر رحم نہ کرے یا رحم نہ کرے گا لوگوں پر رحمت اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَّزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۷۲۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو نہیں چومتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں کہ اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال لیا؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۲۵)؎یعنی تم لوگوں کو اپنے بچوں کو نہ چومنا اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحم وکرم نکال دیا ہے جن کے دلوں سے اللہ رحم نکال دے اس کے دل میں ہم رحمت وکرم کس طرح ڈالیں۔ہم تو اللہ کی رحمتوں کے دروازے ہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ جَآءَتْنِیْ اِمْرَاءَةٌ وَّمَعَهَا اِبْنَتَان لَهَا تَسْاَلُنِیْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ غَیْرَ تَمْرَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَعْطَیْتُهَا اِیَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَیْنَ اِبْنَتَیْهَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْراً مِّنَ النَّارِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۷۲۶) روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں مجھ سے کچھ مانگتی تھی؎ تو اس نے میرے پاس ایک چھوہارے کے سوا کچھ نہ پایا میں نے اسے وہ ہی دے دیا؎ اس نے وہ اپنی لڑکیوں میں بانٹ دیا اس میں سے خود نہ کھایا؎ پھر اٹھی اور چلی گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور کو یہ خبر دی تو فرمایا جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا کر دیا جائے؎ پھر ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ ہو جائیں گی؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۲۶) ؎امرات کی دوسری جلد باب السوال میں گزر گیا کہ بعض مجبوریوں میں مانگنا جائز ہے یہ بی بی صاحبہ انہیں مجبوریوں میں پھنسی ہوگی اس لیے اسے سوال درست تھا؎ یعنی میرے پاس سواء ایک کھجور کے اور کچھ نہ تھا میں نے وہ اسے دے دی معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے فقیر کو کچھ دے دے تھوڑے بہت کا خیال نہ کرے فقیر بھی تھوڑے کی شکایت نہ کرے تھوڑی چیز قبول ہو جائے تو بہت ہے اگر بہت سی چیز قبول نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں؎ یعنی وہ خود بھی بھوکی تھی اس کی دونوں بچیاں بھوکی تھیں مگر اس نے بچیوں کو کھلا دیا خود کچھ نہ کھایا یہ ناممکن ہے کہ خود سیر ہو اور بچیاں بھوکی ہوں؎ معلوم ہوا کہ بیٹیاں ملنا بھی رب کی طرف سے آزمائش ہے اکثر لوگ اس سے گھبرا جاتے ہیں اس پر صبر کرنا چاہیے کہ بے صبری سے اجر بھی جاتا رہتا ہے؎ یعنی یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہوں گی کہ وہ دوزخ میں جائے گا ہی نہیں یا اگر گیا تو وہاں دوزخ کی آگ اس تک نہ پہنچ سکے گی۔یہ بیٹیاں پردہ بن کر اسے محفوظ رکھیں گی مگر شرط یہ ہی ہے کہ ان پر گھبرائے نہیں ان سے اچھا سلوک کرے اس اجر کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو بہت امیدیں وابستہ ہیں کہ جوان ہو کر ہماری خدمت کریں گے لڑکیوں پر خرچ ہی کرنا ہوتا ہے وہ بھی بغیر کسی امید کے مگر دیکھا گیا ہے کہ آج کل بمقابلہ لڑکوں کے لڑکیاں ماں باپ کی خدمت بھی زیادہ کرتی ہیں اور ان کے مرے بعد ختم فاتحہ زیادہ لڑکیاں ہی کرتی ہیں کوئی خوش نصیب ہی لڑکوں سے آرام پاتے ہیں اکثر لڑکے بدنام اور بربادی کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَآءَ یَوْمَ

(۴۷۲۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو لڑکیوں کو پالے حتی کہ وہ جوان

الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن ایسے آئیں گے اور اپنی انگلیوں کو ملایا ۱؎ (مسلم)

(۴۷۲۷) ۱؎ یعنی خوش دلی سے دو لڑکیوں کو پال دینا خواہ اپنی بیٹیاں ہوں یا بہنیں ہو یا یتیمہ بچیاں قیامت میں مجھ سے قرب کا ذریعہ ہے اور جسے اس دن حضور کا قرب نصیب ہو جائے اسے سب کچھ مل جائے شعر:۔

گر محمد کا ساتھ ہو جائے — پھر تو سمجھو نجات ہو جائے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِيُّ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنَ كَالسَّاعِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۲۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شوہر والی اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی طرح ہے ۱؎ مجھے خیال ہے کہ فرمایا اس کی طرح جو تھکے نہیں اور اس روزے دار کی طرح جو افطار نہ کرے ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۲۸) ۱؎ ارامل جمع ہے ارمل کی جس کا مادہ رمل (ریگستان) چونکہ ریگستان باغات و سبزہ سے خالی ہوتا ہے اس لیے بے شوہر عورت کو ارملہ اور بے بی بی والے مرد کو ارمل کہتے ہیں خواہ کنواری ہوں یا بیوہ یا خاوند نے طلاق دے دی ہو یا خاوند نے اسے معلقہ کر رکھا ہو اگر یہ فقیر ہے تو اس پر خرچ بھی کرے اور اس کا کام کاج بھی اگر غنی ہے تو کام کاج کرے اس کا سودا سلف وغیرہ لا دیا کرے لفظ ساعی ان دونوں کو شامل ہے (مرقات واشعہ) ایسے شخص کا ثواب تو مجاہد و غازی فی سبیل اللہ کی طرح یا اس کے برابر ہے یہ خدمت بھی ایک قسم کا جہاد ہے ۲؎ یعنی جس قسم کا یا جتنا ثواب اس انتھک عابد کو ملتا ہے جو صائم الدہر قائم اللیل ہو اس قسم کا یا اتنا ثواب اس خدمت کرنے والے کو ملتا ہے احسب فرمانے والے حضرت ابو ہریرہ ہیں قال کا فاعل حضور (مرقات)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ وَلِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۷۲۹) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور یتیم کا پالنے والا ۱؎ خواہ اپنا ہو یا غیر کا ۲؎ جنت میں اس طرح ہوں گے اور کلمہ کی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا ان کے درمیان کچھ کشادگی فرمائی ۳؎ (بخاری)

(۴۷۲۹) ۱؎ یتیم وہ نابالغ انسان ہے جس کا والد فوت ہو چکا ہو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی لفظ یتیم ان دونوں کو شامل ہے (مرقات) جانوروں میں یتیم وہ چھوٹا بچہ جس کی ماں مرگئی ہو اور موتی وہ یتیم کہلاتا ہے جو اپنی سیپ میں اکیلا ہو یہاں انسان یتیم مراد ہے لڑکا یا لڑکی ۲؎ یعنی وہ یتیم خواہ اپنا پوتا، نواسا، بھتیجا، بھانجا ہو یا کوئی غیر کا بچہ جس سے یہ رشتہ داریاں نہ ہوں ۳؎ یعنی جیسے ان دونوں انگلیوں میں کوئی فاصلہ نہیں ایسے ہی قیامت میں مجھ میں اور اس میں کوئی فاصلہ اور دوری نہ ہوگی اس کو مجھ سے بہت ہی قرب نصیب ہوگا۔

وَعَنِ النُّعْمٰنِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى

(۴۷۳۰) روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مسلمانوں کو آپس کی رحمت آپس کی محبت آپس کی مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے ۱؎ کہ

عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جب ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے جسم کے اعضا بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۲(مسلم بخاری)

(۴۷۳۰)۱یعنی کامل مسلمان ایمان اسلامی رشتہ کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے ایک جسم کے اعضاء جن کے نام بھی مختلف ہیں۔کام اور شکل وصورت بھی جدا گانہ مگر چونکہ ان سب کی روح ایک ہے اس لیے ایک عضو کی تکلیف تمام اعضاء کو بے قرار کردیتی ہے یوں ہی مختلف ممالک کے مسلمانوں کے نام،کام،زبان،غذا دنیاوی رہن سہن مختلف ہیں مگر ان سب کا نبی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں لہذا ایک کی تکلیف سارے مسلمانوں کو بے قرار کردیتی ہے مگر یہ کیفیت زندہ مسلمانوں کی ہے جو مردہ یا بے حس ہوگئے وہ مردہ جسم یا سوکھے ہوئے اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک کو چوٹ لگاؤ دوسرے کو خبر نہ ہو۲یعنی ایک عضو کو بیماری ہو تو سارے اعضاء بے قرار ہوکر اس کی تکلیف دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب تک اسے آرام نہ ہوجائے یہ چین سے نہیں رہتے یوں ہی ایک مسلمان کی تکلیف کو ساری قوم مل کر دفع کرتی ہے اس کے بغیر چین سے نہیں بیٹھتی۔اللہ تعالٰی ہم سب کو اپنے محبوب سے وابستگی نصیب کرے اور ہماری قوم کا یہ ہی حال ہوجائے اب تو یہ حال ہے کہ مصرع: سوئی ہوئی قومیں جاگ اٹھیں بیدار مسلمان سوتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۳۱)روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہوجائے اور اگر اس کا سر درد کرے تو سارا جسم بیمار ہوجائے۱(مسلم)

(۴۷۳۱)۱یعنی قوم مسلم گویا ایک جسم ہے افراد مسلم گویا اس جسم کے اعضاء ایمان مسلم گویا اس جسم کی جان ہے۔حرارت ایمانی کو گویا غیرت ایمان سے تعلق ہے اس تعلق کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی تکلیف سارے افراد کی تکلیف ہے خیال رہے کہ غدار مسلمانوں کو قوم سے نکالنا ایسا ہے جیسے گلے سڑے عضو کو جسم سے کاٹ دینا تاکہ اس کا فساد دوسرے اعضاء میں نہ پہنچے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۳۲)روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان،مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ اس کا بعض سے بعض مضبوط ہوتا ہے۱اور اپنی انگلیوں کو گتھا دیا۲

(۴۷۳۲) ۱یعنی مومنوں کے دنیاوی اور دینی کام ایک دوسرے سے مل جل کر مکمل ہوتے جیسے مکان کی دیواریں ایک دوسرے سے مل کر مکان مکمل کرتی ہیں۲اس طرح کہ ایک ہاتھ شریف کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کردیں یعنی گتھا دیں یہ سمجھانے کے لیے کہ جیسے یہ انگلیاں ایک دوسرے میں داخل ہوگئیں ایسے ہی مسلمان ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ہیں کہ یہ کبھی بے تعلق نہیں ہوسکتے گتھانے والے یا حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مثال یہ بتانے کے لیے ہے کہ مسلمانوں کے بعض کے بعض پر حقوق ہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اَتَاهُ السَّآئِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِهٖ

(۴۷۳۳)روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ جب حضور کے پاس سوالی یا حاجت مند آتا تو فرماتے اے صحابہ سفارش کرو ثواب دیئے جاؤ گے۱اور اللہ اپنے رسول کی زبان پر

مَاشَآءَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

جو چاہے فیصلہ فرمائے۲ (مسلم، بخاری)

(۴۷۳۳) ۱؎ یعنی اس سائل یا حاجت مند کی حاجت روائی کے لیے ہم سے سفارش کرو تم کو سفارش کرنے کا ثواب ملے گا معلوم ہوا کہ حاکم سے حق اور اہل حق کی سفارش کرنا ثواب ہے کہ نیکی کرنا نیکی کرانا نیکی کا مشورہ دینا سب ہی ثواب ہے باطل کی سفارش گناہ ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ شرعی حدود میں سفارش حرام ہے اور تعزیرات میں سفارش جائز (اشعہ) ۲؎ یعنی اگر ہم تمہاری سفارش کے مطابق فیصلہ کریں تو تمہاری سفارش کی وجہ سے نہ کریں گے بلکہ بہ حکم الٰہی اور اگر سفارش قبول نہ کریں اس کے خلاف فیصلہ کریں تو بھی تمہاری سفارش کی مخالفت سے نہیں بلکہ یہ دونوں عمل بہ حکم الٰہی ہوں گے کیونکہ ہماری زبان پر رب تعالیٰ کلام فرماتا ہے ہمارے کام رب کے کام ہیں ہاں تم کو بہر حال ثواب مل جائے گا خواہ سفارش قبول ہو یا نہ ہو لہٰذا تم سفارش قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو اور آئندہ سفارش چھوڑ نہ دو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْماً فَقَالَ رَجُلٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْماً فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِماً قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۳۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اس کی مظلومیت میں تو مدد کروں گا ظالم ہونے پر اس کی مدد کیسے کروں فرمایا اسے ظلم سے روک دو یہ ہے تمہاری اسے امداد۲ (مسلم، بخاری)

(۴۷۳۴) ۱؎ یعنی اپنے بھائی مسلمان کی بہر حال مدد کرو خواہ تمہاری مدد اس کو خوش کرے یا مغموم کرے ۲؎ یعنی ظالم کو ظلم سے روک دینا ہی اس کی بڑی مدد ہے کہ اسے مظلوم کی بددعاؤں سے اللہ کے عذاب سے بچالینا ہے ایک شاعر کہتا ہے یعنی "قدرت پاکر کسی پر ظلم نہ کرو کہ ظلم کا انجام ندامت ہے تم تو رات کو سو جاؤ گے مگر مظلوم نہ سوئے گا۔ تم پر رات میں بددعا کرے گا اللہ کی آنکھ سوتی نہیں وہ اس وقت اس کو دیکھتی ہے"۔ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۳۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۱؎ نہ تو اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے۲؎ اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے گا اللہ اس کی حاجت میں رہے گا اور جو مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف دور کرے گا۳؎ اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۴؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۳۵) ۱؎ یعنی مسلمان مسلمان کا دینی و اسلامی بھائی ہے یا مسلمان مسلمان کے لیے سگے بھائی کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی اہم کہ نسبی بھائی کو ماں باپ نے بھائی بنایا اور مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بنایا۔ حضور سے رشتہ غلامی قوی ہے ماں باپ سے رشتہ نسبی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کے بھائی نہیں حضور تو مثل والد کے ہیں اس لیے حضور کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں بھاوج نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن و مسلم ہم معنی ہیں کہ قرآن کریم نے مومنوں کو بھائی قرار دیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹،۱۰) مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔ (کنزالایمان) اور حضور نے یہاں مسلمون کو (از مرقات) خیال رہے کہ یہاں بھائی ہونا رحمت و شفقت کے لحاظ سے ہے نہ کہ احکام

کے اعتبار سے۲؎ یسلم بنا ہے اسلام سے جس کا مادہ سلم بمعنی سلامتی ہے،ہمزہ سلب کا تو معنی ہوئے سلامت نہ رکھنا یعنی اسے ہلاک کر دینا یا مدد کی ضرورت پر اسے بے یارومددگار چھوڑ دینا۳؎ سبحان اللہ کیسا پیارا وعدہ ہے مسلمان بھائی کی تم مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا مسلمان کی حاجت روائی تم کرو اللہ تمہاری حاجت روائی کرے گا معلوم ہوا کہ بندہ بندہ کی حاجت روائی کرسکتا ہے یہ شرک نہیں بندہ بندہ کا حاجت روا مشکل کشا ہے۴؎ یعنی اگر کوئی حیادار آدمی ناشائستہ حرکت خفیہ کر بیٹھے پھر پچھتائے تو تم اسے خفیہ سمجھا دو کہ اس کی اصلاح ہوجائے اسے بدنام نہ کرو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالٰی بھی قیامت میں تمہارے گناہوں کا حساب خفیہ ہی لے لے گا۔تمہیں رسوا نہ کرے گا۔ہاں جو کسی کی ایذاء کی خفیہ تدبیریں کررہا ہو یا خفیہ حرکتوں کا عادی ہوچکا ہو اس کا اظہار ضرور کردو تاکہ وہ شخص ایذا سے بچ جائے یا یہ توبہ کرے یہ قیدیں ضرور خیال میں رہیں غرضیکہ صرف بدنامی سے کسی کو بچانا اچھا ہے مگر اس کے خفیہ ظلم سے دوسرے کو بچانا یا اس کی اصلاح کرنا بھی اچھا ہے یہ فرق خیال میں رہے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو مسلمان کی ایک عیب پوشی کرے رب تعالٰی اس کی سات سو عیب پوشیاں کرے گا۔لہذا کربۃً کی تنوین تعظیمی ہے اور سترہ اللہ میں ستر مطلق بمعنی کامل ہے رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیالات سے وراء ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهُ التَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ لَهٗ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَا لُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

(۴۷۳۶)روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے،نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے حقیر جانے۱؎ تقوٰی یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے تھے تین بار۲؎ انسان کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔مسلمان پر مسلمان کی ہر چیز حرام ہے۔اس کا مال اس کی آبرو۳؎(مسلم)

(۴۷۳۶) ۱؎ یعنی مسلمان کو نہ تو دل میں حقیر جانو نہ اسے حقارت کے الفاظ سے پکارو یا برے لقب سے یاد کرو نہ اس کا مذاق بناؤ آج ہم میں یہ عیب بہت ہے۔پیشوں،نسبوں یا غربت وافلاس کی وجہ سے مسلمان بھائی کو حقیر جانتے ہیں حتی کہ صوبجاتی تعصب ہم میں بہت ہوگیا کہ وہ پنجابی ہے۔وہ بنگالی،وہ سندھی،وہ سرحدی اسلام نے یہ سارے فرق مٹادیئے۔شہد کی مکھی مختلف پھولوں کے رس چوس لیتی ہے تو ان کا نام شہد ہوجاتا ہے۔مختلف لکڑیوں کو آگ جلائے تو اس کا نام راکھ ہوجاتا ہے۔آم،جامن،ببول کا فرق مٹ جاتا ہے یوں ہی جب حضور کا دامن پکڑلیا تو سب مسلمان ایک ہوگئے حبشی ہو یا رومی مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر:

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　　　که دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

۲؎ یعنی اسلام میں عزت تقوٰی و پرہیزگاری سے ہے اور تقوٰی کا اصلی ٹھکانہ دل ہے تمہیں کیا خبر کہ جس مسکین مسلمان کو تم حقیر سمجھتے ہو اس کا دل تقوٰی کی شمع سے روشن ہو اور اللہ کا پیارا ہو تم سے اچھا ہو۔شعر:۔

خاکساران جہاں راحقارت منگر　　　　توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

صوفیاءکرام اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تقوٰی و پرہیزگاری یہاں ہے یعنی تقوٰی کی کان پرہیزگاری کا مرکز میرا سینہ ہے میرے سینہ سے تمام اولیاء وعلماء کے دلوں کی طرف تقوٰی کے دریا بہتے ہیں ان سینوں سے عوام کے سینوں کی طرف تقوٰی کی نہریں نکلیں(مرقات)حضور کا سینہ کشف غیوب کا آئینہ ہے کونین میں حضور کی عطائیں بہتی ہیں(مرقات)۳؎ یعنی

کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی اجازت نہ لے کسی کی آبروریزی نہ کرے کسی مسلمان کو ناحق اور ظلماً قتل نہ کرے کہ یہ سب سخت جرم ہیں۔

وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلٰثَةٌ ذُوْ سُلْطَانٍ مُّقْسِطٌ مُّتَصَدِّقٌ مُّوَفَّقٌ وَّرَجُلٌ رَّحِيْمٌ رَّقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِىْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَّعَفِيْفٌ مُّتَعَفِّفٌ ذُوْعِيَالٍ وَّاَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ اَلضَّعِيْفُ الَّذِىْ لَا زَبْرَلَهُ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعٌ لَّا يَبْغُوْنَ اَهْلاً وَّلَا مَالاً وَّالْخَآئِنُ الَّذِىْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمَعٌ وَّاِنْ دَقَّ اِلَّا خَانَهُ وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِىْ اِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ وَالْكِذْبَ وَالشِّنْظِيْرُ الْفَحَّاشُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۳۷) روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی لوگ تین ہیں ا وہ حاکم جو عدل والا صدقہ والا توفیق والا ۲ اور وہ شخص جو رحم دل اور نرم دل ہو ہر قرابت والے پر ۳ اور وہ مسلمان جو پاک دامن سوال کرنے سے بچے، والا عیال دار ہو ۴ آگ والے پانچ ہیں وہ کمزور جس کی خود اپنی کوئی رائے نہ ہو ۵ جو کہ تم میں رہیں تمہارے تابع ہو کہ نہ گھر بار چاہتے ہیں نہ مال ۶ اور وہ خیانت والا جس کی ہوس ڈھکی چھپی نہیں رہتی اگرچہ معمولی چیز ہو۔ مگر خیانت کرلیتا ہو ۷ اور وہ شخص جو نہیں صبح کرتا نہیں شام کرتا مگر وہ تم کو دھوکہ دیتا رہتا ہے تمہارے گھر بار اور تمہارے مال میں ۸ اور حضور نے کنجوسی اور جھوٹ کا بھی ذکر فرمایا ۹ اور بدخلق اور فحش گو ۱۰ (مسلم)

(۴۷۳۷) ۱ یعنی میری امت میں تین قسم کے لوگ یقیناً جنتی ہیں ۲ یعنی جسے اللہ حکومت بھی دے تو وہ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور سلوک کرے اسے خیر کرنے خیر کرانے کی توفیق ملے کہ حاکم درست ہو جانے سے رعایا خود درست ہو جاتی ہے ۳ یعنی عوام مسلمان پر عموماً اور اپنے عزیز قرابت داروں پر خصوصاً مہربان ہو ۴ یعنی وہ مسلمان جو باوجود عیالدار ہونے کے کسی سے بھیک نہ مانگے گناہ کے قریب نہ جائے ۵ یعنی اس میں اتنی عقل نہ ہو جو اسے برائیوں سے بچائے کبھی آخرت کے نفع نقصان کو سوچتا ہی نہ ہو جانوروں کی طرح صرف کھانے عیش کرنے کی فکر میں لگا رہے ۶ یعنی حلال بیوی رکھتے نہیں محنت سے حلال روزی کماتے نہیں جی چراتے ہیں غیر عورتوں پر نظر حرام رکھتے ہیں۔ غیروں کا مال ناجائز طور پر کھانے کے درپے رہتے ہیں یہ لوگ نرے دوزخی ہیں ۷ یعنی اسے خیانت کرنے کی عادت ہوگئی معمولی چیز حقیری سی امانت میں خیانت کرنے سے باز نہیں رہتا یعنی وہ گنہگار بھی ہو ذلیل طبیعت والا بھی یہ بھی دوزخی ہے یہ عادات خالص دوزخیوں کے ہیں ۸ صبح شام سے مراد ہمیشہ ہے یعنی وہ دھوکہ دینے کا عادی ہو چکا ہو۔ تم سے جب بھی کلام یا کوئی معاملہ کرے دھوکہ ہی دے یہ بھی دوزخی ہے ۹ چونکہ راوی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ طیبہ یاد نہ رہے جو حضور نے بخل اور جھوٹ کے متعلق فرمائے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا اگر اسے الفاظ طیبہ یاد ہوتے تو باقاعدہ بطریق روایت ارشاد کرتے ۱۰ شنظیر فحاش بخل وکذب کا معطوف ہے تو نصبی حالت میں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شنظیر اور فحاش کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ بھی دوزخی ہیں شنظیر بروزن خنزیر بمعنی بدخلق سخت طبیعت اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مبتداء ہوں اور ان کی خبر من اہل النار پوشیدہ ہو تو یہ مرفوع ہوں گے مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں والفحاش ہے یعنی فحاش معطوف ہے الشنظیر پر تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى

(۴۷۳۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان

يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا حتی کہ اپنے بھائی کے لیے وہ ہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۷۳۸) [۱] یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات سے ہے ان چند لفظوں میں دونوں جہان کی خوبیاں جمع ہیں یعنی کوئی شخص مومن کامل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے دینی و دنیاوی وہ چیز نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اس کا ترجمہ ہے کہ "آنچہ برخود نہ پسندی بہ دیگراں پسند، خیال رہے کہ یہاں خیر مراد ہے ہر مسلمان کے لیے دنیا وآخرت کی خیر چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو اس خیر کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتا ہے کسی کے لیے دولت مندی خیر ہے کسی کے لیے فقیری خیر کسی کے لیے خلوت خیر ہے کسی کے لیے جلوت خیر لہذا اگر خلوت نشین مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے جلوت چاہے جسے جلوت بہتر ہو تو اس فرمان کے خلاف نہیں تمام مسلمانوں میں پاور ایک ہی ہے مگر پاور کے اثرات مختلف ہیں جیسے پاور ہیٹر میں پہنچے تو گرمی دیتا ہے فریج میں پہنچے تو ٹھنڈک (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ مَنْ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِيْ لَا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۳۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم نہیں مومن ہوتا اللہ کی قسم مومن نہیں ہوتا اللہ کی قسم مومن نہیں ہوتا[۱] عرض کیا گیا کون یارسول اللہ فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۷۳۹) [۱] تین بار فرمانا تاکید کے لیے ہے لا یومن میں کمال ایمان کی نفی ہے یعنی مومن کامل نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا[۲] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت پہلے ہی نہ فرمادی بلکہ سائل کے پوچھنے پر بتایا تاکہ سننے والوں کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے جو بات انتظار اور پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہو وہ بہت دلنشین ہوتی ہے اگرچہ ہر مسلمان کو اپنے شر سے بچانا ضروری ہے مگر پڑوسی کو بچانا نہایت ہی ضروری کہ اس سے ہر وقت کام رہتا ہے وہ ہمارے اچھے اخلاق کا زیادہ مستحق ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ (۴:۳۶) اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے (کنز الایمان)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّايَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۴۰) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا[۱] جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو[۲]

(۴۷۴۰) [۱] یعنی صالحین اور نجات پانے والوں کے ساتھ وہ جنت میں نہ جائے گا اگرچہ سزا پاکر بہت عرصہ کے بعد وہاں پہنچ جائے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ [۲] افسوس کہ یہ سبق آج بہت سے مسلمان بھول گئے اب تو ان کے تیر کا پہلا شکار ان کا پڑوسی ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَازَالَ جِبْرَائِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۴۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے اور ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مجھے جناب جبرائیل پڑوسی کے متعلق حکم الٰہی پہنچاتے رہے[۱] حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۷۴۱) ۱؎ یہاں وصیت سے مراد اصطلاحی وصیت نہیں بلکہ تاکیدی حکم مراد ہے اور حکم کس کا احکم الحاکمین کا نہ کہ حضرت جبرائیل کا حضرت جبرائیل حضور کے حاکم نہیں حضور کے خادم ہیں رب کی طرف سے فرمان رساں فیضان رساں ہیں یوصینی سے مراد ہیں حضور کی امت کے لیے حضور کو حکم پہنچاتے رہے کہ آپ اپنی امت کو یہ حکم پہنچادو۔۲؎ یعنی مجھے یہ خیال ہوا کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو پڑوسی کی مالی میراث میں شریک کردیں گے کہ قرابت کی طرح یہ وصیت بھی میراث پانے کا ذریعہ ہوجائے گی حضور کی میراث مراد نہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی مالی میراث کسی کو نہیں ملتی۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَةً فَلَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخِرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنْ يَحْزُنَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۴۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم تین ہو۱؎ تو تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کرو حتی کہ تم لوگوں سے خلط ملط ہو جاؤ اس لیے کہ یہ بات اسے غمگین کرے گی۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۴۲) ۱؎ خواہ کسی مجلس میں تین مسلمان ہوں یا کسی راستہ پر جاتے ہوئے تین شخص ہمراہ ہوں یہاں ہمراہی اور مصاحبت مراد ہے لہذا حدیث صاف ہے۔۲؎ یعنی اگر تین ساتھیوں میں سے دو خفیہ سرگوشی کریں گے تو تیسرے کو اندیشہ ہوگا کہ کوئی بات میرے خلاف طے کی جائے گی میرے خلاف مشورہ کررہے ہیں جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو باقی کسی کو یہ خطرہ نہ ہوگا کہ میرے خلاف سازش ہورہی ہے۔خیال رہے کہ یہ ممانعت وہاں ہے جہاں تیسرے کو اپنے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہو اگر یہ شبہ نہ ہوسکے تو بلا کراہت یہ عمل جائز ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ فاطمہ زہرا حاضر ہوئیں۔حضور نے انہیں مرحبا کہا اور ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔

وَعَنْ تَمِيْمِ نِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلٰثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۴۳) روایت ہے حضرت تمیم داری سے۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیرخواہی ہے۲؎ تین بار فرمایا۔ہم نے عرض کیا کہ کس کی فرمایا اللہ کی۳؎ اس کی کتاب کی۴؎ اور اس کے رسول کی۵؎ اور مسلمانوں کے اماموں کی۶؎ اور عوام کی۷؎ (مسلم)

(۴۷۴۳) ۱؎ آپ کا نام تمیم ابن اوس ابن دار ہے آپ عیسائی تھے ۹ ہجری میں ایمان لائے آپ سے کل اٹھارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث صحیحین میں ہے آپ شب کو نوافل میں ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے تھے اور کبھی ایک آیت صبح تک بار بار پڑھتے اور روتے رہتے تھے اولًا مدینہ منورہ میں رہے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے وہاں ہی وفات پائی مسجد نبوی میں سب سے پہلے چراغ آپ نے ہی روشن کیے (مرقات) چراغاں کیا۲؎ نصیحت بنا ہے نصحٌ سے بمعنی خالص ہونا عرب کہتے ہیں نصحت العسل عن الشمع میں نے شہد کو موم سے خالص کرلیا اصطلاح میں کسی کی خالص خیرخواہی کرنا جس میں بدخواہی کا شائبہ نہ ہو یا خلوص دل سے کسی کا بھلا چاہنا نصیحت ہے یہ بھی جامع کلمات میں سے ہے کہ اس ایک لفظ میں لاکھوں چیزیں شامل ہیں۔حتی کہ اعتقاد کو کفر سے خالص کرنا عبادات کو ریا سے پاک وصاف کرنا معاملات کو خرابیوں سے بچانا سب ہی نصیحت میں داخل ہیں۳؎ اللہ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کے متعلق خالص اسلامی عقیدہ رکھنا خلوص دل سے اس کی عبادت کرنا اس کے محبوبوں سے محبت دشمنوں سے عداوت رکھنا اس کے

متعلق اپنے عقیدے خالص رکھنا اس کی شرح بہت وسیع ہے (مرقات) ۴؎ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی نصیحت یہ ہے کہ اس کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان رکھنا اس کی تلاوت کرنا اس میں بقدر طاقت غور کرنا اس پر صحیح عمل کرنا اس پر سے مخالفین کے اعتراضات دفع کرنا غلط تاویلیوں تحریفوں کی تردید کرنا ۵؎ اللہ کے رسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یہ ہے کہ انہیں تمام نبیوں کا سردار ماننا ان کے تمام صفات کا اعتراف کرنا جان و مال واولاد سے زیادہ انہیں پیارا رکھنا ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا ان کا ذکر بلند کرنا ۶؎ اماموں سے مراد یا تو اسلامی بادشاہ اسلامی حکام ہیں یا علماء دین مجتہدین کاملین اولیاء واصلین ہیں۔ان کی نصیحت یہ ہے کہ ان کے ہر جائز حکم کی بقدر طاقت تعمیل کرنا لوگوں کو ان کی اطاعت جائزہ کی طرف رغبت دینا ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنا ان کے ساتھ اچھا گمان رکھنا (مرقات) علماء کا ادب کرنا ۷؎ عام مسلمانوں کی نصیحت یہ ہے کہ بقدر طاقت ان کی خدمت کرنا ان سے دینی و دنیا مصیبتیں دور کرنا ان سے محبت کرنا ان میں علم دین پھیلانا۔اعمال نیک کی رغبت دینا جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لیے پسند نہ کرنا یہ حدیث بہت ہی جامع ہے۔

وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۴۴) روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیرخواہی کرنے پر بیعت کی ۱؎ (مسلم، بخاری)

(۴۷۴۴) ۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے ایمان تقویٰ پر بھی بیعت لیتے تھے اور نیک اعمال پر بھی یعنی میری معرفت رب تعالٰی سے یہ وعدہ کرو کہ ہم نیک اعمال کریں گے گناہوں سے بچیں گے بیعت کی بہت قسمیں ہیں یہاں بیعت اعمال مراد ہے۔بیعت کی اقسام ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ایک بار حضرت جریر نے ایک شخص سے گھوڑا تین سو درہم میں خریدا سودا طے ہوجانے پر فرمایا کہ تیرا گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے اچھا چار سو دوں گا۔پھر کہا نہیں پانچ سو دوں گا حتی کہ آٹھ سو درہم تک بڑھا کر خرید لیا۔بائع حیران ہوکر بولا حضرت یہ کیا......؟ فرمایا میں نے حضور سے بیعت کی ہے ہر مسلمان کی خیرخواہی پر یہ اس پر عمل ہے (مرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَاالْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۴۷۴۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے سچے اور سچے کیے ہوئے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رحمت نہیں نکالی گئی مگر بد بخت سے ۱؎ (احمد، ترمذی)

(۴۷۴۵) ۱؎ یہاں بھی رحمت میں بڑی گنجائش ہے اپنے پر رحم کرنا کہ گناہوں سے بچنا مسلمانوں پر رحم کرنا بلکہ کفار پر رحم کرنا کہ انہیں دعوت اسلام دینا بلکہ جانوروں پر رحم کرنا کہ ان کے دانہ پانی کا خیال رکھنا مقصد یہ ہے کہ بد بخت کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہوتا ہے اسے کسی پر رحم نہیں آتا لہذا نیک بخت کی علامت یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے سب پر رحم کرتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي

(۴۷۴۶) روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے ۱؎ تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم کریگا جو آسمان میں ہے ۲؎

السَّمَآءِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) (ابوداؤد، ترمذی)

(۴۷۴۶) ۱؎ کیونکہ رحم وکرم والے بندے اللہ تعالٰی کی صفت رحمت کے مظہر ہیں اللہ کے اخلاق سے موصوف ہیں رحمت سے مراد عام رحمت ہے ۲؎ یعنی تم اللہ کی زمینی مخلوق پر رحم کرو انسانوں پر جانوروں پر تم پر وہ رحم کرے گا جس کی رحمت خاصہ جس کی سلطنت آسمانوں میں بھی ہے یعنی رب تعالٰی یا اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتے تمہاری حفاظت کریں گے تمہارے لیے دعاء مغفرت کریں گے۔(مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّامَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَ نَاوَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَامُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۷۴۷) روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ۱؎ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ۲؎ اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور بری باتوں سے منع نہ کرے ۳؎ ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۷۴۷) ۱؎ یعنی ہماری جماعت سے یا ہمارے طریقہ والوں سے یا ہمارے پیاروں سے نہیں یا ہم اس سے بیزار ہیں وہ ہمارے مقبول لوگوں میں سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ وہ ہماری امت یا ہماری ملت سے نہیں کیونکہ گناہ سے انسان کافر نہیں ہوتا ہاں جو حضرات انبیاء کرام کی توہین کرے وہ اسلام سے خارج ہے ۲؎ یعنی اپنے سے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اپنے سے بڑوں کا ادب نہ کرے چھوٹائی بڑائی خواہ عمر کی ہو خواہ علم کی خواہ درجہ کی یہ فرمان بہت عام ہے۔خیال رہے صغیرنا اور کبیرنا فرما کر یہ بتایا کہ چھوٹے بڑے مسلمانوں کا ادب ان پر رحم چاہیے یہ قید بھی زیادتی اہتمام کے لیے ہے ورنہ کافر ماں باپ کا بھی مادری ادب کافر چھوٹے بھائی پر بھی قرابت داری کا رحم چاہیے جیسا کہ فقہاء کے فرامین اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے یوں ہی ان کے حقوق قرابت ادا کرے (اشعہ) ۳؎ ہر شخص اپنی طاقت اور اپنے علم کے مطابق دینی احکام لوگوں میں جاری کرے یہ صرف علماء کا ہی فرض نہیں سب پر لازم ہے حاکم ہاتھ سے برائیاں روکے عالم عام زبانی تبلیغ سے یہ فرض انجام دے فی زمانہ اس سے بہت غفلت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِّنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۷۴۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کی عمر کی وجہ سے احترام نہیں کرتا مگر اللہ اس کے بڑھاپے پر اسے مقرر کرے گا جو اس کا احترام کرے ۱؎ (ترمذی)

(۴۷۴۸) ۱؎ یعنی جو شخص بوڑھے مسلمان کا صرف اس لیے احترام کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے۔اس کی عبادات مجھ سے زیادہ ہیں یہ مجھ سے پرانے اسلام والا ہے تو انشاء اللہ دنیا میں وہ دیکھ لے گا کہ اس کے بڑھاپے کے وقت لوگ اس کا احترام کریں گے اس وعدے میں فرمایا گیا کہ ایسا آدمی دراز عمر بھی پائے گا دنیا میں مال،عیش،عزت بھی اسے ملے گی آخرت کا اجر اس کے علاوہ ہے خود اس حدیث کے راوی حضرت انس نے حضور کی دس سال خدمت کی دیکھ لو کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ان کی زندگی میں ان کی اولاد کی تعداد ایک سو ہوئی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد ایک مخلوق نے ان سے احادیث روایت کیں۔ جہاں پہنچ جاتے تھے لوگ ان کی زیارت کے لیے جمع ہو جاتے تھے (مرقات) یہ ہے اس حدیث کا ظہور اور اس وعدہ نبوی کی جیتی جاگتی تصویر وتفسیر۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۷۴۹) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ وَالْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْہُ وَاِکْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی تعظیم سے ہے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کا احترام[1] جو حامل قرآن نہ تو اس میں زیادتی کرے نہ اس سے دور رہے[2] اور عادل بادشاہ کا احترام کرنا ہے[3] (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

(۴۷۴۹) [1] سفید ڈاڑھی والے مسلمان کا احترام خود رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جب وہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ کریم اس سے شرم فرماتا ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی پھیرے تو بندہ اس کا احترام کیوں نہ کرے حامل قرآن میں حافظ عالم دین قاری، مفسر ہمیشہ تلاوت کرنے والا سب ہی داخل ہیں سب کا احترام چاہیے (مرقات) [2] یعنی وہ حامل قرآن وہ عالم وہ حافظ قابل تعظیم ہیں جو بد مذہب بیدین نہ ہوں جو قرآن کو لوگوں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنائیں اس کی غلط تاویلیں کریں اس میں خیانتیں کریں اس کے ذریعہ مسلمانوں میں فتنہ فساد پھیلائیں ان پر تو خداتعالٰی کی بھی پھٹکار ہے بندوں کی بھی (مرقات) شعر:۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے — دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے کرسکتے ہیں قرآن پاژند

[3] منصف حاکم عدل والا بادشاہ اللہ کی رحمت ہے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پاتی ہے وہ رعایا کے لیے مثل مہربان والد کے ہے اس لیے اس کا احترام ضروری ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْہِ وَشَرُّبَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُسَآءُ اِلَیْہِ ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

(۴۷۵۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں بہترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو[1] اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے برا سلوک کیا جاتا ہو[2] (ابن ماجہ)

(۴۷۵۰) [1] یتیم سے سلوک کی بہت صورتیں ہیں اس کی پرورش، اس کے کھانے پینے کا انتظام، اس کی تعلیم و تربیت، اسے دین دار نمازی بنانا سب ہی اس میں داخل ہے غرضیکہ جو سلوک اپنے بچے سے کیا جاتا ہے وہ یتیم سے کیا جائے یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے[2] برے سلوک میں مذکورچیزوں کی مقابل تمام چیزیں داخل ہیں یتیم بچہ کو تعلیم تربیت کے لیے طمانچہ وغیرہ مارنا ظلم نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّسَحَ رَاْسَ یَتِیْمٍ لَّمْ یَمْسَحْہُ اِلَّا لِلّٰہِ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ یَمُرُّ عَلَیْھَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ وَّمَنْ اَحْسَنَ اِلٰی یَتِیْمَۃٍ اَوْ یَتِیْمٍ عِنْدَہٗ کُنْتُ اَنَا وَھُوَفِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ وَقَرَنَ بَیْنَ اِصْبَعَیْہِ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۴۷۵۱) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے[1] نہیں پھیرتا مگر اللہ کے لیے تو اس کے لیے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ پھرے نیکیاں ہوں گی[2] اور جو اپنے پاس رہنے والے یتیم یا یتیمہ سے بھلائی کرے جنت میں میں اور وہ ان کی طرح ہوں گے اور اپنی دو انگلیاں ملائیں[3] (احمد،ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۷۵۱) ۱؎ ہاتھ پھیرنا محبت کے ساتھ ہو یا اس سے مراد مطلقاً معمولی سی مہربانی حقیری سی محبت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں یتیم کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنا بھی عبادت ہے ۲؎ حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی جو شخص اپنے عزیز یا اجنبی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے محبت وشفقت کا یہ محبت صرف اللہ رسول کی رضا کے لیے ہو تو ہر بال کے عوض اسے نیکی ملے گی یہ ثواب تو خالی ہاتھ پھیرنے کا ہے جو اس پر مال خرچ کرے اس کی خدمت کرے اسے تعلیم وتربیت دے سوچ لو کہ اس کا ثواب کتنا ہوگا ۳؎ یعنی وہ جنت میں میرا ساتھی یا پڑوسی ہوگا جیسے بادشاہ کے خدام بادشاہ کی کوٹھی میں ہی رہتے ہیں مگر خادم ہو کر ایسے ہی وہ بھی میرے ساتھ رہے گا مگر میرا امتی غلام ہو کر یہاں بھی احسن مطلق ہے یتیم بچہ سے کسی قسم کا سلوک ہو ثواب کا باعث ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یتیم تھے اس لیے یتیم کی خدمت بڑی ہی اعلیٰ ہے **مصرع**: یتیم ہو کے یتیموں کو پالنے والے۔ دو انگلیوں سے مراد کلمہ کی اور بیچ کی انگلی مراد ہے جن میں فاصلہ بالکل نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰى يَتِيْمًا اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ وَمَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ حَتّٰى يُغْنِيَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَتَيْنِ قَالَ اَوِ اثْنَتَيْنِ حَتّٰى لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاحِدَةً لَقَالَ وَاحِدَةً وَّمَنْ اَذْهَبَ اللّٰهُ بِكَرِيْمَتَيْهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا كَرِيْمَتَاهُ قَالَ عَيْنَاهُ ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۷۵۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کرے ۱؎ تو اللہ اس کے لیے جنت یقینی طور پر لازم فرما دیتا ہے مگر یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرے جو ناقابل بخشش ہو ۲؎ اور جو تین بیٹیاں یا ان کی مثل بہنوں کی پرورش کرے کہ انہیں ادب سکھائے ان پر مہربانی کرے حتی کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کردیتا ہے ۳؎ تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اور دو کو فرمایا یا دو کو حتی کہ اگر لوگ کہتے یا ایک کو تو حضور فرمادیتے ایک کو ۴؎ اور اللہ جس کی پیاری دو چیزیں دور کردے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی عرض کیا یا رسول اللہ دو پیاری چیزیں کیا ہیں۔ فرمایا اس کی دونوں آنکھیں ۵؎ (شرح السنہ)

(۴۷۵۲) ۱؎ کھانے پینے میں شامل کرنا عام ہے خواہ اسے اپنے ساتھ کھلائے پلائے اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی پرورش کرے یا یتیم خانہ بنا کر ان پر خرچ کرے۔ اب تو یتیم خانہ والے یتیموں سے بھیک منگواتے ہیں مسلمانوں میں بھکاریوں کی تعداد بڑھاتے ہیں ۲؎ یعنی شرک وکفر کہ یہ گناہ قابل بخشش نہیں رب فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۴۸:۴) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔ (کنزالایمان) اسی طرح حقوق العباد بھی کسی نیک عمل سے معاف نہیں ہوتے وہ تو ادا کرنا ہی پڑیں گے یا حق والے سے معاف کرانا ہوں گے (مرقات) ۳؎ عموماً بیٹوں سے دنیاوی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ یہ جوان ہو کر ہماری خدمت کریں گے ہمیں کما کر کھلائیں گے لڑکیوں سے یہ امید نہیں ہوتی اس لیے لڑکیوں کا پالنا ان پر صبر کرنا ثواب ہے۔ لڑکیاں خواہ بیٹیاں ہوں خواہ بہنیں انہیں سکھانے سے مراد ہے علم دین سکھانا، سینا، پرونا اور جن ہنروں کی انہیں ضرورت ہے وہ سکھانا جس سے وہ کسی کی محتاج نہیں رہیں ۴؎ اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور اس کی بخششیں حضور کے قبضہ میں دی گئی ہیں جس نعمت کو چاہیں عام فرمادیں (مرقات) دیکھو جو وعدہ تین لڑکیوں کے پالنے پر کیا گیا تھا ایک امتی کے سوال پر وہ ہی وعدہ دو بیٹیوں کے پالنے پر ہوگیا یہ ہے حضور کا مختار من اللہ ہونا حضور کے مختار کل ہونے کے دلائل ہماری

کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ آنکھوں سے مراد آنکھوں کی روشنی ہے اگرچہ تمام اعضاء اللہ کی نعمت ہیں اور ہم کو پیاری مگر آنکھیں وہ نعمت ہیں جن کی مدد سے سارے اعضاء کام کرتے ہیں آنکھوں کے بغیر انسان محض دیوار بن کر رہ جاتا ہے اس پر صبر کرنا بہت ہی ثواب ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حضور کے صدقہ سے ہماری آنکھیں بھی رکھے اور ثواب بھی عطا فرمائے وہ تو بڑا کریم ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّنَاصِحُ الرَّاوِيْ لَيْسَ عِنْدَ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ بِالْقَوِيِّ)

(۴۷۵۳) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو ادب کی تعلیم دے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع خیرات کرے[1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ناصح راوی محدثین کے نزدیک قوی نہیں[2]

(۴۷۵۳) [1] یعنی اپنی اولاد کو ایک اچھی بات سکھانا خیرات کرنے سے افضل ہے کہ ایک صاع (ٹوپہ) ایک دن میں کھا کر ختم کردیا جائے گا مگر ایک نیک بات کا فائدہ بچہ کو عمر بھر پہنچے گا۔ اپنی لڑکیوں کو مال جہیز دینے سے بہتر یہ ہے کہ اعمال جہیز دیا جائے انہیں ایسی تعلیم وتربیت دو کہ وہ اپنی سسرال اپنی اولاد کو سنبھال لیں ہم نے ایسی لڑکیاں دیکھی ہیں جنہوں نے سسرال پہنچ کر سسرال کی کایا پلٹ دی۔ سب کو ٹھیک کردیا [2] یعنی یہ حدیث صرف ایک ہی اسناد سے مروی ہے اور اس اسناد میں ایک راوی ناصح بھی ہے جو حافظہ کا کمزور تھا اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے مگر چونکہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے لہذا قابل قبول ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہوتی ہے اس حدیث کی تائید احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ سے ہے طبرانی نے باسناد حسن مرفوعًا روایت کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک کو ہدایت دے دے تو تمہارے لیے ساری دنیا سے افضل ہے اسی طرح آیات قرآنیہ میں اس کی تائید ہے (مرقات)

وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَّلَدَهٗ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلُ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا عِنْدِيْ حَدِيْثٌ مُّرْسَلٌ)

(۴۷۵۴) روایت ہے حضرت ایوب ابن موسیٰ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو ایسا عطیہ نہیں دیا جو اچھے ادب سے بہتر ہو[2] (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے[3]

(۴۷۵۴) [1] ایوب ابن موسیٰ ابن اشدق ابن عمرو ابن سعید ابن عاص ابن امیہ تابعی ہیں فقہاء میں سے ہیں عطاء اور مکحول سے روایت کرتے ہیں یہاں دادا سے مراد عمرو ابن سعید یا سعید ابن عاص ہیں سعید ابن عاص ہجرت کے سال پیدا ہوئے عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے عہد عثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں ۵۹ ہجری میں وفات ہوئی (مرقات واشعہ) [2] اچھے ادب سے مراد بچے کو دین دار متقی پرہیزگار بنانا ہے اولاد کے لیے اس سے اچھا عطیہ کیا ہوسکتا ہے کہ یہ چیز دین ودنیا میں کام آتی ہے، ولد میں لڑکیاں لڑکے دونوں ہی داخل ہیں ماں باپ کو چاہیے کہ اولاد کو صرف مالدار بنا کر دنیا سے نہ جائیں انہیں دین دار بنا کر جائیں جو خود انہیں بھی قبر میں کام آئے کہ زندہ اولاد کی نیکیوں کا ثواب مردہ کو قبر میں ملتا ہے [3] عن جدہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے ایوب کے دادا مراد ہوں یعنی عمرو ابن سعید تب تو یہ حدیث مرسل ہے کہ عمرو بھی صحابی نہیں تابعی ہیں دوسرے یہ کہ ایوب کے والد کے دادا سعید ابن عاص

مراد ہیں تو حدیث متصل ہے کہ سعید ابن عاص صحابی ہیں امام ترمذی نے جدہ سے مراد ایوب کے دادا عمرو ابن سعید لیے اس لیے مرسل کہا۔

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَامْرَاَةٌ سَفْعَآءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَوْمَأَ يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ اِلَى الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ امْرَاَةٌ اٰمَتْ مِنْ ذَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ وَحَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلٰى يَتَامَاهَا حَتّٰى بَانُوْا اَوْمَاتُوْا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۵۵) روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور سیاہ رخسار والی عورت ۱؎ ان دو کی طرح ہوں گے قیامت کے دن اور یزید ابن زریع نے بیچ کی انگلی طرف اشارہ فرمایا ۲؎ وہ عورت جو اپنے خاوند سے الگ ہوگئی عزت والی جمال والی جس نے اپنے کو اپنے یتیموں پر روک رکھا حتی کہ وہ جدا ہو گئے یا مر گئے ۳؎ (ابوداؤد)

(۴۷۵۵) ۱؎ یعنی وہ بچوں والی عورت جسے اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے تن بدن کا ہوش نہ ہو کپڑے میلے چہرہ کالا دھوئیں وغیرہ سے رہتا ہو خواہ بیوہ ہو یا خاوند والی مگر اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں بیوہ مراد ہے ۲؎ یعنی وہ مجھ سے جنت میں بالکل قریب ہوگی کیونکہ وہ یتیموں کی پالنے والی ہے اور یتیموں کا پالنے والا حضور سے قریب ہوگا ۳؎ یعنی اس نے خیال کیا کہ اگر میں نے دوسرا نکاح کرلیا تو میرے یتیم بچوں کو تکلیف ہوگی اس لیے نکاح نہ کیا حتی کہ وہ بچے بالغ ہوشیار ہو کر اس سے بے نیاز ہو گئے یا مر گئے پھر نکاح کیا مرقات نے فرمایا کہ اس بشارت میں طلاق والی عورت بھی داخل ہے فقیر کہتا ہے۔ جس کا خاوند گم ہو گیا یا دیوانہ ہو گیا۔ غرضیکہ کسی طرح خاوند کی سرپرستی سے محروم ہو گئی ان سب عورتوں کا یہ ہی درجہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۵۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کی بیٹی ہو پھر نہ تو اسے برائی دی نہ زندہ دفن کیا اور نہ اس پر اپنے مذکر کو ترجیح دی ۱؎ تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۷۵۶) ۱؎ جیسا کہ عرب میں رواج تھا کہ اپنی بیٹی کو یا تو زندہ دفن کر دیتے تھے یا اسے زندہ رکھتے تو نہایت ذلیل کر کے اپنے بیٹوں کو بہت پیار کرتے بیٹیوں کو ذلیل خوار کرتے تھے اب بھی بعض جاہل مسلمان یہ ہی حرکت کرتے ہیں ۲؎ یعنی ایسا آدمی اولین زمرہ میں جنت میں جائے گا۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۷۵۷) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے ۱؎ اور وہ اس کی مدد پر قادر ہو پھر وہ اس کی مدد کرے ۲؎ تو اللہ اس کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا ۳؎ لیکن اگر مدد پر قادر ہوتے اس کی مدد نہ کرے تو اللہ اس جرم پر اسے دنیا و آخرت میں پکڑے گا ۴؎ (شرح سنہ)

(۴۷۵۷) ۱؎ یعنی اس کے سامنے کسی مسلمان کی غیبت کی جائے خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا اجنبی ۲؎ یا اس طرح غیبت کرنے والوں کو غیبت سے روک دے یا اس طرح کہ ان کی غیبت کا جواب دے دے یا اس طرح کہ اس غائب شخص کے اوصاف بیان کردے اسے بدنامی سے بچا

کر نیک نام کردے آج کل لوگ غیبت سنتے رہتے ہیں پھر اس غائب شخص کو آکر بتاتے ہیں کہ تجھے فلاں شخص نے یہ کہا تھا یہ ممنوع ہے کہ اس صورت میں اس کے دل کو تکلیف اس نے پہنچائی غیبت کرنے والوں نے تیر چلایا اس نے وہ تیر اس تک پہنچایا اس کے جسم میں چبھویا۔ کیونکہ اس نے اللہ کے بندے کی پس پشت مدد کی محض اللہ کے لیے اور رب تعالٰی اپنے بندے کا بدلہ خود دیتا ہے دنیاوی آفات اخروی مصیبتوں سے بچانا اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے۔ یعنی جو کوئی مسلمان بھائی کی عزت وآبرو نہ بچائے بلکہ ذلیل کرنے والوں کے ساتھ شریک ہو جائے تو اللہ تعالٰی اس بندے کا بدلہ خود لے گا کہ اسے دنیا وآخرت میں ذلیل کرے گا جب اس پر کوئی آفت بنے گی تو اسے دفع نہ کرے گا۔

25

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمُغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۵۸) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے[1] فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کے گوشت سے اس کی پیٹھ پیچھے دفع کرے[2] تو اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے آگ سے آزاد کردے (بیہقی شعب الایمان)

(۴۷۵۸) [1] اسماء بنت یزید ابن سکن مشہور صحابیہ ہیں انصاریہ ہیں بڑی عاقلہ بڑی عابدہ تھیں آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔[2] بھائی کے گوشت سے مراد مسلمان بھائی کی غیبت، دفع کرنے سے مراد ہے غیبت نہ ہونے دینا یا اس کا جواب دے دینا۔[3] جب ایک گنہگار مسلمان کی پس پشت حمایت کرنے کا یہ ثواب ہے تو جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگویوں دشمنوں کو جوابات دے ان کی عزت پر حملہ کرنے والوں کے وار اپنے پر لے ان کے صفات عالیہ کے گیت گائے سوچ لو کہ اس کا درجہ کیا ہوگا اللہ تعالٰی نصیب کرے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شعر:۔

فان ابی و والدتی وعرضی لعرضی محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ میری عزت وآبرو محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو وعزت کے لیے تمہارے مقابلہ میں ڈھال ہیں۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۷۵۹) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے بھائی کی آبرو سے دفعیہ کرے مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ دفع فرمادے[1] پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ ہم پر حق ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا[2] (شرح سنہ)

(۴۷۵۹) [1] یہ فرمان عالی بہت عام ہے جو کوئی کسی مسلمان کی آبرو کسی طرح بچائے خواہ اس کے سامنے یا اس کے پس پشت اللہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا مسلمان کی عزت اللہ کو بڑی پیاری ہے۔[2] یہ آیت کریمہ یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اپنے فرمان مبارک کی تائید میں یا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی اسی حدیث کی تائید میں۔ دوستو! آج حضرات صحابہ پر بہت طعن ہو رہے ہیں اٹھو ان کی عظمتوں کے ڈنکے بجاؤ دیکھو پھر رب تعالٰی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانوں سے کیسے انعام ملتے ہیں۔ ان حضرات کی حمایت میں کتابیں چھاپنا تقریریں کرنا ان کے فضائل کی آیات واحادیث شائع کرنا سب ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے فقیر نے ایک رسالہ لکھا ہے "حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر" جس میں حضرات صحابہ خصوصاً جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کی

احادیث وآیات جمع کرکے ان کے فضائل بیان کیے اوران حضرات سے مخالفین کے اعتراضات دفع کیے خدا کرے یہ حقیری خدمت اس فرمان عالی کی برکت سے قبول ہوجائے اوررب تعالٰی میری سیاہ کاریاں معاف فرمادے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرَاءٍ مُّسْلِمٍ یَخْذُلُ اِمْرَاءً مُّسْلِماً فِیْ مَوْضِعٍ یُّنْتَھَكُ فِیْہِ حُرْمَتُہٗ وَیُنْتَقَصُ فِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اِلَّا خَذَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَوْطِنٍ یُّحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ وَمَا مِنْ اِمْرِءٍ مُّسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِماً فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ فِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ وَیُنْتَھَكُ فِیْہِ مَنْ حُرْمَتِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ ۔ (اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۷۶۰) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مسلمان آدمی جوکسی مسلمان آدمی کو ایسی جگہ رسوا کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جارہی ہے[1] اوراس کی آبروریزی کی جارہی ہے مگر اللہ تعالٰی اسے ایسی جگہ میں ذلیل کرے گا جہاں وہ اپنی مدد چاہتا ہوگا[2] اورنہیں ہے مسلمان آدمی جوکسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت گھٹائی جارہی ہو اورجس میں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو مگر اللہ اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جس میں اس کی مدد اسے محبوب ہو[3] (ابوداؤد)

(۴۷۶۰) [1] اس طرح کہ جب کچھ لوگ کسی مسلمان کی آبروریزی کررہے ہوں تو یہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوکران کی مدد کرے ان کی ہاں میں ہاں ملائے[2] یعنی اللہ تعالٰی اس جرم کی سزا میں اسے ایسی جگہ ذلیل کرے گا جہاں اسے عزت کی خواہش ہوگی۔خیال رہے کہ یہ احکام مسلمان کے لیے ہیں۔کفار،مرتدین،بے دین لوگوں کی اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی عزت نہیں ان کی بے دینی ظاہر کرنا عبادت ہے[3] غرضیکہ کماتدین تدان جیسا کروگے ویسا بھروگے۔کردنی خویش آمدنی پیش۔مسلمان بھائی کی عزت کروانپی عزت کراؤ اسے ذلیل کروا پنے کو ذلیل کرالو۔جگہ عام ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں یعنی دنیاوآخرت جہاں بھی اسے مدد کی ضرورت ہوگی ربّ تعالٰی اس کی مدد فرمائے گا صرف ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ۔

وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰی عَوْرَۃً فَسَتَرَھَا کَانَ کَمَنْ اَحْیٰی مَوْءُ وْدَۃً ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ)

(۴۷۶۱) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکسی کا خفیہ عیب دیکھے پھر اسے چھپالے[1] تو اس شخص کی طرح ہوگا جوزندہ درگور بچی کو زندہ کرے[2] (احمد،ترمذی) ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

(۴۷۶۱) [1] وہ عیب جوکسی مسلمان کے حق سے متعلق نہ ہواور یہ شخص اسے لوگوں سے چھپانا چاہتا ہو۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان مرد یا عورت کا ستر ہے۔یعنی کسی کو ننگا دیکھے تو اسے کپڑا پہنائے ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں[2] اس طرح کہ خود اس سے کہہ دے کہ دیکھ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا ورنہ پھر تیری خیر نہ ہوگی اور لوگوں سے چھپالے تاکہ تبلیغ بھی ہوجائے اور مسلمان کی پردہ پوشی بھی لیکن اگر یہ شخص کسی قتل یا نقصان کی خفیہ سازش کررہا ہے تو ضرور اس کی اطلاع اس کو کردے تاکہ وہ نقصان سے بچ جائے یا اگر یہ شخص عادی مجرم بن چکا ہے تو اس کا اعلان کردے لہذا اس فرمان عالی کا یہ مقصد نہیں کہ خفیہ چور قاتل کے جرم چھپاؤ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہایت ہی جامع ہوتا ہے[3] یعنی اس پردہ پوشی کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی زندہ دفن شدہ بچی کو قبر سے نکال کر اس کی جان بچالینا کیونکہ مسلمان کی آبرو اس کی جان کی طرح قابل احترام ہے بہرحال مسلمان کی جاتی ہوئی عزت بچانا بڑا ہی ثواب ہے مگر وہ قیود خیال میں رہیں جو ہم نے عرض کیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰةُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَاٰی بِهٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْهُ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَضَعَّفَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْهُ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَآئِهٖ)

(۴۷۶۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے[۱] کہ اگر اس میں برائی دیکھے تو اس سے دفع کردے[۲] (ترمذی) اور اسے ضعیف کہا اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ مومن مومن کا آئینہ ہے۔ مومن مومن کا بھائی ہے کہ اس سے اس کی ہلاکت دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے[۳]

(۴۷۶۲) [۱] جیسے آئینہ چہرے کے سارے عیب وخوبیاں ظاہر کردیتا ہے ایسے ہی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر اسے مطلع کرتا رہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے غرضیکہ رسوائی کرنا ممنوع ہے اصلاح کرنا ثواب پچھلی حدیث میں رسوائی کی ممانعت تھی اس حدیث میں اصلاح کا حکم ہے[۲] اسے خبر دے کر یا اس کے لیے دعا خیر کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ اس پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے عیوب فرما کر بتایا کہ ہمارا نفس عیبوں کا سرچشمہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان مومنوں کے پاس بیٹھا کریں جن کے ذریعہ انہیں اپنے عیوب پر اطلاع ہو آئینہ اس لیے دیکھتے ہیں کہ اپنے چہرے کے چھوٹے بڑے داغ دھبہ نظر آجائیں۔ طبیب کے پاس اسی لیے جاتے ہیں کہ وہاں علاج ہوجائے ایسے مومنوں کی صحبت اکسیر ہے اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے مریدوں اپنے شاگردوں کے پاس نہ بیٹھو۔ جو ہر وقت تمہاری تعریفیں ہی کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے مرشدوں اپنے استادوں اپنے بزرگوں کے پاس بھی بیٹھو۔ جہاں تمہیں اپنی کمتری نظر آئے۔ ہاتھی پہاڑ کو دیکھ کر اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے۔ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں میں غور کیا کرو تاکہ اپنی گنہگاری اپنی کمتری محسوس ہوتی رہے۔ محققین صوفیاء اس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ مومن جب کسی مسلمان میں عیب دیکھے تو سمجھے کہ یہ عیب مجھ میں ہے جو اس کے اندر مجھے نظر آرہا ہے جیسے آئینہ میں اپنے جو داغ دھبے نظر آتے ہیں وہ اپنے چہرے کے ہوتے ہیں نہ کہ آئینہ کے یہ معنی نہایت عارفانہ ہیں (اشعۃ اللمعات) اس لیے اگر خواب میں حضور انور کی زیارت ہو مگر شکل مبارک یا لباس خوشنما نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہمارا اپنے دل کا حال خراب ہے اصلاح کرو اس صورت میں فلیمط عنہ کے معنی یہ ہوئے کہ مومن کے ذریعہ اپنے عیب معلوم کرکے اپنے عیوب دفع کرو[۳] یعنی مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی پس پشت خیرخواہی کرے حتی کہ اگر کوئی اس کی غیبت کرے تو یا اسے غیبت سے روک دے یا اس کا جواب دے کر مومن کی عزت بچالے یا اسے سمجھا بجھا کر اس کی اصلاح کرے یا اس کے لیے اصلاح کی دعا کرے (مرقات)

وَعَنْ مُّعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰی مُؤْمِنًا مِّنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَکًا یَحْمِیْ لَحْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰی مُسْلِمًا بِشَیْءٍ یُّرِیْدُ بِهٖ شَیْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰی جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۷۶۳) روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی مسلمان کو کسی منافق سے محفوظ رکھے[۱] تو قیامت کے دن اللہ تعالٰی ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کی دوزخ کی آگ سے حفاظت کرے گا[۲] اور جو کسی مسلمان کو کسی چیز کی تہمت لگائے اس کی بے عزتی کا ارادہ کرتا ہو[۳] تو اللہ اسے دوزخ کے پل پر روکے گا حتی کہ وہ اپنی اس بات سے باہر آجائے[۴] (ابوداؤد)

(۴۷۶۳) [۱] یہاں منافق سے مراد غیبت کرنے والے کو اپنے عیب نہیں سوجھتے دوسرے کے نظر آتے ہیں۔ یہ ہی منافق کا حال ہے۔

یعنی غیبت کرنے والے سے اس مسلمان کی عزت بچائے۲؎ اس طرح کہ وہ پل صراط پر اسے اپنے پروں میں ڈھانپ کرگزارے گا تا کہ اسے آگ کی تپش نہ پہنچنے پائے۳؎ بے عزتی کے ارادہ کی قید اس لیے لگائی تا کہ معلوم ہو کہ کسی کی اصلاح کے لیے یا اس سے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اس کی غیبت درست ہے کہ وہ غیبت نہیں ہے۴؎ یعنی جتنی دیر تک اس نے غیبت میں اپنا وقت صرف کیا اتنی دیر تک پلصراط پر روکا جائے گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جب تک اس سے معافی نہ مانگے تب تک وہ غیبت ہی میں مشغول ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَ خَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۷۶۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہیں جو اپنے ہمراہیوں کے لیے بہتر ہوں اور اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے لیے اچھے ہوں۔۲؎ (ترمذی، دارمی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۷۶۴) ۱؎ یہاں ساتھی سے مراد عام ساتھی ہیں مدرسہ کے ساتھی، سفر کے ساتھی، گھر کے ساتھی غرضیکہ مسلمان کو چاہیے کہ ہر ساتھی کے ساتھ اچھا سلوک کرے ان کی خیرخواہی کرے ان سے اچھا برتاوا کرنا انہیں بری باتوں سے روکنا اچھی راہ دکھانا سب ہی اس میں داخل ہے ۲؎ عبادات کی درستی سے بھی زیادہ اہم ہے معاملات کی درستی۔ پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے اس سے اچھا برتاوا کرنا بہت ضروری ہے اس کے بچوں کو اپنی اولاد سمجھے اس کی عزت وذلت کو اپنی عزت وذلت سمجھے پڑوسی اگر کافر بھی ہو تب بھی پڑوسی کے حقوق ادا کرے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہودی پڑوسی سفر میں گیا اس کے بال بچے گھر رہ گئے رات کو یہودی کا بچہ روتا تھا آپ نے پوچھا کہ بچہ کیوں روتا ہے یہودن بولی گھر میں چراغ نہیں بچہ اندھیرے میں گھبراتا ہے اس دن سے آپ روزانہ چراغ میں خوب تیل بھر کر روشن کرکے یہودی کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ جب یہودی لوٹا اس کی بیوی نے یہ واقعہ سنایا یہودی بولا کہ جس گھر میں بایزید کا چراغ آ گیا وہاں اندھیرا کیوں رہے وہ سب مسلمان ہو گئے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ اَوْ اِذَا اَسَاْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَاْتَ فَقَدْ اَسَاْتَ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۶۵) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں کیسے جانوں جب کہ میں بھلائی کروں یا جب کہ میں برائی کروں۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے بھلائی کی تو واقعی تم نے بھلائی کی اور جب تم انہیں کہتے سنو کہ تم نے برائی کی تو واقعی تم نے برائی کی۲؎ (ابن ماجہ)

(۴۷۶۵) ۱؎ یعنی مجھے تو اپنے سارے کام ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر واقعہ میں اچھے کام اور برے کام کی علامت کیا ہے یہاں کام سے مراد معاملات ہیں۔ عقائد، عبادات میں کسی سے اچھا برا کہنے کا اعتبار نہیں ۲؎ یعنی معاملات میں اچھائی برائی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے سارے پڑوسی قدرتی طور پر تم کو اچھا کہیں یا برا کہیں قدرتی بات ہے کہ بعض بندوں کے لیے خود بخود منہ سے اچھائی نکلتی ہے حضور فرماتے ہیں انتم شہداء اللہ فی الارض مسلمانوں کی زبان رب کا قلم ہے پڑوسی چونکہ ڈھکے حالات سے خبردار ہوتے ہیں اس لیے یہاں پڑوسیوں

کی قید لگائی گئی۔ ورنہ اپنے متعلق خود فیصلہ نہ کرو کہ ہم اچھے ہیں یا برے۔ مخلوق کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو رب نکلواتا ہے۔ آج بعض قبر والوں کو لوگ ولی اللہ کہہ رہے ہیں ان کے مزارات پر میلے لگے ہوتے ہیں حالانکہ کسی نے ان کو دیکھا بھی نہیں یہ ہے خلق کی زبان۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنْزِلُو النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۷۶۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے درجوں میں اتارو[۱] (ابوداؤد)

(۴۷۶۶) [۱] یعنی تمہارے پاس جس حیثیت کا آدمی آئے اس کی تواضع خاطر اعزاز و اکرام اس کی حیثیت کے لائق کرو حضرت عائشہ صدیقہ کھانا کھا رہی تھیں ایک اجنبی سائل دروازے سے گزرا۔ آپ نے اسے روٹی کا ٹکڑا بھیج دیا ایک اجنبی گھوڑا سوار گزرا تو آپ نے اس سے کہلا کر بھیجا کہ اگر آپ کو کھانے کی خواہش ہو تو کھانا حاضر ہے کسی نے ام المؤمنین سے اسی فرق کی وجہ پوچھی تو آپ نے یہ ہی حدیث پڑھی معاملات عقائد بلکہ عبادات میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔

ع: گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

یہ واقعہ اشعۃ اللمعات نے بحوالہ احیاء العلوم نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْماً فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰی هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْيُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَالْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَالْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ ۔

(۴۷۶۷) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو حضور کے صحابہ آپ کے بقیہ وضو کو اپنے پر ملنے لگے[۱] تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اس پر کیا چیز ابھارتی ہے[۲] وہ بولے اللہ اور رسول کی محبت[۳] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ اللہ رسول سے محبت کرے یا اس سے اللہ رسول محبت کریں[۴] تو وہ جب بات کرے تو سچی کرے۔ جب امین بنایا جائے تو امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کا پڑوس اچھا نبھائے[۵]

(۴۷۶۷) [۱] تبرک کے لیے کیونکہ حضرات صحابہ کرام ہمیشہ حضور کے وضو کا پانی برکت کے لیے اپنے ہاتھوں اور منہ پر ملتے تھے کہ یہ غسالہ جسم اطہر سے مس ہوا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں زندگی پھونک دی تو جو پانی حضور کے عضو شریف سے مس ہو جائے اس کی تاثیر کا کیا پوچھنا ظاہر یہ ہے کہ اس پانی سے وہ پانی مراد ہے جو اعضاء شریف سے گرتا تھا، غسالہ شریف اور ہوسکتا ہے کہ اس سے وضو کا بقیہ پانی مراد ہو پہلا احتمال قوی ہے دیکھو اشعہ۔ ہمارے وضو و غسل کا غسالہ استعمال کے لائق نہیں۔ حضور کا غسالہ طیب طاہر بلکہ پاک کرنے والا ہے کہ ہمارا غسالہ ہمارے گناہ دھو کر نکلتا ہے حضور کا غسالہ نور لے کر گرتا ہے[۲] حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید ہے ورنہ حضور انور کو تو ہر ایک دل کا ہر حال معلوم ہے۔ شعر:۔

۳؎ یعنی حضور ہمارے محبوب ہمارے دلوں کے چین ہیں جو پانی حضور کے عضو سے مس ہو وہ ہی ہم کو پیارا ہے اس لیے اسے چومتے ہیں۔۴؎ یعنی ہمارے غسالہ کو تبرکًا استعمال کرنا ممنوع یا بیکار نہیں بیشک اس سے برکت حاصل ہوتی ہے مگر اللہ رسول کی محبت کے لیے صرف یہ عمل کافی نہیں کہ یہ کام نفس پر گراں و بھاری نہیں یہ کام تو منافقین بھی کر لیتے ہیں اللہ رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت وفرمانبرداری بھی ضروری ہے کہ وہ ہی نفس پر گراں ہے۵؎ چونکہ یہ تین کام درستی معاملات کی جڑ ہیں اس لیے ان کا ذکر فرمایا جو مسلمان معاملات درست کرلے گا اسے عبادات درست کرنا آسان ہوگا اور معاملات میں زبان سچی ہر قسم کی امانت کی ادائیگی اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک بڑی اہم چیزیں ہیں کسی کو صرف اس کی عبادات اور کثرت نوافل سے نہ آزماؤ بلکہ معاملات سے آزماؤ۔معاملات درست ہیں تو واقعی کامل ہے آج بہت سے مسلمان ان ہی تین باتوں میں فیل ہوجاتے ہیں نمازی،حاجی بہت ہیں مگر سچے امتی تھوڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے ہی صادق الوعد امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے کفار عرب ان القاب سے حضور کو یاد کرتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۶۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ مومن نہیں جو خود سیر ہوجائے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو۱؎ (بیہقی،شعب الایمان)

(۴۷۶۸) ۱؎ اگر اسے اپنے پڑوسی کی بھوک ومحتاجی کی خبر ہو تب تو یہ بہت بے مروت ہے اور اگر خبر نہیں تو بہت لا پرواہ ہے مومن کو چاہیے کہ اپنے عزیزوں قرابت داروں پڑوسیوں محلہ والوں کے حالات کی خبر رکھے اگر کسی کی حاجت مندی کا پتا چلے تو ان کی حاجت روائی کو غنیمت جان کر کرے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۶۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فلاں بی بی اس کی نماز روزے،صدقات کی فراوانی کا چرچا ہے۔بجز اس کے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ستاتی ہے۱؎ فرمایا کہ وہ آگ میں ہے۲؎ عرض کیا یارسول اللہ تو وہ فلاں عورت اس کی نماز روزے صدقات کی کمی کا ذکر ہوتا ہے۳؎ وہ تو پنیر کے کچھ ٹکڑے ہی خیرات کرتی ہے۴؎ اور وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی فرمایا جنتی ہے۵؎ (احمد،بیہقی،شعب الایمان)

(۴۷۶۹) ۱؎ شاید کہنے والے نے اس بی بی کا نام لیا ہوگا مگر راوی کو یاد نہ رہا یا عمدًا نام نہ لیا تاکہ اس مومنہ کی رسوائی نہ ہو زبان کا ذکر اس لیے کیا اکثر لوگ دوسروں کو زبانی تکلیف دیتے ہیں لڑنا بھڑنا غیبت چغلی کرنا وغیرہ زبان کا زخم سنان یعنی بھالے کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ مرہم سے بھر جاتا ہے مگر وہ نہیں بھرتا۔حضرت علی فرماتے ہیں۔

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

کسی اردو شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا　　لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

۲؎ یعنی یہ کام دوزخیوں کے ہیں اگر یہ عبادت گزار بی بی اپنی تیز زبان سے توبہ نہ کرے گی تو اولًا دوزخ میں جائے گی نوافل سے لوگوں کے حق معاف نہیں ہوتے۔ پھر سزا بھگت کر جنت میں جائے گی۔ لہٰذا یہ حدیث اس قانون کے خلاف نہیں کہ صحابہ تمام ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔ بعض حضرات صحابہ سے گناہ ہوئے مگر وہ قائم نہ رہے توبہ کرکے دنیا سے گئے ۳؎ یعنی وہ نفلی نماز نفلی صدقے کم کرتی ہے فرضی نماز میں کمی مراد نہیں کہ یہ تو فسق ہے۔ صحابہ کرام فسق سے محفوظ ہیں ۴؎ مطلب یہ ہے کہ وہ بی بی صاحبہ مسکین غریب ہیں معمولی چیز یعنی کچھ پنیر ہی خیرات کر سکتی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کی کمی مراد ہے کہ پنیر کے ٹکڑے قطرے، زکوۃ وغیرہ میں خیرات نہیں کیے جاتے صرف نفلی صدقات میں دیئے جاتے ہیں ۵؎ اس فرمان عالی سے ہم لوگوں کے کان کھل جانے چاہئیں ہم میں سے بہت لوگ اصول چھوڑ کر فروع میں کوشش کرتے ہیں فرائض کی پروانہیں نوافل پر زور۔ معاملات خراب وظیفوں چلوں کا اہتمام دوا کے ساتھ پرہیز ضروری ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۴۷۷۰) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اچھوں بروں کی خبر نہ دوں ۱؎ راوی نے کہا کہ حاضرین خاموش رہے ۲؎ تو یہ تین بار فرمایا ۳؎ تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہم کو ہمارے برے بھلوں کی خبر دیجیے ۴؎ تو فرمایا کہ تمہارا بھلا وہ شخص ہے جس کی خیر کی ۵؎ امید کی جائے اور اس کے شر سے اطمینان کیا جائے اور تمہارا برا وہ شخص ہے جس کی خیر کی امید نہ کی جائے اور اس کے شر سے امن نہ ہو ۶؎ (ترمذی، بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۷؎

(۴۷۷۰) ۱؎ یعنی حضور انور ایک مجلس صحابہ میں گزرے تو وہاں کھڑے ہوگئے پھر ٹھہر گئے لوگوں سے یہ سوال فرمایا تاکہ ترغیب بعد تعلیم ہو اور دلوں میں جم جائے ۲؎ یہ حضرات سمجھے کہ حضور انور ہمارے نام لے کر فرمائیں گے کہ فلاں اچھا ہے فلاں برا جس سے ہمارے پردہ فاش ہوجائیں گے اس لیے خاموشی بہتر ہے۔ تاکہ ہمارے پردے رہیں ۳؎ حضور انور کا منشا یہ تھا یہ حضرات خود اشتیاق ظاہر کریں تو ہم بتائیں تاکہ یہ حضرات اشتیاق کا ثواب پائیں اور ہمارا کلام بغور سنیں اس لیے بار بار سوال فرمایا اور خود ہی بیان نہ فرمادیا حضور وہ سخی ہیں جو تقاضے کرکرکے فقیروں کو بھیک دیتے ہیں ۴؎ ان صاحب نے محسوس فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان عالی کی رغبت ہے اور حضور فرمانا چاہتے ہیں اس رغبت میں رب تعالٰی کی حکمت ہے لہٰذا عرض کیا کہ حضور ضرور فرمائیں حضور کی اس خواہش میں ہمارا بھلا ہی ہوگا ۵؎ یعنی قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ شخص کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہوسکتا ہے تو خیر ہی کرتا ہے ۶؎ یعنی قدرتی طور پر لوگ اس سے ڈرتے ہوں کہ یہ شخص خطرناک ہے اس سے بچو اس سے خیر نہ پہنچے گی شر ہی پہنچے گی۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کے دل ان کی زبان رب کا قلم ہیں لہٰذا جسے عام طور پر لوگ ولی کہیں وہ عنداللہ ولی ہی ہے ۷؎ اس حدیث کو مختلف عبارتوں سے ابویعلی، احمد، ترمذی، ابن حبان، ابن عساکر وغیرہم نے مختلف صحابہ کرام سے روایت کیا (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَسَّمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَّمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّيْنَ فَقَدْ اَحَبَّهٗ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰى يُسْلِمَ قَلْبُهٗ وَلِسَانُهٗ وَلَا يُؤْمِنُ حَتّٰى يَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ)

(۴۷۷۱) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم فرمادیئے۱ جیسے کہ تمہارے درمیان تمہاری روزی بانٹ دی اور اللہ تعالٰی دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی جسے ناپسند فرماتا ہے۲ مگر دین اس کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۳ تو جسے اللہ دین عطا فرمادے تو اس سے محبت کرتا ہے۴ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بندہ مسلمان نہیں ہوتا حتی کہ اس کا دل وزبان سلامت رہے۵ اور مومن نہیں ہوتا حتی کہ اس کا پڑوسی اس کے شر سے امن میں ہو۶

(۴۷۷۱) ۱ یعنی ظاہر روزیاں جسمانی غذائیں ہیں اور اخلاق وعادات روحانی غذائیں جیسے رب تعالٰی نے جسمانی روزی میں فرق رکھا ہے کہ بعض کی روزی حلال بعض کی حرام بعض کی فراخ بعض کی تنگ یوں ہی بعض کے اخلاق اعلٰی بعض کے خراب۔ اعمال، احوال کا بھی یہ ہی حال ہے۲ چنانچہ حضرت سلیمان وعثمان بڑے غنی ہیں یوں ہی فرعون، ہامان شداد بڑے مال دار ہیں۔ دنیا ہر جگہ پہنچ سکتی ہے یہ تو حضور کے نام کی نچھاور ہے۔ دلہا کی نچھاور دوست دشمن سب لوٹ لیتے ہیں۔ دنیا مل جانا محبوبیت کی علامت نہیں۳ کیونکہ بارات کا کھانا جوڑے انعام وغیرہ صرف دلہا کے دوستوں اور تعلق والوں ہی کو ملتے ہیں دین کائنات کے دلہا نبی کریم کے تعلق والے ہی پائیں گے۔ دین اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۴ یعنی کسی کو اچھے عقیدے اچھے اعمال کی توفیق ملنا اس کی علامت ہے کہ رب تعالٰی اس سے محبت کرتا ہے اپنی خاص نعمت خاص غلاموں کو دی جاتی ہے۵ یعنی مومن کامل وہ ہی ہوگا جس کا دل بدعقیدگیوں، حسد، کینہ سے پاک وصاف ہو سینہ کینہ سے پاک رکھو تا کہ اس میں انوار مدینہ جلوہ گر ہوں بہر حال عبادات سے زیادہ اہم معاملات ہیں اللہ تعالٰی ہمارے معاملات درست کرے۶ چونکہ پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے زیادہ تعلق اسی سے ہوتا ہے جب پڑوسی ہی راضی ہو تو دوسرے لوگ بدرجہ اولٰی راضی ہوں گے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَّلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَاْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ ۔ (رَوَاهُمَا اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۷۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن الفت والا ہوتا ہے۱ اور اس میں خیر نہیں جو نہ الفت کرے نہ اس سے الفت کی جائے۲ (احمد بیہقی شعب الایمان)

(۴۷۷۲) ۱ مالف مصدر میمی ہے بمعنی اسم فاعل یعنی الفت والا کہ اسے اللہ تعالٰی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امت سے الفت ہوتی ہے اور امت کو اس سے الفت ہوتی ہے اس کی طرف دل خود بخود کھنچتے ہیں ہوسکتا ہے کہ مالف اسم ظرف ہو یعنی مومن الفت کی جگہ ہوتا ہے اس میں لوگوں کی الفتیں جمع ہوتی ہیں۲ یعنی مسلمانوں سے وہ متنفر ہو اور مسلمان اس سے متنفر ہوں ایسا شخص نور ایمانی سے محروم ہے۔ خیال رہے کہ مسلمانوں سے الفت رکھنا کچھ اور ہے لوگوں کی شر سے بچنے کے لیے علیحدہ رہنا کچھ اور ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اپنا گھر واپس پکڑو

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِيْ حَاجَةً يُرِيْدُ اَنْ يَسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۷۷۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میرے کسی امتی کی حاجت پوری کرے اس سے اس کی خوشی چاہتا ہوا[۱] تو اس نے مجھے خوش کیا[۲] اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا[۳] اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا[۴]

(۴۷۷۳) [۱] یعنی اس حاجت روائی سے اس بندہ مومن کو خوش کرنا چاہتا ہو محض ایمانی رشتہ کی بنا پر کسی اور وجہ سے نہیں[۲] یعنی اس امتی بندے کی خوشی سے مجھے خوشی ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ تا قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شخص کے ہر ظاہر باطن جسمانی دلی حالات کی خبر ہے اگر حضور بے خبر ہوں اور مومن کی خوشی کا حضور کو علم نہ ہو تو آپ کو خوشی کیسے ہو[۳] اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ نیک عمل سے مومن کو راضی کرنے اور مومن کی رضا کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک نہیں ریا نہیں بالکل جائز ہے۔ جب کہ اپنی نمود اور ناموری مقصود نہ ہو دوسرے یہ کہ خدا تعالٰی کی رضا صرف حضور کی رضا میں ہے بڑی سے بڑی نیکی جس سے حضور راضی نہ ہوں اس سے خدا تعالٰی ہرگز راضی نہ ہوگا لہذا ہر عبادت میں حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہیے کہ یہ ذریعہ ہے رب کی رضا کا[۴] اس سے معلوم ہوا کہ جنت خدا تعالٰی کی خوشنودی سے ملے گی محض اپنے عمل سے نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَغَاثَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثَلٰثًا وَّسَبْعِيْنَ مَغْفِرَةً وَّاحِدَةٌ فِيْهَا صَلَاحُ اَمْرِهٖ كُلِّهٖ وَثِنْتَانِ وَّسَبْعُوْنَ لَهٗ دَرَجَاتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۷۷۴) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی غمگین کی مدد کرے اس کے لیے اللہ تعالٰی تہتر بخششیں لکھتا ہے[۱] جن میں سے ایک تو اس کے لیے تمام کاموں کی درستی ہے اور بہتر مغفرتیں اس کے قیامت کے دن درجے ہیں[۲]

(۴۷۷۴) [۱] ملھوف کے معنی ہیں غمگین، حیران پریشان اس میں پانچ حروف ہیں پہلے دو حرف میم اور لام ہیں جن کے عدد ہیں ستر اس کے بعد تین حرف ہیں ہ و ف۔ پہلے دو حرفوں کے عدد اور آخری تین حرفوں کی شمار کل ۷۳ ہوئی اس حساب سے اسے تہتر رحمتیں عطا ہوتی ہیں[۲] سبحان اللہ جب ایک مغفرت سے سارے گناہ معاف ہوگئے تو باقی بہتر مغفرتوں سے کیسی بنے گی رب تعالٰی نصیب فرمادے۔

وَعَنْهُ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۷۵) روایت ہے انہیں سے وہ جناب عبداللہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلقت اللہ کی پروردہ ہے[۱] تو مخلوق میں اللہ کو بہت پیارا وہ ہے جو اللہ کے پروردوں سے اچھا سلوک کرے[۲] ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

(۴۷۷۵) [۱] عیال کے معنی پروردہ بہت مناسب ہیں بال بچوں کو عیال اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صاحب خانہ کے پروردہ ہوتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے: وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (۹۳،۸) اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کردیا (کنزالایمان) رب تعالٰی نے تم کو بڑا ہی عیال والا پایا تو تم کو اتنا غنی کردیا کہ تم سارے جہان کو پال لو عائل کے یہی معنی حضرت ابن عباس نے کیے۔ دیکھو بخاری شریف کتاب التفسیر یہی

آیت۔اللہ تعالیٰ سب کا رزاق ہے مخلوق اس کی مرزوق ہے لہذا اس کی عیال ہے یعنی پرورده؀۲ یعنی جیسے تم اس شخص سے بہت خوش ہوتے ہو جو تمہارے غلاموں لونڈیوں بال بچوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ وہ تمہارے پرورده ہیں۔ایسے ہی جو کوئی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کرے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے دیکھو جو کوئی تمہارے بچوں نوکروں غلاموں کو کچھ دے تو تم پر قرض ہو جاتا ہے تم انتظار کرتے ہو کہ مجھے موقع ملے تو اس کے نوکروں کو خوش کروں کسی بچے کی شادی میں تم نیوتا دو تو وہ تمہارا قرض ہوتا ہے رب کے بندوں کو دو تو وہ رب تعالیٰ پر قرض ہوتا ہے فرماتا ہے۔مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جَارَانِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۷۷۶) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے دو جھگڑے والے قیامت کے دن دو پڑوسی ہوں گے؀۱ (احمد)

(۴۷۷۶) ؀۱ یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے پڑوسیوں کے جھگڑے چکائے جائیں گے پہلے ان کے فیصلے ہوں گے پھر دوسروں کے یہ اولیت اضافی ہے حقیقی نہیں۔یعنی دوسرے جھگڑوں کے مقابلہ میں پڑوسیوں کے جھگڑے پہلے بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے۔خیال رہے کہ عبادات میں پہلے حساب نماز کا ہوگا معاملات میں پہلے حساب خون ناحق کا ہوگا اداء حقوق میں پہلے حساب پڑوسیوں کا ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً شَكَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ امْسَحْ رَاْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۷۷۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے سختی دل کی شکایت کی فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ؀۱ (احمد)

(۴۷۷۷) ؀۱ سبحان اللہ عجیب علاج ہے یتیموں مسکینوں پر مہربانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ ہے اور اللہ کی رحمت سے دل نرم ہوتا ہے رب فرماتا ہے:اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ (۹۰،۱۴تا۱۶) یا بھوک کے دن کھانا دینا رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو (کنزالایمان) نرمی قلب اللہ کی بڑی رحمت ہے علاج بالضد ہوتا ہے تکبر کا علاج تواضع سے،بخل کا علاج سخاوت سے ہوتا ہے ایسے ہی سختی دل کا علاج غریبوں یتیموں پر رحم سے ہے۔

وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ ابْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۷۸) روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک سے؀۱ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو بہترین صدقہ پر رہبری نہ کروں؀۲ تمہاری وہ بیٹی جو تم تک لوٹادی جائے تمہارے سواء اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو؀۳ (ابن ماجہ)

(۴۷۷۸) ؀۱ آپ سراقہ ابن مالک ابن جعشم ہیں قبیلہ بنی مدلج سے آپ کے حالات بیان کیے جاچکے ہیں؀۲ یہاں صدقہ سے مراد شرعی صدقہ واجبہ نہیں وہ تو اپنی اولاد کو جائز نہیں بلکہ مراد نیکی اور کار ثواب ہے اس کا بہترین نیکی ہونا اس لیے ہے اس میں حق قرابت کا ادا کرنا بھی ہے اور بے کس کی پرورش بھی ایک عصمت والی بی بی کی حفاظت بھی؀۳ یعنی تمہاری وہ بیٹی جس کا خاوند فوت ہوگیا یا پاگل دیوانہ ہوگیا یا گم ہوگیا یا اس نے طلاق دے دی مگر لڑکی کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی یا اسے اچھا رشتہ ملتا نہیں اس لیے مجبوراً وہ میکے میں آگئی۔

اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اس کی پرورش کرنا بہترین صدقہ ہے کہ وہ اب بے آس ہوکر تمہارے سہارے پر تمہارے پاس آئی بعض لوگ خود لڑکیوں کو اپنے گھر بٹھالیتے ہیں اسے بلاوجہ بسنے نہیں دیتے وہ یہاں مراد نہیں ایسے لوگ تو بڑے مجرم ہیں اس لیے مردودۃ ارشاد ہوا۔

بَابُ الْحُبِّ فِي اللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ — اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی محبت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

فی اللہ کا، فی یا تو اپنے ہی معنی پر ہے تو سبیل پوشیدہ ہے یا بمعنی لام ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا (۲۹، ۶۹) اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی (کنزالایمان) یعنی اللہ کی راہ میں محبت یعنی کسی بندے سے صرف اس لیے محبت کرے کہ رب تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے اس میں دنیاوی غرض یا ریا نہ ہو اس محبت میں ماں باپ اولاد اہل قرابت مسلمانوں سے محبت سب ہی داخل ہیں جبکہ رضا الٰہی کے لیے ہوں حضرات اولیاء، انبیاء سے محبت سبحان اللہ یہ تو حب فی اللہ کا درجہ ہے خدا نصیب کرے۔۲؎ محبت من اللہ سے مراد وہ محبت ہے جو رب بندے سے محبت فرمائے اور اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے جیسا کہ بعض بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے آستانوں پر لوگوں کے میلے لگے رہتے ہیں لہٰذا ان دونوں عبارتوں میں تکرار نہیں دونوں مستقل مضمون ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(۴۷۷۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روحیں مخلوط لشکر ہیں۱؎ تو ان میں سے جو جو جان پہچان رکھتی ہیں وہ الفت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہ چکی ہیں وہ الگ رہتی ہیں (بخاری) اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا

(۴۷۷۹) ۱؎ یعنی انسانی روحیں بدنوں میں آنے سے پہلے آپس میں مخلوط تھیں اس طرح سعید روحیں ایک گروہ تھیں اور شقی روحیں دوسرا گروہ مگر سعید آپس میں مخلوط مخلوط تھیں اور شقی آپس میں مخلوط۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَائِيْلَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرَائِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَائِيْلَ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَيُبْغِضُهُ جِبْرَائِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا

(۴۷۸۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے۱؎ تو حضرت جبرائیل کو بلاتا ہے پھر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۲؎ تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبرائیل اس سے محبت کرتے ہیں۳؎ آسمان میں اعلان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے۴؎ تم لوگ اس سے محبت کرو۵؎ تو اس سے آسمان والے محبت کرتے ہیں۶؎ پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۷؎ اور جب رب تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں فلاں

فَـاَبْغِضُوْہُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَہٗ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

سے ناراض ہوں تو تم بھی اس سے ناراض ہو جاؤ فرمایا کہ جبرائیل اس سے ناراض ہو جاتے ہیں پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فلاں سے ناراض ہے تم لوگ بھی اس سے ناراض ہو جاؤ۸ فرمایا پھر وہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے نفرت رکھ دی جاتی ہے۹ (مسلم)

(۴۷۸۰) ۱؎ یعنی جب یہ روحیں بدنوں میں آئیں تو ہر روح کو اس روح سے الفت ہوگی جس کے ساتھ پہلے خلط ملط رہ چکی ہے اگرچہ دنیا میں مختلف زمانوں مختلف زمینوں میں رہیں ۲؎ یعنی جو روحیں وہاں عالم ارواح میں الگ الگ تھیں کہ یہ روح ایک زمرہ کی تھی وہ روح دوسرے زمرہ کی وہ بدن میں آنے کے بعد اگرچہ ایک جگہ رہیں مگر ان میں الفت نہ ہوگی نفرت ہوگی۔

ناریاں مر ناریاں را طالب اند نوریاں مر نوریاں راجاذب اند

کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہو کر الگ رہا۔ بلقیس یمن میں رہتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی ابو جہل مکہ میں رہتے ہوئے حضور سے دور رہا۔ اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور سے قریب ہو رہے۔ بُعدِ دار اور قرب مزار کچھ نہیں ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ بندہ سے مراد مومن انسان ہے محبت سے مراد یا تو اس کی بھلائی کا ارادہ فرمانا ہے تو یہ محبت رب کی ذاتی صفت ہے یا اس بندہ پر کرم و احسان فرمانا ہے تو یہ صفت فعل ہے لہٰذا حدیث ظاہر ہے اس پر علم کلام کا کوئی اعتراض نہیں ۴؎ چونکہ حضرت جبرائیل تمام فرشتوں سے افضل ہیں نیز جبرائیل علیہ السلام ہی خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں اور حضرات انبیاء کرام پر وحی لانے والے اس لیے ان سے ہی یہ فرمایا جاتا ہے۔ بلانے سے مراد انہیں مطلع فرمانے کے لیے ندا فرمانا ہے۔ رب تعالٰی کی محبت کا سبب یا اس بندے کے نیک اعمال ہوتے ہیں یا کسی محبوب بندے کا محبوب ہونا ۵؎ یعنی اے آسمان کے فرشتو صرف اس لیے اس بندے سے محبت کرو کہ وہ اللہ کا پیارا ہے تاکہ تم اس سے محبت کرکے اللہ کے اور زیادہ محبوب بن جاؤ۔ یہ ہے محبت فی اللہ اور محبت من اللہ ۶؎ یعنی اس اعلان پر سارے آسمان والے بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں ۷؎ زمین سے مراد زمینی باشندے انسان ہیں یا جن وانس دونوں مگر وہ جن وانس جو اہل محبت سے ہوں جو بہ شکل انسان جانور ہیں وہ محبت نہ کریں تو نہ کریں چنانچہ حضرات انبیاء اولیاء حضرات صحابہ واہل بیت کے بہت لوگ دشمن ہیں یہ لوگ اہل محبت اور دل والے نہیں لباس آدمی میں شیر بھیڑیئے ہیں (مرقات) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اس بندے کی طرف کھنچنے لگتے ہیں وہ دلوں کا مقناطیس بن جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۹۶،۱۹) بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لئے رحمٰن محبت کر دے گا۔ (کنز الایمان) یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے ۸؎ یعنی اے آسمان والو فلاں بدنصیب انسان سے اللہ تعالٰی ناراض ہے اس پر غضب کرنا چاہتا ہے تم اس سے نفرت کرو اس کے لیے بددعائیں کرو ۹؎ یعنی ایسے شخص سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اسے بددعائیں دیتے ہیں اور دل والے محبت والے انسانوں کے دلوں میں قدرتی طور پر اس سے نفرت ہو جاتی ہے اگر کچھ برے لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِی

(۴۷۸۱) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میری

اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

عظمت کے لیے آپس میں محبت کرنے والے! آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ۲ (مسلم)

(۴۷۸۱) ۱ یعنی وہ مسلمان ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں جو کسی دنیاوی وجہ سے نہیں بلکہ صرف میری رضا میری خوشنودی کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے کہ میری عظمت ان کے دلوں میں تھی اس لیے مجھے راضی کرنا چاہتے تھے میرے بندوں کو راضی کر کے ۲ ظل کے معنی ہیں سایہ مگر کبھی اس سے مراد ہوتی ہے پناہ امان جیسے کہا جاتا ہے کہ عادل بادشاہ ظل اللہ ہے یا بزرگوں کو لکھتے ہیں دام ظلہم اگر یہاں سایہ کے معنی میں ہے تو مراد ہے عرش اعظم کا سایہ کہ سایہ جسم کا ہوتا ہے رب تعالٰی جسم سے پاک ہے اور اگر مراد ہے پناہ تو ظاہر ہے۔

وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلاً زَارَاَخًا لَّہٗ فِیْ قَرْیَۃٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَاللّٰہُ لَہٗ عَلٰی مَدْرَجَتِہٖ مَلَکًا قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اُرِیْدُ اَخًا لِّیْ فِیْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ قَالَ ھَلْ لَّکَ عَلَیْہِ مِنْ نِّعْمَۃٍ تَرُبُّھَا قَالَ لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُہٗ فِی اللّٰہِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا اَحْبَبْتَہٗ فِیْہِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۷۸۲) روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے دوسری بستی میں ملاقات کی ۱ اللہ تعالٰی نے اس کے اوپر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ۲ وہ بولا کہاں جاتا ہے ۳ اس نے کہا کہ اس بستی میں اپنے ایک بھائی کا ارادہ کرتا ہوں وہ بولا تیرا اس پر احسان ہے جسے تو حاصل کرنا چاہتا ہے ۴ بولا نہیں بجز اس کے کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں ۵ فرشتہ نے کہا کہ میں تیری طرف اللہ کا قاصد ہوں کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو نے اس سے محبت کی ۶ (مسلم)

(۴۷۸۲) ۱ یہاں ملاقات کرنے سے مراد ہے۔ ملاقات کے لیے جانا ملاقات کا ارادہ کرنا بھائی سے مراد ایمانی اسلامی بھائی ہے جس کو اللہ کے لیے بھائی بنایا ہو خواہ نسبی بھائی بھی ہو یا نہیں ۲ عربی میں مدرج راستہ کو بھی کہتے ہیں سیڑھی کو بھی یعنی چلنے کی جگہ یا چڑھنے کی۔ یہاں بمعنی راستہ ہے ممکن ہے کہ اس کی بستی یہاں سے کچھ بلندی میں ہو فرشتہ یا حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے یا کوئی اور دوسرا فرشتہ جو پہلے سے وہاں مقرر کر دیا گیا (از مرقات) ۳ یہ سوال بے علمی کی بناء پر نہیں بلکہ اس سے وہ جواب حاصل کرنے کے لیے ہے جو یہاں مذکور ہے اور اسے بشارت دینے کے لیے ہے تاکہ لوگ یہ دونوں باتیں سنیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے بیان فرمانا اسی مقصد کے لیے ہے ۴ یعنی تو کبھی اس پر احسان کر چکا ہے جس کا عوض حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے یا اس کا تجھ پر کچھ احسان ہے جس کا عوض دینے تو جا رہا ہے ترب بنا ہے رب سے بمعنی پرورش کرنا، مالک کرنا، حاصل کرنا اصلاح کرنا۔ (اشعۃ اللمعات) ۵ یعنی اس سے میری محبت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے اور نیک بندوں کی محبت سے اللہ تعالٰی راضی ہو جاتا ہے بخشے ہوؤں کی ملاقات کرو کہ تم بھی بخشے جاؤ۔

اٹھ جاگ فریدا ستیا توں خلقت ویکھن جا مت کوئی بخشیا مل پوے توں بھی بخشیا جا

۶ یعنی تیرا یہ عمل بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گیا اور تیرا مقصد حاصل ہو گیا اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اللہ کے واسطے کسی سے محبت کرنا بہترین نیکی ہے دوسرے یہ کہ ایسی محبت اللہ تعالٰی کی محبت کا ذریعہ ہے۔ تیسرے یہ کہ صالحین کی ملاقات ان کی زیارت کے لیے جانا بہت افضل ہے چوتھے یہ کہ عام انسان فرشتہ کو شکل انسانی میں دیکھ سکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اللہ تعالٰی کبھی حضرات اولیاء اللہ کے پاس فرشتہ کے ذریعہ پیغام بھیجتا ہے۔ یہ درجہ الہام سے اوپر ہے (مرقات) مگر یہ پیغام وحی نہیں کہ وحی حضرات انبیاء کے سواء کسی کو نہیں ہوتی۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی

(۴۷۸۳) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا کہ ایک

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْماً وَّلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرے اور ان سے ملا نہ ہوا[1] تو فرمایا کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے[2] (مسلم، بخاری)

(۴۷۸۳) [1] نہ تو کبھی ان سے ملاقات کی ہو نہ ان کے لیے نیک اعمال کیے ہوں مگر ان سے دلی محبت رکھتا ہو جیسے آج ہم گندے کمینے بدکار سیاہ کار حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اخیار سے محبت کریں[2] یعنی یہ شخص قیامت میں ان محبوب نیکوں کے ساتھ ہوگا رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (۴:۶۹) تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ (کنزالایمان) یہاں مرقات نے فرمایا کہ بروں سے محبت کرنے کا انجام بھی یہ ہی ہے۔ خیال رہے کہ ہر نسبت جنسیت چاہتی ہے عشق و محبت نہ جنسیت دیکھے نہ برابری بندہ کو اللہ سے امتی کو رسول اللہ سے عشق ہوسکتا ہے، اللہ تعالٰی نصیب کرے خوف خدا عشق جناب مصطفٰی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَّ لَھَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُّ لَھَا اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَارَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَھُمْ بِھَا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۴۷۸۴) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول قیامت کب ہے فرمایا افسوس تجھ پر تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے[1] وہ بولا میں نے اس کی تیاری کوئی نہیں کی بجز اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں[2] فرمایا تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہو حضرت انس نے فرمایا کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر ایسا خوش ہوتے نہ دیکھا جیسا کہ وہ اس سے خوش ہوئے[3] (مسلم، بخاری)

(۴۷۸۴) [1] یہ افسوس غضب کے لیے نہیں کرم کے لیے ہے جیسے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا: علی رغم انف ابی ذر اس کلمہ کا مزہ وہ جانے جسے دل سے لگی ہو یا مقصد یہ ہے کہ تو اعمال تو کرتا نہیں صرف قیامت کے متعلق پوچھتا ہے[2] یہ صاحب بڑے متقی پرہیزگار عبادت گزار تھے مگر انہوں نے اپنے اعمال کو قیامت کی تیاری قرار نہ دیا کہ یہ سب نیکیاں تو اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ہے جو مجھے دنیا میں مل چکیں اور مل رہی ہیں آخرت کی تیاری صرف یہ ہے کہ مجھے اس برات کے دلہا سے محبت ہے دلہا سے تعلق اس سے محبت برات کے کھانے والے جوڑے انعام کا مستحق بنا دیتے ہیں مرقات نے فرمایا کہ اللہ رسول سے محبت سائرین اور طائرین کے مقامات میں سے اعلٰی مقام ہے ساری عبادات محبت کی فروع ہیں مگر محبت کے ساتھ اطاعت بلکہ متابعت ضروری ہے۔ برات کا کھانا صرف عمدہ لباس سے نہیں ملتا بلکہ دلہا کے تعلق سے ملتا ہے اگر رب تعالٰی سے کچھ لینا ہے تو حضور سے تعلق پیدا کرو[3] یعنی حضرات صحابہ کرام کو سب سے بڑی خوشی تو اپنے اسلام لانے پر ہوئی تھی کہ اللہ تعالٰی نے انہیں مومن صحابی بننے کی توفیق بخشی اس کے بعد آج یہ فرمان عالی سن کر بڑی خوشی ہوئی اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا تھے ان میں بعض تو حضور کے بغیر چین نہ پاتے تھے۔ انہیں کھٹکا تھا کہ مدینہ منورہ میں تو ہم کو حضور کی ہمراہی نصیب ہے کہ یار نے مدینہ میں لفا کا ٹھانہ بنایا ہے مگر جنت میں کیا بنے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلٰی علیین سے بھی اعلٰی

ہوگا۔ ہم کسی اور درجہ میں ہوں۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھا دیا تمام کو تسلی دے دی فرمادیا کہ جس کو مجھ سے صحیح محبت ہوگی اسے مجھ سے فراق نہ ہوگا میرے ساتھ ہی رہے گا۔ خیال رہے کہ یہاں درجہ کی ہمراہی یا برابری مراد نہیں بلکہ ایسی ہمراہی ہے جیسے سلطان کے خاص خدام سلطان کے ساتھ اس کے بنگلہ میں رہتے ہیں سب سے بڑا خوش نصیب وہ جسے کل حضور کا قرب نصیب ہو جائے اس قرب کا ذریعہ حضور سے محبت ہے اور حضور کی محبت کا ذریعہ اتباع سنت کثرت سے درود شریف کی تلاوت حضور کے حالات طیبہ کا مطالعہ اور محبت والوں کی صحبت ہے یہ صحبت اکسیر اعظم ہے۔

وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ يُّحْذِيَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً طَيِّبَةً وَّنَافِخُ الْكِيْرِ اَمَّا اَنْ يُّحْرِقَ ثِيَابَكَ وَاَمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً خَبِيْثَةً . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۷۸۵) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے برے ساتھی کی مثال مشک کے اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے [۱] مشک بردار یا تمہیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے خرید لوگے اور یا تم اس سے اچھی خوشبو پالوگے [۲] اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے گا اور یا تم اس سے بدبو پاؤ گے [۳] (مسلم، بخاری)

(۴۷۸۵) [۱] سبحان اللہ کیسی پاکیزہ مثال ہے جس کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ بروں کی صحبت فائدہ اور اچھوں کی صحبت نقصان کبھی نہیں دے سکتی بھٹی والے سے مشک نہیں ملے گا گرمی اور دھواں ملے گا۔ مشک والے سے نہ گرمی ملے نہ دھواں مشک یا خوشبو ہی ملے گی [۲] یہ ادنیٰ نفع کا ذکر ہے مشک خرید لینا یا اس کا مفت ہی دے دینا اعلیٰ نفع ہے جس سے ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے گا اور صرف خوشبو پالینا ادنیٰ نفع ہے خیال رہے کہ ابوجہل وغیرہ دشمنان رسول حضور کے پاس حاضر ہوئے ہی نہیں وہاں حاضری محبت سے حاصل ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِیَّ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ فِیْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِیِّ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَآءُ .

(۴۷۸۶) روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا میری محبت میرے بارے میں محبت کرنے والوں اور میرے بارے میں بیٹھنے والوں اور ملاقات کرنے والوں اور میری راہ خرچ کرنے والوں کے لیے لازم ہوگئی [۱] (ترمذی کی روایت میں ہے) فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میری راہ میں محبت کرنے والے ان کے لیے نور کے منبر ہیں ان پر نبی اور شہداء رشک کریں گے [۲]

(۴۷۸۶) [۱] اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ حتی الامکان بری صحبت سے بچو کہ یہ دین و دنیا برباد کردیتی ہے اور اچھی صحبت اختیار کرو کہ اس سے دین و دنیا سنبھل جاتے ہیں سانپ کی صحبت جان لیتی ہے برے یار کی صحبت ایمان برباد کردیتی ہے۔

مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند ؎ یار بد بر دین و بر ایمان زند

صوفیاء کرام کے نزدیک ساری عبادات سے افضل صحبت نیک ہے آج مسلمان نمازی، غازی، حاجی، قاضی بنتے رہتے ہیں مگر صحابی نہیں بنتے کہ صحابی صحبت نبی سے بنتے تھے وہ صحبت اب کہاں نصیب۔حضور سب کچھ دے گئے مگر صحبت ساتھ ہی لے گئے صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان تین کاموں میں سے کوئی کام کرے اور اللہ تعالٰی اس سے محبت نہ کرے اللہ کی راہ میں اس کے بندے سے محبت کی جائے اور خدا تعالٰی اس سے محبت نہ کرے خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف سجدہ کرو اگر رب تعالٰی سے محبت کرنا ہو تو اس کے بندوں سے محبت کرو یہ بندے محبت الٰہی حاصل کرنے کے لیے گویا کعبہ ہیں۲ یا تو یہاں غبطہ سے مراد ہے خوش ہونا۔تب تو حدیث واضح ہے کہ حضرات انبیاء کرام ان لوگوں کو اس مقام پر دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ان لوگوں کی تعریف کریں گے (مرقات) اور اگر غبطہ بمعنی رشک ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر حضرات انبیاء وشہداء کسی پر رشک کرتے تو ان پر کرتے تو یہ فرضی صورت کا ذکر ہے (اشعۃ اللمعات) یا یہ رشک اپنی امت کی بناء پر ہوگا کہ امت محمدیہ میں یہ لوگ ایسے درجے میں ہیں کہ ہماری امت میں نہیں یا یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اپنی امت کا حساب کرارہے ہوں گے اور یہ لوگ آرام سے ان منبروں پر بےفکری سے آرام کررہے ہوں گے تو حضرات انبیاء کرام ان لوگوں کی بےفکری پر رشک کریں گے کہ ہم مشغول ہیں یہ فارغ البال بہرحال اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ یہ حضرات انبیاء کرام سے افضل ہوں گے (مرقات واشعہ وغیرہ)

26

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَّاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَّاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَّا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ مَعَ زَوَائِدَ وَ كَذَا فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۸۱) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے بعض بندے وہ ہیں۱ جو نہ تو نبی ہیں نہ شہید ان پر حضرات انبیاء شہداء قیامت کے دن رشک کریں گے ان کے قرب الٰہی کی وجہ سے۲ لوگ بولے یا رسول اللہ ہمیں خبر دیں کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا وہ قوم جو اللہ کے قرآن کی وجہ سے۳ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں بغیر آپس کی قرابت داری کے اور بغیر آپس کی مالی لین دین کے۴ تو اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۵ جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ غمگین ہوں تو یہ غمگین نہ ہوں گے۶ اور یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار رہو بےشک اللہ کے ولی نہ ان پر ڈر ہے نہ غمگین ہوں گے۷ (ابوداؤد) اور اسے شرح سنہ میں حضرت ابو مالک سے روایت کیا۸ مصابیح کے الفاظ میں مع زیادہ کے یوں ہی شعب ایمان میں ہے۔

(۴۷۸۱) ۱ اناس جمع فرما کر یہ بتایا کہ یہ حضرات انسان ہیں اور وہ ایک دو نہیں بلکہ پوری جماعت ہے یہ اولیاء اللہ ہیں اور ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۲ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض کردیا گیا کہ ان حضرات کے قرب الٰہی کی انبیاء کرام شہداء عظام تعریف کریں گے یا ان کی بےغمی بےفکری پر رشک کریں گے قیامت میں گنہگاروں کو اپنی حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت کی فکر بھی ہوگی غم بھی ہوگی مگر یہ حضرات اپنے اور دوسروں کے غم وفکر سے آزاد ہوں گے اس آزادی پر حضرات انبیاء رشک کریں گے لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ لوگ انبیاء کرام سے افضل ہوں رب تعالٰی فرماتا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۰:۶۲) سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

(کنزالایمان) یہاں اولیاء اللہ فرمایا گیا انبیاء نہ ارشاد ہوا۳؎ قوی یہ ہے کہ روح الدر کے ضمہ سے ہے بمعنی زندگی بخش چیز اور اس سے مراد قرآن کریم ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کو جاودانی زندگی بخشا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۴۲،۵۲) اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے (کنزالایمان) اس کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں یعنی قرآن مجید کی اتباع اس کے احکام کی پابندی کی وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں۴؎ یعنی ان کی محبت کی وجہ آپس کی قرابتداری اور مالی لین دین نہیں ہوتی۔صرف اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع فرمان ہے خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی لہذا حدیث واضح ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ للہ فی اللہ محبت صرف اجنبی سے ہی چاہیے اپنے عزیز وقرابت داروں سے نہ چاہیے اگرچہ وہ کیسا ہی نیک وصالح ہو چونکہ دنیاوی محبتیں اکثر نسب اور مالی تعلق کی بنا پر ہوتی ہیں اس لیے ان ہی دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا طمع لالچ مال کی زیادتی ہوتی ہے۵؎ یعنی ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے جیسے دنیا کی مجلسوں میں معزز آدمی کو عزت کی جگہ بٹھایا جاتا ہے ایسے انہیں رب تعالٰی قیامت میں عزت کی جگہ عطا فرمائے گا تاکہ اہل محشر پر ان کی عظمت ظاہر ہو۶؎ اس ارشاد عالی نے حضرات انبیاء کے رشک کی وجہ بیان فرمادی کہ یہ لوگ اس دن اپنی اور دوسروں کی فکروں سے آزاد ہوں گے اس بےفکری اور آزادی پر رشک کیا جائے گا انہیں نہ اپنے بخشے جانے کی فکر کہ وہ بخش دیئے گئے نہ دوسروں کو بخشوانے کی فکر کہ وہ کسی کے ذمہ دار نہیں لہذا حدیث واضح ہوگئی۷؎ یا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اپنے فرمان عالی کی تائید کے لیے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی حدیث کی تقویت کے لیے خیال رہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اگر قرآنی آیت سے قوت پائے تو صحیح ہوجاتی ہے یعنی ان لوگوں کو نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ ثواب جاتے رہنے کا غم۸؎ آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے کنیت ابو مالک ہے اشعری ہیں صحابی ہیں آپ سے بہت حضرات نے روایات نقل کیں عہد فاروقی میں وصال ہوا۔(مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِىْ ذَرٍّ يَا اَبَاذَرٍّ اَىُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِى اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِى اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِى اللّٰهِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِى شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۷۸۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوذر سے فرمایا اے ابوذر ایمان کی گرہوں میں سے کون سی گرہ۱؎ مضبوط ہے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں فرمایا اللہ کی راہ میں دوستی اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۴۷۸۸)۱؎ عری جمع ہے عروۃ کی عروہ رسی کا وہ کنارہ جو ڈول سے بندھا ہوتا ہے اور ڈول اس سے وابستہ ہوتا ہے پھر ہر اس چیز کو عروہ کہا جانے لگا جس سے کوئی چیز پکڑی جائے جیسے کوزہ کا دستہ وغیرہ لہذا عروہ کے معنی گرہ بہت مناسب ہے یہاں اس سے مراد ایمان کے اور مومنوں کے اعمال ہیں یعنی ایمان کا کون سا رکن اور مومن کا کونسا عمل زیادہ لائق بھروسہ ہے۲؎ دوطرفہ دوستی موالات ہے اور یک طرفہ دوستی حب یوں ہی دوطرفہ عداوت معادات ہے یک طرفہ دشمنی بغض (مرقات) یعنی لڑائی اللہ کے لیے ملاپ اللہ کے لیے یعنی جو اللہ کا مقبول ہو وہ ہمارا پیارا ہوجائے اگرچہ اجنبی ہو اور جو اللہ کا مردود ہو وہ ہمارا دشمن ہوا اگرچہ قرابت دار ہو۔حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ۔۔۔ فداء یک تن بیگانہ کاشنا باشد

رام نام کشٹے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے چام ۔۔۔ واردی کنچن دیہہ کو کہ جس کا ناہیں رام

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَادَ الْمُسلِمُ اَخَاهُ اَوْزَارَهٗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۴۷۸۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی یا ملاقات کرتا ہے[۱] تو رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تو اچھا تیرا چلنا اچھا اور تو نے جنت میں منزل یعنی گھر بنالیا[۲] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۷۸۹) [۱] ظاہر یہ ہے کہ، اوزارہ بھی حضور کا فرمان عالی ہے یعنی اس سے بیماری میں ملاقات کرے یا تندرستی میں ملے دونوں کا درجہ یہی ہے عیادت اور زیارت میں یہ ہی فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاد فرمایا یا زار مگر پہلی بات قوی ہے[۲] جنت کی بعض زمین سفیدہ بھی ہے جس میں مومنوں کے اعمال کے بعد باغ یا مکانات تیار ہوتے ہیں اور بعض زمین میں تمام چیزیں پہلے ہی موجود ہیں جہاں کسی جنت میں گھر بنانے یا مکان بنانے کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس زمین میں بنانا مراد ہوتا ہے۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْیُخْبِرْهُ اَنَّهٗ یُحِبُّهٗ ۔(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۴۷۹۰) روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے خبر دے دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے[۱] (ابوداؤد، ترمذی)

(۴۷۹۰) [۱] یہ خبر دینا خوشامد کے لیے یا جھوٹ بولنے کے طریقہ سے نہ ہو بلکہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا انشاء اللہ اسے بھی اس سے محبت ہوجائے گی اور پھر یہ دوطرفہ محبت بہت پختہ ہوگی یا وہ اس کے لیے دعا کرے گا یہ عمل بہت ہی مجرب ہے محبت کی خبر دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔جبکہ اخلاص سے ہو اور محض اللہ کے لیے ہو دنیاوی لالچ سے نہ ہو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّرَجُلٌ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ نَاسٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهٗ اِنِّیْ لَاُحِبُّ هٰذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمْتَهٗ قَالَ لَا قَالَ قُمْ اِلَیْهِ فَاَعْلِمْهُ فَقَامَ اِلَیْهِ فَاَعْلَمَهٗ فَقَالَ اَحَبَّكَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهٗ قَالَ ثُمَّ رَجَعَ فَسَاَلَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا قَالَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكَ مَااحْتَسَبْتَ ۔ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَان وَفِیْ رِوَایَةِ التِّرْمِذِیِّ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَهٗ مَااكْتَسَبَ)

(۴۷۹۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حضور انور کے پاس کچھ لوگ تھے تو آپ کے پاس والوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں[۱] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے بتا دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اس کے پاس جاؤ اسے بتا دو[۲] چنانچہ وہ شخص اس کے پاس گیا اسے یہ خبر دی[۳] وہ بولا کہ تجھ سے وہ محبت کرے جس کی راہ میں تو نے مجھ سے محبت کی ہے[۴] راوی فرماتے ہیں کہ پھر واپس ہوا تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا[۵] تو اس نے حضور کو خبر دی جو اس نے کہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا۔جس سے محبت کرے[۶] اور تیرے لیے وہ ہے جو تم نے طلب اجر کیا[۷] (بیہقی، شعب الایمان) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے اور اس کے لیے وہ ہے جو کمائے[۸]

(۴۷۹۱) [۱] اپنے اعمال صالحہ کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا سنت صحابہ ہے اس سے اعمال زیادہ قبول ہوتے ہیں[۲] کہ میں تجھ سے

محبت کرتا ہوں اور محبت بھی خالصاً لوجہ اللہ ہے تاکہ اس کے دل پر تمہاری اسی محبت کا اثر ہو اور وہ بھی تم سے محبت کرنے لگے اور محبت موالاۃ بن جائے ظاہر ہے کہ موالات محبت سے قوی تر ہے۳؎ یعنی اس پہلے شخص نے اس دوسرے شخص کو خبر دی حضور کے حکم پر عمل کرتے ہوئے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے کہ محبت کی خبر دینا واجب نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے وجوبی ہو۴؎ سبحان اللہ اس خبر دینے کا یہ نتیجہ ہوا یقین ہے کہ اس کے دل میں بھی اس سے محبت پیدا ہوگئی ہوگی غالبًا اس پہلے شخص نے اس دوسرے شخص کا تقویٰ عبادات اسلام پر پختگی وغیرہ دیکھ کر اس سے محبت کی تھی لہذا یہ محبت فی اللہ تھی۵؎ یہ پوچھا کہ تم نے ان صاحب سے کہا اور انہوں نے تم کو کیا جواب دیا یہ پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی فرشتوں سے اپنے بندوں کے اعمال کے متعلق پوچھتا ہے حالانکہ علیم ہے خبیر ہے حضور انور کو سب کچھ خبر ہے مگر اس پوچھنے میں لاکھوں حکمتیں ہیں۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے صاحب بڑے پایہ کے بزرگ تھے جن کی ہمراہی ان اول صاحب کے لیے باعث برکت و رحمت تھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور بشارت یہ فرمایا۷؎ ہمراہ سے مراد دین و دنیا حتی کہ جنت میں ہمراہی ہے۸؎ یعنی تم نے اس شخص سے محض اللہ واسطے محبت کی ہے اس محبت میں کوئی دنیاوی لالچ نہیں اس لیے تمہاری یہ محبت بھی عبادت ہے احتساب بنا ہے حسبٌ سے جیسے اعتداد عدد سے حسب کے لفظی معنی ہیں حساب لگانا یا گمان کرنا احتساب کے معنی ہیں اجر طلب کرنا اللہ کی رضا چاہنا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَّلَایَاکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۴۷۹۲) روایت ہے حضرت ابوسعید سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ ساتھ رہو مگر مومن کے۱؎ اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)۳؎

(۴۷۹۲) ۱؎ یعنی اگرچہ محب کے اعمال محبوب جیسے نہ ہوں مگر محبت کی بنا پر اللہ تعالٰی اسے محبوب سے جدا نہ کرے گا پھول کے ساتھ گھاس بندھ جائے تو گلدستہ میں اس کی بھی عزت ہوجاتی ہے اگر کسی گنہگار کو حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نصیب ہوجائے تو انشاء اللہ حضور ہی کے ساتھ ہوگا۲؎ یعنی کفار و منافقین کی ہمراہی اختیار نہ کرو مخلص مومنوں کی خصوصاً ان کی جو تم کو اپنی صحبت میں کامل مکمل کردے تم کو اللہ رسول کے رنگ میں رنگ دے ان کی ہمراہی ان کے ساتھ رہنا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اختیار کرو۳؎ یہ فرمان بہت جامع ہے یعنی روزی حلال کماؤ تاکہ نیک لوگوں کے لائق بنو اور کوشش کرو کہ تمہاری روزی کفار و فساق منافقین نہ کھائیں اللہ کے مقبول بندے کھائیں جو کھا کر نماز پڑھیں عبادات کریں اور ان کے ثواب میں تمہارا بھی حصہ ہو تم کو دعائیں دیں تو تمہارا بھلا ہوجائے اس کھانا دانہ کی وجہ سے انہیں تم سے محبت، الفت ہوجائے یہ الفت خدا رسی کا ذریعہ بنے کھانے میں کپڑا اور دوسرے خرچ بھی داخل ہیں اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (۷۶:۸) اور کھانا کھلاتے ہیں ان کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو (کنزالایمان) اب تو مسلمانوں کی کمائی میراثی، بھانڈ، قوال کھاتے ہیں یا پھر حاکم، حکیم، وکیلوں کے ہاتھ لگتی ہے اللہ تعالٰی نیک توفیق دے اس حدیث کو ہمارے لیے مشعل راہ بنائے۔ ہماری کمائی میں علماء صالحین طلباء کا حصہ ہو حج و زیارت میں خرچ ہو ایسی جگہ خرچ ہو، جہاں خرچ سے اللہ رسول خوش ہوجائیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ

(۴۷۹۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے۱؎ تو ہر ایک سوچ لے کہ کس سے محبت کرتا ہے۲؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد،

وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَّقَالَ النَّوَوِيُّ اِسْنَادُهُ صَحِيحٌ)

بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا حدیث حسن غریب ہے نووی نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۳

(۴۷۹۳) ۱؎ دین سے مراد یا تو ملت و مذہب ہے یا سیرت و اخلاق دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی عموماً انسان اپنے دوست کی سیرت واخلاق اختیار کرلیتا ہے کبھی اس کا مذہب بھی اختیار کرلیتا ہے لہذا اچھوں سے دوستی رکھو تا کہ تم بھی اچھے بن جاؤ صوفیاء فرماتے ہیں **لا تصاحب الا مطیعا و لا تخالل الا تقیا** ۔ نہ ساتھ رہو مگر اللہ رسول کی فرمانبرداری کرنے والے کے نہ دوستی کرو مگر متقی سے۲؎ یعنی کسی سے دوستانہ کرنے سے پہلے اسے جانچ لو کہ اللہ رسول کا مطیع ہے یا نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ (۹:۱۱۹) اور سچوں کے ساتھ ہو۔ (کنزالایمان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت میں اخذ یعنی لے لینے کی خاصیت ہے حریص کی صحبت سے حرص، زاہد کی صحبت سے زہد و تقویٰ ملے گا۔ خیال رہے کہ خلت دلی دوستی کو کہتے ہیں جس سے محبت دل میں داخل ہو جائے یہ ذکر دوستی و محبت کا ہے کسی فاسق و فاجر کو اپنے پاس بٹھا کر متقی بنا دینا تبلیغ ہے حضور انور نے گنہگاروں کو اپنے پاس بلا کر متقیوں کا سردار بنا دیا۳؎ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں جیسے حافظ سراج الدین قزوینی حافظ ابن حجر نے قزوینی کا بہت رد کیا اور حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا۔ (مرقات واشعہ)

وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نُعَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اٰخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۷۹۴) روایت ہے حضرت یزید ابن نعامہ سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے۲؎ تو اس سے اس کا نام اس کے باپ کا نام پوچھ لے اور یہ کہ وہ کس قبیلہ سے ہے کہ تحقیقات دوستی کو مضبوطی دینے والی ہے۳؎ (ترمذی)

(۴۷۹۴) ۱؎ یہ جنگ حنین میں مشرکوں کے ساتھ تھے بعد میں اسلام لائے ان کی صحابیت میں اختلاف ہے جامع اصول میں انہیں صحابی کہا ابو حاتم نے کہا کہ بصری ہیں اور تابعی ہیں (اشعہ) ممکن ہے انہوں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت کفر سنی ہو اور مسلمان ہوجانے کے بعد روایت کی ہو کہ ایسی روایت معتبر ہے (مرقات) اور اگر تابعی ہوں تو تابعی کی مرسل حدیث صحیح ہے جبکہ وہ ثقہ ہوں۲؎ یعنی اسے دینی بھائی بنائے اس سے میل جول پیدا کرنا چاہیے۳؎ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو عالی خاندان سمجھ کر اس سے محبت کی بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو نفرت ہوگئی۔ اس لیے پہلے سے ہی سارے انتظامات کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُونَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ قَائِلٌ الصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَقَالَ قَائِلٌ الْجِهَادُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى اَبُو دَاوٗدَ الْفَصْلَ الْاَخِيرَ)

(۴۷۹۵) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۱؎ فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کون سا عمل اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے۲؎ کسی کہنے والے نے کہا کہ نماز اور زکوۃ اور کسی کہنے والے نے کہا جہاد۳؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کو بہت پیارا عمل اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت ہے۴؎ (احمد اور ابوداؤد نے آخری حصہ روایت کیا)۵

(۴۷۹۵) ۱؎ اس طرح کہ ہم لوگ مسجد مبارک میں تھے حضور انور حجرہ مقدسہ میں' اچانک حجرہ اقدس سے مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے (مرقات) غالبًا تشریف آوری نماز کے لیے نہ تھی بلکہ ان حضرات کو شرف ملاقات بخشنے کے لیے اس لیے علینا فرمایا۲؎ احب فرمایا افضل نہ فرمایا اس لیے کہ محبوبیت کے لیے افضلیت لازم نہیں دیکھو حضرت علی مرتضٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین ہیں مگر حضرات شیخین حضرت علی سے افضل ہیں (مرقات) اس بنا پر حدیث شریف بالکل واضح ہے۳؎ ان حضرات نے افضلیت اور احبیت میں فرق نہ فرمایا چونکہ نماز یا زکوۃ یا جہاد افضل اعمال ہیں اس لیے ان لوگوں نے یہ جواب دیا یہاں واؤ بمعنی او ہے خیال رہے کہ عمومًا نماز تمام اعمال سے افضل ہے۔ بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے۴؎ حقیقت یہ ہے کہ نماز،زکوۃ،جہاد بھی الحب فی اللہ کی شاخیں ہیں کہ مسلمان ان اعمال سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے اور تمام گناہوں سے نفرت البغض فی اللہ کی شاخیں ہیں کہ مومن تمام گناہوں سے اللہ تعالٰی کے لیے نفرت کرتا ہے یوں ہی نمازیوں عابدوں سے محبت اللہ کے لیے ہے کفار اور فساق سے نفرت اللہ کے لیے۔ نیز کل قیامت میں جس عمل پر حضرات انبیاء وشہداء غبطہ کریں گے وہ یہ ہی اللہ کے لیے محبت اللہ کے لیے عداوت ہے لہٰذا اس عمل کا محبوب ترین ہونا بالکل درست دوسری عبادات اگرچہ افضل ہوں مگر یہ عمل ان عبادات کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ رب تعالٰی کو بڑا پیارا ہے۵؎ یعنی انہوں نے حضور انور کا تشریف لانا یہ سوال فرمانا حضرات صحابہ کا مذکور جواب دینا اس کا ذکر نہ کیا احب الاعمال سے روایت فرمائی۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ ۔

(۴۷۹۶) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ کسی بندے سے اللہ کے لیے نہیں محبت کرتا مگر وہ اپنے رب عزوجل کا احترام کرتا ہے۱؎ (احمد)

(۴۷۹۶) ۱؎ سبحان اللہ بہت ایمان افروز فرمان ہے اللہ تعالٰی مقبولوں سے محبت ان کی تعظیم رضاءِ الٰہی کے لیے ہو تو وہ رب تعالٰی کی تعظیم و احترام ہے براہ راست اللہ تعالٰی سے محبت بہت مشکل ہے اس کریم سے محبت کرنا ہو تو اس کے مقبولوں سے محبت کرو جیسے براہ راست اللہ تعالٰی کو سجدہ ناممکن ہے اللہ کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ معظمہ کی طرف کرو یہ حضرات محبت الٰہی کا کعبہ ہیں اعلٰی حضرت قدس سرہ نے فرمایا

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا — مرتے دم تک اس کی مدحت کیجیے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا — اس پیارے سے محبت کیجیے

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۷۹۷) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کیا میں تمہیں بہترین مسلمان کی خبر نہ دوں۱؎ صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا تم میں بہترین وہ ہیں کہ جو جب دیکھے جائیں تو خدا یاد آجائے۲؎ (ابن ماجہ)

(۴۷۹۷) ۱؎ سبحان اللہ یہ حضور کی سخا کے جلوے ہیں کبھی فقیر داتا سے سوال کرتے ہیں اور کبھی داتا خود فقیر سے اس کی حاجت پوچھ پوچھ کر حاجت روائی فرماتے ہیں اس فرمان عالی کی ضرورت تو لوگوں کو ہے مگر وہ ہماری ضرورتوں سے بھی خبردار ہیں۔ خیار جمع ہے خیر کی بمعنی افضل و بہترین اور رب تعالٰی کو زیادہ پیارے۲؎ اس فرمان عالی کی شرح باب حفظ اللسان کی تیسری فصل آخر میں کردی گئی بعض لوگوں کے چہروں پر انوار ربانی تجلیات رحمانی ظاہر ہوتی ہیں ان کے اعمال و افعال سنت کے مطابق ہوتے ہیں [illegible] نہیں بلکہ [illegible] مومنوں کے ایمان تازہ ہو

جاتے ہیں فقیر کے دادا پیر حضور اشرفی میاں جیلانی قدس سرہ بالکل ہم شکل حضور غوث الثقلین تھے جہاں بیٹھ جاتے تھے مسلم وغیر مسلم زائرین کا ہجوم لگ جاتا تھا بہت لوگ انہیں دیکھ کر ہی مسلمان ہو گئے یہ ہے اس حدیث کی جیتی جاگتی تفسیر بعض بزرگوں کے پاس بیٹھ کر قلب جاری ہو جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ عَبْدَیْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ کُنْتَ تُحِبُّهٗ فِیَّ ۔

(۴۷۹۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر دو شخص اللہ عزوجل کی راہ میں محبت کریں اور ان میں سے ایک مشرق میں ہو دوسرا مغرب میں تو اللہ تعالٰی انہیں قیامت کے دن جمع فرمادے گا فرمائے گا[۱] یہ وہ ہے جس سے تو میری راہ میں محبت کرتا تھا[۲]

(۴۷۹۸) [۱] ہم مہجورین مشرق میں ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں اللہ تعالٰی حضور کا عشق دے تو انشاءاللہ جنت بلکہ قیامت میں بھی حضور کا قرب نصیب ہوگا آخرت کا قرب وبعد دنیا کے قلبی قرب وبعد کا نتیجہ ہوگا دعا ہے کہ مولٰی، شعر:۔

زمانہ کی خوبی زمانہ کو دے   مجھے تیرے پیارے کا در چاہیے

بعض بدنصیب مدینہ میں رہ کر حضور سے دور ہیں بعض خوش نصیب مدینہ سے دور رہ کر بھی در حضور میں ہیں [۲] یہ ان محب ومحبوبین کو قیامت اور جنت میں جمع فرمادینا اتفاقًا نہ ہوگا بلکہ یہ بتا کر جتا کر ہوگا کہ یہ قرب تیری اس محبت کا نتیجہ ہے معلوم ہوا کہ سارے اعمال سے زیادہ پیارا عمل محبوبوں سے محبت ہے کہ یہ ان کے قرب کا ذریعہ ہے خیال رہے کہ حضور سے محبت کی علامت یہ ہے کہ ان کے احکام ان کے اعمال ان کی سنتوں سے ان کے قرآن ان کے فرمان ان کے مدینہ کی خاک سے محبت ہو بے نماز بے روزہ، بھنگی، چرسی دعوٰی عشق رسول کریں جھوٹے ہیں محبت کی علامت اطاعت ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی مِلَاكِ هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ تُصِیْبُ بِهٖ خَیْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ عَلَیْكَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّکْرِ وَاِذَا خَلَوْتَ فَحَرِّكْ لِسَانَكَ مَا اسْتَطَعْتَ بِذِکْرِ اللّٰهِ وَاَحِبَّ فِی اللّٰهِ وَاَبْغِضْ فِی اللّٰهِ یَا اَبَارَزِیْنٍ هَلْ شَعَرْتَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ زَائِرًا اَخَاهُ شَیَّعَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ کُلُّهُمْ یُصَلُّوْنَ عَلَیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّهٗ وَصَلَ فِیْكَ فَصِلْهُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُعْمِلَ جَسَدَكَ فِیْ ذٰلِكَ فَافْعَلْ ۔(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

(۴۷۹۹) روایت ہے حضرت ابو رزین سے[۱] ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس چیز کی اصل پر رہبری نہ کروں[۲] جس سے تم دنیا وآخرت کی بھلائی پالو تم ذکر والوں کی مجلس اختیار کرو[۳] اور جب تم تنہائی میں ہو تو جہاں تک کرسکو اپنی زبان اللہ کے ذکر میں ہلاتے رہو[۴] اور اللہ کی راہ میں محبت کرو اور اللہ کی راہ میں عداوت کرو[۵] اے ابو رزین کیا تمہیں خبر ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے اپنی بھائی کی ملاقات کے لیے نکلتا ہے تو اسے ستر ہزار فرشتے پہنچاتے ہیں[۶] وہ تمام اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی اس نے تیری راہ میں جوڑا ہے تو اسے جوڑ دے[۷] تو اگر کرسکو کہ اپنے جسم کو اس میں مشغول کرو تو ضرور کرو[۸]

(۴۷۹۹) [۱] آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے عقیلی ہیں طائف کے رہنے والے تھے مشہور صحابی ہیں آپ سے حضرت عبداللہ ابن

عمرو غیرہم حضرات نے روایات لیں (مرقات اکمال) ۲؎ ملاک میم کے کسرہ سے وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو جیسے دل کہ اس پر جسم قائم ہے اس کا ترجمہ اصل بہت مناسب ہے ہذا الامر سے مراد دین ہے یا دین و دنیا کی تمام خوبیاں دوسرے معنی یہاں زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ الذی تصیب بہ الخ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی اے صحابہ کیا ہم تم کو دین دنیا کی تمام خوبیوں کی اصل سب کی جڑ نہ بتا دیں ۳؎ اس سے مراد علماء دین اولیاء کاملین صالحین واصلین کی مجلسیں ہیں کیونکہ یہ مجلسیں جنت کے باغات ہیں جیسا کہ دوسری حدیث شریف میں ہے یہ مجلسیں خواہ مدرسے ہوں یا درس قرآن و حدیث کی مجلسیں یا حضرات صوفیاء کرام کی ذکر کی محفلیں یہ فرمان بہت جامع ہے جس مجلس میں اللہ کا خوف حضور کا عشق اور اطاعت رسول کا شوق پیدا ہو وہ مجلس اکسیر ہے ۴؎ سبحان اللہ انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں خلوت' جلوت اس فرمان عالی میں دونوں کی اصلاح فرمادی گئی جلوت ہو تو اللہ والوں کی صحبت میں خلوت ہو تو اللہ تعالٰی کے ذکر میں بعض مشائخ نے اس فرمان عالی سے دلیل پکڑی کہ ذکر خفی افضل ہے ذکر جلی سے بعض نے فرمایا کہ ذکر لسانی افضل ہے ذکر جنانی یا پاس انفاس سے کیوں کہ یہاں زبان ہلانے کا حکم دیا مگر انسان بھی مختلف ہیں حالات بھی مختلف بعض حالات میں ذکر جلی افضل بعض وقت ذکر خفی افضل کون کہہ سکتا ہے کہ اذان اور حج کا تلبیہ، نماز جہر کی قرأت آہستہ کہی جائیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ نماز تہجد اور نماز خفی میں قرأت جہر سے کی جائے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذکر وہ بہتر ہے کہ ذاکر ذکر میں فنا ہو اور مذکور سے باقی ہو وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (۱۸'۲۴) اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے (کنز الایمان) سب کچھ بھول کر اپنے سے بھی غافل ہو کر رب کو یاد کرو ذکر جہری و خفی کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ یہاں مرقات کا مطالعہ کرو ۵؎ جو تمہیں اللہ کے ذکر پر مدد دے اس سے اللہ کے لیے محبت کرو اگر چہ وہ اجنبی ہو اور جو تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کردے اس سے اللہ کے لیے نفرت کرو اگر چہ تمہارا عزیز ہو ۶؎ یعنی اسے اس شخص کے گھر تک پہنچاتے ہیں یہ پہنچانا عزت افزائی کے لیے ہوتا ہے اور یہ پہنچانا دعاء خیر کے ساتھ ہوتا ہے کہ اسے دعائیں دیتے جاتے اور ساتھ چلتے جاتے ہیں سبحان اللہ ممکن ہے کہ اس میں صالحین کی قبور کی زیارت بھی داخل ہو کہ وہ بھی محض اللہ کے لیے کی جاتی ہے ۷؎ یعنی اس شخص نے تیری راہ میں اس سے رشتہ محبت جوڑا ہے تو اس کا اپنے سے رشتہ بندگی رشتہ اطاعت جوڑ لے کہ اسے اپنا خاص بندہ بنالے ۸؎ یعنی یہ عمل تھوڑا ہے مگر اس کے فائدے بہت لہٰذا اسے ہمیشہ کیا کرو بعض حضرات جب کسی مقبول بندے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو باوضو اور ذکر الٰہی کرتے جاتے ہیں یہاں مرقات نے بروایت ابویعلی حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ایسا خفی ذکر جلی ذکر سے ستر درجہ افضل ہے۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَعُمُداً مِّنْ يَّاقُوْتٍ عَلَيْهَا غُرَفٌ مِّنْ زَبَرْ جَدٍلَّهَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ يُّضِيْءُ كَمَا يُضِيْءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّیُّ فَقَالُوْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ يَّسْكُنُهَا قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِی اللّٰهِ وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِی اللّٰهِ. (رَوَى الْبَيْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِيْمَانِ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِی شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۸۰۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے کچھ ستون ہیں جن پر زبر جد کے بالا خانہ ہیں ۱؎ ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ایسے چمکتے ہیں جیسے روشن تارہ چمکتا ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کون رہے گا فرمایا اللہ کی راہ میں محبت کرنے والے ۲؎ اللہ کی راہ میں مل بیٹھنے والے اللہ کی راہ میں ملاقاتیں کرنے والے ۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

(۴۸۰۰) ۱؎ سبحان اللہ ستون یاقوت کے اور بالا خانے زبرجد کے بہت ہی شاندار ہوئے غرف جمع ہے غرفہ کی بمعنی بالا خانہ کھڑکی کو غرفہ کہنا مجازاً ہے کہ اکثر وہ بھی بالا خانہ میں ہوتی ہے۔ ۲؎ یہ جگہ تو صرف محبت فی سبیل اللہ کی جزا ہے اس محبت فی سبیل اللہ سے جو اچھے نتیجے نکلتے ہیں ان کے ثواب علیحدہ ہیں۔ ۳؎ یعنی ان تینوں کاموں میں سے ایک کام کرنے والے یا تینوں کام کرنے والے۔

بَابُ مَايُنْهٰی عَنْهُ مِنَ التَّهَاجُرِوَ التَّقَاطُعِ وَاتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ

اس کا بیان کہ مسلمانوں کو چھوڑے رکھنا ان کا بائیکاٹ کرنا چھپے عیوب کی تلاش ممنوع ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

تہاجر بنا ہے ہجر سے بمعنی چھوڑ دینا تقاطع بنا ہے قطع سے بمعنی کاٹ دینا اگر تہاجر کاٹ دینے کے معنی میں ہے تو والتقاطع کا عطف تفسیری ہے اور اگر الگ معنی میں ہے تو تہاجر خاص ہے اور تقاطع عام یعنی مسلمان بھائی سے تعلق چھوڑ دینا اور رشتہ داروں سے رشتے کاٹ دینا۔ اتباع کے معنی ہیں پیچھے پڑ جانا یہاں مراد ہے تلاش میں لگے رہنا عورت وہ چیز جس کا اظہار ناپسند ہو۔ یہاں مراد ہے لوگوں کے چھپے عیوب یعنی مسلمانوں کے چھپے عیوب کی تلاش کرنا تاکہ انہیں ظاہر کرکے بدنام کیا جائے یہ حرام ہے چونکہ اس عیب جوئی سے بھی لوگوں میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس لیے ان دونوں کو ایک باب میں بیان کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّهْجُرَا اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هٰذَا وَیُعْرِضُ هٰذَا وَخَیْرُ هُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ . (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۴۸۰۱) روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کو یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین شب سے زیادہ چھوڑے رہے کہ جب دونوں ملیں تو یہ اس سے وہ اس سے منہ پھیر لے ۱؎ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے ۲؎ (مسلم، بخاری)

(۴۸۰۱) ۱؎ یہاں چھوڑنے سے مراد دنیاوی رنجشوں کی وجہ سے ترک تعلق کرنا ہے چونکہ تین دن کے عرصہ میں نفس کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لیے تین دن کی قید لگائی گئی بد مذہب بے دین سے دائمی بائیکاٹ کرنا یا تعلیم و تربیت کے لیے ترک تعلق کرنا زیادہ کا بھی جائز ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن مالک بلال ابن امیہ، مرارہ ابن لوی رضی اللہ عنہم اجمعین کا پچاس دن رکھا یہ بائیکاٹ ہجران نہ تھا بلکہ تعلیم تھی لہذا یہ حدیث حضرت کعب کی حدیث کے خلاف نہیں ۲؎ یعنی اگر دنیاوی معاملات میں دو مسلمان لڑ پڑیں پھر ملیں تو بہتر وہ ہوگا جو اس کی ابتدا کرے یہاں کشیدگی دور کردینے کی ہدایت ہے کسی خطرناک آدمی سے محتاط رہنا اس کے خلاف نہیں تہاجر اور چیز ہے احتیاط دوسری چیز ابتداء بالسلام کرنے والے کو اس لیے خیر فرمایا کہ وہ تواضع کرتا ہے اللہ کے لیے وہ ہی ہجران دور کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا

(۴۸۰۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ ۱؎ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے ۲؎ اور نہ تو عیب جوئی کرو نہ کسی کی باتیں خفیہ سنو ۳؎ اور

وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَّفِي رِوَايَةٍ وَّلَا تَنَافَسُوْا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہ نجش کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد و بغض کرو۴ نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۵ اور ایک روایت میں ہے اور نہ نفسانیت کرو۶ (مسلم، بخاری)

(۴۸۰۲) ۱یہاں ظن سے مراد مجتہدین علماء کا قیاس نہیں بلکہ بلا دلیل بلا ثبوت مسلمان بھائی کے متعلق بدگمانی کر لینا ہے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا دشمن سمجھ لینا اس کے ہر قول ہر کام کو اپنی دشمنی قرار دے دینا یہ برا ہے کہ یہ لڑائی فساد کی جڑ ہے بعض عورتوں کا بلا وجہ شبہ ہوتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر جادو کرایا ہے اگر گھر میں کسی کو اتفاقاً بخار آ گیا یا جانور نے دودھ کم دیا تو اپنے پڑوسیوں پر جادو تعویذ گنڈے کی بدگمانی کر کے دل میں گرہ رکھ لی یہ ممنوع ہے۲ کیونکہ ایسی بدگمانیاں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان بڑا جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ بھی بڑے ہی ہوتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۴۹، ۱۲) بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔ (کنزالایمان) وہ آیت کریمہ اس حدیث پاک کی تاکید کرتی ہے ۳تحسس ح سے کسی کی باتیں خفیہ طور پر سننا کہ اسے خبر نہ ہو تجسس جیم سے کسی کے خفیہ عیب کی تلاش میں رہنا حس اور جس میں اور بھی چند طرح فرق کیا گیا ہے غرضیکہ کسی کی ہر بات پر کان لگائے رہنا کسی کے ہر کام کی تلاش میں رہنا کہ کوئی برائی ملے تو میں اسے بدنام کر دوں دونوں حرام ہیں حدیث شریف میں ہے کہ مبارک ہو کہ جسے اپنے عیبوں کی تلاش دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھے (مرقات) یعنی وہ اپنے عیب ڈھونڈنے میں ان سے توبہ کرنے میں ایسا مشغول ہو کہ اسے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کا وقت ہی نہ ملے

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا!!!

۴تناجش بنا ہے نجش سے، نجش کے، چند معنی ہیں دوسروں پر اپنی بڑائی چاہنا۔ دھوکا دینا نیلام میں قیمت بڑھا دینا خریدنے کی نیت نہ ہو یہ سب حرام ہے حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت کا زوال اپنے لیے اس کا حصول چاہنا کہ اس کے پاس نہ رہے میرے پاس آ جائے۔ یہ حرام ہے شیطان کو حسد نے ہی مارا بغض، دل میں کینہ رکھنا۵ یعنی بدگمانی، حسد، بغض وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن سے محبت ٹوٹتی ہے اور اسلامی بھائی چارہ محبت چاہتا ہے لہٰذا یہ عیوب چھوڑو تاکہ بھائی بھائی بن جاؤ۶ تنافس کے بہت معنی ہیں رغبت کرنا۔ لالچ کرنا، نفسانیت سے فساد پھیلانا یہاں بمعنی نفسانیت و فساد ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُنْظُرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۰۳) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۱ تو ہر اس بندے کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ جانے سواء اس شخص کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو۲ تو کہا جاتا ہے کہ انہیں مہلت دو حتی کہ آپس میں صلح کر لیں۳ (مسلم)۴

(۴۸۰۳) ۱چونکہ جنت کے طبقے بہت ہیں، ہر طبقہ کا علیحدہ دروازہ ہے اس لیے ابواب جمع فرمایا گیا یا خود جنت ہی کے بہت دروازے ہیں جیسا کہ دوسری روایت میں ہے جنت کے بعض دروازے وہ ہیں جو سال بھر تک ہر دوشنبہ و جمعہ کو کھلتے ہیں بعض دروازے وہ ہیں جو ماہ

رمضان میں کھلتے ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر رمضان میں دروازے کھلتے ہیں یہ دروازے کھلنا عام رحمت ومغفرت کے لیے ہے۔ ۲؎ لایشرک باللہ سے مراد ہے مومن ہونا ورنہ جو مشرک نہ ہو مگر ہو کافر وہ بھی نہ بخشا جائے گا عداوت سے مراد دنیاوی دشمنی ہے۔ ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں کی مغفرت صلح پر موقوف ہے جبکہ ان میں سے کسی نے صلح کی کوشش نہ کی لیکن اگر ایک نے تو صلح کی کوشش کی مگر دوسرا راضی نہ ہوا ہو تو اس کو نہ بخشا جائے گا اس میں تمام وہ قیود یاد رکھو جو ابھی پہلے عرض کی جا چکی ہیں۔ ۴؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی کتاب ادب المفرد میں اور ابوداؤد و ترمذی نے بھی ان ہی سے روایت فرمائی (مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۰۴) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ میں دوبار پیش کیے جاتے۱؎ پیر کے دن اور جمعرات کے دن تو ہر بندہ مومن کی بخشش کردی جاتی ہے سواء اس بندے کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو کہا جاتا ہے کہ انہیں چھوڑ و حتی کہ رجوع کرلیں۲؎ (مسلم)

(۴۸۰۴) ۱؎ ناس سے مراد مسلمان ہیں اور جمعہ سے مراد ہفتہ ہے مرتین فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ایک دن میں دوبار پیشی نہیں ہوتی بلکہ ہر دن میں ایک بار یہ پیشی بارگاہ الٰہی میں ہوتی ہے یا اس فرشتے کے سامنے جو لوگوں کے اعمال کا محافظ بنایا گیا ہے (پہلا احتمال) زیادہ قوی ہے کیونکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ بارگاہ الٰہی میں پیشی ہوتی ہے (مرقات) ۲؎ یفیئا بنا ہے فیئ سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا رب تعالٰی فرماتا ہے۔ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (۹،۴۹) یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ (کنزالایمان) یہ ضرب کا مضارع تثنیہ ہے۔ خیال رہے کہ لوگوں کے اعمال جمعہ کے دن حضرات انبیاء کرام بلکہ ماں باپ پر بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ حضرات ہماری نیکیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں گناہ دیکھ کر رنجیدہ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اپنے مرے ہوئے ماں باپ کو نہ ستاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ دو اس کا یہ مطلب ہے (مرقات)

وَعَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعِيْطٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَّيَنْمِيْ خَيْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَتْ وَلَمْ اَسْمَعْهُ تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْءٍ مِّمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ كَذِبٌ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ اَلْحَرْبُ وَالْاِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيْثُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَحَدِيْثُ الْمَرْاَةِ زَوْجَهَا وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اَنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ اَيِسَ فِيْ بَابِ الْوَسْوَسَةِ.

(۴۸۰۵) روایت ہے حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرادے۲؎ بات بھلی کہے اور بھلی بات پہنچائے۳؎ (مسلم، بخاری) مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتی ہیں میں نے انہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سنا کہ آپ لوگ جو جھوٹ بولتے ہیں ان میں سے کسی چیز کی اجازت دیتے ہوں سوا تین جھوٹ کے۴؎ جنگ۵؎ لوگوں کے درمیان صلح اور مرد کی اپنی بیوی سے بات اور بیوی کی اپنی خاوند سے بات۶؎ حضرت جابر کی حدیث کہ شیطان مایوس ہو چکا۔ باب الوسوسہ میں ذکر کردی گئی ۷؎

(۴۸۰۵) ۱؎ ام کلثوم صحابیہ ہیں انہوں نے ہجرت سے پہلے کسی سے نکاح نہیں کیا بعد ہجرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے اور ان کی وفات

کے بعد حضرت عمر سے نکاح نہیں کیا ان کا باپ عقبہ ابن ابی معیط مشہور کافر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت تر دشمن تھا (اشعہ) ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہیں جو حضرت عثمان کی زوجہ ہیں اور ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں اور یہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں ۲؎ یعنی جن مسلمانوں میں آپس میں لڑائی ہو ان میں جھوٹ بول کر صلح کرادے کہ ہر ایک تک دوسرے کی دل خوش کن بات گھڑ کر سنادے کہ وہ تمہاری بڑی تعریف کرتا تھا تم سے مل جانے کا خواہش مند ہے وغیرہ وغیرہ ۳؎ پہلی بات سے مراد دل خوش کن اور دل پسند بات ہے بھلی فرما کر اشارۃً بتایا کہ جھوٹ ہے مگر برا نہیں بلکہ اچھا ہے اس پر ثواب ہے خیال رہے کہ بعض سچ کفر ہوجاتے ہیں اور بعض جھوٹ ایمان وعرفان کا رکن بن جاتے ہیں بے گناہ کا اپنے آپ کو گنہگار کہنا ہے تو جھوٹ مگر رب کو مقبول ہے پسند ہے شیطان نے سچ ہی کہا تھا کہ خلقتنی من نار وخلقته من طین مگر اس سچ پر ہی مردود ہوا بہر حال یہ حدیث بہت ہی جامع ہے جھوٹ سے مراد ہے خلاف واقعہ ۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقع پر خلاف واقعہ بات کہہ دینے کی اجازت دی کہ ان کا انجام بہت اچھا ہے ۵؎ یعنی جہاد میں اگر مسلمان کمزور ہوں کفار قوی پھر مسلمان کہیں کہ ہم بڑے طاقتور ہیں تم کو فنا کردیں گے ہمارے پاس سامان جنگ بہت ہے جس سے کفار کا حوصلہ پست ہو بالکل جائز ہے کہ یہ اگرچہ ہے تو جھوٹ مگر ہے جنگی تدبیر ۶؎ اس طرح کہ زوجین میں سے کوئی دوسرے سے اپنی بہت محبت ظاہر کرے حالانکہ اسے اتنی محبت نہ ہو یا اپنی بیوی سے زیور کا وعدہ کرے مگر بنوا نہ سکے یہ سب اگرچہ ہے جھوٹ مگر ہے جائز کہ اس میں معاشرہ کی اصلاح ہے ۷؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے اس جگہ بیان کردی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ كَذِبُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۰۶) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مقامات کے سواء کہیں جھوٹ جائز نہیں خاوند کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا تاکہ اسے راضی کرے اور جھوٹ بولنا جنگ میں ۱؎ اور جھوٹ بولنا تاکہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے (احمد، ترمذی)

(۴۸۰۶) ۱؎ یعنی کفار سے جنگ کرتے ہوئے مسلمان سے تو جنگ کرنا ہی حرام ہے چہ جائیکہ اس سے جھوٹ بولنا دوسری حدیث میں ہے الحرب خدعۃ، جنگ تدبیر اور چال کا نام ہے ۲؎ اس طرح کہ مسلمانوں میں مالی، جائیدادی وغیرہ جھگڑے دور کردے اگرچہ جھوٹ کے ذریعہ سے کرے یہ جھوٹ درحقیقت جھوٹ نہیں بلکہ اصلاح ہے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں صلح کرانا ایسا ضروری ہے کہ اس کے لیے جھوٹ کی اجازت دی گئی۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكُوْنُ بِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلٰثَةٍ فَاِذَا لَقِيَهٗ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَآءَ بِاِثْمِهٖ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۸۰۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے تو جب اس سے ملے تو اسے تین بار سلام کرلے ۲؎ ہر بار میں وہ دوسرا اسے جواب نہ دے تو وہ اس کا گناہ لے کر لوٹا ۳؎ (ابوداؤد)

(۴۸۰۷) ۱؎ یعنی بہتر یہ ہے کہ تین دن کے لیے بھی نہ چھوڑے لیکن تین دن کے بعد چھوڑے رکھنا تو گناہ ہے اس کی وہ تمام قیدیں خیال میں رہیں جو پہلے بیان ہوئی ۲؎ اگر پہلی بار میں جواب نہ دے تو دوبارہ کرے اگر دوبار میں بھی جواب نہ دے تو تیسری بار کرے اگر تیسری بار میں بھی جواب نہ دے تو چوتھی بار نہ کرے کہ تین بار اس سلام کی حد ہے یہ سلام مصالحت ہے نہ کہ سلام ملاقات کیونکہ ملاقات کا سلام ایک بار ہوتا ہے سلام بہت قسم کا ہے اور اس کے الگ الگ احکام ۳؎ باثمہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں یا تو یہ سلام کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے یا اسے رد نہ کرنے والے کی طرف یعنی اگر تین سلاموں کا جواب نہ دیا تو تین دن تک غصہ رہنے کا گناہ جو دونوں کو ہونا تھا اب دوسرے کا گناہ بھی اس پر پڑے گا یا اس چھوڑے رہنے کا گناہ اب صرف اس پر ہوگا وہ سلام کرنے والا گناہ سے بری ہوگیا یا جواب نہ دینے کا گناہ اس پر ہوگا کیونکہ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔خیال رہے کہ ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں بلکہ مسلمان کے سلام تحیت کا جواب دینا فرض ہے۔تحیت کے علاوہ دوسرے سلاموں کا جواب دینا فرض نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (۸۶/۴) اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔(کنزالایمان) اس آیت میں سلامٌ علیکم نہ فرمایا بلکہ حییتم ارشاد ہوا اسی حکمت کی بنا پر۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۸۰۸) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلم کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے تو جو تین دن سے زیادہ چھوڑے ۱؎ پھر مر جائے تو آگ میں داخل ہوگا ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

(۴۸۰۸) ۱؎ زیادہ سے مراد یا تو ایک ساعت کی زیادتی ہے یا چوتھے دن کی زیادتی یعنی اگر چار دن چھوڑے رہا یا تین سے ایک ساعت زیادہ چھوڑا (مرقات) ۲؎ یعنی ہجران کی سزا کا مستحق ہوگا۔مسلمان بھائی سے عداوت دنیاوی آگ،حسد،بغض،کینہ یہ سب مختلف قسم کی آگ ہیں اور آخرت میں اس کی سزا وہ بھی آگ ہی ہے رب چاہے تو بخش دے چاہے تو سزا دے دے۔

وَعَنْ اَبِیْ خِرَاشٍ نِ السُّلَمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۸۰۹) روایت ہے حضرت ابوخراش سلمی سے ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے بھائی کو ایک سال چھوڑے رہے وہ اس کے خون بہانے کی طرح ہے (ابوداؤد) ۲؎

(۴۸۰۹) ۱؎ ان کا نام حدرد ابن حدرد سلمی ہے قبیلہ سلیم سے ہیں آپ صحابی ہیں آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے کنیت ابو خراش ہے آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔صحابیت میں بڑی فضیلت ہے حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں ۲؎ یعنی جیسے مسلمان کا ناحق قتل بڑا گناہ ہے ایسے ہی اسے ناحق سال بھر تک چھوڑے رہنا بڑا گناہ خون بہانے میں جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اتنی دراز مدت تک چھوڑے رہنے سے اس کے دل کو ایذاء پہنچتی ہے سال کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سال دراز مدت ہے جس میں اکثر مسافر اپنے گھر لوٹ آتے ہیں اس میں ہر موسم ہوتا ہے سردی گرمی بہار خزاں جن میں مختلف لوگوں کے مزاج پر اثر ہوتا ہے ایسا سخت دل ہے کہ کسی موسم میں اس کا دل نرم اور غصہ ٹھنڈا نہ ہوا جو دل سال بھر تک صاف نہ ہوا آئندہ اس کے صاف ہونے کی امید نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۸۱۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلٰثٌ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْاَجْرِ وَاِنْ لَّمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهِجْرَةِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے۱؎ تو اگر اس پر تین دن گزر جائیں تو یہ اس سے ملے اسے سلام کرے پھر اگر وہ اسے سلام کا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے۲؎ اور اگر جواب نہ دے تو وہ گناہ کے ساتھ لوٹا سلام کرنے والا چھوڑنے سے نکل گیا۳؎ (ابوداؤد)

(۴۸۱۰) ۱؎ اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی جا چکی۲؎ اصل ثواب میں برابر ہو گئے اگر چہ سلام کی ابتداء کرنے والا اور دوسرے سے ملنے کے لیے جانے والا بڑے ثواب کا مستحق ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں صلح کی ابتداء کرنے والے کا درجہ بڑا فرمایا گیا ۳؎ یعنی تین دن تک جو جدائی رہی س کے گنہگار دونوں تھے اب اس عمل سے یہ صلح میں پیش قدمی کرنے والا تو گناہ سے نکل گیا مگر دوسرا منہ موڑنے والا گناہ میں گرفتار رہا بلکہ یہ دوسرا گناہ اس پر ہوا صلح سے منہ پھیرنا۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

(۴۸۱۱) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں روزے صدقہ اور نماز سے بڑھ کر درجہ والی چیز نہ بتاؤں۱؎ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا آپس کے معاملہ کی درستی۲؎ اور آپس کے معاملہ کا بگاڑ وہ ہی مونڈ دینے والی ہے۳؎ (ابوداؤد اور ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴۸۱۱) ۱؎ یعنی وہ چیز درجہ میں یا ثواب میں ان مذکورہ عبادات سے بڑھ کر ہو۔خیال رہے یہاں عطف اعلیٰ کا ادنیٰ پر ہے اس لیے نماز کا ذکر بعد میں فرمایا ورنہ نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے یا واؤ جمع کے لیے ہے یعنی وہ کام ان تینوں کے مجموعہ سے افضل ہے یہاں نفلی روزے نفلی صدقہ نفلی نماز مراد ہے نہ کہ فرضی (مرقات ۲۹) ذات کے معنی والی دو کا مؤنث بین بمعنی درمیان (یعنی آپس) ذات بین کے معنی ہوئے آپس والی چیز معاملات یا محبت والے تعلقات بعض شارحین نے فرمایا کہ ذات بین سے مراد ہے آپس کی دشمنی وعداوت اور ترک تعلقات اصلاح سے مراد ہے ان کو دور کردینا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (۱۸) اور اپنے آپس میں میل (صلح صفائی) رکھو۔ (کنزالایمان) وہ آیت اس حدیث کی تائید کرتی ہے۳؎ یعنی مسلمانوں کے آپس کے تعلقات خراب کردینا ان میں دشمنی ڈال دینا بھلائیوں ثوابوں کو فنا کردینے والی چیز ہے اس کی نحوست سے انسان روزہ۔نماز کی لذت بلکہ خود روزے نماز وغیرہ دیگر عبادات سے محروم ہوجاتا ہے سبحان اللہ کیسی پیاری تشبیہ ہے۔جیسے استرہ سر کے بالوں کو جڑ سے ختم کردیتا ہے ایسے ہی یہ حرکت نیکیوں کو جڑ سے اڑا دیتی ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر:۔

تاتوانی پامنہ اندر فراق	ابغض الاشیاء عندی الطلاق

یہ حدیث مختلف الفاظ اسنادوں سے مروی ہے چنانچہ طبرانی اور بزار نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں صلح کراؤ اس صلح کرانے میں جو کچھ تم بولو گے اس کے ہر حرف کے عوض غلام آزاد کرنے کا ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے گا۔تمہارے سارے گناہ بخش دے گا (مرقات)

وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَآءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۱۲) روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں پچھلی امتوں کی بیماری سرایت کر گئی ۱ حسد اور بغض ۲ یہ مونڈ دینے والی ہے میں نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے لیکن یہ تو دین کو مونڈ دیتی ہے ۳ (احمد، ترمذی)

(۴۸۱۲) ۱ دب بنا ہے دبٌّ سے بمعنی آہستہ چلنا اس سے ہے دبیب اس سے ہے دابۃ بمعنی جانور سرایت کر جانے کو دب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ محسوس نہیں ہوتی اور دل میں اتر جاتی ہے یہاں بمعنی سرایت ہے ۲ حسد سے مراد ہے دلی خفیہ دشمنی بغض سے مراد ہے علانیہ دشمنی یا حسد کسی سے جلنا اس کی نعمت کا زوال چاہنا بغض دشمنی دل میں رکھنا ۳ اس طرح کہ دین وایمان کو جڑ سے ختم کر دیتی ہے کبھی انسان بغض وحسد میں اسلام ہی چھوڑ دیتا ہے شیطان بھی انہیں دو بیماریوں کا مارا ہوا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۸۱۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حسد سے بچو کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو ۱ (ابوداؤد)

(۴۸۱۳) ۱ یعنی حسد وبغض ذریعہ بن جاتا ہے نیکیوں کی بربادی کا یعنی حاسد ایسے کام کر بیٹھتا ہے۔جس سے نیکیاں ضبط ہو جائیں حاسد وبغض والے کی نیکیاں محسود کو دے دی جائیں گی یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔خیال رہے کہ کفر وارتداد کے سواء کوئی گناہ مومن کی نیکیاں برباد نہیں کرتا نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱:۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (کنزالایمان) (اشعہ) اس حدیث کی بناء پر معتزلہ نے کہا کہ بعض گناہوں سے نیکیاں بھی مٹ جاتی ہیں مگر غلط کہا کیونکہ اس حدیث کا وہ مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا اس حدیث کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔(دیکھو مرقات)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّهَا الْحَالِقَةُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۱۴) روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس کے فساد سے بچو ۱ کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے ۲ (ترمذی)

(۴۸۱۴) ۱ ذات بین کے معنی آپس والی چیز سوء کے معنی برائی یعنی آپس والی چیز کی برائی سے بچو نہ تو تم خود آپس میں رنجش رکھو نہ دو شخصوں میں رنجش ڈالو غیبت وغیرہ کر کے کہ یہ بدترین جرم ہے بلکہ بہت سے جرموں کی جڑ ہے ۲ اس کی شرح ابھی ہو چکی کہ یا تو اس مجرم کی نیکیاں برباد ہو جانے کا سبب ہے یا جس مظلوم کے ساتھ یہ برتاوا کیا گیا اس کے گناہ معاف ہو جانے کا سبب اس کے نامہ اعمال کو گناہوں سے ایسا صاف کر دیتی ہے جیسے استرہ سر کو۔

وَعَنْ اَبِيْ صِرْمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۸۱۵) روایت ہے حضرت ابو صرمہ سے ۱ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نقصان پہنچائے گا اسے اللہ نقصان دے گا ۲ اور جو کسی سے مخالفت کرے گا اللہ اس سے مخالفت کرے گا ۳ (ابن ماجہ، ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

(۴۸۱۵) ۱؎ آپ کا نام مالک ابن قیس مازنی ہے بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے آپ کی کنیت ابوصرمہ ہے آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ملت ابراہیمی پر عبادت الٰہی کرتے تھے بہت بڑی عمر میں اسلام لائے آپ سے حضرت ابن عباس نے روایات لیں (مرقات و اشعہ) ۲؎ یعنی جو کسی مسلمان کو ابتداءً نقصان پہنچائے جانی یا مالی ابتداء کی قید اس لیے لگائی کہ نقصان کے عوض نقصان پہنچانا سزا کے طور پر جائز ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا (۱۰،۲۷) تو برائی کا بدلہ اسی جیسا (کنزالایمان) ۳؎ یعنی جو کسی مسلمان سے دشمنی کرے گا رب تعالٰی اسے مردود کردے گا۔ دشمنی سے مراد کہ بلا وجہ شرعی مسلمان سے عداوت رکھنا شاق بنا ہے شق سے بمعنی کروٹ یا چہرہ کی مخالفت کو مشاقة اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ہر شخص دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہے اس سے آنکھیں نہیں ملاتا۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَّنْ ضَارَّ مُؤْمِناً اَوْ مَكَرَبِهٖ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۴۸۱۶) روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنتی ہے وہ جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اسے فریب دے ۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۲؎

(۴۸۱۶) ۱؎ یہاں ضرر سے مراد ہے ظاہر ظہور نقصان پہنچانا اور مکر سے مراد ہے خفیہ سازش کرکے نقصان دینا جیسا کہ آج کل عام رواج ہے ۲؎ اس حدیث کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ابو مسلمہ کندی ہے جو فرقد سنجی سے راوی ہے ابو سلمہ کی فرقد سے ملاقات ثابت نہیں ابو سلمہ کو یحیی ابن معین نے متقی اور ثقہ کہا دوسروں نے اسے ضعیف کہا۔ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۱۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر بلند آواز سے ندا کی فرمایا اے ان لوگوں کے ٹولو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو اور ان کے دل تک ایمان نہ پہنچا ۱؎ مسلمانوں کو نہ تو ایذا دو نہ انہیں عار دلاؤ نہ ان کے خفیہ عیوب ڈھونڈو ۲؎ کیونکہ جو اپنے مسلمان بھائی کے خفیہ عیوب کی تلاش کرے گا تو اللہ اس کے عیب ظاہر کردے گا اگرچہ اس کے گھر میں ہوں ۳؎ اور اسے رسوا کردے گا اگرچہ وہ اپنی منزل میں کرے (ترمذی)

(۴۸۱۷) ۱؎ یعنی اے منافقو یہاں منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے ممکن ہے کہ منافق عملی یا دونوں مراد ہوں مرقات نے فرمایا کہ اس میں یہاں فاسق بھی داخل ہے کیونکہ آگے جس عمل کا ذکر ہے وہ فساق ہی کرتے تھے ۲؎ یہ تینوں حرکتیں منافقین کرتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو وہ کام کرنا حتی کہ راستہ میں کانٹا پتھر ڈال دینا کہ مسلمانوں کو لگے ان سے سخت کلامی کرنا، مسلمانوں کے وہ گناہ بیان کرنا جن سے وہ توبہ کرچکے ہوں بلکہ ان کی توبہ کا قرآن کریم میں اعلان ہو چکا ہو۔ مسلمانوں کے خفیہ عیوب کی تلاش میں رہنا بلکہ ان بے عیب صحابہ کرام کو عیب لگانا جن کی بے عیبی پر قرآن مجید گواہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کو ستانا منافقوں کا کام ہے اس سے موجودہ روافض عبرت حاصل کریں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاوے عملی منافقت ہے بہتر ہے کہ اپنے عیوب کی تحقیق کرکے ان سے توبہ کرے ۳؎ یہ قانون قدرت ہے کہ جو کسی کو بلا وجہ بدنام کرے گا قدرت اسے بدنام کردے گی مگر یہ حکم اس کے لیے ہے جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا عادی ہو۔ کسی خفیہ سازشیں کرنے والے اور خفیہ معاشی کے اڈے چلانے والے خفیہ زنا، شراب خوری، جوا کھاڑے بنانے والوں کی تحقیق کرکے ان کو

گرفتار کرانا بہت بڑا ثواب ہے کہ یہ عیب جوئی نہیں بلکہ لوگوں کو برائی سے روکنا ہے کسی شاعر نے عیب جوئی کے متعلق خوب کہا۔شعر:۔

لاتلتمس من مساوی الناس استروا — فیھتك اللّٰه سترا عن مساویکا

واذکر محاسن ما فیھم اذا ذکروا — ولا تعب احدا منھم بما فیکا

27

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰوا الِاسْتِطَالَةَ فِيْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۱۸) روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے[1] وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ بدترین سود مسلمان کی آبرو میں ناحق دست درازی ہے[2] (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

(۴۸۱۸) [1] آپ عدوی ہیں عشرہ مبشرہ سے ہیں بڑے پرانے مسلمان ہیں حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کی زوجہ ہیں حضرت عمر آپ ہی سے قرآن مجید سن کر اسلام لائے آپ کا انتقال مقام عقیق میں ہوا اور مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے۔۵۱ھ اکیاون میں وفات ہوئی ستر سال سے کچھ زیادہ عمر پائی آپ سواء غزوہ بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ بدر میں آپ حضرت طلحہ کے ساتھ قریشی قافلہ کی تلاش میں بھیجے گئے تھے آپ کو حضور نے بدر کی غنیمت سے حصہ دیا(اکمال مرقات) [2] یعنی سودخواری بدترین گناہ ہے جیسے ماں کے ساتھ کعبہ معظمہ میں زنا کرنا (حدیث) سودخور کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا الٹی میٹم دیا گیا ہے یہ تو مالی سود کا حال ہے،مسلمان کی آبرو چونکہ مال سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہے اس لئے مسلمان کی آبروریزی اسے ذلیل کرنا بدترین سود قرار دیا گیا۔دیکھو مسلمان عفیفہ عورت کو تہمت لگانے پر اسی کوڑے اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ ہونے کی سزا مقرر ہے کیوں اس لیے کہ اس نے مسلمان پاک دامن بے قصور کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ناحق کی قید اس لیے ہے کہ حق آبروریزی جائز بلکہ کبھی ضروری ہوتی ہے۔جیسے غیبت اکثر حرام ہے مگر کبھی مباح بلکہ کبھی واجب ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَرَجَ بِيْ رَبِّيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَّهُمْ اَظْفَارٌ مِّنْ نُّحَاسٍ يَّخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰٓؤُلَآءِ يَاجِبْرَائِيْلُ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ يَاكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(۴۸۱۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے میرے رب نے معراج دی[1] تو میں اس قوم پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے کہ وہ اپنے چہرے اور سینے کھرچ رہے تھے[2] تو میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبروؤں میں مشغول ہوتے ہیں[3] (ابوداؤد)

(۴۸۱۹) [1] ظاہر یہ ہے کہ یہاں معراج سے مراد جسمانی بیداری کی معراج مراد ہے جو نبوت کے گیارہویں سال،ستائیسویں رجب سوموار کی رات ہوئی۔منامی یعنی خواب کی معراجیں حضور کو قریبًا تیس ہوئی ہیں نماز کی فرضیت اس جسمانی معراج میں ہوئی [2] اس طرح کہ ان پر خارش کا عذاب مسلط کردیا گیا تھا اور ناخن تانبے کے دہار دار اور نوکیلے تھے ان سے سینہ چہرہ کھجلاتے تھے اور زخمی ہوتے تھے خدا کی پناہ یہ عذاب سخت عذاب ہے یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا جو حضور انور نے آنکھوں سے دیکھا [3] یعنی یہ لوگ مسلمانوں کی غیبت کرتے تھے ان کی آبروریزی کرتے تھے یہ کام عورتیں زیادہ کرتی ہیں انہیں اس سے عبرت لینی چاہیے۔

وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۸۲۰) روایت ہے حضرت مستورد سے[1] وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ مَنْ اَكَلَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ اُكْلَةً فَاِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ كُسِىَ ثَوْبًا بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَكْسُوْهُ مِثْلَهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَّرِيَاءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ لَهُ قَامَ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَّرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

سے راوی فرمایا جو کسی مسلمان آدمی کی وجہ سے مشغول ہو کر کچھ لقمے کھائے[۲] تو اللہ اسے اس کی مثل دوزخ میں کھلائے گا[۳] اور جو کسی مسلمان آدمی کی وجہ سے کپڑا پہنایا جائے تو اللہ اسے اس کی مثل دوزخ سے پہنائے گا[۴] اور جو کسی شخص کی وجہ سے سنانے اور دکھانے کی جگہ میں کھڑا ہو تو اللہ اسے قیامت کے دن سنانے اور دکھانے کی جگہ کھڑا کرے گا[۵] (ابوداؤد)

(۴۸۲۰) [۱] آپ کا نام مستورد ابن شداد ہے کوفی ہیں آخر میں مصر میں رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کمسن تھے صحابی ہیں آپ سے بہت صحابہ نے احادیث نقل کیں[۲] اس طرح کہ دو لڑے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک کے پاس جائے اور اسے خوش کرنے کے لیے دوسرے کی غیبت کرے۔ اسے برا کہے اسے نقصان پہنچانے کی تدبیریں بتائے تاکہ اس ذریعہ یہ شخص اسے کچھ دے دے یا کھلا دے ایسے خوشامدی لوگ آج کل بہت ہیں[۳] یہ دوزخ کی آگ کے انگارے ان لقموں کی عوض میں جس قدر یہاں لقمے کھائے اتنے ہی وہاں انگارے کھائے گا[۴] اس کا مطلب گزشتہ مضمون سے واضح ہے کہ جو کسی کو خوش کرنے کے لیے مسلمان بھائی کی غیبت کرے یا اسے ستائے اس غیبت وغیرہ کی عوض کپڑوں کا جوڑا پائے تو اسے قیامت میں اس جوڑے کی عوض آگ کا جوڑا پہنایا جائے گا[۵] اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں ایک یہ کہ جو شخص کسی مشہور شریف آدمی کی پگڑی اچھالے اس کا مقابلہ کرے تاکہ اس مقابلہ سے میری شہرت ہو دوسرے یہ کہ جو کسی شخص کو دنیا میں جھوٹے طریقہ سے اچھالے تاکہ اس کے ذریعہ مجھے عزت وروزی ملے جیسے آج کل بعض جھوٹے پیروں کے مرید اس کی جھوٹی کرامتیں بیان کرتے پھرتے ہیں تاکہ ہم کو بھی اس کے ذریعہ عزت ملے کہ ہم اس کے بالکے ہیں (اشعہ) تیسرے یہ کہ جو شخص دنیا میں نام ونمود چاہے نیکیاں کرے مگر ناموری کے لیے یا جو شخص کسی کے ذریعہ سے اپنے کو مشہور ونامور کرے۔ قیامت میں ایسے شخصوں کو عام رسوا کیا جائے گا کہ فرشتہ اسے اونچی جگہ کھڑا کر کے اعلان کرے گا کہ لوگو یہ بڑا جھوٹا مکار فریبی تھا (مرقات ولمعات وغیرہ)

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۸۲۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھا گمان[۱] اچھی عبادت سے ہے[۲] (احمد، ابوداؤد)

(۴۸۲۱) [۱] لوگوں کے متعلق نیک گمان کرنا بدگمانی نہ کرنا یا اللہ تعالٰی کے متعلق اچھا گمان کرنا اس کی معافی کی امید رکھنا یہ دونوں احتمال درست ہیں[۲] اس فرمان عالی کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان اس سے امید وابستہ کرنا بھی عبادت میں سے ایک اچھی عبادت ہے دوسرے یہ کہ اللہ سے امید اچھی عبادت سے حاصل ہوتی ہے جو عبادت کرے گا اسے یہ امید نصیب ہوگی۔ تیسرے یہ کہ عبادت کے ذریعہ اللہ سے اچھی امید رکھو۔ عبادت سے غافل رہ کر امیدیں باندھنا حماقت ہے جیسے کوئی جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرے چوتھے یہ کہ اللہ کے بندوں یعنی مسلمانوں سے اچھا گمان کرنا ان پر بدگمانی نہ کرنا یہ بھی اچھی عبادات میں سے ایک عبادت ہے اس فرمان کے اور بھی معنی ہوسکتے ہیں مثلًا یہ کہ مسلمانوں پر اچھا گمان اچھی عبادات سے حاصل ہوتا ہے جو عابد ہوگا وہ نیک گمان ہوگا جو خود برا ہوگا دوسروں کو بھی برا ہی سمجھے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اعْتَلَّ بَعِيْرٌ لِصَفِيَّةَ وَعِنْدَ

(۴۸۲۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت

زَیْنَبَ فَضْلُ ظَهْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْنَبَ اَعْطِيْهَا بَعِيْرًا فَقَالَتْ اَنَا اُعْطِيْ تِلْكَ الْيَهُوْدِيَّةَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَ هَا ذَا الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرٍ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ مَّنْ حَمٰى مُؤْمِنًا فِيْ بَابِ الشَّفَقَةِ وَلرَّحْمَةِ .

صفیہ ۱ کا اونٹ بیمار ہوگیا اور حضرت زینب ۲ کے پاس بچی ہوئی سواری تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے کہا کہ یہ اونٹ انہیں دے دو ۳ وہ بولیں میں اس یہودیہ کو دوں ۴ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے تو انہیں بقرعید، محرم اور صفر کا کچھ حصہ چھوڑے رکھا ۵ (ابوداؤد) اور حضرت معاذ ابن انس کی حدیث میں من حمی مومنا الخ شفقت و رحمت کے باب میں ذکر کردی گئی ۶

(۴۸۲۲) ۱ آپ کا نام صفیہ بنت حیی ابن اخطب ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ پہلے کنانہ بنت ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں ان کا خاوند محرم ۷ ہجری میں غزوہ خیبر میں مارا گیا آپ قید ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کرکے خود اپنے نکاح سے شرف بخشا لہذا آپ ام المومنین ہیں ۵۰ ھ پچاس میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں ۲ آپ زینب بنت جحش ہیں آپ کی والدہ امیہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور انور کی پھوپھی آپ پہلے حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں ان کے طلاق دے دینے کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں حضور انور سے نکاح ۵ ہجری میں ہوا ۳ غالبًا یہ واقعہ کسی سفر کا ہے جبکہ حضرت صفیہ کو اونٹ کی ضرورت تھی سواری کے لیے اور حضرت زینب کے پاس ایک اونٹ زائد تھا ۴ عمومًا سوکنوں کو آپس میں غیظ و غضب ہوتا ہے اس بنا پر یہ عرض کیا یہود یہ سے مراد قوم یہود ہے نہ کہ مذہب یہود کیونکہ صفیہ اب تو مسلمان ہو چکی تھیں اور جناب زینب سرداران قریش کی بیٹی تھیں یعنی میں یہودی قوم والی بی بی کو نہ دوں گی ۵ یعنی قریبًا ڈھائی مہینہ ان سے کلام سلام سب بند فرمادیا مگر یہ ترک کلام عداوت کے لیے نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے لیے ہے۔ جن احادیث میں تین دن سے زیادہ ترک کلام کی ممانعت ہے وہاں دشمنی کا ترک کلام مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو بجائے مارنے پیٹنے کے ترک کلام سے تعلیم و تربیت دے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (۴:۳۴) تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ (کنزالایمان) ۶ یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی مذکور تھی۔ ہم نے مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے۔ وہاں نقل کی یہ حدیث بہت دراز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَّسْرِقُ فَقَالَ لَهٗ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ سَرَقْتَ قَالَ كَلَّا وَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيْسٰى اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِيْ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۲۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا تو اس سے فرمایا تو نے چوری کی ۱ وہ بولا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے اپنے کو جھٹلایا ۲ (مسلم)

(۴۸۲۳) ۱ یہ فرمان یا تو خبر کے لیے ہے یا پوچھنے کے لیے یعنی کیا تو نے چوری کی ۲ یعنی اس قسم کی وجہ سے تجھے سچا سمجھتا ہوں کہ مومن بندہ اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اس کے دل میں اللہ کے نام کی تعظیم ہوتی ہے اپنے متعلق غلط فہمی کا خیال کر لیتا ہوں کہ میری آنکھوں

نے دیکھنے میں غلطی کی یہ ہے شانِ نبوت کہ وہ حتی الامکان دوسرے پر اعتماد فرماتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَالْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَّكَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَّغْلِبَ الْقَدْرَ .(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۲۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری قریب ہے کہ کفر ہو جائے[1] اور حسد قریب ہے کہ تقدیر پر غالب آ جائے[2]

(۴۸۲۴) [1] فقیر آدمی کبھی اللہ تعالٰی پر اعتراض کر دیتا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ فقیر کر دیا۔کبھی لوگوں سے اللہ کی شکایت کرتا ہے کبھی مال حاصل کرنے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسلام چھوڑ کر دوسرے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے اپنے دین کو فروخت کر ڈالتا ہے۔کبھی رضا بالقضاء سے منہ موڑ لیتا ہے یہ سب کفر یا سبب کفر ہیں۔امیری کے فتنوں سے غریبی کے فتنے زیادہ ہیں۔خیال رہے کہ فقر مع صبر اللہ کی رحمت ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا الفقر فخری اور فقر مع کفر (ناشکری) اللہ کا عذاب ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔فقیر صابر کو غنی شاکر سے افضل مانا گیا ہے[2] یعنی قریب ہے کہ حسد تقدیر کو بدل دے کیونکہ حاسد خود محسود کی تقدیر بدلنا چاہتا ہے اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا حاسد کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔چونکہ کبھی حسد بھی کفر تک پہنچا دیتا ہے۔اس لیے حسد کو فقیر کے ساتھ بیان فرمایا شیطان حسد کا کافر ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اعْتَذَرَ اِلٰى اَخِيْهِ فَلَمْ يَعْذِرْهُ اَوْلَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيْئَةِ صَاحِبِ مَكْسٍ . (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ الْمَكَّاسُ الْعَشَّارُ)

(۴۸۲۵) روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو اپنے بھائی سے معذرت کرے[1] وہ اس کی معذرت نہ مانے[2] یا اس کا عذر قبول نہ کرے تو اس پر ٹیکس والے کا سا گناہ ہوگا[3] ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور فرمایا مکاس ٹیکس لینے والا ہے[4]

(۴۸۲۵) [1] یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناراض کرے پھر عذر خواہی کے لیے اس کے پاس آئے اس سے معافی چاہے یا قصور کا بدلہ کرنا چاہے[2] یعنی بغیر عذر اسے معافی نہ دے اس سے دل صاف نہ کرے[3] جیسے ٹیکس لگانے والے ٹیکس وصول کرنے والے اکثر ظالم ہوتے ہیں انہیں سخت سزا ملے گی ایسے ہی اس شخص کو سخت سزا ملے گی[4] ٹیکس مقرر کرنے والا کسی تاجر وغیرہ کا عذر نہیں قبول کرتا بہر حال اپنی مرضی کے مطابق لگا دیتا ہے یہ شخص بھی عذر قبول نہیں کرتا اس لیے یہ تشبیہ بالکل درست ہے۔عشار وہ حکام ہیں جو زمین اور کسانوں کی پیداوار پر عشر (دسواں حصہ) لگائے یا وصول کرنے پر مقرر ہوں۔

بَابُ الْحَذَرِ وَالتَّاَنِّيْ فِي الْاُمُوْرِ
احتیاط کرنے اور کاموں میں اطمینان کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

حذر ح اور ذال کے فتح سے بمعنی پرہیز کرنا احتیاط برتنا اور حذر ذال کے کسرہ سے بمعنی محتاط آدمی احتیاط کرنے والا شخص۔حذر کے معنی ہیں نقصان دہ شخصوں سے پرہیز کرنا تانی کے معنی ہیں اطمینان سے کام کرنا اس کا مقابل ہے تعجیل یعنی جلد بازی خیال رہے کہ ہر کام میں تاخیر

واحتیاط سے کام کرے مگر اخروی کاموں میں جلدی کرنا بہتر کہ موت کی خبر نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۲۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں کاٹا جاتا۱(مسلم، بخاری)

(۴۸۲۶) ۱اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ ایک کافر شاعر جس کا نام ابوعزہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت میں سخت توہین آمیز اشعار کہا کرتا تھا۔ جنگ بدر میں گرفتار ہوگیا اس نے حضور انور سے گزشتہ کی معافی مانگی آئندہ اس حرکت سے باز رہنے کا عہد کیا حضور انور نے اسے چھوڑ دیا وہ چھوڑ کر پھر اس حرکت میں مشغول ہوگیا۔ پھر جنگ احد میں گرفتار ہوا پھر اس نے معذرت کی اور صحابہ کرام نے اس کی رہائی کی سفارش کی تب حضور انور نے یہ فرمایا کہ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا جاتا اور اسے رہائی نہ بخشی۔ یعنی جس سوراخ سے ایک بار بچھو نے کاٹ لیا ہو اس سوراخ میں دوبارہ انگلی مت ڈالو جس شخص سے ایک بار دھوکا کھالیا ہو دوبارہ اس کے دھوکے میں نہ آؤ اس شاعر کو قتل کردیا گیا (مرقات واشعہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِالْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۲۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے سردار سے فرمایا۱کہ تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے بردباری اور وقار۲(مسلم)

(۴۸۲۷) ۱عبدالقیس ایک قبیلہ کا نام اشج بمعنی رئیس وسردار اس سردار کا نام منذر ابن عائذ تھا یہ لوگ اپنی قوم کے نمائندہ بن کر اسلام لانے آئے تھے دوسرے لوگ تو آئے ہی بھاگے ہوئے۔ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اس سردار نے اولاً غسل کیا پھر عمدہ لباس تبدیل کیا پھر نہایت وقار وسکون سے مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا دو نفل پڑھے پھر دعا مانگی پھر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور انور کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی تب یہ فرمایا (اشعہ) ۲جب حضور انور نے اسے بشارت دی تو وہ بولا کہ یارسول اللہ میری صفتیں کسبی ہیں یا رب تعالٰی کی عطا کی ہوئی فرمایا کہ رب تعالٰی کی عطا تب اس نے سجدہ شکر کیا بولا کہ اگر میری کسبی ہوتیں تو قابل زوال ہوتیں رب کی عطا زائل نہیں ہوتی خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ خصلتیں بخشیں ہیں جس سے وہ اور اس کے رسول راضی ہیں (مرقات واشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ نِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ عَبْدِالْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ نِ الرَّاوِيْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ)

(۴۸۲۸) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے۱کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۲(ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض محدثین نے عبدالمہیمن ابن عباس کے متعلق اس کے حافظہ کے بارے میں کچھ کلام کیا۳

(۴۸۲۸) ۱حضرت سہل بھی صحابی ہیں آپ کے والد سعد بھی صحابی ہیں مدینہ منورہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی فوت ہوئے۲

یعنی دنیاوی یا دینی کاموں کو اطمینان سے کرنا اللہ تعالٰی کے الہام سے ہے اور ان میں جلد بازی سے کام لینا، شیطانی وسوسہ ہے اس ترجمہ اور شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۱۳۳:۳) دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔ (کنزالایمان) اور نہ اس آیت کے خلاف ہے یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (۱۱۴:۳) کہ وہاں سرعت یعنی دینی کام میں دیر نہ لگانے جلد ادا کر لینے کی تعریف ہے اور یہاں خود کام میں جلد بازی کرنا کہ کام بگڑ جائے اس سے ممانعت ہے بعض لوگ دو منٹ میں چار رکعتیں پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ہے عجلت نفس عبادت میں جلدی بری ہے ۳؎ یعنی مہیمن ابن عباس ہیں تو متقی پرہیزگار مومن کامل مگر ان کا حافظہ کمزور تھا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا حَلِیْمَ اِلَّا ذُوْعُثْرَةٍ وَّلَا حَكِیْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَّالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(۴۸۲۹) روایت ہے ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے بردبار مگر لغزش والا ۱؎ اور نہیں ہے حکمت والا مگر تجربہ کار ۲؎ (احمد، ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۸۲۹) ۱؎ یعنی عموماً انسان لغزشیں کرکے ٹھوکریں کھا کر بردبار و حلیم بنتا ہے کہ لوگ اس کی لغزشوں پر اسے اس کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہیں اسے شرمندہ کرتے ہیں تب کہیں جا کر وہ حلیم بنتا ہے ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جو دوسروں کی لغزش سے سبق لے لیں ۲؎ یعنی عموماً لوگ تجربہ کرکے حکیم ہوتے ہیں لہٰذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ فَقَالَ خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِیْرِ فَاِنْ رَأَیْتَ فِیْ عَاقِبَتِهٖ خَیْرًا فَامْضِهٖ وَاِنْ خِفْتَ غَیًّا فَاَمْسِكْ ۔ (رَوَاهُ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۸۳۰) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے ۱؎ تو فرمایا کام تدبیر سے اختیار کرو ۲؎ پھر اگر اس کے انجام میں بھلائی دیکھو تو کر گزرو اور اگر گمراہی کا خوف کرو تو باز رہو ۳؎ (شرح سنہ)

(۴۸۳۰) ۱؎ جب کسی کام میں حیران ہو جاؤ تو کیا کرو جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ حضرات صحابہ ہر دینی و دنیاوی کام میں حضور انور سے مشورہ لیا کرتے تھے ۲؎ تدبیر بنا دبر سے بمعنی پیچھے یا انجام تدبیر کے معنی ہیں انجام سوچنا یعنی جو کام کرنا ہو پہلے اس کا انجام سوچو پھر کام شروع کرو ۳؎ یعنی اگر تم کو کسی کام کے انجام میں دینی یا دنیاوی خرابی نظر آئے تو کام شروع ہی نہ کرو اور اگر شروع کر چکے ہو تو باز رہ جاؤ اسے پورا نہ کرو۔

وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ الْاَعْمَشُ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّؤَدَةُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ خَیْرٌ اِلَّا فِیْ عَمَلِ الْاٰخِرَةِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۸۳۱) روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی اعمش ۲؎ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۳؎ فرمایا اطمینان سے کرنا ہر چیز میں اچھا ہے سواء آخرت کے کام کے ۴؎ (ابوداؤد)

(۴۸۳۱) ۱؎ یہ مصعب خود تابعی ہیں مگر ان کے والد حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی اور عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت مصعب نے اپنے والد سعد سے اور حضرت علی، ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی ہے بڑے مقدس بزرگ ہیں ۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات پائی ۲؎ اعمش بھی مشہور جلیل القدر تابعی ہیں آپ کا نام سلیمان ابن مہران ہے اسدی ہیں کاہلی ہیں ۶۰ ساٹھ ہجری میں مقام رَی میں

پیدا ہوئے کوفہ لائے گئے ۱۴۸ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہوئی ۳؎ یعنی غالب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے ممکن ہے کہ حدیث موقوف ہو کہ حضرت سعد ابن وقاص کا اپنا قول ہو ۴؎ یعنی دنیاوی کام میں دیر لگانا اچھا ہے کہ ممکن ہے وہ کام خراب ہو اور دیر لگانے میں اس کی خرابی معلوم ہو جائے اور ہم اس سے باز رہیں مگر آخرت کا کام تو لامحالہ اچھا ہی ہے اسے موقع ملتے ہی کرلو کہ دیر لگانے میں شاید موقع جاتا رہے۔ بہت دیکھا گیا کہ بعض حاجیوں کو موقع ملا نہ کیا پھر نہ کرسکے رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (۲،۱۴۸) تو یہ چاہو کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل جائیں۔ (کنزالایمان) بھلائیوں میں جلدی کرو شیطان کار خیر میں دیر لگوا کر آخر اس سے روک دیتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (۲،۲۶۸) شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا (کنزالایمان) کار خیر میں خرچ کرنے پر فقیری کا اندیشہ دلاتا ہے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے پر نام کی امید دلاتا ہے کہ تمہارا نام ہوگا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ سَرْجِسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ۔

(۴۸۳۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے اخلاق اور اطمینان اور میانہ روی ۱؎ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے ۲؎ (ترمذی)

(۴۸۳۲) ۱؎ سمت سین کے فتحہ میم کے سکون سے بمعنی دائمی عادت اقتصاد وہ کام جو افراط تفریط کے درمیان ہو جیسے جود یعنی سخاوت درمیان ہے فضول خرچی اور بخل کے یا شجاعت درمیانی حالت ہے ظلم اور بزدلی کے میانہ روی بعض اچھی ہے بعض بری یہاں اچھی میانہ روی مراد ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (۳۱،۱۹) اور میانہ چال چل (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۲۵،۶۷) جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ (کنزالایمان) بعض عارفین فرماتے ہیں کہ علم اچھا ہے جبکہ درمیانی ہو کہ عمل سے نہ روکے عمل اچھا ہے جبکہ درمیانی ہو کہ علم سے نہ روکے (مرقات) ۲؎ یعنی حضرات انبیاء کرام بہت سی صفات سے موصوف ہوتے ہیں ان سے درمیانہ روی بھی ہے جسے نصیب ہوئی اسے نبوت کی خصلت نصیب ہوئی چوبیسواں حصہ فرمانا یہ علوم نبوت سے ہے رب تعالٰی جانے اس سے کیا مراد ہے (مرقات) اس کے متعلق کچھ عرض کیا گیا ہے تعبیر خواب کے بیان ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِّنْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۸۳۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور اچھی عادت ۱؎ اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے ۲؎ (ابوداؤد)

(۴۸۳۳) ۱؎ یہاں ہدی سے مراد اندرونی حالات ہیں اور سمت سے مراد ظاہری حالات ہیں جیسے ایمان باطنی عقیدوں کا نام ہے اور اسلام ظاہری ارکان کا نام (مرقات) ۲؎ میانہ روی ہر چیز میں اچھی ہے کمانے میں خرچ کرنے میں کھانے پہننے میں حتی کہ نوافل عبادات میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں کہ نہ تو بہت کمی کرے نہ بہت زیادتی یہ عمل بھی حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسے پچیسواں حصہ فرمانا اسرار الٰہیہ میں سے ہے جو مطلب ہے وہ حق ہے۔ میانہ چال چلنے والا ہمیشہ کام کرسکتا ہے اور نیکی وہ ہی اچھی جو ہمیشہ کی جائے گی اگرچہ بہت زیادہ نہ ہو۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اَحَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۸۳۴) روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب آدمی کوئی بات کرے پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ بات امانت ہے ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد)

(۴۸۳۴) ۱؎ یعنی اگر کوئی شخص تم سے اکیلے میں کوئی بات کہے اور بات کے دوران یا بات کے درمیان میں اِدھر اُدھر دیکھے کہ کوئی سن نہ لے تو وہ اگر چہ منہ سے نہ کہے کہ یہ کسی سے نہ کہنا مگر اس کی یہ حرکت بتاتی ہے کہ وہ راز کی ہے لہذا اسے امانت سمجھو اس کا راز ظاہر نہ کرو کسی سے یہ بات نہ کہو سبحان اللہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا فَقَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْيٌ فَائْتِنَا فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَاسَيْنِ فَاَتَاهُ اَبُوالْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اخْتَرْلِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهٖ مَعْرُوْفًا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۳۵) روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم ابن تیہان سے فرمایا ۱؎ کہ کیا تمہارے پاس خدمت گار ہے انہوں نے کہا نہیں تو فرمایا کہ جب ہمارے پاس قیدی آئیں تو آنا ۲؎ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص لائے گئے تو ان کی خدمت میں ابوالہیثم آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک چن لو عرض کیا یا نبی اللہ ۳؎ آپ ہی چن دیں ۴؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے ۵؎ تم اسے لو کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۶؎ اور اس کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو ۷؎ (ترمذی)

(۴۸۳۵) ۱؎ یہ واقعہ مشکوۃ شریف باب ضیافت میں گزر چکا ہے۔ یہ ابوالہیثم وہ ہی خوش نصیب صحابی ہیں جن کے باغ میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھوک کی حالت میں مہمان ہوئے تھے اور انہوں نے حضور کی شان دار مہمانی کی وہاں ہی آپ کے حالات بیان ہو چکے ۲؎ وہاں ادھار نہیں ہوتا کوئی معمولی نذر عقیدت پیش کرے وہاں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے کھانا کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم تم کو غلام عطا کریں گے ۳؎ یعنی آپ کا چناؤ میرے چناؤ سے بہتر ہوگا کہ حضور مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہیں۔ حضور مصطفٰی مختار ہیں۔ حضور کے اختیار پر دارومدار ہے (مرقات) جو حضور کے چناؤ میں آ گیا وہ رب تعالٰی کے چناؤ میں آ گیا ۴؎ قیامت تک کے لیے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اگر تم سے کوئی شخص مشورہ کرے تو تم پر لازم ہے کہ خلاف مصلحت اسے مشورہ نہ دو اگر ایسا کیا تو تم خائن ہو گئے مشورہ لینے والا اگر چہ دشمن ہو مگر مشورہ اچھا دو ۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ نمازی مسلمان کو اپنے کام کاج کے لیے ملازم رکھو۔ بیوی، اولاد خدام دوست احباب رشتہ دار وہ ہی اچھے جو نمازی ہوں نمازی آدمی ان شاء اللہ متقی پرہیز گار خیر خواہ ہوتا ہے جو خدا سے نہ ڈرے وہ بندے سے اور اس کا حق مارنے سے کیا ڈرے گا ۶؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس خادم کو ہمیشہ اچھی باتوں کی نصیحت وصیت کرتے رہنا اس کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ہے دوسرے یہ کہ تم اس کے متعلق میری وصیت قبول کرو کہ اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آنا وہ حضرت یہ دوسرے معنی میں سمجھے اور انہوں نے گھر لے جا کر اسے آزاد کر دیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِیْ سَعِيْدٍ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَةِ فِیْ بَابِ الْمُبَاشَرَةِ فِی الْفَصْلِ الْاَوَّلِ)

(۴۸۳۶) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجلسیں امانت والی ہوتی ہیں ا سواء تین مجلسوں کے حرام خون بہانے کی یا حرام شرم گاہ کی یا ناحق مال مارنے کی مجلسیں ۲ (ابوداؤد) اور ابوسعید کی حدیث ان اعظم الامانۃ الخ مباشرۃ کے باب کی پہلی فصل میں ذکر کردی گئی ۳

(۴۸۳۶) ۱ یعنی جب کوئی خاص مجلس یا میٹنگ کی جائے وہاں جو کچھ طے ہو اسے مشتہر نہ کرو بلکہ صیغہ راز میں رکھو کہ وہاں جو کچھ پاس ہوا وہ امانت ہے ۲ یعنی اگر مجلس خصوصی میں کسی گناہ کا کسی پر ظلم کرنے کا مشورہ کیا گیا تو اسے نہ چھپائے بلکہ مظلوم کو فوراً خبر دے دے کہ تو بچے رہنا تیرے متعلق یہ مشورہ ہورہا ہے اگر چھپائے گا تو گنہگار ہوگا ۳ یعنی وہ حدیث مصابیح میں اس جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس جگہ روایت کردی وہاں مطالعہ کرو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهٗ قُمْ فَقَامَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اُقْعُدْ فَقَعَدَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ وَلَا اَفْضَلُ مِنْكَ وَلَا اَحْسَنُ مِنْكَ بِكَ اٰخُذُ وَبِكَ اُعْطِیْ وَبِكَ اُعْرَفُ وَبِكَ اُعَاتِبُ وَبِكَ الثَّوَابُ وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ)

(۴۸۳۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے عقل کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا کہ کھڑی ہو وہ کھڑی ہوئی ۱ پھر اس سے فرمایا پھر وہ پھری پھر فرمایا آگے آ آگئی پھر اس سے فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گئی ۲ پھر اس سے فرمایا کہ میں نے ایسی مخلوق کو نہیں پیدا کیا ۳ جو تجھ سے بہتر تجھ سے افضل تجھ سے اچھی ہو ۴ تیرے ذریعہ میں پکڑوں گا تیرے ذریعہ دوں گا ۵ تیرے ہی ذریعہ میں پہچانا جاؤں گا ۶ تیرے ذریعہ عتاب کروں گا تجھ سے ثواب ہے اور تجھ پر ہی عذاب ہے ۷ اس حدیث میں بعض علماء نے گفتگو کی ہے ۸

(۴۸۳۷) ۱ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت عقل مجسم تھی جس سے کھڑا ہونا بیٹھنا آگے پیچھے پھرنا ممکن تھا۔ جیسے بعد قیامت موت دنبہ کی شکل میں لٹا کر ذبح کردی جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ کھڑے ہونے بیٹھنے آنے جانے سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں۔ ہر طرح گھما کر نظر کرم فرمانا۔ عقل کی عزت افزائی کے لیے ہے کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے ۲ مقصد یہ ہے کہ رب العالمین نے عقل کو ہر طرح دیکھا اس کا اگلا حصہ پچھلا حصہ اسے اٹھا کر بٹھا کر وغیرہ ۳ یہاں مخلوق سے مراد صفات انسانی ہیں یعنی صفات انسانی میں سب سے بہتر واعلیٰ وافضل صفت تو ہی ہے کہ تیرے ذریعہ سے انسان مجھے جانتا مانتا ہے میرے نبیوں کی اطاعت کرتا ہے ایمان وعرفان حاصل کرتا ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل افضل ہو حضرات انبیاء کرام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاں عقل رسول دوسروں کی عقل سے افضل مگر خود رسول سے افضل نہیں کہ وہ حضرات افضل الخلق ہیں اور عقل بھی خلق ہے ۴ خیر سے مراد بذات خود اچھی جس کی ضرورت ہر شخص کو ہے افضل سے مراد یہ ہے کہ وہ فضائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے احسن سے مراد یہ ہے کہ اس عقل کے ذریعہ معاملات وغیرہ اچھے کیے جاتے ہیں ۵ اس طرح کہ اگر کوئی بے عقل بے عقلی میں گناہ

کرے تو اسے نہ پکڑوں گا جیسے دیوانہ یا ناسمجھ بچہ عاقل ہوکر گناہ کرے گا تو اسے پکڑوں گا یوں ہی جو کوئی عقل و ہوش سے نیکی کرے گا اسے ثواب دوں گا جو بے عقلی سے نیکی کرے گا اسے ثواب نہ دوں گا۔ دیکھو کفار کی نیکیوں کا ثواب کچھ نہیں کہ وہ بے عقلی سے کرتے ہیں اگر عقل سے کرتے تو مومن ہوکر نیکی کرتے کٹے ہوئے درخت کو پانی دینے والا بیوقوف ہے پہلے جڑ قائم کرو پھر پانی دو۔ ۶ بعض صوفیاء فرماتے ہیں جانوروں بلکہ نباتات و جمادات میں بھی عقل ہے کیونکہ یہ تمام مخلوق اللہ تعالٰی کو پہچانتی ہے اس کی تسبیح کرتی ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۱۷/۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (کنزالایمان) اور معرفت الٰہی تو عقل سے ہوتی ہے یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے منطقیوں کا کہنا ہے کہ عقل صرف انسان میں ہے غلط ہے عقل کا وہ درجہ جس سے ثواب و عذاب ہو وہ صرف بعض انسانوں میں ہے بے ہوش، دیوانے، ناسمجھ بچوں میں نہیں اگرچہ وہ مومن ہیں بلکہ بعض جانوروں کنکر پتھروں سے زیادہ نادان ہیں دیکھو جانوروں لکڑیوں چاند سورج تاروں نے حضور انور کو پہچانا مگر نہ پہچانا ابوجہل وغیرہ کفار نے اس لیے قرآن کریم نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷/۱۷۹) وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ (کنزالایمان) ۷ یعنی عقل کی بنا پر احکام شرعیہ کی تکلیف ہے اور تیری ہی بنا پر آخرت میں لوگوں کو آخرت کا ثواب و عذاب ہے اس عقل سے مراد عقل انسانی ہے معرفت الٰہی کے لیے عقل کا اور درجہ درکار ہے ثواب و عذاب کے لیے دوسرا درجہ ۸ چنانچہ تقی الدین یعنی ابن تیمیہ وغیرہ نے اسے ضعیف بلکہ موضوع بتایا یوں ہی ابوجعفر عقیلی ابو حاتم بیثی، ابوالحسن دارقطنی ابن جوزی نے اسے صحیح نہیں مانا (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۳۸) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص نماز روزے زکوۃ حج وغیرہ والوں میں سے ہوتا ہے حتی کہ حضور نے نیکی کے سارے اقسام بیان فرمائے اگر قیامت میں اپنی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا ۲

(۴۸۳۸) ۱ یعنی جہاد، تبلیغ، تعمیر مساجد وغیرہ تمام نیکیوں کا نام لیا کہ بعض لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر ثواب کم پاتے ہیں ۲ چنانچہ بے وقوفوں کو ان نیکیوں کا ثواب کم ملتا ہے عقل مندوں کو زیادہ جہاں مسجد کی ضرورت نہ ہو وہاں دس بیس مسجدیں بنوا دینے کا ثواب کم بلکہ بالکل ہی نہ ملے گا اور اگر وہاں پانی کی کمی ہو وہاں ایک کنواں کھدوا دینے کا ثواب ان مسجدوں سے زیادہ ہوگا۔

لطیفہ: پٹنہ کے ایک بزرگ ہر پانچ قدم پر دو رکعتیں پڑھتے ہوئے حج کو پیدل جارہے تھے دس سال میں وہ گجرات پہنچے ہم نے کہا کہ اگر وہ ہوائی جہاز سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے اور اتنے روز وہاں رہ کر نوافل پڑھتے تو فی رکعت ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآ اَبَا ذَرٍّ لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۳۹) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ۱ اور بچنے جیسا کوئی تقوی نہیں ۲ اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں ۳

(۴۸۳۹) ۱ عقل دو قسم کی ہے عقل مطبوع اور عقل مسموع تدبیر سے مراد عقل مسموع ہے کہ اس کے بغیر عقل مطبوع بیکار ہے ہاں عقل مسموع کبھی عقل مطبوع کے بغیر مفید ہوجاتی ہے۔ عقل مطبوع وہ ہے جو فطری طور پر یا تجربہ یا عقل کے ذریعہ حاصل ہو عقل مسموع وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حاصل ہو عقل مطبوع دنیاوی انجام کو معلوم کرتی ہے۔ عقل مسموع اخروی انجام کا پتا چلاتی ہے عقل مطبوع کے

ساتھ جب عقل مسموع شامل ہوتو مفید ہے(مرقات) ۲؎ تقوے کے دورکن ہیں اچھے کام کرنا۔ برے کاموں سے بچنا مگراس کا رکن اعلیٰ برے کاموں سے بچنا ہے عبادات آسان ہیں مگر محرمات سے پرہیز برے معاملات سے بچنا بہت مشکل ہے بعض کے نزدیک ورع اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے بعض کے نزدیک محرمات سے بچنا تقویٰ ہے اور شبہ کی چیز سے بچنا ورع یا فرائض پر عمل تقویٰ ہے سنت ومستحب پر عمل ورع خیال رہے نیکیاں گویا روحانی دوائیں ہیں گناہوں سے بچنا گویا روحانی پرہیز۔ دوا بغیر پرہیز مفید نہیں ہوتی (اشعہ) ۳؎ لغت میں حسب بمعنی نسب ہے یا باپ کی طرف سے نسب ماں کی طرف سے حسب مگر یہاں اس سے مراد شرافت ہے یعنی شرافت صرف نسب سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق اچھے اعمال سے ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (۴۹-۱۳) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (کنزالایمان) اچھی عادت میں عبادات معاملات بلکہ ایمان وعرفان سب ہی داخل ہیں کتنی ہی تواضع کرے خوش اخلاق نہیں جس نے اللہ رسول سے بگاڑ لی جو انہیں راضی نہ کرسکا وہ خوش اخلاق کہاں سے آیا ہے یہ بات خوب یاد رکھو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ. (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۸۴۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ میں میانہ روی آدھی زندگی ہے ۱؎ اور لوگوں سے محبت کرنا آدھی عقل ہے ۲؎ اور اچھا سوال آدھا علم ہے ۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ۴؎

(۴۸۴۰) ۱؎ سبحان اللہ عجیب فرمان عالی ہے۔ خوش حالی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے کمانا، خرچ کرنا مگر ان دونوں میں خرچ کرنا بہت ہی کمال ہے کمانا سب جانتے ہیں خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے جسے خرچ کرنے کا سلیقہ آ گیا وہ انشاء اللہ ہمیشہ خوش رہے گا یہاں معیشہ مصدر ہے بمعنی عیش کی زندگانی ۲؎ یعنی عقل کے سارے کام ایک طرف ہیں اور لوگوں سے محبت کرکے انہیں اپنا بنالینا ایک طرف لوگوں کی محبت سے دینی دنیاوی ہزاروں کام نکلتے ہیں لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرلو پھر انہیں نمازی حاجی غازی بنادو مگر خیال رہے کہ لوگوں کی محبت حاصل کرنے کے لیے اللہ رسول کو ناراض نہ کرلو بلکہ لوگوں سے محبت اللہ رسول کی رضا کے لیے ہونی چاہیے ۳؎ یعنی علم وتعلیم میں دو چیزیں ہوتی ہیں شاگرد کا سوال استاد کا جواب ان دونوں سے مل کر علم کی تکمیل ہوتی ہے اگر شاگرد سوال اچھے کرے گا جواب بھی اچھے پائے گا ایک استاد اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ میں تم مل کر علم کا نصاب ہیں۔ حافظ قرآن تم ہو مفسر قرآن میں سائل تم ہو مجیب میں (مرقات) ذہین طالب علم اچھے سوال کرکے علم کی باریکیاں حاصل کرلیتا ہے ۴؎ آخری حدیث طبرانی نے مکارم اخلاق میں حضرت ابن عمر سے اور خطیب نے حضرت انس سے بھی مرفوعًا روایت کی۔ احمد نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی، ماعال من اقتصد جو خرچ میں میانہ روی کرے گا وہ غریب نہ ہوگا۔ (مرقات)

بَابُ الرِّفْقِ وَالْحَيَاءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ — نرمی وشرم وغیرت اوراچھی عادت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

رفق کے معنی ہیں نرمی یہ بنا ہے رفاقت سے اس سے ہے رفیق اپنے رفقاء کی خاطر مدارات کرنا بھی رفق ہے۔ حیاء (شرم) اس دلی

رکاوٹ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہیبت بھی ہوگزشتہ خطا پر ہیبت آئندہ کے لیے وحشت ہواپنے اور غیر کے معاملہ میں انصاف کرنا اچھا خلق ہے حضور کا خلق قرآن مجید ہے حضور کا خلق وہ عادت کریمہ ہے جس سے خلق بھی خوش خالق بھی راضی۔

اولو البر والاحسان والصبر والتقی　　حلالهم بهاجاء القرآن مفضلا

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَالَا يُعْطِيْ عَلٰى مَاسِوَاهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لِعَآئِشَةَ عَلَيْكِ بَالرِّفْقِ وَاِيَّاكَ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَايُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ

(۴۸۴۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نرمی فرمانے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے۱ اور نرمی پر وہ عطا فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا۲ اور وہ جو اس کے ماسواء پر نہیں دیتا (مسلم) اور ان کی ایک روایت ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدگمانی سے بچو۳ کسی چیز میں نرمی نہیں ہوتی مگر اسے اچھا کردیتی ہے اور کسی چیز سے یہ نہیں نکالی جاتی مگر اسے عیب ناک کردیتی ہے۴

(۴۸۴۱) ۱؎ اللہ تعالٰی رفیق یعنی کریم و رحیم ہے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا گناہ بخشتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی اپنے ماتحوں اپنے ساتھیوں پر رحیم و کریم ہوں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کو عام محاورہ میں رفیق کہنا جائز نہیں یہ لفظ اسماءالٰہیہ سے نہیں ہے یہاں لغوی معنی سے استعمال ہوا۲؎ یعنی دنیا و آخرت کے نرمی سے وہ کام بن جاتے ہیں جو سختی سے نہیں بنتے اکثر سختی سے دوست دشمن بن جاتے ہیں بنتے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں۔ نرمی سے دشمن دوست ہوجاتے ہیں اور بگڑتے ہوئے کام بن جاتے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

یا طالب الرزق الهینی بقوة　　هیهات انت بباطل مشغوف

اکل اعقاب بقهوة جیف القلا　　برعی الذباب الشهد وهو ضعیف

یعنی سختی سے روزی نہ کماؤ عقاب سختی کی وجہ سے مردار ہی کھاتا ہے شہد کی مکھی نرمی کی وجہ سے پھول چوستی ہے (مرقات) ۳؎ بدگوئی نتیجہ ہے سختی کا اوّلاً دل میں سختی آتی ہے پھر بدگوئی زبان درازی پھر ہاتھاپائی یعنی مار پیٹ پھر قتل و خون خدا محفوظ رکھے۔ شیطان پر سخت رہو بھائی مسلمان پر نرم۴؎ یعنی اگر حقیر آدمی کے دل میں نرمی ہوتو وہ عزیز بن جائے گا۔ عظیم الشان آدمی کے دل میں سختی ہوتو وہ حقیر ہوجائیگا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ　　خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ

لوہا نرم ہوکر اوزار بنتا ہے سونا نرم ہوکر زیور۔ زمین نرم ہوکر قابل کاشت ہوتی ہے انسان نرم ہوکر ولی بن جاتا ہے۔

وَعَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۴۲) روایت ہے حضرت جریر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو نرمی سے محروم رکھا گیا وہ بھلائی سے محروم کردیا گیا۱ (مسلم)

(۴۸۴۲) ۱؎ جس پر رب مہربان ہوتا ہے اسے نرم دل بنادیتا ہے جس پر رب کا قہر ہوتا ہے اسے سخت دل کردیتا ہے سخت دل میں کسی کا وعظ

اثر نہیں کرتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۴۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص پر گزرے جو اپنے بھائی کو شرم وحیاء کے متعلق نصیحت کرر ہا تھا[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑو[2] کیونکہ حیاء ایمان سے ہے[3] (مسلم وبخاری)

(۴۸۴۳) [1] اس سے کہہ رہا تھا کہ تو بہت شرمیلا ہے اتنی شرم نہ کیا کر کیونکہ بہت شرمیلا آدمی دنیا کما نہیں سکتا یہاں وعظ سے مراد ڈرا کر نصیحت کرنا ہے (مرقات) [2] یعنی اسے حیاء وغیرت سے نہ روکو اسے شرمیلا رہنے دو[3] خیال رہے کہ جو حیا گناہوں سے روک دے، وہ تقویٰ کی اصل ہے اور جو غیرت وحیاء اللہ کے مقبول بندوں کی ہیبت دل میں پیدا کردے وہ ایمان کا رکن اعلیٰ ہے اور جو حیاء نیک اعمال سے روک دے وہ بری ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز پڑھنے سے شرم لگتی ہے یہ حیا نہیں بے وقوفی ہے یہاں پہلے یا دوسرے درجہ کی حیاء مراد ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا خوف اپنے حبیب کی غیرت نصیب کرے اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ وَّفِيْ رِوَايَةِ الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۴۴) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حیاء بھلائی ہی لاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حیاء ساری خیر ہے[1] (مسلم، بخاری)

(۴۸۴۴) [1] حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ شرعی حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غور کر کے شرمندہ ونادم ہو اس شرمندگی کی بنا پر آئندہ گناہوں سے بچنے، نیکیاں کرنے کی کوشش کرے جو غیرت نیکیوں سے روک دے وہ عجز ہے حیا نہیں۔اس معنی سے یہ حدیث پاک بالکل واضح ہوگئی۔واقعی یہ حیا تو گویا ایمان ہی ہے۔خیر ہی ہے۔(مرقات واشعہ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۸۴۵) روایت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پچھلی نبوت کا جو کلام لوگوں نے پایا ان میں سے یہ ہے کہ جب تو حیاء نہ کرے تو جو چاہے کر[1] (بخاری)

(۴۸۴۵) [1] یہ کلام بمعنی چیز ہے یعنی گزشتہ انبیاء کرام نے اپنی امتوں سے جو حکیمانہ کلام فرمائے ان میں سے ایک یہ کلام شریف بھی ہے کہ جب تیرے دل میں اللہ رسول کی اپنے بزرگوں کی شرم وحیاء نہ ہوگی تو تو برے سے برا کام کر گزرے گا کیونکہ برائیوں سے روکنے والی چیز تو غیرت ہے جب وہ نہ رہی تو برائی سے کون روکے بہت لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے برائیاں نہیں کرتے مگر جنہیں نیک نامی بدنامی کی پروا نہ ہو وہ ہر گناہ کر گزرتے ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا لم تخش عاقبۃ اللیالی
ولم تستحی فاصنع ماتشاء

فلا واللہ مافی العیش خیر وفی الدنیا اذا ذھب اللیالی

وَعَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۴۶) روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان[۱] سے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھا[۲] تو فرمایا نیکی اچھی عادت ہے[۳] اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینہ میں چھبے اور تو یہ ناپسند کرے کہ اس پر لوگ خبردار ہوں[۴] (مسلم)

(۴۸۴۶) [۱] آپ صحابی ہیں قبیلہ بنی کلب سے ہیں بعض نے فرمایا کہ آپ انصاری ہیں آخر میں شام میں قیام فرمایا۔ مرقات نے فرمایا کہ آپ اصحاب صفہ سے ہیں اشعہ نے فرمایا کہ آپ کی والدہ کلابیہ سے حضور نے نکاح کیا اور طلاق دے دی اور کلابیہ عورت آپ کی والدہ ہی تھیں (اشعہ) [۲] یعنی نیکی اور گناہ کی پہچان کیا ہے مجھے کیسے پتا لگے کہ یہ کام نیکی ہے اور یہ کام گناہ ہے مجھے ارشاد فرمائیں [۳] اچھی عادت عام ہے مخلوق کے ساتھ برتاوا اور خالق سے معاملات سب ہی کو شامل ہے نماز روزہ کی پابندی اچھی عادت ہے گناہوں سے بچنا اچھی عادت ہے وغیرہ [۴] یہ فرمان کامل مسلمانوں کے لیے ہے جیسے ہم کو مکھی ہضم نہیں ہوتی فوراً قے ہوجاتی ہے یوں ہی صالحین کو گناہ ہضم نہیں ہوتا فوراً انہیں دلی قبض روحانی تکلیف محسوس ہوتی ہے عام لوگوں کا یہ حال نہیں بعض تو گناہ پر خوش ہوکر اعلان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں ہر شخص کو اس کے مطابق دواء عطا فرماتے ہیں یوں ہی الناس سے مراد مقبول بندے ہیں امام نووی نے حضرت وابعہ ابن معید اسدی سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نیکی اور گناہ کیا ہوتے ہیں فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لیا کرو جسے تمہارا دل نیکی کہے وہ نیکی ہے جسے تمہارا دل گناہ کہے وہ گناہ ہے (اربعین للنووی ومرقات) یعنی تمہارا دل جس پر ہمارا ہاتھ ہے ہر دل کا یہ حال نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۸۴۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا بڑا پیارا تم میں سے[۱] اچھی عادت والا ہے[۲] (بخاری)

(۴۸۴۷) [۱] یعنی سارے مسلمانوں میں مجھے بڑا پیارا مسلمان وہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہے جس کے اخلاق پاکیزہ خصلت اچھی ہے اگر حضور کا پیارا بننا ہے تو خوش خلقی اختیار کرو [۲] اچھی عادت والا بندہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے اس کے حبیب کو پیارا مخلوق کو پیارا دنیاوی معاملات میں نہایت نرمی دین میں نہایت پختگی وسختی یہ ہے خلق محمدی۔ اس کی یہاں تعلیم ہے افسوس کہ آج ہم رفع یدین، امین بالجہر، قرأت خلف الامام کے مسائل پر سر پھوڑے...... جاتے ہیں اگر یہ اعمال سنت ہیں تو کیا اخلاق محمدی سنت نہیں ان پر بھی ہم کو توجہ دینا چاہیے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۴۸) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جو تم میں اچھے اخلاق والے ہوں[۱] (مسلم، بخاری)

(۴۸۴۸) [۱] مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں احاسنکم اخلاقًا ہے مگر صحیح تر یہ ہی ہے کہ احسنکم اخلاقًا ہے یعنی مسلمانوں میں اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اخلاق کے معنی ابھی عرض کیے جاچکے ہیں اخلاق، مداہنت فی الدین، اپنے کو ذلیل کرلینا ان تینوں میں فرق ہے اسلامی اخلاق اچھے ہیں دین میں پلپلا پن اور اپنے کو ذلیل کرلینا برا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۴۸۴۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے حصہ دیا گیا[۱] اور جو نرمی کے حصہ سے محروم رہا وہ دنیاوآخرت کی بھلائی کے حصے سے محروم رہا[۲] (شرح سنہ)

(۴۸۴۹) [۱] اللہ تعالٰی نے جیسے دنیاوی جسمانی روزیوں میں بندوں کے مختلف حصے رکھے ہیں اسی لیے کوئی امیر ہوتا ہے کوئی فقیر،کوئی دبلا کوئی بیمار کوئی موٹا طاقتور اور تندرست اسی طرح اس کریم نے روحانی ایمانی روزیاں پیدا فرمائیں اور ان میں اپنے بندوں کے مختلف حصے رکھے یہاں ارشاد ہوا کہ جس کو لطف وکرم نرمی طبیعت سے زیادہ حصہ ملا اسے دوسری نعمتوں سے بھی کافی حصہ ملے گا[۲] یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوگئی ہے کہ بدخلق سخت طبیعت آدمی اپنے کنبہ محلے میں بھی ذلیل رہتا ہے اور مسجد کی حاضری سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔محلے والے اس کا مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے کہ وہ امام اور نمازیوں سے لڑتا ہی رہتا ہے۔مسجد بھی اس سے پناہ مانگتی ہے یہ ہے دنیاوآخرت کے حصوں سے محرومی سختی دل سے اللہ بچائے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۴۸۵۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرم وحیاء ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے[۱] اور فحش گوئی سخت دلی سے ہے اور سخت دلی آگ میں ہے[۲] (احمد،ترمذی)

(۴۸۵۰) [۱] یعنی شرم وحیاء ایمان کا رکن اعلٰی ہے دنیا والوں سے حیا دنیاوی برائیوں سے روک دیتی ہے دین والوں سے حیا دینی برائیوں سے روک دیتی ہے اللہ رسول سے شرم وحیاء تمام بدعقیدگیوں بدعملیوں سے بچالیتی ہے ایمان کی عمارت اسی شرم وحیاء پر قائم ہے درخت ایمان کی جڑ مؤمن کے دل میں رہتی ہے اس کی شاخیں جنت میں ہیں[۲] یعنی جو شخص زبان کا بےباک ہو کہ ہر بری بھلی بات بےدھڑک منہ سے نکال دے تو سمجھ لو کہ اس کا دل سخت ہے اور اس میں حیا نہیں۔سختی وہ درخت ہے جس کی جڑ انسان کے دل میں ہے اور اس کی شاخ دوزخ میں۔ایسے بےدھڑک انسان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ رسول کی بارگاہ میں بھی بےادب ہو کر کافر ہوجاتا ہے لہذا یہ فرمان عالی بالکل ہی صحیح ہے حضور حکیم مطلق ہیں ہماری بیماریوں ازاریوں پر ہم سے زیادہ خبردار ہیں۔

وَعَنْ رَّجُلٍ مِّنْ مُّزَیْنَةَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاخَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ. (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِیْكٍ)

(۴۸۵۱) روایت ہے مزینہ کے ایک شخص سے[۱] فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ انسان کو بہترین چیز کون سی دی گئی ہے فرمایا اچھی عادت[۲] (بیہقی شعیب الایمان اور شرح السنہ) میں حضرت اسامہ ابن شریک ہے۔

(۴۸۵۱) [۱] مزینہ ایک قبیلہ کا نام ہے یہ صحابی اس قبیلہ سے ہیں چونکہ صحابی تمام کے تمام عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔لہذا اگر صحابی کا نام

معلوم نہ ہوتو حدیث کی صحت پر کوئی اثرنہیں پڑتا۔حتی کہ صحابی کا ارسال بھی صحیح ہے یعنی اگر کوئی صحابی کہہ دیں کہ میں نے کسی اور صاحب سے سنا انہوں نے حضور سے سنا تب بھی حدیث قوی اور صحیح ہے(مرقات)۲؎ اچھی عادت سے مراد وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا جس سے دنیا اور دین دونوں درست ہوجائیں۔

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ قَالَ وَلْجَوَّاظُ الْغَلِيْظِ الْفَظُّ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ سُنَنِهٖ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَارِثَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَلَفْظُهٗ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ الْجَعْظَرِيُّ يُقَالُ الْجَعْظَرِيُّ الْفَظُّ الْغَلِيْظُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ وَهْبٍ وَلَفْظُهٗ قَالَ وَالْجَوَّاظُ الَّذِيْ جَمَعَ وَمَنَعَ وَالْجَعْظَرِيُّ الْغَلِيْظُ الْفَظُّ)

(۴۸۵۲) روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں نہ تو جواظ داخل ہوگا اور نہ جعظری فرمایا اور جواظ سخت دل سخت زبان ہے ۲؎ (ابوداؤد)نے اپنی سنن میں اور بیہقی شعب الایمان میں اور جامع اصول والے نے اس میں حضرت حارثہ سے ایسے ہی شرح سنہ میں انہیں حارثہ سے اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ جنت میں جواظ جعظری داخل نہ ہوگا کہا جاتا ہے کہ جعظری سخت دل سخت زبان ہے ۳؎ اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت عکرمہ ابن وہب سے ہے اس کے لفظ ہیں کہ فرمایا جواظ وہ ہے جو جمع کرے اور منع کرے ۴؎ اور جعظری سخت دل سخت زبان ہے۔

(۴۸۵۲) ۱؎ آپ صحابی ہیں خزاعی ہیں حضرت عمر فاروق کے سوتیلے بیٹے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کے اخیافی بھائی ہیں آخر میں کوفہ میں رہے۲؎ غلیظ کے معنی ہیں سخت دل اور فظ کے معنی ہیں سخت زبان کہ ہر ایک سے سخت کلامی کرے۳؎ مقصد یہ ہے کہ جواظ اور جعظری کے ایک معنی ہیں سخت دل سخت زبان بعض نے فرمایا کہ جعظری بڑے پیٹ والا موٹے جسم والا جو بہت کھائے کسی کو اپنے کھانے میں سے نہ کھلائے زیادہ بولنے والا کہ ہر وقت بکے ہی جائے خطیب نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ہر شخص توبہ کرسکتا ہے سواء بدخلق کے کہ وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بدتر گناہ میں گرفتار ہوجاتا ہے(مرقات)۴؎ یعنی ناجائز مال جمع کرے اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرے زکوۃ صدقہ فطر،قربانی بچوں کو خرچہ نہ دے یا وہ جو ہر وقت مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فکر کبھی نہ کرے جائز مال جمع کرنا برا نہیں مگر ہر وقت جمع کی فکر میں لگا رہنا منع ہے خیال رکھو کہ جاری پانی پاک رہتا ہے یوں ہی جس کنویں سے پانی نکلتا رہے وہ صاف رہتا ہے اگر نکالنا چھوڑ دیا جائے تو گندا ہوجاتا ہے اللہ کی راہ میں مال نکالتے رہو پاک صاف رہے گا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر:

زکوۃ مال بدر کن کہ دفتر زرا ۔۔۔ چو باغبان بدر وبیشتر دہد انگور

زکوۃ نکالے جاؤ انگور کی بیل کاٹتے رہنے سے زیادہ انگور دیتی ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ

(۴۸۵۳) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ بڑی بھاری چیز جو قیامت کے دن مومن کی

الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَّاِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ)

ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھی عادت ہے[۱] اور اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے فحش گو و بدخلق سے[۲] ترمذی اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوداؤد نے پہلے حصہ کی روایت کی۔

(۴۸۵۳) [۱] یا تو بعینہ اچھی عادت نیکیوں کے پلے میں رکھی جائے گی کیونکہ قیامت میں ہر چیز کی شکل بھی ہوگی اس میں وزن وغیرہ بھی ہوگا اچھی عادت کا ثواب چونکہ اچھی عادت رب تعالٰی کو بہت پسند ہے اس لیے اس میں وزن زیادہ ہے وہاں وزن رضاء الٰہی سے ہوگا اخلاص کی عبادات وزنی ہوں گی ریا کی عبادات ہلکی کہ ریا کی عبادات سے ربّ ناراض ہے اخلاص کی عبادت سے رب راضی کافر کی عبادات میں کوئی وزن نہ ہوگا رب تعالٰی فرماتا ہے: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (۱۸،۱۰۵) تو ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے۔ (کنزالایمان) گناہوں میں وزن رب تعالٰی کی ناراضی سے ہوگا جس قدر رب تعالٰی کی ناراضی زیادہ اس قدر گناہ میں وزن زیادہ اللہ محفوظ رکھے[۲] چونکہ رب تعالٰی بدخلقی بدزبانی سے ناراض ہے لہٰذا وہ گناہوں کے پلے میں ہوں گے اور اس گناہ میں بہت بوجھ ہوگا۔ خیال رہے کہ حضور کے نیک اعمال میں اتناوزن ہے کہ اسے کوئی ترازو تول سکتی ہی نہیں اسی لیے حضور کی نیکیاں تولی نہ جائیں گی جیسے ہماری ترازو سمندر کا پانی نہیں تول سکتی ایسے ہی قیامت کی ترازو حضور کی نیکیاں نہ تول سکے گی جب ان کے نام میں اتناوزن ہے کہ ہم گنہگاروں کے کروڑوں من کے گناہ ایک کلمہ محمدی سے ہلکے ہوجائیں گے کہ ہمارے کام ہلکے ہیں حضور کا نام بھاری ہے تو ان کے اعمال کیسے ہوں گے صلی اللہ علیہ وسلم۔

شعر:

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے ۔۔۔ پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۴۸۵۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مومن[۱] اچھی عادت سے رات میں کھڑے رہنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے[۲] (ابوداؤد)

(۴۸۵۴) [۱] مومن سے مراد مومن کامل و عامل ہے (مرقات) [۲] یعنی خوش خلق مسلمان کو خوش خلقی کی وجہ سے نفلی روزوں اور نفلی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے کہ وہ علانیہ اور خفیہ اللہ کی مخلوق کو خوش رکھتا ہے۔ نفلی روزہ نماز کا فائدہ صرف اپنے کو ہوتا ہے مگر خوش خلقی کا فائدہ مخلوق اٹھاتی ہے لازم سے متعدی اچھی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۴۸۵۵) روایت ہے حضرت ابوذر سے[۱] فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں ہو اللہ سے ڈرو[۲] اور برائی کے پیچھے بھلائی کرو جو برائی مٹادے[۳] اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے برتاؤ کرو[۴] (احمد، ترمذی، دارمی)

(۴۸۵۵) [۱] انووی نے اپنی کتاب اربعین میں فرمایا کہ حضرت ابوذر غفاری اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما چہارم مسلمین ہیں (مرقات)

حضرت ابوذر غفاری سے خصوصیت سے ارشاد فرمایا گیا اگرچہ اور لوگ بھی سنتے تھے[۲] اس طرح کہ سارے واجبات ادا کرو اور سارے حراموں

سے بچو۔تقویٰ دین کی جڑ اور یقین کی بنیاد ہے تقویٰ کے بہت درجہ ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر نعیمی میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں عرض کیے پہلا درجہ بدعقیدگی سے بچنا ہے۔دوسرا درجہ بدعملی سے بچنا ہے۔تیسرا درجہ مکروہ بلکہ مشتبہ چیزوں سے بچنا۔چوتھا درجہ بیکار چیزوں سے بچنا پانچواں درجہ جو بارے حجاب ہو اس سے بچنا۔غرضیکہ ہر طرح کی آڑ پھاڑ کر یار تک پہنچنا ہے اللہ اس قال کو حال بنادے جہاں کہیں،ہونے سے مراد ہے علانیہ خفیہ ہر طرح ہر جگہ خدا سے ڈرنا ۳؎ یعنی گناہوں کے بعد توبہ کرلو بداعمالی کے بعد نیک اعمال کرلو جن سے یہ برائیاں مٹ جائیں گانا سن لیا ہے تو قرآن مجید سن لو بری جگہ بیٹھے ہو تو وعظ و نصیحت کی مجلس میں بیٹھو اگر حرام جگہ خرچ کردیا ہے تو صدقہ وخیرات کرو غرضیکہ ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرو حب دنیا کو حب آخرت سے دھولو سیاہی دل کو آنکھوں کے آنسوؤں سے دور کرلو غرضیکہ سیاہی کو سفیدی سے دور کرو۔ دنیاوی خوشی کے بعد آخرت کا غم کرلو اللہ تعالٰی ان نیکیوں کے ذریعے ان برائیوں کو مٹادے گا۔رب فرماتا ہے:اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۴؎ اس طرح کہ لوگوں کی تکالیف برداشت کرو ان پر اپنا مال خرچ کرو ان سے خندہ پیشانی سے ملو ان کی مصیبتوں میں کام آؤ۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۴۸۵۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو آگ پر اور آگ اس پر حرام ہوتی ہے ۱؎ ہر نرم طبیعت نرم زبان لوگوں سے قریب درگزر کرنے والا ۲؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا حدیث حسن غریب ہے۔

(۴۸۵۶) ۱؎ دونوں لازم وملزم ہیں کہ دوزخ کی آگ پر وہ حرام ہوجائے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوجائے کہ نہ آگ اس تک پہنچے نہ آگ تک وہ پہنچے اور اگر وہ کسی وقت دوزخیوں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جائے تو اس کو آگ کی گرمی نہ پہنچے ۲؎ ھین اور لین ی کی شد سے بھی آتا ہے اور ی کے سکون سے بھی دونوں کے معنی ہیں نرم مگر جب یہ دونوں جمع ہوجائیں تو ایک سے مراد نرم طبیعت ہوتا ہے۔دوسرے سے مراد نرم زبان۔سہل کے معنی ہیں سمح یعنی لوگوں کی زیادتیوں سے درگزر کرجانے والا قریب کے معنی ہیں لوگوں سے نزدیک رہنے والا کہ جب اس کی ضرورت پڑے تو حاضر ہوجائے اگر لوگ اس سے مستغنی ہوں تو یہ بھی بے نیاز رہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَّالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۴۸۵۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مومن سیدھا کرم والا ہوتا ہے ۱؎ فاجر چالاک بدخلق ہوتا ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

(۴۸۵۷) ۱؎ اغر،بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکا یہاں مراد ہے دیدہ دانستہ مسلمانوں سے دھوکا کھا لینے والا لہذا یہ اس کی مہربانی ہے نہ کہ بیوقوفی ہم نے ایسے نیک لوگ دیکھے ہیں جو دیدہ دانستہ طور پر لوگوں سے دھوکا کھا کر ان کا بھلا کردیتے ہیں مشہور ہے کہ مولانا احمد جیون سے لوگوں نے دہلی پہنچ کر کہا کہ حضور آپ کے شہر جونپور کا دریا وہاں کے لوگوں کو ڈبو دے رہا ہے حضور پانچ سو روپیہ دیں تو دریا کو دے کر اسے اس حرکت سے باز رکھیں آپ نے دے دیئے کچھ عرصہ بعد وہ لوگ آکر بولے کہ حضور بڑی مشکل سے دریا کو پانچ سو روپیہ میں راضی کرکے شہر سے دفع کیا تو انہیں دعائیں اور انعام دیئے۔عالمگیر بادشاہ نے کہا حضور یہ کیا فرمایا مسلمان جھوٹ نہیں بولتے یہ لوگ مسلمان ہیں سچ کہتے ہوں گے حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان سے دھوکہ کھایا یا شیطان چالاک نے دھوکہ دیا یہ ہے کریم اور لئیم میں فرق ۲؎ خب بمعنی چالاک

دھوکا باز اس کا نتیجہ ہے لئیم ہونا جس مسلمان میں یہ عیوب ہوں وہ ان سے توبہ کرے کہ یہ کفار کے عیب ہیں کسی کو چالاکی سے پھانس لینا کمال نہیں پھنسے کو نکال لینا کمال ہے۔

وَعَنْ مَكْحُولٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)

(۴۸۵۸) روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن لوگ نرم دل نرم طبیعت ہوتے ہیں جیسے نکیل والا اونٹ۲ اگر چلایا جائے تو اطاعت کرے اور اگر پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے۳ (ترمذی،مرسلاً)

(۴۸۵۸) ۱؎ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مکحول تابعی ہیں صحابی نہیں لہذا صحابی کا ذکر نہیں ہوا مگر چونکہ مکحول بڑے عالم ثقہ ہیں اس لیے ان کا ارسال قبول ہے جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو حضرت مکحول کا ارسال کیوں نہ معتبر ہو۲؎ یعنی مومن زبان کا بھی نرم ہوتا ہے دل کا بھی نرم اور وہ اللہ رسول کے ہاتھ میں ایسا ہوتا ہے جیسے نکیل والا اونٹ اپنے مالک کے قبضہ میں۔انف الف کے فتحہ نون کے کسرہ سے یہ بنا ہے انف بمعنی ناک سے انف وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل اور نکیل مالک کے ہاتھ میں ہو۳؎ یعنی مومن اللہ رسول کے احکام پر بلا جرح قدح سر جھکا دیتا ہے خواہ احکام نرم ہوں یا سخت وجہ نہیں پوچھتا کہ یہ حکم کیوں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ اَفْضَلُ مِنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۸۵۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ مسلمان جو لوگوں میں ملا جلا رہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرے اس سے افضل ہے جو نہ ان سے ملا رہے اور نہ ان کی ایذاء پر صبر کرے۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

(۴۸۵۹) ۱؎ یعنی مسلمان دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہیں خلوت بہتر ہے بعض وہ جن کے لیے جلوت افضل ان دونوں میں جلوت والے افضل ہیں کیونکہ خلوت والے صرف اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جلوت والے دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ تم دنیا میں اپنے دوست زیادہ بناؤ کہ کل قیامت میں مومن دوست شفاعت کریں گے اور آپ نے اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی: فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ (۲۶:۱۰۰،۱۰۱) تو اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں اور نہ کوئی غمخوار دوست (کنزالایمان) کہ کفار اپنے لیے شفیع اور دوست نہ ملنے پر افسوس کریں گے مگر خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لیے نیز بعض حالات میں نیز بعض مقامات پر خلوت افضل ہوتی ہے اگر جلوت میں خود اپنے آپ گناہوں میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہو تو خلوت بہتر حضرت وہب فرماتے ہیں کہ حکمت دس حصے ہیں نو خاموشی میں ایک خلوت میں (مرقات) بہتر یہ ہے کہ کبھی خلوت اختیار کرے کبھی جلوت خیر الامور اوسطھا عربی میں تنہائی کو عزلۃ کہتے ہیں عارفین فرماتے ہیں کہ عزلۃ میں اگر علم کا عین نہ ہو، تو ذلت ہے اور اگر زہد کی زنہ ہو تو نری علت ہے یعنی خلوت وہ اختیار کرے جس کے پاس علم بھی ہو زہد بھی۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَآءَ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

(۴۸۶۰) روایت ہے حضرت سہل ابن معاذ سے۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غصے کو پی جائے۲؎ حالانکہ اس کے جاری کرنے پر قادر ہو۳؎ اللہ تعالٰی اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سرداروں میں بلائے گا۴؎ یہاں تک کہ اس کو

وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَّفِیْ رِوَایَةٍ لِاَبِیْ دَاوٗدَ عَنْ سُوَیْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ مَلَاءَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَمْناً وَّاِیْمَاناً وَّذُكِرَ حَدِیْثُ سُوَیْدٍ مَّنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ فِیْ كِتَابِ اللِّبَاسِ .

اختیار دے گا کہ جو حور چاہے، لے لے۵ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں جو سوید بن وہب سے روایت ہے وہ ایک صحابی زادے مرد سے راوی، وہ اپنے باپ سے فرمایا بھردے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن وایمان سے۶ اور ذکر کیا سوید کی حدیث کو من ترك لبس ثوب جمال کتاب اللباس میں ۷

(۴۸۶۰) ۱ آپ سہل ابن معاذ ابن انس ہیں جہنی ہیں اہل مصر سے ہیں۔ یہ معاذ ابن جبل نہیں بلکہ معاذ ابن انس ہیں۔۲ یعنی کسی نے دوسرے کو برا بھلا کہا اور دوسرا شخص اپنی ذات کی برائی سن کر خاموش رہے درگزر کرے تو اس کو وہ ثواب ہے جو آگے مذکور ہے۔ اس میں صرف وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے ذاتی معاملات میں درگزر کریں۔ لیکن اللہ ورسول، شیخ واستاد وغیرہ کے گستاخ سے بدلہ لینا اور غصہ کا اظہار کرنا عین عبادت ہے وہاں غصہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۳ یعنی بدلہ لینے کی ہر طرح طاقت ہے۔ پھر صرف رب کی رضا کے لیے معاف کرتا ہے خواہ یہ شخص حاکم ہو یا طاقتور اور اس شخص پر غالب ہو یا امیر ہو خود بدلہ لے سکتا ہو یا دوسرے کے ذریعے سے لے سکتا ہو مگر اتنی قدرت کے باوجود پھر تحمل کرے یہ بہت مشکل کام ہے۴ کہ اس پر عمل کرنے سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے اس نے دنیا میں اپنے کو عاجز کیا۔ رب تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سرداری عطا فرمائے گا کیسا عظیم کرم ہے۵ حور کی نسبت اس لیے ہے کہ یہ اس کے اس دل کو خوش کرنے کے لیے ہے جو اس نے صرف اپنے رب کے لیے رنجیدہ کیا اور دل تنگ کیا ذلت برداشت کی۔ کیونکہ مرد کا دل بال بچے میں زیادہ خوش رہتا ہے اکیلا آدمی کتنا ہی دولت مند ہو اداس رہتا ہے حقیقی خوشی اپنے ہی گھر نصیب ہوتی ہے اس حقیقی خوشی کے لیے اپنا گھر بسانے کے لیے حور کا ذکر کیا کہ باہر کے غم ہمیشہ گھر میں اچھی بیوی کے ذریعہ ختم ہوتے ہیں مومن کو رب تسلیاں فرماتا ہے اور مومن کا گھر جنت ہے اور دنیا باہر کی جگہ۔۶ یعنی سرداری کے علاوہ امن و ایمان کی لذتیں بھی عطا ہوں گی کہ اگرچہ ایمان ملنے کا وقت دنیا ہے مگر لذتِ ایمانی قیامت میں ملے گی۔ ۷ یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کی وجہ سے اس کو کتاب اللباس میں لکھ دیا ہے وہاں دیکھو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِیْنٍ خُلُقاً وَّخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ . (رَوَاهُ مَالِكٌ مُّرْسَلاً وَّرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ اَنَسٍ وَّابْنِ عَبَّاسٍ)

(۴۸۶۱) روایت ہے زید بن طلحہ سے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک ہر دین کے اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۱ اسے مالک نے ارسالاً روایت کیا اور ابن ماجہ وبیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس وابن عباس سے روایت فرمایا۲

(۴۸۶۱) ۱ یعنی اگرچہ اسلام کی بہت سی عبادات ہیں مگر حیاداری سب سے بڑی عبادت ہے کل دین سے مراد باطل ادیان ہیں اور دین اسلام سے مراد رب تعالیٰ کا دین۔ کیونکہ سب انبیاء کرام نے حیاداری کا سبق دیا۔ بے غیرتی بے حیائی سے سب نے منع فرمایا۔ بے غیرت کا کوئی نیک عمل قبول نہیں اگرچہ [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی [illegible] بے غیرتی ہے۲ لہذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ

مسند ہے کیونکہ اس میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا نام آ گیا یہ حضرات صحابی ہیں چونکہ ابن طلحہ تابعی ہیں اور مالک نے انہی سے یہ روایت کی صحابی کا ذکر نہیں کیا لہذا ان کی روایت میں حدیث مرسل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعاً فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۸۶۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرم غیرت اور ایمان سارے ساتھی ہیں [1] تو جب ان میں سے ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب ان میں سے ایک چھن جاتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ جاتا ہے [2] (بیہقی شعب الایمان)

(۴۸۶۲) [1] یہاں قرناء جمع دو کے لیے ارشاد ہوا۔ قرناء جمع ہے قرین کی بمعنی ساتھی، مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں قرنا تثنیہ مذکر ماضی مطلق سے ہے۔ یعنی حیا اور ایمان رہنے اور جانے میں ساتھ ہیں۔ جس دل میں ہوں گے دونوں ہوں گے نہ ہوں گے دونوں نہ ہوں گے مومن بے حیا نہیں ہوسکتا کافر حیادار نہیں ہوسکتا [2] خیال رہے کہ یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے اور حیاء سے مراد ایمانی شرم وغیرت ہے یعنی اللہ اور رسول سے غیرت جو گناہوں سے روک دے۔

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرُمَا وَصَّانِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)

(۴۸۶۳) روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں جو آخری وصیت مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جبکہ میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا یہ تھی [1] کہ فرمایا اے معاذ اپنے اخلاق لوگوں سے اچھے رکھو [2] (مالک)

(۴۸۶۳) [1] حضرت معاذ ابن جبل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، جب آپ وہاں جانے کے لیے سوار ہوئے تو حضور انور نے یہ فرمایا [2] یعنی تم وہاں حاکمانہ شان وشوکت سے لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہنا اور اپنے پاس آنے جانے والوں سے بدخلقی سے پیش نہ آنا۔ خیال رہے کہ خلق اور چیز ہے، ظالم کو سخت سزا دینا، ملک میں سختی سے انتظام کرنا کچھ اور ہے، لہذا یہ حکم عالی سیاست کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ. (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(۴۸۶۴) روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں [1] موطا اور احمد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

(۴۸۶۴) [1] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائے اور ہم آخری نبی ہیں، جیسے ہماری ذات سے دین مکمل ہوا اللہ تعالیٰ کی نعمت تمام ہوئی، نبوت ختم ہوئی۔ ایسے ہی ہم نے تعلیم اخلاق کو مکمل فرمادیا۔ اب تاقیامت علماء و اولیاء ہمارے نقش قدم پر چل کر ہمارے اخلاق لوگوں کو سکھائیں گے، اس صورت میں اتمام کا مقصد ناقص کو کامل کرنا نہیں، بلکہ اخلاق کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے، دوسرے یہ کہ اہل عرب نے عقائد ابراہیمی، اعمال ابراہیمی بدل دیئے تھے مگر اخلاق ابراہیمی کے یہ لوگ حامل تھے۔ درازی زمانہ کی وجہ سے اہل عرب کے اخلاق ناقص ہوگئے تھے۔ میں انہیں اخلاق ابراہیمی کی تکمیل کے

لیے آیا ہوں کہ لوگوں کو جناب خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ کے اخلاق کی تعلیم پورے طور پر دوں اور پیدا شدہ نقصان اور کمی کو دور کروں۔ پہلے معنی شیخ نے فرمائے دوسرے معنی مولانا ملاعلی قاری نے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے محل کی آخری اینٹ ہیں۔حضور سے نبوت،اخلاق، ہدایات کی تکمیل ہوئی۔حضور جمع الجمع ہیں۔آپ سے میسر (چلنا) آپ کی طرف مصیر ہے (لوٹنا) تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔ (مرقات)

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْاٰةِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حَسَّنَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَاشَانَ مِنْ غَيْرِيْ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

(۴۸۶۵) روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے، وہ اپنے والد سے راوی[۱] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ میں نظر فرماتے[۲] تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا، جس نے میری صورت اور سیرت اچھی بنائی[۳] اور میری وہ چیز اچھی کی، جو دوسروں کی بری کی[۴] بیہقی نے بطریق ارسال روایت کی۔

(۴۸۶۵) [۱] امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر تابعی ہیں آپ کی ملاقات حضرت جابر سے ہے اور آپ تک حضور انور کا سلام پہنچا ہے (مرقاۃ) آپ کا نسب نامہ والد کی طرف سے یہ ہے امام جعفر ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی مرتضی اور ماں کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یہ ہے، امام جعفر صادق ابن حضرت فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔لہٰذا آپ نسبًا حیدری ہیں، حسبًا صدیقی، تمام حسینی سید نسب میں حضرت علی کی اولاد ہے اور حسب میں حضرت ابوبکر صدیق کی دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ اور شجرہ انساب[۲] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے زمانہ پاک میں آئینہ تھا اور حضور نے آئینہ میں شکل مبارک دیکھی، ہاں اکثر پانی میں چہرہ پاک دیکھ کر کنگھی وغیرہ کی ہے، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں ہے کہ کبھی یہ عمل تھا کبھی وہ[۳] خلقی خ کے فتح سے صورت پاک اور خ کی پیش سے سیرت پاک۔حضور انور صورت میں ایسے حسین کہ اللہ تعالٰی کے محبوب ہیں اور سیرت میں ایسے بے مثال کہ رب تعالٰی نے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہم بھی یہ دعا پڑھا کریں۔حضور کی نقل کرتے ہوئے۔شعر:۔

تیری خلق کو رب نے جمیل کیا | تیرے خلق کو رب نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا | تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

[۴] اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صورت و سیرت میں بے مثال ہیں، صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صورت کی نورانیت دل کی نورانیت کا پتا دیتی ہے اس لیے حضور انور آئینہ میں اپنی شکل پاک دیکھ کر اپنی سیرت کا بھی ذکر فرماتے تھے ورنہ سیرت آئینہ میں نظر نہیں آتی (مرقاۃ) ہم لوگ بھی آئینہ دیکھ کر یہ دعا پڑھیں، یہ سمجھ کر کہ رب تعالٰی نے ہم کو صحت و تندرستی بخشی ہے بہت سے لوگ کانے، نکٹے برص کے مارے اور ہونٹ کٹے ہوتے ہیں جن سے ان کی صورتیں بگڑ گئی ہوتی ہیں۔شکر ہے کہ ہم ان سب سے محفوظ ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۸۶۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی! تو نے میری صورت بھی اچھی کی ہے تو میری سیرت بھی اچھی کر[۱] (احمد)

(۴۸۶۶) [۱] حضور انور کی یہ دعایا تو امت کی تعلیم کے لیے ہے یا اچھے اخلاق اور زیادتی کی طلب کے لیے یا اس پر دائم قائم رہنے کے

لیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی سے بڑھ کر خوش خلق ہیں۔لہٰذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ہم نماز پڑھتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱:۵) ہم کو سیدھا راستہ چلا (کنزالایمان) حالانکہ ہم ہدایت پر ہیں مسلمان ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۲۰:۱۱۴) اورعرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے۔(کنزالایمان) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ باطنی ترقی کی انتہا نہیں کیونکہ وہ تجلی الٰہی سے ہے اور تجلی الٰہی کی انتہا نہیں حتی کہ اس کی انتہا جنت میں بھی نہ ہوگی۔رب تعالیٰ فرماتا ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (۱۰:۲۶) بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد (کنزالایمان) یہ زیادتی ہمیشہ ہوتی رہے گی۔(مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَاراً وَّاَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقاً ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۸۶۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تم میں سے بہترین کی خبر نہ دوں صحابہ نے عرض کیا، ہاں! فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جن کی عمریں دراز اور اچھے اخلاق ہوں[۱] (احمد)

(۴۸۶۷) [۱] عمر کی درازی یا مقدار میں ہو یا کیفیت میں یا دونوں میں۔اچھے اخلاق میں سارے دینی و دنیاوی نیک اعمال داخل ہیں کیونکہ نیک اعمال کی اصل اچھی عادت ہے،یعنی بڑا خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ لمبی عمر دے اور لمبی عمر میں نیک اعمال کرنے کی توفیق بخشے کہ قیامت میں عطا بقدر اعمال ہوگی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۴۸۶۸) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں' فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان والا اچھے اخلاق والا ہے[۱] (ابوداؤد،دارمی)

(۴۸۶۸) [۱] کیونکہ اچھی عادت سے عبادات اور معاملات دونوں درست ہوتے ہیں۔اگر کسی کے معاملات تو ٹھیک مگر عبادات درست نہ ہوں' یا اس کے اُلٹ ہوں تو وہ اچھے اخلاق والا نہیں' خوش خلقی بہت جامع صفت ہے کہ جس سے خالق اور مخلوق سب راضی رہیں وہ خوش خلقی ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً شَتَمَ اَبَا بَكْرٍ وَّالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَّتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَّقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَشْتِمُنِیْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَّرُدُّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَيْهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ ثَلٰثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَّا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ

(۴۸۶۹) روایت ہے ان ہی سے ایک شخص نے جناب ابوبکر کو برا کہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تعجب و تبسم فرمارہے تھے[۱] تو جب اس نے بہت زیادتی کی تو آپ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا[۲] اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے[۳] ابوبکر حضور کے پیچھے پہنچے، عرض کیا یارسول اللہ! وہ مجھے برا کہتا رہا، آپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بات کا جواب دیا تو آپ ناراض ہوگئے اور کھڑے ہوگئے[۴] فرمایا تمہارے ساتھ فرشتہ تھا جو اسے جواب دے رہا تھا[۵] پھر جب تم نے خود اسے جواب دیا تو شیطان پڑ گیا[۶] پھر فرمایا اے

بِمَظْلِمَةٍ فَيُغْضِيْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُّرِيْدُ بِهَا صِلَةً اِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا كَثْرَةً وَّمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ يُّرِيْدُ بِهَا كَثْرَةً اِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ابوبکر تین چیزیں بالکل حق ہیں نہیں ہے کوئی بندہ جس پر ظلم کیا جائے تو اللہ کے لیے چشم پوشی کرے مگر اس کے ذریعہ اللہ اپنی مدد بڑھادے گا ۷ اور کوئی شخص دینے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے صلہ رحمی کا ارادہ کرے ۸ مگر اس سے اللہ تعالٰی زیادتی مال اور بڑھادیتا ہے ۹ اور کوئی شخص مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے زیادتی کا ارادہ کرے مگر اس سے اللہ تعالٰی کمی بڑھادیتا ہے ۱۰ (احمد)

(۴۸۶۹) ۱ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ تبسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تحمل و بردباری ملاحظہ فرماکر ان پر خوش ہونے کی وجہ سے تھا معلوم ہوا کہ حضور انور اپنی امت کے نیک اعمال سے بہت خوش ہوتے ہیں ہم کو چاہیے کہ ہمیشہ نیک اعمال کیا کریں کہ حضور انور کو اس سے خوشی ہوتی ہے اللہ ہم کو توفیق دے کہ اپنے نبی کو خوش کرلیں۔ان کی خوشی ہمارے نیک بننے سے ہوگی ۲ حضرت ابوبکر صدیق کا جواب دینا بالکل جائز تھا اور از روئے قرآن کریم بالکل حق تھا،قرآن کریم فرماتا ہے:وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (۳۹،۴۲)اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں۔(کنزالایمان) اور فرماتا ہے:لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (۱۴۸،۴) اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے(کنزالایمان) ۔جناب صدیق اکبر اس وقت مظلوم تھے لہٰذا آپ پر کوئی اعتراض نہیں،نہ آپ سے کوئی ناجائز کام سرزد ہوا ۳ اس ناراضی کی وجہ آگے آرہی ہے کہ ذاتی موذی سے بدلہ لینا شان صدیقی کے لائق نہیں،نیز تم یہ بدلہ اپنے خادم فرشتے کے ذمہ رہنے دو،اس موذی کو تم خود کیوں منہ لگاتے ہو،مجرموں کو سزا بادشاہ اپنے ہاتھ سے نہیں دیتے،بلکہ اپنے خدام سے سزا دلواتے ہیں ۴ یعنی یارسول اللہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیا،حضور پھر مجھ پر ناراض کیوں ہوئے،ظالم تو وہ ہے میں نے تو صرف بدلہ لیا ہے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی کسی بات کی بناء پر نہ تھی،بلکہ افضلیت کی تعلیم کے لیے تھی،جیسا کہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے،خیال یہ بھی رہے کہ یہاں شتم بمعنی سب ہے یعنی برا کہنا بمعنی گالی نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے جواب میں گالی دی،آپ کی زبان مبارک جھوٹ اور گالی سے ہمیشہ محفوظ رہی ۵ اس طرح کہ جب وہ شخص تم سے کہتا تھا کہ ابوبکر آپ تو ایسے ہیں تو فرشتہ کہتا تھا ابوبکر تو اچھے ہیں تو ہی ایسا ہے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی نگاہیں غیبی فرشتوں کو دیکھتی ہیں اور آپ کے کان شریف فرشتوں کی آواز سنتے ہیں۔یہ فرشتہ یا تو کوئی خاص فرشتہ تھا جو اس کام کے لیے مامور ہوا تھا یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ پہلا احتمال قوی ہے ۶ یعنی اب تک تمہارا صبر رب کے لیے تھا اب تمہارا جواب دنیا نفس کے لیے ہوا یہ اگرچہ جائز ہے مگر چونکہ اس میں اپنی ذات کو اور غصہ کو دخل ہے اس لیے فرشتہ خاموش ہوگیا اور شیطان خوش ہونے لگا۔ممکن ہے کہ اب تم اس کے جواب میں زیادتی کردو۔اب تک وہ ظالم تھا پھر ظلم تمہاری طرف سے ہوجائے (مرقات) معلوم ہوا کہ جائز کام بھی اگر نفس کے لیے ہو تو شیطان کی خوشی کا ذریعہ بن جاتا ہے ۷ یعنی جو شخص اپنے حقوق مارنے والے سے چشم پوشی کرے اس پر موقع پاکر بھی اس سے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالٰی اس کی مدد اور بھی زیادہ کردے گا بھا کا مرجع مظلمة ہے۔یہ بات تجربہ سے بھی ثابت ہے معافی سے عزت بڑھتی ہے بشرطیکہ معافی کمزوری کی نہ ہو اخلاق کی ہو۔وہ معافی والی آیتیں منسوخ ہیں جو کمزوری کی وجہ سے ہو۔اخلاقی معافی کی آیتیں محکم ہیں ۸ یعنی رشتہ داروں سے سلوک کرنا صرف اللہ و رسول کی رضا کے لیے ہو اپنی ناموری کے لیے نہ ہو تو ثواب ہے اس کا فائدہ ہے ۹ صدقہ ثواب ہے اور اپنے عزیزوں و اہل قرابت پر صدقہ دوہرا ثواب ہے۔صدقہ کا بھی اور حق قرابت

ادا کرنے کا بھی۔ ۱ اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کسی سے کچھ مانگ لینا جائز ہے صرف ضرورت کے مطابق مانگے اگر اور طرح سے ضرورت پوری ہو سکے تو نہ مانگے اپنے پاس مال ہے اور زیادتی مال کے لیے مانگنا یہ بہرحال حرام ہے۔ نصاب تین قسم کے ہیں زکوۃ واجب ہونے کا نصاب، خیرات وزکوۃ لینے کی ممانعت کا نصاب اور سوال سے بچنے کا نصاب، آخری نصاب بقدر ضرورت مال اپنے پاس ہونا ہے، ضرورت والا مانگے بلاضرورت نہ مانگے۔ پیشہ ور گداگر ہمیشہ فقیر ہی رہتے ہیں۔ حاجت منداور گداگر میں فرق کرنا چاہیے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ رِفْقاً اِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ اِيَّاهُ اِلَّاضَرَّ هُمْ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۸۷۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کسی گھر والوں پر مہربانی کا ارادہ نہیں کرتا مگر انہیں نفع دیتا ہے اور اللہ ان کو محروم کرنا نہیں چاہتا مگر انہیں نقصان دیتا ہے ۱ (بیہقی،شعب الایمان)

(۴۸۷۰) ۱ یعنی اللہ تعالٰی جن لوگوں پر کرم فرماتا ہے ان کے دلوں میں نرمی ڈال دیتا ہے وہ لوگوں پر نرمی کرتے ہیں جس سے ان کی عزت اور بڑھ جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالٰی قہر فرماتا ہے انہیں نرمی دل سے محروم کردیتا ہے۔ ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں لوگوں سے سختی سے پیش آتے ہیں۔ نرمی بہت اچھی چیز ہے، ہاں دین میں سختی اچھی ہے۔

بَابُ الْغَضَبِ وَالْكِبْرِ — غصہ اور غرور کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

غضب یعنی غصہ نفس کے اس جوش کا نام ہے جو دوسرے سے بدلہ لینے یا اسے دفع کرنے پر ابھارے غصہ اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ اللہ کے لیے غصہ اچھا ہے، جیسے مجاہد غازی کو کفار پر یا کسی واعظ عالم کو فساق وفجار پر یا ماں باپ کو نافرمان اولاد پر آئے اور برا بھی ہوتا ہے جیسے وہ غصہ جو نفسانیت کے لیے کسی پر آئے۔ اللہ تعالٰی کے لیے جو غضب کا لفظ آتا ہے وہاں غضب کے معنی ہوتے ہیں ناراضی وقہر کیونکہ وہ نفس ونفسانیت سے پاک ہے۔ کبر کا معنی ہے عُجب یعنی بڑائی۔ اپنی ذات وصفات کو اچھا جاننا۔ اس کے اظہار کا نام تکبر ہے۔ اس کا مقابل تواضع وانکسار ہے۔ تکبر اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ مسلمان کا اپنے کو کفار سے اچھا جاننا اور انہیں حقیر سمجھنا کہ ان کی ہیبت ہمارے دل میں نہ آئے۔ یہ اچھا تکبر ہے۔ مسلمان بھائی سے اپنے کو بڑا سمجھنا انہیں ذلیل وحقیر سمجھنا یہ برا ہے۔ نبی کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے۔ جیسے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں کفر کیا کافر ہوا۔ اللہ تعالٰی کی صفت ہے متکبر وہاں اس کے معنی بہت بڑا بہت ہی عالی واونچا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۸۷۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے یہ سوال بار بار دہرایا۔ حضور نے یہی فرمایا، غصہ نہ کیا کرو ۱ (بخاری)

(۴۸۷۱) ۱ شاید یہ سائل غصہ بہت کرتا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں۔ ہر شخص کو وہ ہی دوا بتاتے ہیں جو اس کے لائق ہے۔ نفسانی غضب وغصہ شیطانی اثر ہے، اس میں انسان عقل کھو بیٹھتا ہے۔ غصہ کی حالت میں اس سے باطل کام وکلام سرزد ہونے لگتے ہیں۔ غصہ کا علاج اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا ہے یا

وضو کرلینا یا یہ خیال کرلینا کہ اللہ تعالٰی مجھ پر قادر ہے۔ رحمانی غضب عبادت ہے۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبَانَ اَسِفًا یا جیسے غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۴۸۷۲) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا[۱] پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے[۲] (مسلم، بخاری)

(۴۸۷۲) [۱] کیونکہ یہ جسمانی پہلوانی فانی ہے، اس کا اعتبار نہیں دو دن کے بخار میں پہلوانی ختم ہو جاتی ہے[۲] کیونکہ غصہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور نفس ہمارا بدترین دشمن ہے اس کا مقابلہ کرنا اسے پچھاڑ دینا بڑی بہادری کا کام ہے نیز نفس قوت روحانی سے مغلوب ہوتا ہے اور آدمی قوت جسمانی سے پچھاڑا جاتا ہے۔ قوت روحانی قوت جسمانی سے اعلٰی و افضل ہے، لہٰذا اپنے نفس پر قابو پانے والا بڑا بہادر پہلوان ہے۔

وَعَنْ حَارِثَۃَ بْنِ وَھْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُّتَضَعَّفٍ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَکْبِرٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ کُلُّ جَوَّاظٍ زَنِیْمٍ مُتَکَبِّرٍ ۔

(۴۸۷۳) حضرت حارثہ ابن وہب سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں جنتی لوگ نہ بتاؤں، ہر کمزور جسے کمزور سمجھا جائے[۱] اگر وہ اللہ پر قسم کھا جائے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے[۲] کیا میں تمہیں آگ والے نہ بتاؤں، ہر سخت دل بدکار متکبر[۳] (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہر سخت دل حرامی[۴] غرور والا

(۴۸۷۳) [۱] یہاں ضعیف کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تکبر، جبر، ظلم نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ اس میں طاقت و قوت نہ ہو۔ اللہ تعالٰی کو قوی اور طاقتور مسلمان پسند ہیں، یعنی اس میں طاقت تو ہو مگر وہ اپنی طاقت مسلمانوں پر استعمال نہ کرے اور متضعف کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو اس پر امن ہو کہ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، اس کے شر سے مسلمان اپنے کو محفوظ سمجھیں، یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اسے ذلیل و خوار سمجھیں، مسلمان بڑی عزت والا ہوتا ہے، اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے، اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (۵:۵۴) مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت (کنزالایمان) [۲] مثلاً اگر وہ کہہ دے کہ قسم خدا کی تیرے بیٹا ہوگا یا قسم خدا کی آج بارش آئے گی یا قسم خدا کی اس اسلامی لشکر کو فتح ہوگی تو اللہ تعالٰی اس کی قسم ضرور پوری فرمادے، ضرور اس کے بیٹا ہو، ضرور آج بارش آئے۔ ضرور لشکر اسلام کو فتح ہو۔ خیال رہے کہ پہلے تو بندہ اللہ تعالٰی کی رضا چاہتا ہے، پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ اللہ تعالٰی بندے کی رضا چاہتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرمایا: وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (۹۲:۲۱) اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔ (کنزالایمان) اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (۹۳:۵) اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ بزرگوں سے اللہ کی نعمتیں مانگنا جائز ہے کہ ان کے منہ سے نکلی بات اللہ تعالٰی پوری کرتا ہے[۳] عتل کے بہت معنی ہیں، سخت دل، بدزبان، جھگڑالو۔ یوں ہی جواظ کے بہت معنی ہیں، موٹا، فربہ، بدکار، فاسق، بخیل جو اپنا مال چھپائے، دوسروں کے مال پر نظر رکھے (مرقات) یہاں سارے معنی درست ہیں[۴] زنیم بنا ہے زنم سے یعنی کان کٹی بکری جس کا کان کٹ کر لٹک رہا ہو اصطلاح میں زنیم حرامی کو کہتے ہیں کہ یہ شخص بھی دوری قوم سے ملحق ہوتا ہے، جیسے ولید بن مغیرہ، یہاں زنیم بمعنی شریر و لئیم ہے، جس کے شر سے مسلمان پریشان ہوں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حرامی بچے بڑے شریر و خبیث ہوتے ہیں (مرقاۃ) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حرامی جنت میں نہیں جائے گا اس کی کوئی اصل نہیں، ہاں جو حرامیوں کے سے کام کرے وہ جنت میں اوّلاً نہ جائے گا (از مرقات) علماء فرماتے ہیں کہ حرامیوں کی نسل میں کوئی ولی نہیں ہوتا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۴۸۷۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے، فرماتے ہیں،

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلَ النَّارَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ وَّلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّن کِبْرٍ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص آگ میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو[۱] اور وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر غرور ہو[۲] (مسلم)

(۴۸۷۴) [۱] یعنی جس کے دل میں رائی برابر نور ایمانی ہو، وہ ہمیشہ رہنے کے لیے دوزخ میں نہیں جائے گا، لہٰذا حدیث واضح ہے ایمان سے مراد نتیجہ ایمان ہے اور آگ میں جانے سے مراد ہمیشگی کے لیے جانا ہے۔ ایمان میں زیادتی کمی ناممکن ہے، نور ایمان میں ممکن ہے[۲] اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ دینا میں جس کے دل میں رائی برابر کفر ہو، وہ جنت میں ہرگز نہ جائے گا۔ کبر سے مراد اللہ و رسول کے سامنے غرور کرنا یہ کفر ہے، دوسرے یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی کے برابر غرور ہوگا وہ جنت میں اوّلاً نہ جائے گا۔ تیسرے یہ کہ جس کے دل میں رائی برابر غرور ہوگا وہ غرور لے کر جنت میں نہ جائے گا۔ پہلے رب تعالیٰ اس کے دل سے تکبر دور کردے گا پھر اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۔ (۱۵:۴۷)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَناً وَّنَعْلُہٗ حَسَناً قَالَ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۷۵) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں وہ نہ جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر غرور ہو[۱] تو ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کا جوتا اچھا ہو[۲] فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے[۳] غرور حق کو جھٹلانا، لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے (مسلم)[۴]

(۴۸۷۵) [۱] اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ آگ میں کبر و غرور ہے، خاک میں عجز و انکساری۔ دیکھ لو باغ، کھیت خاک میں لگتے ہیں، آگ میں نہیں لگتے، ایسے ہی ایمان و عرفان کا باغ خاک جیسے عاجز و منکسر دل میں لگتے ہیں، آگ جیسے متکبر دل میں نہیں لگتے[۲] سائل سمجھا کہ شاید اچھا لباس پہننا بھی غرور میں داخل ہے کہ اس میں اپنی مالداری یا بڑائی کا اظہار ہے اس لیے اس نے یہ سوال کیا نیز اکثر متکبرین اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے ہیں تو یہ عمدگی لباس متکبرین کی علامت ہے۔ بہرحال سوال بالکل درست ہے[۳] یعنی رب تعالیٰ ذات و صفات میں اچھا ہے، جمیل ہے۔ مخلوق اس کی صفات کی مظہر ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ اپنی عادات، صورت، لباس، اعمال اچھا رکھے تاکہ رب تعالیٰ کی صفت جمیل کا مظہر بنے۔ نیز اس لباس میں رب تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے جو محبوب ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (۹۳:۱۱) اور اپنے ربّ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (کنزالایمان) اسے تکبر سے کوئی تعلق نہیں[۴] یعنی متکبر وہ ہے جو کسی معمولی انسان کی حق بات کو اس لیے جھٹلائے کہ یہ اس آدمی کے منہ سے نکلی ہے اور مساکین کو ذلیل سمجھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَّا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَّلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ شَیْخٌ زَانٍ وَّمَلِكٌ کَذَّابٌ وَّعَائِلٌ مُّسْتَکْبِرٌ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۷۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو کلام کرے گا[۱] اور نہ انہیں پاک کرے گا[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ نہ ان کی طرف نظر کرے گا[۳] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ بڈھا زانی[۴] اور جھوٹا بادشاہ[۵] اور فقیر غرور والا[۶] (مسلم)

(۴۸۷۶) ۱؎ یعنی ان تین قسم کے لوگوں سے کرم محبت کا کلام نہ کرے گا۔غضب وقہر کا کلام کرے گا لہٰذا حدیث واضح ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے اول وقت جب عدل الٰہی کا ظہور ہوگا تب ان سے کلام نہ کرے گا یا مطلقاً بلا واسطہ کلام نہ کرے گا، بواسطہ فرشتوں کے کرے گا (مرقات) ۲؎ یعنی ان کے گناہ معاف نہ کرے گا یا ان کی صفائی لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا۔تزکیہ کے یہ دونوں معنی ہی آتے ہیں ۳؎ یعنی نظر رحمت نہ کرے گا نظر قہر کرے گا ۴؎ اس لیے کہ زنا اگرچہ بہرحال برا ہے سخت گناہ ہے مگر بڈھا آدمی کرے تو بدترین گناہ ہے کہ اس کی شہوت قریباً ختم ہوچکی ہے وہ مغلوب مجبور نہیں، جوان آدمی گویا معذور ہے (مرقات) ۵؎ کیونکہ بعض لوگ مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں،بعض لوگ حاکم کے ڈر یا بادشاہ کے خوف سے جھوٹ بول دیتے ہیں،بعض لوگ تنگدستی سے تنگ آ کر جھوٹ کے ذریعے روزی کماتے ہیں، بادشاہ کو ان میں سے کوئی مجبوری نہیں، وہ جھوٹ بولتا ہے تو بلا وجہ ہی بولتا ہے ۶؎ حکومت والوں مال والوں کے پاس غرور تکبر کے اسباب موجود ہیں اگر فقیر غرور کرے تو محض دلی خباثت کی وجہ سے ہی کرے گا اس لیے اس کا تکبر بدترین جرم ہے،بعض لوگ غریب ہوتے ہوئے معمولی نوکری،معمولی کام نہیں کرتے، زکوۃ وخیرات قبول نہیں کرتے،خود بھی بھوکے رہتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی بھوکا مارتے ہیں، وہ بھی اس وعید میں داخل ہیں۔بعض لوگ بہت غریب ہوتے ہیں مگر اپنی لڑکیوں لڑکوں کے لیے بڑے مالدار رشتے تلاش کرتے ہیں، اس تلاش میں اولاد بوڑھی ہوجاتی ہے مگر شادی نہیں کرتے جس کے نتیجے بہت برے ظاہر ہوتے ہیں، یہ سب اس فرمان عالی میں داخل ہیں۔درود ہو اس حکیم مطلق محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہم پر ہمارے ماں باپ بلکہ خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔اللہ تعالٰی ان کی تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے،اس ایک کلمہ میں کیسی ہدایتیں ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۷۷) روایت ہے انہیں سے،فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے ۱؎ جو ان دونوں میں سے ایک مجھ سے چھیننا چاہے گا ۲؎ میں اسے آگ میں داخل کروں گا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے میں اسے آگ میں پھینک دوں گا ۴؎ (مسلم)

(۴۸۷۷) ۱؎ کبر سے مراد ذاتی ہے اور عظمت سے مراد صفاتی بڑائی۔چادر اور تہبند فرمانا ہم کو سمجھانے کے لیے ہے کہ جیسے ایک چادر ایک تہبند دو آدمی نہیں پہن سکتے۔یوں ہی عظمت وکبریائی سوائے میرے دوسرے کے لیے نہیں ہوسکتی ۲؎ اس طرح کہ اپنی ذات یا اپنی صفات کو بڑا سمجھے گا، میرا مقابلہ کرے گا گویا میرا شریک بننا چاہے گا۔خدا کی پناہ ۳؎ دنیا میں فراق وہجران کی آگ میں، آخرت میں دوزخ کی آگ میں، متکبرین کی یہی سزا ہے ۴؎ اسے دوزخ میں ایسے پھینک دوں گا، جیسے مرا کتا روڑی کوڑے پر ذلت وحقارت کے ساتھ پھینکا جاتا ہے، خیال رہے کہ کبریائی عظمت سے اعلٰی وافضل ہے اس لیے کبریائی کو چادر اور عظمت کو تہبند فرمایا۔چادر تہبند سے افضل ہوتی ہے تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سمجھے، عظمت یہ ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں لہٰذا عظمت میں غیروں کے خیال کو دخل ہوا لہٰذا تکبر وکبریائی اعلٰی ہے عظمت سے کہ کبریائی ذاتی ہے، عظمت اضافی (مرقات) خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں کی عزت وعظمت رب تعالٰی کا عطیہ ہے، یہ رب تعالٰی کی نعمت عاجلہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا

(۴۸۷۸) روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی اپنے آپ کو اونچا لے جاتا رہتا ہے، حتی کہ وہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے ۱؎ تو اسے وہ ہی عذاب

اَصَابَهُمْ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

پہنچتا ہے جو جبارین کو پہنچتا ہے۲ (ترمذی کی)

(۴۸۷۸) ۱؎ یعنی اس کا نام متکبرین و جبارین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ رب کے دفتر الگ الگ ہیں، نیکوں کے صد ہا دفتر بدوں کے ہزار ہا دفتر ۲؎ یعنی جو دنیاوی اور اخروی عذاب و ذلت و رسوائی، فرعون، ہامان، قارون کو پہنچی ہے یا پہنچے گی، وہ اسے بھی ملے گی، انہیں قیامت والے اپنے پاؤں تلے روندیں گے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشٰهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِیْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۸۷۹) روایت ہے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح جمع کیے جائیں گے مردوں کی صورت میں جنہیں ہر جگہ سے ذلت چھا جائے گی۱؎ ہانکے جائیں گے دوزخ کے ایک قید خانہ کی طرف، جسے بولس کہا جاتا ہے۲؎ ان پر آگوں کی آگ چھا جائے گی۳؎ اور وہ دوزخیوں کی پیپ یعنی طینہ سے پلائے جائیں گے۴؎ (ترمذی)

(۴۸۷۹) ۱؎ یعنی ان کی شکل وصورت بھی حقیر ان کی حالت بھی زار و خوار۔ جیسے دنیا میں چیونٹیوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں، ایسے ہی آخرت میں ان کی کوئی منزلت نہ ہوگی۔ دنیا کی عزتیں وہاں ذلت بن جائیں گی۔ دنیاوی محبتیں وہاں عداوتوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ" (۴۳،۶۷) گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کنزالایمان) ۲؎ خیال رہے کہ تمام انسان قبروں سے بشکل انسانی اٹھیں گے، پھر محشر میں پہنچ کر بعض کی صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔ یہاں بھی ان لوگوں کا چیونٹیوں کی شکل میں ہونا محشر میں پہنچ کر ہی ہوگا۔ (مرقات) دوزخ میں لوگوں کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ چنانچہ بعض دوزخی کتوں کی شکل میں ہوں گے بعض سوروں اور گدھوں کی شکل میں، نیز بعض جنتی دنیا میں کانے اور اندھے تھے مگر وہاں سب آنکھوں والے حسین ہوں گے۔ بولس بنا ہے بلس سے یعنی یاس و ناامیدی، کیونکہ وہاں سے نکلنے کی امید نہ ہوگی، اس لیے اس مقام کا نام بولس ہے۳؎ یعنی جیسے پانی میں ڈوبنے والا ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ آگ کے سمندر میں ڈوبے ہوں گے، ہر طرف سے آگ ہوگی اور اس آگ میں تمام مختلف آگوں کی گرمی جمع کر دی گئی ہوگی۔ اسے آگوں کی آگ فرمایا گیا۴؎ اس طرح کہ ان غصہ ور متکبرین کو جہنم کے نچلے طبقہ اسفل السافلین میں رکھا جائے گا، جہاں تمام دوزخیوں کا خون پیپ کچ لہو بہ کر آتا رہے گا۔ انہیں وہ پلایا جائے گا۔ اس گندگی کا نام طینۃ الخبال ہے، خبال بمعنی فساد طینہ بمعنی بدبودار نچوڑ یہ نہایت ہی گرم، بہت بدبودار، گاڑھا ہوگا، سخت بدمزہ جسے دیکھ کر تے آئے، دل گھبرائے مگر پیاس و بھوک کے غلبہ سے کھانا پڑے گا، خدا کی پناہ۔

وَعَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَآءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(۴۸۸۰) روایت ہے حضرت عطیہ ابن عروہ سعدی سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے۲؎ اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے۳؎ اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ وضو کرے۔ (ابوداؤد)

(۴۸۸۰) ۱؎ آپ صحابی ہیں قبیلہ بنی سعد سے ہیں مگر آپ کے حالات قطعاً معلوم نہ ہوسکے ۲؎ یہاں غصہ سے مراد شیطانی نفسانی غصہ ہے،ایمانی رحمانی غصہ مراد نہیں،مسلمان غازی کو کافروں پر جو غصہ آئے وہ غصہ عبادت ہے جس پر ثواب ہے مگر اکثر شیطانی اور رحمانی غصہ میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ہم غلطی سے شیطانی غصہ کو رحمانی سمجھ لیتے ہیں ۳؎ شیطان کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں خود اس مردود کا قول موجود ہے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۷:۱۲) تونے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا(کنزالایمان) اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ابلیس جن ہے فرشتہ نہیں کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے ابلیس کی خلقت میں آگ کا غلبہ ہے جیسے انسان کی خلقت میں مٹی،خاک کا غلبہ ہے،اس لیے اسے ناری نہیں خاکی کہا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۴۸۸۱) روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،جب تم میں سے ۱؎ کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر اگر غصہ دفع ہوجائے تو فبہا،ورنہ لیٹ جائے ۲؎ (احمد،ترمذی)

(۴۸۸۱) ۱؎ یعنی جیسے حسی آگ حسی پانی سے بجھائی جاتی ہے،ایسے ہی باطنی آگ باطنی پانی سے بجھائی جائے۔وضو دونوں سے مرکب ہے کہ اس میں حسی پانی کا استعمال ہے اور یہ جسم و دل اور روح کی پاکی کا ذریعہ ہے،اسی لیے غصہ کی آگ وضو سے بجھتی ہے یہ نبوی طب کا نسخہ مجرب ہے جس سے یونانی طبیب بے خبر ہیں۔شعر:

چند خوانی حکمت یونانیاں   حکمت ایمانیاں زاہم بخواں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے اور بھی علاج بیان فرمائے ہیں۔مثلاً لاحول شریف پڑھنا،اعوذ باللہ پڑھنا۔مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے: وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۷:۲۰۰) اور اے سننے والے!اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے(کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ(کنزالایمان) یعنی جب تمہیں شیطان کا اثر پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھو،یہ غصہ بھی شیطانی اثر ہے یہ بہرحال لاحول اور اعوذ قولی علاج ہے اور وضو عملی علاج ہے۔یعنی اپنا حال بدل دینا کہ کھڑا ہو،تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے انشاء اللہ تعالٰی غصہ جاتا رہے گا۔لیٹ جانے میں اپنے کو مٹی میں ملا دینا ہے،مٹی میں تواضع ہے،انشاءاللہ تعالٰی عجز و انکسار آ جائے گا۔نیز کھڑا آدمی جلد کچھ حرکت کر گزرتا ہے بیٹھا ہوا یا لیٹا ہوا اس قدر جلدی کوئی حرکت غیر نہیں کرسکتا۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِیَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالَ . بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِیَ الْجَبَّارَ الْاَعْلٰى . بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهٰى وَلَهٰى وَنَسِیَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰى ، وَنَسِیَ الْمُبْتَدَاَ وَالْمُنْتَهٰى . بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ

(۴۸۸۲) روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرماتی ہیں،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غرور و اکڑ کرے ۱؎ اونچی شان والے کو بھول جائے ۲؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو ظلم اور زیادتی کرے ۳؎ اور جبار اعلیٰ کو بھول جائے ۴؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو کھیل میں لگ جائے اور قبرستان اور گل جانے کو بھول جائے ۵؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غرور کرے اور حد سے بڑھ جائے ۶؎ اور اپنی ابتداء و انتہاء کو بھول جائے ۷؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جو دنیا کو دین کے لیے دھوکہ

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّهَاتِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَقُوْدُهُ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُضِلُّهُ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رَّغَبٌ يُذِلُّهُ ۔ (رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَقَالَ التِّرمِذِيُّ اَيْضًا هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

دے۸ وہ بندہ برا بندہ ہے جو شبہات سے دین کو بگاڑ دے۹ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے ہوس کھینچے پھرے۱۰ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے نفسانی خواہش گمراہ کردے ۱۱ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے خواہشیں ذلیل کردیں ۱۲ (ترمذی، بیہقی شعب الایمان) اور بیہقی نے کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ۱۳ ترمذی نے بھی کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ۱۴

(۴۸۸۲) ۱ تخیل دل کا کام ہے، یعنی اپنے کو بڑا جاننا اور اختیال جسم کا کام یعنی چال ڈھال میں اپنی بڑائی ظاہر کرنا۔ اختیال کی بہت صورتیں ہیں، فقہاء کرام متکبروں کی رفتاران کی گفتاران کی بیٹھک ان کے لباس سے منع فرماتے ہیں ۲ ہمیشہ اپنے سے نیچوں کو دیکھنے سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ اپنے سے اوپروں کو دیکھنے سے عجز وانکسار پیدا ہوتا ہے۔ جب اپنی شان اچھی معلوم ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر نظر کرو اپنے کو بہت نیچا پاؤ گے ۳ مظلومین پر زیادتی تجبر ہے اور غرباء و مساکین پر زیادتی اعتداء ہے، یعنی اپنی حد سے آگے بڑھنا ۴ یعنی اسے یہ خیال نہ آئے کہ میرا رب مجھ سے زیادہ قوی اور قادر ہے اگر میں اس کی پکڑ میں آ گیا تو کیسے چھوٹوں گا ۵ اپنی حقیقت کو بھول جانا سہو ہے اور غافل کرنے والی چیزوں میں مشغول ہوجانا لہو ۶ جو شخص اپنے انجام کو یاد رکھے تو ان شاء اللہ کبھی غافل نہ ہو۔ انجام یاد دلانے والی چیز قبر ہے یہ گردوغبار جو نالیوں میں پڑ رہے ہیں صد ہا بادشاہ، وزراء، امراء ہیں جو خاک بن کر اڑتے پھر رہے ہیں ۷ یعنی نہ یہ خیال کرے کہ پہلے میں ایک قطرہ ناپاک تھا پھر کمزور بچہ اور آئندہ میں خاک میں مل کر خاک ہوجاؤں گا درمیان کی اس قوت و دولت پر غرور کرنا عقل کی بات نہیں۔ شعر:۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں پھولو ۔۔۔ جائز ہے جہازوں میں اڑو یا چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ مسکین کا رکھو یاد ۔۔۔ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

۸ اس طرح کہ نیکوں کی سی شکل بنائے اچھے اعمال کرکے دکھائے تاکہ لوگ اس کے پھندے میں آ جائیں اور وہ ان کو اپنے جال میں لے لے جیسا آج کل بہت ہو رہا ہے۔ یختل بنا ہے ختل سے بمعنی دھوکہ دینا کسی کو فریب میں لے لینا۔ دنیا سے مراد دنیا والے ہیں ۹ اس طرح کہ وہ غلط تاویلوں سے حرام کھاتا ہو اور اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کرے بدمعاش ہو مگر صالح بن کر لوگوں کے سامنے آئے اس طرح اپنا دین خراب کرے ۱۰ یعنی دنیاوی لالچ خدا تعالیٰ سے ہٹا کر مخلوق کے دروازوں پر پھرائے ہر جگہ ٹھوکریں کھلائے۔ کسی نے امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیمیا کیا ہے، فرمایا دو باتیں کیمیا ہیں اللہ پر نظر مخلوق سے ناامیدی۔ قناعت نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ قناعت نصیب کرے (مرقات) ۱۱ خواہش نفسانی طمع کا نتیجہ ہے طمع اور ہوٰی لازم ملزوم ہیں، جب طمع ترقی کر جاتی ہے تو انسان بے دین بھی بن جاتا ہے۔ حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے ۱۲ یعنی دولت عزت کی غلط خواہش اسے در در پھرائے ٹھوکریں کھلائے۔ خیال رکھو کہ دولت، عزت، ایمان، عرفان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں ہے، ان کے ہوجاؤ جو مانگو سو پاؤ۔ شعر:۔

آنکس کہ درخویش براند ۔۔۔ آن را کہ بخواند بہ درکس نہ دواند

اگر ہم ان کے ہوجائیں تو دنیا ہماری ہوجائے اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ شعر:۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی ۔۔۔ ان کے در سے جو پھرا، اللہ اس سے پھر گیا

۱۳ کیونکہ اس کی اسناد میں ہاشم ابن سعید کوفی ہیں انہیں محدثین نے ضعیف مانا ہے مگر یہ حدیث طبرانی، بیہقی، حاکم نے بہت اسنادوں سے روایت کی ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن ہے کہ زیادہ اسنادوں سے ضعیف حدیث بھی قوی ہوجاتی ہے (مرقات) ۱۴ غرابت صحت کے خلاف

نہیں، لہٰذا یہ حدیث غریب بھی ہے صحیح بھی، اگر ضعیف بھی ہو تب بھی فضائل اعمال میں قبول ہے (مرقاۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۴۸۸۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی بندے نے اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر نہ پیا، جسے بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے پی لے[1] (احمد)

(۴۸۸۳) [1] یعنی جو شخص مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے اپنا غصہ پی لے اور قادر ہونے کے باوجود غصہ جاری نہ کرے وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجے والا ہے۔ غصہ پینا ہے تو کڑوا مگر اس کا پھل بہت میٹھا ہے غصہ کو گھونٹ فرمایا، کیونکہ جیسے کڑوی چیز بمشکل تمام گھونٹ گھونٹ کرکے پی جاتی ہے، ایسے ہی غصہ پینا مشکل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَالْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاِسَاءَةِ فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمَهُمُ اللّٰهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ قَرِيْبٌ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا)

(۴۸۸۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق کہ بھلائی کے ذریعہ دفع کرو، فرمایا وہ بھلائی کے غصہ کے وقت صبر ہے اور برائی کے وقت معافی ہے[1] لوگ جب کریں گے تو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے گا اور ان کا دشمن ان کے سامنے پست ہوجائے گا گویا وہ قریبی دوست ہے[2] (بخاری، تعلیقًا)

(۴۸۸۴) [1] یعنی اس آیت کریمہ میں احسن سے مراد صبر کرنا ہے چونکہ صبر کرنا بدلہ لینے سے اچھا ہے۔ اس لیے اسے احسن فرمایا گیا۔ نیز لوگوں کی برائی کو معاف کردینا سزا دینے سے افضل ہے۔ اس لیے اسے بھی احسن کہا گیا مگر یہ اچھائی اپنے ذاتی معاملات کے متعلق ہے دینی، قومی، ملکی جرم کرنے والوں کو ہرگز معافی نہ دی جائے انہیں، ضرور سزا دی جائے۔ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے چور کو معاف نہ فرمایا[2] یعنی ایسی معافی سے اللہ تعالٰی اسے اس کے احباب کو لوگوں کی شر سے بچائے گا اور اس کی عزت بڑھائے گا۔ دیکھ لو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجرموں کو معافیاں دیں تو اب تک اس کی دھوم مچی ہوئی ہے اور وہ لوگ ان کے تابعدار بن گئے۔ اخلاقی معافی اعلٰی چیز ہے، مجبوری کی معافی بری ہے۔

وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۸۵) روایت ہے حضرت بہز ابن حکیم سے[1] وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے[2] جیسے ایلوا (تمہ) شہد کو[3]

(۴۸۸۵) [1] آپ کا نام بہز ابن حکیم ابن معاویہ قشیری ہے، آپ تابعی ہیں، ثقہ ہیں[2] غصہ اکثر کمال ایمان کو بگاڑ دیتا ہے مگر کبھی اصل ایمان کا ہی خاتمہ کردیتا ہے لہٰذا یہ فرمان عالی نہایت درست ہے اس میں دونوں احتمال ہیں[3] ایلوا ایک کڑوے درخت کا جما ہوا رس ہے، سخت کڑوا ہوتا ہے اگر شہد میں مل جائے تو تیز میٹھا [illegible] کا چکھنا مشکل ہوجاتا ہے نیز دونوں مل کر سخت نقصان دہ

ہو جاتے ہیں۔ اکیلا شہد بھی مفید ہے اور اکیلا ایلوا بھی فائدہ مند مگر مل کر کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ جیسے شہد و گھی ملا کر کھانے سے برص کا مرض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے یوں ہی مچھلی اور دودھ یعنی مومن کا ناجائز غصہ بڑھ جائے تو اس کا ایمان برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے یا کمال ایمان جاتا رہتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَآيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَّفِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَّمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَّفِیْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ)

(۴۸۸۶) روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ نے منبر پر فرمایا[۱] اے لوگو انکساری اختیار کرو[۲] کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کے لیے انکسار و عجز کرتا ہے اللہ اسے اونچا کر دیتا ہے[۳] تو وہ اپنے دل کا چھوٹا ہوتا ہے، اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا[۴] اور جو غرور کرتا ہے اللہ تعالٰی اسے نیچا کر دیتا ہے تو وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے دل میں بڑا[۵] حتی کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے[۶]

(۴۸۸۶) [۱] یعنی آپ نے کسی خاص شخص سے معمولی طریقہ سے نہ کہا بلکہ بہت اہتمام کے ساتھ برسر منبر اعلان فرمایا[۲] یعنی ہر مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ نرم رہے رب تعالٰی مومنوں کی صفت یوں فرماتا ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۵:۵۴) مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت (کنزالایمان)[۳] یہ قاعدہ بہت ہی مجرب ہے جو کوئی اپنے کو رضاء الٰہی کے لیے مسلمانوں کے لیے نرم کر دے ان کے سامنے انکسار سے پیش آئے تو اللہ تعالٰی لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت پیدا فرما دیتا ہے اور اسے بڑی بلندی بخشتا ہے[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اللھم اجعلنی فی نفسی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا الٰہی! مجھے میری اپنی نگاہ میں چھوٹا لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔ حضرات اولیاء اللہ ہمیشہ اپنے کو عاجز و گنہگار سمجھتے اور لوگ ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں۔ شعر:۔

بہر درش گیتی جبیں فرسودہ است | خویش را عبدہ فرمودہ است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے کو بندہ فرمایا، دنیا ان کے آستانے پر ماتھا ٹیکتی ہے آج حضور کے آستانہ کا غبار بھی قیمتی ہے[۵] جیسا آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بعض لوگ شیخی کے مارے اکڑے جاتے ہیں لوگ انہیں گالیاں دیتے ہیں انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں۔ دیکھ لو، ابلیس اپنے آپ کو بہت ہی اونچا سمجھتا ہے مگر دنیا اس پر لعنت و پھٹکار کر رہی ہے یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور[۶] لوگوں کی نگاہ میں اس کی یہ ذلت اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی ذلیل ہے مومنوں کی نگاہ میں ذلت مردودیت کی دلیل ہے، خدا کی پناہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ)

(۴۸۸۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں سے کون زیادہ عزت والا ہے فرمایا کہ جب قدرت پائے بخش دے[۱]

(۴۸۸۷) [۱] جو قدرت پا کر بخش دے وہ سنت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اللہ تعالٰی قادر ہے مگر غفور رحیم ہے، ہمارے گناہ بخشتا رہتا ہے اور بخشے گا۔ خیال رہے کہ گناہ قابل بخشش ہیں نہ کہ غداری کہ غداری قابل بخشش نہیں۔ اس لیے رب تعالٰی انہیں نہ بخشے گا۔ جو کفر پر مر جائیں یوں ہی ہم اپنے مجرم کو ضرور بخشیں مگر دین، قوم، ملک کے دشمن کو ہرگز نہ بخشیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۸۸۸) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ تعالٰی اس کے عیب چھپالے گا[1] اور جو اپنا غصہ روکے اللہ تعالٰی اس سے قیامت کے دن اپنا عذاب روک لے گا[2] اور جو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں معذرت کرے اللہ تعالٰی اس کے عذر قبول کرلے گا[3]

(۴۸۸۸) [1] اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جو اپنی زبان سے لوگوں کے عیوب بیان نہ کرے اوروں کے عیوب چھپائے تو اللہ تعالٰی اس کے عیوب دنیا وآخرت میں چھپائے گا۔دوسرے یہ کہ اکثر خاموش رہے تو اس کے عیوب چھپے رہیں گے۔عیب وہنر زبان سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔شعر:۔

تامرد سخن نہ گفتہ باشد عیب وہنرش نہفتہ باشد

[2] یعنی اس پر غضب نہ فرمائے گا۔جیسا عمل ویسا بدلہ[3] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جو اللہ کے لیے دوسرے مجرموں کے عذر قبول کرکے انہیں معافی دے دے گا،رب تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمائے گا،اس کو معافی دے گا۔دوسرے یہ کہ بڑے سے بڑا مجرم اگر توبہ کرے تو بخش دیا جائے گا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُّنْجِيَاتٌ وَّثَلٰثٌ مُّهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضٰى وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُّتَّبَعٌ وَّشُحٌّ مُّطَاعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۸۸۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں[1] اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی۔لیکن نجات دینے والی تو وہ اللہ سے ڈرنا ہے خفیہ اور علانیہ[2] اور سچی بات کہنا ہے خوشی اور ناخوشی میں اور درمیانی چال ہے امیری اور فقیری[3] میں لیکن ہلاک کرنے والی چیزیں تو وہ نفسانی خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے[4] اور بخل ہے جس کی اطاعت ہو[5] اور انسان کا اپنے کو اچھا جاننا[6] یہ ان سب میں سخت تر ہے[7] ان پانچوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

(۴۸۸۹) [1] یعنی نجات،چھٹکارا اور قصد تین چیزیں ہیں[2] یعنی لوگوں کے سامنے اور خلوت،ہر حالت میں نیک کام کرے اور اللہ سے ڈرے اللہ کا ڈر تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔اللہ نصیب کرے[3] یعنی ہر حالت میں سچ بولے غصہ اور خوشی اسے حق گوئی سے باز نہ رکھے اور اپنا خرچ درمیانہ رکھے نہ بخل کرے نہ فضول خرچی کمانا ایک کمال ہے اور صحیح خرچ کرنا پچاس کمال،درمیانی چال ہمیشہ ہی مفید ہے[4] کہ جو دل چاہے وہ کرے جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے اس کی باگ ڈور نفس امارہ کے ہاتھ میں ہو ظاہر ہے کہ ایسا شخص ہلاک ہی ہوگا[5] پرایا مال ناحق کھانا اپنے ذمہ جو حقوق ہوں وہ ادا نہ کرنا گناہ میں مشغول رہنا یہ سب بخل کی اطاعت ہی سے ہوتا ہے بخل کا نتیجہ حرص ہے۔(مرقات)[6] یعنی کسی کی بات نہ ماننا خواہ کتنی اچھی ہو۔اپنی بات منوانا۔خواہ کتنی ہی بری ہو،اپنے کو کامل سمجھنا دوسروں کو ناقص جاننا یہ بھی تکبر کی ایک قسم ہے[7] کیونکہ ہر عیب سے پاک ہونا ہر خوبی سے موصوف ہونا اللہ تعالٰی کی صفت ہے جو اپنے کو ایسا سمجھے وہ اپنے کو خدا کا ہمسر سمجھتا ہے۔ہم سب عیب دار ہیں بے

عیب ذات اللہ تعالٰی کی ہے یا اس کی جسے بے عیب بنادے۔جیسے فرشتے یا حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض اولیائے کرام۔

بَابُ الظُّلْمِ — ظلم کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ظلم کے لغوی معنی ہیں اندھیرا تاریکی اس سے ہے ظلمت اور ظلمات۔اصطلاح میں ظلم کے تین معنی ہیں۔کسی کا حق مارنا،کسی کو غیر محل میں خرچ کرنا،کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا۔اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے۔یہاں ظلم سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا۔سیدنا عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ساری دنیا کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں۔یہاں ظلم کے پہلے دو معنی سے کوئی معنی مراد ہیں۔عارفین فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے ہم کو دل بخشا ہے اپنا ذکر اپنی فکر اپنی محبت کے لیے جو کوئی اپنا دل اس کے علاوہ کسی کام میں صرف کرے وہ اپنے پر ظلم کرتا ہے ایک صوفی فرماتے ہیں۔شعر:

علیک بہا صرفا وان شنت ضربہا — فعدلک عن ظلم الحبیب ھو الظلم

ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں،یہاں ہر قسم کا ظلم مراد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۹۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا[1] (مسلم،بخاری)

(۴۸۹۰)[1] یعنی ظلم خواہ کسی قسم کا ہو قیامت میں اندھیروں کا باعث بنے گا۔لہذا انصاف وعدل قیامت میں انشاء اللہ تعالٰی نور کا سبب بنے گا۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ بوؤگے وہی کاٹو گے یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔کفر وشرک بھی ظلم ہے گناہ و بدکاری بھی ظلم۔کسی کو ستانا بھی ظلم۔ان کے درجے مختلف ہیں۔بدترین ظلم کفر وشرک ہے اس کے بعد دوسروں کا حق مارنا۔اس کے علاوہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرنا۔جیسا ظلم ویسی قیامت میں تاریکی۔ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (۲۴:۴۰) اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔(کنز الایمان) اللہ تعالٰی ظلم سے بچائے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي الظَّالِمَ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَاَ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ الْاٰيَةَ .(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۹۱) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں[1] پھر یہ آیت تلاوت کی آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے حالانکہ وہ بستیاں ظالم ہوں[2] (مسلم،بخاری)

(۴۸۹۱)[1] یہاں ظالم میں تین احتمال ہیں یا اس سے مراد لوگوں کے حقوق مارنے والا ہے یا مراد مطلقاً گنہگار یا کافر۔پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔وہ بندہ خوش نصیب ہے جو پہلے گناہ پر ہی پکڑ لیا جائے وہ بہت ہی بدنصیب ہے جس کو گناہ پر نعمتیں ملتی رہیں۔گناہوں پر جلدی پکڑ نہ ہونا رب تعالٰی کا غضب ہے کہ انسان اس سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا — دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

۲؎ اس آیت کریمہ میں بستیوں سے مراد ان کفار کی بستیاں ہیں، جن پر عذاب الٰہی آیا کہ وہاں کے باشندوں کو اولاً بہت ڈھیل دی گئی۔ پھر ہلاک کر دیئے گئے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا مَسَاكِنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مَّا اَصَابَهُمْ ثُمَّ قَنَّعَ رَاْسَهٗ وَاَسْرَعَ السَّيْرَ حَتّٰى اجْتَازَ الْوَادِيَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۸۹۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر میں گزرے۱؎ تو فرمایا ظالموں کے گھروں میں نہ داخل ہو، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا مگر اس طرح جاؤ کہ تم اس خوف سے روتے ہو کہ تم کو بھی وہ عذاب پہنچے۲؎ جو انہیں پہنچا۔ پھر اپنا سر جھکا لیا اور رفتار تیز فرمالی حتیٰ کہ اس علاقہ کو طے کرلیا۳؎ (مسلم، بخاری)

(۴۸۹۲) ۱؎ حجر وہ جگہ ہے جہاں صالح علیہ السلام کی قوم یعنی قوم ثمود آباد تھی، یہ جگہ تبوک جاتے ہوئے راستہ میں پڑی اور یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے۔ وہاں عذاب الٰہی آیا تھا، اب اس کے کھنڈرات موجود ہیں۲؎ معلوم ہوا کہ جہاں عذاب الٰہی آچکا ہو، وہاں جانا نہ چاہیے کہ وہاں اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ تم بھی اس میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ اس سے پتا چلا کہ جہاں اللہ کی رحمتیں آچکی ہوں وہاں ضرور جانا چاہیے کہ وہاں اب بھی نزول انوار ہے تم بھی اس میں کچھ پاؤ گے۔ مثلاً صفا، مروہ پہاڑ یا منٰی، مزدلفہ، عرفات یوں ہی حضرات اولیاء اللہ کے آستانے تا قیامت انوار الٰہی کے مقامات ہیں۳؎ قوم ثمود کے کنویں کا پانی پینے سے بھی حضور نے منع فرمادیا۔ بلکہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، ان کا گوندھا ہوا آٹا بھی پھینکوا دیا، اس سے پتا لگا کہ مکین کا اثر مکان میں ہوتا ہے۔ یوں ہی بندوں کا اثر زمانہ میں ہو جاتا ہے، جس جگہ یا جس وقت اللہ کے مقبول بندے نے عبادت کی ہو وہ جگہ، وہ وقت قبولیت کے ہو جاتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہر میں بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ اچھے برے لوگوں کی صحبت میں تاثیر ہے (مرقات) مصر میں فرعون پر عذاب نہ آیا، لہٰذا وہاں رہنا ممنوع نہیں۔ طوفان نوح کفار کے لیے عذاب تھا مگر مومنوں کے لیے رحمت لہٰذا اس کا حکم کچھ اور ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْشَيْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّاٰتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۸۹۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا اپنے بھائی مسلمان پر کوئی ظلم ہو اس کی آبرو کا یا کسی اور چیز کا۱؎ وہ اس سے آج ہی معافی لے لے۲؎ اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار ہو نہ درہم۳؎ اگر اس ظالم کے پاس نیک عمل ہوں گے تو بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے۴؎ اور اگر اس کے نیکیاں نہ ہوں گی۵؎ تو اس مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۶؎ (بخاری)

(۴۸۹۳) ۱؎ یعنی جس نے اپنے بھائی مسلمان کی ناحق بے آبروئی کی ہو یا اس کا مال مارا ہو یا ناحق دبایا ہو یا کسی اور طرح کا اس پر ظلم کیا ہو۲؎ یعنی اپنی اور اس کی موت سے پہلے اس سے معافی لے لے آج سے مراد دنیا کے دن ہیں، معافی مانگنے کی چند صورتیں ہیں ۱-قرض ہو تو ادا کردے، ۲-اسے مارا پیٹا ہو تو قصاص دے دے یا ان تمام سے معافی مانگ لے اور وہ بخوشی معافی کردے۔ ۳-اگر قرض خواہ مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو قرض ادا کردے۔ ۴-اور اگر وارث معلوم نہ ہوں تو اس کے نام پر خیرات کردے۔ ۵-مرحوم کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے اسے ثواب ایصال کرتا رہے مگر اس آخری صورت میں معافی کی امید ہے یقین نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ خود اس سے معافی مانگے، بلکہ یہ

کوشش کرے کہ کسی کا حق نہ مارے۳؎ اس سے مراد قیامت کا دن ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو روپیہ پیسہ خرچ کرکے معافی ہوسکتی ہے، مگر قیامت میں یہ صورت ناممکن ہے، وہاں نہ تو کسی کے پاس مال ہوگا اور نہ مال کے ذریعہ معافیاں حاصل ہوں گی۴؎ اور مظلوم کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں گے جیسے ظالم کے صدقات، خیرات وغیرہ شامل ہیں کہ تین پیسہ قرضے کے عوض مقروض کی سات سونمازیں قرض خواہ کو دلوادی جائیں گی۔ نمازیں بھی وہ جو باجماعت ادا کی ہوں اگر قرض خواہ کافر ہے تو اس کا عذاب ہلکا کردیا جائے گا یا اس کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۵؎ یا اس طرح کہ ظالم کے پاس نیکیاں ہوں ہی نہیں یا اس طرح کہ نیکیاں تو تھیں مگر حقوق والے لے گئے اس کے پاس سے ختم ہوگئیں مگر حقوق باقی رہے۶؎ یا تو اس طرح کہ مظلوم کے گناہ جسمانی شکل میں ہوں اور ظالم پر لاد دیئے جائیں یا ان گناہوں کے عوض ظالم کو سزا دے دی جائے اور مظلوم کو نجات۔ خیال رہے کہ کوئی شخص قیامت میں کسی کا گناہ خودخوشی سے نہ اٹھائے گا لیکن اگر رب تعالٰی کی طرف سے جبراً ڈال دیا جائے تو انکار بھی نہ کرسکے گا۔ اس حدیث کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (۲۹:۱۳) اور بے شک ضرور اپنے بوجھ اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ (کنزالایمان) حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت نہیں اور اس آیت کے خلاف نہیں کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (۶:۱۶۴) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (کنزالایمان) اور نہ اس کے خلاف ہے وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ (۲۹:۱۲) نہ اس کے خلاف ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کہ ان آیات میں بخوشی دوسرے کے گناہ اٹھانے کی نفی ہے، ورنہ اس آیت وحدیث میں جبراً ڈال دیئے جانے کا ثبوت ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۸۹۴) روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس وکنگال کون ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان۱؎ تو فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوۃ لے کر آیا۲؎ اور یوں آئے کہ اسے گالی دی، اسے تہمت لگائی اس کا مال کھایا اس کا خون بہایا، اسے مارا۳؎ تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس مظلوم کو دے دی جائیں اور کچھ اس مظلوم کو۴؎ پھر اگر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں۵؎ تو ان مظلوموں کی خطائیں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جائیں۶؎ پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے۷؎ (مسلم)

(۴۸۹۴) ۱؎ یہاں مفلس سے مراد کامل پورا پورا غریب ہے یا وہ جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہو مگر حقیقۃً مفلس ہو۲؎ یعنی ہم لوگ اپنے محاورہ واصطلاح میں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو بہر حال حضور کا سوال حقیقت پر مبنی ہے، صحابہ کرام کا جواب عرف پر ہے۳؎ یعنی نیک اعمال سے بھرپور آئے مالی، بدنی ہر طرح کی نیکیاں اس کے پاس ہوں۔ خیال رہے کہ دنیا کی تونگری مال سے ہے، آخرت کی تونگری اعمال سے مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعمال سے مراد مقبول نیکیاں ہیں جو شرعاً درست ہوں اور عنداللہ قبول ہوں۴؎ خیال رہے کہ تقویٰ کے دو بازو ہیں ایک بلکہ پہلا بازو ہے، بری چیزوں خصوصاً لوگوں کی حق تلفی سے بچنا دوسرا بازو ہے نیک اعمال کرنا۔ یہ نفی ہے اور اثبات کا مجموعہ تقویٰ ہے۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ گنہگار بھی حضور کا امتی ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی فرمایا۔ دوسرے یہ کہ گنہگاروں کی نیکیاں

بھی قبول ہوسکتی ہیں ہاں نیکیوں کا بقااس سے ہے کہ اس نے کسی کے حق نہ مارے ہوں ۵ اس طرح کہ اس ظالم کی کچھ نیکیاں قرض خواہ لے لیں کچھ دوسرے مظلوم لوگ یہ لائے سب کچھ مگر بچے کچھ نہیں ۶ تفسیر روح البیان نے ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے کہ ایک کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بعض کا اس بھی زیادہ۔ یہ چھین لیا جانا اس زیادتی میں ہوگا۔ اصل ایک نیکی بھی نہ چھنے گی، یونہی روزہ قرض دار کو نہ دیا جائے گا کہ فرمایا جائے گا اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کا عوض ہوں ۷ اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد میں شفاعت نہ ہوگی۔ جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کردے (مرقات) ۸ یقیہ قرضوں کے عوض اس سے معلوم ہوا کہ قرض بلکہ سارے حقوق العباد کی نہ معافی ہے، نہ شفاعت بغیر صاحب حق کے معاف کیے معاف نہیں ہوتے (مرقات) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ روپیہ پیسہ کی مفلسی عارضی ہے جو موت آنے پر بلکہ کبھی زندگی میں ہی دولت مل جانے پر ختم ہوجاتی ہے۔ یہ مفلسی وہ ہے جو مرے بعد بھی ختم نہیں ہوتی۔ ابھی عرض کیا گیا کہ اصل نیکی اہل حقوق کو نہ دی جائے گی بلکہ وہ زیادتیاں جو رب کے فضل سے ملی ہیں روزہ کی اصل کسی کو نہ دی جائے نہ زیادتی۔ اہل حقوق کے گناہ ظالم پر ڈالنا عین عدل ہے، دنیا میں مقروض کا مکان، سامان اہل حقوق کو دے دیئے جاتے ہیں وہاں اگر ایسا ہو تو مضائقہ نہیں خیال رہے کہ یہاں سیات سے مراد برے عقائد نہیں بلکہ برے اعمال ہیں وہ بھی صغیرہ۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان پر کافر کا قرض رہ گیا تو اس کا کفر یا زنا، چوری وغیرہ اس پر نہ ڈالی جائے گی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰى اَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوا الظُّلْمَ فِيْ بَابِ الْاِنْفَاقِ.

(۴۸۹۵) روایت ہے انہیں فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ حقوق حق والوں کے سپرد کرو گے قیامت میں ۱ حتی کہ منڈی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا ۲ (مسلم) حضرت جابر کی حدیث اتقوا الظلم باب الانفاق میں ذکر کی جاچکی ہے ۳

(۴۸۹۵) ۱ یعنی اگر دنیا میں تم نے لوگوں کے حقوق ادا نہ کیے تو لامحالہ قیامت میں ادا کرو گے دنیا میں مال سے وہاں اعمال سے۔ بہتر ہے کہ یہاں ہی ادا کردو ورنہ پچھتاؤ گے ۲ یعنی اگر دنیا میں سینگ والی بکری نے منڈی یعنی بے سینگ والی بکری کو سینگ گھونپا تو قیامت میں اس کے سینگ منڈی بکری کو دے دیئے جائیں گے اور وہ اس کے عوض میں سینگ گھونپے گی یہ عوض تکلیف کا نہیں کیونکہ جانور شرعی احکام کے مکلف نہیں، بلکہ عوض مقابلہ کا ہے بہرحال حقوق العباد میں نبی کی شفاعت نہیں۔ حقوق العباد کی معافی رب کی طرف سے نہیں۔ حقوق العباد جانوروں کو بھی ادا کرنے ہوں گے۔ آج لوگوں نے یہ ہی آسان سمجھ رکھے ہیں ۳ یعنی مصابیح میں وہ حدیث مکرر تھی، کتاب الزکوۃ باب الانفاق میں تھی اور یہاں بھی ہم نے صرف وہاں ایک جگہ بیان کی یہاں بیان نہیں کی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَآءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۹۶) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ تابع نقال نہ بنو ۱ کہ کہو اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے ۲ لیکن اپنے نفس کو قرار دو کہ لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو (ترمذی)

(۴۸۹۶) ؎ امعہ الف کے کسرہ میم کے شد سے ہے امعہ وہ شخص ہے جس کی خود اپنی رائے کچھ نہ ہو جو دوسروں کو کرتے دیکھے خود بھی کرنے لگے یعنی دوسروں کا مقلد (ت) مبالغہ کی ہے، تانیث کی نہیں، اس لیے امعہ عورت پر نہیں بولا جاتا مرد کو کہا جاتا (اشعۃ اللمعات) ؎۲ یہ فرمان عالی لفظ امعہ کی شرح ہے، خیال رہے کہ ظلم کی سزا ظالم کو دینا ظلم نہیں یہ تو اچھا ہے۔ ہاں ظلم کے عوض پر ظلم کرنا برا ہے۔ مثلاً چور کے گھر سے اس کا مال چرالینا جو زید کی بیوی سے زنا کرے تو زید اس زانی کی بیوی سے زنا کرے یہ حرام ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کو سنگسار کرنا یہ ہے ظلم کی سزا یہ تو اچھی چیز ہے لہذا حدیث واضح ہے۔ ظالم کو سزا اور ظالم پر ظلم کرنے کا فرق ابھی عرض کیا گیا۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ ظالم کو قانون سے زیادہ سزا دینا بھی ظلم ہے اور یہ بھی حرام ہے اگر چور کے بجائے ایک ہاتھ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں یا اسے قتل کردیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ ظالم پر بھی ظلم کرنا حرام ہے۔ اس کی بھی پکڑ ہے۔

وَعَنْ مُّعَاوِيَةَ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عَآئِشَةَ اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۸۹۷) روایت ہے حضرت معاویہ سے ؎۱ کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو لکھا کہ آپ مجھے خط لکھیں جس میں مجھے وصیت کریں اور زیادہ نہ کریں ؎۲ آپ نے انہیں لکھا کہ تم پر سلام ہو، بعد اس کے کہتی ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کی خوشنودی لوگوں کی ناراضی سے کفایت کرے گا اللہ اسے لوگوں کی مصیبت سے بچائے گا ؎۳ اور جو کوئی خوشنودی اللہ کی ناراضی سے تلاش کرے گا ؎۴ تو اللہ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا ؎۵ السلام علیک ؎۶ (ترمذی)

(۴۸۹۷) ؎۱ معاویہ سے مراد حضرت امیر معاویہ بن سفیان ہیں، رضی اللہ عنہما۔ آپ خود اور آپ کے والد دونوں مشہور صحابی ہیں۔ شاید آپ نے یہ خط اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے دارالخلافہ دمشق سے ام المومنین کی خدمت میں لکھا ؎۲ یعنی جامع نصیحت فرمادیں کیونکہ آپ اہل بیت نبوت سے ہیں کلمات جامعہ آپ کے ہاں کی خصوصیت ہے مجھے بھی اس سے حصہ دیں ؎۳ یعنی جو مسلمان اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے تو اگر چہ لوگ اس سے ناراض ہو جائیں مگر ان شاء اللہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ تعالٰی اسے لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔ جس کا اب بھی تجربہ ہو رہا ہے ؎۴ یعنی ایک کام سے لوگ تو خوش ہوتے ہوں، مگر وہ شرعاً حرام ہو یہ شخص لوگوں کی خوشنودی کے لیے وہ کام کرے اللہ تعالٰی کی ناراضی کی پرواہ نہ کرے وہ انہیں لوگوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگا جن کی خوشنودی کے لیے اس نے یہ حرکت کی ؎۵ پھر وہی لوگ اس خوشامدی آدمی کو ہلاک یا ذلیل و خوار کردیں گے۔ جنہیں خوش کرنے کو اس نے اپنے رب کو ناراض کرلیا۔ لہذا سب کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کرو۔ کسی کی خوشنودی کے لیے گناہ یا کفر یا شرک نہ کرو ؎۶ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ خط کے اول آخر میں سلام لکھا جائے درمیان میں مضمون کہ جناب ام المومنین نے یہاں ایسا ہی کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِ

(۴۸۹۸) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے، فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ؎۱

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِا بْنِهٖ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ لَّيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِاِبْنِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر گراں گزری [2] انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کون ہے کہ جس نے اپنے پر ظلم نہ کیا ہو [3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مراد نہیں ظلم تو شرک ہے [4] کیا تم نے لقمان کا فرمان اپنے فرزند سے نہ سنا کہ اے میرے بچے شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک بڑا ظلم ہے [5] اور ایک روایت میں ہے کہ جو تم سمجھتے ہو وہ مراد نہیں یہ تو ایسا ہے جیسا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا [6] (مسلم، بخاری)

(۴۸۹۸) [1] مشرکین عرب اپنا خالق، رازق، رب تعالٰی کو جانتے مانتے تھے مگر پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے اور حج و عمرہ کے تلبیہ میں کہتے تھے۔ **لا شریك لك الا شریكا واحدا** یہ آیت کریمہ ان کی تردید کے لیے نازل ہوئی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے [2] اس لیے کہ وہ حضرات سمجھے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ امن و ہدایت اسے ملے گی جو ایمان لا کر کبھی گناہ نہ کرے تو سمجھے کہ ایسا شخص دنیا میں کون ہوگا جو کبھی گناہ نہ کرے۔ قرآن مجید میں شرک و کفر کو ظلم کہا گیا ہے گناہ کبیرہ کو بھی گناہ صغیرہ کو بھی اور بھول و خطا کو بھی جیسے حضرت یونس علیہ السلام کا عرض کرنا اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [3] یعنی ہم مسلمانوں میں گناہ سے کوئی نہ بچا ہوگا۔ خیال رہے کہ حضرات صحابہ کرام معصوم نہیں مگر عادل ہیں کہ ان سے بعض حضرات گناہ نہیں کرتے اور بعض سے گناہ ہو جاتا ہے مگر اس پر قائم نہیں رہتے [4] مطلب یہ ہے کہ بظلم کی تنوین تعظیمی ہے اور معنی یہ ہیں کہ بڑے گناہ یعنی شرک سے اپنا ایمان مخلوط نہ کریں خیال رہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہے کفر عام ہے اور شرک خاص بلکہ قرآن و حدیث میں اکثر شرک سے مراد کفر ہوتا ہے۔ چونکہ عرب میں شرک ہی مروج تھا، اس لیے آیات و حدیث میں اکثر فرمایا جاتا ہے [5] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے فرمادی۔ قرآن کریم ایک جگہ مشرکین عرب کا حال یوں بیان فرماتا ہے وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۰۶،۱۲) اور ان میں اکثر وہ ہیں کہ اللہ پر یقین نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے (کنزالایمان) خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں ایمان سے مراد لغوی ایمان ہے یعنی ماننا، شرعی ایمان مراد نہیں، لہذا حدیث شریف یا ان آیات پر اعتراض نہیں کہ شرک و ایمان تو ضدیں ہیں پھر جمع کیسے ہوگئے۔ کفار عرب مشرک ہو کر مومن باللہ کیسے بن گئے، یہ حدیث بالکل صاف ہے [6] خیال رہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کو شفیع یا حاجت روا یا مشکل کشا ماننا بوقت ضرورت انہیں مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں یہ چیزیں تو قرآنی آیات و احادیث صحیحہ اور عمل صحابہ سے ثابت ہیں بلکہ کسی بندے کو خدا کے برابر یا خدا کو بندہ کے برابر ماننا بھی شرک ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (۱،۶) اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۹۸،۲۶) جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے (کنزالایمان) اس کی نفیس تحقیق ہمارے رسالہ اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ فرماؤ۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَذْهَبَ اٰخِرَتَهٗ بِدُنْيَا غَيْرِهٖ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۴۸۹۹) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں میں بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ بندہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کردے [1] (ابن ماجہ)

(۴۸۹۹) [1] یہ اس طرح کہ دوسرے کو ناجائز طریقہ سے دنیا کما کر دے، دنیا اس کی بڑھائے، آخرت اپنی برباد کرے، جیسا کہ ظالم

حکام رعایا پر ظلم کرکے ناجائز ذریعوں سے بادشاہ کے خزانے بھرتے ہیں یا اس طرح کہ کسی دنیا دار کی ناجائز تعظیم و توقیر کرکے خود گنہگار ہوا کرے جیسا کہ خوشامدی لوگوں کا طریقہ ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِيْنُ ثَلٰثَةٌ دِيْوَانٌ لَّا يَغْفِرُ اللّٰهُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَدِيْوَانٌ لَّا يُتْرُكُهُ اللّٰهُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَّدِيْوَانٌ لَّا يَعْبَاُ اللّٰهُ بِهٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ فَذَاكَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَآءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ.(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۹۰۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے کہ دفتر تین قسم کے ہیں[1] ایک وہ دفتر جسے اللہ نہ بخشے گا وہ اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے[2] اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اللہ نہ بخشے گا، کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے[3] اور ایک وہ دفتر ہے جسے اللہ چھوڑے گا نہیں[4] وہ بندوں کے آپس کے ظلم ہیں، حتی کہ بدلہ لے گا ان کے بعض کا بعض سے[5] اور ایک دفتر وہ ہے جس کی اللہ تعالٰی پروانہیں کرتا وہ بندوں کا اپنے اور اللہ کے درمیان حق تلفی ہے[6] تو یہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے، اسے سزا دے اور اگر چاہے تو اس سے درگزر فرمائے[7]

(۴۹۰۰) [1] یعنی بندوں کے گناہوں کے دفتر ان کے نامہ اعمال تین طرح کے ہیں دیوان کا ترجمہ ہے رسالہ جس کے جمع کرنے سے کتاب بن جائے اس کی جمع ہے دواوین [2] یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے یعنی جو بندہ کفر کرکے بغیر توبہ مرجائے، وہ بخشا نہ جائے گا، آخرت کی بخشش مراد ہے، دنیا میں توبہ کرنے سے شرک وکفر وغیرہ سب معاف ہوجاتے ہیں۔حضور انور نے تمام مشرکوں کو ہی کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا تھا[3] اس طرح کفر بھی نہ بخشا جائے گا۔ہوسکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہو۔خیال رہے کہ کفار کے دوسرے گناہ معاف بھی ہوسکتے ہیں اور ان کا عذاب ہلکا ہوسکتا ہے، جیسے حاتم طائی سخاوت کی وجہ سے، نوشیرواں انصاف کی وجہ سے اور ابوطالب حضور کی خدمت کی وجہ سے ہلکے عذاب میں ہیں،حتی کہ ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا کیا جاتا ہے اور اسے انگلی سے پانی ملتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے مگر شرک وکفر کی بخشش یا کافر کا جنت میں داخلہ یہ ناممکن ہے[4] ان کا حساب مطالبہ ضرور کرے گا نہ بخشنے اور نہ چھوڑنے میں فرق ہے[5] بندوں پر ظلم خواہ جانی ہو، خواہ مالی، خواہ عزت وآبرو کا بہرحال حساب ضرور ہوگا اس کا قصاص جاری ہونا رب تعالٰی کا عدل ہے، مظلوموں سے ظالم کو معافی دلوادینا اس کا فضل حقوق العباد کے لیے نہ شفاعت ہے نہ رب تعالٰی کی معافی[6] یعنی عبادات میں کوتاہی کرنا اس کا حساب ہو یا نہ ہو پکڑ ہو یا نہ ہو یہ رب تعالٰی کے عدل وفضل پر موقوف ہے، وہ بے پرواہ بادشاہ ہے[7] خواہ بقدر گناہ سزا دے یا اس سے کم اور درگزر کی گئی صورتیں یا حساب لے کر معاف فرمادے یا حساب بھی نہ لے اگر دریائے رحمت جوش میں آجائے تو گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ(۲۵،۷۰) تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔(کنزالایمان)

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّمَا يَسْئَالُ اللّٰهَ حَقَّهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْنَعُ ذَاحَقٍّ حَقَّهٗ .(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۹۰۱) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو[1] وہ اللہ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حق والے کا حق اس سے نہیں روکتا[2]

(۴۹۰۱) [1] مظلوم کافر ہو یا مسلمان فاسق ہو یا پرہیزگار بددعا خواہ زبان سے ہو یا دل سے خواہ آنکھوں کے آنسوؤں سے ہو صبر کا گھونٹ پی جانے سے ان سب سے ہی بچو[2] یعنی مظلوم جو رب سے فریاد کرتا ہے تو اپنا حق مانگتا ہے رب تعالٰی کے ہاں ظلم نہیں، وہ عادل بادشاہ ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دلواتا ہے،خواہ جلدی یا دیر سے، دوسرے کا حق سخت ہڈی ہے کہ اگر نگل لی جائے تو پیٹ پھاڑ ڈالتی ہے، شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر:

مزن بر دل ناتواں دُرشتے ۔۔۔ کہ شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

بہت دفعہ ہماری دعائیں یا بزرگوں کی ہمارے لیے دعائیں اس لیے قبول نہیں ہوتیں کہ ہم نے لوگوں کے حق مارے یا دبائے ہوئے ہیں، ان کی بددعائیں پیچھے پڑی ہوتی ہیں۔

وَعَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَّشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ .(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۹۰۲) روایت ہے اوس بن شرجیل سے۱؎ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ظالم کے ساتھ اسے قوت دینے کو چلے۲؎ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۳؎ (بیہقی)

(۴۹۰۲) ۱؎ آپ صحابی ہیں شام میں رہتے تھے آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ خیال رہے کہ یہ اور صحابی ہیں اور حضرت شرحبیل بن اوش دوسرے صحابی ہیں جو حمص کے رہنے والے ہیں یہ حدیث اوس بن شرحبیل سے مروی ہے، صحابی کے حالات معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں ۲؎ چلنے سے مراد مطلقًا اس کی ظلم پر مدد دینا ہے، خواہ اس کے ساتھ چل کر ہو یا گھر میں بیٹھے بیٹھے پھر خواہ زبان سے ہو یا قلم سے ظلم کی مدد بہر حال حرام ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵-۲) اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنزالایمان) فی زمانہ ظالموں سے زیادہ ظالموں کے حمایتی لوگ ہیں۔ خصوصًا ان ظالموں کے وکیل یا ان کی ظالمانہ حرکتوں کے مقدمات کی پیروی کرنے والے ان کی ضمانت دینے والے انہیں سزا سے چھڑانے کی کوشش کرنے والے سب ہی ظالم ہیں ۳؎ یعنی یہ ظالموں کے حمایتی اسلام کے نور سے نکل گئے یا اسلام کی حقیقت سے خارج ہوگئے کہ حقیقت اسلام یہ ہے کہ لوگ اس کے شر سے سلامت رہیں۔ (مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَّقُوْلُ اِنَّ الظَّالِمَ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ بَلٰى وَاللّٰهِ حَتّٰى الْحُبَارٰى لَتَمُوْتُ فِيْ وَكْرِهَا هُزْلًا بِظُلْمِ الظَّالِمِ . (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۹۰۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ انہوں نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ ظالم صرف اپنی ذات ہی کو نقصان دیتا ہے۱؎ تو جناب ابو ہریرہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم۲؎ حتی کہ بٹیریں اپنے گھونسلے میں دبلی ہوکر مرجاتی ہیں ظالم کے ظلم کی وجہ سے۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔

(۴۹۰۳) ۱؎ وہ شخص بری نیت سے یہ کہہ رہا تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کررہا تھا وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (۴۶-۴۱) اور جو برائی کرے اپنے برے کو (کنزالایمان) مگر اس کی نیت تھی کہ ظالموں کے حمایتیوں کی صفائی بیان کرے کہ وہ گنہگار نہیں ہوئے حالانکہ ظلم کی حمایت بھی ظلم ہے حضرت ابو ہریرہ نے اس کی نیت فاسد کو سمجھ لیا ۲؎ یعنی ظلم اپنی لپیٹ میں بہت کو لے لیتا ہے ظالم کے حمایتی ساتھ میں رگڑ جاتے ہیں کہ وہ بھی ظالم ہی ہوتے ہیں۔ چور کی مدد کرنے والے مجرم ہیں ۳؎ یعنی جب ظلم بڑھ جاتے ہیں تو بارش بند ہوجاتی ہے۔ جس سے چڑیاں حتی کہ بٹیریں بھی بھوکی پیاسی مرجاتی ہیں۔ بٹیر بہت دور جاکر دانہ پانی حاصل کرلیتی ہے۔ بعض ایسی جگہ بٹیروں کے آشیانوں میں سبزی ملی ہے جو سبز جنگل سے تیس چالیس میل دور ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ قول درست ہے کہ ظالم اپنے نفس پر ہی ظلم کرتا ہے۔ وہاں اخروی ظلم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مظلوم پر ظلم نہیں کرتا اپنے پر کرتا ہے۔ شعر:

پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد ۔ برگردن او بماند و برما بگزشت

بَابُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ

باب: نیک باتوں کا حکم دینا

بَابُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

امر ،کسی کام کے کرنے کا حکم دینا ہے حکم دینے والے کو آمر کہا جاتا ہے اور جسے حکم دیا جائے وہ مامور ہوتا ہے جبکہ جس بات کا حکم دیا جائے اسے مامور بہ کہتے ہیں۔حکم دینے والا عمر کے اعتبار سے یا رتبہ ومقام میں مامور سے بڑا ہوتا ہے یہاں امر سے حکم کے ساتھ دعوت دینا بھی مراد ہے اور لفظ امر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کا فریضہ انجام دے وہ اعمال صالحہ،تقویٰ اور پرہیز گاری میں مامور سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا چاہیے تاہم اگر ایسا نہ بھی ہو تو اس فریضہ کی ادائیگی سے رکنا نہیں چاہیے۔المعروف معرفت سے بنا ہے باب فعل یفعل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔معرفت کا معنی پہچاننا اور معروف وہ شخص، جگہ یا کام جس کی پہچان حاصل ہو یہاں معروف سے وہ عقائد واعمال مراد ہیں جو شریعت میں پہچانے جاتے ہیں اور شریعت نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، سچ، دیانت وغیرہ۔معروف کے مقابلے میں منکر کا لفظ آتا ہے اور اس سے مراد وہ امور ہیں جن کی شریعت میں پہچان نہیں یعنی شریعت نے ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ منع فرمایا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ قرآن پاک میں امت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوۃ والسلام کو خیر امت (بہترین امت) قرار دینے کے بعد فرمایا تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۱۰:۳) تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔چونکہ امر بالمعروف منصب رسالت ہے اس لیے جو لوگ اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں وہ وارثان انبیاء ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

امر بالمعروف ہر شخص پر اس کے منصب کے حوالے سے اور حسب استطاعت واجب ہے اس پر قرآن وسنت ناطق ہے،اور اجماع امت بھی ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے جیسے کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۰۴:۳) اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی دعوت دیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں مِنْكُمْ اُمَّةٌ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ فرض عین ہو جاتا ہے مثلاً کسی جگہ برائی ہو رہی ہو اور ایک آدمی کو اس کا علم ہو کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو تو صرف اس پر فرض ہے دوسروں پر نہیں۔نیکی کا حکم دینے والا اپنا فرض ادا کر دے تو بری الذمہ ہو جاتا ہے مخاطب قبول کرے یا نہ۔

اگر چہ امر بالمعروف کے لیے ضروری نہیں کہ آمر خود بھی وہ عمل کرے لیکن خود عمل پیرا ہونے کی صورت میں مخاطب پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (۲:۶۱) کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے (کنزالایمان) وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

امر بالمعروف حکمرانوں،علماء،مشائخ بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اسے صرف ایک طبقہ تک محدود کر دینا صحیح نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر شخص اس کو اپنی ذمہ داری سمجھے تو معاشرہ نیکیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ ‌نِ الْخُدْرِىِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۹۰۴) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں سے برا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اگر اس کی بھی نہیں رکھتا تو دل سے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔(مسلم)

(۴۹۰۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سعد بن مالک انصاری خدری ہے اور آپ اپنی کنیت ابوسعید خدری کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں آپ ان حفاظ حدیث میں سے ہیں جن کو بہت زیادہ احادیث یاد ہیں نیز آپ کا شمار بڑے بڑے فضلا اور عقلاء میں ہوتا ہے آپ سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ چوراسی سال کی عمر میں ۷۴ ھ میں آپ نے وصال فرمایا اور آپ کو جنت البقیع (مدینہ طیبہ) میں سپرد خاک کیا گیا لفظ خدری میں خاء پر ضمہ ہے اور دال ساکن ہے۔

رای یری مہموز العین باب فتح یفتح دیکھنا منکر، باب افعال سے اسم مفعول ہے وہ کام جو از روئے شریعت ناجائز ہو اسے ختم کرنا مراد ہے۔ استطاعت' کسی کام کا آدمی کے بس میں ہونا، طاقت مراد ہے۔ برائی کو بدلنے کے لیے ہر طبقے کو اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری سونپی گئی کیونکہ اسلام میں کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی ارباب اقتدار، اساتذہ، والدین وغیرہ جو اپنے ماتحتوں کو کنٹرول کر سکتے ہیں وہ قانون پر سختی سے عمل کرا کے اور مخالفت کی صورت میں سزا دے کر برائی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

مبلغین اسلام، علماء ومشائخ، ادیب وصحافی اور دیگر ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ سے سبھی لوگ اپنی تقریروں، تحریروں بلکہ شعراء اپنی نظموں کے ذریعے برائی کا قلع قمع کریں اور نیکی کو فروغ دیں بلسانہ کے تحت یہ تمام صورتیں آتی ہیں۔

اور عام مسلمان جسے اقتدار کی کوئی صورت بھی حاصل نہیں اور نہ ہی وہ تحریر وتقریر کے ذریعے برائی کا خاتمہ کر سکتا ہے وہ دل سے اس برائی کو برا سمجھے اگرچہ یہ ایمان کا کمزور ترین مرتبہ ہے کیونکہ کوشش کر کے زبان سے روکنا چاہیے لیکن دل سے جب برا سمجھے گا تو یقیناً خود برائی کے قریب نہیں جائے گا اور اس طرح معاشرے کے بے شمار افراد خود بخود راہ راست پر آ جائیں گے۔

حدیث شریف سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو آدمی برائی کو دل سے بھی برا نہ جانے اسے اپنے آپ کو مومنین میں شمار کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ دل سے برا سمجھنے میں تو کسی کا ڈر نہیں پھر بھی برا نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا وہ اس پر راضی ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ نِ اسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ اَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَآءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ اَعْلَاهَا فَتَاَذَّوْا بِهٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُدَّلِيْ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ وَاِنْ تَرَكُوْهُ اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ . (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۴۹۰۵) روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود میں سستی کرنے والوں اور ان میں گرنے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ ڈالا۔ پس کچھ لوگ اس کے نچلے حصے میں رہے اور کچھ اوپر والے میں۔ نیچے والے پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزرے۔ انہیں اس پر تکلیف دی جاتی تو انہوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کا نچلا حصہ توڑنا شروع کر دیا۔ فریق ثانی نے آ کر کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہا کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تو اسے بچا لیں گے اور اپنی جانوں کو بھی اور اگر چھوڑ دیں تو اسے ہلاک کر دیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر لیں گے۔ (بخاری)

(۴۹۰۵) ابوعبداللہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ انصاری ہیں آپ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال نو مہینے تھی آپ کے والدین بھی صحابی تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

زمانے میں آپ کوفہ کے والی تھے ۶۷ھ میں آپ کو اہل حمص نے شہید کیا آپ سے ایک جماعت نے احادیث روایت کیں جن میں آپ کے صاحبزادے محمد اور حضرت امام شعبی (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہیں۔ المدھن اسم فاعل مداھنت سے بنا ہے جس کے معنی فریب کرنا، دھوکہ دینا ہے یہاں سستی کرنا مراد ہے "حدود" حد کی جمع وہ شرعی سزائیں جو مقرر ہیں استھمو جمع مذکر فعل ماضی باب استفعال قرعہ اندازی کی صاریصیر ہوجانا، باب ضرب یضرب اجوف یائی تاذوا انہوں نے اذیت پائی۔ باب تفعل سے فعل ماضی جمع مذکر کا صیغہ ہے اور مہموز الفا ناقص یائی ہے۔ ینقر باب نصر یصیر سے مضارع واحد مذکر کا صیغہ ہے سوراخ کرنا توڑنا، اخذ وا علی یدیہ کسی کا ہاتھ روکنا، انجوا باب افعال سے انہوں نے بچایا اور نجوا ثلاثی مزید باب التفعیل ہے جو کہ متعدی اھلک باب افعال کسی کو ہلاک کرنا یا اس کو ہلاکت کا سبب بتانا اور ھلک نصر فتح سمع تینوں طرح آتا ہے اور اس کا معنی ہلاک ہوا دونوں ماضی صیغے ہیں اسے حدیث شریف میں ایک مثال کے ذریعے برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کی اہمیت کو واضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر یہ سمجھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا جائے کہ برائی کرنے والا خود نقصان اٹھائے گا ہمارا کیا نقصان ہے تو یہ سوچ غلط ہے اس لیے کہ اس کے گناہ کے اثرات تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور جس طرح کشتی توڑنے والا اکیلا ہی نہیں ڈوبتا بلکہ وہ سب لوگ ڈوبتے ہیں جو کشتی میں سوار ہیں اسی طرح برائی کرنے والے چند افراد کا یہ جرم تمام معاشرے میں ناسور بن کر پھیلتا ہے۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُلْقٰى فِى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فِى النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيْهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ اَىْ فُلَانُ مَاشَانُكَ اَلَيْسَ كُنْتَ تَاْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَنَهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۹۰۶) روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آگ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی۔ وہ پھرے گا۔ جیسے گدھا چکی کے گرد پھرتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس جمع ہوکر کہیں گے۔ اے فلاں، کیا بات ہے جبکہ آپ تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے؟ کہے گا کہ میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائی سے روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔ (متفق علیہ)

(۴۹۰۶) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اکرم کے محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ ام ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت اسامہ بن زید کی عمر بیس سال تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کا وصال ہوا یہ بھی کہا گیا کہ ۵۴ھ میں آپ نے وصال فرمایا ابن عبدالبر کہتے ہیں میرے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے آپ سے ایک جماعت نے روایت کی۔ تندلق، اندلاق سے بنا ہے اس کا معنی کسی چیز کا تیزی سے اپنی جگہ سے نکلنا اقتاب قتب کی جمع ہے' طحن یطحن باب فتح سے بنا۔

اس حدیث شریف میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا خود بھی باعمل ہو اگر وہ خود اچھے اعمال نہیں کرتا اور برائی سے اجتناب نہیں کرتا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ باعمل آدمی کی تبلیغ سے انکار کی گنجائش نہیں ہوتی اور یوں اس کا اپنا عمل دوسروں کے عمل کے لیے ترغیب وتحریص کا کام دیتا ہے لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوتاہی یا لاپروائی کی وجہ سے مبلغ اعمال صالحہ سے کنارہ کشی رکھتا ہے یا نفس وشیطان کے دھوکے میں آکر برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْلَیُوْشِكَنَّ اللّٰهِ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَاباً مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَكُمْ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۴۹۰۷) روایت ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ (ترمذی)

(۴۹۰۷) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کے امین تھے۔ آپ سے حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابوالدرداء اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے احادیث روایت کی ہیں آپ نے ۴۶ھ میں مدائن میں انتقال فرمایا اور آپ کا مزار پرانوار بھی وہیں ہے لیوشکن اوشک سے واحد مذکر غائب لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے اور یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سے پہلوتہی کتنا بڑا جرم ہے اس حدیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس کا بیان کیا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو تمہیں یہ فریضہ انجام دینا ہوگا یا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بعد اگر دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی یہ نہایت سخت قسم کی وعید ہے یعنی جب تک تم اپنی کوتاہی کا ازالہ نہیں کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگو گے تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہوگی اس حدیث میں امر بالمعروف کا ذکر بھی قسم اور تاکیدی صیغوں کے ساتھ ہوا اور عذاب کے ذکر کے لیے بھی تاکیدی صیغہ استعمال کیا گیا جو اس کی اہمیت اور عدم بجا آوری کی صورت میں عذاب کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

وَعَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِیْئَةُ فِی الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَ فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِیَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا . (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۹۰۸) روایت ہے حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں گناہ کیا جائے تو جو وہاں موجود ہو اور وہ اسے ناپسند کرے تو ایسا ہے جیسے وہاں موجود نہیں اور جو موجود نہیں لیکن اس سے راضی ہے تو وہ ایسا ہے جیسے موجود ہو۔ (ابوداؤد)

(۴۹۰۸) عرس بن عمیرہ عرس کی عین پر ضمہ اور راء ساکن ہے جب کہ عمیرہ کی عین مفتوح اور میم مکسور ہے یہ حضرت عدی بن عمیرہ کے بھائی ہیں صحابی ہیں ان سے ان کے بھتیجے عدی بن عمیرہ اور زید بن حارث رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث شریف میں برائی کو دل سے برا جاننے کی اہمیت کا ذکر ہوا کہ اگرچہ ایک شخص برائی کے ارتکاب کے وقت وہاں موجود نہ بھی ہو لیکن اس پر راضی ہو تو گویا وہ موجود تھا اور جو وہاں موجود ہو لیکن اس حرکت کو ناپسند کرے گویا وہ وہاں موجود ہی نہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گویا حقیقی موجودگی اور عدم موجودگی دل کی ہوتی ہے جسم کی نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ . یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ فَاِنِّیْ

(۴۹۰۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو، اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو تم پر اپنی جانوں کا بچانا لازم ہے۔ گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔ جبکہ تم

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يُّعَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَاْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَوْشَكَ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ مَامِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ مَا مِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ هُمْ اَكْثَرُ مِمَّنْ يَّعْمَلُهٗ.

ہدایت پر ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ جب کوئی برا کام دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب بھیج دے روایت کیا اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے اور اس کو صحیح کہا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب بھیج دے اور اسی کی دوسری روایت میں ہے کہ جس قوم میں ظلم کیے جاتے ہوں اور لوگ انہیں روکنے پر قدرت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جاتے ہوں اور کرنے والوں سے دوسرے لوگ زیادہ ہوں۔

(۴۹۰۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت غیر معروف نہیں آپ سب سے پہلے ایمان لائے سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے آپ کے فضائل ومناقب پر آیات واحادیث کثیرہ دلالت کرتی ہیں اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور مسلمانوں کے پہلے امیر تھے۔

قرآن پاک کی آیت ''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر رہو گے تو گمراہ ہونے والے تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے'' کے حوالے سے بعض لوگ سمجھتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں بلکہ آدمی کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے دوسروں کے گناہ یا کوتاہیاں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مغالطے کو دور کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے حوالے سے بتایا کہ جب لوگ برائی کو دیکھ کر اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو وہ سب عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ دوسری روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس تبدیلی کا تعلق طاقت سے ہے یعنی برائی کو بدلنے والے لوگ اس بات کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو وہ بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت عام اور مطلق نہیں بلکہ مقید اور خاص ہے۔ یعنی جب لوگ تمہاری بات نہ سنیں تو آپ اپنی اصلاح میں مصروف ہو جاؤ اس صورت میں ان کے گناہ کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات ہمارے دور سے متعلق نہیں اس وقت لوگ نیکی کی بات سنتے اور قبول کرتے ہیں یہ زمانہ بعد میں آئے گا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''جب تم ہدایت پر ہو'' کا مطلب یہ ہے کہ تم برائی سے روکو اور وہ نہ مانیں تو اب عذاب عام نہیں ہوگا بلکہ صرف برائی کے مرتکب لوگوں کو ہوگا۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ رَّجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۹۱۰) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ کسی قوم میں کوئی آدمی ان کے درمیان گناہ کرتا ہو اور وہ اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب بھیجے گا اس سے پہلے کہ وہ مریں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۴۹۱۰) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرو ہے اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام لائے اس کے بعد کوفہ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ دراز کے بعد قرقسیا مقام پر منتقل ہوئے اور ۵۱ ھ میں انتقال فرمایا آپ سے بے شمار لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث کا مضمون گزشتہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ جس قوم یا جماعت میں کچھ لوگ برائی کے مرتکب ہوں اور وہ قوم ان کو روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روکے تو وہ بھی عذاب خداوندی کے مستحق ہوں گے اور یہ عذاب وہ لوگ مرنے سے پہلے دنیا میں ہی دیکھ لیں گے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ برائی کو بدلنے میں کوتاہی کرنا دوسرے جرائم کے مقابلے میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جب کہ اس کوتاہی کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات)

اس حدیث کی روشنی میں حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ اقتدار اور طاقت کے باوجود معاشرے سے برائیوں کا قلع قمع نہیں کرتے حالانکہ یہ ان کا فرض ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰی اِذَا رَاَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَّهَوًی مُتَّبَعًا وَّدُنْیَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِهٖ وَرَاَیْتَ اَمْرًا لَّا بُدَّ لَكَ مِنْهُ فَعَلَیْكَ نَفْسَكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَامِّ فَاِنَّ وَرَآءَكُمْ اَیَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِیْهِنَّ قَبَضَ عَلَی الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَّعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِهٖ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْكُمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۴۹۱۱) حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے تم پر اپنی جانوں کو بچانا لازم ہے۔ گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو کے متعلق فرمایا۔ خدا کی قسم میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا تم نیکی کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو۔ یہاں تک کہ جب دیکھو کہ بخل کی تابعداری کی جا رہی ہے خواہشات کی پیروی ہو رہی ہے دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے ہر ایک اپنی رائے پر نازاں ہو اور ایسا معاملہ دیکھو کہ چارہ کار کوئی نہ ہو تو تم پر خود کو بچانا لازم ہے اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ پیچھے صبر کے دن ہیں۔ جس نے ان دنوں میں صبر کیا تو گویا چنگاری پکڑی۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ہے۔ جو اسی طرح عمل کرتے ہوں۔ عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! ان کے پچاس جتنا؟ فرمایا کہ تمہارے پچاس آدمیوں جتنا ثواب۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۴۹۱۱) حضرت ابو ثعلبہ جرہم بن ناشب خشنی رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابو ثعلبہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں بیعت رضوان کے موقع پر آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بھی اسلام لے آئے۔ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے اور ۷۵ ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا ائتمروا باب افتعال سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے۔ تناھوا باب تفاعل سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے۔ مطاعا، باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ، متبعا باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے مؤثرۃ تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ۔ اعجاب کا مطلب اپنی رائے پر اترانا اور تکبر کرنا ہے۔

اس حدیث شریف میں ان مشکل حالات کا ذکر ہے جن میں آدمی کسی سے نیکی کی بات سننا پسند نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کے روکنے سے برائی سے رکے گا کیونکہ لالچ، خواہشات نفسانیہ اور خود پسندی جیسی صفات ذمیمہ نے اسے اندھا اور بہرہ کر دیا ہوگا ان حالات میں اگر کوئی شخص

سمجھتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کی مجلس میں جانے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے رنگ میں رنگا جاؤں گا تو اس وقت اپنے ایمان کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے چونکہ وہ لوگ کوئی بات سننے کو ہی تیار نہیں لہٰذا اب امر بالمعروف سے پہلوتہی قابل مواخذہ نہیں ہوگی۔ یہ وہ حالات ہوں گے کہ اس ماحول میں عمل کرنے والے کو پچاس عاملین کے برابر ثواب ملے گا اور وہ بھی عام لوگ نہیں بلکہ صحابہ کرام میں سے پچاس مراد ہیں۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ امت کے آخری دور کے لوگوں کو صحابہ کرام پر جزوی فضیلت حاصل ہے لیکن جمور علماء نے اس کا سخت رد کیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو شرف صحابیت حاصل ہے اس کا مقابلہ کوئی فضیلت نہیں کرسکتی اور دوسرے لوگ اس اعزاز سے محروم ہیں، قوت القلوب میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر انوار پر ایک نظر پڑنے سے جو پردے کھلتے ہیں اور ان کا کام بنتا ہے وہ دوسروں کی سالہا سال کی محنت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ (اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ن الْخُدْرِیِّ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْباً بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ یَدَ عْ شَیْئًا یَّکُوْنُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا ذَکَرَہٗ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ وَکَانَ فِیْہِ فِیْمَا قَالَ اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَّاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اَلَا وَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ وَقَالَ ذَکَرَ اَنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ فِی الدُّنْیَا وَمَا غَدْرَ اَکْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّۃِ یُغْدَرَ لِوَآءُہٗ عِنْدَاسْتِہٖ قَالَ لَا یَمْنَعَنَّ اَحَداً مِّنْکُمْ ھَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنْ رَّاٰی مُنْکَرًا اَنْ یُّغَیِّرَہٗ فَبَکٰی اَبُوْ سَعِیْدٍ قَالَ قَدْ رَاَیْنَاہُ فَمَنَعَتْنَا ھَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ نَّتَکَلَّمَ فِیْہِ ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِناً وَّیَمُوْتُ مُؤْمِناً وَّمِنْھُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا وَّمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا وَّمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا قَالَ وَذَکَرَ الْغَضَبَ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ فَاِحْدٰھُمَا بِالْاُخْرٰی وَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ بَطِیْءُ

(۴۹۱۲) روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ پس آپ نے قیامت تک ہونے والی کوئی خبر نہ چھوڑی مگر اس کا ذکر کردیا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا اس میں آپ نے فرمایا۔ بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تم کو خلافت دینے والا ہے۔ پس دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ خبردار، دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو اور ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز ہر دغا باز کے لیے اس کی دنیاوی دغا بازی کے مطابق جھنڈا ہوگا اور حاکم کی عام دغا بازی سے بڑھ کر کوئی دغا بازی نہیں۔ اس کا جھنڈا اس کے پاخانے کی جگہ کے پاس گاڑا جائے گا۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جبکہ اسے معلوم ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر برا کام دیکھے تو اس سے روکے۔ پس حضرت ابو سعید رو پڑے اور فرمایا ہم اسے دیکھتے ہیں اور لوگوں کی ہیبت ہمیں اس کے متعلق بولنے سے روکتی ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی مختلف درجوں کے پیدا کیے گئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو مومن پیدا ہوتے ہیں مومن ہی زندہ رہتے ہیں اور مومن مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے، کافر زندہ رہتے اور کافر ہی مرتے ہیں اور ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے، مومن زندہ رہتے اور کافر مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے، کافر زندہ رہتے اور مومن مرتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے غصے کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے بعض کو جلد غصہ آتا

اَلْفَیْءِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی وَخِیَارُکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ وَشِرَارُکُمْ مَنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ بَطِیْءَ الْفَیْءِ قَالَ اتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلَی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَیْنَیْهِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ذَالِكَ فَلْیَضْطَجِعْ وَلْیَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ قَالَ وَذَکَرَ الدَّیْنَ فَقَالَ مِنْکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَاِذَا کَانَ لَهٗ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَیِّءَ الْقَضَاءِ اِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰی وَخِیَارُکُمْ مَّنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ اَحْسَنَ الْقَضَآءَ وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلَ فِی الطَّلَبِ وَشِرَارُکُمْ مَنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ اَسَآءَ الْقَضَآءَ وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رُءُوْسِ النَّخْلِ وَاَطْرَافِ الْحِیْطَانِ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا فِیْمَا مَضٰی مِنْهَا اِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنْ یَّوْمِکُمْ هٰذَا فِیْمَا مَضٰی مِنْهُ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

اور جلد چلا جاتا ہے۔پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ان میں سے بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور تم میں سے برے وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے اور دیر سے جائے۔فرمایا کہ غصے سے بچو کیونکہ یہ آدمی کے دل پر چنگاری ہے۔کیا تم اس کی رگوں کے پھولنے اور آنکھوں کے سرخ ہونے کو نہیں دیکھتے۔جس کو غصہ محسوس ہو تو چاہیے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے۔راوی کا بیان ہے کہ آپ نے قرض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے کوئی اچھی طرح ادا کردیتا ہے لیکن جب اس کا کسی پر ہو تو لینے میں سختی کرتا ہے دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ان میں سے کوئی ادا کرنے میں برا ہے لیکن اگر اس کا کسی پر ہو تو طلب میں اچھا ہے۔یہ ایک عادت دوسری کے ساتھ ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو اچھی طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو اچھی طرح طلب کرے اور تم میں سے برا وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو بری طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو سختی سے طلب کرے۔خواہ سورج، درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر ہو۔نیز فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں سے گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں نہیں باقی رہا مگر اتنا حصہ جتنا آج گزرے ہوئے وقت سے باقی رہ گیا ہے (ترمذی)

(۴۹۱۲) لم یدع ودع یدع سے نفی حجد بلم کا صیغہ ہے مثال واوی باب فتح یفتح ہے مستخلف باب استفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال کے معنی میں ہے غادر، غدر سے اسم فاعل ہے دھوکہ باز کو کہتے ہیں است سرین کو کہتے ہیں سریع الفی جس کا غصہ جلدی اتر جائے بطئی الفی جس کا غصہ دیر سے اترے بطوء تاخیر کو کہتے ہیں اوداج ودج کی جمع ہے رگیں، انتفاخ پھولنا، حیطان حائطہ کی جمع دیواریں باغ کو بھی حائط کہتے ہیں اس طویل حدیث میں کئی مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے۔

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل کے متعلق مکمل احکام ذکر فرمائے جو آپ کا معجزہ ہے ورنہ اتنے مختصر وقت میں اور پھر مستقبل کے واقعات کا بیان ممکن نہیں۔

(۲) دنیا میٹھی اور سرسبز ہے ہر شخص اسے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک آزمائش ہوتی ہے کہ آیا دولت واقتدار حاصل ہونے کے بعد انسان احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے یا ان کی تعمیل۔لہٰذا آزمائش میں ناکامی کے خوف سے کوشش کی جائے کہ

دنیا اور عورتوں کے فتنوں سے دور رہیں۔

(۳) دنیا میں جو بھی شخص دھوکہ بازی اور خیانت کرے گا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل ورسوا ہوگا حکمرانوں اور بڑے بڑے افسروں کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۴) کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف آڑے نہیں آنا چاہیے ورنہ معاشرتی نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔

(۵) خاتمے کے بارے میں فکر مند رہنا چاہیے اور ہر وقت حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

(۶) دنیا میں وہی انسان سب سے اچھا ہے جس کو غصہ دیر سے آئے اور جلد چلا جائے اور وہ شخص سب سے برا ہے جسے جلدی غصہ آئے اور دیر سے جائے۔

(۷) غصے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک ایسی آگ ہے جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دے گی۔

(۸) قرض کے سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سب سے اچھا قرار دیا جو قرض دے تو اچھی طرح واپس مانگے اور قرض لے تو اچھے طریقے سے ادا کرے۔ جبکہ وہ شخص جو طلب میں بدکلامی کا مظاہرہ کرے اور کسی کا قرض دینا ہو تو اچھے طریقے سے ادا نہ کرے وہ سب سے برا آدمی ہے۔

(۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا جس طرح اب سورج کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی ہے اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے لہٰذا اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وَعَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَنْ یُّهْلَكَ النَّاسُ حَتّٰی یُعْذِرُوْا مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۴۹۱۳) ابو البختری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہلاک نہیں کیے جائیں گے یہاں تک کہ اپنے آپ کو معذور بنائیں۔ (ابوداؤد)

(۴۹۱۳) حضرت ابو البختری (باء پر فتحہ اور خاء ساکن) تابعی ہیں اور کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ کا اسم گرامی سعید بن فیروز ہے آپ نے رویت ہلال کے سلسلے میں بھی حدیث روایت کی ہے۔ یعذروا اعذار سے مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے گناہوں اور عیبوں کا زیادہ ہونا۔ اعذار کا معنی عذر کا سبب ہونا اور اس کا ازالہ بھی ہے یعنی جب کسی شخص کے گناہ اور عیب زیادہ ہو جائیں اور اب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور بندوں کی طرف سے نہی عن المنکر کا مستحق ہو جائے اور کوئی بہانہ کر سکے۔ اعذار کا معنی صاحب عذر بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ گناہ کر کے اس کی مختلف فاسد تاویلیں کریں گے۔ عذر پیش نہ کریں گے۔

بعض روایات میں یعذروا (باراء پر فتح کے ساتھ) بھی آتا ہے گویا وہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس بات سے معذور ہیں کہ ان کو جھڑکا جائے اور منع کیا جائے۔

وَعَنْ عَدِیِّ بْنِ عَدِیِّ نِ الْکِنْدِیِّ قَالَ حَدَّثَنَا مَوْلًی لَّنَا اَنَّهٗ سَمِعَ جَدِّیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰی یَرَوُا الْمُنْکَرَ بَیْنَ ظَهْرَانَیْهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ اَنْ یُّنْکِرُوْهُ فَلَا

(۴۹۱۴) عدی بن عدی الکندی کا بیان ہے کہ ہمارے مولیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے جد امجد سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کے باعث عذاب نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان برے کام ہوتے ہوئے دیکھیں

يُنْكِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَآمَّةَ وَالْخَآصَّةَ ۔ (رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

اور اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب کو عذاب دے گا۔ (شرح السنہ)

(۴۹۱۴) عدی بن عدی الکندی (الکندی کاف کے کسرہ سے ہے) ایک یمنی قبیلہ کندہ کی طرف منسوب ہیں آپ تابعی فقیہ ہیں آپ کے والد عدی بن عمیرہ اور چچا عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں آپ نے ان دونوں سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے حضرت ایوب اور عطاء خراسانی وغیرھما نے احادیث روایت کی ہیں۔

العامۃ عام لوگ الخاصۃ قوم کے بعض افراد بین ظھرینھم ان کے سامنے۔ اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جب کسی قوم میں سے کچھ افراد برائی کا ارتکاب کریں تو اس کا عذاب صرف انہی کو ہوگا قوم کے دوسرے افراد کو نہیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (٦،١٦٤) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (کنزالایمان) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

البتہ جب ان کے سامنے برائی ہورہی ہو اور وہ روکنے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو نہ روکیں تو اب سب کو عذاب ہوگا اور یہ ارشاد خداوندی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ گناہ کرنے والوں کو ان کے عمل کی سزا ملے گی اور دوسرے اس لیے سزا کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے برائی کو روکنے سے متعلق اپنے ذمہ داری کو پورا نہ کرکے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ فِى الْمُعَاصِىْ نَهَتْهُمْ عُلَمَآئُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوْا فَجَالَسُوْهُمْ فِىْ مَجَالِسِهِمْ وَاٰكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ لَا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تَاْطِرُوْهُمْ اَطْرًا ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ) وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهُ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰى يَدَىِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَّ لَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ ۔

(۴۹۱۵) روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ باز نہ آئے۔ پس علماء ان کی مجلسوں میں شامل ہوتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو دوسرے بعض کے دلوں سے ملادیا۔ پس ان پر حضرت داؤداور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت فرمائی یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کی حد سے گزرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم انہیں ظلم سے پوری طرح روک لو۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ایک روایت میں فرمایا خدا کی قسم تم ضرور نیک کاموں کا حکم دو گے برے کاموں سے منع کرو گے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف کھینچ لوگے اور اسے مجبور کردو گے کہ اپنے حق پر ہی رہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض دلوں کو دوسرے بعض دلوں سے ملادے گا پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے دوسروں پر لعنت کی تھی۔

(۴۹۱۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اسلام لانے

والوں میں چھٹے نمبر پر ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے تھے آپ کے نعلین مبارک اور مسواک مبارک کے امین اور آپ کے راز دار تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے بے شمار احادیث کی روایت سے مشرف ہوئے ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ سے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے احادیث روایت کی ہیں۔

فجالسوھم ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے اکلوھم، جالسوھم، شاربوھم تمام صیغے باب مفاعلہ سے جمع مذکر غائب ماضی کے صیغے ہیں اور ھم غیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ باب مفاعلہ فعل میں شراکت کا تقاضا کرتا ہے گویا ان کا کھانے پینے اور مجلس میں اشتراک تھا۔ اطریا طریاب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے کسی چیز کو توڑ دینا ہے اور دوہرا کرنا اس حدیث شریف میں بنی اسرائیل کے علماء کا کردار ذکر کرنے کے بعد اس راستے پر چلنے سے روکا گیا بتایا گیا کہ بنی اسرائیل کے علماء نے اپنی قوم کو برائی سے منع کیا جب وہ باز آئے تو بجائے اس کے کہ وہ ان کا بائیکاٹ کرکے ان کو برائی چھوڑنے پر مجبور کرتے خود ان کے ہم مجلس اور ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے اور ان کے دل ایک جیسے ہوگئے جس کی بنیاد پر وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ارباب اختیار اور علماء کو متنبہ کیا کہ تمہیں اس طریقہ کار سے بچنا ہوگا اور برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا ہاتھ روکنا ہوگا منافقت و مداہنت سے کام لینے کی بجائے غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا ہوگا ظالم کا ہاتھ روک کر اسے راہ حق پر لانا ہوگا ورنہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح لعنت کے مستحق ہوجاؤ گے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَآءِ يَا جِبْرَائِيْلُ قَالَ هٰؤُلَآءِ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَبَيْهَقِيٌّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ خُطَبَآءُ مِنْ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ)

(۴۹۱۶) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معراج کی رات میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے کہا۔ اے جبرائیل یہ کون ہیں؟ کہا کہ یہ آپ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن اپنی جانوں کو بھلا دیتے ہیں۔ روایت کیا اسے شرح السنہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔ دوسری روایت میں کہا۔ آپ کی امت کے خطیب جو دوسروں سے کہتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔

(۴۹۱۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے آپ کی کنیت ابوحمزہ خزرجی تھی۔ آپ کی والدہ کا نام ام سلیم بنت ملحان تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھیں، خلافت فاروقی میں آپ بصرہ منتقل ہوگئے وہاں آپ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے رہے آپ نے ۹۱ھ میں ایک سو تین سال یا ننانوے سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ بصرہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابی تھے۔ مقاریض مقراض کی جمع (اسم آلہ) قینچیاں۔

شب معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف لوگ مختلف سزاؤں میں مبتلا دکھائے گئے تاکہ آپ اپنی امت کو آگاہ فرمائیں کہ فلاں فلاں جرم کی فلاں فلاں سزائیں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور یوں لوگ اجتناب کی راہ اختیار کریں چونکہ واعظین اور خطباء اپنی زبانوں سے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں اس لیے خطباء کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کٹتی ہوائی دکھائی گئیں اور واضح کیا گیا کہ دوسرے کو تبلیغ کرکے خود عمل نہ کرنے والے سزا کے مستحق ہیں اور یہ زبانیں اس قابل ہیں کہ ان کو یہ سزا دی جائے۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتِ الْمَآئِدَةُ مِنَ السَّمَآءِ خُبْزًا وَّلَحْمًا وَّاُمِرُوْا اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِغَدٍ فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا وَرَفَعُوْا لِغَدٍ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۴۹۱۷) روایت ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔آسمان سے روٹی اور گوشت والا دسترخوان نازل ہوا اور حکم دیا گیا کہ خیانت نہ کرنا اور کل کے لیے جمع نہ کرنا پس انہوں نے خیانت کی اور اگلے روز کے لیے اٹھا کر رکھ لیتے۔پس وہ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کردیئے گئے۔(ترمذی)

(۴۹۱۷) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے دونوں باپ بیٹا ابتدائی دور میں اسلام لائے اور اسلام لانے کی پاداش میں سختیاں جھیلیں آپ کو کفار نے انگاروں پر لٹایا پانی میں غوطے دیئے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا لیکن آپ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی ۳۶ھ میں آپ نے اکانوے برس کی عمر میں جنگ صفین میں شہادت پائی۔

المائدہ: امام راغب فرماتے ہیں اس تھال کو کہا جاتا ہے جس میں کھانا کھاتے ہیں لیکن دسترخوان اور کھانے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں کھانا مراد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر روٹی اور گوشت آسمان سے نازل ہوا لیکن ان کو ذخیرہ کرنے اور دوسرے دن کے لیے بچا کر رکھنے سے منع کیا گیا تھا اور جب انہوں نے اس حکم کی پابندی نہ کی تو ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں۔گویا اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرنے والے اتنی بڑی سزا کی مستحق ہیں یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ یہ امت دن رات حکم خداوندی سے منہ پھیرتی ہے لیکن شکل بگڑنے کے عذاب سے محفوظ ہے۔

اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف کرنے والا اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اور جن لوگوں کو برائی سے روکا گیا وہ عمل نہ کریں تو سزا کے مستحق ہوں گے جیسے ان لوگوں کو دوسرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا لیکن جب انہوں نے اطاعت نہ کی تو ان کو سخت سزا دی گئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِيْبُ اُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ سُلْطَانِهِمْ شَدَآئِدُ لَا يَنْجُوْا مِنْهُ اِلَّا رَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَجَاهَدَ عَلَيْهِ بِلِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَقَلْبِهٖ فَذٰلِكَ الَّذِيْ سَبَقَتْ لَهُ السَّوَابِقُ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ وَصَدَّقَ بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَسَكَتَ عَلَيْهِ فَاِنْ رَاٰى مَنْ يَّعْمَلُ الْخَيْرَ اَحَبَّهٗ عَلَيْهِ وَاِنْ رَّاٰى مَنْ يَّعْمَلُ بِبَاطِلٍ اَبْغَضَهٗ عَلَيْهِ فَذٰلِكَ يَنْجُوْ عَلٰى اِبْطَانِهٖ كُلِّهٖ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۹۱۸) روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔آخری زمانے میں میری امت کو اپنے حکمرانوں سے سخت تکلیفیں پہنچیں گی۔ان سے نجات نہیں پائے گا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر اپنی زبان ہاتھ اور دل کے ساتھ جہاد کیا۔یہ وہ شخص ہے جو پوری طرح سبقت لے گیا۔دوسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی۔تیسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر خاموش رہا اگر کسی کو نیکی کرتے دیکھا تو اس سے محبت کرنے لگا اور اگر کسی کو غلط کام کرتے دیکھا تو اس سے ناخوش رہا۔یہ سب اپنی اندرونی حالت کے باعث نجات پا جائیں گے۔(بیہقی)

(۴۹۱۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفاء راشدین میں سے ہیں آپ کا اسلام قبول کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ آپ کو بارگاہ خداوندی سے مانگا گیا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ایمان کے لیے دعا کی اور جب آپ ایمان لائے تو مسلمان بہانگ دھل اسلام کا اعلان کرتے اور نماز پڑھتے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور مسلمانوں کی ماں تھیں آپ کا نظام حکومت اور عدل ضرب المثل ہے آپ پر ۱۸ ذوالحج بدھ کی صبح نماز کے وقت ایک بدبخت نے قاتلانہ حملہ کیا اور اتوار کے دن آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے اور اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ شدائد، شدت کی جمع ہے سختیاں مصائب، السوابق، سابقۃ کی جمع ہے سبقت کے معنی آگے بڑھنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے دور کی خبر دی کہ جب حکمران دنیوی لالچ اور خواہشات کا شکار ہو کر اپنی رعایا پر ظلم و زیادتی کریں گے تو اس وقت تین قسم کے لوگ ہوں گے، ایک وہ جو سب سے آگے بڑھنے والے سبقت لے جانے والے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے ان ظالموں کے خلاف جہاد کریں گے۔ دوسرے وہ جن کو دین کی پہچان حاصل ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کریں گے اور دین کا اظہار کریں گے لیکن ہاتھ سے نہیں روک سکیں گے۔ جب کہ تیسرے قسم کے لوگ دین کی پہچان رکھتے ہوں گے اور زبان سے خاموش رہیں گے اچھی بات دیکھ کر پسند کریں گے اور برائی اور باطل کے مرتکبین کو دیکھ کرنا پسند کریں گے تو یہ تین قسم کے لوگ نجات پانے والے ہوں گے جب کہ وہ لوگ جو اس برائی کو دور کرنا تو درکنار دل سے بھی برا نہیں جانیں گے وہ گویا ان ظالموں کے ساتھ ظلم میں شریک ہوں گے اور یوں وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَارَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

(۴۹۱۹) روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں بستی کو اس کے باشندوں پر الٹا دو۔ عرض گزار ہوئے کہ اے رب اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ فرمایا کہ اس پر اور دوسرے سب پر الٹا دو کیونکہ میری خاطر اس کا چہرہ ایک ساعت کے لیے بھی متغیر نہیں ہوا تھا۔ (بیہقی)

(۴۹۱۹) حضرت ابوعبداللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری سلمی تھے آپ معروف صحابہ کرام میں شامل ہیں اور آپ سے مروی روایات بہت زیادہ ہیں غزوہ بدر اور اس کے بعد اٹھارہ غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی آپ نے چورانوے سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ ایک قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی آپ ہی ہیں۔

قلب یقلب باب ضرب یضرب سے ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو الٹ دینا اور پھیر دینا اس سے اقلب امر کا صیغہ ہے تمعر یتمعر تمعرا باب تفعل سے ہے غصے کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدل جانا۔

اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اعمال صالحہ سے تعلق اور برائیوں سے اجتناب ضروری ہے وہاں دین و ملت کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم نیز معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے پریشان ہونا بھی ایمان کا تقاضا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر معاشرتی برائیوں کے ازالے کے لیے کوشاں نہیں رہتے اور عدم طاقت کی صورت میں اس پر پریشان بھی نہیں ہوتے ان کا تقویٰ کس کام کا۔ لہٰذا اپنی اصلاح اور عبادت خداوندی میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ملک و ملت اور مسلمانان عالم کی زبوں حالی کے خاتمے اور معاشرے کو غیر شریعت حرکات و سکنات سے پاک کرنے کے لیے کوشاں رہنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۴۹۲۰) روایت ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَسْئَالُ الْعَبْدَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ مَالَكَ اِذَا رَاَيْتَ الْمُنْكَرَ فَلَمْ تُنْكِرْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُلَقّٰى حُجَّتَهٗ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ خِفْتُ النَّاسَ وَرَجَوْتُكَ ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھتے ہوئے فرمائے گا۔ تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو برائی کو دیکھتا تھا لیکن اس سے منع نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے حجت سکھا دی جائے گی۔ لہٰذا عرض کرے گا۔ اے رب! لوگوں سے ڈرتے ہوئے اور تجھ سے امید رکھتے ہوئے۔ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

(۴۹۲۰) **فیلقی تلقیة باب تفعیل** سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے کسی بات کا دل میں ڈالنا تلقیۃ کہلاتا ہے رجوت نصر ینصر سے واحد متکلم فعل ماضی کا صیغہ ہے میں نے امید کی۔

اس حدیث شریف میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے نزول کا ذکر ہے جو برائی سے نفرت کرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ اس کا قلع قمع کیا جائے لیکن بدمعاشوں کی بدمعاشی ان کے آڑے آتی ہے اور وہ برائی کو دل سے برا سمجھتے ہوئے عملاً اسے ختم نہیں کر سکتے قیامت کا دن اتنا ہولناک ہوگا کہ انسان کو جو بات یاد ہوگی وہ بھی بھول جائے گا لیکن برائی سے نفرت کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمت ہوگی کہ وہ خود ان کو جواب سکھا دے گا لیکن یہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو برائی کے خلاف آواز کسی مجبوری کے تحت بلند نہیں کر سکتے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اَنَّ الْمَعْرُوْفَ وَالْمُنْكَرَ خَلِيْقَتَانِ تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَمَّا الْمَعْرُوْفُ فَيُبَشِّرُ اَصْحَابَهٗ وَيُوْعِدُهُمُ الْخَيْرَ وَاَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُوْلُ اِلَيْكُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهٗ اِلَّا لُزُوْمًا ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۴۹۲۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے نیکی اور بدی دونوں قیامت کے روز لوگوں کے لیے کھڑی کی جائیں گی۔ نیکی اپنے کرنے والوں کو خوشخبری سنائے گی اور ان سے بھلائی کا وعدہ کرے گی جب کہ برائی کہے گی کہ دور ہو جاؤ اور ان میں طاقت نہیں ہوگی مگر اس کے ساتھ چمٹنے کی۔ اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

(۴۹۲۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس ہے آپ مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے وہاں سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر میں حاضر ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں آپ کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا چنانچہ آپ نے اہواز کا علاقہ فتح کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کوفہ منتقل ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۵۲ھ میں وصال فرمایا۔

خلیقتان مخلوقتان (دو پیدا کی ہوئی چیزیں) لزوم کسی چیز کا کسی سے چمٹ جانا لازم ہو جانا اس حدیث شریف میں ثواب وعقاب کی حقانیت کو واضح کیا گیا کہ نیکی اور برائی دنیا میں ہی ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ قیامت کے دن ان کا بدلہ (اچھا یا برا) ملے گا نیکی جس طرح دنیا میں قلبی سرور کا باعث ہوتی ہے قیامت کے دن بھی خوشی کا باعث بنے گی اور برائی جس طرح دنیا میں دل کی پریشانی کا سبب ہوتی ہے قیامت کے دن بھی پریشانی کا موجب ہوگی اور یہ بھی بتایا گیا کہ برائی کا مرتکب شخص اس قدر ناپسندیدہ ہوگا کہ خود برائی بھی اسے اپنے آپ سے دور کرے گی لیکن وہ دور نہیں ہو سکے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسانی اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں بندہ صرف کسب کرتا ہے۔

March 2019
اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم ادارہ
مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی
جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج
مختصر تعارف
طلبہ:
شعبہ حفظ: 145
شعبہ ناظرہ: 240
شعبہ درس نظامی: 105
شعبہ تجوید: 10
اور انہیں شعبہ جات میں 400 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹر تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم وبیش 100 طلباء
مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام وقیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔
مدرسہ کا اسٹاف
شعبہ حفظ وناظرہ 14 اساتذہ
شعبہ درس نظامی وتجوید 10 اساتذہ
شعبہ عصری علوم یعنی اسکول 11 اساتذہ
باورچی 2 خادم 4 چوکیدار 2
کل طلبہ کم وبیش پانچ سو اور پورہ اسٹاف 43 افراد پر مشتمل ہے۔
مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان
DONATION
HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 0050002565703 - BRANCH CODE :0050
www.facebook.com/markazuloloom
https://www.waseemziyai.com
https://www.youtube.com/waseemziyai
https://www.facebook.com/MadniLibrary/